مناظرہ و
کلام
۱۰

سرورق ثانی کی پشت یعنی صفحہ ب پر مطالعہ کتاب سے پہلے اطلاع عام ضروری

البلاغ المبین (حصہ اوّل)

کتاب دوم

تالیف

(خان صاحب) آغا محمد سلطان مرزا ایم۔ اے ایل۔ ایل۔ بی
ڈسٹرکٹ و سشن جج پنجاب
(ریٹائرڈ)

قیمت آٹھ روپے۔ محصول ڈاک بذمہ خریدار

وَجَاءَكَ فِي هَٰذِهِ الْحَقُّ وَمَوْعِظَةٌ وَذِكْرَىٰ لِلْمُؤْمِنِينَ ط

البلاغ المبین

در اثبات

خلافتِ بلافصل امیر المومنین

حصہ اول کتاب دوم

جس میں

جنابِ رسول خدا کے قائم کردہ نظام کو درہم و برہم کرنے کے لئے جو انقلاب مخالفین علی ابن ابی طالب نے پیدا کیا تھا اس انقلاب کے مختلف منازل اور اسکے کارکنان کے مقصد سیاست کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ جن حالات و واقعات نے اس انقلاب کو مدد دی اور جو تدابیر اسکو کامیاب بنانے کیلئے اس کے مدبران نے اختیار کیں وہ نہایت شرح و بسط سے درج ہیں۔ کس طرح حکومتِ سقیفہ نے اپنا مقصد حاصل کرنے کیلئے نبوت کا تجزیہ احکام رسول کی تقسیم اور اسلام کی ترمیم و تنسیخ کر کے شارع علیہ السلام کو بالکل اسلام سے علیحدہ کر دیا اور خود اسلام پر ہی قبضہ کر لیا۔ بہت اچھی طرح نمایاں کیا گیا ہے۔ کارروائی سقیفہ کے مضر نتائج و عواقب اور حکومتِ سقیفہ کی لغزشیں ایک ایک کر کے بیان کی گئی ہیں ؁

تالیف

(خان صاحب) آغا محمد سلطان مرزا دہلوی ایم اے، ایل ایل بی،

ڈسٹرکٹ و سشن جج پنجاب (ریٹائرڈ)

صدر، شیعہ مجلس اوقاف دہلی

پریزیڈنٹ انجمن شیعۃ الصفا پراونشل شیعہ کانفرنس

ممبر اوکورٹ او یونیورسٹی او دہلی سپیشل مجسٹریٹ درجہ اول مع اختیارات دفعہ ۳۰ ضابطہ فوجداری۔ سابق آنریری سکرٹری۔ پراونشل سول سروس ایسوسی ایشن جوڈیشل برانچ وغیرہ وغیرہ

بار اول | جون ۱۹۴۵ء | پانچ صد

وَمَا عَلَيْنَا إِلَّا الْبَلَاغُ - فَمَنْ أَبْصَرَ فَلِنَفْسِهِ وَمَنْ عَمِيَ فَعَلَيْهَا

اطلاع ضروری

تا منفعل زر بخشِ بے جا نہ سازمت　　　می آرم اعتراف گناہِ نبودہ را

یہ کتاب البلاغ المبین حصہ اول کتاب دوم در اثبات عقائد مذہب شیعہ اثنا عشری لکھی گئی ہے۔ اور اس ہی فرقہ میں اس کی اشاعت مطلوب ہے۔ لہٰذا اطلاعِ عام دی جاتی ہے کہ اہل سنت وجماعت و دیگر فرقِ اسلام اس کتاب کو نہ ملاحظہ فرمائیں اور نہ خریدیں۔

بمبئی چوب پریس دہلی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حمد و شکر و مناجات بدرگاہ قاضی الحاجات

اے کارکشائے ہر چہ ہستند
نام تو کلید ہر چہ بستند

سزاوار صد گونہ ستائش وہ ذاتِ ابدی ہے جس نے دُنیا کی نعمتوں کو اپنے شکر کا اور اُس کے مصائب و آلام کو اپنے تقرب کا ذریعہ بنایا۔ جس نے دنیا کی زندگی کو لہو و لعب بتاکر اپنے خاص بندوں کو اس سے بے نیاز کر دیا۔ اور اُسی کو مزرعہ آخرت قرار دیکر مرجع انام بنایا جس نے ہر شے میں اُس کی ضد کو مُضمر کرکے اپنی قدرت کا تماشا دکھایا اور صاحبانِ عبرت کے نزدیک اُسی کو اپنی وحدانیت کی دلیل ٹھرایا۔ راحت کی انتہا کو رنج اور رنج کی انتہا کو صبر کی صورت میں راحت کی ابتدا قرار دیا۔ مشکل کی انتہا سہولت اور سہولت کی انتہا مشکل، عروج کی انتہا تنزّل اور تنزّل کی انتہا عروج کی ابتدا مُقرر فرمائی۔ یہاں تک کہ زندگی کی انتہا مَوت اور مَوت کی انتہا زندگی قرار دے کر انسان کی زندگی کے ازل کو اُس کے ابد سے ملا دیا۔ جس نے خوشی و غم کی آمیزش اس خوبی سے کی کہ ایک کو دوسرے کے بغیر بے مزا کر دیا۔ جس نے زندگی کے حظ کو مَوت کی تلخی کے ساتھ اس طرح وابستہ کیا کہ بغیر اس تلخی کے حظ ہی نہیں۔

خداوندا! اگر عمرِ نوح مجھے عطا ہو اور ہر سانس کے ساتھ ایک ایک ہزار شکرانے ادا کرنے کی قابلیت مجھ میں پیدا ہو جائے تب بھی میں تیری اُن نعمتوں کے شکر سے عہدہ برآ نہیں ہو سکتا جو تو نے بچپن سے

اب تک میرے اوپر ارزانی فرمائی ہیں۔ تیری نعمتیں تو نعمتیں ہیں ہی، تونے جو مصائب و آلام میرے لئے مقدر کئے ہیں اُن میں بھی ہزارہا نوازشہائی عیاں و پنہاں مضمر ہیں اور جن مصائب و آلام سے تونے مجھ کو بچایا ہے وہ تو بے شمار ہیں۔ اگر تو میرے اس ناقص ادائیگی شکر کو قبول کرلے تو تیرا احسان ہوگا اور اگر رد کرے تو عین انصاف ہوگا۔

ارحم الراحمین! چونکہ تونے دُعا کرنے کا حکم دیا ہے اس لئے دعا کرتا ہوں۔ ورنہ جانتا ہوں کہ تو وہ کریم ہے جو بے طلب دیتا ہے اور میں وہ گدا ہوں کہ جس کی ہستی ہی ایک سوالِ دائمی ہے۔ دُعا کیا کرتا ہوں تیرے گزشتہ الطاف و کرم کو دوہراتا ہوں۔ ؎

برزباں دارم شبِ ہجراں پئے تسکینِ دل
گفتگو ہائے کہ روزِ وصل با ما کردہٗ

دنیا کے لئے تو میں نے بہت مانگا اور تونے بہت دیا۔ اب کہ تیرے پاس حاضر ہونے کا وقت قریب آرہا ہے اور میں تہیدست ہوں واسطہ پنجتنِ پاک کا جن کے اسماءِ مبارکہ کی برکت سے تونے توبۂ آدم قبول کی اور کشتیٔ نوح کی راہنمائی کی اپنے حضور میں میری تہیدستی کو فاش کرکے مجھے شرمندہ نہ کیجیو۔ اب تک تو تیری صفتِ ستاری نے میری عزت رکھ لی ہے آئندہ بھی اپنے اس لطف سے محروم نہ کیجیو۔ ہاں ایک دُعا کا دُہرانا اپنا فرض سمجھتا ہوں تاکہ یہ معلوم ہوجائے کہ باوجود تیری اتنی بے نیازی کے میں ابھی تک تیری رحمت سے ناامید نہیں ہوا۔ میرے بڑے لڑکے محمد امام علی کی مُسلسل بیماری نے اس دُنیا کو میرے لئے گیارہ سال سے جہنم بنا رکھا ہے۔ یہ عذاب ہے یا امتحان ہے یا تحریرِ ازلی ہے کچھ بھی ہے اُس کا رفع کرنا تیری قدرت و حکمتِ کاملہ سے بعید نہیں۔ اور تو ارحم الراحمین ہے اُس کو جاری رکھ کر میرے اور اپنے دشمنوں

کو چشمک زنی کا موقع نہ دے۔

اے مالک یوم الدّین! جن بزرگوں نے میری روحانی وجسمانی تربیت کی ہے اُن پر اپنی رحمتِ کاملہ سے اپنے الطاف و اکرام کی فراوانی کر، خصوصاً میرے والد آغا محمد سجاد مرزا مرحوم جو تیرے عاشق اور تیرے نبی اور اُن کی عترت کے فدائی تھے۔

اے صاحبِ لُطف وکرم! اپنی عمر بھر کی کمائی تیری بارگاہ میں ان اوراقِ پریشاں کی شکل میں پیش کرتا ہوں۔ میں جانتا ہوں کہ یہ تیری بارگاہ میں نذرانے کے قابل نہیں۔ لیکن میری خدمت میری طاقت کے مطابق ہوگی۔ تیری عطا تیری صفتِ کریمی کے لائق ہوگی۔ بندہ کو بھی ناز اپنے آقا پر ہو سکتا ہے اور اس کی شرم رکھنی تیرے ہاتھ میں ہے۔ خداوندا! تو اس کا فیض ابد تک جاری رکھ۔ اور اپنے صراطِ مستقیم سے ہٹے ہوئے بندوں کے لئے اس مشعلِ راہِ ہدایت کو ہمیشہ ہمیشہ روشن رکھ۔

یارب بہ دو نورِ دیدۂ پیغمبرؐ ✤ یارب بہ دو شمع دودمانِ حیدرؑ

برحالِ من از عینِ عنایت بنگر ✤ دارم نظرے زانکہ شنیتم زنظر

یارب بمحمدؐ و علیؑ و زہراؑ ✤ یارب بحسینؑ و حسنؑ آلِ عبا

از لطف برآر حاجتم در دو سرا ✤ بے منّتِ خلق یا علی الاعلیٰ

نذر

بحضورِ سید الشہداء، خامس آلِ عبا، قتیل العطشان

سردارِ زمین و زماں جناب امام حسینؑ علیہ السلام

روشن از پرتوِ رویت نظرے نیست کہ نیست
منت خاکِ درت بر بصرے نیست کہ نیست

اس بارگاہ منیع و رفیع میں میرا جیسا حقیر و ذلیل گدا باریابی کی اُمید کر سکے اور اس اُمید ہی پر صبر نہ کرے بلکہ نذرانہ بھی پیش کرنے کی جُرأت کرے یہی نہیں بلکہ اُس کے قبول ہونے کی بھی اُمید رکھے محض آپ کے لطفِ عمیم کی وجہ ہے۔ آپ کے اوپر ظلموں کا سلسلہ جو سقیفہ بنی ساعدہ میں شروع ہوا تھا آج تک جاری ہے۔ اگرچہ اس درمیان میں ظلموں کی نوعیت اور ظلم کرنے کے طریقے بدلتے رہے ہیں۔ آپ کی شہادت کے غلط اسباب بیان کرنا، اور آپ کی شہادت کے مقصد کو متغیر کرنا تو ایک ایسا ظلم ہے کہ کچھ عرصہ سے جاری ہے۔ لیکن موجودہ زمانہ میں یورپین عیسائیوں کی تہذیب کے زیرِ اثر یہ ظلم زیادہ زور پکڑتا جا رہا ہے۔ لہٰذا ان اوراقِ پریشاں میں جو میں حضور کی بارگاہ میں نذر کرنے کی جُرأت کر رہا ہوں۔ آپ کی شہادت کے اصلی اسباب اور آپ کی شہادت کے حقیقی مقصد کو بیان کیا ہے تاکہ جن لوگوں کو خداوند تعالیٰ ہدایت کی توفیق عطا فرمائے اُن کے لئے یہ کتاب ذریعۂ ہدایت اور میرے لئے ذریعۂ نجات ہو جائے۔ حضور کے سامنے اپنے مصائب و آلام بیان کرتے ہوئے شرم آتی ہے، اس لئے خاموش ہوں۔ جب حضور والا عالمِ حدود و قیود کے اندر تھے تب ہی

حضور کے دروازے سے کوئی سائل محروم نہیں پھرا۔ اب کہ آپ اُسی طرح زندہ ہیں اور اُن حدود و قیود سے باہر ہیں اور آپ کی طاقتوں اور قدرتوں کا اندازہ اُس آپ کی قربانیوں کی عظمت و رفعت سے ہو سکتا ہے جو اس بارگاہ میں پیش کی گئی ہیں جہاں عطا و بخشش کی لہریں خدائی چشمۂ فیض سے نکلتی ہیں تو اب میں کیونکر گمان کر لوں کہ آپ اس سائل کو اپنے دروازے سے محروم موڑ دیں گے جس کے لئے کوئی اور دروازہ کھلا ہوا ہی نہیں۔ لہٰذا میں عقیدت کی کشتی میں اپنی گیارہ سال کی محنت کے پھول جن کو البلاغ المبین کی صورت میں گوندھا ہے لگا کر پیش کرتا ہوں اس تمنّا و آرزو کے ساتھ کہ حضورؐ اس ناچیز نذر کو قبول فرمائیں گے اور میرے اِس سوال کو رَد نہ کرینگے۔

ع شاہاں چہ عجب گر بنوازند گدارا

خاکِ کوئے تو بصحرائے قیامت فردا ٭ ہمہ بر فرق سر از بہرِ مباہات بریم

اشعار

چند اشعار والد بزرگوار آغا محمد سجاد میرزا صاحب طالب کے اثبات ہستی خداوند تعالیٰ میں تبرکاً نقل کرتا ہوں

ہے عالم سے خدا کا علم ہوتا — یہ دفتر وا ہے اس کی معرفت کا
نمایاں اُسکی حکمت ہے شجر میں — بن و شاخ و گل و برگ و ثمر میں
ہیں جلوے اُسکی قدرت کے یہ سارے — مہ و خورشید و سیارے ستارے
کہانی رات دن اپنی ہیں کہتے — بنایا ہم کو ہے یعنی خدا نے
یہ کوئل ہے جو کرتی رہتی کوکو — تلاش اُسکو ہی کرتی ہے وہ ہر سو
فدا جو جان پروانہ ہے کرتا — ہے اُس کے نور کے دہوکے میں مرتا
یہ انساں ہے جو اصلاً خاکی پُتلا — گواہی اُسکی صنعت کی ہے دیتا
ہیں اُس کی ہستی کی دیتے گواہی — زمیں سے آسماں تک مُرغ و ماہی
غرض جو کچھ کہ ہے ارض و سما پر — وہ ہے سب دال ہستی خدا پر
اے مُلحد بے خرد بے جاں ہے فطرت — کہاں سے اسمیں آئی خالقیت
نہیں ہٹ دھرمی لازم مرد عاقل — تو عاقل ہو کے کیوں بنتا ہے جاہل
خدا کا ہے جو شخص انکار کرتا — بلا شک ہے ضلالت کا وہ پُتلا
حیات اسکی ہے جیسی شپرک کی — ہے تاریکی میں عمر اسکی گذرتی
ہے دن روشن مگر اس کو اندھیرا — نظر آتا ہے رُخ جس سمت پھیرا
قضیہ لا نہ ملحد خیر و شر کا — قیامت کا بھی کر شک تو نہ اصلا
محک امتحاں یہ خیر و شر ہے — کہ جانچا جاتا اس سے ہر بشر ہے
کیا جس نے عدم سے ہم کو پیدا — کرے گا حشر بھی سن وہ ہی پیدا
زمیں سے ہے اُگاتا جو کہ سبزا — وہ ہی بیشک ہمیں زندہ کریگا
ہے بس یہ سہل سب خالق کے آگے — بنائے جس نے ہیں اعجوبے ایسے
الٰہی ایسا اپنا نور چمکا — کہیں رہوے نہ شرک و کفر اصلا

یہی طالب کی یارب اب دُعا ہے
کہ ملحد بھی لگے کہنے خدا ہے

حصہ اوّل جاری

کتاب دوئم

سیاستِ عمریہ

خاندانِ نبوت سے حکومت کو نکالنا

باب سیزدہم

حضرت علیؑ کو خلافت سے محروم کرنیکی مختلف تدبیریں

اور

اُن کی کامیابی کے وجوہات

بزم ترا شمع و گل خستگی بو تراب — ساز ترا زیر و بم واقعہ کربلا — غالب

انزلنی الدھر ثم انزلنی — حتیٰ قیل علی و معاویہ — علیؑ

اب ہم اپنے سلسلۂ بیان میں اُن واقعات تک پہنچے ہیں جنہوں نے اسلام میں مصیبتِ عظمےٰ اور رزئیت کبریٰ برپا کردی۔ اور ایک ایسا رخنہ عظیم پیدا کر دیا جس کا اثر بد قیامت تک باقی رہیگا۔ اسلام، اور اسلام والوں پر ان چودہ صدیوں میں ہر قسم کی مصیبتیں آتی رہیں اور گذرتی رہیں۔ سانحۂ کربلا بھی تاریخ اسلام ہی کا واقعہ ہے۔ وہ ایک ایسا دلگداز روح فرسا آلام و مصائب سے بھرا ہوا واقعہ تھا کہ تاریخ عالم میں نہ اس سے

پہلے کبھی ایسا واقعہ گزرا اور نہ آئندہ گزرے گا۔ یہ بھی ایک مصیبت عظیم ہی تھی کہ وہ سلطنت جسکی وسعت و عظمت و جلالت وصولت کی نظیر تاریخ عالم میں نہیں پائی جاتی ایسی ملیامیٹ ہوئی کہ گویا کبھی تھی ہی نہیں۔ یہ ساری مصیبتیں گزر گئیں۔ لیکن پیغمبر اسلام کے عین رحلت کے دن جبکہ ابھی آپ کا جسد اطہر بے غسل وکفن پڑا ہوا تھا سقیفہ بنی ساعدہ میں جو کچھ ہوا وہ اسلام کے لئے ان تمام مصائب و آلام و آفات سے کہیں زیادہ تھا کیونکہ یہ تمام مصائب و آلام اس ہی سبب کے نتیجے تھے اور آئندہ کی تمام آفتوں اور فتنوں کا وہ ہی ایک سرچشمہ تھا۔ وہ ہی مطلع تھا ان تمام فتنوں کا جن کی پیشین گوئی جناب رسول خدا نے نہایت صاف الفاظ میں فرمائی تھی۔ اور جن کے ذکر کے لئے ہر ایک حدیث کی کتاب میں ایک علیحدہ باب کتاب الفتن کے نام سے قائم کیا گیا ہے۔ ہم ان احادیث کا ذکر صحیح بخاری و صحیح مسلم و کنز العمال اور مسند احمد حنبل کے حوالہ سے کر چکے ہیں[1]۔ یہ مصیبت عظمیٰ کیا تھی۔ وہ یہ مصیبت تھی کہ سقیفہ بنی ساعدہ کے واقعات نے اُمتِ اسلامیہ کا رخ خدا اور رسولؐ کے مقرر و منتخب کردہ ہادیوں و راسخون فی العلم و عالمان قرآن و حاملان کتاب الٰہی کی طرف سے پھیر کر دوسرے دنیاداروں کی طرف کر دیا۔ جاہ پرستی و حکومت پرستی کا جو سبق اس دن وہاں پڑھایا گیا وہ آج تک امت محمدیہ کے افعال و طرز عمل کا محرک و باعث بنا ہوا ہے۔ اختلافات و فرقہ بندی کا ایسا راستہ کھل گیا کہ آج تک بند نہ ہوا۔ ہر ایک کے حوصلے بڑھ گئے اور اس طرح اتنے مدعیان خلافت و نبوت اور ان کے فرقے پیدا ہو گئے کہ وہ اسلام جو فرقہ بندی مٹانے آیا تھا خود فرقہ بندی کا شکار ہو گیا۔ سقیفہ بنی ساعدہ کے حکام نے جو تدبیریں اپنی حکومت کے استحکام و استقلال و استمرار اور اصلی مستحقین خلافت یعنی اہلبیت رسالت کی تخریب و توہین و تحقیر کے لئے اختیار کیں ان تدبیروں نے ان کے پیروان و مقلدین کے لئے قابل تقلید نظائر بن کر جناب محمد مصطفےٰ صلعم کے اسلام کو مسخ کر دیا۔ ان کے مضر نتائج و عواقب کا ذکر اس کتاب کے باب پنجدہم میں آئیگا۔ اس کا پہلا اور لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ خداوند تعالیٰ نے جو اتمام نعمت کا وعدہ کیا تھا وہ بوجہ امت کے کفران نعمت کے مکمل طور سے نتیجہ خیز نہ ہو سکا۔ اور اس کا ایفا کلی اس وقت تک کے لئے ملتوی کر دیا گیا کہ جب تک امت کفران نعمت کی عادت کو چھوڑ کر اصلی مقرر کردہ

ہادیان کی طرف رجوع نہ کر جائے

یہ انقلاب عظیم کیوں ہوا۔ بقول حضرت عمرؓ یہ اس وجہ سے ہوا کہ لوگوں نے نہ چاہا کہ نبوت وخلافت کا اجتماع اور استقرار ایک خاندان میں ہو۔ یہ امر واقعہ ہے کہ اس انقلاب کا کامیابی کے ساتھ انجام پذیر ہونا محض حضرت عمرؓ کی تدابیر وتجاویز کا مرہونِ منت ہے۔ جو شخص حضرت عمرؓ کی سیاسی قابلیت اور ان کی سیاست کی محیر العقول کامیابی کا منکر ہے وہ یا تو احمق مطلق ہے یا متعصب معاند۔ جہاں تک دنیاوی سیاست کا تعلق ہے حضرت عمر کا شمار ابتدائے عالم سے اب تک کے نامور سیاست دانوں کی صف اوّل میں ہوتا ہے بلکہ حضرت عمر کو اُن سب پر فوقیت اس وجہ سے حاصل ہے کہ حضرت عمر نے اپنی سیاست کے اُصول خود اپنے غور وفکر اور اپنے ماحول کے مطالعہ سے قائم کئے۔ اور دنیا کے وہ بڑے بڑے سیاست دان جو حضرت عمر کے مقابلہ میں آنے کے قابل ہیں مثلاً روسو، میکا رولی، الگزینڈر مڈیچی اور روما کے وہ پاپائے اعظم جنہوں نے مذہب کے نام پر بادشاہوں پر حکومت کی ان کو اپنے متقدمین کے تجربہ و کتبِ سیاسیہ کے مطالعہ کی مدد حاصل تھی۔ یہی ہے کہ وہ سب حضرت عمر کے بعد ہوئے۔ اور الفضل للمتقدمین۔ اُن کو حضرت عمر کی شاگردی کا شرف حاصل ہو سکتا ہے۔ استادی کا عمامہ نہیں مل سکتا۔ تاریخی حیثیت سے حضرت عمر کی سیاست ایک نہایت دلچسپ مضمون ہے بشرطیکہ اُسے تاریخی نقطۂ نگاہ سے دیکھا جائے۔ کسی مدبّر یا وزیر سلطنت یا بادشاہ کی سیاست پر اس وقت ہی صحیح تنقید ہو سکتی ہے کہ جب اُس کی سیاست کا مقصد معلوم ہو جائے لہٰذا سب سے پہلے ہم کو یہ معلوم کرنا چاہئے کہ حضرت عمر کی سیاست کا مقصد کیا تھا۔ حضرت عمر کی سیاست کا مقصد ایک اور فقط ایک تھا اور وہ یہ کہ جناب رسولِ خدا کی رحلت کے بعد خلافتِ ظاہری وحکومت خاندانِ نبوت میں نہ جانے پائے اور ایسی تدابیر اختیار کی جاویں کہ آئندہ بھی حکومت کا رخ کبھی اُدھر نہ ہو۔

کارکنانِ قضا و قدر فیصلہ کر چکے تھے کہ اُمتِ محمدؐ کا امتحان آلِ محمدؐ کے ذریعہ سے

لیا جاوے کچھ تو واقعات نے حضرت عمر کی مساعدت کی۔ اور بہت سے مشکل مواقع پر ایسا بھی ہوا کہ حضرت عمر نے خود اپنے مقصد کی موافقت کے لئے واقعات پیدا کر لئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ حضرت عمر کو اپنے مقصد کے حصول میں ایسی مکمل کامیابی ہوئی کہ جس کی مثال تاریخ عالم میں نہیں ملتی۔ اگر حضرت عثمان غلطیوں پر غلطیاں نہ کرتے تو ایک قلیل عرصہ کے لئے جو حکومت کا رخ خاندان نبوت کی طرف ہو گیا وہ بھی نہ ہوتا اور حضرت عمر کی خواہش کے مطابق جو تھے خلیفہ حضرت معاویہ ہوتے۔ ان کے لئے حضرت عمر نے شام کی جاگیر کا استمراری پٹہ تو لکھ ہی دیا تھا۔ اب صرف اتنا ہی باقی رہ گیا تھا کہ حضرت عثمان اپنے بستر مرگ پر حضرت معاویہ کو بخوشی نامزد کر دیتے یا وہ جبراً اپنے تئیں نامزد کرا لیتے۔ یہ کام حضرت عمر خود نہیں کر سکتے تھے کیونکہ ان کے زمانہ تک خاندان ابوسفیان کی جو عداوت اسلام و رسول اسلام سے تھی وہ لوگوں کے دلوں میں تازہ تھی۔ اور نہایت احتیاط و حزم کے ساتھ قدم اٹھانا حضرت عمر کی سیاست کا بہت بڑا گر تھا۔ نہایت عاقلانہ تدبیر سے جس کو تجویز شوریٰ کہتے ہیں حضرت عمر نے اتنا تو کیا کہ لوگوں کو بنو امیہ کی حکومت کا خوگر بنا دیا۔ یہی نہیں کہ خلافت ان کے پاس پہنچ گئی تھی بلکہ ایک بڑے اسلامی صوبہ کی گورنری بھی ان کے ہاتھ میں تھی۔ امر واقعہ یہ ہے کہ اب تو حضرت عثمان کے لئے کچھ باقی ہی نہیں رہا تھا۔ اگرچہ ان کی پے در پے غلطیوں نے ذرا مشکل پیدا کر دی۔ لیکن وہ بھی عارضی تھی۔ حکومت پھر اسی طرف چلی گئی جدھر حضرت عمر نے اس کا رخ کر دیا تھا۔

اس امر کا ثبوت کہ حضرت عمر کی سیاست کا مقصد یہ تھا جو اوپر بیان ہوا بہت آسان ہے۔ اول تو حضرت عمر کے سوانح حیات ہی اس کا بین ثبوت ہیں۔ دوسرے حضرت عمر نے خود اس سے اقبال کر لیا ہے۔ علامہ شبلی نے اپنے الفاروق میں بحوالہ تاریخ طبری عبداللہ ابن عباس اور حضرت عمر کے دو مکالمے یہ کہکر درج کئے ہیں کہ ان سے "حضرت عمر کے خیالات کا راز سربستہ معلوم ہوگا" ان مکالموں کو انھوں نے بطور فٹ نوٹ کے درج کیا ہے۔ ان کو ہم یہاں نقل کرتے ہیں۔ علامہ شبلی لکھتے ہیں؛۔

"حقیقت یہ ہے کہ حضرت علی کے تعلقات قریش کے ساتھ کچھ ایسے پیچ در پیچ

تھے کہ قریش کسی طرح ان کے آگے سر نہیں جھکا سکتے تھے۔ علامہ طبری نے اس معاملہ کے متعلق حضرت عمرؓ کے خیالات مکالمے کی صورت میں نقل کئے ہیں۔ ہم ان کو اس موقع پر اس لئے درج کرتے ہیں کہ اس سے حضرت عمرؓ کے خیالات کا اندر بستہ علوم ہوگا۔ مکالمہ عبداللہ ابن عباس سے ہوا تھا جو حضرت علیؓ کے ہم قبیلہ اور طرفدار تھے:۔

حضرت عمرؓ:۔ تمہارے باپ رسول اللہ کے چچا اور تم رسول اللہ کے چچیرے بھائی ہو۔ پھر تمہاری قوم تمہاری طرفدار کیوں نہ ہوئی۔

عبداللہ ابن عباس:۔ میں نہیں جانتا۔

حضرت عمرؓ:۔ لیکن میں جانتا ہوں۔ تمہاری قوم تمہارا سردار ہونا گوارا نہیں کرتی تھی۔

عبداللہ ابن عباس:۔ کیوں؟

حضرت عمرؓ:۔ وہ نہیں پسند کرتے تھے کہ ایک ہی خاندان میں نبوت اور خلافت دونوں آجائیں۔ شاید تم یہ کہو گے کہ حضرت ابوبکرؓ نے تم کو خلافت سے محروم کر دیا۔ لیکن خدا کی قسم یہ بات نہیں۔ ابوبکرؓ نے وہ کیا جس سے زیادہ مناسب کوئی بات نہیں ہو سکتی تھی۔ اگر وہ تم کو خلافت دینا بھی چاہتے تو ان کا ایسا کرنا تمہارے حق میں کوئی مفید نہ ہوتا۔

دوسرا مکالمہ اس سے زیادہ مفصل ہے۔ کچھ باتیں تو وہ ہی ہیں جو پہلے مکالمہ میں گذریں کچھ نئی ہیں اور وہ یہ ہیں:۔

حضرت عمرؓ:۔ کیوں عبداللہ ابن عباس تمہاری نسبت میں بعض بعض باتیں سُنا کرتا تھا لیکن میں نے اس خیال سے اس کی تحقیق نہیں کی کہ تمہاری عزت میری آنکھوں میں کم نہ ہو جائے۔

عبداللہ ابن عباس:۔ وہ کیا باتیں ہیں۔

حضرت عمرؓ:۔ میں نے سنا ہے کہ تم کہتے ہو کہ لوگوں نے ہمارے خاندان سے خلافت حسداً اور ظلماً چھین لی۔

عبداللہ ابن عباس :- خلفاء کی نسبت تو میں کچھ نہیں کہہ سکتا کیونکہ یہ بات کسی پر مخفی نہیں ہے۔
لیکن حسد تو اس کا کیا تعجب ہے۔ ابلیس نے آدم پر حسد کیا اور ہم لوگ
آدم ہی کی اولاد ہیں۔ پھر محسود ہوں تو کیا تعجب ہے۔
حضرت عمر :- افسوس خاندان بنی ہاشم کے دلوں سے پرانے رنج اور کینے نہ جائیں گے۔
عبداللہ ابن عباس :- ایسی بات نہ کہئے۔ رسول اللہ صلعم بھی ہاشمی ہی تھے۔
حضرت عمر :- اس تذکرہ کو جانے دو۔
عبداللہ ابن عباس :- بہت مناسب۔

مولوی شبلی :- الفاروق مطبوعہ مطبع مفید عام آگرہ ۱۹۰۸ء حصہ اوّل فٹ نوٹ ص ۲۰۴، ۲۰۵
محمد ابن جریر الطبری :- تاریخ الامم والملوک الجزء الخامس ص ۳۰، ۳۱، ۳۲
ابن الاثیر :- تاریخ الکامل الجزء الثالث ص ۲۴، ۲۵

حضرت عمر جب اپنی کامیابی کا خیال کر کے خوش ہوا کرتے تھے تو اکثر عبداللہ ابن عباس کو ایسے کچھ کہہ دیا کرتے تھے۔ ان کے علاوہ اور بھی کئی مکالمے ہیں۔ ان میں سے تین ہم ابن ابی الحدید کی شرح نہج البلاغۃ سے نقل کرتے ہیں :-

عبداللہ ابن عباس کہتے ہیں کہ ایک دفعہ حضرت عمر کے خلافت کے ابتدائی زمانہ میں ان کے پاس گیا۔ ان کے آگے ایک صاع (ساڑھے تین سیر) کھجوریں ان کے آگے بوریہ پر رکھی ہوئی تھیں۔ مجھ سے کہا کہ تم بھی کھاؤ۔ میں نے ایک کھجور اٹھالی حضرت عمر کھاتے رہے یہاں تک کہ اکیلے ہی ساری کھجوریں کھا گئے۔ پاس ٹھلیا رکھی تھی۔ اس میں سے پانی پیا۔ اور گاؤتکیہ پر کہنی لگا کر لیٹ رہے۔ اور شکر خدا کرنے لگے۔ پھر یوں گفتگو ہوئی۔

حضرت عمر :- اے عبداللہ ابن عباس کہاں سے آ رہے ہو۔
ابن عباس :- مسجد سے۔
حضرت عمر :- اپنے ابن عم کو کس حال میں چھوڑا ہے۔ (میں سمجھا عبداللہ ابن جعفر کو پوچھتے ہیں)
ابن عباس :- میں نے ان کو اپنے ہمجولیوں کے ساتھ کھیلتے ہوئے چھوڑا ہے۔

حضرت عمر:۔ اس سے میرا مطلب نہیں۔ بلکہ تم اہلبیت کے بزرگ (حضرت علی) مقصود ہیں۔

ابن عباس:۔ وہ تو فلاں شخص کے کھجوروں کے باغ میں پانی دے رہے ہیں اور اس حالت میں بھی تلاوتِ قرآن کر رہے ہیں۔

حضرت عمر:۔ اے عبداللہ سچ کہنا۔ اگر چھپاؤ گے تو تم پر اونٹنیوں کی قربانی واجب ہو جائے گی۔ کیا اب بھی علی کے دل میں خلافت کی طرف سے کچھ خیال باقی ہے۔

ابن عباس:۔ یقیناً باقی ہے۔

حضرت عمر:۔ کیا علی کا خیال و یقین ہے کہ رسول اللہ نے ان کی خلافت کے لئے نص کر دی تھی یعنی ان کو خلیفہ مقرر کر دیا تھا۔

ابن عباس:۔ جی ہاں قطعاً۔ اور اس سے بڑھ کر یہ ہے کہ میں نے اپنے والد سے حضرت علی کے اس دعوے کے متعلق دریافت کیا تھا۔ اور انھوں نے کہا تھا کہ یہ دعویٰ سچ ہے۔

حضرت عمر:۔ لقد کان من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فی امرہ ذرو من قول لا یثبت حجۃ ولا یقطع عذرا ولقد کان یربع فی امرہ وقتا ولقد اراد فی مرضہ ان یصرح باسمہ فمنعت من ذالک اشفاقا وحیطۃ علی الاسلام لا ورب ھذہ البنیۃ لا تجتمع علیہ قریش ابدا ولو ولیھا لانتقضت علیہ العرب من اقطارھا فعلم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ انی علمت ما فی نفسہ فامسک یعنی

بے شک جناب رسول خدا سے علی کے بارے میں چند ایسی باتیں ہوتی تھیں جن سے کوئی حجت ثابت نہیں ہوتی تھی اور عذر قطع نہیں ہوتا تھا۔ (یعنی یہ حجت اور یہ عذر کہ انھوں نے علی کے بارے میں نص خلافت نہیں کی

ثابت نہیں ہوتا تھا) اور بسا اوقات تو جناب رسول خدا علی کے امر میں حق سے باطل کی طرف مائل ہو جانا چاہتے تھے اور بہت مبالغہ کرتے تھے۔

اور یہ بھی امر واقعہ ہے کہ آنحضرتؐ نے اپنے مرض موت میں علی کے نام کی تصریح کر دینی چاہی تھی۔ مگر میں نے اس سے اُن کو روک دیا جس سے میری غرض محض اسلام کی ہمدردی تھی۔ کعبہ کے رب کی قسم علی کے بارے میں کبھی قریش کا اجتماع نہ ہوگا اور اگر لوگ اُن کو خلیفہ بنا ہی لیں گے تو ہر طرف سے عرب ان پر شورش کریں گے۔ بس رسول اللہ سمجھ گئے کہ میں نے ان کے دل کی بات تاڑ لی۔ اور وہ رک گئے۔

ابن ابی الحدید شرح نہج البلاغۃ الجزء الثالث ص۹۷

علامہ ابن ابی الحدید کہتے ہیں کہ اس خبر کو احمد ابن ابی طاہر نے اپنی تاریخ بغداد میں لکھا ہے۔ اس سے بہت سے اہم واقعات کا انکشاف ہوتا ہے۔ جن کو ہم ابھی بیان کرتے ہیں۔ ایک اور مکالمہ یہاں درج کرتے ہیں۔ عبداللہ ابن عباس کہتے ہیں کہ ایک دفعہ میں حضرت عمر کے ساتھ ملک شام کی طرف گیا۔ اور وہاں ایک دن وہ اپنے اونٹ پر اکیلے نکلے میں بھی ساتھ ہو لیا۔ (اب وہ مکالمہ اس طرح شروع ہوتا ہے)۔

حضرت عمرؓ:۔ میں تم سے تمہارے ابن عم یعنی علی کی شکایت کرتا ہوں۔ میں نے ان سے کہا کہ میرے ساتھ چلو۔ انھوں نے انکار کر دیا۔ اور اکثر میں ان کو اپنے سے غضب ناک ہی دیکھتا ہوں۔ اس کا کیا سبب ہے۔

عبداللہ ابن عباس:۔ یہ درست ہے۔ ان کا یقین ہے کہ جناب رسول خداؐ نے خلافت ان کو عطا کی تھی۔

حضرت عمرؓ:۔ اے ابن عباس۔ یہ تو درست ہے کہ جناب رسول خدا کا یہی ارادہ تھا کہ خلافت علی کو ملے۔ لیکن جناب رسول خداؐ کے چاہنے سے کیا ہوتا ہے جب خدا نے نہ چاہا۔ رسول خدا نے چاہا کہ خلافت علی کو ملے خدا نے

اس کے خلاف چاہا۔ اور خدا کی مراد جاری ہو گئی۔ اور رسول خدا کی خواہش پوری نہ ہوئی۔ دیکھو۔ رسول خدا نے بہت چاہا کہ ان کا چچا ایمان لائے لیکن وہ ایمان نہ لایا۔ کیونکہ خدا نے نہ چاہا کہ وہ ایمان لائے۔ رسول خدا نے تو یہ بھی چاہا تھا کہ مرض موت میں خلافت کی وصیت علی کے نام کر دیں لیکن میں نے فتنہ و امر اسلام کی پراگندگی کے خوف سے روک دیا۔ رسول اللہ بھی میرے دل کی بات کو سمجھ گئے۔ اور رک گئے۔ اور اللہ نے جو مقدر کیا تھا وہ ہی ہوا۔

ابن ابی الحدید شرح نہج البلاغۃ الجزء الثالث صـ۱۱۴

ایک اور ایسا ہی واقعہ ملاحظہ ہو۔ عبداللہ ابن عباس کہتے ہیں کہ ایک دن میں اور حضرت عمر مدینہ کے ایک کوچے میں جا رہے تھے کہ اس طرح گفتگو شروع ہوئی

حضرت عمر:۔ اے ابن عباس، میرا خیال ہے کہ تمہارے ابن عم یعنی حضرت علی پر ظلم ہوا۔

عبداللہ ابن عباس:۔ (دل میں اس موقعہ کو میں ہاتھ سے نہ جانے دوں گا) اے امیرالمومنین، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ آپ ان کو وہ شے واپس کر دیں جو ظلم کے ساتھ ان سے چھینی گئی ہے۔

حضرت عمر:۔ (عبداللہ ابن عباس کہتے ہیں کہ یہ سنکر حضرت عمر نے اپنا ہاتھ میرے ہاتھ میں سے نکال لیا اور تھوڑی دور کچھ گنگناتے ہوئے چلے پھر ٹھہر گئے میں ان تک پہنچ گیا تو انھوں نے کہا) اے ابن عباس میرا خیال ہے کہ تمہاری قوم نے تمہارے صاحب یعنی علی کو کم سن سمجھا اور اس وجہ سے انھیں خلیفہ نہ بننے دیا۔

عبداللہ ابن عباس:۔ (میں نے اپنے دل میں کہا کہ یہ بات پہلے سے بھی زیادہ شر آمیز ہے اور حضرت عمر کو جواب دیا) قسم بخدا، خدا اور اس کے رسولؐ نے تو علی کو کمسن نہ سمجھا۔ جب انھیں مقرر کیا کہ تمہارے صاحب یعنی ابوبکر سے سورہ براۃ لیکر مکہ والوں تک پہنچا دیں۔

حضرت عمرؓ نے یہ جواب سن کر مجھ سے منہ موڑ لیا۔ اور دوسری طرف خاموش چلے گئے۔ میں بھی واپس آگیا۔

ابن ابی الحدید، شرح نہج البلاغۃ الجزء الثالث ص۱۰۵

ہمارا مولوی شبلی سے مکمل اتفاق ہے کہ ان مکالموں سے حضرت عمر کے خیالات کا راز سربستہ معلوم ہوتا ہے۔ بلکہ ان کی ساری سیاست و جدوجہد کے مقصد کا انکشاف کلی ہو جاتا ہے۔ سیاستِ عمریہ کے متعلق ہم جو کچھ بھی لکھیں گے وہ محض ان ہی خیالات کی تفصیل و تشریح ہوگی۔ ان سے مندرجہ ذیل امور حضرت عمر کی زبانی ثابت ہوتے ہیں۔

(۱) حضرت علی ارکانِ حکومت کے شریکِ کار نہیں تھے۔ اور ان سے ہمیشہ ناراض رہتے تھے۔ ہاں یہ دوسری بات ہے اور اس کی کئی مثالیں ملتی ہیں کہ جب یہ لوگ خلاف شرع کام کرتے تھے یا خلافِ انصاف حکم دیتے تھے تو جناب امیر ان کی اصلاح کرنے کی کوشش کرتے تھے اور ان کو صحیح امور سے آگاہ کر دیتے تھے۔

(۲) حضرت علی کے خلاف ایک جماعت تھی جس کا مقصد یہ تھا کہ کسی طرح خاندانِ نبوت میں حکومت نہ جائے۔

(۳) حضرت عمر کو اس مخالف جماعت کے اندرونی رازوں سے واقفیت تھی۔ عبداللہ ابن عباس ان رازوں سے ناواقف تھے کیونکہ وہ حضرت علی کے ہم قبیلہ اور بقول شبلی طرفدار تھے۔

(۴) اس مخالف جماعت کا مقصد و منشا تھا کہ خاندانِ نبوت میں حکومت نہ جائے۔

(۵) اس مقصد کو حضرت عمر نے پورا کیا بلکہ اس مقصد کی کامیابی محض ان کی کوششوں کا نتیجہ تھی۔

(۶) لہٰذا ثابت ہوا کہ حضرت عمرؓ اس جماعت میں سے تھے۔ بلکہ اس کے سردار تھے اور ان کی سیاست کا یہی مقصد تھا۔

(۷) واقعات بھی یہی بتا رہے ہیں کہ حضرت عمر کی ساری سیاسی زندگی کا مقصد

یہی ایک تھا کہ خاندانِ نبوت سے حکومت کو نکال لیا جا رہے۔ اور ایسی ترکیب کی جائے کہ پھر اُدھر عود نہ کرے۔

(۸) صاف ظاہر ہے کہ جماعتِ مخالف کا یہ مقصد محض کینہ و حسد پر مبنی تھا اور کوئی وجہ نہ تھی جیسا کہ عبداللہ ابن عباس نے صاف طور سے کہہ دیا۔ اور حضرت عمر بھی کوئی اور وجہ نہ بتا سکے۔ کم سنی تو ایک بہانہ تھا۔

(۹) اس بحث میں اصول جمہوریت، حقوق رعایا، نمائندگی رعیت کو داخل کرنا محض بعد کے لوگوں کی اختراع و جدت ہے۔ لہٰذا یہ امور خارج از بحث رہنے چاہئیں۔ لیکن اگر ان کو بحث میں داخل بھی کر لیا جائیگا تو جماعت اہلِ حکومت کو کچھ فائدہ نہ ہوگا کیونکہ سقیفہ بنی ساعدہ کے اجتماع میں نمائندگی جمہور کو اتنا ہی دخل تھا کہ جتنا سیاہی میں سفیدی کو۔

(۱۰) سقیفہ بنی ساعدہ ایک منظم سازش کا آخری نتیجہ تھا۔ فوری جوش یا فوری ضرورت اس کی محرک نہ تھی کیونکہ لوگوں میں یہ خیال کہ خاندان نبوت میں حکومت نہ جانے پائے اس وقت ہی سے شروع ہو گیا تھا اور شروع ہو جانا چاہئے تھا کہ جب سے جناب رسولِ خدا نے اس حکومت کی داغ بیل ڈالی تھی۔

(۱۱) چونکہ سقیفہ بنی ساعدہ میں یہ کوشش کی گئی کہ خاندانِ رسالت میں حکومت نہ جائے۔ اور یہ مقصد اس جماعت کا تھا جو حضرت علی کے حاکم مقرر ہونے پر راضی نہ تھی لہٰذا معلوم ہوا کہ وہ اجتماع مخالفین کا تھا۔

(۱۲) اس استدلال کو قوت اس امر واقعہ سے بھی پہنچتی ہے کہ وہاں خاندانِ رسالت میں کسی کو مدعو نہ کیا گیا۔

(۱۳) چونکہ وہ مخالفین کا اجتماع تھا جو ایک خاص غرض و مقصد کی تکمیل کے لئے وہاں جمع ہوئے تھے لہٰذا ان سے انصاف کی امید رکھنا اور یہ خیال کرنا کہ وہ اس مسئلہ پر اس کے ہر ایک پہلو سے غیر جانبدارانہ نظر ڈالیں گے خلاف واقعہ ہے۔

(۱۴) اور اسی طرح یہ گمان کرنا بھی خلاف واقعہ ہوگا کہ وہ مجمع تمام امت

اسلامیہ کی نمائندہ کی حیثیت رکھتا تھا۔

(۱۵) خاندانِ رسالت کا جس میں حضرت علی بھی شامل ہیں یہ یقین تھا کہ خلافت علی کا حق ہے۔ حضرت ابوبکر و عمر اور دیگر اشخاص نے حسد اور ظلم کی وجہ سے ان کو محروم کر دیا۔ وہ ان کو حاسد و ظالم و غاصب جانتے تھے۔

(۱۶) حضرت عمر کا یقین تھا کہ جناب رسول خدا کے خاندان والے اپنے دلوں میں پُرانے رنج اور کینے رکھے ہوئے ہیں۔

(۱۷) یہ تو ناظرین خود غور و خوض کر کے نتیجہ نکال لیں کہ حضرت عمر کا گمانِ کینہ و بغض درست تھا یا خاندانِ رسالت کا یقین ظلم و حسد۔ ہماری موجودہ بحث کے لئے تو اتنا ہی ضروری ہے کہ حضرت عمر کی جماعت خاندانِ رسالت کی مخالف تھی۔ اور ایک دوسرے کو اچھا نہیں سمجھتے تھے۔

(۱۸) حضرت علی و حضرت عباس بلکہ تمام بنو ہاشم کا ادعا تھا کہ جناب رسولِ خدا نے خلافت کے لئے حضرت علی کو مقرر کر دیا ہے۔

(۱۹) حضرت عمر بھی اتنا تو تسلیم کرتے ہیں کہ جناب رسول خدا کی خواہش تھی کہ خلافت حضرت علی کو ملے۔

(۲۰) یہ خواہش اتنی زبردست تھی کہ حضرت عمر کو جناب رسول خدا پر الزام لگانے کا موقعہ ملا کہ آنحضرتؐ علی کی محبت میں جادۂ انصاف سے تجاوز کر جاتے تھے اور ایسی باتیں کرتے تھے جو اسلام کو نقصان پہنچانے والی ہوتی تھیں۔ اور اسلام کو نقصانِ عظیم پہنچتا اگر حضرت عمر جناب رسول خدا کی مخالفت نہ فرماتے۔

(۲۱) حضرت عمر تسلیم کرتے ہیں کہ جناب رسولِ خدا بستر مرگ پہ آخری وصیت حضرتِ علی کی خلافت کے متعلق لکھوانا چاہتے تھے۔

(۲۲) وہ یہ بھی تسلیم کرتے ہیں کہ انھوں نے جناب رسول خدا کو وصیت آخری لکھنے سے روکا۔

(۲۳) وہ یہ بھی ادعا کرتے ہیں کہ آنحضرت یہ فعل محض حضرت علی کی ذاتی

محبت کی وجہ سے کرنا چاہتے تھے اور یہ اسلام کے نقصان و پراگندگی باعث ہوتا۔

(۲۴) حضرت عمر کو چونکہ اسلام کے ساتھ بہت محبت تھی لہٰذا انھوں نے آنحضرتؐ کو اس مضرت رساں فعل سے باز رکھا۔

(۲۵) نتیجہ نکلا کہ جناب رسول خداؐ کو اسلام کے مفاد کا خیال نہ تھا اور حضرت عمر کو آنحضرت سے زیادہ اسلام سے محبت و شفقت تھی۔

(۲۶) حضرت عمر تسلیم کرتے ہیں کہ انھوں نے حضرت علی پر ظلم کیا۔

(۲۷) حضرت عمر کی رائے میں حضرت علی کو خلافت نہ ملنے کی محض ایک وجہ تھی اور وہ یہ کہ وہ کم سن تھے۔

(۲۸) لیکن جب اس کا دنداں شکن جواب عبداللہ ابن عباس کی طرف سے ملا تو حضرت عمر لاجواب ہوگئے اور کچھ کہتے بن نہ پڑی۔

(۲۹) حضرت عمر کا فلسفہ ملاحظہ ہو۔ رسول خداؐ چاہتے تھے کہ خلافت علی کو ملے۔ انھوں نے یہ خواہش رضائے خداوندی کے خلاف کی کیونکہ خدا چاہتا تھا کہ علی کو خلافت نہ ملے۔ لہٰذا خدا کی خواہش غالب رہی جس طرح آنحضرت چاہتے تھے کہ ان کے چچا ایمان لائیں لیکن خدا کی خواہش تھی کہ وہ ایمان نہ لائیں اور خدا کی خواہش غالب رہی۔ حضرت عمر نے اپنے حصولِ مقصد کے لئے بہت سے ایسے اعتقادات ایجاد کر لئے تھے اور ان کو شائع کرتے رہتے تھے۔ اس کا مفصل تذکرہ حضرت عمر کی سیاسی تدابیر و تجاویز کے تحت میں آئیگا۔

(۳۰) اس سے یہ بھی نتیجہ نکلا کہ جناب رسول خداؐ حضرت علی کو خدا کی رضا کے خلاف خلافت دینا چاہتے تھے۔

(۳۱) ثابت ہوا کہ لوگوں کو حضرت عمر یہ کہہ کر حضرت علی کے خلاف کرتے تھے کہ جناب رسول خدا جو کچھ بھی حضرت علی کے حق میں فرماتے ہیں وہ ذاتی محبت پر مبنی ہے۔ منصب نبوت کے متعلق نہیں۔ قضیۂ قرطاس کے ضمن میں ہم یہ ثابت کر چکے ہیں کہ حضرت عمر نے یہ کہہ کر لوگوں کو اپنی طرف کیا تھا کہ آنحضرت تو ہذیان بک رہے

ہیں۔ یہ ہدایت منصب نبوت کے متعلق نہیں ہے۔

(۳۲) آنحضرت کی تعلیم تو یہ تھی کہ کسی کا ایمان مکمل نہ ہوگا جب تک قرآن و اہلبیت سے تمسک نہ کریں۔ حضرت عمر نے اس موقعہ پر صاف کہدیا کہ نہیں۔ آنحضرت غلط کہہ رہے ہیں۔ اس سے اسلام میں پراگندگی پھیلے گی۔ اہلبیت کی ضرورت نہیں۔ ہمیں تو صرف قرآن کافی ہے۔ حسبُنا کتاب اللہ۔

(۳۳) یہ بہت اچھی طرح واضح ہے کہ حضرت عمر نے فقہ اسلام میں ایسے عقائد داخل کرنے چاہے جو اُن کے مقصد سیاست کے حصول میں مفید ہوں۔ چونکہ وہ اپنی سیاست میں کامیاب ہوگئے۔ لہٰذا یہ عقائد بھی ان کے پیروؤں میں رائج ہوگئے۔ اور اکثریت میں وہ اسلام رائج ہوا جس کو حضرت عمر نے ترمیم کیا تھا۔ نہ کہ وہ اسلام جس کو جناب رسول خدا نے اپنی امت کے سامنے پیش کیا تھا۔

(۳۴) عبداللہ ابن عباس نے تو بتا ہی دیا کہ لوگ ظلم و حسد کی وجہ سے حضرت علی کے خلاف ہیں اور یہ بات ایسی عیاں ہے کہ "کسی پر مخفی نہیں"۔ اور حضرت عمر نے بھی اس کی تقریباً تصدیق ہی کردی یہ کہہ کر کہ لوگوں کا مقصد یہ تھا کہ نبوت و حکومت ایک خاندان میں جمع نہ ہوں۔ یہ مقصد خاندان کے حسد ہی پر مبنی تھا۔ لیکن علامہ شبلی کی مورخانہ دیانت ملاحظہ ہو کہ اپنی زبان سے اتنا کہنا بھی گوارا نہیں کرتے۔ حسب عادت اپنی ڈیڑھ اینٹ کی علیحدہ ہی چنتے ہیں۔ فرماتے ہیں:-

"حقیقت یہ ہے کہ حضرت علی کے تعلقات قریش کے ساتھ کچھ ایسے پیچ در پیچ تھے کہ قریش کسی طرح ان کے آگے سر نہیں جھکا سکتے تھے"۔

وہ مکالمہ جو حضرت شبلی نقل کررہے ہیں خود وجوہات بتا رہا ہے۔ پھر ان وجوہات کو پیچ در پیچ کے پیچدار فقرہ میں چھپانے کا کیا فائدہ۔ بہتر تو یہ ہوتا کہ آپ خود بتاتے کہ وہ وجوہات کیا تھے۔ حضرت علی کے علیحدہ معاملات قریش کے ساتھ کیا تھے اور کیا ہوسکتے تھے۔ ان کے وہ ہی معاملات تھے جو جناب رسولؐ خدا کے تھے۔ ان سے علیحدہ کوئی معاملہ نہیں کیا تھا۔ کوئی علیحدہ بیوپار نہیں تھا کہ

اس بیوپار کے معاملات پیچیدہ ہوگئے ہوں۔ علیحدہ کوئی رشتہ داریاں نہیں تھیں کہ معاملات پیچیدہ ہو جاتے۔ حضرت علی کی کوئی ذاتی دشمنی کسی کے ساتھ نہیں تھی۔ وہ ہی دشمنی تھی جو جنگ ہائے اسلام کی وجہ سے ہو سکتی تھی۔ حضرت علی پر تو آنحضرت اور اسلام کی مدد کرنے کا جرم ہی عائد ہو سکتا ہے۔ یہ لطیفہ تو ملاحظہ ہو۔ مولوی شبلی حضرت علی اور جناب رسول خدا اور بنو ہاشم کے معاملات ملا کر نہیں کہتے۔ بلکہ محض حضرت علی کے معاملات پیچیدہ بتاتے ہیں۔ ہمیں تو بہت شوق پیدا ہوگیا کہ کاش مولوی شبلی یہاں مناظرانہ خاموشی اختیار نہ کرتے بلکہ مورخانہ تحقیق سے بتاتے کہ وہ کیا پیچ در پیچ معاملات تھے۔ خیر یہ جملہ معترضہ تھا یہ ظاہر کرنے کے لئے کہ جماعت اہلِ حکومت کے مورخ ایسے ہوا کرتے ہیں۔ مولوی شبلی ان کے زبردست مورخوں میں سے ہیں۔ اور یہ ان کی شان ہے۔ تو اوروں کا کیا کہنا ع

این خانہ ہمہ آفتاب است

حضرت عمر نے یہ تو فرما دیا کہ بنو ہاشم کے دلوں میں پرانے کینے اور رنج ہیں۔ یہ نہ فرمایا کہ یہ رنج و کینے کیوں ہیں۔ کس سے ہیں۔ اور کب سے ہیں۔ بنو امیہ و بنو ہاشم میں خاندانی عداوت مدت سے چلی آتی تھی۔ لیکن اس مکالمہ میں بنو امیہ کی طرف اشارہ نہیں ہو سکتا۔ یہ کینے اور رنج تو ان کے خلاف تھے جنہوں نے بقول عبداللہ ابن عباس حسد و ظلم کے ساتھ خاندانِ نبوت سے حکومت کو نکال لیا۔ حضرت عمر کے اس قول سے توثیق و تصدیق ہوتی ہے اس امر واقعہ کی کہ اسلام سے پہلے بنی عدی (خاندانِ عمر) و بنی ہاشم و بنی تیم (خاندان ابوبکر) میں آپس میں دشمنی تھی۔ اِنّ بنی تیم و بنی عدی و بنی ھاشم کان بینھم فی الجاھلیۃ فلما اسلم ھولاء القوم تحابوا

علامہ سیوطی: کتاب الدر المنثور الجزء الرابع صـ۱۰۱ - ابن حجر مکی: صواعق محرقہ صـ۳۱

شاہ ولی اللہ۔ ازالۃ الخفاء جلد ۱ صـ۱۰

ترجمہ:۔ زمانۂ جاہلیت میں بنو ہاشم اور بنو عدی و بنو تیم کے درمیان دشمنی تھی لیکن

جب یہ قبیلے مسلمان ہو گئے تو آپس میں دوست بن گئے۔

لیکن حضرت عمر کہتے ہیں کہ نہیں یہ آپس میں دوست نہیں ہوئے۔ حضرت عمر کا خیال ہے کہ یہ کینے و رنج بنو ہاشم کے دلوں میں باقی ہے۔ مگر واقعاتِ خلافت حضرت عمر کی طرف کنکھیوں سے دیکھ کر کہتے ہیں کہ تم الزام انکو دیتے ہو قصور اپنا نکل آیا۔

حضرت عمر کے مقصدِ سیاست بلکہ مقصدِ حیات میں اب بھی کوئی شک ہو تو ہم مزید ثبوت الولد سِرٌّ لابیہ کے کلیہ کی بنا پر پیش کرتے ہیں۔ حضرت عمر کے دو نامی گرامی فرزندان تھے۔ عبداللہ اور عبید اللہ۔ حضرت عبید اللہ نے یقیناً اپنے والد ماجد کی پالیسی کے مطابق حضرت معاویہ کا ساتھ دیا اور حضرت علی کے خلاف خوب لڑے۔ یہاں تک کہ جنگِ صفین میں حضرت معاویہ کی طرف سے لڑتے ہوئے مارے گئے۔ تاریخ الکامل لابن الاثیر الجزء الثالث ص۱۲۱ و تاریخ الطبری الجزء الخامس ص۱۱

حضرت عبداللہ ابن عمر نے حضرت معاویہ کی طرح حضرت علی کی بیعت کرنے سے انکار کیا لیکن حضرت معاویہ اور ان کے برخوردار حضرت یزید کی بیعت بہ طیبِ خاطر کر لی۔ اور جب صدرِ اول کی پالیسی کی تکمیل میں حضرت یزید نے کربلا کے میدان میں جناب امام حسین علیہ السلام کو معہ ان کے فرزندان و برادران و عزیزان و دوستان شہید کر ڈالا اور لوگوں نے اس ظلم کی وجہ سے اس کی خلع بیعت کرنی چاہی تو حضرت عبداللہ ابن عمر کو بہت برا لگا۔ اور اپنے اولاد و عزیزوں کو جمع کر کے فرمایا کہ جو یزید کی بیعت سے خلع کرے گا تو میں اس کو عاق کر دوں گا۔ اور اس سے قطع تعلق کروں گا۔ آپ کو بھی اپنے والد ماجد کی طرح ایسے موقعہ پر جناب رسولِ خدا کی ایک حدیث یاد آ گئی۔ آپ نے مدینہ والوں کے مجمع میں فرمایا انی سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول ان الغادر ینصب له لواء یوم القیامۃ یقال ھذہ غدرۃ فلان۔

مسند امام احمد حنبل الجزء الثانی ص۴۸، ۹۶، ۹۷

صحیح بخاری باب اذا قال عند قوم شیئاً ثم خرج فقال بخلافہ۔

ابن حجر عسقلانی:- فتح الباری الجزء الثالث عشر صـ ۶۱

یعنی میں نے جناب رسول خدا کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ ہر ایک بغاوت کرنے والے کے لئے قیامت کے دن ایک جھنڈا ہوگا جس پر یہ لکھا ہوا ہوگا کہ اس نے فلاں شخص سے بغاوت کی۔

جو فقرہ اس میں قائم کیا گیا ہے اس پر تو ہم بحث آئندہ چل کر کریں گے۔ یہاں ہم یہ بتانا چاہتے ہیں کہ غالباً حضرت ابوبکر کو یہ حدیث نہیں معلوم تھی کیونکہ انھوں نے تو اپنے خطبہ میں یہ ارشاد فرمایا تھا کہ میری بیعت تمہاری گردنوں میں اسی وقت تک ہے کہ جب تک میں سنت رسول پر عمل کروں۔ اگر میں خلاف کروں تو تم میری بیعت توڑ دینا۔ خیر وہ اپنے موقعہ کی بات تھی یہ اپنے موقعہ کی ہے۔ موقعہ و محل جدا جدا ہوتا ہے لیکن ہم یہ پوچھتے ہیں کہ جب طلحہ و زبیر نے حضرت علی سے نکث بیعت کیا تو اس وقت یہ حدیث حضرت عبداللہ ابن عمر کو کیوں نہ یاد آئی۔ اور ان کو جا کر کیوں نہ سمجھایا۔ ایسی ہی مفید مدعا بہت سی روایات حضرت ممدوح نے بیان کی ہیں۔ آپ فرماتے ہیں:- عن ابن عمر ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال اسامۃ احب الناس الیّ ما حاشا فاطمۃ ولا غیرھا ؂ مسند امام احمد حنبل الجزء الثانی صـ ۹۶

ترجمہ:- ابن عمر فرماتے ہیں کہ جناب رسول خدا فرمایا کرتے تھے کہ دنیا بھر میں مجھکو سب سے زیادہ محبت اسامہ سے ہے۔ اس میں نہ فاطمہ مستثنیٰ ہے اور نہ اُس کا غیر۔

کیا عقل سلیم اس کو تسلیم کرے گی۔ حضرت فاطمہ و علی و حسنین علیہم السلام غرض سب سے زیادہ جناب رسول خدا کو اسامہ عزیز تھے۔ لیکن جب ان کے اقوال کو قبول کرنے والے لوگ موجود ہوں تو پھر عقل سلیم کیا چیز ہوتی ہے۔ حضرت عائشہ تو فرماتی تھیں کہ حضرت فاطمہ و حضرت علی سے سب سے زیادہ جناب رسول خداؐ کو محبت تھی۔ حدیث طیر حدیث رایت وغیرہ بھی یہی کہتی ہیں۔ لیکن ہم تو اس

وقت حضرت عبداللہ ابن عمر کی ذہنیت کا مطالعہ کر رہے ہیں۔ یہ اسامہ وہی بزرگ ہیں جو حضرت عمر کی خواہش کے مطابق اپنے لشکر کو مدینہ سے نہ لے گئے۔ اور جب آنحضرت نے بہت اصرار کیا تو جرف تک جاکر رک گئے جبتک زندہ رہے حضرت عمر بھی ان کی قدر و منزلت کرتے رہے اور سعادت مند بیٹے نے تو حد ہی کر دی۔ جن سے محض رسول خدا راضی تھے ان کو شوریٰ میں حضرت عمر نے داخل کر دیا کیا وجہ ہے کہ جس سے جناب رسول خداؐ کو اتنی محبت تھی اس کو شوریٰ میں کیوں نہ رکھا۔ شاید غلام زادہ ہونے کی وجہ سے۔ یہ اسامہ وہی بزرگ ہیں جنہوں نے عبداللہ ابن عمر کی طرح حضرت علی کی بیعت سے تخلف کیا تھا۔

حضرت عمر کی سیاست کی عظمت اور اس کی کامیابی کی اہمیت اس وقت ہی اچھی طرح ذہن نشین ہو سکتی ہے کہ جب ہم کو یہ معلوم ہو جائے کہ کسی مقرر شدہ نظام کو اس نے درہم و برہم کر کے یہ کامیابی حاصل کی۔ وہ نظام اس حکومت الٰہیہ کا نظام تھا جو جناب رسول خداؐ قائم کر چکے تھے۔ خود حضرت عمر کا اقبال ہے کہ جناب رسول خداؐ نے حضرت علی کو اپنی جانشینی کے لئے منتخب کر لیا تھا اور ان کو اپنا خلیفہ مقرر کرنا چاہتے تھے لیکن میں نے ان کی اس تجویز کو کامیاب نہ ہونے دیا۔ ہم حصہ اوّل کی کتاب اوّل میں اچھی طرح ثابت کر چکے ہیں کہ جناب رسول خدا نے حضرت علی کو اپنا خلیفہ و جانشین مقرر کر کے حکومتِ الٰہیہ کے حکام کا سلسلہ بتا دیا تھا۔

ان لوگوں نے تاریخ عالم کا مطالعہ تعمق فکر اور دقت نظر سے نہیں کیا جو کہتے ہیں کہ سقیفہ بنی ساعدہ کا اجلاس، ایک فوری ضرورت کی وجہ سے ایک فوری مصیبت کو ٹالنے کے لئے فوراً ہی بغیر کسی سابقہ تجویز و مشورہ کے قائم ہو گیا۔ اور حضرت شیخین سبد آگراہ واجبار وہاں گئے۔ اتنے عظیم الشان واقعات ایک لمحہ کے جوش کا نتیجہ نہیں ہوا کرتے خصوصاً جبکہ وہ ایک قائم شدہ نظام کے خلاف اس کو درہم و برہم کرنے کے لئے ہوں۔ کوئی نہیں کہہ سکتا کہ انقلاب فرانس کسی ایک ہفتہ کے کھیل کا نتیجہ تھا یا روس کو زار کی حکومت سے نکال کر بالشویزم کے دامن میں

ڈالنا ایک دن یا ایک مہینہ کا کام تھا۔ روما کی جمہوریت کی جگہ قیصریت نے لے لی۔ لیکن یہ دنوں یا مہینوں کا کام نہ تھا۔ سالہا سال کی ان تھک کوششوں کا نتیجہ تھا۔ فوری جوش کے ماتحت ایک یا چند آدمی قتل کئے جا سکتے ہیں لیکن مستقل طور سے ایک نظام نہیں بدلا جا سکتا۔ رومن سینٹ کے لیئے قیصر اعظم کا قتل کرا دینا آسان تھا لیکن یہ چند دنوں کا جوش نظام قیصریت کو نہ بدل سکا، اور جو لیس سیزر کی جگہ آگسٹس سیزر نے لے لی۔ اُس شخص کی گفتگو کو غلط نہ کہا نبوں سے زیادہ وقعت نہ دیجائیگی جو یہ کہیگا کہ موجودہ عالمگیر جنگ کی وجہ یہ ہے کہ ایک رات کو ہٹلر نے خیال کیا کہ مجھے دنیا فتح کر لینی چاہئیے۔ اور صبح یہ جنگ چھڑ گئی۔ جناب رسول خداؐ کے مقرر کردہ نظام کو بدلنا چند گھنٹوں کا کام نہ تھا۔ اس کے سلئے ایک جماعت پیدا کرنی تھی، اور اس جماعت کو اپنے ساتھ لیکر اُس نظام کو بدلنا تھا۔ ایسی جماعت کا پیدا کرنا کوشش ضرور چاہتا تھا لیکن ناممکن نہ تھا۔ ہم مانتے ہیں کہ جناب رسول خدا کے قائم کردہ حکومت الٰہیہ اور ان کے مقرر کردہ خلیفہ و امام کو نظر انداز کر کے گمنام قبیلہ کے لوگوں کا مسند حکومت پر قابض ہو جانا اور ایک نیا نظام چلانا ایک عظیم الشان واقعہ تھا۔ بہت سے نادان جنکو غور و فکر کرنیکی عادت نہیں فقط اس ہی بحث کی بنا، پر اپنے آبائی عقیدہ عدم استخلاف پر قائم ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ یہ ناممکن ہے کہ جناب رسول خداؐ خلیفہ مقرر کرتے اور ان کے صحابہؓ ان کے اس حکم کی تعمیل نہ کرتے۔ لیکن یہ طریقۂ استدلال غلط ہے۔ یہ لوگ اس طاقت کا پورا اندازہ نہیں کرتے جو دنیا کی دل فریبوں میں مضمر ہے۔ اور ورغلائی جانے کے امکان کو بالکل نظر انداز کر دیتے ہیں۔ جب آنکھوں سے دیکھی جنّت اپنے اندر اتنی کشش نہ پیدا کر سکی کہ حضرت آدم ورغلانے کے اثر کا مقابلہ کر سکتے تو اَن دیکھی جنت میں اتنی قدرت کہاں تھی کہ ان لوگوں کو ان کے فریب دینے والے ماحول سے متاثر نہ ہونے دیتی۔ اور صحابہ رسولؐ کا حب جاہ و مال دنیاوی کے جال میں پھنس جانا محال عقلی نہیں ہے کہ جس کی بنا پر استدلال قائم کیا جا سکے۔ اس کے لئے زیادہ بحث کی ضرورت نہیں۔ آنحضرت کی رحلت پر جو لوگوں کی حالت

ہوتی تھی اور جس طرح اصلی اسلام کو چھوڑ کر فوج در فوج حالتِ کفر میں عود کرنا تھا اس کا نقشہ آنحضرت نے اپنے معجزۂ پیشین گوئی اور طاقتِ انجام بینی سے بہت اچھا کھینچ دیا ہے۔ اور وہ صحیح بخاری و صحیح مسلم و کنز العمال غرض ہر ایک حدیث کی کتاب میں کتاب الفتن کے عنوان کے تحت میں موجود ہے۔ اس میں سے چند احادیث ہم کتاب اوّل میں بیان کر چکے ہیں۔ ایسے لوگوں کا ورغلایا جانا کون سا مشکل تھا۔

حضرت عمر نے کس طرح اپنے مقصد کی امداد کے لئے جماعت پیدا کر کے اس کی تنظیم کی، وہ کیا واقعات تھے جنہوں نے ان کی مساعدت کی، اور وہ کونسی تجاویز اور تدابیر تھیں جو حضرت عمر نے اپنی مقصدِ سیاست کی کامیابی کے لئے اختیار کیں نہایت دلچسپ تاریخی سوالات ہیں جن پر آبائی اعتقادات کو نظر انداز کر کے ٹھنڈے دل سے غور کرنا چاہئے۔

پہلے ہم ان واقعات کا ذکر کرتے ہیں جنہوں نے حضرت عمر کی سیاسی جد و جہد میں مساعدت کی اور جنکی موجودگی پر بھروسہ کر کے حضرت عمر نے اپنے مقصد کی تکمیل کے لئے قدم اٹھایا۔ وہ یہ ہے:۔

(۱) اکثریت قریش و صحابہ کا نبوت کے مفہوم اور اس کے مقصد کو کماحقہٗ نہ سمجھنا۔

(۲) عربوں کی حب مال و جاہ۔

(۳) عربوں کی فطرت میں کینہ کا خمیر۔

(۴) قبیلانہ رشک و حسد۔

(۵) بنو اُمیہ کی رقابت۔

(۶) حضرت علی کا طرزِ عمل اور ان کی رفعت شان۔

(۷) انصار و مہاجرین کی رقابت۔

(۸) مخالفین حضرت علی کا حرم رسول میں رسوخ۔

---

(۱) ناقص معرفت قرآن ورسول

عربوں کی اکثریت نے نبوت کے مفہوم اور نبی کی شخصیت کو کبھی صحیح طور پر نہ سمجھا۔ اور چونکہ انھوں نے ان لوگوں سے اعراض کیا جو قرآن شریف کی صحیح تاویل سے واقف تھے لہٰذا وہ صحیح تاویل قرآن سے کبھی محروم رہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ انھوں نے دونوں کو غیر مذاہب کے لوگوں کے مضحکہ کا نشانہ بنا دیا۔ غیر لوگ ان ہی کی کتابوں سے مواد لے کر رنگیلا رسول لکھتے ہیں اور ان کی ہی تفاسیر قرآن سے نوٹ لے کر قرآن پر اپنے مضامین شائع کرتے ہیں۔ اور جب یہ دونوں چیزیں آئینے کی طرح مسلمانوں کے سامنے آتی ہیں تو اس وقت حیران ہو جاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ کیا یہ ہماری ہی بنائی ہوئی تصویریں ہیں۔ یہ لوگ ہمیشہ یہ سمجھتے رہے کہ نبی بھی ہماری طرح حرص و لالچ و حب جاہ و مال کی دلآویزیوں میں پھنسا ہوا ہے۔ جب ہی تو خداوند تعالیٰ کی خواہش کے خلاف اپنے داماد کو خلیفہ مقرر کرنا چاہتا ہے اور کوشش ہے کہ حکومت اس کے ہی خاندان میں استقرار پکڑ جائے۔ یہ ان کے تخیل سے بالاتر بات تھی کہ کوئی شخص ہو۔ خواہ نبی ہی کیوں نہ ہو۔ وہ معصوم ہو سکتا ہے۔ یعنی ہر ایک گناہ اور ہر ایک صفت ذمیمہ سے بری ہو سکتا ہے۔ یہاں تک کہ ان کے فقہ میں نبی کا معصوم ہونا ضروری نہیں ہے یعنی عصمت شرطِ نبوت نہیں۔ معصوم کا جانشین عقلاً غیر معصوم نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا ضرورت پڑی کہ معصوم کو معصوم ہی نہ مانیں۔ یعنی نبی کو معصوم نہ جانیں۔ پھر خیریت ہے۔ حضرت ابوبکر خلیفہ ہو سکتے ہیں۔ ان لوگوں کی اس کمزوری سے فائدہ اٹھا کر حضرت عمر نے نبوت کے متعلق ایک عجیب عقیدہ قائم کیا اور لوگوں میں پھیلایا جس کا ذکر ہم حضرت عمر کی سیاسی تدابیر کے نیچے کریں گے۔ امر واقعہ یہ ہے کہ بغیر اس عقیدہ کے اختراع کئے ہوئے کامیابی ناممکن تھی۔

(۲) عربوں کی حبّ مال وجاہ

اصلی عربی فطرت مثل اصلی عربی زبان کے بدّوؤں میں پائی جاتی ہے ہر ایک سیّاح نے جو وہاں گیا ہے ان کی اس صفت کو اپنے ذاتی تجربہ سے بیان کیا ہے محض چند پیسوں کی خاطر کسی انسان کو قتل کر دینا ایک معمولی بات ہے۔

ان کی یہ فطرت و عادت ہی رسم دختر کشی کا باعث ہوئی۔ انھوں نے خیال کیا کہ لڑکے تو روپیہ کمائیں گے۔ کاروبار دنیاوی میں مدد دیں گے لیکن لڑکیاں محض بے فائدہ کا خرچ ہیں۔ ہم اس دعوی کی تصدیق میں قرآن شریف کی شہادت پیش کرتے ہیں۔ وَلَا تَقْتُلُوٓا اَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ نَّحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَاِيَّاكُمْ تم اپنی اولاد کو مفلسی کے خوف سے قتل مت کرو۔ ہم ان کو بھی رزق دیں گے اور تم کو بھی۔ جو قوم روپیہ کو اولاد سے زیادہ عزیز رکھے اور اس کی خاطر اپنی اولاد کو قتل کر دے اس سے کیا بعید ہے کہ جناب رسول خدا کے حکم کو نظر انداز کر کے ادھر جائیں جہاں سے خوب مال و متاع و جاگیریں ملیں جس نقطہ نظر سے حضرت علی نے بیت المال کا روپیہ خرچ کیا اور جس فائدہ کو مدنظر رکھ کر حضرت عمر نے بیت المال کا روپیہ اور جاگیریں لوگوں میں تقسیم کیں ان میں اتنا ہی فرق ہے جتنا کہ ان دونوں بزرگواروں کے مقصد سیاست میں فرق تھا نتیجہ یہ ہوا کہ لوگوں کے اپنے ذاتی مفاد نے ان کو اس پر آمادہ کیا کہ وہ حضرت علی کو خلیفہ نہ ہونے دیں کیونکہ وہ جانتے تھے کہ اگر علی خلیفہ ہو گئے تو وہ تو عادلانہ و مساوی طریقہ سے بیت المال کا روپیہ خرچ کریں گے۔ ان کے منظور نظر امیر نہیں ہوں گے۔ بلکہ غریب ہوں گے۔ حضرت عمر نے کس طرح عربوں کی اس کمزوری سے فائدہ اٹھایا ہم آگے چل کر بیان کریں گے۔

(۳) فطرت کینہ پرور

جو لوگ عربوں کی تاریخ سے واقف ہیں وہ جانتے ہیں کہ ان کی ساری تاریخ کینہ وحسد کی

ایک طویل داستان ہے۔ کچھ عرب کی خاک ہی میں کینہ توزی کی تاثیر مضمر ہے۔
عرب کا خاص جانور اونٹ ہے اور شتر کینہ مشہور ہے۔ بنو بکر و بنو تغلب کی لڑائیوں
سے لیکر ہسپانیہ وایران کے عربوں کی خانہ جنگیوں تک اس ہی ایک صفت ذمیمہ کا
منظر چلا آتا ہے۔ اکبر شاہ نجیب آبادی اپنی تاریخ اسلام جلد اوّل کے صفحہ ۲۱۴ پر
لکھتے ہیں کہ عربوں کے کینہ کی یہ حالت تھی کہ اگر کبھی قاتل یا دشمن پر اس کی زندگی
میں دسترس نہ حاصل ہو سکتی تو اس کے ناکردہ گناہ بیٹوں پوتوں اور رشتہ داروں
سے بدلہ لیتے تھے۔ اگر سبب عداوت یاد نہ رہے تو عداوت پھر بھی یاد رہتی تھی۔

یہ ظاہر ہے کہ جناب رسولِ خداؐ کے اعلانِ رسالت نے تمام قریش بلکہ تمام
عرب کو بنوہاشم سے بدظن کر دیا۔ آپ کی لڑائیوں نے سب کو اپنا دشمن بنا لیا۔
اور آپ کی کامیابی نے اس عداوت میں حسد کی آمیزش کر دی۔ یہ ہم اچھی طرح
واضح کر چکے ہیں کہ آنحضرت کی تمام بڑی لڑائیاں جن پر اسلام کی ہستی کا دارومدار
تھا محض حضرت علی نے فتح کی ہیں۔ یہ امر واقعہ ہے کہ اگر علی نہ ہوتے تو یہ لڑائیاں
ان مسلمانوں سے فتح نہ ہوتیں۔ اور رنگ ہی دوسرا ہو جاتا۔ حضرت علی نے
ہر ایک قبیلہ کے متعدد سرداروں کو قتل کیا تھا۔ اور ہر ایک قبیلہ کے دل میں
ذوالفقار کے گھاؤ پڑے ہوئے تھے جن کو وہ کبھی نہ بھولے اور نہ بھول سکتے تھے۔
وہ لوگ جو محض آنحضرت کی کامیابی سے مجبور ہو کر مسلمان ہوئے تھے اور دل میں
اپنے آباواجداد کے خداؤں کی توہین و تحقیر دیکھکر جلے جاتے تھے کب حضرت علی
سے خوش رہ سکتے تھے۔ اس امر واقعہ کا ثبوت کہ اسلام لانے کے بعد بھی ان
کے دلوں سے یہ بغض و کینے نہیں نکلے بہت آسان ہے **علامہ ابن الاثیر**
نے اپنی **تاریخ الکامل** میں صاف طور سے اس کا ذکر کیا ہے۔

قال عبد اللہ ابن زبیر کنت	عبد اللہ ابن زبیر کہتے ہیں کہ جنگ یرموک
مع ابی ابا الیرموک وانا صبی	میں میں اپنے باپ کے ساتھ تھا۔ جب
لا اقاتل فلما اقتتل الناس نظرت	لڑائی شروع ہوئی تو میں نے چند لوگوں کو

الی ناس علی تل لا یقاتلون فرکبت
فذھبت الیھم واذا ابو سفیان
بن حرب ومشیخۃ من قریش من
مہاجرۃ الفتح فرأونی حدثا
فلم یتقونی قال فجعلوا واللہ
اذا مالت المسلمون ورکبتھم
الروم یقولون ایہ بنی اصفر
فاذا مالت الروم ورکبتھم المسلمون
قالوا ویح بنی اصفر فلما ھزم الروم
اخبرت ابی فضحک فقال قاتلھم
اللہ ابوا الا ضغنا لنحن خیر لھم
من الروم ؂

ایک ٹیلہ پر دیکھا کہ وہ کھڑے ہیں اور
لڑائی میں شریک نہیں ہوتے۔ میں گھوڑے پر
سوار ہوکر ان کے پاس گیا تو دیکھا کہ وہاں ابوسفیان
اور چند بزرگان قریش تھے چونکہ میں کم سن تھا
کسی نے میری پروا نہ کی اور کھلم کھلا باتیں کرنے لگے
میں نے دیکھا کہ جب روم والے مسلمانوں پر حملہ کرتے تھے
تو وہ خوش ہوتے تھے اور ان کی تعریف کرتے تھے
اور جب مسلمان رومیوں پر حملہ کرتے تھے تو یہ لوگ کہتے
تھے ہائے ہائے روم والے جب اہل روم شکست کھاکر
بھاگے تو میں نے اس واقعہ کا تذکرہ اپنے باپ کیا
وہ ہنسے اور کہا کہ خدا ان کو غارت کرے ان کے دل سے
کینے نہیں جاتے حالانکہ ہم ان کے لئے روم والوں سے بہتر ہیں۔

ہم ایک واقعہ درج کرتے ہیں جس سے معلوم ہوگا کہ اسلام لانے کے بعد بھی جہاد کے مقتولین کی وجہ سے جو بغض وکینے دل میں بیٹھ گئے تھے وہ نہیں نکلے۔ اور اس سے یہ بھی معلوم ہوگا کہ حضرت عمر کس طرح اس دشمنی سے اپنے مقصد کے حصول میں فائدہ اٹھانے کی کوشش کرتے تھے۔ حضرت عمر نے کونسی لڑائیاں فتح کی تھیں۔ اور کتنے کافروں کو مارا تھا۔ کبھی کوئی اتفاق سے قتل ہوگیا ہوگا تو اس کی بھی ان کو معذرت کرنی پڑی۔ ڈر گئے کہ کہیں مقتول کے رشتہ داران میرے خلاف ہوکر مجھکو نقصان نہ پہنچائیں۔

ان عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ
قال لسعید بن العاص ومرّ بہ۔
انی اراک کان فی نفسک شیئا
اراک تظن انی قتلت اباک انی

ایک دن حضرت عمر راہ میں سعید بن العاص سے
ملے اور کہا کہ میں سمجھتا ہوں کہ تمہارے دل میں میری
طرف سے بغض بھرا ہوا ہے میرا خیال ہے کہ تم گمان
کرتے ہو کہ میں نے ہی تمہارے باپ کو قتل کیا ہے۔

لو قتلتہ لم اعتذر الیک من قتلہ ولکنی قتلت خالی العاص بن ھشام بن المغیرہ فاما ابوک فانی مررت بہ وھو یبحث بحث الثور بروقہ فحدت عنہ وقصد لہ ابن عمہ علیؑ فقتلہ ۔	اگر میں نے ان کو قتل بھی کیا ہوتا تو میں اس کی معذرت تم سے نہ کرتا لیکن امر واقعہ یہ ہے کہ میں نے تو اپنے ماموں عاص بن ہشام بن مغیرہ کو قتل کیا تھا اور تمہارے باپ کے پاس سے میں گزرا تھا تو میں نے دیکھا کہ وہ بیل کی طرح پڑا ہوا اپنے خون میں لوٹ رہا تھا مگر اس کے ابن عم علی ابن ابی طالب اسکی طرف آئے اور اسکو قتل کرڈالا

سیرۃ ابن ہشام الجزء الثانی ص ۲۷۷

یہ ہے حضرت عمر کی سیاست کا نمونہ، اور زیرکی کا نقشہ۔ پہلے تو یہ کہہ دیا کہ اگر میں قتل کرتا تو معذرت نہ کرتا تاکہ اس کو یقین آجائے کہ اب جو یہ انکار کر رہے ہیں وہ درست ہے، پھر اس کے غم وغصہ کا رُخ کس خوبی کے ساتھ حضرت علی کی طرف کردیا، اور عمداً ایسا کیا اور مرنے والے کا ایسا نقشہ کھینچا کہ اس کے دل میں وہ غصہ اور زیادہ تیز وشدید ہوجائے کہ دیکھو علیؑ نے میرے باپ کو کیسی بیکسی اور بےبسی کی حالت میں قتل کیا۔

یہ تاریخی واقعہ ہے کہ ہر بڑی لڑائی کے بعد جوق در جوق لوگ اسلام میں داخل ہوتے تھے، فتح مکہ کے بعد تو ہزاروں کافروں نے ظاہر البابیں اسلام پہن لیا۔ جنگ خیبر اور دیگر یہودیوں کی لڑائی کے بعد بہت سے یہودی بظاہر مسلمان ہوگئے، یہ بھی ان کی ایک سیاسی چال تھی جس میں وہ کامیاب ہوگئے۔ جب دیکھا کہ اسلام کو تلوار سے زک نہیں دے سکتے تو مکر وفریب کے ذریعے سے تخریب اسلام کے درپے ہوگئے۔ یہ لوگ کبھی نہیں بھولے اور نہ بھول سکتے تھے کہ صرف حضرت علیؑ ہی اُن کے بیخ وبُن کے اکھیڑنے والے ہیں، اب اُنہوں نے یہ چال چلی کہ مخالفین علیؑ سے مل گئے، اور ایسے ملے کہ شیر وشکر ہوگئے، کیونکہ مخالفتِ علیؑ دونوں میں جزو مشترک تھا، اس کا ذکر تفصیل سے آگے آئے گا۔

(۴) قبیلانہ رشک وحسد — عرب کی اس زمانہ کی تہذیب بنی نوع

انسان کی معاشرتی زندگی کے ارتقاء کے اس مرحلہ تک پہنچی تھی کہ جہاں آبادی کی اکائی قبیلہ سے شروع ہوتی ہے اور افراد کی ہستی ان کے قبیلہ میں مدغم ہو جاتی ہے، دوستی محبت و نفرت، اُلفت وحسد افراد میں منحصر نہیں رہتے بلکہ قبیلوں میں ہوا کرتے ہیں۔ عرب کی یہ حالت اس زمانہ میں تھی جس طرح زمانۂ حال میں مہذب دنیا کی قومیں نہیں چاہتیں کہ ایک قوم دوسری قوم سے زیادہ طاقتور یا مال دار ہو جائے اسی طرح عرب میں اس زمانہ میں ساری قبائل رشک وحسد کے جذبات میں سرشار تھے وہ نہیں چاہتے تھے کہ ایک قبیلہ دوسرے قبیلے سے زیادہ رسوخ واثر والا ہو جائے یہی وجہ تھی کہ عرب میں ابھی تک اندرونی بادشاہت قائم نہیں ہو سکی۔ اور جب آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سردار امت ہونے کی وجہ سے یہ حکومت قائم ہو گئی تو وہ لوگ جن کے دلوں میں حمیت جاہلیت موجود تھی، اس کو پسندیدگی کی نظر سے نہیں دیکھتے تھے، اور یہ تو وہ قطعی نہیں چاہتے تھے کہ ایک ہی قبیلہ میں سے متواتر یکے بعد دیگرے دو حاکم ہوں اور جو بزرگوار سقیفہ بنی ساعدہ کی کاوشوں کے بعد بر سر حکومت آئے تھے ان کا اس ہی میں فائدہ تھا کہ اس قبیلانہ رشک وحسد کی بناء پر لوگوں کو قبیلۂ بنی ہاشم سے منحرف کر دیں چنانچہ اونہوں نے ان لوگوں کو سمجھایا اور بہت اچھی طرح ذہن نشین کرایا کہ اگر آنحضرت کی رحلت کے بعد ہی علی خلیفہ ہو گئے تو پھر حکومت کا یہ سلسلہ قائم ہو جائے گا اور بنو ہاشم میں سلطنت کو استقلال ہو جائے گا اور تمہارے لئے کوئی گنجائش نہیں رہیگی برخلاف اس کے ہماری طرف سقیفہ بنی ساعدہ کی دھما چوکڑی ہے، آج ہم، کل تم، اسی طرح یاروں کے گھرے ہیں۔ ظاہر ہے کہ اندریں صورت لوگوں کا رُخ کدھر ہونا چاہیئے تھا، حضرت عمر کے بیان سے اور کون سا زیادہ ثبوت ہو سکتا ہے۔ اُنہوں نے اُس گفتگو میں جو حضرت عبداللہ ابن عباس سے ہوئی تسلیم کر لیا ہے کہ محض قبیلانہ رشک وحسد کی وجہ سے علیؑ کو خلیفہ نہیں ہونے دیا علامہ جرجی زیدان لکھتے ہیں:۔

"عمر ابن الخطاب وغیرہ کے اقوال سے جو اونہوں نے مختلف موقعوں پر

پر کہتے ہیں یہ ظاہر ہوتا ہے کہ مسلمانوں نے بنو ہاشم کو عزت نبوت سے سرفراز دیکھا کہ نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ان ہی میں سے تھے لہذا انہوں نے یہ پسند نہ کیا کہ عزتِ نبوت پر خلافت کا بھی اضافہ کریں۔"

جرجی زیدان:۔ تمدن اسلام حصہ اول ص ۵۷

(۵) بنو اُمیہ کی رقابت

یہ رقابت ایسی مشہور و مسلم ہے کہ زیادہ بحث کی ضرورت نہیں۔ حضرت عمر نے جس طرح اس رقابت کو اپنا آلۂ کار بنایا وہ ابھی بیان ہوگا۔

(۶) حضرت علی کا طرز عمل اور ان کی رفعت شان

جن ترکیبوں، طریقوں اور کاری گریوں سے عوام الناس پر اثر پیدا کر کے ان کو اپنے ساتھ لیا جاتا ہے وہ ترکیبیں اور طریقے ہر ایک قوم و ملک میں ایک سے ہی ہوتے ہیں۔ لوگوں کو رشوت سے، عطا و بخشش سے ان کی جائز اور ناجائز خواہشات کو پورا کرنے سے اپنی طرف کیا جاتا ہے اور سازشوں سے بہت اچھی طرح کام لیا جاتا ہے۔ جھوٹے پروپاگنڈہ عمل میں لائے جاتے ہیں۔ حضرت علی ان باتوں سے پرہیز کرتے تھے اور جانشین رسولؐ کی شان کے منافی سمجھتے تھے، لہذا لوگ بہت آسانی سے اُدھر جمع ہو گئے جہاں یہ باتیں تھیں۔ حضرت علی کا مساوی و عادلانہ طرزِ عمل بھی ان خواہش کے بندوں کو پسند نہ تھا۔ ابن ابی الحدید کہتے ہیں

انّ سبب افتراق الناس عنه کان لعدله وقسمته مساویا

یعنی حضرت علی کے خلاف لوگوں کے ہونے کی وجہ یہ تھی کہ وہ امیر و غریب وضیع و شریف صاحب رسوخ و گوشہ نشین سب کے ساتھ عدل کرتے تھے اور آپ کی تقسیم غنائم واقطاع مساوی و عادلانہ تھی۔ شرح نہج البلاغہ الجزء الاول ص ۱۸۰ الجزء الثانی ص ۱۷۲۔

حضرت علی اپنی فطرت میں، اپنے خصائل حمیدہ میں اپنے علم میں، اپنی بلند حوصلگی میں، اپنی شدتِ ریاضت اور سختی ایمان میں، اس قدر ان لوگوں سے ارفع و اعلیٰ تھے کہ وہ

لوگ ان کو اپنے میں ایک غیر سمجھتے تھے اور ان کی شخصیت کے سامنے اپنے تئیں صغیر اور حقیر محسوس کرتے تھے، ہر ایک شخص اپنے جیسے شخص سے میل جول کرنا چاہتا ہے اور مل کر خوش ہوتا ہے ع کند ہم جنس با ہم جنس پرواز۔

ایک بڑے شہر میں ایک اجنبی وارد ہوتا ہے اور اپنا ایک حلقہ احباب بناتا ہے، اس حلقہ سے پہچان لیا جاتا ہے کہ آیا وہ قصاب ہے، حجام ہے، مولوی ہے، عالم ہے، شاعر ہے، یا جواری ہے، ہر ایک گروہ چاہتا ہے کہ حاکم ہم میں سے ہو یعنی ہم جیسا ہو، بوجہ اپنی رفعت شان و منزلت علم و عمل و طہارت نفس کے حضرت علی اپنے ابنائے زماں میں بطور ایک نوع غیر کے سمجھے جاتے تھے لہذا عوام الناس نے دیکھا کہ ان کو حاکم مقرر کر کے ہمیں کوئی ذاتی فائدہ نہ ہوگا؛ اور یہ ہمیشہ ہم سے بالاتر رہیں گے۔ ہم ان کو اپنی تعداد یا طاقت یا شور و غل سے مرعوب و مغلوب نہیں کر سکیں گے۔ ایسا آدمی مقرر ہو جائے تو اچھا ہے جو ہم جیسی کمزوریاں رکھنے والا ہو، ہم سے دبا رہے، ہماری خوشامد کرتا رہے، جو ذاتی فوائد وہ حاصل کرے اُن میں ہم کو شریک کرے اور ہمیشہ سمجھتا رہے کہ اس کو یہ بزرگی و حکومت دلانے والے ہم ہیں، اور اس کے صلہ میں وہ ہم کو انعامات و اکرامات دیتا رہے چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

حضرت علی اپنے ذاتی نفع کے لئے کبھی وہ بات نہیں کرتے تھے جو اُن کی شان سے گری ہوئی ہو، ان کے حریف یہ بات جانتے تھے اور ان کی عالی حوصلگی سے فائدہ اُٹھاتے تھے، یہ تو ہر ایک سقیفہ ساز جانتا تھا کہ اگر خلیفہ گری کی بحث کے وقت علی اور بنو ہاشم موجود ہوئے تو ہماری دال نہیں گلے گی مگر علی کیوں کر دور رکھے جا سکتے تھے، یہ فقط حضرت عمر کی فکر رسا کے لئے چھوڑ دیا گیا تھا جن کے ہاتھ میں اس انقلاب کی باگ ڈور تھی، اُنہوں نے اس بحث کے لئے ایسا وقت اور ایسا مقام مقرر کیا کہ علی اپنی جگہ سے ہل ہی نہیں سکتے تھے وہ جانتے تھے کہ علی کی شان کے خلاف ہے کہ جسد اطہر رسول کو بے غسل و کفن چھوڑ کر ہماری منت کرتے پھریں لہذا تغسیل و تدفین رسول سے پہلے ہی اُنہوں نے اپنا سارا کام بنا لیا، اور جب ان کے دل نے ان کی اس حرکت پر ملامت نہ کی یا کی تو انہوں نے پرواہ نہ کی تو پھر دنیا کی کون پرواہ کرتا ہے۔

(۷) انصار و مہاجرین کی رقابت

انصار نے مہاجرین کو مکہ سے بلایا اور سر آنکھوں پر رکھا، اپنے گھروں میں جگہ دی اپنے لقمے میں سے توڑ کر لقمہ ان کو دیا، یہ تو غربت کے وقت کی حالت تھی، اس کے بعد فتوحات ہوئیں مال غنیمت آنے لگا، ان حالات کی تبدیلی کے ساتھ ہی انصار کے دلوں کی کیفیت بھی بدلنے لگی، مکہ کے حضرات کفر میں زیادہ پختہ کار تھے، ان کی تالیفِ قلوب کے لئے جنابِ رسولِ خدا نے مالِ غنائم میں سے ان کو زیادہ حصہ دیا، چونکہ آنحضرتؐ بھی اس ہی قبیلہ سے تھے اور قریش کی طرح انصار نے بھی شانِ نبوت کو اچھی طرح نہیں سمجھا تھا لہٰذا ان کے دل میں خیال پیدا ہوا کہ یہ ناجائز ترجیح ہے، آنحضرتؐ سے شکایت کی، آپ نے ان کو سمجھا دیا، چونکہ آنحضرتؐ کے احکام کی اطاعت اسلام کا ایک جزو تھی، آنحضرتؐ کی زندگی میں تو یہ صورتِ حالات بددلی کے درجہ سے آگے نہیں بڑھی لیکن جوں جوں آنحضرتؐ کی سرداری حکومت کی صورت اختیار کرتی گئی، انصار کے دلوں میں یہ خیال پیدا ہونے لگا کہ آپ کے بعد اس حکومت کو کون سنبھالے گا، اور آیا وہ ایسا شخص ہوگا کہ ہمارے ساتھ عدل و مساوی سلوک کر سکے، انہوں نے اپنی اس فکر کا اظہار صاف طور سے سقیفہ بنی ساعدہ کے اجلاس میں کر دیا، جب بشیر ابن سعد اور زید بن ثابت کو مہاجرین کی حمایت کرتے ہوئے دیکھا تو حباب ابن المنذر نے صاف کہہ دیا کہ میں دیکھ رہا ہوں کہ تمہاری اولاد ان مہاجرین کے دروازوں پر بھیک مانگتی پھر رہی ہے اگر انصار کو یقین ہو جاتا کہ آنحضرتؐ کے بعد بغیر کسی رکاوٹ کے حضرت علی مسندِ حکومت پر متمکن ہو سکیں گے تو وہ پھر مطمئن ہو جاتے، یہ امر قطعاً کہا جا سکتا ہے کہ اگر مہاجرین کی طرف سے حضرت علیؑ کی مخالفت شروع نہ ہوتی تو انصار کبھی اس کی ابتدا نہ کرتے، اور سقیفہ بنی ساعدہ کے اجلاس کے انعقاد کی نوبت ہی نہ آتی، یہ حضرت عمر کی جماعت ہی کا طرزِ عمل تھا جس نے انصار کو اپنا علیحدہ خلیفہ مقرر کرنے پر مجبور کیا۔

روزانہ کے طرزِ عمل اور واقعات سے انصار کو یقین ہو گیا تھا کہ اگرچہ جنابِ رسولِ خدا نے علی کو تمام امتِ اسلامیہ کا حاکم و خلیفہ مقرر کر دیا ہے مگر مہاجرین کی یہ طاقتور جماعت اس

حکم کی اطاعت نہیں کرے گی۔ جب ہی تو بغیر مہاجرین سے صلاح و مشورہ کئے ہوئے اپنا علیحدہ خلیفہ سقیفہ بنی ساعدہ میں مقرر کرنا چاہا، اور جب اس جماعت کے تین سردار وہاں آ ہی پہنچے تو پھر انصار نے یہ مطالبہ پیش کیا کہ منّا امیرٌ و منکم امیر یہ مطالبہ صاف بتا رہا ہے کہ انصار جانتے تھے کہ اس جماعت نے جو طرزِ عمل اپنے لئے سوچ لیا ہے اس سے وہ نہ ہٹے گی اور یہ ممکن نہیں کہ ایک حاکم ہو اور وہ انکا ہو، مہاجرین کو ظلم و ستم سے بھی ڈرتے تھے، حکومت میں اپنا دخل چاہتے تھے لہٰذا ایک امیر کا مطالبہ کیا خواہ وہ امیر درجۂ دوئم ہی پر رکھا جاتا ہمارے اس دعوی کی تصدیق کہ اگر مہاجرین کی اس جماعت کی طرف سے حضرت علی کی مخالفت شروع نہ ہوتی تو انصار کبھی اس کی ابتدا نہ کرتے بہت سے واقعات سے ہوتی ہے۔ سب سے پہلے تو یہ بات ہے کہ انہیں حضرت علی سے کوئی وجہ عناد نہ تھی۔ حضرت علی سے دعوئ ہمسری و رقابت نہ تھا۔ قبیلانہ رشک و حسد جو ایک شہر کے مختلف قبیلوں میں اس زمانہ میں ہوا کرتا تھا، وہ ان میں حضرت علی و بنو ہاشم کے خلاف نہ تھا، جنگہائے بدر و اُحد وغیرہ میں حضرت علی نے ان کے قبیلے کے آدمیوں کو قتل نہیں کیا تھا، وہ حضرت علی کی اعلیٰ صفات اور خدماتِ اسلامی سے واقف تھے، ان میں سے کوئی اپنے تئیں علی کا مدمقابل، یا رقیب نہیں سمجھتا تھا، ان میں کوئی شخص حضرت عمر جیسی جرأت و ہمت والا موجود نہ تھا۔ جو باوجود جناب رسولخدا کے صریح احکام کے حضرت علی کے مقابلہ میں کھڑا ہو جاتا۔ یہاں تک کہ سقیفہ بنی ساعدہ کے اجلاس میں حضرت علی کی غیر حاضری میں بھی بہت سے انصار نے کہدیا کہ ہم سوائے علی کے اور کسی کو خلیفہ نہ مانیں گے۔

وبایع الناس فقالت الانصار او بعض الانصار لانبایع الا علیًّا۔ ابن الاثیر تاریخ الکامل الجزء الثانی ص ۱۲۴	جب حضرت ابوبکر کی بیعت لوگ کرنے لگے تو انصار نے یا ان میں سے اکثر نے صاف کہہ دیا کہ ہم تو سوائے علی کے اور کسی کی بیعت نہیں کرینگے

ایک اور امر بھی غور طلب ہے، حضرت عمر کو جب اپنی موت کا یقین ہو گیا اور لوگوں نے ان سے التجا کی کہ آپ ہی اپنا جانشین مقرر کر دیں تو انہوں نے چند رفقائ

کے نام لئے کہ اگر وہ زندہ ہوتے تو میں ان کو خلیفہ مقرر کرتا، اُن میں سے کوئی انصار نہ تھا۔
پھر جب آپ نے چھ امید واران خلافت نامزد کئے تو ان میں کسی انصار کو نہ رکھا بلکہ صریحاً کہہ دیا کہ خلافت میں انصار کا حصہ نہیں۔ شوریٰ مقرر کرتے وقت آپ نے لوگوں کو یَا معشر المہاجرین کہہ کر خطاب کیا، انصار کو مطلقاً نظر انداز کر دیا اور فرمایا احضر وا معکم من شیوخ الانصار ولیس لہم من امرکم شیئًا کتاب الامامۃ والسیاست ابن قتیبہ ص ۲۲۔ یعنی دوران مشاورت خلافت سازی میں تم انصار کے چند بڑے آدمیوں کو تو بلا لینا مگر تمہارے امر میں ان کا کوئی حصہ نہیں ہے۔ خلافت کو آپ نے تمہارا امر یعنی مہاجرین کا معاملہ بتایا، انصار اس قابل بھی نہ سمجھے کہ ان کی طرف خلافت بادنی ملابست بھی ہو سکے یہ وہ انصار تھے جن کی نسبت جناب رسولخدا فرمایا کرتے تھے کہ حب الانصار من الایمان اور اللّٰہم انتم من احب الناس الی قالہا ثلاث مراۃ یعنی خدا کو گواہ کر کے کہتا ہوں کہ اے انصار تم میرے محبوب ترین لوگوں میں سے ہو، یہ آپ نے تین دفعہ کہا، آپ نے یہ بھی فرمایا لو ان الانصار سلکوا وادیا او شعبًا لسلکت فی وادی الانصار یعنی اگر انصار ایک علیحدہ وادی، شعب میں جائیں تو میں اُن کے ساتھ وہاں رہوں گا۔ الانصار لا یحبہم الا مومن ولا یبغضہم الا منافق فمن احبہم احبہ اللہ ومن ابغضہم ابغضہ اللہ۔ یعنی انصار کو نہیں دوست رکھے گا لیکن مومن اور ان کو نہیں دشمن رکھیگا لیکن منافق پس جو اُن کو دوست رکھے خدا اس کو دوست رکھے گا اور جو ان سے بغض رکھے خدا اس سے بغض رکھے گا۔ صحیح بخاری الجزء الثانی باب مناقب الانصار ص ۲۰۵، ۲۰۶۔ یہی فقرہ جناب رسول خدا نے حضرت علی کے حق میں کہا تھا۔

حضرت عمر نے دونوں کے حق میں جناب رسولخدا کے اس قول کی عزت ایک ہی طریقے پر کی یعنی دونوں کو خلافت سے محروم کر دیا، جناب رسولخداؐ نے حضرت عمر اور ان کی جماعت کی خواہش خلافت کی فراوانی کو دیکھ کر دو نتیجہ انصار کے متعلق بڑا

تھا جو آپ نے حضرت علی کے متعلق اخذ کیا تھا، اس کو معجزۂ پیشین گوئی بھی کہہ سکتے ہیں، اور قدرتِ پیشین بینی بھی۔ آپ انصار کو مخاطب کرکے فرمایا کرتے تھے۔ انکم ستلقون بعدی اثرۃ فاصبروا حتیٰ تلقونی و موعدکم علی الحوض صحیح بخاری باب مناقب الانصار باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم للانصار اصبروا حتی تلقونی علی الحوض الجزء الثانی ص ۲۰۷۔ ترجمہ "میرے بعد ہی تم پر مصائب و آلام آئیں گے پس تم صبر کرنا یہاں تک کہ حوض کوثر پر تم مجھ سے ملو۔ دونوں کے لئے یہ مصیبت حکومت سے محرومی اور قائم شدہ گورنمنٹ کی سختیوں کی صورت میں آئی، حضرت عمر کے عمالوں کی فہرست پر نظر ڈالو جس کو جناب شبلی نے اپنے الفاروق حصۂ دوئم ص ۳۰۸ و ۳۰۹ پر نقل کیا ہے بنوامیہ اور دشمنانِ علی بن ابی طالب کی کثرت ہے۔ سوائے ایک کے اور کوئی انصاری نظر نہیں آتا۔ سعد ابنِ عبادہ انصاری جو حریف سلطنت تھا، اس کو شام میں قتل کرادیا، اسکے بیٹے قیس سے بے رُخی برتی گئی، اس سلوک کی تلافی جناب امیر نے اس طرح کی، کہ قیس ابن سعد ابن عبادہ کو مصر کی گورنری پر مقرر فرمادیا۔

مسئلہ زیر غور یہ ہے کہ حضرت عمر کی یہ ناراضگی انصار پر کیوں تھی کہ خلافت میں سے ان کا حصہ ہی نکال دیا، کیا انصار امتِ اسلامیہ میں سے نہ تھے، اس کی وجوہات تھیں، حضرت عمر کی سیاست کا یہ رُکنِ اعظم تھا کہ جس شخص میں ذرا بھی حبِ علی ہو وہ حکومت سے دور رکھا جاتا تھا، دوسری وجہ یہ تھی کہ انصار نے خلافت کو خاندانِ نبوت میں سے نکالنے میں اتنی مدد نہ کی جتنی کہ حضرت عمر چاہتے تھے، اگر ایک دو غدار صاحبِ سوخ انصار میں سے نہ ٹوٹ کر ادھر آجاتے تو معاملہ ہی دگرگوں ہوگیا تھا اگر یہ وجوہات نہ تھیں تو وکلائے اہلِ حکومت ہمیں بتائیں کہ باوجود مسلمان اور ناصرانِ رسول ہونے کے انصار کا حق و حصہ کیوں خلافت میں نہ تھا، اگر خلافت بنی تیم و بنی عدی و بنی امیہ میں جاسکتی تھی تو کیوں انصار کی طرف نہ جاتی، اگر آپ

اس کا یہ جواب دیں کہ چونکہ آنحضرت قریش میں سے تھے لہذا خلافت قریش ہی کا حصہ تھا، تو پھر آپ کا قصر جمہوریت متزلزل ہوتا ہے اور اگر رشتہ داری باعث ترجیح ہو سکتی تھی تو نزدیک ترین رشتہ دار خلافت کے لئے اولی تھے نہ کہ حضرت ابوبکر و عمر۔ اس قسم کی منطق کی خرابیوں کو دیکھتے ہوئے ہی انصار نے مجبوراً حفظ ماتقدم کے طور پر اپنا علیحدہ خلیفہ مقرر کرنا چاہا، مہاجرین میں علی کے سوائے انصار کو کوئی ایسا نظر نہیں آتا تھا، جو ان کے اور مہاجرین کے درمیان عدل کا حل کر سکے اور اسلام کے معاملات کو اسی طرح تکمیل کو پہنچائے جس طرح جناب رسول خدا نے شروع کئے تھے۔ باقی جتنے لوگ تھے اُن سے انصار کو دعوی برابری تھا، اور خوف رقابت بھی، یہ امر واقعہ ہے کہ انصار ادعائے خلافت کی بناء پر نہیں اُٹھے تھے بلکہ ظلم کا سد باب کرنا مقصود تھا۔

جب انصار کو تیقین ہو گیا کہ یہ جماعت مہاجرین کی علی کو خلیفہ نہ ہونے دیگی اور انصار نے اپنا خلیفہ نامزد کر دیا تو پھر ان کو بھی اس کی ترجیح ہو گئی۔ مگر وہ ترجیح حضرت ابوبکر ہی کے مقابلہ میں تھی۔ اب سارا معاملہ اس نقطہ پر آن کر منتہی ہو گیا کہ انصار میں سے خلیفہ ہو یا مہاجرین میں سے، حضرت عمر کی کوشش ہی یہ تھی کہ شخصیت پر نظر نہ جائے۔ بلکہ قبیلہ ہی میں معاملہ رہے، چنانچہ ایسا ہی ہوا، اور اب مقابلہ آسان ہو گیا۔ اب سعد بن عبادہ کے مقابلہ میں ابوبکر بن ابی قحافہ پیش کئے جا سکتے تھے، غرضکہ اس جماعتِ مہاجرین نے وہ حالات پیدا کر دئے جن کی وجہ سے انصار کو سقیفہ بنی ساعدہ میں جمع ہونا پڑا، اگر یہ حالات پیدا نہ ہوتے تو انصار دفن و کفن رسولؐ کی طرف توجہ کرتے، نہ کہ سقیفہ بنی ساعدہ کی طرف جاتے۔

(۸) مخالفین علی ابن ابی طالب کا رسوخ حرم رسولؐ میں

یہ امر واقعہ ہے کہ حضرت عمر کی بساطِ سیاست پر جو کام حضرت عائشہؓ اور ان کی جماعت نے کیا وہ سقیفہ بنی ساعدہ کی کامیابی کا ایک بڑی حد تک باعث تھا جس طرح اصحاب رسولؐ میں حضرت علی کی محبت و بغض کی بناء پر دو پارٹیاں ہو گئی تھیں اسی طرح حرم رسولؐ میں دو فرقے بن گئے تھے۔ اس

کی شہادت صحیح بخاری میں موجود ہے۔

عن عائشہ ان نساء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کن حزبین فحزبٌ فیہ عائشہ وحفصہ وصفیہ وسودۃ والحزب الآخر ام سلمہ وسائر نساء رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم	حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ ازواج رسول اللہ دو مخالف جماعتوں میں منقسم تھیں۔ ایک میں تو عائشہ وحفصہ، صفیہ، سودہ اور دوسری میں ام سلمہ اور باقی ازواج۔

صحیح بخاری پارۂ دہم باب من اہدیٰ الی صاحبہ وتحریٰ بعض نسائہ دون بعض

یہ طویل روایت ہے جس کا پہلا حصہ اوپر لکھا گیا اس کے بعد درج ہے کہ لوگ اُس ہی دن تحائف آنحضرت کی خدمت میں بھیجتے تھے جب حضرت عائشہ کی باری ہوتی تھی۔ دیگر جماعت ازواج ان کی مخالفت کرتی تھی، چنانچہ حضرت زینب زوجۂ رسول اور حضرت فاطمہ بنت رسول اللہ کے ذریعہ سے ان کی شکایت آنحضرت تک پہنچائی گئی۔

یہ بہت غور کرنے والی بات ہے، ازواج مطہرات میں فریق بندی کیوں ہو۔ اگر کہا جائے کہ سوکنوں کا جلاپا تھا تو یہ غلط ہوگا، کیوں کہ یہ جلاپا وہاں ہوتا ہے کہ جہاں سب ازواج کے ساتھ مساوی سلوک نہیں کیا جاتا، آنحضرت سے ناانصافی کی امید نہیں ہو سکتی۔ اگر یہ جواب دیا جائے کہ انصاف ہو یا نہ ہو یہ فطری ہے کہ جو زوجہ زیادہ محبوب ہوگی باقی اس کے خلاف ہو جائیں گی تو یہ بھی غلط، کیونکہ اس صورت میں تین ازواج کیوں حضرت عائشہ کے ساتھ ہوں اور وہ بھی خلیفہ گردں اور حکام کے خاندان کی، یہ حضرت صفیہ وہی ہیں جنھوں نے آنحضرت کو شانۂ گوسفند میں زہر دیا تھا اور پھر سوکنوں کا جلاپا امہات المومنین کی شان سے بعید ہے، آپ کی رائے میں تو ہر ایک زوجۂ رسول آیۂ تطہیر میں شامل ہے یہ ناحق کا سوکنوں سے حسد طہارت کے کس عنوان کے نیچے آئے گا، اس پر زیادہ بحث کی ضرورت نہیں، آئندہ کے واقعات نے صاف کر دیا کہ وجہ تنازعہ وعناد کیا تھی، حضرت عائشہ کو حضرت علی سے ایسا بغض تھا کہ حضرت علی کا ذکر خیر کرنے اور سننے پر قادر نہ تھیں۔ تاریخ طبری الجزء الثالث ص ۱۹۱

مسند امام احمد حنبل الجزء السادس ص ۳۰۴، ۳۸۰ ۔ جنگ جمل نے تو سارا بھانڈہ ہی پھوڑ دیا، حضرت عائشہ حضرت علی کے خلاف لڑتی ہیں، حضرت ام سلمہ حضرت علی کی طرف ہیں اور جناب عائشہ کے خلاف اور ان کو سمجھاتی ہیں کہ ایسا نہ کرو، یہ تھی اُن دونوں جماعتوں میں وجہ اختلاف، واقعات بتا رہے ہیں کہ امور سیاسیہ میں سب سے زیادہ حضرت عائشہ حصہ لیتی تھیں اور حضرت علی کی مخالف جماعت ان کی بہت مرہون منت ہے، حضرت عائشہ نے اپنے والد بزرگوار کو امامت نماز پر کھڑا کر کے سقیفہ سازی کے جدال کے لئے ایک مغالطہ میں ڈالنے والا نکتہ مہیا کر دیا ورنہ سوائے غار میں رونے کے حضرت ابوبکر کی کرامت کی دلیل اور کیا بیان کی جاتی، مخدرات عصمت کی یہ جماعت حضرت ابوبکر و حضرت عمر کو جناب رسولخدا کی نقل و حرکت اور ان کے ارادوں سے مطلع رکھتی تھی، جیش اسامہ کے قضیہ میں بھی ان ہی ازواج رسول کا ہاتھ نمایاں ہے، یہ ان ہی مخدرات عصمت کے متواتر احکام اور اطلاعات تھے جنھوں نے لشکر اسامہ کو جرف سے آگے نہ بڑھنے دیا اور عین وقت پر بلا لیا۔ امہات المومنین کی ایک جماعت نے بڑی کوشش کی کہ اسامہ بن زید اپنے لشکر کو نہ لے جائیں اور وہ بوقت رحلت آنحضرت مدینہ ہی میں رہیں۔ دیکھو ص ۱۱۵۔

ومرض رسول الله صلے الله علیہ وسلم فجعل یقول فی مرضہ انفذوا جیش اسامہ انفذوا اسامہ حتی بلغ الجرف فارسلت الیہ امرأتہ فاطمہ بنت قیس فقالت لا تعجل فان رسول الله ثقیل فلم یبرح حتی قبض رسول الله صلے الله علیہ وسلم فلما قبض رجع الی ابی بکر۔	جناب رسول خدا کو مرض لاحق ہوا اور حالت مرض میں آپ باربار کہتے تھے کہ اسامہ کے لشکر کو فوراً لڑائی پر بھیجدو۔ اس تاکید پر وہ جرف تک آئے لیکن فاطمہ بنت قیس زوجہ آنحضرت صلے نے اسامہ کے پاس کہلا بھیجا کہ تم ہرگز نہ جانا، رسول اللہ بہت بیمار ہیں پس وہ نہ گئے، یہاں تک کہ آنحضرت کا انتقال ہوگیا اسوقت وہ حضرت ابوبکر کی خدمت میں حاضر ہوئے۔

محمد بن سعد :- طبقات الکبریٰ جلد ۴ ق ا ص ۷۴ ترجمہ اسامہ بن زید۔
ابن عساکر :- تاریخ الکبیر حصہ تہذیب الجلد الثانی، ترجمہ اسامہ زید ص ۳۹۶
دیکھا آپ نے آنحضرت تو اتنی تاکید کر رہے ہیں لیکن آنحضرت کے حرم میں سے ایک فریق آپ کی صریحاً مخالفت کر رہا ہے، یہ معظمہ اشعث بن قیس کی بہن تھی جو حضرت ابوبکر کے بہنوئی تھے۔ حضرت عائشہ ہی کے گھر میں آنحضرت کے بعد حضرت علی کے خلاف تجویزیں سوچی جاتی تھیں، اور مجلس شوریٰ جمع ہوا کرتی تھی، حضرت عمر نے حکم دیا تھا کہ مجلس شوریٰ حضرت عائشہ کے گھر میں منعقد ہو، آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی فراست نے بھی اس امر شدنی کو پہلے سے معلوم کر لیا یا بارگاہ رب العزت سے اس کی اطلاع دی گئی چنانچہ آپ فرمایا کرتے تھے۔

عن ابن عمر قال خرج رسول اللہ	ابن عمر کہتے ہیں کہ ایک دن جناب رسول خدا
صلے اللہ علیہ وسلم من بیت	حضرت عائشہ کے گھر سے برآمد ہوئے اور نکلتے
عائشہ فقال ان الکفر من ھھنا	وقت فرمایا کہ اس گھر سے کفر کا سر نکلیگا جس
من حیث یطلع قرن الشیطان	طرح کہ شیطان کے سینگ نکلتے ہیں۔

امام احمد حنبل :- مسند الجزء الثانی ص ۲۳، ۲۶
الجزء الخامس۔ ص ۱۶
صحیح بخاری :- کتاب الخمس باب ماجاء فی بیوت ازواج النبی الجزء الثانی ص ۱۲۷
جناب رسولخدا حضرت عائشہ کی سیاسی تحریکات اور ان کے رجحان سے بہت اچھی طرح واقف تھے، ان کو ناپسند فرماتے تھے اور بار بار حضرت عائشہ سے کہتے تھے کہ تم ان حرکات سے باز آؤ اور آئندہ کے لئے بھی ان کو ہدایات فرماتے تھے۔

لما اقبلت عائشہ بلغت میاہ	جب حضرت عائشہ حضرت علی سے جنگ کیلئے نکلیں
بنی عامر لیلا نبحت الکلاب	اور بنی عامر کے چشموں تک پہنچیں تو وہاں کے کتے
قالت ای ماء ھذا قالوا ماء	بھونکنے لگے انہوں نے پوچھا کہ یہ کونسا چشمہ ہے؟
الحواب قالت ما اظنی الا انی	لوگوں نے کہا کہ چشمہ حواب۔ جناب عائشہ نے کہا

راجعة فقال بعض من كان معها	کہاکہ میں واپس جاتی ہوں، لوگوں نے کہاکہ
بل تقدمين خيراك المسلمون	آپ واپس نہ ہوں، شاید آپکے ذریعہ سے امور
فيصلح الله عزوجل ذات بينهم	مسلمین کامیاب ہوں جناب عائشہ نے فرمایا
قالت ان رسول الله صلى الله	کہ ایک دن مجھ سے جناب رسول خدا
عليه وسلم قال لها ذات يوم	صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہا تھا کہ تم
كيف باحدكن تنبح عليها	میں سے اس عورت کا کیا بُرا حشر ہوگا.
الكلاب الحواب	جس پر حوأب کے کتے بھونکیں گے۔

امام احمد حنبل :- مسند الجزء السادس ص ۵۲، ۹۷

تاریخ حبیب السیر اور سیرة الحلبیہ میں اس واقعہ کو تفصیل سے لکھا ہے. طلحہ وزبیر نے جھوٹی شہادت دلوائی کہ یہ چشمہ حواب نہیں ہے، اسلام میں یہ پہلی جھوٹی اور دغا کی گواہی تھی۔

سیرة الحلبیہ :- الجزء الثالث ص ۳۲۰، ۳۲۱

تاریخ حبیب السیر :- جلد اول جزو چہارم ص ۴۸

نیز ملاحظہ ہوں کتب مندرجہ ذیل جن میں یہ واقعہ اسی طرح درج ہے۔

علامہ حاکم :- مستدرک علے الصحیحین الجزء الثالث ص ۱۲۰

علی المتقی :- کنز العمال الجزء السادس ص ۸۳ حدیث ۱۲۹۸ ص ۸۴ حدیث نمبر ۱۳۰۱

ابن قتیبہ :- کتاب الامامة والسیاست در ذکر واقعہ جمل ص ۵۶

تاریخ طبری :- الجزء الخامس واقعہ جمل ص ۱۷۱

تاریخ کامل :- ابن الاثیر در ذکر واقعہ جمل۔

مروج الذہب مسعودی جلد ثانی ص ۲۴۳، ۲۴۲

معجم البلدان حموی در ذکر حواب

تاریخ ابی الفداء الجزء الاول ذکر حوادث سنہ ست وثلاثین ص ۱۷۳

تاریخ ابن خلدون اردو ترجمہ جلد چہارم ذکر واقعہ جمل ص ۲۹۹

روضۃ المناظر فی علم الاوائل والاواخر در وقائع سنہ ۳۶ ہجری۔

تاریخ روضۃ الصفا در ذکر واقعہ جمل

آخر کار جب آنحضرت صلعم نے دیکھا کہ عائشہ کی اصلاح ناممکن ہے اور یہ اپنی عادتوں سے باز نہ آئیں گی تو آپ نا امید ہو کر فرمانے لگے کہ عائشہ کیا اچھا ہوتا جو تم مجھ سے پہلے مر جاتیں۔

تاریخ طبری :۔ الجزء الثالث ص ۱۹۱

تاریخ الکامل ابن الاثیر الجزء الثانی ص ۱۲۱

حضرت عائشہ و حضرت حفصہ کو بارگاہ خداوندی سے بھی ان کے اعمال اور افعال کی وجہ سے تنبیہ و تہدید کی گئی ان تتوبا الی اللہ فقد صغت قلوبکما (سورۃ تحریم ع ۱ پارہ ۲۸) یعنی تم دونوں کو چاہیئے کہ تم خداوند تعالیٰ کی درگاہ میں توبہ کرو کیونکہ تم دونوں کے دل کج ہو گئے ہیں کس درجہ تک نافرمانی رسول کرتی تھیں کہ خداوند تعالیٰ کو بھی تنبیہ کرنی پڑی۔ محض رسول خدا کی تنبیہ کافی نہ ہوئی اور واقعات جمل بتاتے ہیں کہ باوجود اس تہدید و حکم خداوندی کے بھی توبہ نہیں کی، تمام مفسرین و محدثین متفق ہیں کہ اس آیت میں صرف حضرت عائشہ و حفصہ ہی کو مخاطب کیا گیا ہے

ابن سعد :۔ طبقات الکبریٰ ج ۸ ق ۱ ص ۱۳۱، ۱۳۳۔

امام احمد حنبل مسند الجزء الاول ص ۳۳، ۴۸

سیرۃ الحلبیہ :۔ الجزء الثالث ص ۳۵۳

کنز العمال علی المتقی الجزء الاول ص ۲۶۹ حدیث ۴۶۷۲ ص ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۲

صحیح بخاری :۔ کتاب تفسیر القرآن تفسیر سورۃ مریم۔

الکشاف زمخشری الجزء الثانی تفسیر سورۃ تحریم ص ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱

غرضکہ اس جماعت ازواج رسول نے اپنی پارٹی کے مردوں کے لئے وہ کام کئے جو ان کی کامیابی کے بہت حد تک باعث ہوئے، تجہیز جیش اسامہ و امامت نماز کے واقعات

(بے شمار احادیث مناقب حضرت عمر و ابی بکر منقول از حضرت عائشہ وہ ہیں جو ہم تک پہنچے ہیں، بہت سے ایسے امور ہوں گے جو احادیث کی کتابوں میں محفوظ نہ ہے۔ یہ قیاس بالکل امر واقعہ ہے کہ آنحضرتؐ کے حرکات و سکنات اور ارادوں کی خبریں عین وقت پر حضرت ابوبکر و حضرت عمر کو ملتی ہوں گی اور وہ اُن کے مطابق اپنے طرز عمل کی تشکیل کرتے ہوں گے، ایک بہت بڑا کام جو حضرت عمر نے حضرت عائشہ اور ان کی جماعت سے اپنے مقصد کے لئے لیا وہ یہ تھا کہ حکام سقیفہ اور اُن کے ارکان کے افعال و اعمال کی توثیق و تصدیق ان سے کرا کر لوگوں کی آنکھوں میں جوازیت کا جامہ پہنایا، حضرت فاطمہؑ سے فدک چھیننا ایک ایسا فعل تھا کہ ممکن تھا کہ لوگ اپنی نبی کی پیاری بیٹی کی یہ توہین و تحقیر نہ دیکھ سکتے لیکن جس نے اس فعل کی سب سے پہلے تصدیق و توثیق کی وہ حضرت عائشہ تھیں اور انہوں ہی نے لاوارث حدیث کو اپنے دامن عاطفت میں لے کر اس کی پرورش کی، ان جاہل عربوں کے لئے یہ ہی کافی تھا کہ زوجۂ رسول اس فعل کو مستحسن سمجھتی ہے اور اس پر نمک مرچ تو لگانا آسان تھا، فاطمہ تو اپنے فائدہ کے لئے کہتی ہیں۔ خلیفہ کے لئے یہ بہت دشوار طلب امر تھا کہ دختر رسول کی مخالفت کرے لیکن وہ بے چارہ مجبور تھا، تم لوگوں کی خیر خواہی اُسے زیادہ مطلوب تھی، فدک اُس نے تمہارے ہی لئے تو رکھ لیا، بس اب کیا تھا، خوش ہو گئے، اسی طرح اور بہت سے واقعات تھے جن کی تفصیل موجب طوالت ہوگی، حضرت ابوبکر و حضرت عمر کے لئے تو بڑی خوشی سے پہلوئے رسول میں قبر کے لئے جگہ دیدی۔ لیکن جب نواسۂ رسول کو وہاں دفن کرنا چاہا تو مانع ہوئیں یہ اس ہی مقرر و طے شدہ اصول کی مطابق تھا کہ جہاں تک ہو سکے اہل بیت رسول کو لوگوں کی نظروں سے گرایا جائے، اور ان کے مقابل میں کارکنان حکومت سقیفہ کی شان کو دوبالا کیا جائے، اگر دنیا کی ساری تاریخ کی کتابیں دریا برد ہو جائیں اگر تمام کتب اخبار و روایات کو جھوٹا سمجھا جائے۔ تب بھی جو باقی رہے گا اس سے اہل بیت ختم المرسلین کی مظلومیت اور حکام وقت کے ظلم و جور کی داستان بہت اچھی طرح مرتب ہو سکتی ہے، کچھ نہیں تو خاموش عمارتیں،

ویران قبرستان ہی اپنی زبان میں اس قصہ کو دوہرائیں گے، اہل بصیرت کے لئے یہ کتنا عبرت آموز سبق ہے کہ قبر رسولؐ کے پاس اس کے کسی خاندان والے کی قبر نہیں ہے اس کی پیاری بیٹی چھ مہینے کے اندر یہ دوہائی دیتی ہوئی دنیا سے جاتی ہے کہ میں تم دونوں کی شکایت اپنے باپ سے کروں گی، ایک خاموش تنہا جنازہ رات کو علی کے گھر سے نکلتا ہے اور مسلمانوں کے عام قبرستان میں رسول کی وہ پیاری بیٹی دفن کی جاتی ہے جس کی جدائی رسول کو گوارا نہ تھی، کسی مہم پر باہر جانا ہوتا تھا تو سب سے آخر خانہ فاطمہؑ پر اپنی بیٹی سے رخصت ہونے آتے تھے، اور جب واپس تشریف لاتے تھے تو سب سے پہلے اپنی بیٹی سے ملتے تھے، اس بیٹی کو اجازت نہیں ملتی کہ اپنے باپ کے پہلو میں دفن ہو کہا جائے گا کہ ان کی وصیت ہی یہ تھی کہ رات کو جنازہ نکلے اور عام مسلمانوں کے گورستان میں دفن ہو لیکن یہ وصیت ہی اپنے میں ایک طویل داستان غم مضمر رکھتی ہے کون پیاری بیٹی نہیں چاہتی کہ اپنے پیارے باپ کے پہلو میں دفن ہو۔ مگر جب دختر رسولؐ نے دیکھا کہ میرے باپ کی قبر دشمنوں کے قبضہ میں ہے اور اگر میرے شوہر نے کوشش کی تو جنگ و جدال کی نوبت آجائے گی تو مظلوموں کے خاندان کی اس پہلی شہیدہ نے صبر کی تلقین اس وصیت کی صورت میں کی، وصیت یہ بھی تھی کہ میرے دشمن میری جنازہ پر نہ آئیں، مگر جانتی تھیں کہ اگر دن کو جنازہ اٹھا اور ان کو معلوم ہو گیا تو وہ اپنی عادت ظلم وجور نہ چھوڑیں گے اور جبراً آجائیں گے لہذا رات کو دفن کرنے کی وصیت کی، واقعات آئندہ نے بتا دیا کہ ان کا خیال صحیح تھا، ایک اور شہید نے یہ اتمام حجت بھی کر کے دیکھ لیا، پیارے نواسے کا جنازہ اس کی وصیت کے مطابق اپنے نانا کی قبر کی طرف روانہ ہوتا ہے لیکن نانا کی زوجۂ محترمہ اور جماعت حکومت کے زعم کے مطابق آیۂ تطہیر کی وارثہ مانع ہوتی ہیں، اور نواسے کو نانا کے پہلو میں دفن نہیں ہونے دیتیں، اور جنازہ پر تیر برسائے جاتے ہیں، واقعات نے بتا دیا کہ دونوں حسنؑ اور عائشہ ایک چادر تطہیر کے اندر آنے کے قابل نہیں، یا حسنؑ باہر رہیں گے یا حضرت عائشہ، اس کا فیصلہ مسلمان

خود اپنے دل میں کرلیں کہ کون باہر ہے گا۔ ہم صرف اتنا اشارہ کئے دیتے ہیں کہ آیہ مباہلہ اور حدیث رسول سیّدا شباب اہل الجنۃ کو بھی یاد رکھیں اور آیہ صحت قلوبکما، حدیث کلاب حواب و واقعات جمل کو بھی نظر سے اوجھل نہ ہونے دیں، خیر یہ جملہ معترضہ تھا، ہاں ہم کہہ رہے تھے کہ خاموش قبرستان ہی اپنی کہانی بتا رہے ہیں، قبر رسول کے ارد گرد نہ تو ان کی اولاد اور نہ ان کے پیارے ابن عم و داماد کی قبریں ہیں، قبریں ہیں تو کس کی ہیں، حکامِ وقت کی اور وہ حضرت عائشہ کے حکم و اجازت سے بنائی گئی ہیں یہ وہ ظلم تھا جو مرنے کے بعد بھی جاری رہا، اور اب تک جاری ہے، کیا یہ واقعات قطعی ثبوت اس امر کا نہیں ہیں کہ حضرت عائشہ اس جماعت حکومت کی ایک فرد تھیں جو حضرت علی کے خلاف تھے۔

یہ تھے وہ واقعات جنھوں نے حضرت عمر کے حصولِ مقصد سیاست میں اعانت کی۔ مگر یاد رکھنے کے قابل یہ بات ہے کہ یہ سب امور حضرت علی کو حکومت سے دور رکھنے میں فقط معاون کی حیثیت رکھتے تھے، انتزاعِ خلافت کے خود باعث نہ تھے، اس کا باعث محض حضرت عمر کی سیاست تھی، ہم نے یہ آٹھ واقعاتِ اعانت گنوائے ہیں، اگر عرب مفہوم نبوت کو کماحقہ نہ سمجھ سکے تو یہ ایک ان کے دین کا نقص تھا اس جہالت سے وہ کام لینا جو لیا گیا محض حضرت عمر کی ذہانت و رسائی فہم کا نتیجہ تھا۔ عربوں میں کینہ ضرور تھا، قبیلانہ رشک و حسد بھی تھا، بنو امیہ کی رقابت بھی تھی، لیکن یہ سب امور خلافت پر قبضہ کرنے کے لئے ناکافی تھے بنو امیہ کی رقابت کی آخری جد و جہد ختم ہو چکی تھی اور اب مجبوراً ابو سفیان نے بنو ہاشم کی قیادت پر صبر کر لیا تھا قبیلوں کا رشک و حسد بھی اپنا زور لگا چکا تھا، حضرت علیؑ نے اپنے جنگ و جدال سے بہت سے دشمن پیدا کر لئے تھے لیکن ان میں سے بہت سے تو نا امید ہو چکے تھے، اور ان میں سے کوئی ایسا نہ تھا جو حکومت پر قبضہ کر سکنے کی طاقت رکھتا ہو، یہ سب امور بے جان قصۂ پارینہ سے زیادہ وقعت نہیں رکھتے تھے، ان سب میں ایک نئی روح پھونک کر ان کی مدد سے حضرت علیؑ کے خلاف ایک جماعت کی توسیع و تنظیم کرنا حضرت عمر کا کام

تھا، اور بغیر اس تنظیم و جوش کے یہ سب باتیں ایک معمولی بددلی ورنج کے درجے سے آگے نہ بڑھتیں، حرم رسول میں ایک جماعت پیدا کر کے اپنی ہدایات کے اندر اس سے کام لینا حضرت عمر کا کام تھا اور نہ بوقت رحلت رسولؐ حضرت عائشہ ایک ناتجربہ کار نوجوان عورت تھیں دل میں کُڑھ کر چپ ہو رہتیں، ہم ثابت کر چکے ہیں کہ انصار کی اکثریت حضرت علیؓ کے خلاف نہ تھی، اور اگر حضرت عمر کی جماعت ان کو اپنا علیحدہ خلیفہ مقرر کرنے پر مجبور نہ کرتی تو وہ کبھی سقیفہ بنی ساعدہ کا قضیہ نہ اٹھاتے یہ قطعی امر ہے کہ حضرت علی کے خلاف کتنی ہی بددلی کیوں نہ ہوتی جناب رسولخداؐ کی خواہش کی مطابق آنحضرتؐ کی رحلت پر وہ خلیفہ تو ضرور ہو جاتے اسکے بعد چونکہ حضرت علی کی کامیاب مخالفت کی پہلے سے نظیر نہ ہوتی اور وہ حضرت علی کا مساوی اور عادلانہ رویہ دیکھتے تو ضرور خوشی سے ان کی حکومت پر راضی ہو جاتے، غور کرنیوالی بات ہے، نہ شام میں معاویہ ہوتے نہ خون عثمان کا بہانہ ہوتا، نہ لوگوں کے دلوں میں آسانی سے خلافت حاصل کر لینے کی جرأت وہمت پیدا ہوئی ہوتی، نہ طلحہ وزبیر سابقہ کامیاب نظائر کی وجہ سے دلیر ہوئے ہوئے ہوتے تو پھر کونسی چیز حضرت علی کو مسند خلافت سے نیچے اتار دیتی، شروع ہی سے خلافت کا حضرت علی تک نہ پہونچنا ظاہر کر رہا ہے کہ ایک منظم سازش ان کے خلاف ایسی تھی جس نے موقعہ ومحل کو پہلے سے سوچ رکھا تھا، ادہر جناب رسولخدا کا آخری سانس ختم ہوا، اُدہر انہوں نے اپنا کام شروع کر دیا، یہ تنظیم کس نے کی اگر حضرت عمر نے نہیں کی، حضرت عمر کیوں جیش اسامہ کے ساتھ نہ چلے گئے، باوجود آنحضرتؐ کی اتنی تاکید کے نہ گئے، حرم رسولؐ کے ذریعے اُسے روکے رکھا اور آخر میں بلوا لیا، آنحضرت آخری وصیت لکھوانا چاہتے ہیں حضرت عمر تسلیم کرتے ہیں کہ یہ آخری وصیت حضرت علی کی خلافت کی تحریر تھی اور یہ کہ انہوں نے آنحضرتؐ کو روک دیا، ایسے ایسے اہم موقعوں پر اگر حضرت عمر نہ ہوتے تو یہ بیل منڈھے نہ چڑھتی، حضرت عمر نے بڑی کوشش کی اور ان مساعد واقعات سے ان کی آخری حد تک فائدہ اٹھایا پھر بھی حضرت ابوبکر کی خلافت کے لئے اجماع نہ پیدا کر سکے، سقیفہ بنی ساعدہ میں فقط تین مہاجر تھے، اور چند انصار

جنھوں نے حضرت ابو بکر کی بیعت کی، حبشہ سے آئے اور مسجد نبوی میں بیعت کا سلسلہ شروع ہوا تو اگرچہ حضرت عمر کی جماعت نے ان کی کارکردگی کی حمایت کی اور حضرت ابو بکر کی بیعت کرلی لیکن بنو ہاشم و بنو امیہ جو قریش کے نہایت مشہور و معزز ترین قبیلے تھے بیعت سے منحرف تھے، بنو زہرہ نے بھی زیر سرکردگی سعد ابن وقاص بیعت سے انکار کیا، ان کے علاوہ بہت سے معزز و مقرب صحابۂ رسول مثلاً عمار ابن یاسر، ابوذر مقداد، ابوسعید الخدری، ابوایوب انصاری، و زبیر بن العوام و طلحہ وغیرہم نے حضرت ابو بکر کی بیعت سے تخلف کیا، ظاہر ہے کہ حضرت ابو بکر کی بیعت پر اجماع نہ ہوا۔ ہاں بیعت کے بعد جب حکومت مل گئی تو پھر حضرت عمر نے حکومت کے سارے ذرائع استعمال کر کے مخالفین متخلفین کو دوست و موافق بنانا شروع کیا مگر اجماع وغیر اجماع بیعت کے وقت دیکھا جاتا ہے، حکومت پر قبضہ کر کے تو دشمنوں کو دوست بنانا ان لوگوں کے لئے بہت آسان ہے جو بیت المال کے روپے کو بے دریغ اپنی حکومت کے استحکام کے لئے خرچ کرنے کی جرأت رکھتے ہیں۔

اب ہم اپنے اصلی موضوعِ سخن یعنی سیاستِ عمریہ کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ یہ معلوم کرنے کے بعد کہ حضرت عمر کے مقصد سیاست کو کن کن امور سے مدد مل سکتی تھی۔ اب ہم یہ معلوم کرنا چاہتے ہیں کہ حضرت عمر نے ان امور سے کس طرح فائدہ اُٹھایا اور کن تدابیر و نجاویز سے اپنے مقصدِ زندگی کو حاصل کیا، مگر قبل اس کے کہ ہم وہ تدابیر بیان کریں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمر کی سیاست کے چند بنیادی اصول کا تذکرہ کر دیں، تاکہ اُس سیاست کے سمجھنے میں آسانی ہو اور حضرت عمر کا طرز عمل جو بظاہر مختلف مواقع پر مختلف بلکہ متضاد جذبات کا نتیجہ نظر آتا ہے، ایک ہی مقصدِ حیات اور ایک ہی سیاست سلطنت کا نتیجہ ثابت ہو۔

حضرت عمر اور دنیا کے دیگر عظیم الشان مدبرین سلطنت کی سیاست کے دو مشترکہ اصول اساسی تھے اور وہ ہی ان سب کی کامیابی کا راز تھے۔

(۱) اول تو اپنے مقصد کے حصول کی خاطر ہر ایک امر ماسوا کی طرف سے

مطلقاً بے توجہی اختیار کر کے اس کو قطعاً نظر انداز کرنا. مذہب اور محبت دنیا کی دو بڑی طاقتیں ہیں لیکن ان عظیم الشان ہستیوں کو وہ بھی اس راہ سے جو انہوں نے اپنے لئے اختیار کر لی تھی ایک جو ادھر سے اُدھر نہ کر سکیں.

(۲) دوئم اپنے مقصد اور دلی راز کو اس طرح پوشیدہ رکھنا کہ عوام الناس کو مطلقاً نہ معلوم ہو سکے. میرے خیال میں جو کمال حضرت عمر نے اس ہنر میں دکھایا ہے، اس کے درجہ تک یورپ کے سیاستدان بھی نہیں پہنچے حضرت عمر نے اپنی ساری عمر اس مقصد کے حاصل کرنے میں گزار دی جس کا ذکر اوپر کیا گیا. لیکن مرتے مر گئے مگر سوائے چند خاص اور مقرب لوگوں کے جن کی مدد اس حصول مقصد کے لئے ضروری تھی انہوں نے اپنا یہ مقصد عوام الناس پر نہ ظاہر ہونے دیا، کامیابی کے بعد جب اخفائے راز کی بہت زیادہ ضرورت نہیں رہی تھی اُنہوں نے حضرت عبد اللہ ابن عباس کے مکالمے میں دوسرے لوگوں ہی پر رکھ کر کہا کہ انہوں نے نہ چاہا کہ نبوت و خلافت ایک خاندان میں جائیں اس اصلی اور دلی خواہش کو اس عمدگی کے ساتھ چھپایا کہ اب تک لوگ مغالطے میں ہیں اور یہی سمجھتے ہیں کہ حضرت عمر تو حضرت علی کے دلی دوست تھے. حضرت علی سے حکومت چھین لی، اور ان کی زوجۂ محترمہ سے فدک چھین لیا، ان کے گھر کو آگ لگانے چلے، اقطاع و جاگیرات ہر ایک کے لئے تھیں، سوائے حضرت علیؑ کے، حضرت علیؑ کے خاندانی دشمنوں کو حضرت علی کی آنکھوں کے سامنے عزت بخشی، لوگوں کی نظروں میں بہت سے صحابیوں کا درجہ حضرت علی سے بڑھا دیا، قرآن جمع کرایا تو کل کے بچوں سے مگر حضرت علی کو نہ پوچھا، فوجوں کا سپہ سالار بنایا تو یزید اور معاویہ کو مگر علی کو اس قابل نہ سمجھا، حضرت فاطمہ کے قبضہ میں تو فدک بھی آنکھوں میں کھٹکتا تھا، مگر پورے صوبۂ شام کو معاویہ کی جاگیر استمراری میں دیدیا، اور مرتے وقت ایسی ترکیب کر گئے کہ حضرت علی کو چوتھے درجہ پر بھی خلافت نہ ملتی، اگر حضرت عثمان غلطیوں پر غلطیاں نہ کرتے، یہ سب کچھ کر لیا لیکن اس طرح کہ لوگ دلی مقصد کو نہ سمجھے، اب تک عوام الناس یہی سمجھتے ہیں کہ حضرت عمر نے تو بادل ناخواستہ

حکومت حاصل کی کہیں انصار میں نہ چلی جائے ورنہ وہ تو حضرت علی کے دلی خیر خواہ و مداح تھے. گو یا انصار مسلمان ہی نہ تھے، بنی تیم و بنی عدی میں خلافت چلی جائے تو کچھ ہرج نہیں لیکن اگر انصار میں چلی جاتی تو قیامت آ جاتی، یہ دنیاوی سیاست کا آخری درجۂ کمال ہے یا نہیں ؟ بوجوہات چند در چند جو کہ ظاہر ہیں حضرت عمر نے ضروری سمجھا کہ ظاہری طور سے علی کی خیر خواہی کا دم بھریں اور لوگوں میں ظاہر کریں کہ وہ علی کی بہت تعظیم و تکریم کرتے ہیں۔

ہم ایک واقعہ بیان کرتے ہیں جس سے حضرت عمر کی عاقلانہ سیاست کا پتہ چلتا ہے، اس ظاہری تعظیم و تکریم کو دیکھ کر ایک دفعہ لوگوں نے کہا کہ جتنی آپ علی کی تعظیم و تکریم کرتے ہیں اتنی کسی اور کی نہیں کرتے، حضرت عمر نے جواب دیا کہ کیوں نہ کروں کیونکہ وہ تو میرا بھی مولا ہے، اور تمام مومنین و مومنات کا مولا ہے۔ حضرت عمر نے کس خوبی سے ظاہر کر دیا کہ غدیر خم والی روایت جو لوگوں میں چل رہی ہے وہ تو کچھ نہیں فقط اتنی ہے کہ علی مولا ہے، مولا کے معنی حاکم کے نہیں ہیں، مولا کے تو ایسے معنی ہیں کہ میں حاکم ہوں اور علی مولا ہے، ہزاروں بحثیں کر لو، لاکھوں کتابیں لکھ ڈالو وہ اثر نہ ہوگا جو اس ایک بات سے ہو گیا، اگر یوں بحث کرتے تو لوگ سمجھتے کہ چونکہ حکومت پر قبضہ کر لیا ہے اس لئے اب الٹی سیدھی تاویلوں پر اتر آئے ہیں مگر ان کے اس طرز عمل اور اس کی تشریح سے لوگوں کے دلوں پر بہت اثر ہوا، ان کو یقین ہو گیا کہ ایک آدمی مولا و آقا بھی ہو سکتا ہے اور جس کا مولا و آقا ہے اس کا محکوم بھی ہو سکتا ہے، ورنہ اگر ایسا نہ ہوتا تو عمر جو علی کی اتنی عزت کرتے ہیں ایک لمحے کے لئے علی کی موجودگی میں مسندِ حکومت پر نہ بیٹھتے۔

اس ظاہری تعظیم و تکریم کی ایک اور وجہ بھی تھی، ابھی تک وہ وقت نہیں آیا تھا کہ ہر وقت اور ہر طرح حضرت علی کی توہین و تحقیر ہو سکے. حضرت فاطمہؑ کے دربار عام میں آ نکر فدک طلب کرنے پر ہی ایک ہیجان لوگوں میں پیدا ہو گیا تھا. حضرت عمر جیسے عظیم الشان مدبروں کا طرز عمل یہی ہوتا ہے کہ یا تو اگر موقعہ ہے تو اپنے مخالف

کو مروا ڈالا، اگر ایسا نہیں کر سکتے تو اسکے ساتھ ظاہرا نہایت عمدہ سلوک کرتے رہنا کہ اگر زیادہ ستایا تو کہیں تنگ آمد بجنگ آمد کے مسئلہ پر نہ عمل کر بیٹھے، اگر مخالف صاحب رسوخ ہے تو یہ طرز عمل بہت ضروری ہوتا ہے، ابھی علی کی عزت و وقعت لوگوں کے دلوں میں اتنی موجود تھی کہ حضرت عمر زیادہ بدسلوکی نہیں کر سکتے تھے، کس خوبصورتی و عمدگی سے آگے چل کر حضرت عمر نے حضرت علی کے قتل کی تجویز کی ہم ابھی بیان کرینگے جب شوریٰ کا تذکرہ کرینگے۔

حضرت عمر اور حضرت ابو بکر کی سیاست ایک ہی ہے، ایک کی کمی دوسرا پوری کیا کرتا تھا۔ اس کا مفصل تذکرہ تو ہم سقیفہ بنی ساعدہ کے حالات میں کرینگے، لیکن یہاں اگر ہم ایک واقعہ کی طرف توجہ نہ دلائیں تو ہمارا بیان ناقص رہ جائے گا۔ حضرت ابو بکر بھی نازک موقعوں کو اچھی طرح سنبھال لیا کرتے تھے، ابھی ابھی جناب رسولخدا کا انتقال ہو چکا ہے، جسدِ اطہر امت کے سامنے پڑا ہے، ابھی تک امت کی ذہنیت کا امتحان صحیح طور سے نہیں ہوا تھا، فطرت انسانی ہے کہ مرنے والے کے ساتھ محبت و ہمدردی ہو جاتی ہے اور وہ محبت و ہمدردی اس کی اولاد و قریب ترین رشتہ داروں کی طرف عود کر جاتی ہے، امت میں رحلتِ رسولؐ نے کہرام بپا کر دیا ہے لوگ اپنے محسن کے احسانات یاد کر کے رو رہے ہیں، بڑا نازک وقت ہے ایسا نہ ہو کہ یہ محبت و ہمدردی کے جذبات مرنے والے کی اولاد و اہل بیت کی طرف منتقل ہو جائیں، فوراً جناب ابو بکر نے کھڑے ہو کر ایک فصیح و بلیغ خطبہ ادا فرمایا جس کی لوگ اب تک تعریف کرتے ہیں اور وہ واقعی تعریف کے قابل تھا کیونکہ اس نے حصول مدعا میں بڑی مدد دی آپ فرماتے ہیں۔

الا من کان یعبد محمداً فان محمداً صلی اللہ علیہ وسلم قد مات ومن کان یعبد اللہ فان اللہ حیٌ لا یموت (صحیح بخاری کتاب المناقب)	جو محمدؐ کی پرستش کرتا تھا اس کو معلوم ہو کہ محمدؐ تو مر گئے اور جو خدا کی پرستش کرتا ہے وہ معلوم کرے کہ خدا زندہ ہے جو کبھی نہیں مرے گا۔

دیکھا آپ نے فوراً محبت رسول کو عبادت سے تعبیر کرکے اُسے مکروہ بنانے کی کوشش کی اور اس کی کراہیت میں اضافہ اس طرح کیا کہ اس کو عبادتِ الٰہی کے مقابلہ میں کھڑا کر دیا، مرنے والے حبیب کو سب رویا کرتے ہیں ابھی ابھی وہ حبیب جدا ہوا ہے، کئی دن یا مہینے نہیں گزرے ہیں۔ اس محبت میں مہینوں سے تو اُنہاک نہیں ہے، کیا اپنے پیارے رسول کو چند گھنٹے رونا بھی ناگوار ہے، بھلا اس رونے کو پرستش و عبادت سے کیا علاقہ، اب جو لوگ اپنے مرنے والوں کو روتے ہیں تو وہ ان کی پرستش کرتے ہیں آنحضرتؐ کی خواہش کے مطابق جو زنانِ مدینہ حضرت حمزہ پر آن کر روئیں، تو گویا اُنہوں نے حمزہ کی پرستش کی، اور آنحضرتؐ نے معاذاللہ ان سے حمزہ کی پرستش کرائی، یہ کہہ کر کہ جو خدا کی پرستش کرتا ہے معلوم کرے کہ خدا نہیں مرا، حضرت ابوبکر نے ان لوگوں کو دو جماعتوں میں منقسم کر دیا، ایک تو وہ جو رسولِ خداؐ کی محبت میں رو رہے تھے وہ تو محمدؐ کی عبادت کرنے والے کافر ہوئے، دوسرے وہ سخت دل لوگ جن پر آنحضرت کی وفات نے کچھ غم کا اثر پیدا نہیں کیا تھا بلکہ وہ آئندہ کے منصوبوں میں غلطان و پیچان تھے، یہ لوگ خدا کے اصلی بندے خدا کی عبادت کرنے والے ہوئے، یہ ہیں ان بزرگواروں کی سیاسی ذہانت کے نمونے، ایسی بہت سی نظائر پیش کی جا سکتی ہیں جن سے صاف ظاہر ہے کہ یہ بزرگوار اپنے دلی مقصد کو کس خوب صورتی سے پوشیدہ رکھتے تھے، اور یہی ان کی کامیابی کا بہت بڑا راز تھا۔

اب ہم حضرت عمر کی ان سیاسی تدابیر کا ذکر کرتے ہیں جو اُنہوں نے اپنے حصولِ مدعا کیلئے استعمال کیں۔ یہ تدابیر ان اصولوں پر مبنی تھیں (۱) اپنی ہمخیال جماعت کی توسیع و تنظیم (۲) بنوت کے متعلق ایسا عقیدہ قائم کرنا اور فقہ اسلامی میں ایسی ترمیم کرنی کہ ہم مسلمان بھی ظاہر ہوں اور رسولِ خدا کے ان احکام کی خلاف ورزی بھی کر سکیں جو انہوں نے اپنے جانشین کے متعلق صادر فرمائے تھے (۳) حضرت علی و بنو ہاشم کے مقابلہ میں بنو امیّہ کو اُبھارنا۔

ہم حضرت عمر کی ان جملہ تجاویز و تدابیر کو ایک شجرہ کی صورت میں دکھانا

چاہتے ہیں اور پھر ان پر علی الترتیب علیحدہ علیحدہ بحث کریں گے۔ وہی ہذہ۔

تدبیرِ اول۔ ہم خیال جماعت کی تجویز یا توسیع یا تنظیم

ہماری تحقیقات کے سلسلہ میں پہلا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ لوگوں کے دل میں کب یہ خیال پیدا ہوا اور اس کا یقین ہو گیا کہ آنحضرت ایک اسلامی حکومت کا قیام کر رہے ہیں یا یوں کہو کہ دنیا میں حکومت الٰہیہ کا قیام بھی آپ کے مقاصد میں سے ایک مقصد ہے، بہت سے مورخین و محققین کی رائے ہے کہ لوگوں کے دلوں میں یہ خیال قبل بعثت ہی کاہنوں کی پیشینگوئیوں سے خصوصاً آنحضرتؐ کے سفر شام میں عیسائی راہب بحیرا کی اس پیشینگوئی سے پیدا ہو گیا تھا کہ یہ ساری دنیا کا سیاسی سردار ہے۔[1] بہرصورت اس امر واقعہ سے کسی کو انکار نہیں ہو سکتا کہ جب آنحضرتؐ نے مدینہ میں تشریف لاتے ہی تنظیم جماعتِ مسلمین کی طرف توجہ مبذول کی، اور مدینہ کی غیر اسلامی جماعتوں سے ایک سردار قوم کی حیثیت سے معاہدہ کرنے شروع کر دیئے، تو اس خیال نے یقین کی صورت اختیار کر لی، کفاران مکہ نے بھی جو یورشیں کیں ان میں مدینہ کو ایک اسلامی حکومت تصور کر کے اس کے محاصرہ کی کوشش کی، آنحضرت کا باہر جنگ پر جاتے وقت مدینہ پر اپنی طرف سے حاکم مقرر کرنا صاف بتا رہا تھا کہ واقعات کی رُو کدھر جا رہی ہے، اندریں صورت اسی وقت سے ہر ایک متنفس کے دل میں یہ خیال پیدا ہونا کہ آنحضرتؐ کے بعد اس حکومت کا کون والی و وارث ہو گا بالکل فطری اور یقینی امر تھا، یہ خیال پیدا ہوا، اور بہت جلد قوت پکڑتا گیا یہاں تک کہ آخر کار اس نے صحابۂ رسول کو دو جماعتوں میں تقسیم کر دیا جناب رسول خدا کے وقتاً فوقتاً ارشادات اور اظہار فضائل جو حضرت علی کے متعلق آپ ابتدائے نبوت سے کرتے آئے تھے، انہوں نے مطلقاً شک کے لئے کوئی جگہ نہیں چھوڑی تھی، خصوصاً غدیر خم کے اعلان نے تو کھلبلی ڈال دی، سب لوگوں کا خیال ان ارشادات کی وجہ سے اس طرف گیا کہ اب نبوت و خلافت کا اجتماع ایک خاندان میں ہو کر بنو ہاشم میں حکومت مستقل ہو جائے گی، وہ لوگ جو نبوت کی شان کو سمجھے

---

[1] حامد الانصاری:- اسلام کا نظام حکومت مطبوعہ ندوۃ المصنفین ص ۱۹۱۔

ہوئے تھے اور اعتقاد رکھتے تھے کہ نبی کے اقوال خود غرضی و خاندان پروری پر مبنی نہیں ہو سکتے، اس امکان کو بہت خوشی اور اطمینان کے ساتھ دیکھتے تھے لیکن اکثریت ان لوگوں کی تھی جو نبی کو اپنی جیسی کمزوریوں والا انسان سمجھتے تھے، انہوں نے ان ارشادات کی بنا رخاندانی افتخار و محبت پر رکھی، ان کے دلوں میں قبیلانہ رشک وحسد کے خیالات پیدا ہوئے، اور بصورت فوراً ہمت و جرأت والے لوگوں کے دلوں میں حکومت پر قبضہ کرنے کے خیالات موجزن ہونے لگے اور انہوں نے ان لوگوں کو ایک جماعت میں منظم کرنے کی کوشش شروع کر دی، اور اس طرح حضرت علی کے خلاف ایک نہایت مضبوط و مستقل جماعت پیدا ہو گئی، حضرت علی کی روزافزوں شہرت و خدمت اسلامی اور تقرب رسول صلعم نے لوگوں کے دلوں میں حسد پیدا کرنا شروع کر دیا تھا، کارکنان قضا و قدر نے حسد کا خاص لگاؤ طبیعت انسانی کے ساتھ رکھا ہے ہابیل و قابیل کا قصہ تو پرانا ہے، حضرت یوسف کے بھائیوں کی کہانی لوگوں کے سامنے ہے، جب اس سے اولاد نبی نہ بچ سکی تو اصحاب رسول کس گنتی میں ہیں۔ تقرب رسول تو ایک وجہ حسد تھی ہی۔ جانشینیٔ رسول ایک ایسا مسئلہ تھا جو ہر وقت لوگوں کے پیش نظر رہنے لگا تھا، جناب رسولخدا کے ارشادات سے ان کو یقین ہو گیا تھا کہ آنحضرت صلعم نے حضرت علی کو اپنی جانشینی و خلافت کے لئے منتخب و مقرر کر لیا ہے اور دل سے اس بات کو پسند نہیں کرتے تھے۔ یہ امر واقعہ ہے کہ جناب رسول خدا کے صحابہ میں ایک جماعت حضرت علی کے خلاف پیدا ہو گئی تھی اور وہ چاہتی تھی کہ حضرت علی خلیفہ نہ ہوں، اپنی اس جماعت کی موجودگی کا اعتراف حضرت عمر نے ان مکالموں میں صریحاً کیا ہے جو ہم اوپر نقل کر چکے ہیں، اگر اس اقبال کو نظرانداز بھی کر دیا جائے۔ تو واقعات یہی بتاتے ہیں۔ ترقی اسلام اور توسیع حکومت کے ساتھ ساتھ ان لوگوں کی طبیعتیں متغیر ہوتی گئیں، اور چونکہ دن بدن تقرری جانشین کا سوال اہمیت پکڑتا جاتا تھا اور وہ زمانہ نزدیک آتا ہوا دکھائی دیتا تھا، ان لوگوں نے اپنی جماعت کی تشکیل و تنظیم مضبوط کرنے کی کوشش کی۔

اِن لوگوں کو بڑی تقویت اس جماعت سے ملی جس کو عرفِ عام میں منافقین کہتے تھے، اور جس کی موجودگی پر قولِ الٰہی شاہد ہے ہماری رائے میں تو ان لوگوں کو بھی جو جنابِ رسولخدا کے اس حکم کو خودغرضی پر محمول کرکے اس سے اعراض کر رہے تھے اس ہی دائرہ منافقین میں سمجھنا چاہیئے، اگر آپ یہ نہیں چاہتے تو ان کو الگ سمجھئے ان منافقین کا شیوہ تھا کہ آنحضرتؐ کے اقوال و افعال پر طرح طرح کی نکتہ چینیاں کرتے رہتے تھے، جب تک یہ نکتہ چینیاں توحید و نبوت تک محدود رہیں، تو عام مسلمان ان منافقین سے علیحدہ رہے اور ان کو بُرا سمجھتے رہے لیکن حکومت کے مسئلے نے یا یوں کہو کہ سیاسی ضرورت نے صحابہ کی اکثریت کو مجبور کیا کہ منافقین کو اپنے ساتھ ملا کر تقویت حاصل کریں اور منافقین نے بھی سمجھا کہ ان کے ساتھ مل کر ہم اسلام کو زیادہ نقصان پہنچا سکینگے، وہ تو ایسے موقعہ کے منتظر ہی تھے، جناب رسولخداؐ کے ہر قول و فعل پر نکتہ چینی کرنی تو ان کی طبیعت ثانیہ ہوگئی تھی۔ جنابِ رسولخدا کا اپنے ابن عم و داماد کو اپنی حکومت سپرد کرنے کا ایسا مضمون ان کو ہاتھ لگا کہ اس پر انہوں نے نکتہ چینی کا ایک عظیم الشان قصر تیار کرلیا، اور حضرت علی کی مخالفت کو اپنے دن کی گفتگو اور رات کی رازگوئیوں کا نشانہ بنالیا، چونکہ جماعت منافقین اور جماعت منتظرین حکومت میں مخالفت علی جزو مشترک تھا اور ایک کو دوسرے کی ضرورت بھی تھی لہذا یہ دونوں جماعتیں مل کر ایک ہوگئیں، اور دونوں میں اتحادِ عمل ہوگیا ایک جماعت کو تو کثرت سے قوت ملی، اور دوسری جماعت نے خیال کیا کہ جناب رسولخداؐ کے سارے کام کو بگاڑنے کا اس سے بہتر اور مؤثر اور کیا طریقہ ہو سکتا ہے کہ ان کے قائم کردہ نظام کی باگ ڈور اس کے ہاتھ میں نہ جانے پائے جو اس کو جناب رسولخداؐ ہی کی سی قابلیت، اہلیت اور علمیت کے ساتھ چلا کر اس کو مستقل و مستحکم کردے۔ بلکہ اس کے حکمران وہ ہوں جو اس نظام ہی کو نہ سمجھیں اور ہر جگہ اپنی رائے کا پیوند لگاتے جائیں اور اس طرح اسلام مسخ ہو جائے، لہذا انہوں نے اپنی ساری کوشش اس سازش کو منظم کرنے میں کردی جس کا اظہار سقیفہ بنی ساعدہ میں ہوا۔

غزوۂ تبوک پر جاتے وقت جنابِ رسولخداؐ نے حضرت علی کو مدینہ میں چھوڑا تو تمام مورخین جماعت اہل حکومت لکھتے ہیں کہ منافقین خوش ہو کر علی پر چشمک زنی کرنے لگے جو باعثِ حدیث منزلت ہوئی، اس کا تذکرہ ہم باب ششم میں کر چکے ہیں منافقین تو عرف عام میں ان کو کہتے تھے جو در اصل نبوت پر ایمان نہیں رکھتے تھے، بظاہر منہ سے کہہ دیا تھا کہ ہم مسلمان ہیں ورنہ ان کو خدا کی وحدانیت کا بھی یقین نہ تھا، اُن منافقین کو حضرت علی سے کیوں دشمنی ہو، معلوم ہوا کہ خدا کی وحدانیت، جناب رسولخداؐ کی رسالت اور علی کی خلافت میں ایک جزو مشترک ہے، اگر یہ اشتراک نہ تھا تو پھر منافقین علی کے عروج سے ناراض اور ان کے تنزل سے خوش نہ ہوتے، وحدانیت کی تعلیم وابستہ تھی محمد مصطفےٰ کی رسالت اور علی مرتضیٰ کی خلافت سے اور یہ وابستگی اس ہی خدا کی قائم کی ہوئی تھی جس نے محمد کو اپنا رسول مقرر کر کے بھیجا تھا، لہذا وہ لوگ جو نہیں چاہتے تھے کہ علی خلیفہ ہوں منافق تھے۔ منافقین اور جماعت امیدواران حکومت نہیں چاہتے تھے کہ علی خلیفہ ہوں، لہذا دونوں میں اتحاد عمل ہونا ضروری تھا، اور ہوا، واقعہ عقبہ بھی جس کا ذکر ہم حصہ اول کتاب اول میں کر چکے ہیں۔ ظاہر کرتا ہے کہ منافقین و جماعت امیدواران حکومت دونوں مل کر شیر و شکر ہو گئے تھے۔ جب ہی تو جناب رسولخدا نے حذیفہ کو ان کے نام ظاہر کرنے سے منع کر دیا تاکہ ان کے اصحاب کی فضیحت نہ ہو اور آپ کے اوپر ان کو سزا دینی لازم نہ آ جائے، اگر عرف عام ہی کے منافقین ہوتے تو اس اخفا کی کیا ضرورت تھی، ان کو تو سب جانتے تھے۔ حضرت عمر کا اقبال کہ میں منافقین میں سے ہوں سارے قصے کو طے کر دیتا ہے۔ دیکھو صفحات ۷۸۸ لغایت ۷۹۴

اِس امر واقعہ کا صریح ذکر کہ جماعت امیدوارانِ حکومت نے جماعت منافقین کو حضرت علی کی مخالفت کے لئے اپنے ساتھ ملا لیا، آپ کسی بڑی اسلامی تاریخ کی کتاب میں نہیں پائیں گے کیونکہ بقول مولوی شبلی: "وہ تمام بڑی بڑی تصنیفیں جن کو دنیا نے اسلامی تاریخ کا لقب دیا ہے سنیوں ہی کی تصنیفیں ہیں" المامون حصۂ اول ص ۱۶

لیکن حق چھپانے سے نہیں چھپتا، خود واقعات و حالات اس کو ظاہر کر دیتے ہیں، غور تو کیجئے، کیا وجہ تھی کہ جناب رسول خدا کی حیات میں جماعتِ منافقین کا نام بار بار سننے میں آتا ہے اور بہت شد و مد کے ساتھ ان کے افعال و اقوال پر سے پردہ اٹھایا جاتا ہے وہ اتنی کثرت و قوت والے تھے کہ ان کا ذکر قرآن شریف میں بھی آگیا۔ آخری آیت جو قرآن شریف کی ہے اس تک میں ان کی طرف اشارہ ہے وَاللہُ یَعْصِمُکَ من الناس "من الناس" کا لفظ آیا ہے۔ یا تو اس کے معنی یہ لو کہ صحابہ کی اکثریت ہی اس رنگ میں رنگی گئی تھی، اکثریت کی وجہ سے لفظ "ناس" کہا گیا۔ یا یہ کہو کہ منافقین ہی کی طرف اشارہ ہے، بہرصورت اس بحث میں ہمارا مقصد دونوں تاویلوں سے پورا ہوتا ہے۔ یہ کیا ہوا کہ جناب رسول خدا کی آنکھ بند ہوتے ہی جماعت منافقین یک بحث صفحۂ ہستی سے اُٹھ گئے ان کا ذکر ہی نہیں آتا۔ بلکہ ان کی موجودگی پر مفروضہ حدیث نجوم سے پردہ ڈالا جاتا ہے، سارے صحابی ہدایت کے ستارے ہیں جس سے جی چاہے ہدایت حاصل کرلو، یہ ظاہر ہے کہ وہ جماعت غائب یا مفقود نہیں ہوئی۔ بلکہ یہ بزرگوار مانتے ہیں کہ جناب رسول خدا کے زمانہ سے بھی زیادہ منافقین کی شرارت ان کے بعد بڑھ گئی، کیونکہ جناب رسول خدا کی حیات میں وہ اپنے منافقانہ جذبات کو چھپاتے تھے اور اب علانیہ ظاہر کرتے ہیں

عن حذیفہ بن الیمان قال	یعنی حذیفہ بن الیمان جن کو منافقین کا علم
ان المنافقین الیوم شر	تھا کہتے ہیں کہ آج کے دن کے منافقین بہت
منہم علی عہد النبی صلی اللہ	زیادہ خطرناک اور بدی والے ہیں بہ نسبت
علیہ وسلم کانوا یومئذٍ	زمانہ رسول اللہ کے منافقین کے کیونکہ اس
یسرون والیوم یجہرون۔	وقت تو وہ اپنی باتوں اور اپنی کرتوت کو

کو چھپاتے تھے اور آج علانیہ وہ باتیں اور افعال کرتے ہیں۔

صحیح بخاری الجزء الرابع باب اِذا قال عند قوم شیئاً ثم اخرج فقال بخلافہ ص ۱۵۳

ابن حجر عسقلانی:- فتح الباری الجزء الثالث عشر ص ۶۴۔

سارا بھانڈا پھوٹ گیا، اتنی جرأت و دلیری منافقین میں کیوں آگئی کہ وہ کھلم کھلا اپنے منافقانہ جذبات و افعال و اقوال ظاہر کر رہے ہیں اور کوئی کچھ نہیں کہتا، آزادی کے ساتھ سر بازار اپنی عداوت کا اظہار کرتے پھرتے ہیں اور محفوظ ہیں۔ ذر کا ہے کا جب سئیاں بھئے کوتوال۔ ان منافقین کی اپنی ہی جماعت تو برسر حکومت تھی ان کو کس کا ڈر ہو سکتا تھا ہم جماعتِ اہل حکومت کی کتابوں سے ثابت کر چکے ہیں کہ جناب رسولخدا فرمایا کرتے تھے حبّ علی علامتِ ایمان اور بغض علی علامتِ منافقت ہے جو جماعت کہ حضرت علی کا حق پامال کر کے خود حکومت پر قبضہ کر لے، وہ علی کی دوست کہلائے گی یا دشمن، اس قولِ رسول سے کیا نتیجہ نکلا، حکومت کی ساری پارٹی منافق ہوئی کہ مومن، جناب رسولخدا بھی منافقین کی اس چال سے آگاہ تھے، آپ جانتے تھے کہ اسلام کو نقصان پہنچانے کا جو طریقہ یہ اختیار کر رہے ہیں بہت خطرناک ہے۔ لہذا آپ نے عداوتِ علی کو نشان منافقت قرار دیا۔ یعنی مخالفتِ علی باعث تخریب اسلام تھی لہذا علامتِ نفاق ہوئی[1]

جناب رسولِ خدا کے صحابہ کی یہ سیاسی حالت و تفریق اتنی پایۂ ثبوت کو پہنچ گئی ہے کہ کوئی مورخ اس سے انکار نہیں کر سکتا، اس کو ذہانت و دور بینی کہو یا پیغمبرانہ پیشین گوئی کہ آنحضرتؐ جانتے تھے کہ میرے بعد منافقین اور امید واران حکومت کی جماعت مل کر ایسے شیر و شکر ہو جائیں گے کہ پہچانے نہ جائیں گے، اس وقت محض علی ہی کی ذات سے ان کی شناخت ہو سکے گی۔ آپ فرمایا کرتے تھے:۔

قال رسول الله صلی الله علیہ وسلم لعلی بن ابی طالب لولاک یاعلی ماعرف المومنون من بعدی۔	یعنی جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یاعلی اگر تم نہ ہوتے تو میرے بعد مومن کی شناخت نہ ہو سکتی۔

[1] صفحات ۸، ۴۳، ۹۰، ۴۳، ۵۰، ۴۳ کتاب اول حصہ اول

محب الدین الطبری :۔ ریاض النضرہ الجزء الثانی باب الرابع فصل السادس ص ۲۰۲
علی المتقی :۔ کنز العمال الجزء السادس ص ۴۰۲ حدیث ۶۱۱۴۔

اب اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ امیدواران حکومت کی یہ مخالفانہ کوششیں کب سے جاری تھیں، یہ کوشش اس وقت ہی سے شروع ہوگئی تھیں جب سے لوگوں کو یہ معلوم ہوگیا تھا کہ آنحضرتؐ ایک سلطنت الٰہیہ کی بنیاد ڈال رہے ہیں، اور اس بات کا انکشاف یقینی طور سے آنحضرتؐ کے مدینہ تشریف لاتے ہی ہوگیا تھا۔

از منہ سابقہ میں جب کی یہ باتیں ہیں کہانت کا بہت زور تھا اور لوگوں کو اس پر بہت یقین تھا، جب کوئی نئی بات ہوتی تھی تو لوگ کاہنوں سے اس کے اثر و نتائج دریافت کیا کرتے تھے اور جس طرح خداوند تعالیٰ نے اپنی حجت پوری کرنے کے لئے کتب سماویہ کے ذریعے سے پیغمبر آخرالزماں کی صفات و شناخت سے لوگوں کو آگاہ کردیا تھا، اسی طرح کہانت کو بھی اتنی طاقت و قدرت بخش دی تھی کہ وہ بھی لوگوں کو اس عظیم الشان ہستی کی روحانی طاقت و دنیاوی سطوت سے آگاہ کرتے تاکہ ان لوگوں پر بھی حجت پوری ہوجائے، جن کا اعتقاد کتب سماویہ میں نہیں تھا، آنحضرتؐ کی پیدائش سے پہلے ہی کاہنوں نے بتایا تھا کہ عرب میں ایک نبی آخرالزماں پیدا ہونے والا ہے جس کا نام محمدؐ ہوگا، اس سے پہلے عرب میں کسی کا نام محمد نہ تھا، مگر جب کاہنوں سے یہ بات سنی تو لوگوں نے اپنے لڑکوں کا نام محمدؐ رکھنا شروع کردیا، آنحضرت اپنی اور اپنے واقعات کی مشابہت حضرت موسیٰ سے بہت دیا کرتے تھے، اس بات میں بھی وہ مشابہت قائم رہی حضرت موسیٰ کی پیدائش سے پہلے ہی کاہنوں نے ان کی آمد کی اطلاع دیدی تھی جس کی وجہ سے فرعون نے بنی اسرائیل کے لڑکے پیدا ہوتے ہی مروانے شروع کردئے تھے۔ سیرۃ الحلبیہ الجزء الاول ص ۹۷، ۹۸

مسلمان ہونے کے بعد بھی یہ لوگ کاہنوں کے معتقد ہی رہے، اور جب جناب سیدہ مخدومہ کا ذکر کیا تو یہ بحث شروع کردی کہ اگر کاہن لائے ہیں تو ان

کی پیشین گوئیاں کیوں صحیح ہوتی ہیں جس پر آنحضرت نے فرمایا کہ جنات یعنی شیاطین ان کو آگاہ کر دیتے ہیں۔ مسند احمد حنبل الجزء السادس ص ۸۷

ابھی آنحضرت مبعوث بھی نہیں ہوئے تھے کہ کاہنوں نے حضرت ابو بکر کو بتا دیا تھا کہ عنقریب تمہارے شہر میں ایک عظیم المرتبت نبی مبعوث ہونے والا ہے اور تم اے ابو بکر اس کے جانشین ہو گے ملاحظہ ہو۔

حسین دیار بکری۔ تاریخ الخمیس الجزء الاول ص ۲۴۲

محب طبری:۔ ریاض النضرہ الجزء الاول القسم الثانی الباب الاول۔ الفصل الرابع ص ۵۲۔

سیرۃ الحلبیہ:۔ الجزء الاول ص ۲۷۴

شاہ ولی اللہ:۔ ازالۃ الخفاء مقصد اص ۴۳۔

ریاض النضرہ میں ہے کہ جب آنحضرت ؐ نے دعویٰ نبوت کیا تو حضرت ابو بکر محض تعبیر خواب کی بناء پر جو کاہن نے ان سے بیان کی تھی آنحضرت ؐ کی خدمت میں آئے اور مشرف باسلام ہوئے ص ۲۵

حضرت عمر کو بھی ایسے واقعات سے سامنا پڑا، ایک دفعہ آپ ایک قافلہ کے ساتھ مزدوری کرتے کرتے شام میں پہنچے اور وہاں قافلے والوں سے بچھڑ گئے۔ ایک راہب کے دیر پر آئے، اس نے کھانا وغیرہ کھلوایا اور پھر شناخت کر لی کہ یہ ہی شخص ہم کو ہماری عبادت گاہوں سے نکالے گا، چنانچہ اس نے اصرار کر کے اپنے دیر کا ہبہ نامہ اپنے حق میں لکھا لیا اور پیشینگوئی کی کہ تم بادشاہ ہو جاؤ گے اور عیسائیوں کو نکال دو گے۔ اس دیر کا ہبہ نامہ ابھی سے میرے حق میں لکھ دو، چنانچہ عمر نے لکھ دیا، یہ بعثت سے پہلے کا واقعہ ہے۔ جب حضرت عمر خلیفہ ہوئے تو وہ ہی ہبہ نامہ آپ کے سامنے پیش کیا، اور آپ نے وہ دیر چھوڑ دیا۔

شاہ ولی اللہ۔ ازالۃ الخفاء مقصد اص ۲۰۳

پھر اٹھارہ برس کی عمر میں ولید بن مغیرہ کے خدمت گار بن کر قافلہ کے ساتھ شام گئے، وہاں ایک راہب نے ان کا سر پیٹ اور رانیں کھلوا کر دیکھیں، اور مریم بتول کی قسم کھا کر کہا کہ اے عمر تم عرب کے بادشاہ ہو جاؤ گے۔ ابن ابی الحدید:۔ شرح نہج البلاغہ الجزء الثالث ص ۱۴۴۔ نیز ملاحظہ ہو:۔ ازالۃ الخفاء مقصد ا صفحہ ۳۲۔

ابو القاسم رفیق دلاوری اپنی کتاب ائمہ تلبیس میں لکھتے ہیں۔

حضرت بشیر و نذیر ہاشمی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بعثت سے پیشتر عرب میں عام دستور تھا کہ لوگ غیب کی خبریں اور مستقبل کے حالات معلوم کرنے کے لئے کاہنوں کی طرف رجوع کرتے تھے، اور خصومات کا معاملہ بھی زیادہ ان ہی کی مرضی اور صوابدید پر موقوف رہتا تھا، یہ مدعیان غیب دانی مرجع انام اور قبلہ حاجات بنے ہوئے تھے۔

ائمہ تلبیس۔ ص ۱۔ باب اول۔ صاف ابن صیاد مدنی۔

نیز دیکھو سیرۃ النبی شبلی نعمانی جلد چہارم ص۲۰۱ تقطیع کلاں

علامہ جرجی زیدان نے اپنی کتاب تاریخ تمدن اسلامی جلد سوم میں جس کے اردو ترجمہ کا نام علوم عرب ہے۔ کہانت پر ایک اچھا مضمون لکھا ہے دیکھو علوم عرب ص ۱۲، ۱۳۔ وہ لکھتے ہیں۔

"کہانت وہ علم ہے جس کے ذریعے سے آئندہ کے حالات معلوم کئے جاتے تھے اس کے ساتھ ہی اہل عرب اس بات کا بھی اعتقاد رکھتے تھے کہ کاہنوں کو ہر چیز پر قدرت ہوتی ہے، اسی لئے وہ اپنے معاملات میں ان سے مشورہ لیتے تھے، اپنے جھگڑے طے کراتے تھے، بیماروں کا علاج کراتے، مشکلات میں رائے لیتے اور آئندہ کے حالات پوچھتے تھے، غرض کاہن ان کے نزدیک عالم فلسفی، طبیب اور مذہبی پیشوا ہوتا تھا...... اور نیز ان میں یہ بھی مشہور تھا کہ کاہنوں کے پاس جنات آسمان کی خبریں لاتے ہیں جس کا نام وہ لوگ ہاتف رکھتے تھے۔"

اندریں صورت یہ قیاس بالکل امر واقعہ ہے کہ حضرت ابوبکر و حضرت عمر کے طرزِ عمل پر ان کاہنوں کی پیشینگوئیوں کا بہت بڑا اثر تھا اور انہوں نے اپنا طریقہ کار ان پیشینگوئیوں کی روشنی میں اختیار کیا تھا، کاہنوں کی پیشینگوئیوں اور حالات کے مطالعہ سے ان لوگوں کو معلوم ہوگیا تھا کہ اس ابتداء کی انتہا ایک بڑی سلطنت ہے، اور بہت جلد جنگِ بدر ہی کی فتح کے بعد یہ آئندہ کی امیدیں اور مستقبل کے ارادے حال کے منصوبوں اور تجویزوں میں تبدیل ہوگئے، جب آنحضرتؐ نے اپنے اس منشاء کو جس کا دعوتِ ذی العشیرہ میں اعلان فرمایا تھا مختلف طریقوں سے اپنی امت پر بحکم خداوندی ظاہر کرنا شروع کردیا تو آنحضرتؐ کے ارادے کے متعلق کسی کو کچھ شبہ نہیں رہا، اب تو ان لوگوں کے لئے جن کی نظریں حکومت کی مسند کی طرف لگی ہوئی تھیں، صرف ایک ہی چارۂ کار رہ گیا، اور وہ یہ کہ ایک نہایت مضبوط جماعت اپنے ہم خیال لوگوں کی بنالیں، اور اپنے خیال کی اشاعت کسی نہ کسی طرح لوگوں میں کرتے رہیں، جوں جوں زمانہ گزرتا گیا اور فتوحاتِ اسلامیہ بڑھتی گئیں، اس جماعت کے ارادوں اور کوششوں میں بھی ترقی ہوتی گئی، یہ کہنا کہ آنحضرت اس جماعت کی موجودگی اور اس کی کوششوں سے ناواقف تھے، خلاف واقعہ ہے اور آنحضرت کی فراست وذہانت وذکاوت کی توہین۔

عن علی بینا رسول اللہ صلے اللہ	حضرت علیؑ سے مروی ہے کہ ایک دن جناب
علیہ وسلم اخذ بیدی ونحن	رسولخدا صلے اللہ علیہ وسلم نے میرا ہاتھ پکڑا اور
نمشی فی بعض سکک المدینة	ہم مدینہ کی بعض گلیوں میں سے گزر رہے
فمر [illegible]	تھے کہ ایک باغ کے پاس پہنچے، میں نے کہا کہ
[illegible] حدیقة	یہ کیسا اچھا باغ ہے آنحضرتؐ نے فرمایا کہ
قال لک فی الجنة احسن منہا	جنت میں تیرے لئے اس سے بھی اچھا باغ
حتی مررنا بالسبع حدائق	ہے یہاں تک کہ ہم اسی طرح سات باغوں
کل ذلک اقول ما احسنہا یقول	کے پاس سے گزرے میں ہر باغ پر یہی کہتا تھا کہ کیسا

لك في الجنة احسنها منها فلما
خلى لي الطريق اعتنقني ثم اجهش باكيا قلت
يارسول الله ما يبكيك قال ضغائن
في صدور الاقوام لا يبدونها
لك الا من بعدي قلت يارسول
الله في سلامة من ديني قال
في سلامة من دينك
علي المتقي:- كنز العمال الجزء السادس ص ۴۰۸ حديث ۶۱۵۸
محب الدين طبري:- رياض النضرة الجزء الثاني
الباب الرابع فصل الثامن ص ۲۱۰

اچھا باغ ہے اور آنحضرت فرماتے تھے کہ تیری
لئے جنت میں اس سے بہتر باغ ہے، جب ہم ایسے
راستہ پر آئے کہ جہاں کوئی اور نہ تھا تو جناب رسولخدا
مجھے گلے سے لگا کر رونے لگے میں نے دریافت کیا
کہ یا رسول اللہ آپ کے گریہ کا کیا باعث ہے تو فرمایا کہ ان
لوگوں کے دلوں میں تیرے طرف سے کینہ اور عداوتیں
بھری ہیں جن کو وہ اب چھپائے ہوئے ہیں لیکن میرے
بعد ظاہر کریں گے۔ میں نے عرض کیا کہ
یہ سب میری سلامتی دین کے ساتھ ہوگا
فرمایا ہاں تیری سلامتی کے ساتھ

يا علي ان الامة ستغدر بك
من بعدي وانت تعيش على
ملتي وتقتل على سنتي
من احبك احبني ومن ابغضك
ابغضني وان هذا سيخضب
من هذا يعني لحيته راسه

فرمایا جناب رسولخدا نے کہ اے علی میری بعد تمہارے
ساتھ یہ امت دغا اور بغاوت کریگی، تم میری ملت
پر رہوگے اور میری سنت پر قتل کئے جاؤ گے جس نے
تم سے محبت کی اس نے مجھ سے محبت کی جس نے تم سے
بغض رکھا اس نے مجھ سے بغض رکھا اور تحقیق کہ تمہاری
ڈاڑھی تمہارے سر کے خون سے رنگی جائیگی۔

علی المتقی:- کنز العمال الجزء السادس ص ۱۵۷ حدیث ۲۶۱۵۔
ابو عبداللہ الحاکم:- المستدرک علی الصحیحین الجزء الثالث ص ۱۴۰ و ۱۴۲۔
میرزا محمد بدخشانی:- نزل الابرار ص ۲۹۔
محمد بن اسمٰعیل:- روضۃ الندیہ شرح تحفۃ العلویہ ص ۹۳۔

ایک جماعت کا موجود ہونا، ان کا ایک مقصد رکھنا، اس مقصد کا عجیب و غریب طرح سے کامیاب ہونا، یہ سب باتیں اچھی طرح ثابت کرتی ہیں کہ جناب رسول خدا اور بنو ہاشم سے پوشیدہ یہ لوگ آپس میں سرگوشیاں اور سازشیں کرتے تھے، جناب

رسولخدا کے افعال واقوال پر آپس میں نکتہ چینیاں کر کے لوگوں میں غلط فہمیاں پھیلاتے تھے، کیونکہ بغیر اس کے جناب رسولخدا کا مقرر کردہ نظام درہم وبرہم نہیں ہوسکتا تھا۔

لیکن ہم اس بات کو بھی استدلال و روایت پر نہیں چھوڑتے اس کا بھی ثبوت پیش کرتے ہیں

عن العباس بن عبد المطلب ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال ما بال اقوام یتحدثون فاذا رأوا الرجل من اھل بیتی قطعوا حدیثھم والذی نفسی بیدہ لا یدخل قلب امری الایمان حتی یحبھم للہ ولقرابتھم منی۔	حضرت عباس سے مروی ہے کہ فرمایا جناب رسول خدا نے کہ ان لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ جب میرے اہل بیت میں سے کسی کو دیکھ لیتے ہیں تو فوراً جو باتیں وہ کرتے ہوتے ہیں اس کو قطع کر کے خاموش ہو جاتے یا دوسری بات کرنے لگتے ہیں قسم ہے اس ذات کی جسکے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے کہ کسی شخص کے دل میں ایمان داخل نہ ہوگا جب تک وہ میری اہلبیت سے خدا کی خاطر اور میری قرابت کی وجہ سے محبت نہ کریگا

شیخ یوسف بن سمعیل :- اشرف المؤید ص ۸۶

شیخ سلیمان :- ینابیع المودۃ ص ۱۱۔ الباب الخامس والاربعون ص ۱۱۰ و ۱۱۱

میرزا محمد بن معتمد خاں :- نزل الابرار ص ۷۔ تاریخ ابن عساکر

قیاس ہوسکتا ہے کہ وہ کیا گفتگوئیں ہوتی ہوں گی جو اہل بیت رسول سے خفیہ کی جاتی تھیں، اور ان میں سے کسی کو دیکھ کر لوگ اپنا سلسلۂ بیان بدل ڈالتے تھے، حضرت علیؑ کی جو نسبی فضیلت تھی وہ بھی ان لوگوں کی نکتہ چینی سے نہ بچ سکی، چنانچہ جناب رسولخداؐ کو یہ فرمانے کی ضرورت پڑی کہ :-

الا ما بال اقوام یزعمون ان رحمی لا تنفع والذی نفسی بیدہ ان رحمی لموصولۃ فی الدنیا والاخرۃ۔ لہ	کیا حال ہوگا ان لوگوں کا جو گمان کرتے ہیں کہ میری رشتہ داری سے میرے رشتہ داروں کو کچھ فوقیت اور فائدہ حاصل نہیں ہوتا قسم خدائے لایزال کہ میرا رشتہ دنیا وآخرت میں باعث فضیلت و فوقیت ہے۔

آپ نے ان لوگوں کو یہ بھی بتادیا کہ تمہاری ان سازشوں اور تمہارے ان منصوبوں کا

نتیجہ تمہارے لئے اور اسلام کے لئے بہت بُرا ہے اور باعث فتنہ و فساد ہے، اپنے بعد ہی کے پرآشوب زمانے کی جو تصویر آپ نے کھینچی ہے اور فتنہ و فساد کی کثرت کا ذکر فرمایا ہے، اس کا بیان ہم نے پہلے کر دیا ہے، اس زمانہ پُر آشوب و فتن کے وقت امت کو کیا کرنا چاہئے آپ فرماتے ہیں:۔

سیکون بعدی فتنہ فاذا کان ذلك فالزموا علی بن ابی طالب فانہ الفاروق بین الحق والباطل۔	یعنی میرے بعد ہی فوراً فتنے اٹھیں گے۔ پس جب ایسا ہو تو تم علی بن ابی طالب کا دامن پکڑنا وہ فاروقِ حق و باطل ہے۔

کیا صاف فرماتے ہیں:۔

تکون بین الناس فرقۃ و اختلاف فیکون ھذا و اصحابہ علی الحق یعنی علیاً	لوگوں میں فتنے ہوں گے اور فرقہ بندیاں اور تفرقے ہوں گے پس اس وقت علی اور اس کے اصحاب حق پر ہوں گے ۲۶۳۵

علی المتقی:۔ کنز العمال الجزء السادس ص ۱۵۵ حدیث ۲۵۸۲ ص ۱۵۷ حدیث

آپ نے بہت اچھی طرح واضح کر دیا کہ تم لوگ اپنا دین نہایت قلیل شے یعنی وجاہت دنیا پر فروخت کر رہے ہو۔

عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ویل للعرب من شر قد اقترب فتنا کقطع اللیل المظلم یصبح الرجل مومناً و یمسی کافراً یبیع قوم دینھم بعرض من الدنیا قلیل المتمسك یومئذ بدینہ	ابوہریرہ کہتے ہیں کہ فرمایا جناب رسولخدا نے کہ عرب برباد ہو گا، اس شر سے جو نزدیک ہے فتنوں کی صورت میں جو اندھیری رات کی طرح سے ہوں گے۔ ایک شخص صبح مومن اٹھے گا، اور شام تک کافر ہو جائے گا، لوگ اپنا دین دنیا کی نہایت قلیل شے پر فروخت کر دیں گے، اس دن جو شخص اپنے دین پر قائم رہے گا۔

کالقابض علی الجمر او قال علی الشوک قال حسن فی خدیشه خبط الشوک
ایسا ہوگا گویا وہ جلتے ہوئے انگاروں پر یا کانٹوں پر کھڑا ہے یہ حدیث صحیح ہے۔ راوی کو صرف کانٹے یا جلتے ہوئے انگاروں میں شبہ ہے

امام احمد حنبل :- الجزء الثانی ص ۳۹۰۔ الجزء الاول ص ۴۸، ۳۸، ۴۴، ۱۸۵
الجزء الرابع ص ۱۰۶ و ۱۰۷

علی المتقی :- کنز العمال الجزء السادس کتاب الفتن ص ۵۴۴ لغایت ۴۹۲
حدیث ۵۱۱ و ۵۰۰

جب کچھ اور چارہ نہ دیکھا تو وکلائے جماعت حکومت یعنی علماء اہل سنت فرمانے لگے کہ یہ حضرت عثمان کے قتل کی پیشین گوئی ہے، ہم نے بڑے بڑے مظلوموں کو قتل ہوتے ہوئے دیکھا ہے اور سنا ہے لیکن جس طرح یہ بزرگوار انصاف کو قتل کرتے ہیں اس کی نظیر نہیں ملتی۔ مندرجہ ذیل امور غور طلب ہیں۔

۱۔ ان احادیث میں الفاظ سیکون اور ستکون کے ہیں جو مستقبل قریب کے لئے ہیں نہ کہ بعید کے لئے۔

۲۔ پیشین گوئی ہی بیان فرمائی ہے تھے کہہ دیتے کہ یہ زمانہ میرے بعد کے تیسرے خلیفہ کا ہوگا۔

۳۔ برخلاف اسکے آپنے فرمادیا کہ یہ فتنے میرے اہل بیت پر ظلم کرنے کی وجہ سے ہوں گے، میرے اہل بیت میری بعد میری اُمت سے بہت ظلم دیکھیں گے۔ یا علی تم سے لوگ بغاوت کرینگے، تم پر ظلم کرینگے۔

۴۔ فرمایا کہ ان فتنوں میں تم علی کی طرف ہونا کیونکہ وہ ہی فاروق حق و باطل ہے، وہ اور اس کے اصحاب حق پر ہوں گے۔

۵۔ انصاف کرو خدا کو بھی جان دینی ہے علی اور ان کے اصحاب نے اپنے دین کو دنیا کی قلیل وجاہت کے بدلے فروخت کیا تھا، یا ان لوگوں نے جو ایک فرض اہم یعنی تجہیز و تکفین رسول کو چھوڑ کر دنیا کو لینے کی خاطر سقیفہ چلے گئے تھے۔ اپنے دین پر قائم

رہنے کی وجہ سے حضرت علی اور انکے رفقاء کو تکالیف دی جاتی تھیں یا ان کے مخالفین کو، مخالفین تو مسندِ حکومت پر جلوہ آرا تھے اور حضرت علی کے گھر جلانے کو لوگ بھیجے جاتے تھے، ان کے اصحاب کو زبردستی بُلا کر بیعت لی جاتی تھی۔ حضرت ابوذر غفاری جو گوناگوں تکالیف کے ساتھ مدینہ سے جلا وطن کرکے ربذہ بھیجے گئے تھے، حضرت علی ہی کے رفیق تھے، اور امر حق کہنے کی وجہ سے اُن کو یہ سزا دی گئی تھی، فریق مخالف کے اصحاب تو اس زمانہ میں مال و دولت جمع کرنے پر تلے ہوئے تھے، اور دنیا کو دونوں ہاتھوں سے سمیٹ رہے تھے، اب فرمایئے۔ کس فریق کی نسبت کہا جاسکتا ہے کہ اس کی حالت ایسی تھی کہ گویا وہ کانٹوں پر بیٹھا ہوا ہے یا جلتے ہوئے انگاروں پر۔

حضرت عمر کے دو نور دیدگان یعنی عبداللہ و عبیداللہ سے مروی ہے:۔

کنا نقول و رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حی افضل اُمتہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم بعدہ ابوبکر ثم عمر ثم عثمان	جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانۂ حیات میں ہم لوگ کہا کرتے تھے کہ جناب رسول اللہ کے بعد سب سے افضل ابوبکر پھر عمر پھر عثمان ہیں۔

ابن حجر عسقلانی :۔ فتح الباری الجزء السابع ص ۱۴۔

یہ روایت بھی غور طلب ہے، جناب رسول اللہ کے زمانہ حیات ہی میں یہ ترتیب خلافت کس طرح طے ہوگئی، یہ تو ظاہر ہے کہ حضرت عثمان کو فضیلت سے کیا تعلق ہے، اور وہ بھی حضرت علی کے مقابلہ میں جن کی نسبت یہ تسلیم ہے کہ جتنے فضائل حضرت علی کے ہیں، اتنے کسی صحابی کے نہیں، یہ بھی وکلائے اہل حکومت یعنی علماء اہل سنت و جماعت اچھی طرح مانتے ہیں۔

قال احمد و اسمٰعیل القاضی و النسائی و ابوعلی النیشاپوری لم یرد فی حق احد من الصحابہ	امام احمد حنبل، قاضی اسمٰعیل، نسائی اور ابوعلی النیشاپوری کہتے ہیں کہ صحابہ میں سے کسی کے حق میں ایسے عظیم و صحیح اسناد

بالاسانید الجیاد اکثر ما جاء فی علی۔

کے ساتھ اتنے فضائل مروی نہیں ہیں جتنے کہ حضرت علی کے حق میں۔

فتح الباری:۔ الجزء السابع ص ۵۷۔

جب یہ دونوں اُمورِ مسلّمہ ہوگئے تو پھر حضرت عمر کے بیٹوں کا یہ کہنا کہ زمانہ رسول میں ہم کہا کرتے تھے کہ سب سے افضل ابوبکر پھر عمر پھر عثمان کچھ معنی رکھتا ہے۔ معلوم ہوا کہ: حضرت عمر اپنے دونوں بیٹوں اور معتمد دوستوں میں یہ پروپاگنڈا پھیلایا کرتے تھے تاکہ لوگوں کے دلوں میں رفتہ رفتہ اسی درجہ کے ساتھ اِن تینوں بزرگوں کی فضیلت نقش ہوتی رہے اور اِس طرح آخری فیصلہ کن تجویز میں یہ بات مدد دے۔ حضرت عمر ابھی سے اپنے نامزد کردہ خلفاء کا نام ظاہر کرنا مصلحت کے خلاف سمجھتے تھے۔ لیکن اپنے دل میں یہ نام تجویز کرلئے تھے اور لوگوں کے کانوں اور دلوں کو ان کی فضیلت کے گیت سے آشنا کرنا چاہتے تھے تاکہ حصولِ مدعا میں آسانی ہو، شروع میں تو حضرت عمر نے اپنے تجویز شدہ خلیفہ کا نام عام پبلک میں ظاہر نہیں کیا۔ لیکن جب خود مسندِ حکومت پر مستقل ہوگئے اور دیکھ لیا کہ لوگوں کے دل بہت اچھی طرح اپنی طرف کرلئے ہیں، تو پھر لوگوں کو اپنی اِس تجویز سے آگاہ بھی کرنے لگے، ابھی زخمی بھی نہیں ہوئے تھے اور شوریٰ تجویز بھی نہیں ہوئی تھی کہ آپ نے کہہ دیا کہ میرے بعد عثمان خلیفہ ہونگے۔

عن حذیفۃ قال قیل لعمر بن الخطاب وھو بالمدینۃ یا امیر المومنین من الخلیفۃ بعدک قال عثمان بن عفان

حذیفہ بن الیمان سے مروی ہے وہ کہتے ہیں کہ لوگوں نے مدینہ میں حضرت عمر سے پوچھا کہ آپ کے بعد کون خلیفہ ہوگا، آپ نے فرمایا کہ عثمان بن عفان۔

کنز العمال علی متقی الجزء الثالث ص ۱۵۰ حدیث ۲۴۴۸

حدثنا ابن ابی ادریس عن شعبہ عن ابی اسحٰق عن حارثہ عن مطرف قال حججت فی امارۃ عمر

مطرف کہتے ہیں کہ حضرت عمر کے زمانہ میں لوگوں کو مطلقاً اس بات میں شک نہیں تھا

فلم یکونوا یشکون ان الخلافۃ من بعدہ لعثمان۔ | کہ عمر کے بعد عثمان خلیفہ ہوں گے۔

کنز العمال:۔ الجزء الثالث ص ۱۶۰ حدیث ۲۴۵۹

اگر ایک لمحہ کے لئے ہم اپنے پُرانے اعتقادوں کو جو باپ دادا کا ورثہ ہے نظر انداز کر کے اس زمانہ کے واقعات پر مورخانہ نظر ڈالیں تو یہ فوراً ظاہر ہو جائیگا کہ حضرت عمر کی ساری زندگی کا سیاسی مقصد ایک اور فقط ایک تھا، اور وہ یہ کہ کسی طرح خاندانِ نبوت میں سے حکومت کو نکال لیا جائے اور اس مقصد کے حاصل کرنے کے لئے انہوں نے شروع ہی سے اپنی ہمخیال جماعت بنانی شروع کر دی، اس جماعت ہی کے حوصلہ پر یہ فقط حضرت ابوبکر وابو عبیدۃ بن الجراح کو ساتھ لے کر سقیفہ بنی ساعدہ کا معرکہ لڑنے گئے تھے، ورنہ اگر پیچھے کوئی جماعت نہ ہوتی تو فطرتاً پہلا خیال جو آتا وہ یہ تھا کہ اگر یہاں انصار ہماری کہنے کو مان بھی گئے اور حضرت ابوبکر سے بیعت کر لی تو مہاجرین کی روک تھام ہم کیونکر کرینگے اگر تمام مہاجرین علی کی طرف ہو گئے تو خرابی ہو جائیگی، صاف نتیجہ نکلتا ہے کہ اپنی جماعت کی حمایت پر ان کو بھروسہ تھا، سمجھتے تھے کہ اگر بنوہاشم و بنوامیہ وغیرہ نے نہ بھی مانا تو فقط ہماری جماعت ہمارے کھڑا کئے ہوئے کھیل کو سنبھالنے کے لئے کافی ہے۔

تنبیہ

ہماری اِس بحث سے کہ ہنگامہ سقیفۂ بنی ساعدہ اِس جماعت کی عرصۂ دراز کی کوششوں کا نتیجہ تھا یہ اخذ کر لینا کہ حضرت ابوبکر کا تقرر بھی ان لوگوں میں عرصہ سے طے شدہ امر تھا یہ ہی نہیں کہ غلط محض ہو گا بلکہ حضرت عمر کے سیاسی تدبّر و فراست و موقعہ شناسی کی تحقیر و توہین کرنے کا جرم عائد کر دیگا، دنیاوی سیاست کا یہ پہلا اصول ہے کہ اپنا اصلی مدعا اس وقت تک پوشیدہ رکھا جائے جب تک اس کا ظاہر کرنا ہی اس کی کامیابی کا باعث نہ ہو جائے ورنہ اصلی مدعا کو قبل از وقت ظاہر کرنے سے لوگوں کو بہت کچھ سوچنے کا موقعہ مل جاتا ہے اور اسکے خلاف بہت سی تحریکات معرضِ وجود میں آ جاتی ہیں۔ ہم اوپر بیان کر چکے ہیں کہ حضرت عمر نے اس اصول پر اس شدت و لیاقت و زیرکی کے

کے ساتھ عمل کیا ہے کہ یہ کہنے کو دل چاہتا ہے کہ دنیائی سیاست میں وہ ہی اس اصول کے موجد ہیں، یہ امر واقعہ ہے کہ اگر حضرت عمر اپنی جماعت میں اپنے مقرر کردہ خلیفہ کا نام پہلے ہی لے دیتے، تو بنو عدی و بنو تیم کا سوال پیدا ہو کر حضرت ابوبکر یقیناً خلافت سے محروم رہ جاتے اور خلافت ایسی جگہ چلی جاتی جہاں لے جانا حضرت عمر کا مقصود نہ ہوتا، ان کے لئے تو یہی مناسب تھا کہ اصلی حاکم کا نام مخفی رکھ کر ہر ایک میں امید پیدا کر دی جائے تاکہ ہر شخص علی کی مخالفت کو اپنا کام سمجھ کر دل سے کوشاں رہے اور لوگوں میں یہی ظاہر کریں کہ ہم بھی اوروں کی طرح بھائیوں کے مشورے و حکم کے پابند ہیں۔ اگر حضرت عمر پہلے ہی سے حضرت ابوبکر کو نامزد کر کے لوگوں سے منوانا چاہتے تو وہ ہی عرب کی ضد اور عادت سرکشی جو حضرت علی کے خلاف کام کر رہی تھی، حضرت ابوبکر کے خلاف کام کرنے لگ جاتی اور لوگ کہتے کہ جب ہم رسولخدا کے نامزد کردہ شخص کو نہیں مانتے تو عمر کے مقرر کردہ شخص کو کیوں مانیں، لہٰذا حضرت عمر نے حضرت ابوبکر کو اس آخری وقت پر نکال کر پیش کیا کہ جب پیش نہ کرنا مقصد کو فوت کر دیتا، اور حضرت ابوبکر کی خلافت وہ ہی فلتۃً رہی جیسا کہ حضرت عمر نے اس کامیابی کے بعد اس کی تشریح نہایت صحیح الفاظ میں کر دی۔
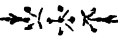
تدبیر دوئم حقیقت نبوت کے متعلق ایک خاص عقیدہ اختراع کرنا اور اس کو رائج کرنا

یہ وہ گہری تدبیر تھی جس کا اثر اب تک باقی ہے بلکہ روز بروز زیادہ ہوتا جاتا ہے۔ جناب رسولخدا نے دوران نبوت میں جو حضرت علی کے فضائل بیان کئے اور ان کو اپنا جانشین مقرر کرنے کے جو احکام صادر فرمائے ان سب کو نظر انداز کرنے کے لئے دو ہی طریقے ہو سکتے تھے ایک تو یہ کہ جہاں تک ممکن ہو سکے ان کو انکار یا تاویل کے ذریعے سے چھپایا جائے اور دوسرے یہ کہ جو نہ چھپ سکیں اور باقی رہ جائیں ان کی نسبت ایک ایسا عقیدہ قائم اور رائج کیا جائے کہ ان احادیث فضائل کی موجودگی اور حقیقۂ نبی سے انکار

کی کارروائی میں باہم کوئی تضاد و تصادم نہ واقع ہو، طریقۂ اول یعنی کتمانِ فضائل علی و معائب و مثالب صحابہ کا مختصر ذکر ہم ابھی کریں گے مگر طریقۂ دوئم اس سے بھی زیادہ مؤثر اور کارگر تھا اور وہ یہ تھا کہ ایک ایسا اعتقاد اپنی اور لوگوں کی ضمیر کو خاموش کرنے کے لئے ایجاد کیا جائے کہ جس کی وجہ سے احادیث فضائل و احکام جانشینی کی موجودگی ہماری منصوبوں میں خلل انداز نہ ہو لہذا قرار دیا گیا کہ آنحضرت کا منصب نبوت بالکل علیحدہ تھا عہدۂ حکومت سے جو احکام آپ منصب نبوت کے متعلق صادر کرتے ہیں وہ ہمارے لئے قابل پابندی ہیں لیکن جو احکام آپ نے حکومت کے استقلال و استحکام کے متعلق فرمائے ہیں اور فرماتے رہتے ہیں ان کا تعلق نبوت سے نہیں ہے لہذا وہ ہمارے مذہب کے دائرہ سے باہر ہیں، اس ہی عقیدہ کی یہ شاخ نکلی کہ آنحضرت صلعم کے احکام جو نبوت کے متعلق ہیں وہ سب کے سب قرآن شریف کے اندر جمع ہیں اس کے باہر نہیں ہیں، اور قرآن شریف کے ختم ہونے کے ساتھ ہی وہ بھی ختم ہو گئے، ان بزرگواروں نے بحث کی کہ حکومت کے متعلق جو آپ کے ارشادات ہیں ان کی کئی وجوہات ہو سکتی ہیں، سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ آنحضرت کو حضرت علی سے بہت محبت تھی اور نیز اپنے خاندان کی عزت و وقار کا خیال تھا لہذا آپ چاہتے تھے کہ آپ کے بعد حضرت علی حاکم ہوں لیکن ان احکام کو ماننا یا نہ ماننا ہمارے اختیار میں ہے، ان کے نہ ماننے کی وجہ سے ہم اسلام سے خارج نہیں ہو سکتے، اس جماعت کے ہر ایک قول و فعل سے یہ اعتقاد ٹپکتا ہے۔

جب منصبِ نبوت کا اس طرح تجزیہ کر دیا گیا تو نبی کی شان کی تنقیص اس کا لازمی نتیجہ تھی، آپس میں ان لوگوں نے زبان سے بھی کہا اور ان کے افعال نے علانیہ ظاہر کر دیا کہ نبی کی حیثیت محض پیغام پہنچانے والے کی سی ہے۔ رسول نے قرآن شریف لا کر ہمارے حوالے کر دیا۔ جس طرح ڈاک کا ہرکارہ یا قبیلوں کا قاصد ہمیں خطوط و پیغام دے جاتا ہے۔ اس کا کام ختم ہو جاتا ہے، اور جب ہم نے اتنا مان لیا کہ واقعی یہ شخص خدا کی طرف سے پیغام لانے والا ہے تو بس ہمارا بھی فرض پورا ہو گیا، یہ ضروری نہیں کہ ہم اس سے محبت کریں یا اس کا احسان مانیں یا کسی طرح اس کو اپنے اوپر ترجیح دیں۔

اور جب ہمارا خیال اس کی نسبت یہ ہے تو اس کی اولاد سے محبت کرنے کو اپنا فرض سمجھنا یا
اس کی اولاد کو اپنے اوپر ترجیح دینا یا اپنے سے بہتر سمجھنا محض ایک حماقت ہوگی، ان
بزرگواروں نے سمجھا کہ جب یہ خیالات عام ہو جائیں گے اور لوگوں کے دلوں میں راسخ
ہو جائینگے تو ہمارا مدعا پورا ہو جائے گا چنانچہ ایسا ہی ہوا، ممکن ہے کہ معترض کہے کہ یہ
اعتقاد کس فقہ کی کتاب سے نقل کیا گیا ہے یا اس کا ثبوت کیا ہے ہم معترض کی خدمت
میں عرض کرتے ہیں کہ یہ اعتراض اس زمانہ کے حالات و واقعات پر غور نہ کرنے سے
پیدا ہوتا ہے جناب رسولخدا کے بستر مرگ پر ان کے سامنے یہ کہہ دینا کہ یہ شخص تو ہذیان
بک رہا ہے، ہم اس کی بات نہیں سنتے، کتاب اللہ کو جس طرح ہم سمجھیں گے وہ ہی ہمارے
لئے کافی ہے، ہر ممکن موقعہ پر نبی پر اعتراض کرنا اسکے اکثر افعال پر اس قدر نکتہ چینی
کرنی کہ اُسے کہنا پڑے کہ علی سے میں نے خلوت میں راز کی باتیں نہیں کیں بلکہ خدا نے کی
ہیں۔ میں نے تمہارے دروازے بند نہیں کئے اور نہ علی کا دروازہ کھلا رکھا۔ بلکہ
یہ جو کچھ حکم ہے خدا کی طرف سے ہے۔ اور آخر کار گستاخی اور نکتہ چینی کی حد یہاں تک
پہنچ جائے کہ نبی کو مجبور ہو کر کہنا پڑے کہ بخدا تم ایسے ہی لوگ ہو جیسے بنو اسرائیل
تھے جنہوں نے کہا تھا کہ ہمارے لئے ایسا ہی خدا بنا دو جیسا کہ کفار کا ہے، یہ تو جہالت
کا آخری درجہ ہے، جناب رسولخدا کے احکام میں اپنے زمانہ خلافت میں ترمیم و تنسیخ
کرنی بہت سے احکام کو بدل دینا، پھر یہ دعویٰ کرنا کہ قرآن ہماری رائے کے مطابق
نازل ہوتا ہے یہ سارے واقعات اگر اس عقیدہ کو ثابت نہیں کرتے تو ہم حیران ہیں کہ
ثبوت کس کو کہتے ہیں لیکن ہم تو اس سے بھی زیادہ ثبوت دینے کو تیار ہیں اول تو حضرت
عمر کا اقبال ہی ہی، ہم نے جو مکالمے شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید الجزء الثالث ص ۹۷
تا ۱۱۴ سے نقل کئے ہیں ان میں حضرت عمر نے اپنا عقیدہ اچھی طرح کھول کر بیان کر دیا، غور
سے تو اسے پڑھو، حضرت عمر کیا کہتے ہیں، جناب رسولخدا علی کی محبت کے مبالغہ میں
حق کو چھوڑ کر باطل کی طرف ہو جاتے تھے، اسلام کی بہبودی کا خیال نہیں رہتا تھا۔
مجھ میں اسلام کی ہمدردی ان سے زیادہ تھی لہذا میں تحریر وصیت میں مانع ہوا۔ جناب

رسولخدا کی یہ خواہش خداوند تعالیٰ کی رضا مندی کے خلاف تھی اب اور کیا رہ گیا۔ ہم نے تو حضرت عمر کے اس عقیدہ کو اس طرح کھول کر بیان بھی نہیں کیا جتنا خود انہوں نے بیان کر دیا، اس اقبال کے سامنے کس مزید ثبوت کی ضرورت ہے، ان مکالموں کی صحت مسلمہ ہے۔ علامہ جرجی زیدان ان مکالموں کی بناء پر دلیل قائم کرتے ہیں، اور علامہ شبلی ان کو اپنے مورخانہ تبصرہ کا ماخذ قرار دیتے ہیں ملاحظہ ہو۔

تمدن اسلام:۔ حصہ اول علامہ جرجی زیدان۔ اردو ترجمہ ص، ۵

الفاروق:۔ مولوی شبلی حصۂ دوم ص ۲۰۸، ۲۰۹

حضرت عمر کے اقبال سے زیادہ کیا ثبوت ہوگا مگر اس ضمن میں ہم علامہ شبلی رح کے خیالات و نتائج تحقیقات سے بھی فائدہ اٹھانا چاہتے ہیں وہ لکھتے ہیں:۔

"نبوت کی حقیقت کی نسبت عموماً لوگ غلطی کرتے آئے ہیں اور اسلام کے زمانہ میں بھی یہ سلسلہ بند نہیں ہوا، اکثروں کا خیال ہے کہ نبی کا ہر قول و فعل خدا کی طرف سے ہوتا ہے، باقی امور وقت اور ضرورت کے لحاظ سے ہوتے ہیں، تشریعی اور مذہبی نہیں ہوتے، اس مسئلہ کو جس قدر حضرت عمر نے صاف اور واضح کر دیا کسی نے نہیں کیا، خراج کی تشخیص، جزیہ کی تعیین، اُم ولد کی خرید و فروخت وغیرہ وغیرہ مسائل کے متعلق امام شافعی نے اپنی کتابوں میں نہایت ادعا کے ساتھ احادیث سے استدلال کیا ہے، اور ان مسائل میں جہاں حضرت عمر کا طریق عمل مختلف ہے بڑی دلیری سے ان پر قدح کی ہے لیکن امام شافعی نے یہ نکتہ نظر انداز کیا کہ یہ امور منصب نبوت سے تعلق نہیں رکھتے۔"

الفاروق:۔ مطبوعہ مفید عام آگرہ سنہ ۱۹۰۸ء حصہ دوئم ص ۲۰۸، ۲۰۹۔

اس تحریر سے بہرصورت ہمارا مدعا تو پورا ہو گیا، جو ہمارا دعویٰ تھا وہ ہی آپ کے وکیل کی بحث ہے، لہذا جو ہم ثابت کرنا چاہتے تھے وہ ثابت ہو گیا۔ لیکن ہم حیران ہیں کہ اس تحریر کو ہم ایک عالم و مورخ کی تحقیق کا نتیجہ کہیں یا سقیفہ بنی ساعدہ کے وکیل

کی حمایتی بحث۔ صاف ظاہر ہے کہ جس وقت علامہ شبلی یہ لکھ رہے تھے ان کی نظر سقیفۂ
بنی ساعدہ پر تھی۔ اِس عقیدہ پر تنقیدی نظر ہم باب پنجدہم میں ڈالیں گے، یہاں یہ
کہے بغیر نہیں رہ سکتے کہ منصب نبوت کا دائرہ کس کی پرکار سے کھینچا جائیگا ابھی علامہ
شبلی اور امام شافعی میں اختلاف ہوگیا، ایک کہتا ہے کہ یہ امور دائرۂ نبوت کے اندر ہیں۔
دوسرا کہتا ہے باہر ہیں، کون فیصلہ کرے، اِس عبارت سے ظاہر ہوتا ہے کہ معاشرتی اُمور
تو قطعاً اِس دائرہ کے باہر ہیں، خراج کی تشخیص اور جزیہ کی تعیین بھی منصب نبوت کے
اندر نہیں ہے، یہ دونوں امور حکومت سے تعلق رکھتے ہیں، علامۂ شبلی اور حضرت عمر
کے نزدیک حکومت دائرہ نبوت سے باہر ہے ممکن ہے ایسا ہی ہو لیکن مولوی شبلی
کی یہ بحث ہم کو بہت خارزار جھاڑیوں میں لیجاتی ہے، معاشرتی امور منصب نبوت سے
باہر ہیں، اکل و شرب و تزویج و وراثت معاشرتی امور ہیں، لہٰذا یہ سب دائرۂ
نبوت سے باہر ہوئے، حکومت دائرۂ نبوت سے باہر ہے، لہذا جہاد جس کے ذریعہ
سے حکومت حاصل ہوئی دائرۂ نبوت سے باہر ہے، اس بحث کی بناء پر یہ کہنا پڑیگا
کہ جو احکام ان امور کے متعلق ہیں وہ منصب نبوت میں نہیں آتے کسی کی غلطی سے قرآن
شریف میں داخل ہوگئے ہیں، خوب شراب پیو، جہادوں سے خوب بھاگو، شادیاں
جتنی اور جس طرح کرو سب جائز، جس سے چاہے زنا کرو، خدا کے یہاں تو باز پرس ہوگی
نہیں، ہاں اگر کسی انسان نے تم کو دیکھ لیا اور تمہارا فعل مجموعۂ تعزیرات کے اندر آگیا
اور ثابت بھی ہوگیا، گواہوں کو تم نہ توڑ سکے تو دو چار سال کی قید سہی، ہمیشہ کی
جہنم سے تو آزادی ہوئی، یہ ہے وہ اسلام جو اِس عقیدے سے پیدا ہوتا ہے۔ خیر
یہ جملہ معترضہ تھا یہ تو ثابت ہوگیا کہ یہ عقیدہ حضرت عمر اور اُن کی جماعت کا تھا، اور وہ
یہ عقیدہ حضرت علی کی مخالفت کی وجہ سے ایجاد کرنے پر مجبور ہوگئے۔ خود علامہ شبلی
مانتے ہیں کہ اس عقیدہ کے موجد حضرت عمر تھے۔ لہذا نہایت اطمینانِ قلب کے
ساتھ وہ بستر مرگ رسول پر کہہ سکتے تھے کہ یہ شخص تحریر وصیت کا ارادہ ظاہر کرنے
میں ہذیان بک رہا ہے، ہم ثابت کرچکے ہیں اور حضرت عمر بھی تسلیم کرتے ہیں کہ وہ

تحریر جناب رسول خدا حضرت علیؑ کی جانشینی کے متعلق کرنا چاہتے تھے۔ چونکہ مسلمانی حکومت کی مسند نشینی مطلوب تھی، لہذا اسلمانی دائرہ کے اندر رہنا ضروری تھا، اور یہ دونوں مقصد اسی صورت میں اچھی طرح حاصل ہو سکتے تھے کہ اسلامی اعتقادیات کو اس سانچہ میں ڈھال لیا جائے، بظاہر یہ مشکل معلوم ہوتا تھا کہ جناب رسول خدا کی حکومت آنحضرتؐ کے احکام کی مخالفت کرنے کے باوجود حاصل ہو سکے لیکن حضرت عمر نے یہ ایک ایسی تدبیر سوچی جس نے اس مشکل کو حل کر دیا، اب وہ دنیا کے سامنے مسلمان بھی رہ سکتے تھے، اور آنحضرتؐ کے ان اقوال وارشادات کی مخالفت بھی کر سکتے تھے۔ اس عقیدہ پر بحث کرنے کے لئے تین چیزوں کی ماہیت پر غور کرنا ہوگا (۱) نبوت (۲) محبت (۳) روح۔ اِن تینوں پر مفصل بحث کرنا ہمارے اِس کتاب کے موضوع سے باہر ہے۔

نہایت اختصار کے ساتھ جو کہا جا سکتا ہے وہ یہ ہے کہ نبوت کا بڑا مقصد انسان اور اس کے خالق کے درمیان ایک سلسلہ قائم کرنا تھا جب ہی تو ارشاد خداوندی ہے کہ وَابْتَغُوْا اِلَی اللّٰہِ وَسِیْلَۃَ۔ وہ وسیلہ وہ سلسلہ وہ ذریعہ کیا ہے، وہ نبی اور اس کے جانشین ہیں اِس تعلق کا نتیجہ تزکیۂ نفس ہے اور تزکیۂ نفس کے ساتھ ہی اخلاقیات بھی وابستہ ہیں۔ لیکن یہ ضرور ہے کہ تزکیۂ نفس محض اخلاقیات کے اندر منحصر نہیں ہے، ایک کافر جو پتھروں کے بُت کو خدا سمجھتا ہے اسی طرح اچھے اخلاق کا حامل ہو سکتا ہے کہ جس طرح ایک مسلمان۔ لیکن دونوں کے تزکیۂ نفس میں زمین وآسمان کا فرق ہے، اصلی اور مستقل تزکیۂ نفس کے لئے ضروری ہے کہ اول روح متاثر ہو، اور روح نہیں متاثر ہو سکتی، لیکن رُوح کے ذریعے سے، اور وہ رُوح جو لوگوں کی روح کو متاثر کر کے تزکیۂ نفس کا باعث ہوتی ہے وہ نبی کی روح ہوتی ہے، اور ایک روح کو دوسری روح سے محض محبت کے ذریعے سے ارتباط قائم ہوتا ہے، بغیر محبت کے ایک روح دوسری روح پر اپنا اثر نہیں ڈال سکتی جس طرح سورج کی شعاعیں بغیر ایتھر کے آگے نہیں چل سکتیں اسی طرح ارواح کا سلسلہ ارتباط بغیر محبت کے قائم نہیں ہو سکتا، جب ہی تو خدا سے محبت کرنے کا حکم ہے، رسول سے محبت کرنے کا حکم ہے، آلِ رسولؐ سے محبت کرنے کا حکم ہے۔ محبت

کس کو کہتے ہیں اور اُس کی شرائط کیا ہیں یہ بہت بڑا مضمون ہے، حیران ہوں کس طرح سمجھاؤں اور کن الفاظ میں سمجھاؤں، آج کل تو مجھے مجازی محبت کرنے والے بھی نظر نہیں آتے تو حقیقی محبت کا تو کیا ذکر ہے محبت اسی طرح دنیا سے ناپید ہوگئی ہے جیسی کہ عبادتِ الٰہی، شاعر نے خوب کہا ہے کہ ؎

دررہ منزلِ لیلیٰ کہ خطرہاست بسے شرطِ اول قدم آنست کہ مجنوں باشی

اصلی محبت کی ایک شناخت ہم بتائے دیتے ہیں، اگر عاشق پر معشوق کا رنگ نہیں چڑھا اور اس میں معشوق کی صفات نہیں پیدا ہوئیں تو یہ سمجھ لو کہ محبت خام و ناقص تھی، اگر اصلی محبت ہے تو جتنا اعلےٰ صفات والا محبوب ہوگا اتنا ہی صفات کا رنگ حبیب پر چڑھے گا۔ ایک روح کا دوسری روح پر کتنا اثر ہوتا ہے یہ منحصر ہے اثر لینے والی روح کی اہلیت یعنی اس کی مقدار محبت پر، اثر دینے والی روح کا اس سے تعلق نہیں ہے، اگر اثر دینے والی رُوح کی قوت کے مطابق اثر ہوا کرتا تو روح القدس کا اثر تو فوراً تمام عالم پر چھا جاتا۔ اِسی لئے ضرورت ہوئی کہ محبت کامل پیدا کریں تاکہ اثر حتمی ہو وے، محبت کامل کی شرائط میں سے ایک شرط یہ بھی ہے کہ محبوب کے محبوب سے بھی محبت کی جائے، یہاں عشقِ مجازی اور عشق حقیقی کے راستے علیحدہ علیحدہ ہوگئے، عشق مجازی میں اس کو رقابت کہیں گے کیونکہ اس میں پھر بھی ذراسی خودی یا نفسانیت باقی رہ جاتی ہے لیکن عشق حقیقی میں چونکہ نفسانیت یا خودی کا شائبہ مطلقاً نہیں ہوتا لہٰذا وہاں یہ کمال عشق کی نشانی ہے۔ مجازی عشق کرنے والا کہہ سکتا ہے ؎

تمھیں چاہوں تمہارے چاہنے والوں کو بھی چاہوں مرا دل پھیر دو مجھ سے یہ سودا ہو نہیں سکتا

لیکن عشق حقیقی والا اگر یہ کہے تو مجرم ہے وہاں کا دعویٰ یہ ہے :۔

عاشقاں را گر در آتش می پسند و لطفِ دوست تنگ چشم گر نظر بر چشمۂ کوثر کنم

لہٰذا نتیجہ نکلا کہ رسول خدا کا محبوب خدا کا محبوب ہے جبب ہی تو ساری رسالت کا اجر رسولِ خدا کے محبوبوں کی محبت ہوئی۔

یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ یہ تو فقط محبت کا ایک فسانہ ہے، روح کی ہستی اور موجودگی

تو مسلمات اسلامیہ میں سے ہے، اور اب تو یورپ کے سائنسدانوں نے اس بات کو ثابت کر دیا ہے سر آیور لاج (Sir Oliver Lodge) نے تجربات سے ثابت کیا ہے کہ جن جن اشخاص سے اس دنیا میں مرنے والے کو محبت ہوتی ہے اس کی روح کا تعلق وعشق مرنے کے بعد بھی رہتا ہے اور اس کی روح کا اثر ان لوگوں پر پڑتا ہے۔ سوائے محبت کے اور کوئی ذریعہ ہی نہیں کہ ایک روح دوسری روح پر اثر کرے۔

لیکن نبوت کی اصلی معرفت، روح کا تعلق، محبت کا اثر یہ وہ باتیں تھیں جو اس زمانہ کے عرب کے دماغ سے بہت بالاتر تھیں اس کے لئے ناممکن تھا کہ وہ ان کو سمجھ سکے، وہ دماغ کیسا تھا۔ ہم بتاتے ہیں، ایک شخص ایک جنگل سے گذرتا ہے۔ ایک پرندہ کو دیکھتا ہے کہ اپنے گھونسلے کے پاس اُڑ رہا ہے، اس سے یہ کہہ کر چلا جاتا ہے کہ تجھ کو میں نے اپنی حفاظت میں لے لیا اب تجھے کوئی ڈر نہیں، واپس آتا ہے دیکھتا ہے کہ اس کا گھونسلا اُجڑا پڑا ہے، ایک اونٹنی پاس پھر رہی ہے، یہ گمان کیا کہ اس نے وہ گھونسلا خراب کیا ہوگا، اونٹنی کے تھنوں کو تیر سے زخمی کر دیتا ہے، اونٹنی کا مالک آتا ہے جھگڑا ہوتا ہے یہ باعث تھا بنی بکر و بنی تغلب کی لڑائی کا جو متواتر چالیس سال تک رہی اور جس میں ہزاروں جوانوں کی جانیں تلف ہوئیں [1]۔ اسی طرح اور بہت سی باتیں تھیں، محبت کے جذبات کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ ایک صحابی رسول جی ہاں صحابیِ رسول آنحضرت کی خدمت میں حاضر آن کر کہتے ہیں کہ یا رسول اللہ! مسلمان ہونے سے پہلے میری بیوی کی ایک لڑکی پیدا ہوئی، کچھ عرصہ اس نے مجھ سے چھپا کر اس کی پرورش کی، پھر میرے گھر پر ہی لے آئی، میرے ساتھ بھی رہ رہی اور اس کو مجھ سے محبت ہوگئی جب چار برس کی ہوئی تو ہم میاں بیوی نے آپس میں فیصلہ کیا کہ اس کو مار ڈالنا چاہیئے۔ میں نے کہا کہ اسے بنا سنوار کر میرے ساتھ کر دو، لڑکی کی ماں نے اسکو اچھے کپڑے پہنا کر میرے ساتھ کر دیا، لڑکی یہ سمجھی کہ مجھے باہر سیر کرانے کے لئے لئے جاتے ہیں، جنگل میں لے گیا، گڑھا کھود کر لڑکی کو اس میں دبانا چاہا، وہ کہتی جاتی تھی کہ ابا میرے اوپر کیوں مٹی ڈال رہے ہو ابا کیا اس جنگل میں تم مجھ کو اکیلا چھوڑ جاؤ گے۔ ابا

[1] R. A. Nicholson: Literary History of the Arabs P. 55

میں تو تمہارے ساتھ گھر اماں کے پاس چلوں گی لیکن مجھے کچھ رحم نہ آیا، اور میں نے زندہ اسے دبا دیا، اب آپ میرے لئے دعا کریں کہ خدا میرا گناہ معاف کرے۔ کیا ایسے شقی دلوں کو محبت سے کچھ لگاؤ ہو سکتا ہے، یہ کل کی باتیں تھیں، فقط کلمہ پڑھنے سے جبلت و خصلت و فطرت تو نہیں بدل گئی تھی۔ ان لوگوں میں حضرت عمر کا مجوزہ عقیدہ آسانی سے پھیل سکتا تھا یا جناب رسولخدا کی تعلیم محبت مقدم اہلذکر ان کی طبیعت کے مطابق تھا، مؤخر الذکر کو یہ سمجھ ہی نہ سکے، اس عقیدہ کا بہت اچھا مظاہرہ واقعہ قرطاس کے وقت ہو گیا۔ حضرت عمر سے نہ رہا گیا اپنے عقیدہ کا اظہار کر دیا، آپ نے فرمایا کہ جناب رسولخدا کا یہ حکم منصب نبوت سے تعلق نہیں رکھتا، ہمیں اب رسول کی ہدایت اور اُن کے احکام کی ضرورت نہیں ہی ہمارے لئے تو قرآن شریف کافی ہے، کیوں نہ کافی ہوگا، جس طرح جی چاہے گا تاویل کر لیں گے۔ جس مضبوطی و سرعت کے ساتھ یہ عقیدہ قوم میں پھیل گیا تھا وہ اس سے ظاہر ہے کہ حضرت عمر کے آگے جناب رسول خدا کی بات نہ چلی، مرنے والے سے ہر ایک کو قدرتاً ہمدردی اور محبت ہو جاتی ہے اور اس کی خواہشات کو پورا کرنا اپنا فرض سمجھتے ہیں، آنحضرت نہ صرف نبی ہی نہ تھے محسن قوم بھی تھے۔ لیکن باوجود اس کے آنحضرت کی آخری خواہش نہ پوری کی گئی، وہ خواہش جو محض ان کے ہی فائدہ کے لئے تھی، اس قوم سے بعید تھا کہ یہ حضرت علی کی رفعت شان و عظمت تخئیل کو سمجھ سکتے اور ان سے محبت کر سکتے، تعجب یہ نہیں ہے کہ اس قوم نے باوجود آنحضرت کے اتنے صریح اعلانات و احکامات و ارشادات کے علی کو نہ سمجھا، بلکہ تعجب ہوتا اگر وہ علی کو سمجھ لیتے، اور اگر وہ علی کو سمجھ لیتے تو پھر ہم یہ نتیجہ اخذ کرنے میں حق بجانب ہوتے کہ حضرت علی کی شان ہی کچھ بہت ارفع و اعلےٰ نہ تھی کہ وہ اس اولاد کش، محسن کش قوم کی بھی سرحد ادراک کے اندر رہی ہی

امر واقعہ یہ ہے کہ حضرت عمر کے اس عقیدہ نے قوم کے تخئیل اور نظریہ پر اثر ڈالا اور دیگر قوم کے تخئیل نے حضرت عمر کے عقیدہ کی نشوونما کے لئے زمین تیار کی۔ تخم ریزی کے لئے ... عرب مثلاً عمرو بن العاص و مغیرہ بن شعبہ و عبدالرحمٰن ابن عوف وغیرہم کو طلب کیا گیا اور خوانیہ کو اس کھیتی کی حفاظت کے لئے مقرر کیا گیا، ممالک

غیر سے غنائم نے آن کر آبیاری کی، پھر جو نہالانِ اسلام بار آوری پر آئی تو ہر موسم میں طرح طرح کے گُل کھلاتے رہے، اس کھیتی کے سر سبز ہونے کی پیشین گوئی آنحضرت پہلے ہی فرما چکے تھے کہ میں دیکھ رہا ہوں کہ تمہارے گھروں میں فتنے اس طرح پے درپے آرہے ہیں جیسے مینہ کی بوچھاڑ[1] عرب کے تخیل اور حضرت عمر کے عقیدہ نے مل کر جو پہلا نتیجہ پیدا کیا وہ یہ تھا کہ اہل بیت رسالت کو صحابۂ رسول کی اکثریت اپنا رقیب و مدمقابل سمجھنے لگی، اور یہ تنازعہ صحابہ بنام اہل بیت رسول ایسا پیدا کر دیا جس نے اسلام کی بیخ و بُن کو کھوکھلا کر دیا، اور اب تک ختم نہیں ہوا، اس عقیدہ نے امت محمدیہ کی اکثریت پر جو اثر ڈالا تھا وہ اس سے ظاہر ہے کہ حکومت کے کارکن دختر رسول کا گھر جلانے آتے ہیں اور اُمت دیکھتی ہی بلکہ ان کو آگ لا کر دیتی ہے، فدک سے دختر رسول کو بے دخل کر کے حکومت قبضہ کرتی ہے، اور امت ان کی تحسین کے لئے آمادہ ہے، نواسۂ رسول کو دیرینہ دشمن رسول زہر سے قتل کرتا ہے اور اُمت خوش ہوتی ہے اس کی وصیت ہے کہ میں اپنے نانا کے پہلو میں دفن ہوں، امت کہتی ہے کہ نہیں، تم اس کے قابل نہیں ہو وہاں تو صحابۂ رسول ہی آرام کر سکتے ہیں اور اُس کے جنازہ پر تیر برسائے جاتے ہیں خاندانِ رسول کی ہر طرح سے بے حرمتی کی جاتی ہے تاکہ وہ حکومت کے قابل ہی نہ سمجھا جائے اپنے نبی و محسن اعظم کی اکلوتی اور پیاری بیٹی کو اس کے باپ کا پرسا اس عمدگی اور حسن سلوک کے ساتھ دیا جاتا ہے کہ وہ فریاد کرتی ہوئی اپنے باپ کی قبر پر جاتی ہے، اور کہتی ہے کہ بابا آپ کے بعد آپ کی اُمت کے ہاتھوں سے مجھے ظلم و ستم پہنچے، اب طاقت نہیں، مجھے اپنے پاس بلا لو۔ اور کارکنان حکومت سے کہتی ہے کہ تم نے مجھ پر ایسا ظلم کیا ہے کہ جب تک میں زندہ ہوں تمہاری شکل نہ دیکھوں گی اور مرنے کے بعد اپنے باپ سے تم دونوں کی شکایت کروں گی، یہ سب کچھ ہوتا ہے مگر قوم کو ذرا احساس نہیں ہوتا، آخر کار جناب رسول خدا کے سارے احسانوں کا بدلہ میدان کربلا میں اس طرح دیا گیا کہ جب تک انسانیت باقی ہے اس کے دامن سے یہ دھبہ نہیں چھٹ سکتا، دنیا کی تاریخ محسن کشی و

[1] صفحات ۳۰ لغایت ۳۲۔

احسان فراموشی کا اس سے زیادہ ہیبت ناک منظر نہیں پیش کر سکتی اور یہ اسو جہ ہی سے ممکن ہو سکا کہ اس محسن سے بے رخی اور اس کی اولاد سے دشمنی کرنے کو اس اعتقاد کے ذریعہ سے مذہب میں داخل کر لیا گیا او ہنوں نے کہا اور ببانگ دہل کہا کہ ہمارے اسلام میں ہمارے مذہب میں نبوت و حکومت جدا جدا شے ہیں ہمیں رسول کی ذات اور ان کی اولاد سے کچھ غرض نہیں، ہمیں تو فقط منصب نبوت سے کام ہے مذاہب عالم کی تاریخ بتا رہی ہے کہ جس عمل یا طرز تخیل کو مؤثر اور پائندہ بنانا مقصود ہوتا ہے اس کو اعتقاد کی شکل میں مذہب میں داخل کر لیا جاتا ہے، اس عقیدے کے مذہب میں داخل ہونے کا نتیجہ دیکھیئے کہ یزیدی لشکر کہہ رہا تھا کہ حسین کو جلدی قتل کرو تاکہ ظہر کی نماز اپنے وقت پر ادا ہو سکے، وہ لوگ حسبنا کتاب اللہ کے ایسے والہ و شیدا تھے کہ گردنوں میں قرآن لٹک رہے تھے اور ہاتھوں سے نواسۂ رسول کی گردن کاٹ رہے تھے۔

جو سلوک ارکان حکومت نے دختر رسول سے کیا وہ تو یہ تھا کہ جو اوپر بیان ہوا اپنی جماعت کی مخدرات عصمت کیساتھ جو سلوک تھا اس کی ہم فقط دو مثالیں بیان کرتے ہیں امہات المومنین کا دس دس ہزار درہم سالانہ تھا، مگر حضرت عمر نے کہا کہ چونکہ حضرت عائشہ آنحضرتؐ کی محبوب ترین زوجہ تھیں لہذا اُن کا دو ہزار درہم سب سے زیادہ ہونا چاہیئے چنانچہ حضرت عائشہ کا وظیفہ بارہ ہزار درہم سالانہ کر دیا گیا۔ مستدرک علی الصحیحین الجزء الرابع صفحہ ۸۔

ان درجا فقدم الی عمر من العراق	عراق سے مال غنیمت کیساتھ ایک جواہرات سے بھری
وفیہ جوھر فقال لاصحابہ	ہوئی ڈبیہ حضرت عمر کے پاس آئی حضرت عمر نے اپنے
اتدرون ما ثمنہ قالوا لا	اصحاب سے کہا کہ کیا تم جانتے ہو کہ اس کی قیمت کیا ہے
ولم یدروا کیف یقسمونہ	انہوں نے کہا کہ ہم نہیں جانتے اس کی تقسیم میں مشکل تھی
فقال تاذنون ان ابعث بہ	حضرت عمر نے فرمایا کہ اگر تم لوگ اجازت دو تو
الی عائشۃ لحب رسول اللہ	یہ ساری ڈبیہ میں حضرت عائشہ کے پاس بھیجدوں
صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم	کیونکہ وہ جناب رسولخدا کی محبوب ترین زوجہ تھیں

ایاھا فقالوا نعم فبعث بہ الیھا ففتحتہ فقالت ماذا فتح علی ابن الخطاب بعد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم	سب نے کہا کہ ہاں بھیج بھیجو، چنانچہ حضرت عمر نے وہ ڈبہ حضرت عائشہ کی خدمت میں بھیج دی، جب حضرت عائشہ نے کھول کر دیکھا تو فرمایا کہ عمر ابن الخطاب نے رسولخدا کی وفات کے بعد کتنے کتنے بڑے احسانات میری اوپر کئے ہیں

مستدرک علی الصحیحین الجزء الرابع ص ۸۔

دونوں سلوکوں میں فرق دیکھا، حضرت فاطمہ بھی حضرت عمر کے سلوک کا ذکر کرنے پر مجبور ہوئیں لیکن شکایت و فریاد کے ساتھ حضرت عائشہ کو بھی ان کے سلوک کا ذکر کرنا پڑا لیکن جذبات احسانمندی کے ساتھ، ایک طرف تو جناب رسولخدا کی محبت کی یہ جزا، دوسری طرف جناب رسولخدا کی محبت کی یہ سزا۔ یہ ہیں سیاست عمریہ کے نمونے

جس جسارت و دلیری سے حضرت عمر نے رسول خدا کے احکام میں مداخلت کی اور ان میں تغیر و تبدل پیدا کیا وہ اس عقیدہ کے بغیر ناممکن تھا، اس کی بہت سی مثالیں ہیں اگر سب کو جمع کریں تو ایک کتاب بن جائے، ابھی آپ حضرت شبلی کی تحریر سے معلوم کر چکے ہیں کہ امام شافعی نے اس کی بہت سی مثالیں جمع کر کے حضرت عمر پر قدح کی ہے، ایک دو مثالیں ہم بیان کر دیتے ہیں، آنحضرت نے شرابی کی سزا چالیس کوڑے مقرر کئے تھے، حضرت عمر نے اس سزا کو خفیف سمجھا اور چالیس کی بجائے اسی کوڑے شرابی کی سزا مقرر کر دی۔

مسند امام احمد حنبل الجزء الثالث صفحہ ۲۷۳

الفاروق:۔ حصہ دوئم۔ ص ۲۱۴

ایک دوسری جگہ مولوی شبلی تحریر فرماتے ہیں۔

"حج کے ارکان میں رمل ایک رکن ہے یعنی طواف کرتے وقت پہلی تین دفعوں میں آہستہ آہستہ دوڑتے چلتے ہیں، اس کی ابتدا یوں ہوئی کہ رسول اللہ صلعم جب مدینہ سے مکہ میں تشریف لائے تو کافروں نے مشہور کر دیا کہ مسلمان ایسے نحیف و کمزور ہو گئے کہ کعبہ کا طواف بھی نہیں کر سکتے، آنحضرت نے رمل کا حکم

دیا اس کے بعد یہ فعل معمول بہ ہوگیا، چنانچہ ائمہ اربعہ اس کو حج کی ایک ضروری سنت سمجھتے تھے، لیکن حضرت عمر نے صاف کہا مالنا وللرمل انما کنا رأینابہ المشرکین وقد اھلکھم اللہ یعنی اب ہم کو رمل سے کیا غرض اس سے مشرکوں کو رعب دلانا مقصود تھا، سو ان کو خدا نے ہلاک کر دیا۔

الفاروق حصہ دوم ص ۲۱۱۔

یہ مولوی شبلی اور حضرت عمر کا خیال ہے کہ رمل کا حکم آنحضرت نے اسوجہ سے دیا تھا، ورنہ کہیں یہ ممکن ہو کہ کفار نے طعنوں کی بناء پر اعمال دین مقرر کئے جائیں، حضرت عمر اور علامہ شبلی کے خیال میں آنحضرت اعمالِ دین مقرر کرتے وقت وحی الٰہی کے منتظر نہیں ہوتے تھے بلکہ کفار کے طعنوں پر نظر رکھتے تھے۔ یقیناً یہ فتح مکہ کے بعد کا ذکر ہی، کیونکہ اُس ہی وقت آنحضرت صلعم مدینہ سے مکہ پہلی دفعہ تشریف لائے تھے، کیا اسوقت تک کفار کو مسلمان نحیف و زار ہی نظر آتے تھے، اتنی لڑائیاں فتح کیں، عمر عبدود، مرحب و عنتر جیسے پہلوانوں کو زیر کیا، خود مکہ فتح ہو گیا، کیا ابھی مسلمانوں کی طاقت کفار پر ظاہر نہیں ہوتی تھی، اس دس قدم دوڑنے میں کیا بہادری کی شان تھی کہ جس نے کفار کے دلوں پر مسلمانوں کا سکہ بٹھا دیا اور اگر آنحضرت صلعم کے وقتِ رحلت تک مسلمان ایسے ہی نحیف و زار تھے کہ یہ بناوٹی شان بہادری قائم رکھنی ضروری تھی تو حضرت عمر نے ان میں کون سی بہادری کی روح پھونک دی تھی جو آنحضرت صلعم نہ کرسکے۔ کیا اِس سے مقصد حضرت عمر کو آنحضرت صلعم پر ترجیح دینے کا ہے، ایسے متین و سنجیدہ پیغمبر کے ذمہ یہ الزام لگایا جاتا ہے کہ انہوں نے مسلمانوں کو محض اس وجہ سے دوڑایا اور بھگایا کہ کفار کہیں دیکھو مسلمان بھاگے جاتے ہیں، اگر آنحضرت صلعم کفار کے طنز کو اہمیت دیا کرتے تو اسلامی عبادت میں سے سجدہ تو بالکل مفقود ہو جاتا، کیونکہ کفار نے سجدہ کو تو اپنی طنز کا خاص نشانہ بنایا ہوا تھا ہم حیران ہیں کہ علامہ شبلی جیسے فاضل و ذہین مورخ اور یہ عبارت، وہ مانتے ہیں کہ ائمہ اربعہ جن کی امامت پر اہل سنت وجماعت

کے دین کا قیام ہے، اس قیاس کی تردید کرتے ہیں اور رسول کو سنت میں داخل سمجھتے ہیں۔ لیکن حضرت عمر ایسا نہیں سمجھتے تھے، اب حضرت عمر کا درجہ امور دین میں کیا رہا۔ کس طرح خود حضرت شبلی کی بحث سے ہمارا دعویٰ ثابت ہو گیا کہ اہل سنت والجماعت امورِ دین میں حضرت عمر کو پیروی اور تقلید کے قابل نہیں سمجھتے، اور بات بھی ٹھیک ہے اُنہوں نے تو اپنے عقیدے خلافت حاصل کرنے کی غرض سے ایجاد کئے تھے۔ وہ اسلام کے صحیح ارکان تو نہ تھے، اس زمانے کے مسلمان غلطی کھا گئے، مقصد حاصل ہو گیا، قصہ ختم ہوا، نبوت کی حقیقت کے متعلق جو مولوی شبلی نے عبارت لکھی ہے جس کو ہم نے اوپر نقل کیا ہے اس میں بھی وہ فرماتے ہیں کہ اسلام کے علماء کی اکثریت کا عقیدہ نبوت کے متعلق حضرت عمر کے عقیدے کے مخالف ہے۔ لہٰذا ثابت ہو گیا کہ حضرت عمر نے اُن کو صحیح مذہبی عقیدے سمجھ کر اختیار نہیں کیا تھا بلکہ یہ تو اُن کی سیاسی تدبیریں تھیں۔

ہماری دعویٰ کو خود مولوی شبلی ثابت کرتے ہیں، فرماتے ہیں:۔

"حضرت عمر مسائل شریعت کی نسبت ہمیشہ مصالح اور وجوہ پر غور کرتے تھے، اور اگر اُن کے خیال میں کوئی مسئلہ خلاف عقل ہوتا تو اس پر نکتہ چینی کرتے تھے۔ چنانچہ نماز کے قصر کے حکم میں آپ نے نکتہ چینی فرمائی۔"

الفاروق:۔ حصہ دوم ص ۲۱۰۔

دیکھا آپ نے حضرت عمر کی جسارت کو، پہلے تو یہ عذر تھا کہ جو حکم آنحضرت کا منصب نبوت کے اندر نہیں ہوتا تھا اس پر نکتہ چینی کرتے تھے، اب مسائل شریعہ کی نسبت بھی حضرت عمر اپنی رائے کو دخل دینے لگے، یہ معاملہ یہیں نہیں ختم ہوتا۔ یہ تو ظاہر ہے کہ اسلام میں مسائل شریعہ خداوند تعالیٰ کے حکم سے مقرر کئے گئے۔ حضرت عمر ان کو خلافِ عقل سمجھنے کی جسارت کرتے ہیں، معاذ اللہ حضرت عمر کی عقل مشیتِ ایزدی سے بھی زیادہ صحیح ہوئی، کیا حضرت عمر نے اسلام اس لئے قبول کیا تھا کہ اسلام میں داخل ہو کر اس میں اپنی عقل سے تغیر و تبدل کریں، اب جو مسخ شدہ اسلام اکثریت

تک پہنچا ہے کس کی کارکردگی کا نتیجہ ہوا، آگے چل کر مولوی شبلی گہرافشانی اِس طرح کرتے ہیں کہ :-

"امورِ شریعت میں قیاس کرنا حضرت عمر کی اولیات میں سے شمار کیا جاتا ہے، حضرت ابوبکر کے زمانہ تک مسائل کے جواب میں قرآن مجید حدیث اور اجماع سے کام لیا جاتا تھا، قیاس کا وجود نہ تھا، قیاس کی بنیاد اول جس نے ڈالی وہ حضرت عمر ہیں"

الفاروق حصّہ دوئم ص ۲۴۰۔

یہ مولوی شبلی کی رائے ہے کہ امور دین و احکامِ الٰہی میں سب سے پہلے قیاس کرنے والے حضرت عمر ہیں لیکن علمائے اسلام کی رائے ہے کہ اوّل من قاس ابلیس۔

جس بزرگ میں اتنی جسارت ہو کہ احکامِ الٰہی کو بھی خلافِ عقل کہہ سکے اس سے یہ عقیدہ بعید نہیں ہے آنحضرتؐ کے دین میں جس دلیری سے کام لے کر حضرت عمر نے تغیر و تبدل پیدا کیا ہے اس کی بہت سی مثالیں ہیں یہاں تک کہ نماز کو بدل ڈالا۔ جب ایک مدت کے بعد حضرت علیؑ نے جناب رسولِ خدا کی طرح نماز پڑھائی تو لوگوں نے کہا کہ آج ہم نے رسولِ خدا کی سی نماز پڑھی۔

صحیح بخاری کتاب الصلوٰۃ باب تکبیر۔

یہاں دو سوال پیدا ہوتے ہیں (۱) حضرت عمر نے کیوں یہ جسارت کی (۲) مولوی شبلی کیوں حضرت عمر کے طرزِ عمل کی حمایت کرتے ہیں، اگرچہ دیگر علماء ائمہ نے حضرت عمر کے اس امر میں قدح کی ہے۔

سوال اول کے لئے کئی وجوہات ہیں ایک تو یہ کہ شانِ نبوت کی صحیح معرفت نہیں حاصل ہوئی تھی پکی عمر میں ایمان لائے تھے، طرزِ تخئیل بت پرستی کے سانچے میں ڈھل چکا تھا، اب نبوت کا صحیح اندازہ مشکل تھا، دوسری یہ کہ وہ جانتے تھے کہ ہم میں صحیح اور بلند شان والی نبوت کی جانشینی کی تو اہلیت ہی نہیں، اپنی جانشینی کو کسی نہ کسی طرح درست ثابت کرنا پڑیگا، لہٰذا کوشش کی کہ نبوت کی شان کو اتنا گرایا جائے کہ ان

تک اُتر آوی اور وہ ایسی بنوت کے جانشین کہلائے جانے کے قابل ہوں، تیسری یہ کہ اِس طرح دخل در معقولات کرکے لوگوں کی نظروں میں اپنی توقیر بڑھانی مطلوب تھی جو شخص کہ بنوت پر اعتراض کر سکے وہ ضرور لوگوں کی نظروں میں اس بنوت کا جانشین ہونے کا اہل ہو جائے گا، چوتھے یہ کہ تنقیص شانِ اہل بیتِ بنوت منظور تھی، تاکہ لوگوں کی نظروں میں انکی منزلت گر جائے اور خلافت اُدھر نہ جانے پائے۔ یا جب ہم خلافت لے لیں تو لوگ ان کو ہم سے افضل نہ سمجھیں لیکن مشکل یہ تھی کہ اہل بیت کی شان وابستہ تھی رسولِ خدا کی شان سے، اور اہل بیتِ رسول کی تنقیص شان نہیں ہو سکتی تھی جب تک جنابِ رسولِ خدا کی شان کو کم نہ کیا جاتا، اور دفعتاً صریح الفاظ میں رسولخدا کی تنقیصِ شان کرنے سے سارا مطلب ہی فوت ہو تا تھا، جس خوبی و عقلمندی سے حضرت عمر و حضرت ابوبکر نے اس کام کو انجام دیکر کامیابی حاصل کی وہ دنیا والوں کی صد ہزار آفرین کی مستحق ہے، رفتہ رفتہ کوشش کرکے بتدریج اس حد تک تو اس معاملہ کو لے آئے تھے کہ رسولخدا کو ان کے مرتے وقت یہ کہہ سکیں کہ یہ شخص تو ہذیان بک رہا ہے۔ امرِ واقعہ تو یہ ہے کہ اس قضیۂ قرطاس نے سب کی قلعی کھول دی اور ظاہر کر دیا کہ در اصل اس جماعت کا عقیدہ کیا ہے، اِس عقیدہ کے ذریعے سے انہوں نے اپنے اور اپنی جماعت کے ضمیر کو خاموش کیا، اور اس ہی عقیدہ کی عینک کے ساتھ ان کے اعمال نہیں خوش نما نظر آنے لگے، سوالِ دوئم کا جواب کہ جناب شبلی کیوں حضرت عمر کی تنی حمایت کرتے ہیں صاف ہے، علامہ شبلی ہندوستان میں پہلے عربی دان مستشرق مورخ ہیں جو تھوڑی سی انگریزی کی شدہ بُدہ حاصل کرکے انگریزی مورخین کی طرزِ تحریر پر شیفتہ ہوگئے اور انہوں نے کوشش کی کہ ان کے طرز پر تاریخ لکھیں، حضرت شبلی کی تحریر میں وہ نقص رہ گیا جو عام طور سے نقل میں پایا جاتا ہے، باہر سے خاکہ اصل کا اور اندر سے اصل کی روح معدوم نتیجہ یہ ہوا کہ انگریزی مورخین کی طرح وہ ایک تھیوری (Theory) قائم کر لیتے ہیں اور پھر واقعات کو توڑ مروڑ کر اس تھیوری کے اندر لانا چاہتے ہیں، اب یہاں نقل اور اصل میں فرق ہوتا ہے، اچھے یوربین مورخین تو حتی المقدور کوشش کرتے ہیں کہ ان کے ذاتی عقیدے

اور تعصبات ان کے نتائج پر اثر نہ ڈالنے پائیں لہٰذا وہ اپنی تھیوری کو بہت تحقیقات اور بہت سے واقعات کی جانچ پڑتال کے بعد قائم کرتے ہیں، پھر شاذ و نادر اگر کوئی واقعہ ایسا رہ جاتا ہے کہ اس کی کوئی تاویل و تشریح نہیں ہو سکتی تو وہ اس کو اپنی تھیوری کے اندر لانا چاہتے ہیں، مولوی شبلی شروع ہی سے اس اصول پر چلتے ہیں کہ جو عقیدے وہ پہلے سے قائم کئے ہوئے ہیں درست ہیں ان میں ترمیم و تصحیح کی ضرورت نہیں، لہٰذا شروع ہی سے اپنے عقیدے کے بموجب اپنی ہپوتھسز (تھیوری) قائم کر لیتے ہیں اور پھر ساری واقعات کو توڑ مروڑ کر اس تھیوری کے اندر لانا چاہتے ہیں انہوں نے ایک عقیدہ یا تھیوری پیدائشی تعصب کی بناء پر قائم کر لی کہ حضرت عمر دل سے خیرخواہ اسلام تھے، ان کی خیرخواہی و ہمدردی اسلام رسول سے بھی زیادہ تھی، اب جتنے واقعات ہونگے ان کی تاویلیں اس ہی بناء پر کرینگے، اور پھر حضرت عمر ان کے ہیرو ہیں، اپنے ہیرو پر کیوں حرف آنے دیں۔ یہ ہیرو کا لفظ بھی اونہوں نے انگریزی مورخین سے لیا ہوا اور اسکے دوہرانے میں اہنیں خاص لطف آتا ہے۔

تدبیر سوئم۔ جناب رسولخدا کے اقوال و طرز عمل پر اعتراضات

جماعت مخالفین علی نے یہ رویّہ اختیار کیا تھا کہ جب آنحضرت علیؑ کے فضائل بیان کرتے یا ان کو دیگر صحابہ پر ترجیح دیتے یا اور کوئی ایسا امتیازی سلوک حضرت علی سے کرتے جس سے آپ کی فضیلت دیگر صحابہ پر نمایاں ہو تو فوراً اعتراض کر دیتے تھے تاکہ لوگوں میں اس کا چرچا ہو جائے اور ان کی توجہ اس بات کی طرف مبذول ہو جائے کہ آنحضرتؐ کے یہ اقوال اور یہ امتیازی سلوک محض خاندانی طرفداری پر مبنی ہے، دوسری غرض یہ ہوتی تھی کہ آنحضرت اپنے اس طرز عمل میں کثرت نہ کریں۔ جب آنحضرتؐ نے حضرت علی سے خلیہ میں راز کی گفتگو کی یا علی کے گھر کا دروازہ کھلا رکھا اور دیگر صحابہ کے گھروں کے دروازہ مسجد کی طرف کھلتے تھے بند کرا دئے، فوراً انہوں نے اعتراض کر دیا، اکثر موقعوں پر حضرت عمران کی ترجمانی کیا کرتے تھے، قضیہ قرطاس بھی اس ہی کی ایک مثال ہے، غدیر

خم پیر اعلان جانشینی کے بعد بھی اس جماعت میں ایک کھلبلی مچ گئی، کوئی معقول صورت نظر نہ آئی کہ حضرت عمر اس جماعت کی ترجمانی کرتے، اسوقت ایک گمنام دیہاتی حارث ابن نعمان سے یہ کام لیا گیا جسنے نہایت گستاخانہ طریقے سے گفتگو کی، بار بار اس بات کو لوگوں کی توجہ میں اعتراضات کرکے لانے سے قبیلانہ رشک وحسد میں اضافہ ہوتا گیا، یہ تو وہ مثالیں ہیں جو صفحاتِ تاریخ میں محفوظ ہیں اور بہت سے موقعے ہونگے۔ آپس میں سرگوشیاں ہوتی ہوں گی اور وہ نکتہ چینی کے خیالات ایک سے دوسرے کی طرف منتقل ہوتے ہونگے اور پھیلتے ہوں گے۔

تدبیر چہارم حَسْبُنَا کِتَابُ اللّٰہ

اس کا ذکر عقیدۂ جماعتِ حکومت سے ہے جس کا ذکر تدبیر سوم کے تحت میں ہوچکا ہے، یہ فقرہ قضیۂ قرطاس کا ایک جزو ہے باب ہفتم میں اس کی تفصیل ملاحظہ ہو۔

تدبیر پنجم۔ قضیۂ قرطاس

اس کا ذکر باب ہفتم میں ملاحظہ فرمائیں۔

تدبیر ششم۔ تخلف از جیش اُسامہ

اس کا ذکر باب ہفتم میں ہوچکا ہے وہاں دیکھیں لیکن چند امور کی تشریح یہاں بھی ضروری ہے۔ جیش اسامہ کے واقعہ کے مطالعے کے بعد قدرتی طور سے یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ باوجود آنحضرت کی بار بار کی تاکید کے اسامہ بن زید نے کیوں تساہل کیا اور آخر کار مدینہ سے باہر ہی نہ گئے (صرف حوالی مدینہ میں تھا) وجہ یہ ہے کہ اسامہ حضرت عمر کی جماعت کے اگر ایک رکن نہ تھے تو ان کے ہمدردوں میں سے ضرور تھے، اور ان کی صلاح پر عمل کرنے والے تھے، حضرت عمر نے ان کو آگے نہ بڑھنے دیا، حضرت عمر جانتے تھے کہ ایسے نوجوان آدمیوں کو کس طرح اپنے میں ملایا جاتا ہے، اول تو ظاہری عزت وتکریم ہی سے

خوش کر لیا، حضرت ابوبکر و عمر جب اسامہ کو دیکھتے تھے ایہا الامیر کہہ کر پکارتے تھے۔ حضرت اسامہ خوش ہوتے تھے اور انکسار فرماتے تھے، حضرت عمر نے اپنے لڑکے عبداللہ کا وظیفہ تو تین ہزار درہم مقرر کیا اور اسامہ بن زید کا چار ہزار درہم مقرر کیا۔

ابن عساکر: تاریخ الکبیر حصہ تہذیب ترجمہ اسامہ بن زید الجلد ثانی ص ۳۹۵۔

محمد بن سعد: طبقات الکبریٰ جلد ۴ ق ا ترجمہ اسامہ بن زید ص ۴۹

حضرت اسامہ نے بہت خوشی سے حضرت ابوبکر و عمر و عثمان کی بیعت کی۔ لیکن حضرت علی کی بیعت سے انکار کرنے میں حضرت عبداللہ ابن عمر کا ساتھ دیا، اور ان کی بیعت نہ کی۔

تاریخ طبری:۔ الجزء الخامس ص ۱۵۵۔

ابن کثیر شامی:۔ البدایہ والنہایۃ فی التاریخ الجزء السابع ص ۲۲۶

حضرت علی نے ان کے پاس آدمی بھیجا کہ بیعت کر لو مگر انہوں نے انکار کر دیا۔

ابن عساکر:۔ تاریخ الکبیر حصہ تہذیب الجلد الثانی ص ۳۹۸، ۳۹۹

ترجمہ اسامہ بن زید۔

محمد بن سعد:۔ طبقات الکبریٰ ج ۴ ق ا ترجمہ اسامہ بن زید ص ۵۰

ان کی والدہ وہی ام ایمن تھیں جنہوں نے خاص قاصد ان کے پاس بھیجا کہ جرف سے آگے نہ جائیں بلکہ واپس آ جائیں۔ صفحہ ۲۱۵ حصہ اوّل کتاب اوّل

اور حضرت عمر جب قتل ہوئے تو دھاڑیں مار مار کر روتی تھیں کہ آج اسلام برباد ہو گیا۔ طبقات ابن سعد الجزء الثامن فی النساء ص ۱۶۴ ترجمہ ام ایمن

حضرت عمر کی طرح یہ بھی آنحضرت کا دلی مقصد سمجھ گئے کہ حضرت علی کے لئے جگہ صاف کرائی جا رہی ہے۔ چونکہ یہ حضرت علی کی خلافت کو پسند نہ کرتے تھے۔ لہٰذا حکم رسول کی اطاعت نہ کی اور اپنے لشکر کو باہر نہ لے گئے۔

جناب رسول خدا نے حضرت ابوبکر و حضرت عمر کو خاص طور سے اُسامہ کے ماتحت اس لشکر میں رکھا تھا۔ اور حکم دیا تھا کہ فوراً باہر چلے جاؤ

کچھ حوالے ہم نے پہلے دئے، کچھ لکھتے ہیں۔ دیکھو:-

ابن عساکر:- تاریخ الکبیر حصہ تہذیب الجلد الثانی ترجمہ اسامہ بن زید ص ۳۹۴ الجلد الثالث ترجمہ ایوب بن ہلال بن زید بن حسن بن اسامہ بن زید بن حارثہ ص ۲۱۵۔

علامہ ذہبی:- تذہیب التہذیب ترجمہ اسامہ بن زید۔

محمد بن سعد:- طبقات الکبریٰ ج ۴ ق ۱ ترجمہ اسامہ بن زید ص ۴۶۔ ج ۲ ق ۲۔ ص ۴۱۔

تدبیر ہفتم:- ایجاد و نشر عقیدۂ عدم استخلاف

اگر یہ نہ کہتے کہ جناب رسول خدا نے کوئی خلیفہ مقرر نہیں کیا تو پھر سقیفہ بنی ساعدہ کی کارروائی نہ باطل ہو جاتی لہذا یہ کہا اور خوب کہا۔ تفصیل باب اول و دوئم میں ملاحظہ ہو۔

تدبیر ہشتم:- ہنگامہ سقیفہ بنی ساعدہ

قبل اس کے کہ ہم بتائیں کہ سقیفہ بنی ساعدہ میں کیا ہوا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ دیکھیں کہ سقیفہ بنی ساعدہ کیسی جگہ تھی، اور مسجد نبوی و آبادئی مہاجرین کو چھوڑ کر وہاں یہ خلیفہ سازی کا اجلاس کیوں ہوا۔ غیاث اللغات اور منتخب اللغات میں اس سقیفہ کا ذکر اس طرح کیا گیا ہے:- "حقیقتش این است کہ سقیفہ ایوانے بود پنہاں کہ عرب برائے مشورہ ہائے باطل دراں جمع می شدند و مجازاً مشورہ و سخن بیہودہ و بیہودہ راگویند" غیاث اللغات کے حاشیہ پر چراغ ہدایت مؤلفہ سراج الدین علی خاں آرزو میں سقیفہ سازی کے معنی دروغ بستن لکھے ہیں، سبحان اللہ قضا و قدر نے خاموش واقعات کی زبانی کس طرح حق کی کہانی سنائی ہے۔ اس خلافت کی حقیقت اور اس خلیفہ کی حقانیت ظاہر ہے جو مسجد نبوی و خانہ نبوت کو چھوڑ کر ایسی

جگہ اپنی ہست و بود کا انتظام کریں جو باطل اور بیہودہ مشوروں کے لئے مخصوص ہو۔
کس خاموشی کے ساتھ قدرت نے ثابت کیا ہے کہ وہ ایک باطل کے فروغ دینے کی
سازش تھی جہاں سخنان بیہودہ و مشورہ ہائے باطل کے بعد امر باطل کی بنیاد رکھی گئی۔ اگر
امر واقعہ یہی تھا جواب اہل حکومت نے گھڑا ہے کہ وہ وقت ایسا نازک تھا کہ حاکم و سردار قوم
کا فوراً منتخب ہونا ضروری تھا، تو پھر تمام مسلمانوں کو مسجد نبوی میں جمع ہوجانا چاہیئے تھا۔
وہاں مشورہ بھی ہوتا رہتا اور غسل و دفن رسول میں بھی تمام صحابۂ رسول کی شرکت جاری
رہتی، تمام سرداران قریش اور نامورانِ اسلام فوراً جمع ہو جاتے اور ایک قطعی فیصلہ ہوجاتا
اگر نیک نیتی سے ان کا خیال تھا کہ جناب رسول خدا نے کوئی خلیفہ مقرر نہیں کیا تو پھر اس سے
بہتر و موزوں کوئی اور طریقہ اور کوئی اور مقام نہیں ہو سکتا تھا، تمام اہم امور اس کے
پہلے اور اس کے بعد مسجد نبوی ہی میں طے ہوا کرتے تھے۔ لیکن محض اس کے لئے بجائے
مسجد نبوی کے ایک ایسا مقام پسند کیا جاتا ہے کہ جہاں دنیا کی نظروں سے پنہاں مشورہ
ہائے باطل ہوا کرتے تھے، اس سے صاف ظاہر ہے کہ یہ ایک سازش تھی جس کو منظر عام پر
لانا اُنہوں نے مناسب سمجھا، بقول حضرت شبلی نعمانی تمام مورخین اسلام سنی ہی ہوئے ہیں
لہٰذا اُن سے اُمید رکھنی کہ وہ کھلی کھلی باتیں لکھ دیں گے اور اس سازش کو سازش کہیں
گے، فطرت انسانی کے اوپر بہت زیادہ بوجھ ڈالنا ہے جو وہ سنبھال نہیں سکتی۔ لیکن
سقیفہ کے کارکنان کا طرز عمل اور یہ خاموش واقعات صاف صاف بتا رہے ہیں کہ
اس تجویز کی پہلے ہی سے پخت و پز ہو چکی تھی۔

بہت ممکن ہے کہ کہا جاوے کہ سقیفہ بنی ساعدہ کے انتخاب میں حضرات شیخین مجبور
تھے، انصار نے پہل کی اور اُنہوں نے اپنے نزدیک کی جگہ منتخب کر لی، اس کا پہلا جواب
تو یہ ہے کہ ہم تو مخالفین علی کا ذکر کر رہے ہیں، اس میں انصار یا شیخین کی تخصیص نہیں۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ غور کرو کہ انصار نے جان بوجھ کر کیوں یہ بیہودہ و باطل
کی جگہ اختیار کی، مسجد نبوی میں کیوں نہ چلے گئے، اس کی وجہ ظاہر ہے وہ مہاجرین کی
اکثریت کی گفتگو و طرز عمل سے معلوم کر چکے تھے کہ وہ علی کی مخالفت میں اپنا خلیفہ تو ضرور

مقرر کرینگے لیکن ہماری مخالفت کرینگے، اس سے ایک نتیجہ تو یہ نکلا کہ ایک کو دوسرے کی نیت اور منصوبوں کا حال معلوم تھا، ہمارا دعویٰ ہے کہ انصار اپنا خلیفہ مقرر کرنے میں مہاجرین کی اکثریت کا طرزِ عمل دیکھ کر مجبور ہوئے تھے ورنہ اگر ان کو یقین ہوتا کہ مہاجرین حضرت علی کی خلافت کو منظور کرلیں گے تو وہ ہرگز یہ سقیفہ سازی نہ کرتے، یہ بحث تفصیل کے ساتھ ابھی ابھی ہم زیرِ عنوان "انصار و مہاجرین کی رقابت" کرچکے ہیں، حضرت عمر کو حضرت علی کی طرف سے ذرا اور انصار کی طرف سے کھٹکا تھا. دونوں کی طرف انہوں نے جاسوس بٹھادئے تھے، علی کی طرف تو حرمِ رسول کی چند مخدراتِ عصمت اور انصار کی طرف چند غدّار انصاری حرم رسول کے جاسوسوں کا ذکر ہم کرچکے ہیں، ان مخبر انصاروں کا ذکر اب کرتے ہیں.

عن عائشہ قالت وكان عمر بن الخطاب اخي رجلا من الانصار ولا يسمع شيئاً الا اخبره به ولا يسمع عمر شيئاً الا حدثه.	حضرت عائشہ سے مروی ہے کہ جناب عمر خطاب نے انصار میں سے ایک شخص کو بھائی بنایا ہوا تھا اور یہ الفت اس درجہ تھی کہ وہ شخص کوئی امر نہیں سنتا تھا لیکن یہ عمر کو اس کی اطلاع دیتا تھا اور عمر کوئی بات نہیں سنتے تھے مگر یہ اس شخص کو اسکی اطلاع دیتے تھے

محمد ابن سعد:- طبقات الکبریٰ الجزء الثامن من النساء زیرِ عنوان ذکر المرأتین اللتین تظاہر علےٰ رسول اللہ صلعم وتخیرہ نساءہ ص ۱۳۱ الصفحہ ۱۳۶.

علاوہ اس کے واقعاتِ سقیفہ میں آپ پڑھیں گے کہ انصار نے سعد ابن عبادہ کو اپنا خلیفہ مقرر کرنے کا ارادہ کرلیا تھا اس پر اُن کے رشتہ دار بشیر ابن سعد کو حسد ہوا، اس نے حضراتِ شیخین کی بڑی مدد کی یہاں تک کہ اس معرکہ میں سب سے پہلے جس نے حضرت ابوبکر کی بیعت کی وہ یہی بشیر ابن سعد تھا، زید ابن ثابت بھی جن کو بعد میں جمع قرآن کی کمیٹی کا پریزیڈنٹ بنایا گیا، حضرت عمر کے مددگاروں میں سے تھے اور انہوں نے بھی اپنے بھائی انصاران سے بےوفائی/خفت کرکے سب سے پہلے بشیر ابن سعد کے ساتھ اُن کی بیعت کی. صرف یہ لوگ حضرت عمر کو خبریں پہنچاتے ہونگے، ان کے علاوہ ایک خاص

مخبر رحلتِ رسول والے دن حضرت عمر نے انصار میں بٹھا دیا تھا کہ موقعہ کی خبر فوراً پہنچا دے۔ چنانچہ جب انصار سقیفہ میں جمع ہوئے تو وہ دوڑا ہوا حضرت عمر کے پاس آیا اور اس کی اطلاع ان کو علیحدہ بُلا کر دی، دو اور مخبر تھے جو راستہ میں سقیفہ کی طرف جاتے ہوئے حضرت ابوبکر و عمر و ابو عبیدہ بن الجراح کو ملے۔ یہ سب حالات سقیفہ میں، آپ پڑھیں گے۔ لہٰذا اچھی طرح ثابت ہوا کہ حضرت عمر کے پاس انصار کی لمحہ لمحہ کی خبریں پہنچتی تھیں۔

اب ہم دیکھیں کہ آنحضرتؐ کے انتقال کے بعد ہی کیا کیا گل کھلے اور سقیفہ بنی ساعدہ میں کیا ہوا جماعتِ اہلِ حکومت کے بہت بڑے مورخ ابن خلدون حضرت عائشہ کی زبانی لکھتے ہیں:-

(وکانت تقول) قبض رسول الله	حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ جناب رسولخدا کا
صلى الله عليه وسلم بين	انتقال میری گود میں ہوا، اور اس وقت
سحري ونحري وذلك نصف	دوپہر منگل کا دن دو راتیں ماہ ربیع الاول
نهار يوم الاثنين لليلتين	سے گزر چکی تھیں، آنحضرت دوسرے دن
من شهر ربيع الاول ودفن	دوپہر کے وقت بدھ کو دفن ہوئے۔
بعد الغد نصف النهار من	آپکے انتقال کی خبر لوگوں میں پھیل گئی۔
يوم الثلاثاء ونادى النعي	اس وقت ابوبکر تو اپنی زوجہ کے ساتھ
في الناس بموته وابوبكر	اپنے گھر محلہ سخ میں تھے۔ حضرت عمر
غائب في اهله بالسنح وعمر حاضر	موجود تھے، پس حضرت عمر کھڑے ہوئے
فقام في الناس وقال ان رجالاً	اور لوگوں کو خطاب کر کے کہنے لگے
من المنافقين زعموا ان رسول	کہ چند منافقین کا گمان ہے کہ جنابِ
الله صلى الله عليه وسلم مات	رسولخدا فوت ہوگئے، امر واقعہ یہ ہے کہ
وانه لم يمت وانه ذهب الى	وہ فوت نہیں ہوئے بلکہ خداوند تعالیٰ کی
ربه كما ذهب موسى وليرجعن	میقات کیلئے گئے ہیں جیسا کہ حضرت موسیٰ گئے

بها فیقطعن ایدی رجال و
ارجلهم واقبل ابوبکر حین
بلغه الخبر فدخل علی
رسول الله علیه وسلم
فکشف عن وجهه وَقَبَّلَه
وَقال بابی اَنت وامی قد
ذقت الموت التی کتب الله
علیكَ ولن یصیبك بعدها
موتة ابدا وخرج الی عمر و
یتکلم فقال انهیت فابی واقبل
علی الناس یتکلم فجاؤا الیه وَ
ترکوا عمر فحمد الله واثنی علیه
وقال ایها الناس من کان
یعبد محمدا فان محمداً قد
مات ومن کان یعبد الله فان
الله حیٌّ لا یموت ثم تلا و
ما محمد الا رسول قد خلت من
قبله الرسل الاٰیة فکانَ
الناس لم یعلموا ان هذه الاٰیة
فی المنزل قال عمر فما هو الا ان
سمعت ابابکر یتلوها فوقعت
الی الارض ما تحملنی رجلای
وعرفت انه قد مات وقبل

وہ ضرور واپس آئیں گے، اور لوگوں کے ہاتھ پاؤں
کاٹیں گے، جب آنحضرت کے انتقال کی خبر
حضرت ابوبکر کو ہوئی تو وہ فوراً واپس آئے اور
آنحضرت کے حجرہ میں داخل ہو کر آپ کے منہ سے چادر
ہٹائی اور بوسہ دیا اور کہا کہ میرے ماں باپ آپ
پر فدا ہوں آپ نے اس موت کا ذائقہ چکھا
جو خداوند تعالٰی نے آپکے لئے لکھی تھی، اور اس
موت کے بعد آپکو ہرگز دوسری موت سے سابقہ
نہیں پڑیگا، یہ کہہ کر حضرت ابوبکر باہر آئے اور
جہاں عمر لوگوں میں بول رہے تھے وہاں پہنچ
عمر کو اشارہ کیا کہ خاموش ہو جاؤ لیکن عمر آنا کانی
دئے گئے، اس پر خود حضرت ابوبکر آگے بڑھے
اور لوگوں میں کلام کرنے لگے، اس پر لوگ
عمر کو چھوڑ کر ابوبکر کے پاس آگئے۔ ابوبکر نے بعد
حمد و ثنائے خداوند تعالٰی کہا۔ اے لوگو! تم میں سے
جو محمد کی عبادت کرتا تھا وہ معلوم کرلے کہ محمدؐ مر گئے
اور تم میں سے جو خداوند تعالٰی کی عبادت کرتا تھا وہ
سمجھ لے کہ خداوند تعالٰی زندہ ہے، وہ کبھی نہیں مریگا
پھر یہ آیۃ پڑھی "وما محمد الا رسول قد خلت الخ" ایسا معلوم
ہوتا تھا کہ اس سے پہلے لوگ نہیں جانتے تھے کہ یہ آیت
قرآن شریف میں ہے، حضرت عمر کہتے ہیں کہ جب میں نے ابوبکر کو یہ
آیۃ پڑھتے سنا تو میرے پاؤں مجھ کو نہ سنبھال سکے اور میں زمین
پر گر گیا اور معلوم کر لیا کہ رسول خدا نے رحلت فرمائی یہ بھی

ثلاء معها انك ميت وانهم ميتون الآية وبينما هم كذلك اذ جاء رجل يسعى بخبر الانصار انهم اجتمعوا في سقيفة بني ساعدة يبايعون سعد بن عبادة و يقولون منا امير و من قريش امير فانطلق ابو بكر و عمر وجماعة المهاجرين اليهم وقام علي و عباس وابناه الفضل و قثم و اسامة بن زيد يتولون تجهيز رسول الله صلى الله عليه وسلم وغسله علي مسنده الى ظهره والعباس وابناه يقلبونه معه واسامة و شقران يصبان الماء۔

کہا جاتا ہے کہ اس آیت کے ساتھ یہ آیت انک میت الخ بھی حضرت ابوبکر نے پڑھی تھی۔ یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ اتنے میں ایک شخص دوڑتا ہوا انصار کی یہ خبر لیکر آیا کہ وہ سب سقیفہ بنی ساعدہ میں جمع ہیں اور سعد بن عبادہ کی بیعت کرنا چاہتے ہیں اور کہہ رہے ہیں کہ ایک امیر ہم میں سے ہوگا اور ایک قریش میں سے۔ پس ابوبکر و عمر و ایک جماعت مہاجروں کی ان کی طرف چلی۔ لیکن علی اور عباس اور ان کے دونوں پسران فضل و قثم و اسامہ بن زید جناب رسولخدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تجہیز و تکفین میں مشغول تھے۔ پس آپ کو غسل حضرت علی نے دیا اور عباس اور ان کے دونوں لڑکے جسم اطہر کو پلٹتے جاتے تھے اور اسامہ و شقران پانی ڈال رہے تھے۔

(البقية الجزء الثاني من تاريخ ابن خلدون مطبوعہ ذی الحجہ سنہ ۱۲۸۴ ص ۶۳)

خبر السقيفة

لما قبض رسول الله صلى الله عليه وسلم ارتاع الحاضرون لفقده حتى ظن انه لم يمت واجتمعت الانصار في سقيفة بني ساعدة يبايعون سعد

جب جناب رسولخدا نے انتقال فرمایا تو جو لوگ وہاں موجود تھے وہ آپ کی رحلت کی وجہ سے کانپ رہے تھے یہاں تک کہ انہوں نے گمان کیا کہ آپ کا انتقال نہیں ہوا۔ اور انصار سقیفہ بنی ساعدہ میں جمع ہو کر سعد

بن عبادة وهم يرون ان الامر
لهم بما اووا ونصروا وبلغ الخبر
الى ابى بكر وعمر فجاؤا اليهم و
معهم ابو عبيدة ولقيهم عاصم
بن عدى وعويم بن ساعدة
فارادوهم على الرجوع وخفضوا
عليهم الشأن فابوا الا أن
ياتوهم فاتوهم فى مكانهم
ذلك فاعجلوهم عن شأنهم و
غلبوهم عليه حجاجا وموعظة
(وقال ابو بكر) نحن اولياء النبى
وعشيرته واحق الناس
بامره ولا تنازع فى ذلك
وانتم لكم حق السابقة و
النصرة فنحن الامراء وانتم
الوزراء (وقال) الحباب بن
المنذر بن الجموح منا امير
ومنكم امير وان ابوا فاجلوهم
يا معشر الانصار عن البلاد
فبا سيافكم وان الناس
لهذا الدين وان شئتم اعدناها
جذعة انا جذيلها المحكك
وعذيقها المرجب (وقال عمر)

ابن عبادہ کی بیعت کرنے پر تلے ہوئے تھے،
اور ان کا خیال تھا کہ اس نصرت و پناہ کی
وجہ سے جو انہوں نے رسولِ خدا کو دی تھی خلافت و
حکومت ان کا حق تھا۔ یہ خبر حضرت ابوبکر
وعمر کو پہونچی، تو وہ دونوں سقیفہ بنی ساعدہ
میں آئے اور ان کے ساتھ عبیدۃ بن الجراح بھی
تھے راستہ میں عاصم بن عدی وعویم بن ساعدہ سے ملے ان دونوں
نے ان تینوں کو مجلسِ انصار میں جانے سے روکنا چاہا لیکن
انہوں نے انکار کیا، پس وہ سقیفہ بنی ساعدہ پہنچ
گئے، پس انہوں نے تعجیل کی اور اپنی گفتگو اور حجت سے انصار
کو باز رکھا اور ان پر غالب آگئے۔ (ابوبکر نے کہا) ہم لوگ رسول
اللہ کے اولیاء اور ان کی عشیرت سے ہیں لہذا ان کے
بعد حکومت کے ہم مستحق ہیں اور اس میں بظاہر کوئی نزاع
کی بات نہیں معلوم ہوتی البتہ تمکو حق نصرت اور نیز
سابق الاسلام ہونیکا حق حاصل ہے، اسوجہ سے ہم لوگ امیر
ہیں اور تم وزراء (حباب بن المنذر بن الجموح نے کہا)
مناسب یہ ہے کہ ایک امیر ہم میں سے ہو اور ایک
تم میں سے ہو اور اے گروہ انصار اگر یہ لوگ
انکار کریں تو ان کو اپنی تلواروں سے اپنے
شہروں سے نکال باہر کردو۔ دین کی اشاعت
ہمارے ذریعے سے ہوئی ہے اس وجہ سے
ہم لوگ خلافت رسول اللہ کے زیادہ مستحق
ہیں۔ (عمر بن الخطاب نے کہا) تم کو

ان رسول الله صلی الله علیه و سلم اوصانا بکم تعلمون و لو کنتم الامراء لا اوصاکم بنا۔

معلوم ہے کہ جناب رسولخدا نے ہم کو وصیت کی ہے کہ تمہارے ساتھ حسن سلوک روا رکھیں اگر حکومت تمہارا حق ہوتا تو یہ وصیت تم کو ہوگی۔

ثم بلاحاة بین عمر و ابن المنذر وابو عبیدة یخفضهما اتقوا الله یا معشر الانصار انهم من نصروا و فلا تکونوا اول من بدل وغیر فقام بشیر بن سعد بن النعمان بن کعب بن الخزرج فقال الا ان محمداً من قریش وقومه احق واولیٰ ونحن وان کنا اولی فضل فی الجهاد وسابقة فی الدین فما اردنا بذلک الا رضی الله وطاعة نبیه فلا نبتغی من الدنیا عوضا ولا نستطیل به علی الناس۔

اس پر عمر بن الخطاب و حباب بن منذر میں ہاتھا پائی شروع ہوگئی اور ایک دوسرے کو مارنے لگے ابو عبیدہ بن الجراح ان دونوں کو چھڑائے جاتے تھے اور کہتے جاتے تھے کہ اے گروہ انصار خدا سے ڈرو، تم رسولخدا کی نصرت کرنیوالے اور انکو پناہ دینے والے ہو پس ایسا نہ کرو کہ اب اول ہو جاؤ اس دین کو بدلنے اور تغیر کرنے میں۔ بشیر بن سعد بن النعمان بن کعب بن الجراح اٹھے اور بولے بیشک رسول اللہ قریش میں سے تھے اور انکی قوم انکی وخلافت کی زیادہ مستحق ہے اور ہم لوگ اگرچہ انصار دین ہیں اور سابق الاسلام ہیں لیکن اس اسلام سے ہمارا مدعا اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور اسکے پیغمبر کی اطاعت تھی اس کا معاوضہ ہم دنیا میں نہیں چاہتے اور نہ اس میں ہم مہاجرین سے جھگڑا کرنا چاہتے ہیں۔

فقال لحباب بن المنذر نفست والله عن ابن عمک یا بشیر فقال لا والله ولکن کرهت ان انازع قوما حقهم فاشار ابوبکر الی عمر وابی عبیدة فامتنعا

حباب بن المنذر بولے اے بشیر قسم بخدا تو نے ذاتی عناد سابقہ کی وجہ سے اپنے ابن عم سے غداری کی ہے اور خود غرضی سے کام لیا ہے۔ بشیر نے کہا نہیں بلکہ میں نہیں چاہتا کہ ان لوگوں سے ان کا حق باز رکھوں اس پر ابوبکر نے عمر اور ابو عبیدہ کیطرف اشارہ کیا کہ انہیں سے ایک کی بیعت کیجائے لیکن ان دونوں نے

وبايعا ابابكر وسبقهما
اليه بشير بن سعد ثم
تناجى الاوس فيما بينهم
وكان فيهم اسيد بن حضير
احد النقباء وكرهوا امارة
الخزرج عليهم وذهبوا الى بيعة
ابى بكر فبايعوه واقبل
النّاس من كلّ جانب يبايعون
ابابكر وكادوا يطاؤون
سعد بن عبادة فقال
ناس من اصحابه اتقوا
سعدا لا تقتلوه فقال عمر
اقتلوه قتله الله وتماسكا
فقال ابوبكر مهلا يا عمر
الرفق ههنا ابلغ فاعرض
عمر ثم طلب سعد فى البيعة
فابى واشار بشير بن سعد
بتركه وقال انما هو رجل
واحد فاقام سعد لا يجمع
معهم فى الصلاة ولا يفيض
معهم فى الحديث حتى هلك
ابوبكر ونقل الطبرى انّ
سعدا بايع يومئذٍ وفى

انکار کیا، اور ابو بکر کی بیعت کی اور
ان دونوں سے بشیر نے. ابو بکر سے
بیعت کرنے میں سبقت کی تھی، اس کے بعد
قبیلہ اوس نے بیعت کی کیونکہ اپنی پرانی دشمنی
کی وجہ سے وہ خزرج کی حکومت پر
راضی نہ تھے، ان ہی لوگوں میں اسید
بن حضیر بھی تھے، ان کے بعد بیعت
کرنے والے چاروں طرف سے ابوبکر کی
بیعت کے لئے ٹوٹ پڑے. قریب
تھا کہ یہ لوگ سعد بن عبادہ کو کچل
دیں، ان کے ہمراہیوں میں سے
ایک نے کہا کہ دیکھو، سعد کی حفاظت
کرو اس کو قتل نہ کرو، اس پر
حضرت عمر بن الخطاب بولے. ہاں فوراً
سعد کو قتل کرو، خدا اسے مارے.
جانے نہ پائے. ابوبکر نے کہا اے عمر
نرمی سے کام لو، عمر ہٹ گئے اور سعد کو
بیعت کے لئے طلب کیا. لیکن سعد
نے انکار کیا بشیر (جو در اصل اس موقعہ پر خلیفہ
گر تھے) بولے کہ سعد کو چھوڑ دو وہ تنہا
آدمی ہے پھر سعد اُٹھ کر چلے گئے اور اسکے بعد کبھی
وہ ان کے ساتھ نماز میں شریک نہ ہوئے اور نہ ان سے
کلام کیا یہاں تک کہ ابوبکر مر گئے، طبری کہتے ہیں کہ ابوبکر کے تھوڑے
بعد سعد نے بیعت کر لی.

اخبار هوات الحق بالشام فلم	روایت یہ بھی ہے کہ وہ شام کی طرف چلے
ینزل هنالك حتی مات و	گئے، اور وہیں رہے یہاں تک کہ انتقال
ان الجن قتلته وینشد ان	کیا اور وہاں ان کو جنون نے مارا اور
البتین الشهیر بن و هما۔	ان کو قتل کرنے کے بعد جن یہ بیت پڑھا کرتے تھے
نحن قتلنا سید الخز۔	ہم نے خزرج کے سردار
رج سعد بن عبادہ۔	سعد کو قتل کیا
فرمیناہ بسهمنین۔	دو تیروں سے جو اس
فلم نخطی فوادہ ۔	کے دل پر لگے ۔

امام الفقیہ ابو محمد عبد اللہ بن مسلم بن قتیبہ التوفی ۲۷۶ھ ہجری کی کتاب السیاست والامامت سے ہم ذیل کی عبارت نقل کرتے ہیں ۔

ذکر السقیفہ وما جری فیہا من القول	ذکر سقیفہ اور جو گفتگو وہاں ہوئی
وحدثنا قال حدثنا ابن عفیر	راوی مذکور نے بیان کیا کہ اس سے بیان
عن ابی عون عن عبد اللہ بن	کیا ابن عفیر نے اور اس نے سنا ابو عون
عبد الرحمن الانصاری رضی اللہ	سے اور ابو عون نے سنا عبد اللہ بن عبد
عنہ ان النبی علیہ السلام	الرحمن الانصاری رضی اللہ عنہ سے کہ جناب
لما قبض اجتمعت الانصار رضی	رسول خدا نے جب رحلت فرمائی تو
اللہ عنہم الی سعد بن عبادہ	گروہ انصار سعد بن عبادہ کی گرد جمع
فقالوا لہ ان رسول اللہ صلے	ہوئے اور ان کو اطلاع دی کہ جناب رسولخدا
اللہ علیہ وسلم قد قبض	نے رحلت فرمائی ۔ سعد نے اپنے بیٹے
فقال سعد لابنہ قیس	قیس رضی اللہ عنہ سے کہا کہ مجھ میں
رضی اللہ عنہما انی لا استطیع	توسبب مرض کے ان لوگوں سے
ان اسمع الناس کلاما لمرضی	کلام کرنے کی طاقت نہیں ۔ لیکن تو مجھ
ولکن تلق منی قولی فاسمعہم	سے میرا قول سن لے ، اور ان کو

فکان سعد یتکلم و یحفظ ابنہ
رضی اللہ عنہما قولہ فیرفع
صوتہ لکن یسمع قومہ فکان
مما قال رضی اللہ عنہ بعد
ان حمد اللہ تعالیٰ واثنیٰ
علیہ یا معشر الانصار ان
لکم سابقۃ فی الدین و
فضیلۃ فی الاسلام لیست
لقبیلۃ من العرب ان
رسول اللہ صلی اللہ علیہ و
سلم لبث فی قومہ بضع
عشرۃ سنۃ یدعوھم الی
عبادۃ الرحمان وخلع الاوثان
فما آمن بہ من قومہ الا قلیل
واللہ ما کانوا ان یمنعوا رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
ولا یعرفوا دینہ ولا یدفعوا
عن انفسہم حتی اراد اللہ تعالیٰ
لکم الفضیلۃ وساق الیکم
الکرامۃ وخصکم بالنعمۃ و
رزقکم الایمان بہ وبرسولہ
صلی اللہ علیہ وسلم والمنع لہ
ولاصحابہ والاعزاز لدینہ

باواز بلند سنا دے۔ پس سعد بن عبادہ اپنے
بیٹے قیس سے آہستہ سے کہتے جاتے تھے، اور
ان کا بیٹا بلند آواز سے لوگوں کو سنا دیتا
تھا کہ تمام قوم سن لے پس سعد ابن عبادہ
نے بعد حمد و ثنا باری تعالیٰ کہا کہ اے گروہ
انصار تم کو دین میں سبقت حاصل ہے
اور فضیلت ہے اسلام میں جو کہ عرب
کے کسی اور قبیلہ کو نہیں ہے کیونکہ جناب
رسولخدا صلے اللہ علیہ وسلم اپنی قوم
میں بارہ سال تک تبلیغ رسالت کرتے
رہے، اور ان کو خداوند تعالیٰ کی
عبادت کی طرف بلاتے رہے اور
بتوں کی پرستش سے ہٹاتے رہے۔
مگر ان کی قوم میں سے صرف قلیل
لوگ ایمان لائے بقسم خدائے عز و جل
ان میں اتنی قدرت نہ تھی کہ وہ رسولخدا
کی حمایت کرتے اور ان کو عزت کے ساتھ
رکھتے، وہ آنحضرت ص کے دین سے ناواقف
تھے اور دشمنوں کو اپنے سے دور نہیں
رکھ سکتے تھے، یہاں تک کہ خداوند تعالیٰ
نے ارادہ کیا کہ تمہیں فضیلت بخشے اور کرامت
پہنچائے اور اپنی نعمت سے تمکو مخصوص کیا۔
اور تمکو ایمان عطا کیا تمہارا آنحضرت کو اور انکے اصحاب کو عزت

والجهاد لاعدائه فكنتم اشد
الناس على من تخلف عنه
منكم واثقله على عدوكم
من غيركم حتى استقاموا
لامر الله تعالى طوعًا وكرهًا
اعطى البعيد المقادة صاغرًا
واحرا حتى اثخن الله تعالى
لنبيه بكم الارض ودانت
باسيافكم له العرب توفاه
الله تعالى وهو راض عنكم
قرير العين فشدوا ايديكم
بهذا الامر فانكم احق الناس
واولاهم به فاجابوه جميعًا
ان قد وفقت في الراى و
اجبت في القول ولن نعدو بعد
ذلك ما رايت نتوليك هذا
الامر فانت مقنع ولصالح
المومنين رضى قال فاتى
الخبر الى ابى بكر رضى الله
عنه ففزع اشد الفزع وقام
ومعه عمر رضى الله عنهما
فخرجا مسرعين الى سقيفة
بنى ساعدة فلقيا ابا عبيدة

مناقہ رکھنے کی کرامت عطا کی اور تمہیں توفیق
بخشی کہ تم ان کے دین کو قوی کرو اور ان کے
دشمنوں سے جہاد کرو، بس تم اپنے میں سے ان
لوگوں پر کہ جنہوں نے آنحضرت کی مخالفت کی
سخت ترین تھے اور جو غیر لوگ دشمن تھے ان
کے خلاف بھی تم نے آنحضرت کی حمایت کی
یہاں تک کہ امر خدا کو استقامت حاصل ہوئی،
اور خداوند تعالیٰ نے تمہاری مدد سے اپنی نبی
کے لئے ملک کو مسخر کیا، اور اہل عرب
تمہاری تلواروں کی مدد سے مغلوب ہوئی
اور پھر خداوند تعالےٰ نے اپنے نبی کو اپنے پاس
بلا لیا اور بوقت رحلت وہ تم سے راضی تھے
بس اس امر خلافت کے لئے اپنے ہاتھوں کو
مضبوط کرلو، کیونکہ تمام لوگوں میں سے تم
سب سے زیادہ اس امر خلافت کے اہل و مستحق
ہو تمام گروہ انصار نے اس کی اس بات کو قبول
کیا اور کہا کہ تیری رائے بہت صائب ہے
اور اس امر خلافت کی سرداری کے لئے تو
نہایت موزوں ہے اور اس کے لئے ہر
طرح سے قابل ہے یہ خبر حضرت ابوبکر کو پہنچائی
گئی، تو آپ بہت روئے اور جزع و فزع کی اور
اور اٹھ کھڑے ہوئے اور حضرت عمر انکے ساتھ تھے بس وہ
دونوں بہت تیزی کیساتھ سقیفہ بنی ساعدہ کی طرف چلے

بن الجراح رضی اللہ عنہ فانطلقوا
رضی اللہ عنہم جمیعا حتی دخلوا
سقیفۃ بنی ساعدۃ وفیہا رجال
من الاشراف معہم سعد بن
عبادۃ رضی اللہ عنہ فاراد عمر
رضی اللہ عنہ ان یبدأ بالکلام
وقال خشیت ان یقصر ابو بکر
رضی اللہ عنہ عن بعض الکلام
فلما تیسر عمر للکلام تجہز ابو
بکر رضی اللہ عنہ وقال لہ
علی رسلک فستکفی الکلام
فتشہد ابو بکر رضی اللہ عنہ
وانتصب لہ الناس فقال ان
اللہ جل ثناؤہ بعث محمدا صلی
اللہ علیہ وسلم بالہدی ودین
الحق فدعا الی الاسلام فاخذ
اللہ تعالی بنواصینا وقلوبنا
الی ما دعا الیہ فکنا معشر
المہاجرین اول الناس اسلاما
والناس لنا فیہ تبع ونحن
عشیرۃ رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم ونحن مع ذلک
اوسط العرب انسابا لیست

بن الجراح مل گئے۔ پس وہ تینوں مل کر چلے
یہاں تک کہ سقیفہ بنی ساعدہ میں داخل ہوئے
اور وہاں بہت سے لوگ جمع تھے، اور ان
میں سعد بن عبادہ بھی تھے۔ حضرت عمر نے
ارادہ کیا کہ کلام شروع کریں، اور وہ بعد
میں کہا کرتے تھے کہ میں ڈرا کہ کہیں ابو بکر
کلام میں کوتاہی نہ کریں۔ پس جب عمر کلام
کرنے کے لئے آمادہ تھے تو حضرت ابو بکر
تیار ہو گئے اور حضرت عمر سے کہا کہ تم
ذرا چپ رہو۔ پس ابو بکر نے کلمۂ شہادت
ادا کیا، اور لوگ ان کی طرف متوجہ ہوئے
تو آپ نے فرمایا۔ تحقیق کہ خدا عز وجل نے
حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم کو ہدایت اور
دین حق کے ساتھ مبعوث کیا، پس انہوں
نے اسلام کی طرف لوگوں کو بلایا، تو
خداوند تعالےٰ نے ہماری پیشانیوں اور
دلوں کو ان کی طرف مائل کر دیا۔ پس
ہم گروہ مہاجرین سب سے پہلے
اسلام لائے جو اس کے بعد اسلام لائے
انہوں نے ہماری پیروی کی، اور ہم
رسول خدا کے قرابت دار ہیں۔ اور
نسب کے لحاظ سے ہم اوسط العرب
ہیں، عرب کا کوئی قبیلہ نہیں لیکن یہ کہ

قبیلة من قبائل العرب الا
ولقریش فیها ولادة وانتم ایضاً
واللہ الذین آووا ونصروا و
انتم وزراؤنا فی الدین ووزراء
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
وانتم اخواننا فی کتاب اللہ تعالیٰ
وشرکاؤنا فی دین اللہ عزوجل
وفیما کنا فیہ من سراء وضراء
واللہ ما کنا فی خیر قط الا کنتم
معنا فیہ فانتم احب الناس
الینا واکرمہم علینا واحق
الناس بالرضی بقضاء اللہ
تعالیٰ والتسلیم لامر اللہ عز
وجل لما ساق لکم ولاخوانکم
المهاجرین رضی اللہ عنہم واحق
الناس فلا تحسدوهم وانتم
المؤثرون علی انفسہم حین الخصاصة
واللہ ما زلتم تؤثرون اخوانکم
من المهاجرین وانتم احق الناس
ان لا یکون ہذا الامر واختلافہ علی
ایدیکم وابعد ان لا تحسدوا
اخوانکم علی خیر ساقہ اللہ
تعالیٰ الیہم وانما ادعوکم الی ابی

اس میں قریش کے لئے ولادۃ نہ ہو یعنی ہر
ایک قبیلہ میں قریش کا اثر اور ان کے آدمی
موجود ہیں، اور تم بھی قسم خدا کی وہ ہو
جنہوں نے پناہ دی و نصرت کی اور تم دین میں
ہمارے وزیر ہو اور تم رسول خدا صلے اللہ علیہ
وسلم کے وزیر ہو اور تم کتاب خدا کی رو سے ہمارے
بھائی ہو اور دین خدا میں ہمارے شریک ہو
اور ہمارے ساتھ سختی و نرمی میں رہے ہو قسم
خدا کی کوئی چیز نہ تھی کہ جس میں تم ہمارے ساتھ
نہ تھے، تمام لوگوں کی نسبت تم ہمارے بہت
زیادہ محبوب ہو اور سب سے زیادہ مکرم ہو سب سے
زیادہ رضائے خدا میں راضی رہنے والے
اور اس کی حکم کی اطاعت کرنے والے تھے۔
جب کہ خداوند تعالےٰ نے مہاجرین کو تمہارے
پاس بھیجا، پس اب تم مہاجرین پر حسد
نہ کرو اور تم ان کی مدد کرو، اور تم ہمیشہ
اپنے مہاجرین بھائیوں کی مدد کرتے
رہے ہو، اور سب لوگوں سے زیادہ
تم اس بات کے مستحق ہو کہ اس امر میں
تمہاری وجہ سے اختلاف نہ ہو، اور
تم اپنے بھائیوں پر اس خیر و برکت کی
وجہ سے حسد نہ کرو جو خداوند تعالیٰ نے انہیں عطا کی ہے
اور اب میں تم کو بلاتا ہوں، ابو عبیدہ یا

عبیدة او عمر وکلاهما قد رضیت لکم ولهذا
الامر وکلاهما له اهل فقال عمر وابو عبیدة رضی الله
عنهما ما ینبغی لاحد من الناس ان یکون فوقك یا
ابابکر انت صاحب الغار ثانی اثنین وامرك رسول
الله صلی الله علیه وسلم بالصلوٰة
فانت احق الناس بهذا الامر
فقال الانصار والله ما نحسدکم
علی خیر ساقه الله الیکم وانا
لکما وصفت یا ابابکر والحمد
لله ولا احد من خلق الله احب
الینا منکم ولا ارضی عندنا
ولا ایمن ولکننا نشفق مما بعد
الیوم ونحذر ان یغلب علی هذا
الامر من لیس منا ولا منکم فلو
جعلتم الیوم رجلا منا ورجلا منکم
بایعنا ورضینا علی انه اذا
هلك اخترنا آخر من الانصار
فاذا هلك اخترنا آخر من
المهاجرین ابدا ما بقیت هذه
الامة کان ذلك اجدر ان یعدل
فی امة محمد صلی الله علیه وسلم
وان یکون بعضنا یتبع بعضا
فیشفق القرشی ان یزیغ

ابو عبیدہ یا عمر کی اطاعت کی طرف۔ میں نے ان
دونوں کو تمہارے لئے اور اس امر خلافت کیلئے
پسند کیا ہے اور دونوں اس کے لئے موزوں ہیں۔ اُن
دونوں نے کہا کہ اے ابوبکر لوگوں میں سے کسی کے لئے
موزوں نہیں ہے کہ وہ تمہارے اوپر فوقیت رکھے
تم صاحب غار ہو دو میں کے ایک ہو، رسولخدا و خدا تعالےٰ
نے تمہیں نماز پڑھانے کا حکم دیا، سب لوگوں سے
زیادہ تم خلافت کے مستحق ہو۔ انصار نے کہا کہ قسم
خدا کی ہم تم پر کسی نیکی کی وجہ سے حسد نہیں کرتے
جو خداوند تعالیٰ نے تم کو پہنچائی ہو، اور تمام خلق
خدا میں تم سے زیادہ ہمیں کوئی محبوب نہیں ہے۔
اور نہ ہم کسی اور پر تم سے زیادہ خوش ہیں لیکن
ہم ڈرتے ہیں کہ اس کے بعد اس امر خلافت کو
کوئی ایسا شخص نہ حاصل کرے جو نہ ہم میں سے
ہو اور نہ تم میں سے ہو، اور اگر تم آج ایک حاکم ہم میں
سے اور ایک اپنے میں سے لو تو ہم بیعت کرلیں
اور راضی ہو جائیں اس امر پر کہ اگر ایک انصار میں
کا حاکم ہلاک ہو جائے تو دوسرا انصار میں سے
منتخب کر لیا جائے اور اگر مہاجرین میں کا حاکم
ہلاک ہو جائے تو ان میں سے ایک منتخب کر لیا جائے اور
یہ سلسلہ ہمیشہ تک قائم رہے جب تک کہ یہ امت باقی
ہے اور یہ مناسب ہے کہ امت محمدیہ میں اس طرح
عدل کیا جائے برعکس اس کے اگر قریشی کو حکومت مل گئی تو

فینتقض علیہ الانصاری ویشفق
الانصاری ان یترفع فینقض علیہ
القرشی فقام ابوبکر فحمد اللہ و
اثنی علیہ وقال ان اللہ تعالیٰ
بعث محمداً صلی اللہ علیہ وسلم
رسولاً الیٰ خلقہ وشہیداً علی
امتہ لیعبدوا اللہ ویوحدوہ
وھم اذ ذاک یعبدون آلھۃ
شتی یزعمون انہا لہم شافعۃ
وعلیہم بالغۃ نافعۃ وانما
کانت حجارۃ منحوتۃ وخشبا
منجورۃ فاقرؤا ان شئتم
(انکم وما تعبدون من دون
اللہ ویعبدون من دون اللہ
ما لا ینفعہم ولا یضرھم و
یقولون ھؤلاء شفعاؤنا
عند اللہ وقالوا وما نعبدھم
الا لیقربونا الی اللہ زلفی)
فعظم علی العرب ان یترکوا
دین آبائہم فخص اللہ تعالیٰ
المہاجرین الاولین رضی
اللہ عنہم بتصدیقہ والایمان
بہ والمواساۃ والصبر معہ

انصاری اس کی مخالفت کریگا اور اگر انصاری
کو حکومت مل گئی تو وہ ڈریگا کہ قریشی
اس کی مخالفت کریگا، پس حضرت ابوبکر
کھڑے ہوئے اور بعد حمد وثنا باری تعالےٰ
کہا کہ خداوند تعالےٰ نے اپنی مخلوق پر
محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم کو مبعوث
کیا اور ان کی امت پر ان کو گواہ
مقرر کیا تاکہ خداوند تعالیٰ کی عبادت کریں
درآنحالیکہ وہ اس زمانہ میں مختلف خداؤں
کی پرستش کرتے تھے اور گمان کرتے تھے
کہ وہ سب خداوندان ان کی شفاعت
کرینگے اور انہیں نفع پہنچائیں گے حالانکہ
وہ تراشے ہوئے پتھر اور رندہ کی ہوئی
لکڑیاں تھیں پس رجوع کرو تم آیہ انکم وما تعبدون
من دون اللہ آخر آیت کی طرف پس اہل عرب
کو بڑا معلوم ہوا کہ اپنے آباء واجداد
کے دین کو ترک کریں۔ پس خداوند
تعالےٰ نے مہاجرین کو مخصوص کر لیا
کہ ایسے وقت میں اس کے نبی کی تصدیق
کریں، اس پر ایمان لائیں، اور جو
ایذائیں ان کی قوم پہنچائے ان پر صبر
کریں تمام قوم ان کی تکذیب وتحقیر
کرتی تھی اور تمام لوگ ان کے مخالف

على الشدة من قومهم واذلائهم
وتكذيبهم اياهم كل الناس
مخالف عليهم زار لهم فلم
يستوحشوا قلة عددهم و
ازراء الناس لهم واجتماع
قومهم عليهم فهم اول من
عبد الله في الارض واول
من آمن بالله تعالى ورسوله
صلى الله عليه وسلم وهم
اولياءه وعشيرته واحق
الناس بالامر من بعده لا
ينازعهم فيه الا ظالم وانتم
يا معشر الانصار من لا ينكر
فضلهم ولا النعمة العظيمة لهم
في الاسلام رضيتكم الله تعالى
انصارا لدينه ولرسوله و
جعل اليكم مهاجرته فليس
بعد المهاجرين الاولين
احد عندنا بمنزلتكم فنحن
الامراء وانتم الوزراء لا نفتات
دونكم بمشورة ولا نقضي
دونكم الامور فقام الحباب بن
المنذر بن زيد بن حرام رضي

ہو گئے تھے۔ لیکن وہ باوجود اپنی قلت
تعداد کے اور قوم کے غلبہ کے نہ گھبرائے
پس پہلے وہ لوگ ہیں جنہوں نے زمین
پر خدا کی عبادت کی اور پہلے جو خدا
و رسول کے ساتھ ایمان لائے، اور
وہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم
کے اولیاء و قرابت دار ہیں، اور اس
امر خلافت کے سب سے زیادہ مستحق
ہیں، ان کے ساتھ کوئی تنازعہ نہیں
کرے گا۔ لیکن وہ کہ جو ظالم ہو گا ۔
اور تم اے معاشر انصار وہ ہو جن کی فضیلت
کا انکار نہیں ہو سکتا اور نہ اس
نعمت کا جو تمہیں اسلام میں حاصل
ہے، خداوند تعالیٰ نے تمہیں اپنے
دین و اپنے رسول کا انصار بنایا ہے
اور تمہاری طرف اپنے رسول کی ہجرت
قرار دی ہے۔ پس مہاجرین اولین کے بعد
منزلت میں ہمارے نزدیک تم سے
زیادہ اور کوئی نہیں ہے۔ پس ہم امیر
ہیں اور تم وزیر ہو۔ ہم جو کام کریں گے اور جو
امور طے کریں گے وہ تمہاری صلاح و مشورہ
سے ہوا کرے گا اس کے بعد حباب بن
منذر زید بن حرام انصاری رضی اللہ

الله عنه فقال يا معشر الانصار
املكوا على ايديكم فانما الناس
في فيئكم وظلالكم ولن
يجير على خلافكم ولن يصدر
الناس الا عن رايكم انتم
اهل العز والثروة واولو
العدد والنجدة وانما ينظر
الناس ما تصنعون فلا
تختلفوا فيفسد عليكم
رايكم وتقطعوا اموركم
انتم اهل الايواء واليكم
كانت الهجرة ولكم في
السابقين الاولين مثل
ما لهم وانتم اصحاب الدار
والايمان من قبلهم والله
ما عبد والله علانية الا
في بلادكم ولا جمعت الصلوة
الا في مساجدكم ولا دانت
العرب للاسلام الا باسيافكم
فانتم اعظم الناس نصيبا
في هذا الامر وان ابى القوم
فمنا امير ومنهم امير فقام
عمر رضى الله عنه فقال

عنہ کھڑے ہوئے اور کہا اے گروہ انصار
اپنے ہاتھوں پر قابو رکھو یہ لوگ
تمہاری حمایت میں اور تمہارے سایہ
کے نیچے ہیں اور ان میں طاقت
نہیں ہے کہ تمہاری مخالفت کریں
تم لوگ اہل عزت و ثروت ہو۔
تمہاری تعداد زیادہ ہے، تم صاحب
بزرگی ہو، اور لوگوں کی نظریں
تم پر لگی ہوئی ہیں کہ تم کیا کرتے ہو۔
پس تم آپس میں مخالفت نہ کرو تاکہ
تمہارے مشورہ میں فساد نہ پڑے اور
تمہارے امور ناکامیاب نہ ہو جائیں
تم پناہ دینے والے ہو اور تمہاری طرف
رسول خدا کی ہجرت ہوئی، اور تم
ہی سابقین میں سے ہو، جیسا کہ
مہاجرین ہیں اور تم ان سے پہلے
صاحب خانہ و صاحب ایمان ہو قسم
خدا کی انہوں نے خدا کی عبادت علانیہ نہیں
کی لیکن تمہارے شہر میں اور نماز جامع کہیں
نہیں ہوئی لیکن تمہاری مسجدوں میں، عرب اسلام کیلئے
مغلوب نہیں ہوئے مگر تمہاری تلواروں سے پس تمہارا حصہ اس امر
خلافت میں سب سے زیادہ ہے اور اگر یہ لوگ انکار کریں تو ایک امیر
ہم میں سے ہو اور ایک ان لوگوں میں سے ہو جب حضرت عمر کھڑے ہوئے اور کہا

هیهات لا یجتمعان سیفان	افسوس ہے۔ دو تلواریں ایک نیام میں
فی غمد واحد انه والله لا	جمع نہیں ہو سکتیں۔ اور عرب اس کو
ترضی العرب ان تومرکم	گوارا نہ کرینگے کہ تم ان پر حکومت کرو
ونبیها من غیرکم ولکن	درآنحالیکہ ان کا نبی تم میں سے نہیں
العرب لا ینبغی ان تولی	تھا۔ قطعاً یہ ضروری ہے کہ اس امر
هذا الامر الا من کانت	خلافت کے وہ لوگ والی و حاکم ہوں جن
النبوة فیهم وا ولی الامر	میں نبوت رہی ہے ہم میں سے نبی کا
منهم لنا بذلك علی من	ہونا ہمارے مخالفین کے اوپر حجت ظاہرہ
خالفنا من العرب الحجة	اور دلیل باہرہ ہے ہم سے محمدؐ کی حکومت
الظاهر والسلطان المبین	و میراث کے لئے کون تنازعہ کر سکتا
من ینازعها سلطان محمد	ہے درآنحالیکہ ہم آنحضرت کے اولیا
ومیراثه ونحن اولیاؤه	و قرابت دار ہیں۔ جو ہم سے اس امر
وعشیرته الا مدل بباطل	میں تنازعہ کریگا وہ ظالم و گنہگار ہوگا
او متجانف لاثم او متورط	اور ورطۂ ہلاکت میں پڑیگا۔ اب
فی هلکة فقام الحباب بن	حباب ابن منذر رضی اللہ عنہ کھڑے
المنذر رضی الله عنه فقال	ہوئے اور کہا اے معشر انصار۔ اپنے
یا معشر الانصار املکوا علی	ہاتھوں پر قابو رکھو۔ اور اس شخص اور
ایدیکم ولا تسمعوا مقالة	اس کے ساتھیوں کی باتوں کو نہ سنو ورنہ
هذا واصحابه فیذهبوا	اس امر خلافت میں سے تمہارا حصہ
بنصیبکم من هذا الامر	جاتا رہیگا۔ اگر یہ اس سے انکار کریں
فان ابوا علیکم ما سألتم	جو تم چاہتے ہو تو تم ان کو شہر بدر
فاجلوهم عن بلادکم	کر کے نکال باہر کرو۔ اور پھر اپنے
وولوا علیکم وعلیهم من	اوپر اور ان لوگوں پر اس شخص کو

من اردتم فانتم واللہ اولی
بھذا الامر منہم فانہ
بان لہذا الامر من لم یکن
یدین لہ باسیافنا۔ اما
واللہ ان شئتم لنعیدنہا
جذعۃ واللہ لا یرد علی
احد ما اقول الا حطمت
انفہ بالسیف قال عمر بن
الخطاب فلما کان الحباب
ھو الذی یجیبنی لم یکن
لی معہ کلام لانہ کان
بینی وبینہ منازعۃ فی
حیات رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم فنہانی عنہ
فحلفت ان لا اکلمہ کلمۃ
تسوءہ ابدا ثم قام ابو
عبیدۃ فقال یا معشر الانصار
انتم اول من نصر وآوی
فلا تکونوا اول من
یبدل ویغیر۔

حاکم بنا دو جس کو تم چاہتے ہو کیونکہ
قسم بخدا تم اس امر کے مستحق ہو۔
کیونکہ اس امر کو تم نے اپنے تلواروں
سے حاصل کیا ہے۔ قسم بخدا اگر تم چاہو
تو ہم پھر اس کو پہلے کی طرح کر دیں
میرے قول کی کوئی مخالفت نہیں
کر سکتا۔ جو کرے گا اس کو تلوار
سے جواب دوں گا۔ اس پر
عمر بن الخطاب نے کہا کہ یہ حباب
ابن المنذر رہے۔ جو میری بات
کا جواب دے رہا ہے۔ میرے لئے
یہ ممکن نہیں کہ میں اس کی مخالفت
کروں، کیونکہ ایک دفعہ زمانۂ
حیات رسول میں میرے اور اس
کے درمیان تنازعہ ہو گیا تھا تو رسولخدا نے
مجھے منع کر دیا، اور میں نے قسم کھائی ہے
کہ اب میں کبھی ایسی بات نہ کہوں گا۔
جو اس کو بری لگے پھر ابوعبیدہ کھڑے ہوئے
اور کہا کہ اے گروہ انصار تم وہ ہو جنہوں نے سب سے
پہلے نصرت کی اور پناہ دی پس تم اس کو سب سے
پہلے متغیر و تبدیل کرنیوالے نہ بنو۔

مخالفۃ قیس (البشیر) بن سعد

قال وان قیسا لما رائ ما

مخالفت قیس (البشیر) بن سعد

راوی کہتا ہے کہ جب قیس (البشیر) نے

Arabic	اردو
اتفق عليه قومهم تأمير سعد	دیکھا کہ تمام قوم سعد ابن عبادہ کو امیر بنانے پر
بن عبادة قام حسد السعد و	متفق ہے تو وہ سعد ابن عبادہ کی مخالفت پر
وكان قيس (بشير) من سادات	حسد کی وجہ سے آمادہ ہوا اور قیس (بشیر) سرداران
الخزرج فقال يا معشر الانصار	خزرج میں سے تھا، اس نے کہا کہ اے گروہ انصار
اما والله لئن كنا اولى الفضيلة	چونکہ جہاد میں ہم صاحب فضیلت ہیں اور دین
في جهاد المشركين والسابقة	میں سبقت رکھنے والے ہیں، لہذا ہم کو چاہئے
في الدين ما اردنا ان شاء الله	کہ سوائے رضائے ربی و طاعت نبی کے
غير رضا ربنا وطاعة نبينا	اور کچھ خود غرضی سے کام نہ لیں۔ یہ ہمارے
والكدح لانفسنا وما ينبغي	لئے مناسب نہیں ہے کہ ہم لوگوں کے اوپر
ان نستطيل بذلك على	اس معاملہ کو طول دیں اور نہ ہمارے
الناس ولا نبتغي به غرضا	لئے مناسب ہے کہ ہم دنیاوی غرض اس
من الدنيا فان الله تعالى	امر میں ظاہر کریں کیونکہ خداوند تعالیٰ نے
ولي النعمة والمنة علينا	یہ نعمت و احسان ہمارے اوپر کیا ہے۔ یہ
بذلك ثم ان محمدا رسول	ظاہر ہے کہ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ
الله صلى الله عليه وسلم	وسلم قریش میں سے تھے۔ لہذا ان کی قوم
رجل من قريش وقومه احق	ان کی میراث پانے کی مستحق اور ان کے
بميراثه وتولى سلطانه	بجائے حکومت کرنے کی زیادہ سزاوار
وايم الله لا يراني انازعهم هذا	ہے۔ مجھے یہ مناسب نہیں معلوم ہوتا کہ اس امر میں ان کے
الامر ابدا فاتقوا الله ولا	ساتھ تنازعہ کروں خدا سے ڈرو ان کی مخالفت
تخالفوهم ولا تخادعوهم	نہ کرو اور نہ ان کو دھوکا دو۔
بيعة ابي بكر الصديق رضي الله عنه	**بیعت ابوبکر رضی اللہ عنہ**
قال ثم ان ابابكر قام على	راوی کہتا ہے کہ پھر ابوبکر کھڑے ہوئے
الانصار فحمد الله تعالى واثنى	اور بعد حمد و ثنائے الٰہی کے انصار کو مخاطب

عليه ثمّ دعاهم الى الجماعة
ونهاهم عن الفرقة وقالَ
انى ناصح لكم فى احد هذين
الرجلين ابى عبيدة بن الجراح
او عمر فبايعوا من شئتم
منهما فقال عمر معاذ الله انْ
يكون ذلك وانت بين اظهرنا
انت احقنا بهذا الامر واقدمنا
صحبة لرسول الله صلى الله
عليه وسلم وافضل منا فى
المال وانت افضل المهاجرين
وثانى اثنين وخليفته على
الصّلاة والصّلاة افضل
دين الاسلام فمن ذا ينبغى
ان يتقدمك ويتولى هذا
الامر عليك ابسط يدك
ابايعك فلما ذهبا يبايعانه
سبقهما اليه قيس (بشير)
الانصارى فبايعه فناداه
الحباب بن المنذر يا قيس
(بشير) بن سعد عاقك
عاق ما اضطرك الى ما
صنعت حسدت ابن عمك

کی طرف بلایا، اور فرقہ بندی سے روکا۔
اور کہا کہ میری یہ نصیحت ہے کہ تم ان
دونوں میں سے ایک سے بیعت کر لو۔
ابو عبیدۃ الجراح یا عمر۔ عمر نے کہا معاذ اللہ
یہ کیسے ہو سکتا ہے در آں حالیکہ آپ
ہمارے درمیان موجود ہیں، آپ اس
امر کے ہم سے زیادہ مستحق ہیں اور ہم
سب سے پہلے آپ کو صحبتِ رسول حاصل
ہوئی اور مال میں ہم سب سے
زیادہ ہو، مہاجرین میں سے بہتر
ہو، دو میں کے ایک ہو۔ آپ نے
نماز پڑھائی، اور نماز دین اسلام کا
افضل جزو ہے، کسی کے لئے جائز نہیں
کہ تم سے آگے بڑھے، اور خلافت
حاصل کرے، لائیے اپنا ہاتھ تو بڑھائیے
میں بیعت کرتا ہوں، عمر و ابو عبیدہؓ
بیعت کرنے کے لئے بڑھے۔ ان دونو
سے پہلے قیس (بشیر) انصاری نے
جھپٹ کر بیعت کر لی۔ حباب ابن
المنذر نے اس کو ندا دی کہ اے قیس (بشیر)
چھوڑنے والے نے تجھے چھوڑ دیا یعنی تو قبیلہ سے
عاق کر دیا گیا کس نے تجھ کو اس امر پر مجبور
کیا کہ تو وہ کرے جو تو نے کیا تو نے اپنے ابن عم

على الامارة قال لا والله و
لكني كرهت ان انازع قوما
حقالهم فلما رات الاوس
ما صنع قيس (بشاير) بن
سعد وهو من سادات الخزرج
وما دعوا اليه المهاجرين من
قريش وما تطلب الخزرج من
تامير سعد بن عبادة قال
بعضهم لبعض وفيهم اسيد
بن حضير رضي الله عنه
لئن وليتموها سعدا عليكم
مرة واحدة لا زالت لهم بذلك
عليكم الفضيلة ولا جعلوا
لكم نصيبا فيها ابدا فقوموا
اليه فبايعوه فقام الحباب
بن المنذر الى سيفه فاخذه
فبادروا اليه فاخذوا سيفه
منه فجعل يضرب بثوبه
وجوههم حتى فرغوا من البيعة
فقال فعلتموها يا معشر
الانصار اما والله لكاني
بابنائكم على ابواب ابنائهم
قد وقفوا يسالونهم باكفهم

سعد ابن عبادہ پر حسد کیا اس نے جواب
دیا نہیں قسم بخدا میں نے اس امر سے
کراہت کی کہ اس قوم کے ساتھ تنازع
کروں جو اس امر کے مستحق ہیں جب قبیلۂ اوس
کے لوگوں نے دیکھا کہ قیس (بشیر) بن سعد
نے جو بنو خزرج کے سرداروں میں سے تھا
بیعت کر لی اور یہ دیکھا کہ مہاجرین کیا چاہتے
ہیں اور یہ دیکھا کہ خزرج سعد ابن عبادہ
کو امیر بنانا چاہتے ہیں تو ان میں سے
چند لوگ آپس میں کہنے لگے (اور اسید بن حضیر
ان میں سے ایک تھا) کہ اگر تم ایک دفعہ سعد کو
اپنا امیر بنالو گے تو پھر ہمیشہ خزرج کو یہ فضیلت
تم پر رہے گی اور تم کو اس میں سے کبھی
حصہ نہیں ملے گا، لہذا چلو کھڑے ہو،
اور ابوبکر سے بیعت کر لو۔ بس اس پر حباب
ابن المنذر کھڑا ہوا اور اپنی تلوار کو
پکڑ لیا، لوگ اس کی طرف دوڑے۔
اور اس کی تلوار چھین لی، وہ اپنی چادر
لوگوں کے منہ پر مارتا تھا یہاں تک کہ
لوگ بیعت سے فارغ ہوئے، تو پھر
حباب ابن المنذر نے کہا کہ اے گروہِ انصار گویا میں
دیکھتا ہوں کہ تمہاری اولاد مہاجرین کی اولاد کے
دروازوں پر کھڑی ہوئی بھیک مانگ رہی ہے اور

ولا یسقون الماء قال ابو بکر
امنا تخاف یا حباب قال لیس
منک اخاف ولکن ممن یجئی
بعدک قال ابو بکر فاذا کان
ذلک کذلک فالامر الیک
والی اصحابک لیس لنا
علیکم طاعة قال لحباب
هیهات یا ابا بکر اذا ذهبت
انا وانت جاء نا بعدک من
یسومنا الضیم۔

وہ پانی بھی نہیں دیتے۔ حضرت ابو بکر نے
کہا کہ اے حباب کیا یہ ڈر تم کو ہم سے ہے
حباب نے کہا تم سے یہ ڈر نہیں ہے۔
بلکہ ان سے ہے جو تمہارے بعد آئیں گے
ابو بکر نے جواب دیا کہ اگر ایسا ہوگا تو پھر
تم اور تمہارے اصحاب کو اختیار ہوگا۔ جو
چاہے کرو، ہماری اطاعت تمہارے اوپر نہیں ہوگی حباب
نے کہا کہ افسوس ہے کہ ای ابو بکر جب میں اور تم
مرجائیں گے تو پھر وہ لوگ آئینگے جو ہمارے اوپر
بلاؤں کو اپنے ساتھ لائینگے۔

تخلف سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ عن البیعة

سعد بن عبادہ کا بیعت ابوبکر سے تخلف کرنا

فقال سعد بن عبادة اما واللہ
لو ان لی ما اقدر به علی النهوض
لسمعتم منی فی اقطارها زئیرا
یخرجک انت واصحابک و
لالحقتک بقوم کنت فیهم
تابعا غیر متبوع خاملا
غیر عزیز فبایعه الناس
جمیعا حتی کادوا یطاؤن
سعد افقال سعد قتلتمونی
فقیل اقتلوه قتله اللہ فقال
سعد احملونی من هذا المکان

سعد ابن عبادہ نے کہا کہ ای ابو بکر قسم بخدا اگر مجھ میں
چلنے کی طاقت ہوتی تو تو اطرافِ عالم میں میری
ایسی آواز سنتا جو تجھ کو اور تیرے اصحاب کو یہاں
سے نکال دیتی اور تو اپنے ان ہی لوگوں میں
جا ملتا جو ہمیشہ خادم اور مطیع رہے نہ کہ مخدوم
و مطاع جو ہمیشہ گمنام رہے ہیں نہ کہ صاحبِ
عزت لیکن حضرت ابو بکر سے سب لوگوں نے بیعت
کر لی یہاں تک قریب تھا کہ سعد بن عبادہ پیروں
میں کچلا جاتا۔ سعد نے کہا کہ تم نے تو مجھ کو مار ڈالا
کہا گیا کہ اس کو قتل کر دو۔ سعد کو خدا قتل کرے۔
اس پر سعد نے کہا کہ مجھ اس جگہ سے اٹھا کر لے چلو۔

فحملوه فادخلوه داره و تركوه
اياما ثم بعث اليه ابو بكر
رضي الله عنه ان اقبل فبايع
فقد بايع الناس و بايع قومك
اما والله حتى ارميكم بكل
سهم في كنانتي من نبل و
اخضب منكم سناني و رمحي
واضربكم بسيفي ما ملكته
يدي واقاتلكم بمن معي من
اهلي وعشيرتي ولا والله
لو ان الجن اجتمعت لكم
مع الانس ما بايعتكم حتى
اعرض على ربي واعلم حسابي
فلما اتي بذلك ابو بكر من قوله
قال عمر لا تدعه حتى يبايعك
فقال لهم قيس (بشير) ابن سعد
انه قد ابى ولج وليس يبايعك
حتى يقتل وليس بمقتول
حتى يقتل معه ولده واهل
بيته وعشيرته ولن
تقتلوهم حتى تقتل الخزرج
ولن تقتل الخزرج حتى تقتل
الاوس فلا تفسدوا على

چنانچہ اس کو اس کے اپنے گھر لے گئے۔ پھر ابوبکر
نے اس کے پاس کہلا بھیجا کہ اب آن کر تم بھی
بیعت کر لو، تمہاری قوم نے بیعت کر لی ہے اس
نے جواب میں کہلا بھجوایا کہ میں تم کو اپنے
ترکش کے تمام تیروں سے ماروں گا اور
اپنی سنان کو تمہارے خون سے رنگین کروں گا
اور اپنے خاندان و قبیلے کے لوگوں کے
ساتھ مل کر تم سے جنگ کروں گا، اور
قسم بخدا اگر تمام لوگوں کے ساتھ جن بھی
مل جائیں تو میں تم سے بیعت نہ کروں گا
یہاں تک کہ میں اپنے خدا سے ملاقات
کروں اور اپنا حساب دوں۔ جب
یہ پیغام ابوبکر کو ملا تو عمر نے کہا کہ اس
کو نہ چھوڑو جب تک یہ تم سے بیعت
نہ کرلے۔ اس پر قیس (بشیر) ابن سعد
نے حضرت ابوبکر سے کہا کہ اب اس
نے تم سے انکار کر دیا ہے، اور اب
وہ ہرگز تمہاری بیعت نہیں کرے گا۔
یہاں تک کہ قتل ہو جائے اور وہ نہیں
قتل ہوگا، جب تک اس کے ساتھ
اس کی اولاد و اہل بیت و اقربا بتدار
قتل نہ ہو جائیں، اور تم ان لوگوں
کو قتل نہ کر سکو گے جب تک قبیلہ خزرج کو قتل نہ

انفسكم امراتد استقام
لكم فاتركوه فليس تركه
بضاركم وانما هو رجل واحد
فتركوه وقبلوا مشورة
بشير بن سعد واستنصحوه
لما بدا لهم منه فكان سعد
لا يصلي بصلاتهم ولا يجمع
بجمعتهم ولا يفيض بافاضتهم
ولو يجد عليهم اعوانا لصال
بهم ولو يبايعه احد على قتالهم
لقاتلهم فلم يزل كذلك حتى
توفي ابو بكر رحمه الله تعالى
وولي عمر ابن الخطاب فخرج الى
الشام فمات بها ولم يبايع
لاحد رحمه الله وان بني
هاشم اجتمعت عند بيعة
الانصار الى علي بن ابي طالبؑ
ومعهم الزبير بن العوام
رضي الله عنه وكانت امه
صفية بنت عبد المطلب و
انما كان يعد نفسه من
بني هاشم وكان علي كرم الله
وجهه يقول مازال الزبير منا

کردو، اور خزرج قتل نہ ہوں گے جب تک
تمام قبیلہ اوس کے لوگ قتل نہ ہو جائیں
پس تم اس امر میں فساد نہ پیدا کرو جو تمہارے
لئے درست ہو گیا ہے اس کو تم چھوڑ دو اس
کو چھوڑنا تم کو نقصان نہیں پہنچائیگا، وہ
صرف ایک اکیلا آدمی ہے، پس انہوں نے اُس
کو چھوڑ دیا اور بشیر بن سعد کا مشورہ قبول کر لیا
اور وہ بشیر ابن سعد سے اُسبات میں صلاح
لیتے تھے جو سعد کے متعلق ہوتی تھی، سعد ابن
عبادہ نے کبھی ان کے ساتھ نماز نہیں پڑھی
اور نہ ان کے مجمع میں شامل ہوا اور اگر اُسے
ناصر و مددگار مل جاتے تو وہ ضرور ان لوگوں سے
جنگ کرتا اور اگر ایک آدمی بھی اس کی بیعت
ان لوگوں سے جنگ کرنے پر کر لیتا، تو وہ
ضرور جنگ کرتا یہ حالت اسی طرح رہی جب
تک کہ ابوبکر نے انتقال کیا اور حضرت عمر نے
حکومت سنبھالی، اسوقت سعد ابن عبادہ
شام کی طرف چلے گئے، اور وہ وہیں
مر گئے اور کسی سے اونہوں نے بیعت نہیں کی اور بہ
تحقیق کہ بنو ہاشم حضرت علی کے پاس جمع ہو گئے اور
ان میں زبیر بن العوام بھی تھے انکی والدہ صفیہ
بنت عبدالمطلب تھیں سو جہ سے وہ اپنے تئیں بنو ہاشم میں شمار
کیا کرتے تھے اور حضرت علی کہا کرتے تھے کہ زبیر ہمیشہ ہم

حتی نشا بنوہ فصرفوہ عنا و
اجتمعت بنو امیۃ الی عثمان
واجتمعت بنو زهرة الی سعد
وعبد الرحمن بن عوف فکانوا
فی المسجد الشریف مجتمعین
فلما اقبل علیهم ابوبکر و
ابو عبیدة وقد بایع الناس
ابابکر قال لهم عمر مالی اراکم
مجتمعین حلقا شتی قوموا
فبایعوا ابابکر فقد بایعته
وبایعه الانصار فقام عثمان
بن عفان ومن معه من بنی
امیة فبایعوه وقام سعد
وعبد الرحمن بن عوف ومن
معهما من بنی زهرة فبایعوا
واما علی والعباس بن عبد
المطلب ومن معهما من بنی
هاشم فانصرفوا الی رحالهم
ومعهم الزبیر بن العوام فذهب
الیهم عمر فی عصابة فیهم اسید
بن حضیر وسلمة بن اشیم
فقالوا انطلقوا فبایعوا ابا
بکر فابوا فخرج الزبیر بن

پس تھے یہاں تک کہ ان کے لڑکے جوان ہوئے
اور جب وہ جوان ہوگئے تو انہوں نے زبیر کو ہم
سے منحرف کرادیا، بنو امیہ عثمان کی طرف جمع ہوئے
اور بنو زہرہ سعد و عبدالرحمن بن عوف کی طرف
جمع ہوئے، اور یہ سب لوگ مسجد میں جمع ہوئے
جب ابوبکر اور ابو عبیدہ بن الجراح
ان کے پاس آئے جب کہ ابوبکر کی بیعت
ہو چکی تھی تو عمر نے ان سے کہا کہ میں تم کو
یہاں کیوں جمع دیکھتا ہوں، اٹھو اور
ابوبکر کی بیعت کرو میں نے اور انصار
نے اس کی بیعت کرلی ہے اس پر عثمان بن عفان
اور تمام بنو امیہ نے حضرت ابوبکر کی بیعت
کرلی، اور پھر سعد و عبدالرحمن اور ان کے
ساتھی اٹھے اور انہوں نے بھی بیعت
کرلی لیکن حضرت علی و حضرت عباس اور جو
بنو ہاشم ان کے ساتھ تھے وہ بغیر بیعت
کئے اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے اور ان
کے ساتھ زبیر بن العوام بھی چلے گئے۔
پس ان کی طرف حضرت عمر معہ ایک
جماعت کے جن میں اسید بن حضیر و سلمہ بن
اشیم تھے گئے، اور کہا کہ چلو ابوبکر
کی بیعت کرو انہوں نے انکار کیا۔
زبیر بن العوام تلوار لے کر نکلے۔

العوام رضی اللہ عنہ بالسیف فقال عمر رضی اللہ عنہ علیکم بالرجل فخذوہ فوثب علیہ سلمہ بن اشیم فاخذ السیف من یدہ فضرب بہ الجدار وانطلقوا بہ فبایع وذھب بنو ھاشم ایضا فبایعوا۔

حضرت عمر گھبرا کر لوگوں سے کہنے لگے کہ اس آدمی کو پکڑ لو پس ان لوگوں نے اس کو پکڑ لیا سلمہ بن اشیم نے اوچھل کر تلوار چھین لی۔ اور زبیر کو دیوار سے دے مارا، اور اس کو پکڑ کر لے گئے اس حالت میں اس نے بیعت کر لی اور اسی طرح بنو ہاشم نے بھی بیعت کر لی۔

اباء علی کرم اللہ وجہہ بیعۃ ابی بکر رضی اللہ عنہ

حضرت علی کا بیعت ابوبکر سے انکار کرنا

ثم ان علیا کرم اللہ وجہہ اتی بہ الی ابی بکر وھو یقول انا عبد اللہ واخو رسول اللہ فقیل لہ بایع ابا بکر فقال انا احق بھذا الامر منکم لا ابایعکم وانتم اولی بالبیعۃ لی اخذتم ھذا الامر من الانصار و احتججتم علیہم بالقرابۃ من النبی صلی اللہ علیہ وسلم وتاخذونہ منا اھل البیت غصبا الستم زعمتم للانصار انکم اولی بھذا الامر منہم لما کان محمد منکم فاعطوکم المقادۃ وسلموا الیکم الامارۃ

پھر حضرت علی کو پکڑ کر حضرت ابوبکر کے پاس لائے حضرت علی کہتے جاتے تھے کہ میں خدا کا مطیع بندہ اور رسول کا بھائی ہوں ان سے کہا گیا کہ ابوبکر کی بیعت کرو، انہوں نے جواب دیا کہ بیعت کا میں تم سے زیادہ مستحق ہوں میں تم سے ہرگز بیعت نہ کرونگا، تم کو چاہیئے کہ مجھ سے بیعت کر لو، تم نے انصار سے یہ امر خلافت اس دلیل کے ساتھ لیا ہے کہ تمکو رسول خدا سے قرابت ہے۔ جو ان کو حاصل نہیں تھی اور اب ہم اہل بیت سے یہ امر خلافت تم غصب کر کے لیتے ہو، کیا تم نے انصار سے یہ حجت نہیں کی کہ تم اس امر خلافت کے ان کی نسبت زیادہ مستحق ہو کیونکہ محمد تم میں سے تھے اس دلیل کو مان کر انہوں نے یہ امر تمہارے سپرد کر دیا اور حکومت تم کو دیدی اب میں

فاذا احتج علیکم بمثل ما احتججتم
علی الانصار نحن اولی برسول
الله حیا ومیتا فانصفونا ان
کنتم تؤمنون والا فبوؤا
بالظلم وانتم تعلمون فقال
له عمر انک لست متروکا
حتی تبایع فقال له علی احلب
حلبا لک شطره وشده له
الیوم یردده علیک غدا
ثم قال والله یا عمر لا اقبل
قولک ولا ابایعه فقال له
ابوبکر فان لم تبایع فلا
اکرهک فقال ابوعبیدة
بن الجراح رضی الله عنه
یا ابن عم انک حدیث السن
وهؤلاء مشیخة قومک
لیس لک مثل تجربتهم و
معرفتهم بالامور ولا اری
ابابکر الا اقوی علی هذا
الامر منک واشد احتمالا و
استطلاعا فسلم لابی بکر
هذا الامر فان تعش و
یطل بک بقاء فانت بهذا

تم پر وہی حجت قائم کرتا ہوں جو تم نے
انصار پر حجت قائم کی تھی ہم رسول خدا
کے ان کی حیات و ممات میں ولی و
وارث ہیں پس اگر تم محمد و اسلام پر
ایمان لائے ہو تو ہمارے ساتھ انصاف
کرو، ورنہ تم یہ ظلم جان بوجھ کر کررہے
ہو عمر نے کہا کہ ہم تم کو نہیں چھوڑیں گے
جب تک تم بیعت نہ کرلوگے۔ حضرت
علی نے جواب دیا کہ وہ نفع تو حاصل
کرلے جس میں تیرا ہی حصہ ہے۔ اب
ابوبکر کے لئے تو شدت کرتا ہے تاکہ کل وہ
اس کو تیری طرف واپس کردے پھر آپ نے
فرمایا اے عمر قسم بخدا میں تیرا قول قبول نہ
کروں گا اور ابوبکر کی بیعت نہیں کروں
گا، ابوبکر نے کہا کہ اگر تم میری بیعت نہیں
کرتے تو میں تم کو مجبور نہیں کرتا۔ ابو
عبیدہ بن الجراح نے حضرت علی سے مخاطب ہوکر
کہا کہ اے ابن عم تم عمر میں چھوٹے ہو اور یہ
لوگ تم سے عمر میں بڑے ہیں، تمہارا تجربہ ان
امور کا انکے برابر نہیں ہے اور امور سیاسیہ کی
واقفیت جو انکو ہے وہ تمکو نہیں ہے اور میں ابوبکر کو
اس امر کیلئے تم سے قوی تر پاتا ہوں لہذا تم کو چاہئے
کہ تم انکی بیعت کرلو اور اگر تمہاری زندگی باقی رہی تو پھر

الامر خليق وحقيق في فضلك
ودينك وعلمك وفهمك وسابقتك
ونسبك وصهرك فقال علي
كرم الله وجهه الله الله يا
معشر المهاجرين لا تخرجوا
سلطان محمد في العرب من
داره وقعر بيته الى دوركم
وقعور بيوتكم وتدفعون
اهله عن مقامه في الناس
وحقه فوالله يا معشر المهاجرين
لنحن احق الناس به لانا اهل
البيت ونحن احق بهذا الامر
منكم ما كان فينا القاري
لكتاب الله الفقيه في
دين الله العالم بسنن رسول
الله المتطلع لامر الرعية
الدافع عنهم الامور السيئة
القاسم بينهم بالسوية والله
انه لفينا فلا تتبعوا الهوى
فتضلوا عن سبيل الله
فتزدادوا من الحق بعدا
قال بشير بن سعد الانصاري
لو كان هذا الكلام سمعته

کیونکہ تم اِس امر پر خلافت کے لئے موزوں
ہو اور یہ تمہارا حق ہے بسبب تمہاری فضل
وقوت دینی وتمہارے علم وفہم کے اور
بسبب سبقت اسلامی اور دامادی رسول
کے، اِس پر حضرت علی نے کہا کہ اے
گروہ مہاجرین محمد (صلعم) کی ریاست
وسرداری وحکومت کو ان کے گھر سے
نکال کر اپنے گھروں میں نہ لے جاؤ۔
اور آنحضرتؐ کے اہل بیت کو ان کے
مقام عزت سے نہ ہٹاؤ قسم بخدا اے گروہ
مہاجرین ہم تم سب سے امر خلافت کے زیادہ
مستحق اور حقدار ہیں۔ کیونکہ ہم اہلبیت
رسول ہیں، اگر کوئی قاری قرآن و
فقیہ دین خدا عالم سنت رسول و
صاحب اطلاع امور رعایا، عادل
منصف رعایا سے ان کی تکالیف کا
دور کرنے والا ہے تو ہم ہیں۔ پس
تم اپنی خواہشات کی پیروی نہ کرو۔
ورنہ گمراہ ہو جاؤ گے اور حق سے
بعید ہو جاؤ گے۔ بشیر بن سعد
انصاری نے کہا کہ یا علی اگر انصار
تم سے یہ کلام ابو بکر سے بیعت کرنے
سے پہلے سنتے تو کبھی تمہاری

سمعته الانصار منك يا
علی قبل بيعتها لابی بكر
ما اختلفت عليك قال و
خرج علی كرم الله وجهه
يحمل فاطمه بنت رسول الله
صلی الله عليه وسلم علی
دابة ليلا فی مجالس الانصار
تسئالهم النصرة فكانوا يقولون
يا بنت رسول الله قد
مضت بيعتنا لهذا الرجل
ولو ان زوجك وابن عمك
سبق الينا قبل ابی بكر ما
عدلنا به فيقول علی كرم
الله وجهه افكنت ادع رسول
الله صلی الله عليه وسلم
فی بيته لم ادفنه واخرج
انازع الناس سلطانه فقالت
فاطمه ما صنع ابو الحسن الا
ما كان ينبغی له ولقد
صنعوا ما الله حسيبهم و
طالبهم -

مخالفت نہ کرتے ، راوی کہتا ہے کہ حضرت
علی رات کو حضرت فاطمہ کو سواری
پہ بٹھا کر مجلس انصار میں لے جاتے
تھے ، اور طالبِ نصرت ہوتے تھے
اور وہ لوگ جواب دیتے تھے کہ
اے دختر رسولؐ ہماری بیعت اب
ابوبکر کے لئے ہو گئی ہے اور اگر آپ
کے شوہر و ابن عم ابوبکر سے پہلے
ہمارے پاس آتے تو ہم کبھی ان سے
انکار نہ کرتے، حضرت علی جواب دیتے
تھے کہ کیا میں جسدِ رسول کو بے
غسل و کفن ان کے گھر میں چھوڑ کر
ان کی حکومت و سرداری کے لئے
لوگوں سے تنازعہ کرتا پھرتا ۔ اور
حضرت فاطمہ جواب دیتی تھیں کہ جو
ابوالحسنؑ نے کیا وہی ان کے لئے
مناسب تھا، اور ان لوگوں نے
جو کیا اس کا حساب اللہ تعالیٰ
ان سے لے گا اور ہمارے حق کا
طالب ہوگا ۔

كيف كانت بيعة علی ابن ابی طالب

قال وان ابا بكر رضی الله

حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے کس طرح بیعت کی

راوی کہتا ہے کہ ابوبکر نے ان لوگوں

عنه تفقد قوما تخلفوا عن بيعته
عند علي كرم الله وجهه فبعث
اليهم عمر فجاء فناداهم وهم في
دار علي فابوا ان يخرجوا فدعا
بالحطب وقال والذي نفس
عمر بيده لتخرجن او لاحرقنها
على من فيها فقيل له يا ابا
حفص ان فيها فاطمة فقال وان
فخرجوا فبايعوا الا عليا فانه
زعم انه قال حلفت ان لا
اخرج ولا اضع ثوبي على عاتقي
حتى اجمع القرآن فوقفت فاطمه
رضي الله عنها على بابها
فقالت لا عهد لي بقوم حضروا
اسوء محضر منكم تركتم رسول
الله صلى الله عليه وسلم
جنازة بين ايدينا وقطعتم
امركم بينكم لم تستامرونا و
لم تردوا لنا حقا فاتى عمر ابا
بكر فقال له الا تاخذ هذا المتخلف
عنك بالبيعة فقال ابو بكر
لقنفذ وهو مولى له اذهب
فادع لي عليا قال فذهب الى

کو جنھوں نے ان کی بیعت سے تخلف کیا تھا۔
تلاش کرنا شروع کیا اور ان کو حضرت علی کے گرد
پایا، پس ان کی طرف حضرت عمر کو بھیجا، حضرت
عمر نے حضرت علی کے گھر پر آواز دی، ان لوگوں
نے باہر آنے سے انکار کیا، اس پر حضرت عمر نے لکڑیاں
منگائیں اور کہا کہ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں عمر کی
جان ہے تم لوگ باہر نکل آؤ ورنہ میں اس گھر کو آگ لگا دونگا،
اور وہ لوگ جو اس میں ہیں سب جل جائیں گے لوگوں
نے حضرت عمر سے کہا کہ اس گھر میں تو فاطمہ بنت رسول
بھی ہیں حضرت عمر نے جواب دیا کہ ہوا کریں مجھے اسکی پروا
نہیں ہے اس پر وہ سب لوگ سوائے حضرت علی کے نکل
آئے اور بیعت کرلی، حضرت علی نے کہا کہ میں نے قسم کھائی
ہے کہ جب تک قرآن کو جمع نہ کرلونگا نہ گھر سے باہر
نکلونگا اور نہ اپنے کندھے پر ردا ڈالونگا، حضرت فاطمہ
اپنے بیت الشرف کے دروازہ پر آکر کھڑی ہوگئیں اور
فرمایا کہ میں ایسی قوم سے سروکار نہیں رکھتی جو اتنی بدی کرتی
ہے تم رسول خدا کے جنازہ کو ہمارے درمیان میں چھوڑ کر چلے گئے
اور اس امر کو خود ہی فیصلہ کرلیا اور ہمکو پوچھا تک نہیں اور
ہمارے حق کو ہم سے چھین لیا پس حضرت عمر واپس آئے حضرت
ابوبکر کے پاس آئے اور ان سے کہا کہ تم اس متخلف سے بیعت
کیوں نہیں لیتے اس پر ابوبکر نے اپنے غلام قنفذ کو حضرت
علی کے پاس بھیجا اور کہا کہ انہیں بلا لاؤ۔

علی فقال ما حاجتك فقال يدعوك
خليفة رسول الله فقال علیؑ
لسريع ما كذبتم علی رسول
الله فرجع فابلغ الرسالة
قال فبكی ابوبكر طويلا فقال
عمر الثانية لا تمهل هذا
المتخلف عنك بالبيعة فقال
ابوبكر رضي الله عنه لقنفذ
عد اليه فقل له امير المؤمنين
يدعوك لتبايع فجاءه قنفذ
فادی ما امر به فرفع علیؑ
صوته فقال سبحان الله
لقد ادعی ما ليس له فرجع
قنفذ فابلغ الرسالة فبكی
ابوبكر طويلا ثم قام عمر
فمشی معه جماعة حتی اتوا
باب فاطمة فدقوا الباب فلما
سمعت اصواتهم نادت
باعلی صوتها يا ابت يا رسول الله
ماذا لقينا بعدك من ابن الخطاب
وابن ابی قحافة فلما سمع القوم
صوتها وبكاءها انصرفوا باكين
وكادت قلوبهم تنصدع و

قنفذ حضرت علی کے پاس گیا، حضرت علی
نے کہا کہ تیری کیا حاجت ہے اس نے کہا کہ آپ کو
خلیفہ رسول اللہ بلاتے ہیں، آپ نے فرمایا کہ
کتنی جلد تم نے رسولِ خدا پر بہتان باندھا
ہے قنفذ واپس آیا اور یہی جواب ابوبکر کو لاکر
پہنچایا، ابوبکر دیر تک روتے رہے، عمر
نے پھر کہا کہ اس متخلف کو مت چھوڑو، پھر
حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے قنفذ سے کہا
کہ جا کر کہو کہ امیر المومنین تمہیں بلاتے
ہیں کہ تم ان کی بیعت کر لو، قنفذ آیا اور اسی
طرح علی سے پیغام ادا کیا، حضرت علیؑ
نے آواز بلند کر کے کہا کہ سبحان اللہ وہ
شخص اس چیز کا دعویٰ کرتا ہے جو اس کی نہیں
قنفذ واپس آیا، اور یہی جواب ابوبکر کو لاکر
دیا، پس حضرت ابوبکر سن کر بہت دیر
تک روتے رہے، پھر حضرت عمر کھڑے ہوئے
اور ایک جماعت کو لے کر حضرت فاطمہ کے دروازہ
پر آئے اور دق الباب کیا، جب حضرت فاطمہ
نے ان کی آواز سنی تو آواز بلند کر کے فریاد
کی کہ اے والد بزرگوار اے رسول خدا ہم کو آپ کے
بعد ابن الخطاب و ابن ابی قحافہ سے کیا کیا مصیبتیں دیکھنی نصیب
ہوئی ہیں جب اس جماعت نے حضرت فاطمہ کی آواز سنی
اور گریہ و زاری ملاحظہ کی تو وہ روتے ہوئے واپس گئے اور قریب تھا

اكبادهم تنفطر وبقي عمر ومعه
قوم فاخرجوا عليا فمضوا به الى
ابي بكر فقالوا له بايع فقال ان
انا لم افعل فمه قالوا اذا والله
الذي لا اله الا هو نضرب عنقك
قال اذا تقتلون عبد الله و
اخا رسوله فقال عمر اما عبد
الله فنعم واما اخو رسوله فلا
وابو بكر ساكت لا يتكلم فقال له
عمر الا تامر فيه بامرك فقال
لا اكره على شئ ما كانت فاطمه
الى جنبه فلحق علي بقبر
رسول الله صلى الله عليه وسلم
يصيح ويبكي وينادي يا بن ام
ان القوم استضعفوني وكادوا
يقتلونني فقال عمر لابي بكر
رضي الله عنهما انطلق بنا الى
فاطمه فانا قد اغضبناها فانطلقا
جميعا فاستاذنا على فاطمه فلم
تاذن لهما فاتيا عليا فكلماه
فادخلهما عليها فلما قعدا عندها
حولت وجهها الى الحائط فسلما
عليها فلم ترد عليهما السلام

کہ انکے دل دہل جائیں اور جگر پھٹ جائیں
صرف حضرت عمر ایک قلیل جماعت کیساتھ باقی رہ
گئے اور اُنہوں نے حضرت علی کو زبردستی حضرت فاطمہ
کے گھر سے نکال لیا اور ان کو لیکر حضرت ابوبکر کے پاس
گئے وہاں ان سے کہا کہ تم ابوبکر کی بیعت کرو آپنے جواب
دیا کہ میں ہرگز بیعت نہ کرونگا اس پر ان لوگوں نے
کہا کہ قسم ہے اس خدا کی جسکے علاوہ کوئی اور خدا نہیں ہے
کہ ہم تمہاری گردن جدا کردینگے حضرت علی نے فرمایا
کہ کیا تم عبد خدا اور برادر رسول کو قتل کروگے حضرت عمر نے
کہا کہ عبد خدا تو تم ضرور ہو لیکن رسول کا بھائی ہونا تسلیم
نہیں اور ابوبکر بالکل خاموش ہی کچھ نہ بولے اس پر حضرت
عمر نے حضرت ابوبکر سے کہا کہ تم کیوں انکو بیعت کا حکم نہیں
دیتے، انہوں نے جواب دیا کہ جب تک فاطمہ انکے پہلو میں ہیں
کچھ نہ کہوں گا وہاں سے حضرت علی قبر رسول پر آئے۔
اور فریاد و نالہ بلند کیا اور رو رو کر فریاد کرنے لگے جس طرح
حضرت ہارون نے کی تھی (کہ اے بھائی قوم نے مجھے کمزور کر دیا
اور قریب تھا کہ قتل کرنے) حضرت عمر نے حضرت ابوبکر سے کہا کہ
چلو فاطمہ کے پاس چلیں ہم نے انکو غضبناک کر دیا ہے پس ان دونوں
نے حضرت فاطمہ کے دروازہ پر آکر اندر آنیکی اجازت طلب
کی حضرت فاطمہ نے ان کو اجازت نہ دی تو وہ دونوں
مشکلکشا کے پاس آئے پس حضرت علی ان کو اندر لیگئے۔
جب وہ دونوں حضرت فاطمہ کے پاس آنکر کھڑے ہوئے تو
حضرت فاطمہ نے انکی طرف سے منہ موڑ کر دیوار کی طرف رخ

فتکلم ابوبکر فقال یا حبیبة
رسول اللہ واللہ ان قرابة
رسول اللہ احب الی من قرابتی
وانك لاحب الی من عائشہ
ابنتی ولوددت یوم مات
ابوك انی مت ولا ابقی بعدہ
افترانی اعرفك واعرف فضلك
وشرفك وامنعك حقك ومیراثك
من رسول اللہ الا انی سمعت
اباك رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم یقول لا نورث ما ترکنا
فھو صدقة فقالت ارایتکما
ان حدثتکما حدیثا عن رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تعرفانہ
وتفعلان بہ قالا نعم فقالت
نشدتکما اللہ الم تسمعا رسول
اللہ یقول رضا فاطمہ من رضای
وسخط فاطمہ من سخطی فمن
احب فاطمة ابنتی فقد
احبنی ومن ارضی فاطمہ فقد
ارضانی ومن اسخط فاطمہ فقد
اسخطنی قالا نعم سمعناہ
من رسول اللہ صلی اللہ علیہ

کرلیا ان دونوں نے آپ پر سلام کیا لیکن حضرت فاطمہ نے
جواب سلام نہیں دیا ابوبکر نے کہا کہ اے حبیبہ رسولخدا قسم بخدا
مجھے رسول اللہ کے قرابتدار اپنے قرابتداروں سے زیادہ عزیز
ہیں اور یہ تحقیق کہ آپ میرے نزدیک عائشہ سے زیادہ عزیز ہیں
کاش میں اسی دن ہی مرجاتا جس دن آپکے والد بزرگوار نے
رحلت فرمائی اور انکے بعد باقی نہ رہتا کیا آپکا خیال ہے
کہ آپکے فضل و شرف سے واقف ہوتے ہوئے میں نے آپکو
آپکا حق اور آپکی میراث نہیں دی اس کی وجہ یہ ہے کہ میں نے
آپکے والد بزرگوار جناب رسولخدا سے سنا ہے کہ آپ فرمایا
کرتے تھے کہ ہم ورثہ نہیں چھوڑتے جو ہم چھوڑتے ہیں وہ
صدقہ ہوتا ہے (حضرت فاطمہ نے (اس بحث کو دوبارہ
کرنے کو بے فائدہ خیال کرکے) فرمایا کیا تم دونوں چاہتے
ہو کہ میں تمہیں رسولخدا کی ایسی حدیث سناؤں جس کو
تم جانتے ہو انہوں نے عرض کی ضرور آپ وہ حدیث
سنائیں حضرت فاطمہ نے کہا کہ میں تمکو قسم دیکر پوچھتی
ہوں کیا تم نے رسولخدا کو یہ کہتے ہوئے نہیں سنا کہ
فاطمہ کی خوشنودی میری خوشنودی ہے، اور
فاطمہ کا غضب میرا غضب ہے پس جس نے میری
دختر فاطمہ سے محبت کی اس نے مجھ سے محبت
کی اور جس نے فاطمہ کو راضی کیا، اس نے
مجھے راضی کیا اور جس نے فاطمہ کو غضب دلایا اور آزردہ
کیا اس نے مجھے غضب دلایا اور آزردہ کیا ان دونوں نے
کہا کہ ہاں ہم نے یہ حدیث جناب رسولخدا سے سنی ہے۔

وسلم قالت فانی اشهد الله
وملائكته انكما اسخطتمانی
وما ارضيتمانی ولئن لقيت
النبی لاشكونكما اليه فقال
ابوبكر انا عائذ بالله تعالىٰ
من سخطه وسخطك يا فاطمه
ثم انتحب ابوبكر يبكی حتی
كادت نفسه ان تزهق
وهی تقول والله لادعون
الله عليك فی كل صلاة
اصليها ثم خرج باكيا فاجتمع
اليه الناس فقال لهم يبيت
كل رجل منكم معانقا
حليلته مسرورا باهله و
تركتمونی وما انا فيه لا
حاجة لی فی بيعتكم اقيلونی
بيعتی قالوا يا خليفة رسول
الله ان هذا الامر لا يستقيم
وانت اعلمنا بذلك انه ان
كان هذا لم يقم لله دين
فقال والله لولا ذلك وما اخافه
من رخاوة هذه العروة ما بت
ليلة ولی فی عنق مسلم بيعة

اس پر جناب فاطمہ نے فرمایا کہ میں خدا اور اسکے
ملائکہ کو گواہ کر کے کہتی ہوں کہ تم دونوں نے مجھے
آزردہ کیا اور غضب دلایا اور تم نے مجھے راضی
نہیں کیا اور جب میں رسولخدا سے ملاقات کرونگی
تو تم دونوں کی شکایت ان سے کرونگی، حضرت ابوبکر
نے کہا کہ میں خدا سے پناہ مانگتا ہوں اس کے غضب سے
اور آپکے غضب سے اے فاطمہ۔ اور پھر حضرت ابوبکر
بہت روئے یہاں تک کہ قریب تھا کہ آپ کی
جان جاتی رہے لیکن حضرت فاطمہ کہتی جاتی تھیں
کہ قسم بخدا ہر ایک نماز میں جو میں پڑھوں گی تیرے
لئے بددعا کروں گی۔ پھر جب حضرت ابوبکر
باہر آئے تو لوگ انکے پاس جمع ہو گئے، ابوبکر نے ان
سے کہا کہ تم سب تو اپنے گھروں میں آرام کرتے
ہو اور اپنی بیویوں کے گلے میں ہاتھ ڈال کر
سوتے ہو اور تم نے مجھ کو اس حالت میں چھوڑ دیا ہے کہ
جس میں ہوں مجھ کو تمہاری بیعت کی ضرورت
نہیں ہے میری بیعت کو تم اپنی گردنوں سے نکال
دو، ان لوگوں نے کہا کہ اے خلیفہ رسول پھر یہ
امر خلافت درست نہیں رہے گا، اور تم خود
اس سے واقف ہو کہ اگر تم دستبردار ہو گئے تو دین
خدا قائم نہیں ہوگا حضرت ابوبکر نے جواب دیا کہ اگر ایسا
نہ ہوتا اور میں اس رسی کی کمزوری سے آگاہ نہ ہوتا تو
میں ایک رات بھی اپنی گردن میں ایک مسلمان کی بیعت لئے

بعد ما سمعت ورایت من فاطمہ	ہوئی نہ گزرا تا بعد اسکے کہ جو میں نے فاطمہ سے سنا
قال فلم یبایع علی کرم اللہ	اور دیکھا راوی کہتا ہے کہ حضرت علی نے حضرت
وجہ حتی ماتت فاطمہ رضی	فاطمہ کی وفات تک بیعت ابوبکر نہیں کی اور
اللہ عنہا ولم تمکث بعد ابیہا	جناب فاطمہؑ نے اپنے والد بزرگوار کے بعد صرف
الا خمسا وسبعین لیلۃ۔	پچھتر (۷۵) راتیں گذاریں۔

ابو محمد عبد اللہ بن مسلم بن قتیبہ:۔ کتاب الامامت والسیاست الجزء الاول۔ ص ۶ لغایت ۱۴۔

متن کتاب الامۃ والسیاست میں کاتب کی غلطی سے بشیر ابن سعد کی جگہ قیس ابن سعد لکھا گیا ہے، سعد ابن عبادہ کے حسد کی وجہ سے جس نے حباب ابن المنذر کی مخالفت اور حضرت ابوبکر کی بیعت کی تھی وہ بزرگوار بشیر ابن سعد تھے نہ کہ قیس ابن سعد۔ یہ بات خود کتاب کی عبارت سے ظاہر ہوتی ہے ملاحظہ ہو عبارت زیر عنوان تخلف سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ عن البیعۃ۔ پہلے تو یہ لکھا ہے کہ قیس بن سعد نے مشورہ دیا کہ سعد بن عبادہ کو قتل نہ کرو ورنہ فساد ہوگا، اس مشورہ کے بعد لکھا ہے :۔ وقبلوا مشورۃ بشیر بن سعد یعنی انہوں نے بشیر بن سعد کا مشورہ قبول کر لیا، تاریخ ابن خلدون ودیگر کتب تواریخ سے قطعاً ثابت ہے کہ اس کا نام بشیر بن سعد تھا نہ کہ قیس بن سعد ملاحظہ ہو:۔ ابن عساکر:۔ تاریخ الکبیر حصہ تہذیب الجلد الثالث ترجمہ بشیر بن سعد بن ثعلبہ بن خلاس ص ۲۶۲

ملک المؤید عماد الدین ابو الفدا اپنی کتاب المختصر فی اخبار البشر میں سقیفہ کا حال اس طرح لکھتے ہیں۔

فبایع عمر ابابکر رضی اللہ عنہما	عمر نے ابوبکر کی بیعت کر لی، اور پھر اور
وانثال الناس علیہ یبایعونہ	لوگوں نے بھی ان سے بیعت کی، ان
فی العشر الاوسط من ربیع	کی بیعت وسط ربیع الاول سالہ
الاول سنۃ احدی عشرۃ	ہجری میں ہوئی۔ لیکن ان کی بیعت

خلا جماعة من بنی هاشم
والزبیر وعتبه بن ابی لهب
وخالد بن سعید بن العاص و
المقداد بن عمرو وسلمان الفارسی
وابی ذر وعمار بن یاسر والبراء بن
عازب وابی بن کعب ومالوا مع
علی بن ابی طالب وقال فی ذلك
عتبه بن ابی لهب.... اشعار...
وکذلك تخلف عن بیعة ابی
بکر ابو سفیان من بنی امیه
ثم ان ابا بکر بعث عمر بن
الخطاب الی علی ومن معه لیخرجهم
من بیت فاطمه رضی الله عنها
وقال ان ابوا علیك فقاتلهم
فاقبل عمر بشیٔ من نار علی
ان یضرم الدار فلقیته فاطمه
رضی الله عنها وقالت الی این
یا ابن الخطاب اجئت لتحرق دارنا
قال نعم او تدخلوا فیما دخل
فیه الامة

سے بنو ہاشم کی جماعت وزبیر و عتبہ بن ابی
لہب، خالد بن سعید بن العاص
و مقداد بن عمرو و سلمان فارسی،
و ابوذر، و عمار بن یاسر و براء بن
عازب و ابی بن کعب نے انکار کیا۔
اور ان لوگوں نے حضرت علی ابن ابی
طالب کی طرف رجوع کیا، اور عتبہ بن ابی
لہب نے اسکے متعلق یہ اشعار کہے.... اسی طرح
ابوبکر کی بیعت سے ابو سفیان اموی نے تخلف کیا،
پھر حضرت ابوبکر نے حضرت عمر کو حضرت علی کی
طرف یہ حکم دیکر بھیجا کہ علی کو اور ان کے
ساتھیوں کو خانہ فاطمہ سے نکال دیں اور
اگر وہ انکار کریں تو ان سے جنگ کریں۔
پس حضرت عمر خدا ان سے بہت خوش ہو
خانۂ فاطمہ کو جلانے کے لئے آگ لے کر
آئے ان سے حضرت فاطمہؑ نے ملاقات کی
اور کہا کہ ای خطاب کے بیٹے کیسے آئے ہو کیا تم ہمارا
گھر جلانے کے لئے آئے ہو۔ حضرت عمر نے جواب
دیا کہ ہاں تمہارا گھر جلاؤں گا ورنہ تم سب بھی
ابوبکر کی بیعت کرو جس طرح اور لوگوں نے کی ہے۔

"تاریخ ابو الفداء:۔ الجزء الاول، ص ۱۵۶

اس بیعت کا حال صحیح بخاری سے بھی نقل کرنا خالی از دلچسپی نہ ہوگا۔

حدثنا اسمٰعیل بن عبد الله

حضرت عائشہ سے مروی ہے کہ جب رسول خدا صلی

ثنی سلیمان بن بلال عن ہشام
بن عروۃ قال اخبرنی عروۃ
بن الزبیر عن عائشۃ زوج
النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
مات
وابوبکر بالسنح
قال اسمعیل تعنی بالعالیہ
فقام عمر یقول واللہ ما مات
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
قالت وقال عمر واللہ ما کان
یقع فی نفسی الا ذاک ولیبعثنہ
اللہ فلیقطعن ایدی رجال
وارجلہم فجاء ابوبکر فکشف
عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ و
سلم فقبلہ فقال بابی انت
وامی طبت حیا ومیتا والذی
نفسی بیدہ لا یذیقک اللہ
الموتتین ابدا ثم خرج فقال
ایہا الحالف علی رسلک فلما
تکلم ابوبکر جلس عمر فحمد اللہ
ابوبکر واثنی علیہ وقال
الا من کان یعبد محمدا فان

اللہ علیہ وسلم نے رحلت فرمائی تو ابوبکر محلہ سنح میں تھے،
یعنی مدینہ کے دوسرے سرے پر اور جان پر پس حضرت
عمر کھڑے ہوئے اور کہنے لگے کہ رسول خدا ص نے
انتقال نہیں فرمایا، حضرت عائشہ کہتی ہیں
کہ بعد میں حضرت عمر کہا کرتے تھے کہ اس
وقت میرے دل میں سوائے اسکے اور خیال ہی
نہیں گزرتا تھا کہ رسولخدا نے انتقال نہیں
فرمایا اور خداوند تعالیٰ انہیں دوبارہ اٹھائیگا
اور وہ ان لوگوں کے ہاتھ پیر کاٹینگے پس اتنے
میں حضرت ابوبکر آگئے رسولخدا کے چہرے سے کپڑا
اٹھایا، اور اُسے چوما اور کہا کہ میرے ماں
باپ آپ پر فدا ہوں آپ حالتِ
زندگی میں بھی پاک و پاکیزہ تھے، اور
حالت موت میں بھی، اور قسم ہے اس
ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری
جان ہے، خداوند تعالےٰ آپ کو دو
موتوں کے مزے نہیں چکھائے گا پھر
حضرت ابوبکر باہر آئے اور عمر کی طرف
مخاطب ہو کر کہا کہ اے قسم کھانے والے
خاموش ہو جا اور بیٹھ جا۔ پس ابوبکر نے
کلام کیا اور عمر بیٹھ گئے۔ ابوبکر نے بعد حمد و ثنا
باری تعالیٰ کہا کہ جو محمد کی پرستش کرتا
تھا پس اس کو معلوم ہو کہ محمد مر گئے اور

محمدا صلی اللہ علیہ وسلم قد
مات ومن کان یعبد اللہ فان
اللہ حی لا یموت وقال اِنَّكَ مَيِّتٌ
وَاِنَّهُمْ مَيِّتُوْنَ وقال وَمَا مُحَمَّدٌ
اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ
الرُّسُلُ اَفَاِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ
انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ وَمَنْ
يَّنْقَلِبْ عَلٰى عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ
اللّٰهَ شَيْئًا وَسَيَجْزِي اللّٰهُ
الشّٰكِرِيْنَ قَالَ فَنَشَجَ النَّاسُ
يَبْكُوْنَ قَالَ وَاجْتَمَعَتِ الْاَنْصَارُ
الی سعد بن عبادۃ فی سقیفۃ
بنی ساعدۃ فقالوا منا امیرٌ
ومنکم امیر فذھب الیہم
ابوبکر وعمر بن الخطاب وابو
عبیدۃ بن الجراح فذھب
عمر یتکلم فاسکتہ ابوبکر
وکان عمر یقول واللہ ما
اردت بذلک الا انی قد ھیأت
کلاما قد اعجبنی خشیت
ان لا یبلغہ ابوبکر ثم تکلم
ابوبکر فتکلم ابلغ الناس
فقال فی کلامہ نحن الامراء

جو خدا کی عبادت کرتا تھا پس وہ خدا
زندہ ہے کبھی نہیں مریگا، اور پھر کہا کہ
خدا نے فرمایا ہے (آیہ) تو بھی مرنے والا
ہے اور وہ بھی مرنیوالے ہیں، اور پھر
یہ آیت پڑھی وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رسول ۔
آخر آیت۔ پس لوگ رونے لگے۔
راوی کہتا ہے کہ گروہ انصار سقیفہ
بنی ساعدہ میں سعد ابن عبادہ کی
کی امارت پر جمع ہوئے اور آپس
میں کہنے لگے کہ ایک امیر ہم میں
سے اور ایک امیر تم میں سے ۔
پس ان کی طرف ابوبکر و عمر اور
ابوعبیدۃ بن الجراح گئے۔ وہاں
جا کر حضرت عمر نے بولنا چاہا۔
مگر حضرت ابوبکر نے ان کو خاموش
کر دیا۔ بعد میں حضرت عمر کہا کرتے
تھے کہ میں نے بولنے کا ارادہ اس
غرض سے کیا تھا کہ میں نے اپنے دل
میں ایک کلام تیار کر رکھا تھا، جو
مجھ کو بہت پسند آیا تھا پس میں ڈرا کہ شاید ابوبکر
کا دماغ اس بات تک نہ پہنچا ہو پھر ابوبکر نے
کلام کیا اور نہایت عمدہ کلام کیا، اپنی گفتگو
میں انہوں نے کہا کہ ہم امیر ہیں، اور

وانتم الوزراء فقال حباب بن
المنذر لا واللہ لانفعل منا امیر
ومنکم امیر فقال ابوبکر ولکنا
الامراء وانتم الوزراء هم اوسط
العرب دارا واعربهم احسابا
فبایعوا عمر او ابا عبیدة بن
الجراح فقال عمر بل نبایعک
انت فانت سیدنا وخیرنا
واحبنا الی رسول اللہ صلی
اللہ علیہ وسلم فاخذ
عمر بیدہ فبایعہ وبایعہ
الناس فقال قائلهم قتلتم
سعد بن عبادة قال عمر
قتلہ اللہ۔

صحیح بخاری :۔ کتاب فضائل
اصحاب النبی۔

اور تم ہمارے وزیر ہو، حباب ابن المنذر
نے کہا کہ ہم یہ نہیں کرینگے بلکہ ایک امیر ہم
میں سے ہو، اور ایک تم میں سے ہو۔ ابوبکر
نے کہا کہ نہیں۔ ہم امیر اور تم وزیر ہو۔
کیونکہ قریش گھر کے لحاظ سے سب
سے بہتر ہیں اور نیز حسب کے لحاظ سے
سب سے افضل ہیں پس تم کو چاہیئے کہ عمر
یا ابوعبیدہ بن الجراح سے بیعت کرلو۔
عمر نے کہا کہ نہیں بلکہ ہم تمہاری بیعت
کرتے ہیں کیونکہ تم ہمارے سردار ہو۔
ہم سب سے بہتر ہو، اور رسول خدا
کے محبوب ترین شخص ہو، پس عمر نے
ابوبکر کا ہاتھ پکڑا، اور بیعت کرلی اور
پھر لوگوں نے بھی بیعت کرلی۔ ایک
کہنے والے نے کہا کہ تم نے تو سعد
بن عبادہ کو مار ڈالا۔ عمر نے کہا کہ خدا
اسے مارے۔

صاحب حبیب السیر واقعات سقیفہ کے بعد لکھتے ہیں :۔

روز دیگر بیعت عام بوقوع پیوست، اما بمقتضائے ایں بیت ؎

زمشرق تا بمغرب گر امام است — علی و آل او مارا تمام است

فرقۂ اہل اسلام بآں ہم رضا ندادند وگفتند ما با ہیچ کس بیعت نہ نمائیم مگر بعلی ابن
ابی طالب واکثر بنی ہاشم وسلمان فارسی وعمار بن یاسر و مقداد بن الاسود و
خزیمہ بن ثابت ذوالشہادتین وابوذر غفاری، ابوایوب انصاری وجابر بن

عبداللہ و ابوسعید الخدری و بریدہ بن الحصیب الاسلمی از انجملہ بودند...... گفتہ اند کہ
در روز دوم از بیعت امیرالمومنین ابوبکر جمعے ساختہ شاہِ مردان را طلب داشت،
و بعد از آں کہ آنجناب مجلس اصحاب را بنور حضور منور گردانید واز سبب طلب پرسید
فاروقِ اعظم گفت ترا بداں جہت طلبیدیم تا با اہلِ اسلام در مبایعت و متابعت
خلیفۂ رسولخدا موافقت فرمائی، امیرالمومنین فرمود کہ شما توسل بخویشی رسول قرشی
جستہ و انصار را تسکین دادہ با ابوبکر بیعت کردید، ومن اکنوں بہاں وسیلہ طلبِ حق
خود می نمائم. ملاحظہ کنید کہ بحضرت رسالت اقرب کیست واز حق سبحانہ تعالیٰ بترسید
واز جادۂ انصاف درگذرید، امیرالمومنین عمر گفت ترا رہا نکنیم تا بیعت نکنی جناب
ولایت مآب جواب داد کہ من از یں سخن نیندیشم و تا رمقی از حیات بود طالب
حق خود باشم، القصہ دراں روز میان شاہِ مرداں و اصحاب پیغمبر آخرالزمان
دریں باب گفت وشنید فراوانی واقع شدہ بالآخر شاہِ ولایت بے از آنکہ با صدیق
اکبر بیعت نماید مراجعت فرمود، وعقیدۂ مردم شیعہ مذہب آن ست کہ آنجناب
ہرگز با امیرالمومنین ابی بکر بلکہ با ہیچ یک از خلافہ ثلاثہ بیعت ننمود۔ اما بعضے از
اہلِ سنت وجماعت گویند کہ بعد از چہل روز از فوت خیرالانام صلے اللہ علیہ وآلہ
العظام وصحبہ الکرام با خلیفۂ اول بیعت کرد و فرقۂ را اعتقاد آں کہ تا فاطمہ زہرا
رضی اللہ عنہا در حیات بود بیعت نہ فرمود۔

حبیب السیر:۔ جلد اول جزء چہارم ص ۲۔
دیگر کتب تواریخ میں بھی یہ واقعات کم وبیش اسی طرح درج ہیں ملاحظہ ہو
ابن عساکر:۔ تاریخ الکبیر حصۂ تہذیب الجلد الثالث۔ ترجمہ بشیر بن سعد
ص ۲۶۲، ۲۶۳، ۲۶۴۔
ابوجعفر محمد بن جریر الطبری:۔ تاریخ الامم والملوک الجزء الثالث ص
۱۹۹ لغایت ۲۰۲، ۲۰۷ لغایت ۲۱۳۔
اسماعیل بن عمر بن کثیر الشامی:۔ البدایۃ والنہایۃ فی التاریخ الجزو

الجزء الخامس ص ۲۴۶

حسین دیار بکری :- تاریخ الخمیس الجزء الثانی ص ۱۸۵ و ۱۸۶

ابن الاثیر :- تاریخ الکامل۔

تاریخ الخمیس اور تاریخ ابن خلدون کے حوالے پہلے گزر چکے ہیں۔

حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کی تدابیر سیاسیہ کو سمجھنے کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ ہم بیان کریں کہ سقیفہ بنی ساعدہ میں بشیر ابن سعد انصاری کے علاوہ زید ابن ثابت انصاری نے بھی اپنے انصار بھائیوں سے مخالفت کر کے حضرت عمر و حضرت ابوبکر کی طرفداری کی ملاحظہ ہو۔

ریاض النضرہ :- محب الدین طبری۔ الجزء الاول ص ۱۶۶

علاوہ دیگر انعامات و اکرام کے جو ان کو اس کے صلہ میں ملے۔ ایک یہ بھی انعام تھا کہ وہ حکومت کے مقربین میں سے ہو گئے۔ یہاں تک کہ قرآن شریف کے جمع کرنے کا کام اس ہی نوجوان کے ذمہ لگایا گیا حالانکہ تین چوتھائی کے قریب قرآن شریف ان کے سن بلوغ سے پہلے نازل ہو چکا تھا۔

ان واقعات پر ہم ابھی تبصرہ کرتے ہیں اور اس سیاسی دماغ کا نقشہ کھینچتے ہیں جو ان واقعات کا موجد و محرک تھا، مگر وہ تصویر نامکمل ہو گی، اگر ہم یہ نہ بتائیں کہ خود وہ مدبر حضرت ابوبکر کی بیعت کے متعلق کیا خیال رکھتا تھا۔ اور یہ ہم اس کی اپنی زبانی بتاتے ہیں حضرت عمر کو ڈر ہوا کہ کہیں سقیفہ بنی ساعدہ کی نظیر قائم کر کے لوگ اس شخص کی بیعت نہ کر لیں جس کو خلافت سے محروم کرنے کے لئے انہوں نے اب تک اتنی کوشش کی تھی، لہٰذا انہوں نے لوگوں کو ان الفاظ میں روکا۔

اِنّہ بلغنی اَنّ قائلاً منکم	مجھے خبر پہنچی ہے کہ تم میں سے ایک کہنے
یقول وَاللہ لو مات عمر بایعت	والا کہتا ہے کہ اگر عمر مر جائے گا، تو
فلاناً فلا یغترنّ امرء...	میں فلاں شخص سے بیعت کروں گا

ان یقول انما کانت بیعۃ ابی
بکر فلتۃ وتمت الا وانھا
قد کانت کذلک ولکن اللہ
وقی شرھا ولیس منکم من
تقطع الاعناق الیہ مثل
ابی بکر من بایع رجلا من
غیر مشورۃ من المسلمین فلا
یبایع ھو ولا الذی تابعہ
تغرۃ ان یقتلا وانہ قد
کان من خیرنا حین توفی
اللہ نبیہ صلی اللہ علیہ و
سلم الا ان الانصار خالفونا
واجتمعوا باسرھم فی سقیفہ
بنی ساعدۃ وخالف عنا
علی والزبیر ومن معھما واجتمع
المھاجرون الی ابی بکر فقلت
لابی بکر یا ابا بکر انطلق
بنا الی اخواننا ھؤلاء من
الانصار فانطلقنا نریدھم
فلما دنونا منھم لقینا رجلان
صالحان فذکرا ما تمالا علیہ
القوم فقالا این تریدون
یا معشر المھاجرین فقلنا

کسی شخص کو دھوکہ میں نہ رہنا چاہیئے۔
کہ ابوبکر کی بیعت تو ایک ناگہانی اچانک
آفت تھی لیکن وہ پوری ہو گئی۔ خبردار بیشک
ابوبکر کی بیعت ناگہانی بغیر مشورہ کے ہوئی تھی
لیکن خداوند تعالیٰ نے اس کے شر سے جو اس
کا لازمی نتیجہ ہونا چاہیئے مسلمانوں کو محفوظ
رکھا، تم میں سے کوئی شخص ایسا نہیں کہ جس
کی طرف لوگوں کی گردنیں اسی طرح اٹھتی ہوں جس
طرح ابوبکر کی طرف اٹھتی تھیں پس آئندہ سے جو کوئی
شخص کسی سے بغیر مسلمانوں کے مشورہ کے بیعت
کرے تو نہ تو اس کی بیعت کی جاوے
جس کی بیعت اس نے بغیر مشورہ کے کی ہے،
اور نہ اس بیعت کرنیوالے کی پیروی کی جائے، اگر کوئی
ایسا دھوکہ کھالے تو وہ دونوں قتل کر دئے جائیں
جب رسولخدا نے رحلت فرمائی تو ابوبکر ہم سب میں بہتر
تھا لیکن انصار ہمارے خلاف ہو گئے اور خود تنہا سقیفہ
بنی ساعدہ میں جمع ہو گئے، اور علی و زبیر اور ان کے
ساتھیوں نے ہماری مخالفت کی اور مہاجرین ابوبکر
کی طرف جمع ہوئے۔ میں نے ابوبکر سے کہا کہ اے ابوبکر چلو،
اپنے بھائی انصار کی طرف چلیں۔ تب ہم ان کی طرف چلے،
جب ہم انکے نزدیک پہنچے تو ہماری ملاقات دو نیک آدمیوں
سے ہوئی، ان دونوں نے ہمیں بتایا کہ قوم انصار کا کیا
مقصد ہے، اور پھر ہم سے پوچھا کہ اے مہاجرین تم کہاں

نرید اخواننا هؤلاء من الانصار
فقالا لا علیکم ان لا تقربوهم
اقضوا امرکم فقلت والله لنا
تینّهم فانطلقنا حتی اتیناهم
فی سقیفة بنی ساعدةِ فاذا
رَجلٌ مُزَمّلٌ بین ظهرانیهم
فقلتُ من هٰذا فقالوا هٰذا
سعد بن عبادة فقلت مَا
له قالوا یوعك فلمّا جلسنا
قلیلاً تشهّد خطیبهم فاثنیٰ
علی الله بمَا هو اَهله ثم قال
اما بعد فنحن انصار الله و
کتیبة الاسلام وانتم معاشر
المهاجرین رهطٌ وَقد دفّت
دافّة مِن قومکم فاذا هم
یریدون ان یختزلونا
من اَصلنا وَان یحضنونا
من الامر فلما سکت اردت
اَن اَتکلّم وکنت زوّرت
مقالة اَعجبتنی اُرید
اَن اُقدّمها بین یدَی
اَبی بکر وکنت اُداری منه
بعض الحدّ فلمّا اردت اَن

جاتے ہو۔ ہم نے کہا کہ ہم نے اپنے بھائی
انصار کی طرف جانے کا ارادہ کیا ہوا ہے ان
دونوں نے کہا کہ ہرگز تم وہاں نہ جاؤ۔ بلکہ
اپنے معاملہ کا فیصلہ تم خود ہی کر لو۔ میں نے
کہا کہ نہیں۔ ہم ضرور جائیں گے۔ پس ہم چلے
یہاں تک کہ سقیفہ بنی ساعدہ میں پہنچ
گئے، وہاں ہم نے ایک آدمی کو چادر میں
لپٹے ہوئے بیٹھے ہوئے دیکھا۔ میں نے
پوچھا کہ یہ کون ہے، لوگوں نے کہا کہ یہ
سعد ابن عبادہ ہے۔ میں نے کہا کہ اسے کیا
ہوا ہوا ہے، لوگوں نے کہا کہ اسے بخار
چڑھا ہوا ہے۔ ہم بیٹھ گئے، اتنے میں اُن
کا لکچر دینے والا کھڑا ہوا حمد و ثنائے
باری تعالیٰ کے بعد کہا کہ ہم خداوند تعالیٰ
کے انصار ہیں۔ ہم اسلام کے لشکر ہیں اور
تم اے مہاجرین وہ ہو جو اپنی قوم سے بھاگ
کر آئے ہو اور اب چاہتے ہو کہ ہمکو ہماری اصلی
مقام سے ہٹا دو، اور اس امر خلافت میں
ہماری برابری کرو، جب وہ خاموش ہوا تو
میں نے بولنے کا ارادہ کیا، اور تحقیق میں نے
ایک گفتگو اپنے دل میں حیلہ و مکر والی تیار کر لی تھی
جو مجھے پسند آئی تھی پس میں چاہتا تھا کہ اسکو ابوبکر کے
پہلے بیان کروں پس جب میں نے بولنے کا ارادہ کیا

ان تکلم قال ابو بکر علیٰ رسلك
فكرهت ان اغضبه فتكلم
ابو بكر فكان هو احلم مني و
اوقر والله ما ترك من كلمة
اعجبتني في تزويري الا قال
في بديهته مثلها او افضل منها
حتى سكت فقال ما ذكرتم
فيكم من خير فانتم له اهل
و لن يعرف هذا الامر الا لهذا
الحي من قريش هم اوسط العرب
نسبا و دارا و قد رضيت
لكم احد هذين الرجلين
فبايعوا ايهما شئتم فاخذ
بيدي و بيد ابي عبيدة بن
الجراح و هو جالس بيننا فلم
اكره مما قال غيرها كان والله
ان اقدم فتضرب عنقي لا
يقربني ذلك من اثم احب
الي من ان اتامر على قوم
فيهم ابو بكر اللهم الا ان تسول
الي نفسي عند الموت شيئا
لا اجده الان فقال قائل
من الانصار انا جذيلها

تو ابوبکر نے کہا کہ خاموش رہ میں نہیں چاہتا تھا
کہ ان کو ناراض کروں پس ابوبکر نے بولنا شروع
کیا اور وہ مجھ سے زیادہ حلیم اور باوقعت تھے
قسم بخدا جو کچھ بات میں نے حیلہ و مکر کی تیار کی تھی
وہ ساری کی ساری انہوں نے کہہ ڈالی اور فی
البدیہہ کہی بلکہ اس سے بہتر کہی پس انہوں نے
کہا کہ جو کچھ اپنی نیکی تم نے بیان کی ہے واقعی آپ
کے تم اہل ہو لیکن یہ امر خلافت قریش کے لئے ہے
وہ نسب میں تمام عرب میں بہتر ہیں پس میں نے
تمہارے لئے ان دونوں آدمیوں میں سے
ایک کو اس امر کے لئے پسند کیا ہے ان میں سے
جس سے چاہو بیعت کر لو اس کے بعد ابوبکر
نے میرا اور ابو عبیدہ بن الجراح کا ہاتھ پکڑا اور
ابوبکر ہم دونوں کے درمیان میں بیٹھے ہوئے تھے،
جو گفتگو ابوبکر نے کی تھی اس سب کو سوائے
ایک بات کے پسند کیا، میں نہیں چاہتا تھا کہ
میں آگے کیا جاؤں اور میری گردن ماری جائے
(کیونکہ معاملہ ابھی خطرناک معلوم ہوتا تھا)
کوئی محبوب مجھے گناہ کے اتنا نزدیک نہیں کرتی تھی
جتنا یہ کہ میں اس قوم میں حکومت کروں جس میں
ابوبکر ہوں مگر یہ کہ آراستہ کرے میرا نفس میرے
واسطے موت کے نزدیک کوئی ایسی چیز جسکو میں اب
نہیں پاتا ہوں یعنی مرتے دم تک میں ایسا ارادہ نہ کرونگا

المحککُ وعذیقہا المرجب منّا امیرٌ ومنکم امیر یا معشر قریش فکثر اللغط وارتفعت الاصوات حتّی فرقت من الاختلاف فقلت ابسط یدک یا ابابکر فبسط یدہ فبایعتہ وبایعہ المہاجرون ثمّ بایعتہ الانصار ونزونا علیٰ سعد بن عبادہ فقال قائلٌ منہم قتلتم سعد ابن عبادہ فقلت قتل اللہ سعد بن عبادۃ قال عمر وانّا واللہ ما وجدنا فیما حضرنا من امرٍ اقوی من مبایعۃ ابی بکر خشینا ان فارقنا القوم ولم تکن بیعۃ ان یبایعوا رجلاً منہم بعدنا فامّا بایعنا ھم علیٰ ما لا نرضیٰ وامّا نخالفہم فیکون فسادًا فمن بایع رجلاً علیٰ غیر مشورۃ من المسلمین فلا یُتابعُ ھو ولا الذی بایعہ تغرّۃً ان یقتلا

پھر انصار میں سے کسی کہنے والے نے کہا کہ میں وہ بڑی لکڑی ہوں جس کو لوگ شتر خانہ میں کھڑا کرتے ہیں جس سے اونٹ اپنا جسم کھجاتے ہیں اور میں وہ ستون ہوں جسکو ضعیف پھلدار درخت کے نیچے کھڑا کرتے ہیں ایک امیر ہم میں سے ہو اور ایک تم میں سے ہو اے گروہ قریش اس پر بیہودہ کلامی بڑھ گئی اور بہت غل غپاڑہ ہوا یہاں تک کہ اختلافات سے جدا ہو کر میں نے کہا کہ اے ابوبکر ہاتھ بڑھاؤ انہوں نے ہاتھ بڑھایا اور میں نے جھٹ بیعت کر لی پھر مہاجرین نے بیعت کی، پھر انصار نے بیعت کی پھر ہم سعد ابن عبادہ کی طرف جھپٹے۔ تو ان میں سے کہنے والے نے کہا کہ تم نے تو سعد ابن عبادہ کو قتل ہی کر دیا، میں نے کہا کہ خدا سعد ابن عبادہ کو قتل کرے، عمر نے کہا قسم بخدا ہم نے کسی امر کو جس میں ہم حاضر ہوئے، ابوبکر کی بیعت سے قوی تر نہیں پایا ہم اس بات سے ڈرے کہ ہم یہاں سے بیعت کا معاملہ مکمل کئے بغیر چلے جائیں، اور پھر ہمارے پیچھے وہ لوگ اپنے میں سے کسی سے بیعت کر لیں تو پھر ان دو نتیجوں میں سے ایک نتیجہ ہوتے یا تو ہم ان کی متابعت کریں جس کو ہم پسند نہیں کرتے یا ہم ان کی مخالفت کریں، دونوں صورتوں میں فساد ہوتا پس جو شخص کسی شخص سے بغیر مسلمانوں کے مشورہ کے بیعت کریگا تو اس کی پیروی نہ کی جائے بلکہ وہ دونوں قتل کر دئے جائیں۔

صحیح بخاری: باب رجم الحبلی من الزنا اذا احصنت۔
ابو جعفر محمد بن جریر الطبری :۔ تاریخ الامم والملوک الجزء الثالث ص ۲۰۰
ابن حجر مکی :۔ صواعق محرقہ ۔ باب الاول بفصل الاول ص ۵
ابن الاثیر :۔ تاریخ الکامل الجزء الثانی ص ۱۲۴۔
امام احمد حنبل :۔ مسند الجزء الاول ص ۵۵
محب الدین الطبری :۔ ریاض النضرہ الجزء الثانی الفصل الثالث فی خلافۃ ابی بکرؓ ص ۱۶۴
صحیح مسلم
شہرستانی :۔ کتاب الملل والنحل

ابو جعفر محمد بن جریر الطبری نے بھی حضرت ابوبکر کی بیعت کو فلتۃً لکھا ہے ۔
وکانت فلتۃ کفلتۃ الجاھلیۃ (تاریخ طبری الجزء الثالث ص ۲۱۰)
یعنی یہ ساری کارروائی بیعت ابوبکر کی ناگہانی بغیر مشورہ کے جاہلیت کے زمانہ کی سی آفت تھی۔
روایت فلتۃً لکھنے کے بعد محب الدین الطبری لفظ فلتۃ کی تشریح اس طرح کرتے ہیں۔

الفلتۃ ۔ ما وقع عاجلا من غیر تردد ولا تدبیر فی الامر ولا اجتیال فیہ وکذلک کانت بیعۃ ابی بکر رضی اللہ عنہ کانھم استعجلوا خوف الفتنۃ وانما قال عمر ذلک لان مثلھا من الوقائع العظیمۃ التی لا ینبغی للعقلاء التردی فی عقدھا لعظم المتعلق بھا فلا تبرم فلتۃ من غیر اجتماع

فلتۃ اس واقعہ کو کہتے ہیں کہ جو بغیر غور و تردد کے یک لخت ہو جائے ، اور ایسی ہی بیعت ابوبکر کی تھی، کیوں کہ ان لوگوں نے فتنہ کے خیال سے جلدی کی تھی، اور حضرت عمر نے یہ بات اس وجہ سے کہی کہ بیعت ابوبکر کی طرح کے واقعات صاحبان عقل و فہم کے لئے جائز نہیں کیوں کہ ان کے بہت سے بُرے نتائج نکلتے ہیں، گویا فلتۃ اس کو کہتے ہیں کہ بغیر صاحبان

اھل العقد والحل من کل ناس	حل وعقد کے اجتماع کے کسی امر کو اس طرح
وذان لتطیب الا نفس ولا یحمل	کر لیا جائے کہ مخالفت نہ ہو، اور اپنی خوشی
من لم یدع الیھا نفسہ علی المخالفة	پوری ہو جائے۔ پس جب بیعت ابی بکر
والمنازعة وارادة الفتنة لاسیما	صاحبان حل وعقد کے مجمع واجتماع و
اشرف الناس وسادات العرب	اجماع کے بغیر ہو گئی تو اس ہی وجہ سے
فلما وقعت بیعة ابی بکر علی خلاف	عمر نے کہا جو کہا (یعنی یہ کہ وہ فلتۃً ہوئی تھی)
ذلک قال عمر ما قال ثم ان اللہ	اور خدا نے اس کی شر سے بچا لیا، کیونکہ اس
وقی شرھا فان المعھود فی وقوع	طرح بیعت ہونے سے بہت سے فتنوں
مثلھا فی الوجود کثرة الفتن	اور عداوتوں کے پیدا ہونے کا امکان
ووقوع العداوة والاحن	تھا، اسی وجہ سے عمر نے کہا کہ خدا نے اس
فلذلک قال عمر وقی اللہ	کی شر سے یعنی اس کے بُرے نتیجوں سے
شرھا۔	بچا لیا۔

محب الدین طبری :۔ ریاض النضرۃ، الجزء الاول الفصل الثالث عشر فی خلافۃ ابی بکر ص ۱۶۴۔

جب گروہ اہلِ حکومت نے دیکھا کہ سقیفہ بنی ساعدہ والی بیعت بوجہ عدم موجودگی صاحبان حل وعقد خصوصاً بنو ہاشم ناقص و مہمل ہی تو انہوں نے ایک سیاسی چال چلی، جو اُن کو مغیرہ بن شعبہ نے بتائی تھی، وہ یہ تھی کہ اگر عباس بن عبد المطلب کو کسی طرح اپنی طرف کر لیا جائے تو پھر یہ نقص دور ہو جائے گا، اور حضرت علی و تمام بنو ہاشم پر ایک حجت پیدا ہو جائے گی، چنانچہ وہ ہی تینوں حضرات یعنی ابو بکر و عمر و ابو عبیدہ بن الجراح ساتھ مل کر حضرت عباس کی خدمت میں حاضر ہوئے، ان بزرگوں نے جو پیچ دار و پر فنون گفتگو کی اس کو پڑھ کر بہت لطف آتا ہی۔ ہم نہیں چاہتے کہ ناظرین اس سے محروم رہیں، اس علم میں کہ یہ حکومت الٰہیہ کن طریقوں اور ترکیبوں سے حاصل کی گئی تھی یہ گفتگو بہت اچھا اضافہ کرے گی۔

فاتی المغیرة بن شعبه فقال الرای
یا ابا بکران تلقوا العباس
فتجعلوا له فی هٰذا الامر نصیبًا
یکون له ولعقبه فتکون
لکما الحجة علی علی وبنی هاشم
اذا کان العباس معکم قال فانطلق
ابوبکر وعمر وابو عبیدة حتی
دخلوا علی العباس رضی الله
عنه فحمد الله ابوبکر واثنی
علیه ثم قال ان الله بعث محمدًا
صلی الله علیه وسلم نبیًا
وللمؤمنین ولیا فمن الله تعالی
بمقامه بین اظهرنا حتی
اختار له الله ما عنده فخلی
علی الناس امرهم لیختاروا لانفسهم
فی مصلحتهم متفقین لا مختلفین
فاختارونی علیهم والیا ولامورهم
راعیا وما اخاف بحمد الله
وهنًا ولا حیرة ولا جبنًا وما
توفیقی الا بالله العلی العظیم
علیه توکلت والیه انیب و
ما زال یبلغنی عن طاعن
یطعن بخلاف ما اجتمعت

پھر مغیرہ ابن شعبہ حضرت ابوبکر کے پاس آئے اور
کہا کہ ای ابوبکر یہ بہتر ہوگا کہ تم عباس سے ملو اور
اس کو اس امر خلافت میں حصہ دینا کر لو جو
اسکے اور اس کی اولاد کے لئے ہو اس کا نتیجہ
یہ ہوگا کہ تم دونوں (وہ ہی ابوبکر و عمر) کو علی و بنی
ہاشم پر حجت ہو جائے گی جب عباس تمہارے
ساتھ محکم ہونگے پس (وہ ہی تینوں حضرات ارکان
خلافت ابوبکر و عمر و ابو عبیدۃ بن الجراح مل کر
عباس کے پاس آئے۔ حضرت ابوبکر نے بعد حمد و
ثنا خداوند تعالیٰ اس طرح گفتگو کی، اللہ تعالیٰ
نے محمد صلعم کو نبی اور مومنین کے لئے حاکم مقرر
کیا۔ پس خداوند تعالیٰ نے ان پر اپنی نعمتیں
نازل کیں یہاں تک کہ ان کو اپنے جوار رحمت
میں بلا لیا۔ پس آنحضرتؐ نے اس امر خلافت کو لوگوں
کیلئے چھوڑ دیا تاکہ وہ اپنے لئے اختیار کریں جو
قرین مصلحت ہو (گویا رسول خدا تو اس مصلحت سے
واقف ہی نہ تھے) اور آپس میں متفق رہیں اور
اختلاف نہ کریں (اگر رسول خدا مقرر کر دیں تو وہ کیوں اختلاف
کریں) پس ان لوگوں نے مجھ کو اپنا حاکم و راعی مقرر
کر لیا اور میں اپنی کمزوری و حیرت و نامردی سے نہیں
ڈرتا اور جو کچھ مجھ میں توفیق ہے وہ خدا کی طرف سے ہے اسی
پر میرا بھروسہ ہے اور اسی کی طرف میری بازگشت ہے ہمیشہ
مجھے خبریں پہنچتی ہیں کہ چند طعنہ زن اس امر کے خلاف

علیہ عامة المسلمین وتیخذونکم	باتیں کرتے ہیں جس پر عام مسلمانوں کا اجتماع
لحاقا فاحذروا ان تکونوا جمهد	ہو گیا ہے اور یہ طعنہ کرنے والے تم لوگوں کو اپنی
المنیع فاما دخلتم فیما دخل	آڑ بنا لیتے ہیں پس تم اس میں زیادہ کوشش
فیه العامة او دفعتموهم عما	کرنے سے ڈرو یا تو تم اس امر میں شامل ہو جاؤ
مالوا الیه وقد جئناك نحن	جس میں عام مسلمان شامل ہوئے ہیں یا ان
نرید ان نجعل لك فی هذا	طعنہ زن لوگوں کو اپنے پاس نہ آنے دو یہ
الامر نصیبا یکون لك و	تحقیق ہم تمہارے پاس اس غرض سے آئے ہیں کہ
لعقبك من بعد اذ کنت عم	ہمارا ارادہ ہے کہ تمہارے لئے اس امر خلافت
رسول الله وان کان الناس	میں سے کچھ حصہ دیدیں جو صرف تمہارے
قد راؤ مکانك ومکان	لئے اور تمہارے بعد تمہاری اولاد کے لئے
اصحابك فعدلوا الامر عنکم علی	ہو کیونکہ تم رسول خدا کے چچا ہو اور اگرچہ
رسلك بنی عبد المطلب	لوگ تمہاری اور تمہارے اصحاب کی منزلت
فان رسول الله منا ومنکم ثم	سے واقف ہیں پھر بھی اس امر خلافت کو تمہیں
قال عمر ای والله واخری انا	نہ دیا کیونکہ رسول خدا تم میں سے ہیں اور ہم میں
لم نأتکم حاجة منا الیکم	سے ہیں اس کے بعد حضرت عمر نے اس طرح سیاسی
ولکنا کرهنا ان یکون الطعن	چھکا مارا، خدا کی قسم ہم تمہارے پاس اس لئے نہیں
منکم فیما اجتمع علیه العامة	آئے کہ ہمیں تم سے کوئی حاجت ہے بلکہ ہمکو یہ برا معلوم ہوا
فیتفاقم الخطب بکم وبهم	کہ لوگ تم پر طعنہ کریں اس امر کے متعلق کہ جس میں تمام مسلمان
فانظروا لانفسکم ولعامتکم	شامل ہو گئے ہیں پس تم اپنی اور اپنے عام لوگوں کی بھلائی
کتاب الامامة والسیاسة لابن قتیبه ص ۱۵	پر نظر رکھو۔

حضرت عباس آخر فراست بنی ہاشم رکھتے تھے اس ساری چال کو تاڑ گئے، اور ان الفاظ میں دندان شکن جواب دیا۔

فان کنت برسول الله طلبت	اگر تم نے رسول خدا کے ذریعہ و توسل کی وجہ

فحقنا اخذت وان کنت بالمومنین	خلافت لی ہو تو تم نے ہمارا حق غصب کیا ہے اور
طلبت فنحن منہم متقدمون	اگر مومنین کی وجہ سے خلافت حاصل کی ہے تو
فیہم وان کان ہذا الامر انما	ہم مومنین میں سب سے زیادہ مقدم ہیں اگر
یجب لک بالمومنین فما وجب	تمہارا دعویٰ ہے کہ یہ امر خلافت مومنین کی وجہ
اذ کنا کارھین فاما ما بذلت	سے تمہارے لئے جائز ہوا ہے تو یہ غلط ہے کیونکہ ہم
لنا فان یکن حقا لک فلا حاجة	اس سے راضی نہیں اور یہ جو آپ خلافت
لنا فیہ وان یکن حقا للمومنین	میں کا حصہ ہمکو بخشنا چاہتے ہیں تو بات یہ ہے
فلیس لک ان تحکم علیہم	کہ اگر یہ تمہارا حق ہے تو ہمکو اس کی ضرورت نہیں
وان کان حقنا لم نرض	اور اگر یہ مومنین کا حق ہے تو تم کو یہ جائز نہیں
عنک فیہ ببعض دون بعض و	کہ اس طرح تقسیم کرتے پھرو اور اگر یہ ہمارا حق ہے تو ہم
اما قولک ان رسول اللہ منکم ومنا	نہیں چاہتے کہ خلافت کا فقط ایک ہی حصہ لیں
فانہ قد کان من شجرة نحن	ساری خلافت ہمارا حق ہے اور یہ جو تم نے کہا کہ
اغصانہا وانتم جیرانہا۔	رسول اللہ ہم میں سے بھی ہیں اور تم میں سے
ابن قتیبہ :۔ کتاب الامامت والسیاست	بھی تو امر واقعہ یہ ہے کہ رسو لخدا اس درخت
الجزء الاول ص ۱۵	میں سے ہیں جس کی ہم تو شاخیں ہیں اور تم
	فقط نزدیک کی اُگی ہوئی جُولائی ہو۔

دیکھا آپ نے۔ حضرت عباس نے کس طرح ان کو قائل کر دیا۔ جو امر کسی اصول پر مبنی نہ ہوا اور حق اس کے خلاف ہو وہ اسی طرح مغلوب ہو جاتا ہے، برائے خدا اپنے گریبانوں میں منہ ڈالو۔ کیا حکومتِ الہیۃ اسی طرح حاصل کی جاتی ہے، اور حکومتِ الہیہ کے صاحبان امر اسی طرح لوگوں کو رشوت دیتے پھرتے ہیں، اور ان کے حق کا مدار فقط اس پر ہی ہے۔ رشوت کی ایک اور مثال سنئے۔

فلما اجتمع الناس علی ابی بکر	جب لوگوں نے حضرت ابوبکر کی بیعت
قسم بین الناس قسما فبعث	کر لی تو ابوبکر نے لوگوں میں مال تقسیم کرنا شروع

الی عجوز من بنی عدی بن النجار
بقسمها مع زید ابن ثابت
فقالت ما هذا قال قسم
قسمه ابو بکر للنساء فقالت
اترا شونی عن دینی ......
قالت لا آخذ منه شیئا
ابدا۔

کیا زید بن ثابت کے ہاتھ بنی عدی بن النجار
کی ایک ضعیفہ کے پاس اس کا حصہ بھجوایا۔ اس
عورت نے پوچھا کہ یہ کیا ہے زید ابن ثابت نے کہا
کہ یہ حصہ ہے جو ابوبکر نے عورتوں میں تقسیم کیا ہے
اور یہ تیرا حصہ مجھے بھیجا ہے اس ضعیفہ نے کہا کہ
کیا تم مجھ کو رشوت دیکر حق سے ہٹاتے ہو قسم بخدا میں
قیامت تک ذرا سا بھی نہ لوں گی۔

ابن سعد: طبقات الکبریٰ ق ا ج ۳ ص ۱۲۹

اقتباسات سابقہ سے صاف عیاں ہے کہ سقیفہ بنی ساعدہ میں قریش میں سے صرف ابوبکر و عمر و ابوعبیدۃ بن الجراح ہی وہاں بیعت کے دن موجود تھے۔ سوائے ان حضرات کے قریش میں سے اور کوئی وہاں موجود نہ تھا، اگر اس سے بھی زیادہ صراحت وثبوت کی ضرورت ہے تو وہ بھی حاضر ہے۔

ولم یحضر معه فی السقیفه من قریش
غیر عمر وابی عبیدة فلذلك
دل علیهما ولم یمکنه ذکر
غیرهما ممن کان غائبا خشیة
ان یتفرقوا عن ذلك المجلس
من غیر ابرام امر واحکامه
فیفوت المقصود ولو وعدوا
بالطاعة لمن غاب منهم
حینئذ ما امنهم علی تسویل
انفسهم الی الرجوع عن ذلك
فکان من النظر السدید

حضرت ابوبکر کے ساتھ سقیفہ بنی ساعدہ میں
قریش میں سے سوائے عمر و ابوعبیدہ کے اور
کوئی نہ تھا اور اس ہی وجہ سے ابوبکر نے بیعت
کے لئے صرف ان دو بزرگواروں ہی کی
طرف اشارہ کیا، ان کے لئے ممکن نہ تھا کہ
ان دونوں کے علاوہ کسی اور کا بھی ذکر کرتے
جو وہاں موجود نہ تھا ڈر یہ تھا کہ اگر لوگ
اس مجلس سے بغیر کسی کی بیعت کئے ہوئے
متفرق ہو گئے تو اپنا مقصود و مطلب فوت ہو جائیگا
اور اگر وہ کسی غائب شخص کی بیعت کا اقرار بھی کر لیتے
تو بہت ممکن تھا کہ بعد میں وہ اس سے پھر جاتے لہذا

والامر الرشید مبادرته وعقد البیعة والتوثق منهم فیها حالتنا الراهنة	رائے صائب اور امر نیک یہی تھا کہ اس میں جلدی کی جائے اور فوراً بیعت لے لیجائے اور ان کے وعدہ کی توثیق اسی وقت موقعہ پر کر لی جائے

محب الدین الطبری :- ریاض النضرہ الجزء الاول القسم الثانی الفصل الثالث عشر فی خلافت ابی بکر۔ ص ۱۶۵۔

سوائے ریاض النضرہ کے دیگر کتب تواریخ میں بھی یہی درج ہے کہ سقیفہ بنی ساعدہ میں ہونے والی اس مجلس خلیفہ سازی میں سوائے حضرت ابوبکر و عمر و عبیدہ بن الجراح کے اور کوئی موجود نہ تھا۔ ملاحظہ ہوں۔

ابو جعفر محمد بن جریر الطبری :- تاریخ الامم والملوک الجزء الثالث ص ۲۰۸

ابن عساکر :- تاریخ الکبیر، حصہ تہذیب الجلد الثالث ترجمہ بشیر بن سعد بن ثعلبہ ص ۲۶۳۔

محب الدین طبری کی یہ بحث معذرت پیش کرتی ہے اس امر کی کہ حضرت علی کا نام باوجود ان کے افضل اور احق بالخلافت ہونے کے وہاں حضرت ابوبکر نے خلافت کے واسطے کیوں نہ پیش کیا؟ لائق مؤلف کی بحث ہے کہ وہ تینوں حضرات جو محض ایک دوسرے کو خلافت کے لئے پیش کر رہے تھے ان کی کسی خاص فضیلت کی وجہ سے نہ تھا۔ بلکہ موقعہ کی نازک حالت کی وجہ سے تھا، اپنا خاص مقصد و مطلب پورا کرنے کے لئے ایسا کیا گیا تھا۔ بیعت ابوبکر عجلت میں نازک حالات کے اندر ہو گئی، لوگوں کو موقعہ نہ ملا کہ اپنی عقل و رائے کو کام میں لاتے اور مستحق خلافت کو انتخاب کر کے اس کو رائے دیتے یہ عذر ہماری بہت سی بحثوں کی تائید کرتا ہے ورنہ بذات خود کچھ معقول نہیں، اگر نیت صاف تھی تو حضرت علی یا ان کے نائب کو کیوں نہ لے گئے۔ حضرت علی سے کہا تو ہوتا، یہ تو بالکل چھپ کر نکل گئے، اس عبارت سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ حالات ایسے تھے کہ مہاجرین میں سے جو حضرات وہاں موجود تھے صرف ان کا ہی ذکر آسکتا تھا، چونکہ یہ تین وہاں تھے لہذا چوتھے کا ذکر نہیں آسکتا تھا اس سے ہماری اس دعوی کی بھی تائید ہوتی ہے کہ حضرت علی کے

ذکر کو وہاں آنے سے روکنے کے لئے ہی حضرت عمر نے اِن واقعات کو اس طرح مرتب کیا تھا جن طریقوں سے اور جن حالات کے اندر حضرت ابوبکر کے حق میں بیعت حاصل کی گئی وہ ناظرین کو معلوم ہو گئے۔ اب ہم ان کی توجہ ان واقعات کے ہر ایک پہلو پر مبذول کراتے ہیں اور اس سے جو نتیجہ نکلتا ہو وہ ہم ناظرین کے فہم و ذکاء پر چھوڑتے ہیں۔

جوں جوں جناب رسولخدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مرض بڑھتا جاتا تھا اور زیست کی امید گھٹتی جاتی تھی، لوگوں کے دلوں میں قدرتی طور سے یہ خیال طاقت پکڑتا جاتا تھا۔ کہ آنحضرت کے بعد آپ کا جانشین اور امت کا سردار اور ہادی کون ہوگا کیونکہ مشیتِ الہیٰ نے پیغمبری کے ساتھ ساتھ آپ کو حکومت بھی عطا فرمائی تھی۔ جہاں تک جناب رسولخدا کی خواہش اور آپ کے انتخاب کا سوال تھا آپنے صاف اور صریح الفاظ میں اپنے داماد و ابن عم و افضل ترین امت کو اپنا جانشین اور امت کا سردار مقرر کر دیا، آپکے افعال اور اقوال اور خصوصاً غدیر خم کے واقعات نے کوئی شبہ کی گنجائش نہیں چھوڑی تھی لیکن جیسا کہ ہم اوپر بیان کر چکے ہیں ایک ایسی جماعت حضرت علی کے خلاف پیدا ہو گئی تھی جو اُن کی حکومت نہیں چاہتی تھی اس کے کیا وجوہات تھے۔ ہم اوپر بیان کر چکے ہیں ۔ بنوت کی وجہ سے جو شرف بنوہاشم کو حاصل ہو گیا تھا وہ بہت سے دیگر قبائل کو اچھا نہیں لگتا تھا، اور وہ لوگ جو دین پر دنیا کو ترجیح دیتے تھے نہیں چاہتے تھے کہ بنوت و حکومت ایک قبیلہ میں چلی جائے اور ان کو یہ بھی ڈر تھا کہ کہیں ہمیشہ کے لئے یہ حکومت اس قبیلہ میں مستقل نہ ہو جائے۔ بنوہاشم کے مد مقابل بنوامیہ تھے لیکن ان کا سردار ابوسفیان ابھی تک زندہ تھا، اور اس نے جو سلوک اسلام و پیغمبر اسلام کے ساتھ کیا ہوا تھا اور جس بد دلی و مجبوری کے ساتھ آخری وقت میں کوئی اور چارۂ کار نہ دیکھتے ہوئے اسلام قبول کیا تھا اس نے یہ موقعہ نہ چھوڑا کہ بنوامیہ کا سردار بھی آنحضرت کی جانشینی کے لئے ایک امیدوار ہو سکتا، دیگر قبائل میں حضرت عمر جیسی سیاسی قابلیت اور موقعہ شناسی رکھنے والا کوئی نہ تھا، حضرت ابوبکر و حضرت عمر اگرچہ گمنام قبیلوں میں سے تھے۔ لیکن واقعات نے ان کو ایسا موقعہ دیدیا کہ سیاسی دور اندیشی و موقعہ شناسی کے ساتھ

وہ اپنی ایک جماعت بناکر حکومت کے امیدوار بن سکتے تھے اور حضرت عمر کو کارکنان قضا و قدر نے ایک خاص سیاسی قابلیت اور موقعہ شناسی کی اہلیت عطا کی ہوئی تھی، اس کے ساتھ فطرت کی غلظت، مزاج کی رعونت، طبیعت کی ذہانت اور دنیا کی چاہت نے ایک ایسا اجتماع خصائل پیدا کر دیا تھا کہ جس کی وجہ سے یہ سب کے آگے آگے رہتے تھے۔ حالانکہ اسلام کی کچھ خدمت نہیں کرتے تھے، ان کی ذہانت و ذکاوت نے ان کو اچھی طرح بتا دیا تھا کہ وہ خود تن تنہا اپنی خشونت طبع کی وجہ سے لوگوں کے دلوں کو اپنی طرف نہیں کھینچ سکتے، اور بغیر اس کے امارت و حکومت حاصل نہیں ہو سکتی تھی، قیام حکومت کے ساتھ استقامت حکومت کی طرف فوراً ذہن منتقل ہوتا ہے، موجودہ حاکم کے بعد کون اس کا جانشین ہوگا یہ خیال ہر ایک دماغ میں پیدا ہوتا ہے اور حضرت عمر کا دماغ اس سے خالی نہ تھا، لہٰذا انہوں نے اپنے منصوبوں کی کامیابی کے لئے ایک ایسا اپنا ساتھی منتخب کیا جو ان کی طبیعت کے نقائص کی پردہ پوشی کر سکے، اور ساتھ ہی ان کا ماتحت بھی رہے اور ان کے اشاروں پر چلے وہ ساتھی حضرت ابو بکر تھے۔ یہ معلوم کرنا خالی از دلچسپی نہ ہوگا کہ زمانۂ جاہلیت میں ان دونوں بزرگواروں میں کوئی خاص دوستی نہ تھی، صرف اتنا تھا کہ ایک دوسرے کو جانتے تھے اور الگ الگ رہتے تھے یہ چولی دامن کا ساتھ جو اسلام کے بعد ہوا اس سے پہلے نہ تھا، یہ اتحاد، یہ اتفاق اور یہ دوستانہ حضرت عمر نے عمداً پیدا کیا اور اس کو ایک ذریعہ قرار دیا ان منصوبوں کی کامیابی کا جو حضرت عمر کے دماغ میں اسلام کے بعد ایک عرصہ سے نشو و نما پا رہے تھے لیکن جن کے علانیہ اظہار کا وقت صرف آنحضرت کی رحلت کے نزدیک آیا حضرت ابو بکر کے حلم و نرمئ طبع نے حضرت عمر کی خشونت طبع و رعونت مزاج کے ساتھ مل کر ایک ایسا مرکب پیدا کر دیا تھا جو جہلاء عرب کی تالیف قلوب کے لئے نہایت موزوں تھا ان دونوں حضرات کی صاحبزادیوں کا جناب رسول خدا کے حرم محترم کے اندر ہونا حضرت عمر کے منصوبوں کی کامیابی کے لئے نہایت سعید ثابت ہوا۔

واقعات کو پرکھنے والے جانتے ہیں کہ اگر سقیفہ بنی ساعدہ کی جد و جہد

میں حضرت ابوبکر کا حلم، اور مصالحت آمیز رویہ نہ ہوتا تو حضرت عمر کی درشتی طبع و سختی مزاج تو موقعہ کو کھو چکی تھی، صرف تین ہی آدمی تو تھے، وہاں سے خوب پٹ کر نکلتے۔ لیکن یہ بھی ظاہر ہے کہ حضرت ابوبکر کو وہاں تک صرف حضرت عمر کی موقعہ شناسی اور سرعتِ فہم ہی لے گئی تھی ورنہ یہ تو وہیں۔ مدینہ میں بیٹھے رہتے۔ جس سرعت و مضبوط ارادہ کے ساتھ حضرت عمر نے حضرت ابوبکر کا ہاتھ نکلوا کر اس نازک اور نہایت اہم موقعہ پر بیعت کا سلسلہ شروع کرا دیا یہ صرف حضرت عمر ہی کا کام تھا اور ان کی ہی عقل رسا یہ برمحل ترکیب سوچ سکتی تھی، اور یہ ہی فیصلہ کن تدبیر تھی ورنہ لفظی بحث میں تو معاملہ ختم نہ ہوتا اور ڈر یہ تھا کہ فضیلت کی بحث چھڑ گئی ہے یہ نہ کہیں رنگ لائے، اور اگر فضیلت ہی معیار خلافت ٹھہری تو ہم تو کہیں کے نہ رہے، اور جب انصار یہ دیکھتے کہ ہم میں سے تو حکومت جاری ہے تو پھر ان کا دماغ مہاجرین کے افضل ترین شخص کی طرف جاتا اور ان دونوں حضرات کو مسکت جواب مل جاتا یہ سارے خیالات نہایت تیزی کے ساتھ حضرت عمر کے دماغ میں سے گذرے ان سب کا دفیعہ ان کی سرعتِ فہم نے اس طرح کیا کہ ابھی بحث جاری ہی تھی، اور حاضرین کسی ایک فیصلہ پر نہیں پہنچے تھے کہ انہوں نے حضرت ابوبکر کا ہاتھ نکلوا کر بیعت کا سلسلہ شروع کر دیا۔ غرض ظاہر ہے کہ اگر ان دونوں حضرات میں سے ایک نہ ہوتا تو پھر تاریخ اسلام دوسرے اور بہتر طریقے سے لکھی جاتی۔

حضرت علی کے مخالفین کو اس معاملہ میں ایسے آدمیوں کی مدد کی رہنمائی کی ضرورت تھی جو رسول خدا کے ارد گرد رہنے والے اور ان کے گھر کے حالات کی خبر رکھنے والے ہوں اور عام مسلمانوں میں بھی کچھ باا ثر گفتگو کر سکیں اور تجویزیں سوچ سکیں اور پیش کر سکیں اور ان کے ہمخیال و ہمدرد بھی ہوں، وہ ہی ایسی ترکیب بنا سکتے تھے کہ سانپ مرے اور لاٹھی نہ ٹوٹے، کیونکہ مسلمان رہ کر پیغمبر اسلام سے اختلاف کرنا ان کے خیال میں ممکن نہ تھا، اس غرض کے لئے اس جماعت کو حضرت ابوبکر و حضرت عمر سے بہتر آدمی نہیں مل سکتے تھے، لہذا ان سب کی آنکھیں ان دونوں حضرات

کی طرف اٹھتی تھیں اور ان سب کی امیدیں ان سے ہی وابستہ تھیں۔ حضرت عمر کو بھی اس اتحاد عمل میں ایک نمایاں فائدہ نظر آ رہا تھا، اصحاب رسول کی یہ جماعت حضرت علی کے خلاف تو ضرور تھی لیکن ان کے مقابلہ میں کسی شخص کو اپنے میں سے پیش نہیں کر سکتی تھی جو اس جانشینیٔ رسول کا امیدوار ہو سکتا اور حضرت علی کے مقابلہ میں کھڑا ہوتا۔ جیسا ہم اوپر بیان کر چکے ہیں بنو امیہ کے لئے کوئی موقعہ نہ تھا اور بنو امیہ ہی ایک ایسا قبیلہ ہو سکتا تھا جو بنو ہاشم کے مقابلے کیلئے کسی ہمت کیساتھ کھڑا ہوتا اور قبائل جو تھے وہ حسب و نسب و وجاہت میں بنو ہاشم کی گرد کو بھی نہیں پہنچ سکتے تھے اور اگر شخصی ذاتی صفات و خصائل پر نظر ڈالی تو یہ سب محض صفر تھے انصار نے بہت لے دے کی تو ایک سعد بن عبادہ کو پیش کر سکے جنکا سقیفہ بنی ساعدہ سے پہلے کسی نمایاں خدمت اسلامی کے سلسلہ میں نام بھی سننے میں نہیں آتا۔ مگر اتنا تو تھا کہ سوائے چند حاسدوں کے سب انصار ایک شخص پر جمع ہو گئے، مہاجرین میں تو حضرت علی کو چھوڑ کر کوئی اتنا بھی نہ تھا کہ جس پر سب جمع ہو جاتے اور جس کو سب مل کر متفقہ طور سے امت کی سرداری کے لئے پیش کر سکتے ہمارے اس بیان کے ثبوت میں آئندہ کے واقعات پیش کئے جا سکتے ہیں، حضرت ابوبکر نے حضرت عمر کو خلیفہ مقرر کیا اور حضرت عمر کو کوئی آدمی ہی نہیں ملتا تھا جس کو خلیفہ مقرر کریں اب بھی سقیفہ سازی کے وقت بھی اگر کوئی اور آدمی اس قابل ہوتا تو اس کو بھی حضرت عمر اپنے ساتھ لے جاتے، غرضکہ ان حالات کا جائزہ لینے کے بعد حضرت عمر نے اپنا موقعہ دیکھا، اس جماعت مخالفین کی تنظیم کر کے بہت بڑا کام نکل سکتا ہے ان کے ساتھ مل کر حضرت علی کو تو نظر انداز کر سکیں گے اور پھر دیکھیں گے، کہ کون ہے جو ہمارے مقابلہ میں اس حکومت کو سنبھال لیگا، جب ہماری سرکردگی میں یہ مقصد عظمیٰ حاصل ہو جائیگا کہ باوجود رسول خدا کے صریح و متواتر اعلانات کے علی کو نظر انداز کر ڈالیں گے تو یہ لوگ خود ہماری طرف جھکیں گے، اور ہم ہی کو اپنا سرداد مان لیں گے، جناب رسولخدا کے اردگرد رہنے نے، ہر ایک محفوظ موقعہ پر آگے رہنے نے اور نیز جناب رسولخدا کے خسر ہونے نے مسلمانوں میں یہ جگہ تو پیدا کر دی تھی کہ اگر بنو ہاشم کو نظر انداز کر دیا جائے تو پھر ان کے مقابلہ میں کوئی اور مسلمان نہیں کھڑا ہو سکتا، فطرت کی غلطت

طبیعت کی خشونت ضرور سدِّراہ ہو سکتی تھی لیکن اس عیب کے ضرر کو ڈھانکنے کیلئے ایک ساتھی حضرت ابوبکر مل ہی گئے تھے، ان تمام امور پر غور کرکے حضرت عمر اس جماعتِ مخالفین کے سردار بن گئے اور یہ تھے وہ حالات و واقعات جن کی وجہ سے حضرت عمر حکومت حاصل کر سکے۔

جو کچھ اس جماعت نے جنابِ رسولخدا کی حیات میں اپنا مقصد حاصل کرنے کے لئے کیا وہ تاریخ کے صفحات میں صریحاً نہیں آسکتا تھا اس کی دو وجوہات تھیں اول تو یہ کہ اس وقت تک یہ لوگ سوائے خفیہ سرگوشیوں کے اور کیا کر سکتے تھے، دوسری وجہ یہ تھی کہ اس ہی جماعت کے افراد برسرِ حکومت آگئے لہٰذا یہ ناممکن ہو گیا کہ یہ ساری سازشیں اپنی عریانی کے ساتھ لوگوں کے سامنے صفحاتِ تاریخ میں آئیں۔ لیکن ؎

نہاں کے ماند آں رازی کزو سازند محفلہا

ہر ایک شخص تو ان میں سے حضرت عمر نہ تھا جو ہمیشہ مصالح سیاسیہ ہی کو مدِّنظر رکھتا۔ بہت سی صحیح روایات اور واقعات ہم تک پہنچے ہیں جن سے اس جماعت کی کارسازیوں اور راز داریوں کا پتہ چلتا ہے، بحکم خداوندی جناب رسولخدا حضرت علی سے راز کی گفتگو صیغۂ راز میں کرتے ہیں، حضرت عمر اپنی جماعت کی ترجمانی اور اس کی سرداری کا حق ادا کرتے ہیں شکایتاً یہ کہہ کر کہ یا رسول اللہ آپ نے تو اپنے ابن عم کے ساتھ بہت دیر تک راز کی گفتگو کی ہے جناب رسولخدا تمام اصحاب کے گھروں کے دروازے جو مسجد کی طرف کھلتے تھے بند کرا دیتے ہیں اور صرف حضرت علی کے گھر کا دروازہ جو مسجد کی طرف کھلتا تھا کھلا رہنے دیتے ہیں، پھر اس جماعت کے افراد شکایت کرتے ہیں، پہلے حضرت حمزہ کو اُکسا دیا، پھر خود حضرت عمر نے شکایت کی بلکہ حضرت عمر نے تو اپنا دروازہ بند ہی نہیں کیا جب تک کہ آنحضرت نے ایک خاص قاصد بھیج کر بند نہ کرا دیا، دونوں موقعوں پر حضرت عمر نے علی کی طرف اشارہ ابن عم کرکے کیا، مدعا یہ تھا کہ آپ محض بوجہ ابن عم ہونے کے خاندانی محبت کی وجہ سے علی کو یہ ترجیح دے رہے ہیں، ان شکایتوں کا سیاسی مقصد یہی تھا کہ مجمع عام میں سب لوگوں کی توجہ اس امر کی طرف چلی جائے کہ جناب

رسولخدا حضرت علی کو نا جائز ترجیح بوجہ رشتہ داری کے دے رہے ہیں، یہ تصور محض واقعہ ہے کہ حضرت عمر کی ان شکایتوں کا چرچہ بچہ بچہ کے کان تک پہنچ گیا، بہتوں نے کہا ہو گا کہ عمر نے ٹھیک تو کہا اور یہی مقصود تھا، علاوہ اِن خفیہ سرگوشیوں اور کھلیوں کے جب عمل کی ضرورت ہوئی اور جب خاموش رہنا ان کے مقصد کے لئے قطعی مضر پڑتا تھا تو ان لوگوں نے عمل کر کے بھی دکھایا اور ان کے یہ افعال ہی اُن کے خفیہ منصوبوں کا پتہ دیتے ہیں، جب آنحضرت نے ان لوگوں کو جیش اسامہ میں باہر بھیجنا چاہا تو یہ نہ گئے۔ اور اسامہ ابن زید کو جو ایک نوجوان شخص تھے جرف سے آگے جانے ہی نہ دیا، جرف مدینہ کے مضافات ہی میں سے تھا، چونکہ اسامہ بن زید نے ان کی خواہشات کے مطابق عمل کیا لہذا ہر ایک تاریخ کی کتاب میں یہ لکھا ہوا پاؤگے کہ حضرات شیخین اسامہ کی بڑی عزت کرتے تھے اور جب تک زندہ رہے اس کو امیر المومنین ہی کہا کئے وہ نوجوان بچہ اس ہی میں خوش ہو گیا ورنہ اسامہ کے علاوہ اور بہت سے افسران لشکر و والیان مدینہ آنحضرت نے مقرر کئے تھے، خالد بن ولید و عمر و عاص کی ماتحتی میں حضرات شیخین رکھے گئے تھے، ان میں سے کسی کی اتنی عزت نہ کی، اسامہ بن زید میں کیا خصوصیت تھی۔ یہی خصوصیت تھی کہ اُن کے آڑے وقت میں اپنی نادانی کی وجہ سے کام آگئے، پھر دوسرا موقعہ اسوقت ہوا کہ آنحضرت نے بستر مرگ پر اپنے جانشین کی تقرری کو تحریر کرنے کے لئے قلم و دوات و کاغذ طلب کیا، اسوقت خاموش رہنا تمام منصوبوں پر بڑی حد تک پانی پھیر دیتا، لہذا حضرت عمر نے اپنی جماعت کی خواہشات کی ترجمانی اچھی طرح کی اور جو امیدیں ان لوگوں کی آپ کی ذات سے وابستہ تھیں نہیں بہت خوبی سے پورا کر کے دکھا دیا اس موقعہ پر حضرت عمر نے ایک ایسا ہیجان پیدا کر دیا کہ وصیت کا لکھا جانا ناممکن ہو گیا، یہ بہت نمایاں فتح تھی جو اس نازک موقعہ پر حاصل ہوئی، اگرچہ اس نے جناب رسولخدا کے آخری لمحوں کو مکدر کر دیا اور آپ اس امر کا یقینی علم لے کر دنیا سے تشریف لے گئے کہ اب تک جو کچھ میں نے علی کو اپنا جانشین مقرر کرنے کے لئے کیا ہے وہ مارا ہوا نظر نہیں آتا لیکن حضرت عمر بھی مجبور تھے۔ اس وقت وصیت

کی تحریر کو کسی نہ کسی طرح روکنا ضروری تھا، ورنہ سارے منصوبے خاک میں مل جاتے حضرت عائشہ نے بھی اس سلسلہ میں ایک فتح حاصل کی، جب آنحضرت کی بے ہوشی کے وقت انہوں نے بلال کو بلوا کر حکم دیا کہ وہ ابوبکر سے کہیں کہ نماز پڑھا دیں، یہ ہم ثابت کر چکے ہیں کہ یہ حیلہ فقط حضرت عائشہ کا تھا اس امر کا ثبوت کہ یہ امامت نماز کا قصہ اس منصوبہ کی ایک کڑی تھی اس طرح ملتا ہے کہ سقیفہ بنی ساعدہ میں حضرت عمر فوراً اس کی طرف اُچکتے ہیں، وہ اس کو بڑی اہمیت دیکر اس کا ذکر کرتے ہیں حالانکہ موجودہ حالات میں اس کا ذکر غیر متعلق تھا، جب تم کہتے ہو کہ آنحضرت نے کسی کو اپنا جانشین مقرر نہیں کیا تھا کیونکہ آنحضرت کے انتخاب کو چھپانا تمہارا مقصد ہے اور خود سقیفہ کے حالات بتا رہے ہیں کہ تم یہ ہی کلیہ قائم کرنا چاہتے ہو تو پھر اس کا ذکر غیر متعلق نہیں تو اور کیا ہے اپنے کلیہ کو مد نظر رکھتے ہو تم یہ تو کہہ نہیں سکتے کہ اس امامتِ نماز سے انتخاب جانشین مقصود تھا غالباً اس کے ذکر سے حضرت عمر کا منشاء کسی فضیلت کا ثابت کرنا تھا مگر اس سے مشکل تر سرداری و نیابت رسولؐ کے موقعہ یعنی جہاد و دیگر اہم کارناموں کو چھوڑ کر نماز کی امامت پر زور دینا ایک مضحکہ انگیز صورتِ حالات پیدا نہیں کرتا تو اور کیا ہے نماز تو آپ کے اعتقاد کے بموجب ایک جاہل وصنیا جولاہا بھی پڑھا سکتا ہے، اس کے لئے کسی خاص علم و فضیلت کی ضرورت نہیں، جب آنحضرت باہر جہاد پر تشریف لے جاتے تھے تو بہت سے لوگوں نے ایک وقت نہیں بلکہ کئی دن متواتر مدینہ پر حکومت بھی کی ہے اور آنحضرت کی طرح نماز بھی پڑھائی ہے، اور ان کا تقرر آنحضرتؐ کے ایسے صریح حکم سے ہوا تھا جس سے کسی کو انکار نہیں، اگر امامت نماز کچھ استحقاقِ خلافت پیدا کرتی ہے تو وہ لوگ بدرجہ اولی اس کے مستحق ہوئے، ایسی چیز کو قابل فخر قرار دینا اور اس طرح گلے کو پھاڑ پھاڑ کر اس کا ذکر کرنا ظاہر کر رہا ہے کہ یہ صرف ایک بناوٹی بات تھی جو شہادت میں پیش کرنے کے لئے وضع کی گئی تھی۔

غرضیکہ ظاہر ہے کہ لوگوں میں آنحضرت کی جانشینی کا خیال ترقی کرتا جا رہا تھا اور منصوبے تیار ہو رہے تھے، ان منصوبوں کی روحِ رواں یہ ہی دونوں حضرات ہو سکتے تھے اور واقعی تھے، عین موقعہ پر یہ خرابی ہوئی کہ جناب رسولخدا کا وقت آخر آ گیا، اور

ان دونوں میں سے ایک صاحب موقعہ پر موجود نہ تھے، حضرت ابوبکر اسوقت محلہ سنخ میں اپنی
نئی دلہن کے پاس گئے ہوئے تھے اور حضرت عمر جانتے تھے کہ اگر میں اکیلا مجمع انصار میں
گیا تو کام خراب ہو جائیگا، بڑا نازک وقت ہے، انصار سقیفہ بنو ساعدہ میں جمع ہو جائیں
کہیں آنحضرت رحلت فرما چکے ہیں اگر آنحضرت کی وفات کی خبر لوگوں میں
پھیل گئی تو وہ جلدی سے اپنے خلیفہ مقرر کر لیں، حضرت عمر کی فکر رسا نے ایک ایسی
تدبیر سوچی جو ایسے موقعوں پر حضرت عمر جیسے مدبر و ذہین لوگ اُن سے
پہلے اور ان کے بعد عمل میں لاتے رہے ہیں، کتب تواریخ کا مطالعہ کرنے والے جانتے
ہیں کہ بہت سے ایسے واقعے ہوئے ہیں جن میں موجودہ حکمران کی موت کو کچھ عرصہ کے لئے
چھپانا مصلحت ملکی کے لئے ضروری ہوا ہے، فوراً حضرت عمر تلوار لے کر کھڑے ہو گئے اور
باواز بلند مشتہر فرمانے لگے کہ جناب محمد مصطفےؐ نے تو انتقال نہیں فرمایا، وہ تو حضرت
عیسیٰ کی طرح آسمان پر تشریف لے گئے ہیں، اور جو یہ کہے گا کہ انہوں نے رحلت فرمائی تو
میں اس کا سر تلوار سے قلم کر دوں گا، سب پر سکوت کا عالم ہو گیا، خبر باہر کیونکر جا سکے،
یہ ایک سیاسی ہی تدبیر تھی اور حضرت عمر کی سیاست کی وقت پر بہت تمام تدبیر تھی، ورنہ
کیا یہ ممکن تھا کہ حضرت عمر دل سے یقین کرتے ہوں کہ جناب سرور کائنات نے رحلت نہیں فرمائی۔
آسمان پر تشریف لے گئے ہیں یا حضرت موسیٰ کی طرح میقات کے لئے گئے ہیں، آنحضرت
کا جسد مبارک تو ان کی آنکھوں کے سامنے پڑا تھا اور موسیٰ و عیسیٰ اپنا جسد اقدس
چھوڑ کر میقات کے لئے یا آسمان پر تشریف نہیں لے گئے تھے آنحضرت کی رحلت کوئی
اچانک واقعہ نہ تھا، آنحضرتؐ کے مرض نے بتدریج ترقی کی تھی اور سب کے سامنے مرض
اس درجہ تک پہونچ گیا تھا کہ زیست کی امید باقی نہیں رہی تھی، خود مسجد میں جا کر آنحضرت
سب سے رخصت ہو کر آئے تھے اور اعلان فرما چکے تھے کہ جو شخص سمجھتا ہو کہ میں نے
اس کے ساتھ سختی کی ہے وہ مجھ سے قصاص لے لے، حضرت عمر نے یہ سب حالتیں دیکھی
ہوئی تھیں کوئی نسبت گمان کر سکتا ہے کہ حضرت عمر دل سے یقین رکھتے تھے کہ آنحضرت نے
رحلت نہیں فرمائی، امر واقعہ یہ ہے کہ چونکہ وہ سارے منصوبے بغیر حضرت ابوبکر کی شمولیت

کے پورے نہیں ہو سکتے تھے لہذا ان کے آنے تک لوگوں کو اس طرح مشغول رکھا گیا یہ بھی ڈر تھا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ کوئی دوڑ کر حضرت علی کی بیعت شروع کر دے، حضرت ابوبکر کے آتے ہی آپ کو عقل آگئی، کیا حضرت عمر قرآن سے ایسے جاہل تھے کہ اتنی مشہور آیت بھی یاد نہ رہی ہو، جب جنگ احد میں شیاطینِ کفار نے مشہور کر دیا کہ آنحضرت شہید ہو گئے اور آنحضرت کا لوگوں کو پتہ بھی نہیں تھا کہ کہاں ہیں اس وقت حضرت عمر کو کیوں خیال آیا کہ نہیں وہ شہید نہیں ہو سکتے، کفار کے نرغہ سے محفوظ رکھنے کے لئے حضرت عیسےٰ کی طرح آسمان پر بلائے گئے ہیں اس وقت اگر حضرت عمر یہ اعلان کرتے تو مفید بھی ہوتا اور بہت کچھ حضرت عیسیٰ کی مشابہت بھی پوری ہو جاتی۔ مسلمانوں کی ڈھارس بندھتی اور بھاگے ہوئے لوگ واپس آجاتے، اور حضرت عمر پر جہالت قرآن کا الزام بھی عائد نہ ہو سکتا، کیونکہ اسوقت تک وہ آیت نازل نہیں ہوئی تھی جس کی تلاوت کر کے حضرت ابوبکرؓ نے حضرت عمر کو آنحضرت کے انتقال کا یقین دلایا تھا، اس وقت تو آپنے جنابِ رسولخدا کو مردہ سمجھ کر تلاش کی بھی ضرورت نہ سمجھی، اور واپس جانے کا ارادہ کر لیا، آنحضرت کو مردہ تو سمجھ لیا یہ خیال نہ آیا کہ آنحضرت کا کام ادھورا رہا جاتا ہے اسلام کی موت بھی سامنے نظر آرہی ہے اسے تو بچائیں۔

بیان کیا جاتا ہے کہ سقیفہ بنی ساعدہ میں جسدِ رسول کو بے غسل و کفن چھوڑ کر اسلئے گئے تھے کہ اسلام کو تفرقہ سے بچائیں، یہ تو ہم بعد میں بتائیں گے کہ اس سے اسلام میں تفرقہ پھیلا یا تفرقہ کا انسداد ہوا، بہرصورت اس جگہ یہ غور کرنے والی بات ہے کہ احد کے اس نازک وقت پر اسلام کو جس مصیبت کا سامنا اور دشمنوں کی یورش سے مقابلہ تھا وہ سقیفہ بنی ساعدہ کے وقت ذرا بھی نہ تھا، کیوں نہ اب اسلام کو بچانے کی کوشش کی بکھرے ہوئے مسلمانوں کو اکٹھا کر کے کفار پر جا پڑتے وہاں تو اپنی جان بچانے کی فکر میں پڑ گئے۔

جماعتِ اہلِ حکومت کا خیال ہے کہ حضرت عمر کے جوشِ محبت نے ان کو اپنے ہوش سے باہر کر دیا، اور یہ آیت یاد نہ رہی تھی۔ مسلمانوں کو واقعات پر غور و خوض کرنے کی عادت

نہیں ہے وہ شاید ان کے ساتھ ہاں میں ہاں ملا دیں ورنہ صاحبان غور و فکر جانتے ہیں کہ اظہار محبت و جوش عشق کے یہ طریقے نہیں ہوا کرتے، اپنی زندگی کے آخری دنوں میں آنحضرت ؐ نے وصیت لکھنے کے لئے کاغذ و قلم و دوات طلب کیا تو اس دن تو کچھ محبت کا ظہور نہ ہوا، حالانکہ وہ وقت تھا کہ حضرت عمر جوش محبت کے مارے بے آپے ہو کر رونے لگتے۔ بلکہ اس دن تو آپ نے فرمایا کہ یہ شخص ہذیان بک رہا ہے کیسا عشق آمیز فقرہ زبان سے نکلا ہے۔ رنج کی علامت یہ ہے کہ آدمی آہ و زاری کرتا ہے سر پیٹتا ہے، بے ہوش ہو جاتا ہے اگر محبت نے رنج پیدا کر دیا تھا تو آپ فوراً بے ہوش ہو جاتے، رونے لگتے، سر پر خاک ڈالتے، گریبان چاک کر کے میت کے پاس بیٹھ جاتے، رنج کی علامت تو ایک بھی ظاہر نہ ہوئی، خود تو محبوب کے ساتھ مرنے کا جذبہ پیدا نہ ہوا، لوگوں کو مارنے کا خیال آگیا، کسی روایت میں نہیں ہے کہ حضرت عمر نے اظہار رنج و غم کیا یا الم انگیز کلمات ادا فرمائے، امر واقعہ تو یہ ہے کہ وہ کسی اور ہی خیال میں تھے، اچھا اسوقت تو عقل گم ہو گئی جب حضرت ابوبکر کے ساتھ وہ عقل واپس آئی تو پھر حضرت عمر نے کیا کیا اس مسئلہ عشق کے معمہ کو حل کرنے کے لئے یہ بہت مفید نکتہ ہے۔ اگر محبت کا جوش تھا تو جب حضرت ابوبکر کے آنے پر ہوش آیا تو اسوقت اظہار رنج و غم فرماتے۔ اسوقت تو فوراً جسد اطہر کو چھوڑ کر سقیفہ بنی ساعدہ کی طرف اپنے منصوبوں کی تکمیل کے لئے روانہ ہو گئے یہ تھا وہ جوش عشق جس کا یہ شہرہ ہوا، غرضکہ اس جنون میں بھی ایک مقصد پنہاں تھا، اور یہ سب دفع الوقتی تھی۔

اس مجلس خلیفہ ساز کا انعقاد سقیفہ بنی ساعدہ میں اہل بیتِ نبوت کی جائے رہائش سے بہت دور ہونا حضرت عمر کے منصوبوں اور تجویزوں کے اس قدر مطابق تھا کہ خود بخود خیال پیدا ہوتا ہے کہ یہ بھی حضرت عمر ہی کی تجاویز کا ایک سلسلہ تھا، ایسا جلسہ مسجد نبوی میں یا خاندان رسالت کی جائے رہائش کے نزدیک حضرت عمر کبھی نہ کرتے کیونکہ وہاں تو تمام بنو ہاشم اور بہت سے مہاجرین آن کر حضرت علی کا ذکر اس طرح درمیان میں لاتے کہ حضرت عمر کے سارے منصوبے خاک میں مل جاتے، اگر آپ

یہ نہیں مانتے کہ حضرت عمر نے انصار کو خود کہہ کر اس جلسہ کے انعقاد پر آمادہ کیا تھا تو کم سے کم یہ تو ضرور ماننا پڑیگا کہ حضرات شیخین کو بہت دنوں سے اس کا علم تھا اور یہ بھی ماننا پڑیگا کہ حضرات شیخین اور ان کی جماعت کے طرز عمل سے مجبور ہو کر انصار نے ایسا کیا، اونہوں نے اچھی طرح معلوم کر لیا کہ یہ جماعت اس بات پر آمادہ ہے کہ خاندان نبوت سے خلافت کو نکال لے، جب خاندان نبوت درمیان میں نہ رہا تو انصار نے یہ گوارا نہ کیا کہ مہاجرین میں سے کوئی اوران پر حاکم ہو، لہٰذا انہوں نے مہاجرین پر پیش قدمی کرنی چاہی لہذا نتیجہ نکلا کہ اگر براہ راست حضرت عمر نے انصار کو اس بات پر آمادہ نہیں کیا تھا تو ان کے افعال وطرز عمل نے تو ضروران کو اس پر مجبور کر دیا۔

اب حضرت عمر کے لئے یہ بہت نازک وقت تھا اپنا آدمی خلیفہ کرانے کے لئے یہ مہاجرین کو علیحدہ ایسا جلسہ کرنے پر آمادہ کریں یا مہاجرین کو بالکل نظر انداز کر کے خود جلسہ انصار ان میں چلے جائیں اور وہاں اپنا آدمی مقرر کرائیں، حضرت عمر نے ان دونوں تجویزوں پر بہت غور سے سوچا ہوگا مگر فیصلہ کرنے میں دیر نہ لگی ہوگی۔ کیونکہ مقدم الذکر تجویز کی خرابیاں ظاہر تھیں، مہاجرین کا جلسہ مہاجرین ہی کی آبادی میں ہو سکتا تھا اور وہاں بنو ہاشم کا پہنچنا یقینی تھا، علاوہ اس کے اگر اس طرح انصار کو نظر انداز کر کے مہاجرین اپنا خلیفہ مقرر کر لیں گے تو دونوں فریقین میں کشت وخون ہونا لازمی ہوگا لہذا اپنے اوپر بھروسہ کر کے نہایت عقلمندی وزیرکی کے ساتھ حضرت عمر نے انصار ہی کے جلسہ میں اپنا کام نکالنا چاہا وہاں بہت آسانیاں تھیں، انصار اپنے میں سے کوئی خاص فضیلت کا آدمی پیش نہیں کر سکتے تھے، اوس وخزرج کی باہمی رقابت اگرچہ اسلام کی وجہ سے دب گئی تھی بالکل معدوم نہیں ہوئی تھی، اس سے کام لیا جا سکتا تھا، چنانچہ اس سے کام لیا گیا اور حضرت عمر کی کامیابی کی بھی بڑی وجہ یہی تھی۔ اس موقعہ پر دو انصاریوں نے بڑی مدد کی اور حضرت عمر ہمیشہ ان کے ممنون احسان رہے، ایک تو بشیر ابن سعد اور دوسری زید بن ثابت انہوں ہی نے سب سے پہلے حضرت ابو بکر سے بیعت کر کے اس سلسلہ کو چلایا۔

حضرت عمر نے انصار کے معاملہ میں نہایت عقلمندی سے کام لیا، سب سے پہلے تو انہوں نے یہ کیا کہ انصار ہی میں سے ایک اپنا جاسوس و مخبر بنالیا، حضرت عائشہ کی روایت ملاحظہ ہو:۔

عن عائشۃ قالت وکان عمر ابن الخطاب اخی رجلا من الانصار لا یسمع شیئاً الا اخبرہ بہ ولا یسمع عمر شیئاً الا حدثہ۔

حضرت عائشہ سے مروی ہے کہ جناب عمر نے انصار میں سے ایک شخص کو بھائی بنایا ہوا تھا یہاں تک کہ وہ شخص کوئی بات نہیں سنتا تھا لیکن یہ کہ عمر کو اس کی اطلاع دیتا تھا اور عمر کوئی بات نہیں سنتے تھے لیکن یہ کہ اس شخص کو اس کی اطلاع دیتے تھے

محمد بن سعد:۔ طبقات الکبریٰ الجزء الثامن من النساء تحت عنوان ذکر ء المرأتین اللتین تظاہرتا علیٰ رسول اللہ صلعم وتخییرہ نساءہ ص ۱۳۱ الصفحہ ۱۳۶

جناب رسولِ خدا نے تو عقد مواخات قائم کر دیا تھا اور بھائی بھائی بنا دئے تھے۔ یہ نیا صیغہ مواخات کیوں پڑھا گیا، ضرور وہ شخص اس سقیفہ سازی کی مہم کا رکن ہوگا۔ جب ہی تو حضرت عائشہ اس کا نام نہیں بتاتیں، بشیر ابن سعد یا زید بن ثابت ہوگا۔ بہرصورت کوئی ہو، اس کے ذریعے سے حضرت عمر کو انصار کی لحہ لحہ کی خبریں پہنچتی تھیں اور ان کے اندرونی خیالات بھی معلوم ہوتے تھے، رحلتِ رسول کے نزدیک یہ بھی معلوم ہوا ہوگا کہ انصار سعد ابن عبادہ کو خلیفہ مقرر کرنا چاہتے ہیں اور یہ بھی معلوم ہوا ہوگا کہ کہ اوس و خزرج کی پرانی رقابت پھر تازہ ہو رہی ہے غرضیکہ یہ قیاس خلاف واقعہ نہ ہوگا کہ بشیر بن سعد و زید ابنِ ثابت کو پہلے ہی سے تیار کر لیا گیا تھا، اس ہی اپنے بھائی انصار کو سقیفہ والے دن مخبری پر لگایا ہوگا چنانچہ اس مخبر نے سقیفہ بنی ساعدہ میں انصار کے اجتماع کی خبر آن کر چپکے سے صرف حضرت عمر و حضرت ابوبکر ہی کو دی، یہ بھی غور کے قابل بات ہے ورنہ اس کو چاہئے تھا کہ مجمع میں آن کر اعلان کرتا بلکہ وہاں آتا کہ جہاں جناب رسولِ خدا کا جسد اطہر تھا اور آنحضرت کے وصی و متعلقین جمع تھے، آنحضرت نے اعلان عام کیا تھا کہ علی میرا وصی ہے، عرب کے رسم و رواج و قانون اسلام کے مطابق بھی حضرت علی ہی آپ کے

وارث و وصی تھے، ان کو چھوڑ کر یہ مخبر کیوں حضرت عمر کی طرف جاتا ہے؟ اس میں ضرور کوئی راز پنہاں ہے، یہ مخبر حضرت عمر کی جماعت سے تعلق رکھتا تھا اور حضرت علی کے خلاف تھا ضرور اس شخص کو حضرت عمر نے وہاں بٹھا دیا تھا کہ جب انصار کو مجتمع ہوتے ہوئے دیکھے تو اطلاع کردے اگر یہ فرض کیا جائے کہ حضرت عمر نے اس کو وہاں نہیں بٹھایا تھا تو وہ شخص صرف حضرت ابوبکر و حضرت عمر کے پاس اس وجہ سے آیا کہ وہ ان کو ہی خلافت کے انعقاد کی سازش کا سرگروہ سمجھتا تھا۔

حضرت عمر کی سیاست اور ان کے دلی ارادوں کی عریانی کے لئے یہ امر واقعہ کافی ہے کہ انہوں نے اپنے ساتھ صرف حضرت ابوبکر و عبیدہ بن الجراح کو لیا اور سقیفہ کی طرف چلے، یہ تینوں حضرات آپس میں خلافت کے حصہ دار ہو کر چلے تھے یہ امر حضرت علی کے کئی خطبوں سے ظاہر ہوتا ہے اور واقعات اس کی شہادت دے رہے ہیں۔ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر نے تو آپس میں ایک دوسرے کو خلیفہ بنا ہی دیا، ابو عبیدہ اور خلافت کے درمیان موت حائل ہو گئی ورنہ خلیفہ ثالث وہ ہوتے، چنانچہ حضرت عمر نے محکمۂ شوریٰ قائم کرتے وقت فرمایا تھا کہ کاش آج کو ابو عبیدہ بن الجراح زندہ ہوتے تو میں ان کو خلیفہ بنا دیتا،

مخالفین علی کی جماعت میں جس کے سردار حضرت عمر تھے اور بھی بہت سے حضرات تھے جو سقیفہ میں ساتھ لے جانے کے قابل تھے، مثلاً خالد بن ولید، مغیرہ بن شعبہ، عمرو بن العاص اُن کو اپنے ہمراہ نہ لے جانا ثابت کرتا ہے کہ حضرت عمر نے اپنے دلی ارادہ کو کہ حضرت ابوبکر کو خلیفہ مقرر کرینگے خود اپنی جماعت سے بھی چھپایا اگر نہ چھپایا ہوتا اور یہ لوگ حضرت ابوبکر کی خلافت پر راضی تھے تو ضرور ان کو بھی ہمراہ لیتے، ایک مخالف مجمع میں جا رہے تھے جتنے زیادہ ہوتے اُتنا ہی اچھا تھا۔ مگر حضرت عمر نے اس وجہ سے اپنے اس دلی ارادہ کو اپنی جماعت سے چھپایا کہ اس میں ہر قسم کے لوگ تھے، حضرت خالد جیسے خودسر اور طلحہ جیسے مغرور، عمرو بن العاص جیسے حیلہ ساز وہ سب یہ کہتے کہ اگر ابوبکر خلیفہ ہو سکتے ہیں تو ہم کیوں نہ ہوں اور اس وقت تو ابوسفیان بھی بول اُٹھتے کہ ہم گمنام قبیلہ میں خلافت کو نہیں جانے دینگے، وہ سب یہ کہتے کہ

جب ہم رسولخدا کے نامزد شخص کو نہیں لیتے تو عمر کے نامزد شخص کو کیوں قبول کریں، جماعت میں پھوٹ پڑ جاتی اور سارا کھیل بگڑ جاتا، لہذا حضرت عمر نے سب سے یہ امر پوشیدہ رکھا اور سقیفہ بنی ساعدہ میں پہنچ کر بھی جماعتِ انصار و جماعت مہاجرین ہی کا مقابلہ کرتے رہے شخصیت کو پھر بھی نہ درمیان میں آنے دیا، ہم کس کو خلیفہ کرنا چاہتے ہیں لوگوں کو اسوقت ہی معلوم ہوا کہ جب عمر کا ہاتھ ابوبکر کے ہاتھ میں تھا، امر واقعہ یہ ہے کہ حضرت نے اس سیاسی اصول پر انحصار کیا جو زمانہ حال میں بہت کثرت سے رائج ہے اور جس کو یورپ میں [illegible] کہتے ہیں یعنی ایک کام کو فوراً کر لواس کا واقع ہو جانا ہی اس کی آئندہ کامیابی کا باعث ہوگا

اِن واقعات کو دیکھتے ہوئے اب یہ تو کون کہہ سکتا ہے کہ حضرات شیخین سقیفہ بنی ساعدہ میں اسلام کی محبت کی وجہ سے اس کو تفرقہ سے بچانے کے لئے گئے تھے بلکہ حقیقی تفرقہ تو ان کے اس طرز عمل نے پیدا کر دیا، ایسا تفرقہ جو اس وقت تک باقی رہے گا، جب تک دنیا میں اسلام باقی ہے اگر جناب رسولخدا کے انتخاب کی عظمت کی جاتی اور افضلیت معیار خلافت قرار پاتی تو پھر کوئی تفرقہ ہی نہ پیدا ہوتا اور سارے جھگڑے مٹ جاتے لیکن ان بزرگواروں کے طرز عمل نے تو ہر کس و ناکس کے دل میں خلافت کی امید پیدا کر دی اور یہی آئندہ فسادات کا باعث ہوا، اور ان کے طریقوں و طرز عمل کو دیکھتے ہوئے ہی مورخین و اہل سیر یہ کہنے پر مجبور ہوئے کہ حضرت یزید بھی جائز خلیفۂ رسول تھے، ان کے طرز عمل نے خلافت کو کتنا گرا دیا چنانچہ علامہ شہرستانی اپنی کتاب الملل والنحل میں کہتے ہیں:-

الخلاف الخامس فی الامة و	اختلاف پنجم۔ سب سے بڑا اختلاف امت کے درمیان
اعظم خلاف بین الامة	امامت کا اختلاف ہے ہر ایک زمانہ میں کسی اور
خلاف الامامة اذ ما سل	اصول و قواعد دینیہ کے لئے اتنی تلوار نہیں
سیف فی الاسلام علی قاعدة	کھنچی جتنی مسئلہ امامت پر کھنچی ہے، زمانۂ اولی
دینیة مثل ما سل علی	میں خداوند تعالی نے اس مشکل کو آسان
الامامة فی کل زمان وقد	کر دیا تھا۔ پہلے پہلے تو مہاجرین و انصار میں

سهل الله تعالى في ذلك في الصدر
الاول فاختلف المهاجرون والانصار
فيها وقالت الانصار منا امير
ومنكم امير واتفقوا على رئيسهم
سعد بن عبادة الانصاري
فاستدرك ابوبكر وعمر في
الحال بان حضرا سقيفة بني
ساعدة وقال عمر ..... الا ان
بيعة ابي بكر كانت فلتة وقى
الله شرها فمن عاد الى مثلها
فاقتلوه فايما رجل بايع رجلا
من غير مشورة من المسلمين
فلا يبايع هو ولا الذي تابع
تغرة ان يقتلا۔

اس پر اختلاف ہوا۔ انصار کہتے تھے کہ ایک
حاکم ہم میں سے ہو اور ایک تم میں سے اور
انہوں نے اپنے رئیس سعد بن عبادہ پر
اتفاق کر لیا۔ پس فوراً ابوبکر و عمر نے اس کا
مقابلہ کیا اور وہ دونوں سقیفہ بنی ساعدہ
میں پہنچ گئے۔ حضرت عمر کہتے ہیں کہ ..... خبردار
یہ بیعت ابوبکر کی ایک آفت ناگہانی تھی جس
کے شر سے خدا نے لوگوں کو بچا لیا
پس جو شخص پھر ایسا کریگا اس کو قتل
کر دو۔ جو شخص دوسرے کی بیعت بغیر
مسلمانوں کے مشورے کے کرے تو
اس کو اور جس کی بیعت کی ہے اس کو
دونوں کو قتل کر دو، اور ان کی پیروی
نہ کی جائے۔

اس طرز عمل اور اس طریقہ حصول خلافت کی برائی و بدی کا ثبوت اس سے زیادہ اور
کیا ہو سکتا ہے کہ خود اس کا موجد اس کا اختیار کرنیوالا اقبال کرتا ہے کہ واقعی وہ طریقہ نہایت
شر آمیز تھا، ایسا کہ اس طریقے پر چلنے والے مستوجب قتل تھے۔ حضرت عمر نے کوئی استثنا بھی نہیں کیا، یہ بھی نہیں کہا کہ
اگر ویسے ہی حالات ہوں تو پھر ویسا ہی طریقہ تم اختیار کر لینا۔ بایں وہ طرز عمل اور وہ طریقہ شر مطلق تھا۔ اس سے
یہ بھی معلوم ہوا کہ وہ بیعت بغیر مسلمانوں کے مشورہ کے ہوئی تھی۔ عدل فاروقی کا نمونہ ملاحظہ ہو، ہم جو کریں وہ
جائز، چاہے شر مطلق ہی کیوں نہ ہو، کوئی دوسرا وہی فعل کرے تو گردن زدنی۔ ہم اپنا
مطلب جس طریقے سے چاہیں نکال لیں، کوئی دوسرا ایسا کام نہ کرے۔ بہت سے سیاسی مدبروں
نے اپنی غلطیوں کا اعتراف کیا ہے۔ مگر یہ غلطی کا اعتراف نہیں ہے بلکہ جرم کا اقبال ہے، جرم بھی
ایسا کہ جس کی سزا قتل ہو۔ تاریخ عالم میں سیاسی اقبال جرم کی ایسی مثال نہیں ملے گی۔ اور

ان بزرگواروں کی عقل و منطق ملاحظہ ہو، مقام ایسا کہ جہاں باطل و بیہودہ مشورے ہوتے ہیں اور جرم کرنے کی تجویزیں سوچی جاتی ہوں، جرم ایسا کہ جس کی سزا قتل سے ورے نہیں لیکن اس مقام پر اس جرم کے ذریعے سے منتخب کیا ہوا خلیفہ ایسا صاحب امر سمجھا جاتا ہے کہ جس کی اطاعت کا حکم قرآن شریف میں ہے، اور وہ داماد و ابن عم رسول کہ جو افضل ترین امت ہے اور جس کو جناب رسولخدا نے بحکم خداوندی جانشین مقرر کرکے بار بار اعلان کردیا وہ رد کیا جاتا ہے یہ عقل و منطق چہ کتی است کہ پیش مرداں بیاید۔ تعصب کے ملک کا تو باوا آدم ہی نرالا ہے انسان کے افعال اس کے دل کی اصلی حالت کے بہترین گواہ ہوتے ہیں۔ خداوند تعالے بھی قیامت کے دن اُن کی زبان کو نظر انداز کرکے اعضائے افعال یعنی ہاتھ پاؤں، وغیرہ ہی سے گواہی لے گا، حضرت عمر کا یہ طرز عمل کہ مہاجرین میں سے کسی کو اپنے اصلی تجویز سے مطلع نہ کیا، اور صرف حضرت ابوبکر و ابوعبیدہ کو ہمراہ لے گئے، بہت سے امور پر فیصلہ کن گواہی دیتا ہے، اگر نیک نیتی سے اسلام کو تفرقہ سے بچانے کے لئے وہاں گئے تھے تو پھر تمام مہاجرین خصوصاً بنو ہاشم و حضرت علی کو ساتھ لے جاتے، سقیفہ بنی ساعدہ میں تو فقط انصار تھے، اور مقابلہ ایک جماعت کا دوسری جماعت سے تھا، ایسی حالت میں جتنے مددگار ہوتے اتنا ہی بہتر تھا، بحث میں ایک دوسرے کی حمایت و تائید کی زیادتی و افزونی مدد دیتی ہے، ایسے موقعوں پر اظہار فضیلت ضروری ہوتا ہے، چنانچہ فضیلت کا ذکر آیا۔ لہذا اس شخص کو ساتھ لینا ضروری تھا کہ جب فضیلت معیار خلافت قرار دی جائے تو اس کے فضائل کا اظہار سب کا منہ بند کردے، حالات کو مدنظر رکھتے ہوئے کون کہہ سکتا تھا کہ تلوار تک نوبت نہ آئے گی ہر ایک ممکن حالت میں جو رونما ہوسکتی تھی اور خیال میں لائی جاسکتی تھی، کثرت و جماعت مفید تھی مگر باوجود اس قطعی و بدیہی ضرورت کے حضرت عمر نے کسی اور کو ساتھ نہ لیا۔ یہ بات بغیر علت کے نہ تھی اور علت ظاہر ہے، حضرت علی ہی کے خلاف تو یہ سازش تھی لہذا ہر اس ممکن موقعہ کو جس میں علی کا ذکر آسکتا تھا دور رکھنا ضروری تھا، حضرت علی اور بنو ہاشم وغیرہ کو ساتھ لے جانے سے یہی مقصد فوت ہوتا تھا اور ان کے ساتھ نہ لے جانے میں فائدہ ہی فائدہ تھا، ان کا یہ خیال تھا کہ اول تو بہت ممکن ہے کہ ہماری تقریریں اور چند انصار کی

غداری کام کر جائے اور حضرت ابوبکر ہی واحد خلیفہ بن جائیں اور اگر بالفرض محال یہ ممکن نہ ہوا تو انصار کا مقابلہ صرف اتنا ہی تو ہے کہ ایک امیر ہم میں سے ہوا اور ایک مہاجرین میں سے، اس صورت میں بھی حضرت ابوبکر ان دو میں سے ایک حاکم ہوں گے۔

یہ امر قابل ذکر ہے اور حضرت عمر کی سیاست کی ماہیت پر خوب روشنی ڈالتا ہے کہ اسوقت حضرت عمر خود خلیفہ نہیں ہونا چاہتے تھے کیونکہ اسوقت خلیفہ ہونا اپنے تئیں بہت سے خطروں میں ڈالنا تھا، معلوم نہیں کہ بنو ہاشم کیا طرزِ عمل اختیار کریں، بنو امیہ کا رویّہ کیسا ہو، دیگر قبائل کس طرح ان کے ساتھ پیش آئیں کیا خون خرابے ہوں، ایسی حالت میں جو خلیفہ ہوگا، سارا بوجھ اس ہی کے اوپر ہوگا، اور جو کچھ بدنامی ہوگی اس کی ہوگی یہ بھی خیال کیا گیا کہ شاید حضرت علی خاموش نہ بیٹھیں، اور ضرور اپنے حق کو حاصل کرنے کے لئے تلوار اُٹھائیں، اسوقت خلیفہ کے لئے بڑی دشواری ہوگی، علاوہ اس کے اگر بادشاہ کا معتمد یا وزیر و نائب ایسے موقعوں پر چالاک و مستعد کارکن ہو تو سب کام سنور جاتے ہیں، ورنہ بادشاہ تو اپنی تمکنت و خودداری کی وجہ سے ہر ایک کام ہر جگہ نہیں کر سکتا، ایسے موقعوں کے لئے حضرت عمر اچھے نائب تھے، اگر حضرت ابوبکر نائب ہوتے تو شاید ان میں اتنی جرأت نہ ہوتی کہ آگ لے کر حضرت فاطمہ کا گھر جلانے جاتے، ان سب امور پر غور کر کے حضرت عمر نے نتیجہ نکالا کہ ایسے وقت میں ان کا نائب رہنا زیادہ مفید ہوگا، جب یہ سارے خطرے دور ہو گئے اور امت محمدیہ میں حضرت علی اور اہل بیت کے حقوق کو نظرانداز کرنے کی عادت ڈال دی گئی تو آپ فوراً خلیفہ بن گئے اور پہلے بھی ایسے کو خلیفہ بنایا تھا۔ جس کے دوران حکومت میں خود ہی خلیفہ معلوم ہوتے تھے اگر طلحہ و زبیر یا خالد کو خلیفہ بناتے تو یہ بات کہاں تھی؟

سقیفہ بنی ساعدہ میں کیا ہوا، ذرا اس پر نظر ڈالیں اور پھر نتیجہ نکالیں کہ آیا یہ خلافت الٰہیہ حاصل کرنے کا طریقہ تھا یا حکومتِ رذیلہ دنیاویہ۔

سب سے زیادہ مؤثر طریقہ جو حضرت علی کو محروم کرنے کا ہو سکتا تھا وہ یہ تھا کہ مقابلہ محض جماعتوں میں ہو، چنانچہ مقابلہ صرف جماعتوں یعنی انصار و مہاجرین ہی میں ہوا کیا

جتنے لوگ وہاں جمع تھے ان سب نے اس طریقۂ انتخاب پر اتفاق کیا کہ صرف فیصلہ کیا جائے کہ کس جماعت میں سے حاکم مقرر کیا جائے، اور جب یہ فیصلہ ہو جائے کہ کس جماعت میں سے حاکم مقرر ہوگا، تو پھر وہ جماعت جس کو پیش کرے وہی حاکم ہو، دھینگا مشتی یا دھاندلی سے فرض کر لیا گیا کہ مہاجرین میں سے ہو تو پھر وہاں تو تین ہی مہاجر موجود تھے جن کو وہ پیش کریں وہ ہی حاکم ہو، چنانچہ ایسا ہو گیا، یہی ایک طریقہ ایسا تھا کہ جس سے وہ شخص جس کو وہ سب افضل ترین و لایق ترین جانتے تھے درمیان میں سے نکالا جا سکے لیکن امر واقعہ یہ ہے کہ یہ بنیادی اصول ہی غلط تھا، امت محمدیہ کو ایک متفقہ گروہ یا جماعت قرار دیکر کیوں نہ کل میں کا بہترین شخص منتخب کیا گیا، کیوں امت محمدیہ کو دو فرقوں پر تقسیم کیا گیا، یہ ہی بنیاد تھی آئندہ اختلافات کی جنہوں نے امت محمدیہ کو بہتر فرقوں میں تقسیم کر کے اس کو کمزور ترین جماعت اور تمام دنیا کے لئے ایک مضحکہ انگیز شے بنا دیا، اور یہ ہی وہ طرز عمل تھا جس نے احکام قرآنی وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيعًا وَّلَا تَفَرَّقُوا کی خلاف ورزی کر کے ہمیشہ کے لئے ضلالت کا راستہ کھول دیا، کیا اچھی بحث ہوتی اگر حضرت ابوبکر وہاں لوگوں کے سامنے تقریر کرتے کہ مہاجرین و انصار کا جھگڑا ہی کیوں اٹھاتے ہو، مہاجرین میں کئی قبیلے ہیں اسی طرح انصار میں اوس و خزرج کی مخالفت ایک فتنہ خوابیدہ ہے، اس طرح تفرقہ ہو جائے گا۔ امت محمدیہ ایک جماعت ہے اس کو ایک واحد جسم تصور کر کے تمام امت میں جو بہترین شخص ہو اس کو حاکم مقرر کر لو اس طرح سارا فتنہ و فساد جاتا رہتا اور تفرقہ کی جڑ ہی کٹ جاتی، یہ تو ہم کیونکر کہہ سکتے ہیں کہ حضرت عمر جیسے فہیم و ذکی شخص کے ذہن میں یہ سیدھی سادی بحث نہ آئی ہوگی، مگر اس کا اظہار مقصد کو فوت کرتا تھا لہذا اسے نظر انداز کیا گیا، اور جب حضرت ابوبکر کلام کرنے کے لئے کھڑے ہوئے تو غالباً حضرت عمر اس سے ہی ڈرتے ہوں گے کہ کہیں فضیلت ذاتی کی طرف زیادہ زور نہ دیدیں مگر یہ کیونکر ہو سکتا تھا راستہ بھر تبادلہ خیالات ہوا ہے اور ہر ایک ممکن گفتگو کے مختلف پہلوؤں کو سوچا گیا ہے، حضرت ابوبکر ایسے غبی و کند ذہن تو نہ تھے، لہذا جو حضرت عمر کے دل میں تھا وہی حضرت ابوبکر کی زبان پر آیا، آپ کو اختیار ہے چاہے اس کو الہام کہیے یا توارد خیالات کہو یا منصوبہ

بازی سمجھو، غرضکہ یہ امت محمدیہ کی بدقسمتی تھی کہ ان دونوں جماعتوں نے یہ غلط و مضر طرز بحث اختیار کیا۔ انہوں نے یہ اسوجہ سے کیا کہ ان دونوں کے مقصد کا یہ واحد زینۂ اول تھا۔ اول انصار کا یا ان کے کسی جماعت کا خیال حضرت علی کی طرف ہو تو ہو لیکن اب جب کہ سعد ابن عبادہ کھڑے ہوگئے تھے اور ان کی عزت و آبرو کا سوال درمیان میں آگیا تھا اب تو علی کو نظر انداز کرکے ان کو کرنا ضروری تھا۔

اس کے بعد یہ امر قابل ذکر ہے کہ انصار نے مطلق حجت نہیں کی کہ مہاجرین میں سے کون ہو، جو اصحاب ثلاثہ تشریف لائے تھے ان میں ہی سے جس کو ان تینوں نے پیش کیا اُس کو انصار نے قبول کیا، اب ناظرین کو تنہا تشریف لانے کی مصلحت معلوم ہوئی ایک کو پیش کرتے ہوئے ذرا اس کی تعریف کرنی ضرور تھی، حضرت ابوبکر نے تو غالباً اپنے نامزدگان میں کوئی وجہ فضیلت نہ دیکھی، لہذا صرف ان کا نام ہی پیش کر دیا۔ حضرت عمر نے چونکہ انہیں اپنے اوپر سے فی الحال اس بار کو ٹالنا مقصود تھا، اُس کو رد کرتے ہوئے حضرت ابوبکر کو اپنے سے بہتر ثابت کرنے کی کوشش کی، اور ان کے غار اور امامتِ نماز کا ذکر کیا، اول تو یہ دونوں کوئی فضیلتیں نہ تھیں جناب رسولخدا نے اپنی مرضی سے حضرت ابوبکر کو ساتھ نہیں لیا بلکہ ان کو تو اپنے ارادۂ ہجرت سے بھی آگاہ نہ کیا، اور غار کے اندر جزع و فزع کرکے حضرت ابوبکر نے انتہا درجہ کی بے صبری و بے اطمینانی کا ثبوت دیا یہاں تک کہ آنحضرت کو ان کے گریہ وزاری کے روکنے کی ضرورت پڑی تاکہ باہر قریش آواز نہ سن لیں اور امامتِ نماز میں کیا خاص بات تھی اب تو حضرت عائشہ ہی نے نماز کے لئے حضرت ابوبکر کو کھڑا کرایا تھا، اگر یہ بھی نہ ہو تو مختلف موقعوں پر مختلف اشخاص کو آنحضرت خود جہاد پر جاتے وقت مدینہ کا حاکم اور نماز کا امام مقرر کر جایا کرتے تھے، علاوہ اس کے یہ بات بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ حضرت عمر نے یہ کہہ کر صرف اپنے سے ابوبکر کو زیادہ فضیلت والا ثابت کرنے کی کوشش کی تھی، نہ اسوقت تمام مہاجرین سے مقابلہ تھا اور نہ تمام مہاجرین کا ذکر تھا، انہوں نے یہ دعوی ہرگز نہیں کیا کہ حضرت ابوبکر تمام مہاجرین سے بہتر ہیں۔

مزا یہ ہے کہ انتخاب تو ہو رہا ہے جناب رسولخدا کے جانشین کا لیکن جناب رسولخدا کی رائے کو بالکل نظر انداز کیا جا رہا ہے جس طرح اس امر میں قرآن خدا کی طرف رجوع نہیں کیا اسی طرح رسولخدا کی طرف توجہ نہ کی، یہ تو کیوں کہنے لگے تھے کہ جناب رسولخداؐ نے کس شخص کو خلیفہ مقرر کیا تھا جو امر قابل ذکر ہے وہ یہ ہے کہ اس طرف بھی گفتگو کو نہ آنے دیا کہ جناب رسولخدا کس شخص کو کیسا سمجھتے تھے حالانکہ جناب رسولخدا کی نیک رائے کسی شخص کی بابت اس زمانہ میں اس شخص کی بہترین فضیلت سمجھی جاتی تھی، اور اب تک ہی بات ہے احادیث و مناقب و تواریخ کی کتابیں جناب رسولخداؐ کے اس قسم کے اقوال سے بھری پڑی ہیں اب تک عشرۂ مبشرہ کے نام پر لوگ سر دھنتے ہیں سقیفہ سے بہتر کوئی اور کون سا موقعہ اس حدیث کو یاد دلانے کا ہو سکتا تھا، عشرۂ مبشرہ میں کوئی انصار نہیں ہے، دسوں کے دسوں مہاجر ہیں، کیا یہ کافی فضیلت مہاجرین کی انصار کے اوپر نہ تھی، اس کا وہاں کیوں نہ ذکر کیا۔

محب طبری کی کتاب الریاض النضرہ فی مناقب العشرہ میں حضرت ابوبکر و عمر و ابو عبیدۃ بن الجراح کی شان میں کتنی احادیث نقل کی گئی ہیں، اور ان صاحبان کو کتنا آسمان پر چڑھایا گیا ہے، کیا خود ان حضرات کو ان میں سے ایک حدیث بھی یاد نہ رہی سوائے غار اور امامت نماز کے اور کچھ یاد ہی نہ رہا۔ قطعی طور پر ثابت ہوا کہ یہ حدیث عشرۂ مبشرہ اور دیگر احادیث جو سقیفہ والے اصحاب کے شان میں آج کل مروج ہیں، سب وضعی ہیں اور بعد میں تراشی گئی ہیں عشرہ مبشرہ میں سے حضرت امیر حمزہ، جعفر طیار امام حسنؑ و امام حسینؑ و ابوذر غفاری و عمار بن یاسر و سلمان فارسی جیسے جلیل القدر بزرگ تو خارج ہوں اور شامل ہوں کون سعد بن مالک اور سعید بن زید۔ قصہ مختصر حضرت علی کے مناقب و فضائل کا ذکر تو اس وجہ سے نہ کیا گیا کہ یہ ان کے مقصد کے خلاف تھا، اور حضرت ابوبکر میں سوائے غار و امامت نماز کے اور کوئی فضیلت ہی نہ تھی۔

دنیا میں حق اور انصاف کو سقیفہ بنی ساعدہ سے پہلے بھی اور اس کے بعد

بھی بسا اوقات لوگوں نے نظر انداز کر کے خود دوسروں کا حق غصب کیا ہے لیکن جس دیدہ دلیری و جہ ایتقاسے عمداً صریحاً جانتے ہوئے کہ ہم ظلم کر رہے ہیں حق اور انصاف کا خون سقیفہ بنی ساعدہ میں کیا گیا اس کی مثال تاریخ عالم میں نہ اس سے پہلے ملتی ہے اور نہ اسکے بعد اور نہ قیامت تک ملے گی اس دعوے کے ثبوت کے لئے کسی لمبی چوڑی بحث یا شہادت کی ضرورت نہیں ہے۔ جو گفتگوئیں وہاں ہوئیں اور جو دلائل اپنے اپنے حق میں ہر ایک فریق نے پیش کئے ان کو پڑھو اور اپنے گریبان میں منہ ڈالو، اس ظلم صریح کے ساتھ تو فرعونی حکومت بھی حاصل کرتے ہوئے لوگ شرماتے ہیں، کجا کہ خلافت الٰہیہ تاریخ عالم بتا رہی ہے کہ دنیا کا ہر ایک ظالم و غاصب کچھ نہ کچھ کہنے کے لئے اپنے حق میں دلائل رکھتا تھا، مگر یہ سقیفہ والے حضرت علی کے مقابلہ میں ایک دلیل بھی نہیں رکھتے تھے، اور یہ وہ خود بھی جانتے تھے کہ حضرت علی کو نظر انداز کرنے کے لئے ہمارے پاس کوئی دلیل نہیں ہے مگر پھر بھی اتفاقات اور عرب کی طینتِ جاہلیت پر بھروسہ کئے ہوئے تھے کہ شاید ہم کامیاب ہو جائیں۔ اور حضرت علی کی فرض شناسی و فراوانیٔ ایمان نے موقعہ دیدیا اور وہ کامیاب ہو گئے اگر حضرت علی بھی ان کی طرح اپنے محسن، اپنے رسول اپنے رفیق اپنے مصاحب اپنے ابن عم کی لاش کو بے غسل و کفن چھوڑ کر سقیفہ کی طرف حکومت لینے کے لئے دوڑ پڑتے تو پھر بنی تیم و بنی عدی میں خلافت تو نہ جاتی لیکن رسول کی محنت برباد ہو جاتی کیونکہ رسول کا نمونہ اور اسلام کی روح کو بچانے والا کوئی نہ رہتا، سب دنیا کے بندے ہی نظر آتے، اور کفار ان پر ہنستے اب ہم ان دلائل کو بیان کرتے ہیں، جو حضرت ابوبکر و حضرت عمر نے وہاں پیش کیں اور جن کی بناء پر ان کو خلافت ملی، انہوں نے مندرجہ ذیل دلائل پیش کئے۔

۱:- مہاجرین نبی کے رشتہ دار ہیں اور اس کے وارث ہیں

(۲) مہاجرین نے انصار سے پہلے اسلام قبول کیا تھا۔

(۳) مہاجرین قبیلۂ قریش میں سے ہیں جن کی بزرگی دیگر قبائل پر مسلم ہے۔

(۴) حضرت ابوبکر آنحضرتؐ کے صاحب غار تھے۔

(۵) حضرت ابوبکر کو امامت نماز کا حکم دیا گیا۔

(۶) مہاجرین نے جناب رسولخداؐ کی نصرت میں کفار سے ایذائیں اٹھائی تھیں۔

(۷) چونکہ مہاجرین جناب رسولخداؐ کے رشتہ دار ہیں لہذا امر خلافت میں جو ان کا مقابلہ کریگا وہ ظالم ہوگا۔

(۸) بقول حضرت عمر عرب اس بات کو پسند نہیں کرینگے کہ ان پر وہ حکومت کریں جن میں سے رسولخدا نہ تھے، ہم میں کے رسولخداؐ تھے لہذا عرب ہماری حکومت کو پسند کرینگے۔ امر خلافت کا وہ شخص ہی مستحق ہے۔ ممکن ہے جس کے خاندان میں نبوت رہ چکی ہو، حضرت عمر کے الفاظ ہیں:۔

ولکن العرب لا ینبغی ان تولی ھذا الامر الا من کانت النبوۃ فیھم واولی الامر منھم۔

(۹) ہم کو حکومت محمد میراث میں پہنچی ہے۔

(۱۰) بشیر ابن سعد انصاری نے بھی حضرت ابوبکر کی حمایت یہی کہہ کر کی کہ مہاجرین کو حکومت محمد میراث میں پہنچی ہے۔

قبل اس کے کہ ہم ان دلائل پر ایک ایک کرکے غور کریں تین نہایت اہم امور نمایاں ہوتے ہیں۔

اوّل تو یہ کہ وکلائے جماعت حکومت یعنی علماء اہل سنت وجماعت اکثر یہ کہتے ہوئے سنائی دیتے ہیں کہ سقیفہ سازی کا یہ فائدہ ہوا کہ مسلمانوں میں خاندانی امتیاز نہ رہا اور مساوات قائم ہوگئی، خلیفہ کے لئے کسی خاندان میں سے ہونا ضروری نہیں سمجھا گیا یہ بہت بے معنی بحث ہے۔ ذاتی فضل ہمیشہ رہا ہے اور رہے گا، خیر اس وقت ہم اس بحث میں نہیں پڑتے ہمارا مدعا تو یہ ظاہر کرنا ہے کہ ان دلائل سے وکلائے جماعت حکومت کی بحث کی مکمل تردید ہوتی ہے، حضرت ابوبکر وحضرت عمر کی ساری بحث کی بنا ہی یہ تھی کہ چونکہ رسولخدا ہم میں سے تھے لہذا ہم کو خلیفہ ہونا چاہیئے، نسلی و خاندانی

و قبائلی امتیاز اس بحث میں کوٹ کوٹ کر بھرا ہے پھر یہ لوگ کیسے کہہ سکتے ہیں کہ سقیفہ سازی نے خاندانی امتیاز کی جڑ کاٹ دی، ہاں یہ کہہ سکتے ہو کہ خاندان نبوت کی حقوق کی جڑ کاٹ دی اس سے ہمارا بھی اتفاق ہے۔

دوئم یہ کہ دلیل نمبر ۲ پر غور کرو، اس سے ظاہر ہے کہ جو شخص قرابتی رشتہ دارانہ بنیاد کی مخالفت امر خلافت میں کرتا ہے وہ ظالم ہے ہم بھی اس کو مانتے ہیں۔ اب سوچئے کہ ظلم کا رخ کس طرف ہوتا ہے۔

سوئم: سقیفہ سازی کی بحث سے حضرت عمر کی سیاست کی ماہیت کا انکشاف کس طرح اچھی طرح ہوتا ہے، انصار سے تو یہ کہہ کر حکومت لی کہ عرب اس بات کو پسند نہیں کریں گے کہ حکومت خاندانِ نبوت کے باہر ہو گویا عرب کی خواہش یہ ہے کہ خاندان نبوت ہی میں حکومت رہے، جب حکومت مل گئی تو اب عرب کی خواہشات کی ترجمانی کا رخ بدلتا ہے، آپ حضرت عباس سے فرماتے ہیں کہ بنو ہاشم کو حکومت اس وجہ سے نہیں ملی کہ عرب نہیں چاہتے تھے کہ نبوت و حکومت ایک خاندان میں ہوں، عرب تو معلوم نہیں کیا چاہتے تھے، حضرت عمر نے مناسبِ موقعہ بحث کر کے اپنا کام نکال لیا، لیکن حکومتِ الہیہ پر ایسی بحث نہیں ہو سکتی۔

اب ہم دلائل کی طرف غور کرتے ہیں دلائل عمدہ اور ایسی ہیں کہ جن کا جواب نہیں ہو سکتا، چنانچہ انصار ان کا جواب نہ دے سکے، کاش دلائل پیش کرنے والوں نے خود ان پر عمل کیا ہوتا، ان سب دلائل کو اگر اختصار کے ساتھ بیان کریں گے تو اس طرح کہیں گے۔

(۱) خلافت و حکومت میراث محمد ہے لہذا ان کے وارثوں کو ملنی چاہیئے۔

(۲) قرابتِ رسول ایک ایسا استحقاق حکومت و خلافت پیدا کرتی ہے جس کا انکار و مقابلہ کرنے والا ظالم ہوتا ہے۔

(۳) فضائل ذاتی۔

ان میں سے دلیلِ اول ایسی قطعی اور فیصلہ کن ہے کہ انصار سے کچھ جواب نہ بن پڑا۔ اور بشیر ابن سعد نے اس پر ہی زور دیکر انصار کو بیعت ابو بکر کی ترغیب دی، انصاف

بھی کوئی شے ہے۔ خدا کو جان دینی ہے، حق لگتی کہو، یہ ورثہ محمدؐ کا علیؑ کو پہنچتا ہے یا ابوبکر کو۔

دلیل دوئم بھی ایسی ہی لاجواب ہے مگر خدا کے لئے بتاؤ تو جناب رسولِ خدا سے قریب تر کون تھا؟ حضرت علیؑ یا حضرت ابوبکر؟ فضائل ذاتی کو لیجئے، حضرت علیؑ نے سب سے پہلے اسلام قبول کیا اور ہر ایک مسلمان سے سات سال قبل آنحضرتؐ کے ساتھ نماز پڑھی حضرت ابوبکر کا نمبر تو ساتواں یا دسواں ہے، یہ سب ہم کتاب اول میں ثابت کر چکے ہیں حضرت ابوبکر کی مصاحبت غار اور امامتِ نماز کا بھی ہم نے ابھی ابھی ذکر کیا، مہاجرین نے ضرور ایذائیں اٹھائیں لیکن حضرت ابوبکر سے تو کہیں زیادہ عمار ابن یاسر کو یہ تکالیف دی گئیں۔ اب ذرا حضرت علیؑ کی فضائلِ ذاتی پر تو غور کرو، آنحضرتؐ کی اور اسلام کی حفاظت ہر ایک جنگ میں کی اپنی جان کی پرواہ نہ کر کے رسولؐ کو بچایا، کیا جہاد میں ثابت قدم رہنا کچھ فضیلت ہی نہیں، فضیلت ان کے لئے ہے جو ہر ایک موقعۂ جہاد سے بھاگ گئے۔ غرضکہ حضرت علیؑ کے فضائلِ ذاتی کا تذکرہ بہت تفصیل کے ساتھ ہم پہلے کر چکے ہیں اور اب بابِ دواز دہم میں آپ کی افضلیت ثابت کر چکے ہیں، ان دلائل میں سے جو سقیفہ میں استحقاقِ حکومت ثابت کرنے کے لئے پیش کی گئیں کوئی دلیل ایسی نہ تھی جو حضرت علیؑ کے لئے بدرجۂ اولے حکومت کو ثابت نہ کرتی ہو، صفات کو بیان کرنا، اور موصوف سے چشم پوشی کرنا شرائط کا ذکر اور شرائط کے پورا کرنے والے کا نام نہ لینا، حقوقِ خلافت کو شمار کرنا اور مستحق خلافت سے اعراض کرنا یہ بھی سقیفہ والوں کی عدالت حضرت عمر کے لئے یہ بہت نازک موقعہ تھا، اگر بحث بڑھ گئی تو کہیں صفات سے موصوف تک نہ لوگوں کی نظر چلی جائے جس عقلمندی سے اس موقعہ کو ٹالا ہے وہ ان کا ہی حصہ تھا فوراً حضرت ابوبکر کا ہاتھ نکلوا کر پکڑ لیا، اور بیعت کر لی۔ اب کیا تھا، جو ان سے پہلے سے ملے ہوئے تھے انہوں نے سلسلہ شروع کر دیا، اور امر طے شدہ قرار پا گیا، درآنحالیکہ ابھی بحث پوری نہیں ہوئی تھی ابھی تو یہ ہی طے نہیں ہوا تھا کہ مہاجرین بہ نسبت انصار کے اس امر کے زیادہ حقدار ہیں اور یہ تو ذکر ہی نہیں آیا تھا کہ ان دلائل کی بناء پر جو انصار کے خلاف پیش کی گئی تھیں، مہاجرین میں سب سے زیادہ کون حق دار ہے یہ ضروری

حصّہ بحث کا تھا۔ بحث کو ادھورا چھوڑ کر بلکہ اس کی تکمیل سے ڈر کر حضرت عمر نے جس سرعت اور ہمت سے حضرت ابوبکر کا ہاتھ نکلوایا ہے وہ دانشمندانِ فرنگ کے لئے موجودہ زمانہ میں بھی سبق آموز ہے، ابھی بحث اور دلیلیں ہو رہی ہیں کہ امر طے شدہ ہوگیا۔

جس خود غرضانہ طریقے سے محض دنیاوی فائدہ کو مدِّنظر رکھ کر وہاں لوگ بحث کر رہے تھے وہ دو امور سے بہت اچھی طرح واضح ہوتا ہے۔

ایک تو یہ کہ ان میں سے کسی نے یہ بحث نہ کی کہ کس شخص کا حاکم ہونا اسلام کے لئے مفید ہے اور کون شخص اس بیڑے کو اسی طرح چلا سکتا ہے کہ جس طرح رسول خدا چلاتے تھے انصار کو خوف پیدا ہوا تو اپنے متعلق ہی پیدا ہوا کہ اگر مہاجرین میں حکومت چلی گئی تو پھر انصار کی آئندہ کی نسلیں مہاجرین کے دروازوں پر بھیک مانگتی نظر آئیں گی، دوسرے یہ کہ کسی نے یہ مطالبہ نہ کیا کہ انصار و مہاجر کے جھگڑے کو جانے دو، بہترین افضل ترین شخص کو منتخب کرو، خواہ انصار میں ہو خواہ مہاجرین میں، جب حضرت ابوبکر نے عمر وابوعبیدہ کو پیش کیا تو انصار کے صاحبان حل وعقد نے یہ نہ کہا کہ اگر مہاجرین ہی میں حکومت رکھتے ہو تو ان میں کا بہترین شخص منتخب کرلو، جب انصار سے حکومت چلی گئی تو پھر پروا نہیں کوئی حاکم ہو۔ یہ تھی اسلام کی محبت۔

ہم اوپر بیان کر آئے ہیں کہ حضرت علی کے خلاف صحابہ کرام خصوصاً مہاجرین کی اکثریت تھی جس کے راس ورئیس حضرت عمر وحضرت ابوبکر تھے۔ امر واقعہ یہ ہے کہ یہ مخالف جماعت زیادہ تر مہاجرین ہی سے مرکب تھی، انصار کو حضرت علیؑ کے خلاف ہونے کی کوئی خاص وجوہات نہ تھیں۔ ہاں مہاجرین مخالف کی ان کوششوں سے جو انہوں نے تمام صحابہ کو علی کے خلاف اپنا ہمخیال بنانے میں کی تھیں وہ بھی متاثر ہوئے بغیر نہیں رہے تھے، اگرچہ ایک جماعت کثیر ان میں کی علی کی طرف رہی تاہم ان کی اکثریت میں اگر مخالفتِ علی کا جذبہ پورے زوروں سے جاری نہیں بھی ہوا تاہم اس امر میں لاپرواہی تو ضرور پیدا ہوگئی، اس بات کا ثبوت کہ علی کے خلاف ایک کثیر تعداد صحابہ کی تھی اور حضرات شیخین اس جماعت کے راس ورئیس تھے ہم پہلے پیش کرچکے ہیں۔ لیکن سقیفہ کی کارروائی

سے بھی یہ امر اچھی طرح واضح ہے، حضرت عمر مہاجرین میں سے صرف دو آدمی جو خود امیدوار ان خلافت تھے، اس انصار کے مجمع کثیر میں لے کر آئے، اس طرز عمل پر جتنا غور کیا جائے کم ہے، کچھ تو ہم پہلے اس پر لکھ چکے ہیں، ایک بات رہ گئی تھی وہ اب بیان کرتے ہیں۔ یہ طرز عمل نہایت واضح طریقے سے ظاہر کر رہا ہے کہ حضرت عمر جانتے تھے کہ اصلی مشکل تو فقط انصار کے ساتھ ہے، اگر وہ مان گئے تو ہماری پارٹی جس کے ہم سردار ہیں کبھی ہمارے کئے ہوئے کی مخالفت نہیں کریگی، اپنی پارٹی کو سمجھانا کون سی مشکل بات ہے، کہہ دیں گے کہ پہلے سے ہم نے تم پر ابوبکر کا نام اس لئے ظاہر نہیں کیا تھا کہ قبل از وقت افشا سے کام بگڑ جاتا ہے، اور ان کی پارٹی تو پہلے ہی ان کی سرداری مان چکی تھی، دو اور دو چار کی طرح ظاہر ہو گیا کہ مہاجرین میں ایک ایسی جماعت حضرت علی کے خلاف تھی، جس پر حضرت عمر ہر وقت اور ہر طرح بھروسہ کر سکتے تھے اور یہ کہ حضرت عمر و حضرت ابوبکر اس جماعت کے راس و رئیس تھے اور انصار بھی اس بات کو جانتے تھے کہ یہ ساری کارروائی اس ہی مخالف جماعت کی ہے جس نے آنحضرت کو آخری وصیت نہیں لکھنے دی اور جس کے سردار حضرت عمر ہیں۔ حضرت عمر کے کئے ہوئے کو وہ مان لیںگی، جب ہی تو انہوں نے یہ نہ کہا حالانکہ ان حالات کے اندر یہ کہنا بالکل قدرتی تھا کہ تم تو فقط تین آدمی ہو، مہاجرین اگر تمہارے کئے کو نہ مانے تو تم کیا کروگے؟

سقیفہ بنی ساعدہ سیاسی قلابازیوں کا اچھا نمونہ پیش کرتا ہے، ایسی قلابازیاں جو صاف بتا رہی ہیں کہ یہ حکومت الہیہ حاصل کرنے کی تدبیریں نہ تھیں بلکہ دنیاوی حکومت چھیننے کی تجویزیں تھیں کئی مثالیں اوپر تحریر ہوئیں۔ ایک یہ ہے کہ حضرت عمر نے مہاجرین کو یہ کہہ کر حضرت علی کے خلاف اکسایا تھا کہ دیکھو رسولخدا اپنے رشتہ داری کی وجہ سے علی کو آگے کر رہے ہیں یہ چاہتے ہیں کہ حکومت ان کے خاندان میں مستقل ہو جائے، درآنحالیکہ رسولخدا بھی ہماری طرح انسان ہیں ان کی رشتہ داری کچھ وجہ فضیلت نہیں ہو سکتی، تب ہی تو جناب رسولخدا کو یہ کہنے کی ضرورت ہوئی کہ......

ضغائن فی صدور اقوام لا یبدونہا الا من بعدی......

یا علی ان الامۃ ستغدر بک من بعدی .... الا ما بال اقوام یزعمون ان رحمی لا تنفع والذی نفسی بیدہ ان رحمی لموصولۃ فی الدنیا والآخرہ، اے علی لوگوں کے دلوں میں تیری طرف سے کینے بھرے ہوئے ہیں جن کو وہ میرے بعد ظاہر کریں گے.... اے علی یہ امت میری بعد تیری ساتھ بغاوت و بے وفائی کریگی..... کیا ہو گیا ہے لوگوں کو خیال کرتے ہیں کہ میری رشتہ داری فائدہ نہیں پہونچائیگی، درآنحالیکہ اس ذات کی قسم جس کے ید قدرت میں میری جان ہے میری قرابت دنیا و آخرت میں فائدہ بخشنے والی ہے۔ معلوم ہوا کہ حضرت علی کے خلاف جو جماعت تیار کی جارہی تھی اور جو غلط فہمیاں پھیلا کر تیار کی جارہی تھی اس کا علم آنحضرتؐ کو بھی تھا، یہ سازش اس حد تک پہنچ گئی تھی مگر جب سقیفہ میں دوسری طرح بحث کرنیکی ضرورت پڑی تو حضرت عمر نے فوراً رُخ پلٹ لیا، اور تھوڑی دیر کے لئے انصار کو خاموش کرنے کے لئے کہہ دیا کہ رسولخدا کی قرابت ہی محض حکومت کے حصول کی وجہ قطعی ہے، اور جو رشتہ داری کے اس اثر کی مخالفت کرے وہ ظالم ہے جہاں جیسا موقعہ دیکھا وہاں ویسا ہی کہہ دیا۔

حضرت عمر کی سیاست کا یہ بھی بہت بڑا اگر تھا کہ اگر کوئی بات جناب رسولخداؐ کی طرف نسبت دینے سے زیادہ فائدہ پہونچا سکتی تھی یا مضرت و نقصان سے بچا سکتی تھی، تو فوراً آنحضرت کی طرف منسوب کر دیتے تھے تاکہ اس اصول میں اثر پیدا ہو جائے یا کسی مشکل جگہ سے نجات مل جائے، لا وارث حدیث جو انہوں نے اور حضرت ابو بکر نے جناب فاطمہ کو ورثہ سے محروم کرنے کے لئے بیان کی تھی اس ہی ضمن میں آتی ہے، ایک اور واقعہ سنئے اور وہ سقیفہ بنی ساعدہ کا ہے، جب حباب بن المنذر نے مقولہ آخر الحیل السیف پر عمل کرکے تلوار کو ہاتھ میں لیا اور فرمایا کہ مہاجرین کو نکال دو، جو میری مخالفت کریگا۔ میں اس کا قلع قمع کر دوں گا، یہ بہت نازک وقت تھا، مہاجرین تو صرف تین اور وہ اس بے شمار مجمع انصار میں گھری ہوئی یوں تو مدِ مقابل کو نہتہ یا کمزور دیکھ کر حضرت عمر کی تلوار بہت جلد نیام سے نکل آتی تھی لیکن جب مدِ مقابل طاقتور

ہوتا تھا تو ہمیشہ آپ کی انجام بینی آپ کی رگِ شجاعت کو دبا لیتی تھی چنانچہ اس موقعہ پر نہایت آہستگی و متانت سے حضرت عمر نے فرمایا کہ ایک دفعہ جناب سولخدا نے مجھ سے فرمایا تھا کہ حباب ابن المنذر کی مخالفت نہ کیا کرو اس وجہ سے میں ان کی تقریر کا جواب نہیں دیتا، یہ ایسا لطیفہ ہے کہ سنجیدہ اور رنجیدہ سے رنجیدہ آدمی کو ایک دفعہ تو ضرور ہنسا دے گا کچھ بن نہ پڑی تو جناب رسولخدا یاد آگئے، جلدی میں یہی ہو سکتا تھا کوئی ان سے پوچھے کہ حباب بن المنذر میں کیا ایسی خاص صفت تھی کہ ہر ایک موقعہ پر ان کی مخالفت کرنے سے باز رکھا گیا کیا یہ حکم صرف حضرت عمر ہی کے لئے تھا یا تمام امت کو حکم دیا گیا تھا کہ حباب کی مخالفت نہ کریں، اگر صرف حضرت عمر کے لئے تھا تو حضرت عمر میں خاص کیا نقص تھا کہ محض ان کو ہی ممنوع کیا گیا اور اگر تمام امت کو منع کیا گیا تو علی الاعلان منبر پر تمام امت کے سامنے کیوں نہ ارشاد فرمایا۔ کیا یہ ممانعت کسی خاص امر میں تھی یا ہر ایک بات پر حاوی، اگر خاص امر کے لئے تھی تو وہ کیا امر تھا۔ پھر اس کو اس خلافت کی بحث سے کیا تعلق، اور اگر یہ ممانعت ہر ایک بات کے لئے تھی تو حباب بن المنذر معصوم ہوئے کہ کبھی ان سے عصیان کے سرزد ہونے کا امکان ہی نہیں رہا تھا، اگر معصوم تھے تو سب سے اول وہ خلافت کے مستحق ہوئے، ایک اور تماشہ دیکھو، حکم تو یہ تھا کہ مخالفت نہ کرو، صرف حباب بن المنذر کی بحث کا جواب نہ دینے سے تو اس حکم کی تعمیل نہیں ہوتی تعمیل تو جب ہوتی کہ حباب بن المنذر کی مخالفت نہ کرتے اور سعد ابن عبادہ کو حباب کے کہنے کے مطابق خلیفہ تسلیم کر لیتے، کیسا فرمان اور کیسی تعمیل یہاں تو وقت نکالنا مطلوب تھا۔

اب وقت نازک تھا، عنقریب تھا کہ سعد ابن عبادہ کی بیعت ہو جائے لیکن عرب کے مشہور جذبہ حسد نے حضرت ابوبکر کا کام بنا دیا، بشیر ابن سعد کی رنجش سعد ابن عبادہ سے تھی اُسے حسد ہوا کہ سعد ابن عبادہ خلیفہ بن جائیگا لہذا مہاجرین کی طرف ہو گیا، اور انصار کو اس نازک وقت پر اُبھارا کہ وہ حضرت ابوبکر کی بیعت کر لیں انصار کی جماعت میں تفرقہ پڑ گیا، اب موقعہ تھا کسی طور پر حضرت ابوبکر نے عمر و

ابو عبیدہ کو پیش کیا، انہوں نے ابوبکر کو ترجیح دی، حضرت عمر نے حضرت ابوبکر کا ہاتھ نکلوایا بغیر رائے شماری کے اور بغیر کسی ایک شخص پر متفق ہوئے حضرت ابوبکر کی بیعت شروع ہوگئی، حباب بن المنذر کہتے ہی رہے کہ بشیر ابن سعد کے حسد نے کام بگاڑ دیا، ناظرین نے ملاحظہ کیا یہ تھے وہ طریقے وہ سیاسی قلابازیاں وہ سازشیں جن سے خلافت و حکومت الٰہیہ حاصل کی گئی۔

اصحاب کی معرکہ آرائی تو دیکھی اب اجماع کی ماہیت پر غور کرو، حضرت ابوبکر کی بیعت جو سقیفہ بنی ساعدہ میں ہوئی اس پر ہرگز کوئی اجماع نہ تھا، مہاجرین کا سارا گروہ ماسوائے تین امیدواران خلافت کے حلقہ بیعت سے باہر تھا، اور ان میں سے کئی قبائل نے علانیہ تخلف کیا، تمام بنو امیہ و تمام بنو ہاشم و تمام بنو زہرہ نے یک لخت تخلف کیا، اور اپنے اپنے سرداروں کے گرد جمع ہو گئے، یہ سب مسجد میں تھے اور شورہ کر رہے تھے کہ تینوں امیدواران خلافت آموجود ہوئے اور دھمکا ڈرا کر لا پج دے کر بیعت لینی شروع کی، بہت لوگوں نے بیعت کر لی، بہت بغیر بیعت کے چلے گئے مثلاً حضرت علی و عباس و زبیر بن العوام اور تمام بنو ہاشم مخالفت پر جمے رہے اور اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے، حضرت عمر اُدھر بھیجے گئے اور انہوں نے خانہ فاطمہ کے جلانے کے لئے آگ و لکڑیاں فراہم کرنی شروع کیں، زبردستی سے زبیر بن العوام کو نکالا ہاتھا پائی ہوئی اسے لے گئے اور اس نے بیعت کر لی، حضرت علیؑ کو بھی مجبوری کے ساتھ لے گئے جس طریقے سے لے گئے وہ حضرت علی کے ان الفاظ سے ظاہر ہے۔ آپ راستہ بھر کہتے ہوئے گئے کہ میرے ساتھ یہ سختی حالانکہ میں بندۂ خدا اور ابن عم رسول ہوں، جب کشاں کشاں دربار خلافت میں پہنچے تو آپ سے بیعت کا مطالبہ کیا گیا مگر آپ نے خدا کی قسم کھا کر کہا کہ میں کبھی تم سے بیعت نہ کروں گا۔ میں بہ نسبت ابوبکر کے بیعت کا زیادہ مستحق ہوں جن دلائل سے تم نے خلافت انصار سے حاصل کی ہے ان ہی دلائل کی بناء پر میں بہ نسبت تمہارے خلافت کا زیادہ مستحق ہوں۔ حضرت عمر نے کہا کہ ہم ہرگز نہ چھوڑیں گے، جب تک تم بیعت نہ کر لوگے، جناب امیر نے بڑے

پتہ کی بات کہی، آپ نے فرمایا اے ابن خطاب خلافت کو اپنے گھر کی گائے سمجھ رکھا ہے، آج وہ دودھ دیتی ہے اور کل وہ اُس کو تیری طرف منتقل کر دیگا۔

اعتراض کیا جاتا ہے کہ شیر خدا ہو کر ایسی مجبوری، وہ قوت اسد اللہی کہاں گئی جس سے درخیبر اکھاڑا تھا، ہمارا جواب ہے کہ وہ بھی ایک جہاد تھا اور یہ بھی ایک جہاد ہے۔ وہ جہاد بالسیف تھا اور یہ جہاد نفس ہے۔ حکومت الٰہیہ کے صاحب امر کا فرض ہے کہ وہ امت کو ہر قسم کی تعلیم اپنے افعال کے نمونے سے دے۔ جہاد بالسیف میں ثابت قدمی کا نمونہ دکھادے اور جہاد نفس میں باوجود قدرت کے صبر کرنے کی ہدایت دے، یہی وہ صبر تھا جس کی تعریف بار بار قرآن شریف میں کی گئی ہے، اگر حضرت علی یہ صبر نہ کرتے اور اپنے مخالفین کی طرح محض اپنے دنیاوی مفاد کے لئے تلوار اُٹھاتے تو ایسی خانہ جنگی ہوتی کہ اسلام برباد ہو جاتا اس مخالف جماعت کے صاحبان حل و عقد نے ایک ایسی مضبوط جماعت پیدا کر لی تھی کہ جو اس مرحلہ پر کہ جب اس کو اتنی کامیابی حاصل ہو گئی تھی ہر ایک تدبیر و حیلہ اپنی حکومت قائم رکھنے کے لئے اختیار کرتی اور وہ تدابیر و حیلے سقیفہ بنی ساعدہ ہی کے نمونے کے ہوتے جن میں احکام رسول کو ہذیان سے تعبیر کیا جا سکتا ہے اور جن کی تکمیل کے لئے رسو لخدا کے جسد اطہر کو بے غسل و کفن چھوڑ کر چلے جانے میں کچھ مضائقہ نہیں، ان سے کچھ بعید نہ تھا جو رسولخدا کی نبوت سے انکار کر جاتے۔ نبوت کی نسبت ایک ایسا عقیدہ تو اب بھی قائم کر ہی دیا جس نے نبوت کے درجے کو بہت گرا دیا، اور بہت کچھ تو اب بھی کہہ گئے ہیں، اب افعال سے کہا، پھر صریح الفاظ سے کہتے، اسوقت کی خانہ جنگی اسلام کے لئے سخت مضر ہوتی۔

اس اجماع امت پر غور کرتے وقت مندرجہ ذیل امور کا خیال رکھنا ہوگا۔

(۱) حضرت ابوبکر کی بیعت سے بہت سے صحابیوں اور خاندان نبوت نے مطلقاً تخلف کیا۔

(۲) اسکے بعد حیلہ و تدابیر سے لوگوں کو ڈرا دھمکا کر لالچ دیکر یہاں تک کہ رشوت دے کر بیعت لی گئی لیکن اجماع کی کیفیت بیعت اول کے وقت دیکھی جاتی ہے

حکومت حاصل کرنے کے بعد حکومت کے ذرائع استعمال کرکے جو بیعت لی جائے وہ اس سے غیر متعلق ہے۔

(۳) اس مفروضہ انتخاب کو خفیہ رکھا گیا اور اس کی اطلاع عام شایع نہیں کی گئی۔

(۴) اس وقت امت محمدیہ تین بڑی گروہوں میں منقسم تھی یعنی (الف) مہاجرین (ب) انصار (ج) اہل بیت رسالت و بنو ہاشم (د) دیگر قبائل عرب جو بعد ہجرت اسلام لائے۔ سقیفۂ بنی ساعدہ میں اس انتخاب کے وقت مہاجرین میں سے صرف تین افراد شامل تھے اور جملہ مسلمانان جو قسم ج، د میں سے تھے اس انتخاب سے باہر تھے۔

(۵) جو تین مہاجرین اس میں شامل ہوئے تھے وہ اپنی خوشی سے اپنی شخصی حیثیت میں شامل ہوئے تھے، دیگر مہاجرین کو تو علم بھی نہ تھا اور انہوں نے ان کو اپنا نمائندہ بنا کر نہیں بھیجا تھا۔ یہاں تک کہ حضرت عمر کی جماعت کو بھی اس کا علم نہ تھا، یہ بات دوسری ہے کہ حضرت عمر کو اپنی جماعت پر بھروسہ تھا کہ وہ ان کے کئے ہوئے کو بعد میں مان لے گی، یا یہ کسی نہ کسی طرح لوگوں سے اس انتخاب کو منوالیں گے، انتخاب کی نوعیت کا فیصلہ انتخاب کے وقت کی حالت کی بناء پر کیا جاتا ہے بعد کے واقعات اس کو نہیں بدل سکتے۔ غیر حاضر آدمیوں کی رائے بعد میں نہیں شمار کی جاتی۔ اور جہاں حق رائے دہندگی مختار یا ایجنٹ کو سپرد کیا جاتا ہے، وہاں اس کا اظہار عین انتخاب کے وقت کر دیا جاتا ہے کہ کون شخص کس کی طرف سے رائے دے رہا ہے۔

(۶) خاندان نبوت و اہل بیت رسالت کا ایک فرد بھی اس میں شامل نہ تھا اگر جناب رسولخدا کو اپنے جانشین مقرر کرنیکا حق نہیں تھا تو کیا ان کے خاندان کی بھی اتنی آواز نہ تھی کہ ان کو اس انتخاب میں شامل کر لیا جاتا۔

(۷) انتخاب کے وقت کی اجماعی حالت دیکھی جاتی ہے، مابعد کی موافقت تو ہر ایک ڈکٹیٹر اور غاصب بھی حاصل کر لیتا ہے۔

(۸) انتخاب کے وقت امیدواروں کی ذاتی قابلیت دینی فضیلت کو زیر غور

نہیں لایا گیا اور نہ اس کی بناء پر انتخاب ہوا۔

(۹) حضرت ابوبکر کو خلافت کا خلعت صرف قبائل مدینہ کے ایک دوسرے کے حسد نے عطا کیا۔

اجماع کی جو بھی چاہے تعریف مقرر کرلو، اس قسم کا انتخاب کسی قسم کے اجماع میں نہیں آتا، ہاں اگر سقیفہ بنی ساعدہ کے واقعات کا نمونہ پیش نظر رکھ کر اجماع کی تعریف مقرر کرتے ہو تو پھر اس اجماع کے تحت میں تو آ جاؤ گے اس صورت میں اس کی تعریف یہ ہوگی۔

اجماع اُمت اس کو کہتے ہیں کہ اگر ایک مہاجر بھی کسی ایسے شخص کو جو جناب رسول خدا کا سسرا ہے خلیفہ مقرر کرتا ہے اور یہ داؤ چل جاتا ہو تو وہ جائز ہے۔ اور اس کو اجماع کہتے ہیں۔

ایک اور امر بھی قابل ذکر ہے، جماعت مہاجرین وہ جماعت تھی جس میں بقول حضرت عمر خلافت کا انحصار تھا، چنانچہ جب حضرت عمر مجروح ہوئے اور انہوں نے اصحاب شوریٰ مقرر کئے تو ارباب شوریٰ جن میں خلافت کا انتخاب منحصر کیا گیا سب مہاجرین ہی تھے۔ ایک بھی انصار نہ لیا اور حضرت عمر نے صاف کہہ دیا کہ خلافت میں انصار کا کوئی حق نہیں ہے، دیکھو ابن قتیبہ کی کتاب السیاست والامامۃ ص ۱۲ جس جماعت میں سے خلیفہ ہونا چاہیئے تھا اس کی نمائندگی ہی سقیفہ میں نہ تھی، لہذا یہ انتخاب اس وجہ بھی ناجائز ہوا۔

یہ مضمون نامکمل ہوگا اگر ہم وکلاء اہل حکومت کی بحث کو نظر انداز کردیں جو انہوں نے کارکنان سقیفہ بنی ساعدہ کے حق میں تیار کی ہے، ان وکلاء میں سے سب سے بڑے زمانۂ حال کے وکیل علامۂ شبلی نعمانی ہیں ان کی تاریخی کتابیں دراصل مناظرہ کی کتابیں ہیں۔ لیکن حسن اتفاق کہو یا حق کی طاقت کہ بحث تو انہوں نے کی اپنے مؤکلان کے حق میں اور تائید ہوتی رہی ہمارے دعوے کی۔ آپ فرماتے ہیں۔

"یہ واقعہ بظاہر تعجب سے خالی نہیں کہ جب آنحضرت نے انتقال فرمایا تو فوراً خلافت

کی نزاع پیدا ہو گئی اور اس بات کا بھی انتظار نہ کیا گیا کہ پہلے رسول اللہ صلعم
کی تجہیز و تکفین سے فراغت حاصل کر لی جائے۔ کس کے قیاس میں آسکتا ہے
کہ رسول اللہ انتقال فرمائیں، اور جن لوگوں کو ان کے عشق و محبت کا دعویٰ
ہو وہ ان کو بے گور و کفن چھوڑ کر چلے جائیں اور بند و بست میں مصروف
ہوں کہ مسند حکومت اوروں کے قبضہ میں نہ آ جائے۔

تعجب پر تعجب یہ ہے کہ یہ فعل ان لوگوں سے (حضرت ابوبکر و عمر)
سرزد ہو جو آسمان اسلام کے مہر و ماہ تسلیم کئے جاتے ہیں۔ اس فعل کی
ناگواری اسوقت اور زیادہ نمایاں ہو جاتی ہے جب یہ دیکھا جاتا ہے
کہ جن لوگوں کو آنحضرت سے فطری تعلق تھا یعنی حضرت علی اور خاندان
بنی ہاشم ان پر فطرتی تعلق تھا، یعنی حضرت علی اور خاندان بنی ہاشم
ان پر فطرتی تعلق کا پورا اثر ہوا اور اس وجہ سے ان کو آنحضرت ؐ کے درد و غم
اور تجہیز و تکفین سے ان باتوں کی طرف متوجہ ہونے کی فرصت نہ ملی۔

ہم اس کو تسلیم کرتے ہیں کہ کتب حدیث و سیر سے بظاہر اسی قسم
کا خیال پیدا ہوتا ہے۔ مگر درحقیقت ایسا نہیں ہے۔ یہ سچ ہے کہ حضرت
عمر و ابوبکر وغیرہ آنحضرت ؐ کی تجہیز و تکفین چھوڑ کر سقیفہ بنی ساعدہ کو
چلے گئے۔ یہ بھی سچ ہے کہ انہوں نے سقیفہ میں پہنچ کر خلافت کے آ
ہیں، انصار سے معرکہ آرائی کی اور اس طرح ان کوششوں میں مصروف
رہے کہ گویا ان پر کوئی حادثہ پیش ہی نہیں آیا تھا۔ یہ بھی سچ ہے کہ انہوں نے
اپنی خلافت کو نہ صرف انصار بلکہ بنو ہاشم اور حضرت علی ؓ سے بزور منوانا
چاہا، گو بنی ہاشم نے آسانی سے ان کی خلافت تسلیم نہیں کی۔

الفاروق:۔ مطبوعہ مطبع مفید عام آگرہ سنہ ۱۹۰۸ حصہ اول ص ۶۵ و ۶۶

جب مقدمہ ہی کمزور ہو تو چاہے وکیل کتنا ہی لائق ہو کچھ نہیں کر سکتا، اور
مقدمہ کی کمزوری ظاہر ہو جاتی ہے۔ بلکہ جتنا وکیل زیادہ لائق اور زیادہ قانون سے

واقف ہوتا ہے اُتنا ہی وہ فریق مخالف کی مضبوط دلائل کو بہت جلد تسلیم کرنے کے لئے تیار ہو جاتا ہے اور اگر اپنے موکل یا حاضرین عدالت کو دکھانے کے لئے کچھ ظاہرا ہاتھ پیر مارتا بھی ہے تو اس کی یہ بے سود کوشش بھی صاف عیاں ہو جاتی ہے۔ یہی حالت اس معاملہ میں مولوی شبلی کی ہے قبل اس کے کہ ہم بتائیں کہ انہوں نے یہاں کیا کیا، تسلیم کیا ہے ہم ناظرین کی توجہ ان کے ہاتھ پیر مارنے کی طرف دلاتے ہیں، ان کی عبارت میں ایک فقرہ ہے "لیکن درحقیقت ایسا نہیں" مگر اس فقرے کے ماقبل و مابعد دونوں عبارتیں تسلیم کرتے ہیں پھر اس فقرہ کی حقیقت ہی کیا رہی وہ تسلیم کرتے ہیں کہ تمام حدیثوں اور تمام تاریخ کی کتابوں کے مطالعہ سے مندرجہ ذیل واقعات ثابت ہوتے ہیں۔

۱۔ حضرت ابوبکر و عمرؓ نے آنحضرت صلعم کے انتقال کے بعد ہی کے لمحے میں قبل آنحضرت کی تجہیز و تکفین کے خلافت کی نزاع پیدا کر دی۔

۲۔ یہ بزرگوار باوجود اپنے دعوئ عشق و محبت کے آنحضرتؐ کو بے گور و کفن چھوڑ کر چلے گئے۔

۳۔ اور اس بندوبست میں مصروف ہو گئے، کہ کسی طرح مسند حکومت پر قبضہ کر لیں

۴۔ یہ فعل نمایاں طور سے ناگوار تھا۔

۵۔ حضرت علی و خاندان بنی ہاشم کو آنحضرت صلعم کے انتقال کا بوجہ محبت کے بہت صدمہ تھا۔

۶۔ حضرت علی و خاندان بنی ہاشم نے آنحضرت صلعم کے درد و غم اور تجہیز و تکفین کی مصروفیت کو حصول حکومت پر ترجیح دی اور اُدھر آنکھ اُٹھا کر بھی نہ دیکھا۔

جب حدیث اور تاریخ کی کتابوں سے یہ امور ثابت ہیں تو پھر حضرت شبلی کی تاویل کیا وقعت رکھتی ہے اور ان کا فقرہ لیکن درحقیقت ایسا نہیں بے معنی ہو کر رہ جاتا ہے اور اس فقرہ کے بعد ان میں سے تقریباً ساری باتوں کو خود حضرت شبلی "یہ بھی صحیح ہے" کہہ کر تسلیم کرتے ہیں چنانچہ ملاحظہ ہو:-

۱:- یہ سچ ہے کہ حضرت ابوبکر و حضرت عمر وغیرہ آنحضرتؐ کی تجہیز و تکفین چھوڑ کر سقیفہ بنی ساعدہ چلے گئے۔

۲:- یہ بھی سچ ہے کہ انہوں نے سقیفہ میں پہنچ کر خلافت کے باب میں انصار سے معرکہ آرائی کی (معرکہ آرائی کا فقرہ یاد رہے)

۳:- ان کے رویہ و طرز عمل سے ظاہر تھا کہ ان کو آنحضرتؐ کے انتقال کا کچھ صدمہ نہ تھا، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ "گویا ان پر کوئی حادثہ پیش ہی نہیں آیا تھا۔

۴:- یہ بھی سچ ہے کہ انہوں نے اپنی خلافت کو نہ صرف انصار بلکہ بنو ہاشم اور حضرت علیؑ سے بزور منوانا چاہا۔

۵:- کم سے کم بنو ہاشم نے ان کی خلافت آسانی سے تسلیم نہیں کی۔

اس کے بعد حضرت شبلی اپنی تاویل شروع کرتے ہیں فرماتے ہیں۔

لیکن اس بحث میں جو غور طلب باتیں ہیں وہ یہ ہیں۔

۱۔ کیا خلافت کا سوال حضرت عمر ہی نے چھیڑا تھا۔

۲۔ کیا یہ لوگ خود اپنی خواہش سے سقیفہ بنی ساعدہ میں گئے تھے۔

۳۔ کیا حضرت علی و بنو ہاشم خلافت کی فکر سے بالکل فارغ تھے۔

۴۔ ایسی حالت میں جو کچھ حضرت عمر وغیرہ نے کیا وہ کرنا چاہیئے تھا یا نہیں؟

الفاروق حصہ اول ص ۶۶۔

مولوی شبلی کے صرف یہ چار جواب ہیں بحث اول و دوئم کو فقط ایک واقعہ کی نقل پر ختم کرتے ہیں جو انہوں نے مسند ابو یعلی سے لیا ہے وہ واقعہ یہ ہے کہ اصحاب آنحضرتؐ کے جنازے کے گرد بیٹھے تھے کہ ایک مخبر آیا، اس نے دیوار کے پیچھے ہی سے فقط حضرت عمر کو آواز دی وہ نکلے تو ان کو مطلع کیا کہ انصار سقیفہ میں جمع ہوئے یہ سن کر حضرت عمر نے فقط حضرت ابوبکر کو ساتھ لیا، اور وہاں سے چل نکلے۔ یہ واقعہ تو ہماری دعوی کی تائید کرتا ہی، ذرا غور سے تو دیکھو وہ مخبر مہاجرین کے مجمع میں کیوں نہ آیا فقط دیوار کے پیچھے سے کیوں آواز دی بمسند ابو یعلی کے الفاظ ہیں

إذا رجل ينادي من وراء الجدار ان اخرج إلي يا ابن الخطاب۔
اجتماع انصار ان سُن کر حضرت عمر نے فقط ابو بکر سے کہا کہ چلو صاحبان غور و فکر کے لئے ان دونوں اُمور میں ہزاروں داستانیں مخفی ہیں۔ مخبر کو مجمع مہاجرین میں فوراً آنا چاہیئے تھا، دیوار کے پیچھے چھپنا کیسا۔ صاف عیاں ہے کہ یہ مخبر صرف حضرت عمر ہی کا بھیجا ہوا تھا، لہذا اُس نے ان کو ہی آن کر اطلاع دیدی، حضرت عمر نے بھی دیگر مہاجرین کو ساتھ نہ لیا، اگر معاملہ صاف تھا تو وہاں سب میں آن کر یہ اطلاع لوگوں کو دیتے۔ پھر سب کی رائے سے جن جن کا سقیفہ میں جانا مناسب تھا وہاں چلے جاتے۔ جن کا تجہیز و تکفین رسول میں رہنا مناسب تھا وہاں رہتے۔ یہ گریز اور اخفا صاف ظاہر کر رہا ہے کہ آنحضرت کی وفات سے پہلے حضرت عمر اِس سوال کو چھیڑ چکے تھے اور ایسے واقعات پیدا کر دئے تھے کہ انصار کو مجبوراً یہ قدم اٹھانا پڑا، اور اس کے لئے ہی مخبر بٹھا دیا تھا، رہا خواہش کا سوال تو کس نے مجبور کیا تھا کہ فقط حضرت عمر و حضرت ابو بکر ہی تشریف لے جائیں، یہ تو جب ہوتا کہ مہاجرین کو بھی یہ اطلاع حضرت عمر دیتے اور وہ فقط ان سے ہی کہتے کہ آپ تشریف لے جائیے تب کہہ سکتے تھے کہ حضرت عمر اپنی خواہش سے نہیں گئے۔ ہم اس بات کا بھی ثبوت پیش کرتے ہیں کہ حضرت عمر نے انصار سے بھی پہلے یہ سوال اٹھایا تھا۔ انصار کی طرف مخبر بھی بھیج دیا، خود ہی تجویزیں کرتے رہے چنانچہ علامہ ابن سعد لکھتے ہیں۔

قال اخبرنا يزيد بن هارون	(اسماء رواۃ عربی میں دیکھو) ابراہیم
قال انا العوام عن ابراهيم	التیمی کہتا ہے کہ جناب رسول خدا
التيمي قال لما قبض رسول	کے رحلت فرماتے ہی حضرت عمر ابو
الله صلعم اتى عمر ابا عبيدة	عبیدہ بن الجراح کے پاس آئے اور کہا
بن الجراح فقال ابسط يدك	کہ اپنا ہاتھ پھیلاؤ میں تمہاری بیعت
فلابايعك فانك امين	کروں کیونکہ تم اس امت کے امین

ھذہ الامۃ علی لسان رسول اللہ فقال ابو عبیدۃ لعمر مارایت لک فھۃ قبلہا منذ اسلمت اتبایعنی و فیکم الصدیق وثانی اثنین	ہو جیسا کہ رسولخدا نے فرمایا ہے ابو عبیدہ نے کہا کہ جب سے تم اسلام لائے ہو۔ میں نے اسکے قبل تم کو مذاق کرتے نہیں دیکھا کیا تم میری بیعت کروگے درانحالیکہ تمہارے درمیان صدیق اور دو میں کا ایک ہے۔

ابن سعد:۔ طبقات الکبریٰ ق اج ۳ ذکر بیعۃ ابی بکر ص ۱۲۸ و ۱۲۹

ظاہر ہے کہ یہ آنحضرتؐ کے رحلت فرمانے کے فوراً بعد کا واقعہ ہے کہ جب حضرت ابوبکر نے خطبہ دیکر لوگوں کو رسولخدا کا رنج کرنے سے منع کیا تھا۔ اور قبل اس کے کہ انصار کی خبر مخبر لایا، حضرت عمر فوراً ابو عبیدہ کے پاس پہنچے اور اس طرح ان کو اس کام کے شروع کرنے کی ترغیب دی۔ جب ابو عبیدہ نے یہ جواب دیدیا تو پھر وہاں آبیٹھے جہاں لوگ بیٹھے تھے، اتنے میں مخبر آگیا، اور اس مشینری کا کام شروع ہوگیا۔

تیسری بحث کے تحت میں لکھتے ہیں:۔

> تیسری بحث کی یہ کیفیت ہے کہ اس وقت جماعت اسلامی تین گروہوں میں تقسیم کی جاسکتی تھی، بنوہاشم جن میں حضرت علی شامل تھے مہاجرین جن کے راس و افسر حضرت ابوبکر و عمر تھے، انصار جن کے شیخ القبیلہ عبادہ تھے، ان تینوں میں سے ایک گروہ بھی خلافت کے خیال سے خالی نہ تھا۔ الفاروق حصہ اول ص ۶۷۔

یہ تو ہمارے دعوی کی تائید ہے، ہم بھی یہی کہتے ہیں کہ اس وقت کیا بلکہ اس سے برسوں پہلے کوئی بھی دماغ ایسا نہ تھا، جو جانشینی رسول کے خیال سے خالی ہو، یہاں تک کہ آنحضرت بھی اس سے مستثنٰی نہیں۔ سوال تو یہ ہے کہ وہ خیال حق کے مطابق تھا یا ظلم پر مبنی تھا، اس کے لئے کیا کیا منصوبے سوچے گئے تھے، وہ منصوبے حکومتِ الہیّہ کے شایاں تھے یا نہیں۔ خدا کی شان دیکھو

ہمارے ایک اور بڑے دعوے کی تائید کس طرح حضرت شبلی کے قلم سے ہوتی ہے، ہم نے بہت سی سیاہی اس ہی بحث پر خرچ کی ہے کہ مہاجرین میں جو مخالفِ علی جماعت تھی، اس کے راس ورئیس حضرت عمر و حضرت ابوبکر تھے۔ حضرت شبلی بھی یہی فرماتے ہیں کہ مہاجرین کی جماعت جو خلافت کے خیال میں غلطاں و پیچاں تھی اس کے رئیس وافسر حضرت ابوبکر وعمر تھے۔

یہ ثابت کرنے کے لئے کہ حضرت علی و بنو ہاشم کو بھی خلافت کا خیال تھا، حضرت شبلی نے ایک نہایت غیر معتبر روایت صحیح بخاری کے حوالے سے لکھی ہے کہ حضرت عباس نے حضرت علی سے کہا کہ آنحضرتؐ کا یہ مرض الموت ہے تم جاکر دریافت کرلو آپؐ کے بعد اس حکومت کا کون حق دار ہے، اور حضرت علی نے یہ کہہ کر انکار کردیا کہ اگر آنحضرتؐ نے ہمارے خلاف کہا تو پھر یہ لوگ کبھی ہم کو منتخب نہیں کریں گے، اس روایت کا سلسلہ رواۃ اس طرح ہے! حدثنی اسحٰق اخبرنا بشر بن شعیب بن ابی حمزۃ قال حدثنی ابی عن الزھری قال اخبرنی عبداللہ بن کعب بن مالک الانصاری وکان کعب بن مالک احد الثلاثۃ الذین یتب علیہم ان عبداللہ بن عباس اخبرہ ان الخ۔

یقیناً یہ روایت از قسم احاد ہے سوائے عبداللہ بن مالک کے اور کسی نے روایت نہیں کیا، اس سے یہ قطعاً ظاہر نہیں ہوتا کہ عبداللہ ابن عباس اس وقت خود موجود تھے جب عباس نے علی سے یہ کہا۔ عبداللہ ابن کعب بن مالک غالباً صحابی نہ تھے تابعین میں سے تھے، ان کا ذکر کسی معتبر کتب رجال میں نہیں ہے آنحضرت کے انتقال کے وقت بہت کم سن تھے، اگر پیدا ہو چکے تھے۔ گمان یہ ہے کہ پیدا ابھی نہیں ہوئے تھے، خدا کی قدرت ہے تعصب کیسا گہرا پردہ آنکھوں کے سامنے ڈال دیتا ہے ان ہی عبداللہ ابن عباس کی روایت واقعہ قرطاس بخاری میں سات جگہ درج ہے اس پر جناب شبلی اس طرح تنقید

کرتے ہیں کہ عبد اللہ ابن عباس اس وقت بہت کم سن تھے، چودہ برس کے تھے۔ خبر نہیں اس مجمع میں موجود بھی تھے یا نہیں، اور اب ان ہی عبد اللہ ابن عباس کی روایت پر جو انہوں نے اُس سے بیان کی جو اس زمانہ میں ان کی طرح کم سن تھا اتنا بھروسہ کرتے ہیں کہ نہ تنقید نہ نکتہ چینی، بے چون وچرا منظور کر لی، کیونکہ بخاری نے احیاناً ایک جگہ لکھ دی، قضیہ قرطاس کی مسلمہ روایت تو غلط حالانکہ بخاری میں سات جگہ درج ہے اور ہر ایک حدیث وتاریخ کی کتاب میں پائی جاتی ہے اور بالکل مطابق قیاس و حالات کے ہے، یہ روایت جو بالکل خلاف قیاس و حالات ہے جو بخاری میں ایک جگہ درج ہے اور محض اس ہی کم سن لڑکے سے منقول ہے۔ بالکل صحیح ہے اتنی کہ اس پر ایک بحث کا لمبا چوڑا قصر تعمیر کر لیا ہم بتاتے ہیں کہ خلافِ عقل کس طرح ہے، یہ اتنی بڑی بات تھی کہ عباس کو تو خیال آ گیا کہ پوچھ لیں، رسولخدا کو خیال نہ آیا کہ بغیر پوچھے اعلان کر دیں، گویا تقرر جانشین محض پوچھنے پر منحصر تھا اور جناب رسولخدا منتظر تھے کہ کوئی پوچھے تو بتائیں اور اگر کوئی نہ پوچھے تو یہ ضروری واہم بات غیر معلوم ہی رہے۔ علی کو ساتھ لے جانے کی کیا ضرورت تھی، عمر میں بڑے تھے، رشتہ میں بڑے تھے۔ خود ہی جا کر کیوں نہ پوچھ لیا، اگر علی کو امیدوار خلافت سمجھتے تھے تو یہ اور وجہ تھی کہ ان کو ہمراہ نہ لے جاتے، اور اگر رسولخدا کسی اور کا نام لیتے تو یہ حضرت علی کے حقوق پر بحث کر کے آنحضرت کے ارادہ کو بدلنے کی کوشش کرتے، حضرت عباس نے جملہ اصحاب رسول سے یہ مشورہ کیوں نہ کیا، اس کی دو وجوہات ہو سکتی ہیں۔ ایک تو یہ کہ کہیں دیگر اصحاب کو دیکھ کر آنحضرت ان میں سے کسی کا نام نہ لے دیں۔ یا شرما نہ جائیں کہ اب علیؑ کا نام کیا لیں، دوسرے امیدوار بھی کھڑے ہوئے ہیں، دوسری وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ اگر علی کا نام لیا تو کہیں دیگر اصحاب لڑائی جھگڑا نہ شروع کر دیں، اگر مولوی شبلی کے نزدیک وجہ اول درست تھی تو اچھا نبوت کی ماہیت اور رسولؐ کی ادائیگی فرض کو سمجھا، اور اگر وجہ دوم درست تھی، تو اس طرح کلیہ میں گڑ تو ڑنے سے کیا فائدہ۔ جو

مخالف تھے وہ ضرور کہتے کہ علی و عباس نے ایک بات بنا لی جو کہ محض غلط ہے۔ یہ
بات تو رسول خدا کے منہ سے اعلان چاہتی ہے نہ کہ اختلاف پڑنے کی اس وجہ کو ہم دیکھتے
ہیں جو حضرت علی کے منہ سے بیان کی جاتی ہے۔ یہ وجہ حضرت عباس کے ذہن میں
تو آئی ہی نہیں لہٰذا اس سلسلہ میں اس پر بحث نہیں کی گئی، حضرت علی کے منہ
سے یہ کیسی بری معلوم ہوتی ہے اس میں حق کے اخفاء کی کوشش اور لالچ کی آخری حد
مضمر ہے، کیا صحابۂ رسول جن کی تعریف میں زمین و آسمان کے قلابے ملائے جاتے
ہیں، ایسے ہی لالچی تھے کہ حق پر عمل کرنے کی جرأت و ہمت تو کجا حق کو سننا بھی
نہیں چاہتے، کیا حضرت علی ایسے حریص و طماع و لالچی تھے۔ یہ جناب شبلی کا خیال ہوگا
ان کے سوانح حیات تو کچھ اور ہی بتاتے ہیں، خود شبلی قائل ہیں کہ عام کتب احادیث
و تاریخ میں درج ہے کہ حضرت علی آنحضرت کی آخری خدمات میں مشغول رہے،
اور حکومت کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھا جس شخص کی فیاضی و سخاوت کی تعریف
قرآن مجید میں ایک جگہ نہیں کئی جگہ ہو اس کو ایسا لالچی و حریص و طماع خیال کرنا،
جیسا کہ اس روایت سے ظاہر ہوتا ہے۔ جناب شبلی ہی کا کام ہے۔ یا حضرت بخاری
کا، حضرت علی کے کسی قول و فعل سے ثابت نہیں ہوتا کہ آپ یہ سمجھتے تھے کہ جانشینیٔ
رسول عطا کرنا اصحاب کا کام ہے، وہ اس کو ہمیشہ خدا و رسول کی طرف سے
سمجھا کرتے تھے۔ ان لوگوں سے وہ کیا اس خلافت کے متمنی ہوں گے جن کو
وہ ہمیشہ جاہل سمجھتے رہے اور فرماتے رہے کہ ہمارے گھر سے تم نے رشد و ہدایت
پائی۔ جس گھر سے انہوں نے رشد و ہدایت پائی کیا اس گھر والے کو وہ تمغۂ ہدایت
عطا کرتے، اور علی اس کے متمنی رہتے۔ غرضکہ ظاہر ہے کہ یہ روایت وضعی اور کذب
محض ہے۔

جس طرح الفاروق لکھ کر جناب شبلی نے مورخوں کے معزز طبقہ کی شان و
شہرت کو بٹہ لگایا ہے اس کی مثال کم ملتی ہے، کاش الفاروق کو وہ مناظرہ کی کتاب
کہتے، اور تاریخ کے موقر و معزز لقب سے اس کو منسوب نہ کرتے، ہم اُن کی مؤرخانہ

بددیانتی کی بین مثال دیتے ہیں، تمام مورخین اسلام تو شروع سے اب تک اس امر پر متفق ہیں کہ اگرچہ حضرات شیخین آنحضرت صلعم کے جسد اطہر کو بے غسل و کفن چھوڑ کر سقیفہ بنی ساعدہ میں چلے گئے تھے مگر حضرت علی و بنو ہاشم آنحضرت کے پاس رہے اور آخر تک رہے جب تک کہ آنحضرت کو دفن نہ کر لیا۔ مولوی شبلی مانتے ہیں کہ اس بات پر جملہ مورخین کا اتفاق ہے، پھر حضرت شبلی کس بنا پر کہتے ہیں کہ:۔ "جس طرح حضرت عمر وغیرہ آنحضرت کو چھوڑ کر سقیفہ چلے گئے تھے۔ حضرت علی بھی آنحضرت کے پاس سے چلے آئے تھے اور حضرت فاطمہ کے گھر بنو ہاشم کا مجمع ہوا تھا"

الفاروق حصہ اول ص ۶۹

تاریخ میں اس سے زیادہ کذب صریح عمداً اس دلیری کے ساتھ کبھی نہیں بولا گیا، جناب شبلی نے اپنی اس رائے کا انحصار امام مالک کی اس روایت پر کیا ہے وان علیاً والزبیر ومن کان معہما تخلفوا فی بیت فاطمہ بنت رسول اللہ یہ اسوقت کا واقعہ ہے کہ جب حضرت ابوبکر کی بیعت ہو چکی تھی، حضرت عمر ان کے لئے لوگوں سے بیعت لے رہے تھے۔ کچھ لوگ بیعت کر رہے تھے کچھ تخلف کر رہے تھے، تخلفوا کا لفظ صاف بتا رہا ہے کہ بیعت ہو چکی تھی جس سے تخلف کیا، کوئی مولوی شبلی سے پوچھے کہ اس میں کہاں درج ہے کہ حضرت علی و بنو ہاشم اور حضرت فاطمہؑ سب آنحضرت کے جسد اطہر کو بے غسل و کفن چھوڑ کر چلے گئے، اگر جانا ہی مقصود تھا تو سقیفہ ہی میں نہ جاتے وہاں آسانی سے حضرت ابوبکر کی بیعت کیوں ہونے دیتے۔ مورخانہ بددیانتی کی اس سے بدتر مثال کبھی نہیں ملے گی، ہر ایک تاریخ کی کتاب بلا استثناء یہ کہہ رہی ہے کہ حضرت علی آنحضرت کے پاس تجہیز و تکفین میں مشغول رہے، جب تک دفن نہ کر لیا اگر حضرت شبلی جیسے مورخ پہلے ہوتے تو اب تک حق کبھی کا معدوم ہو چکا ہوتا۔

تدبیر نہم۔ استخلافِ عمر

جو امور کہ کسی خاص اصول کے ماتحت نہیں کئے جاتے اور ایک فوری ووقتی ضرورت وخواہش پورا کرنا اُن کا مدعا ہوتا ہے ان میں اکثر اختلال واضطراب اور بھونڈا پن پایا جاتا ہے، جب جناب رسول خدا نے انتقال فرمایا تو اپنی اغراض کی تکمیل کے لئے یہ ہی کہنا ضروری سمجھا گیا کہ جناب رسولخدا نے کسی کو اپنا خلیفہ مقرر نہیں فرمایا، اور نہ فرمانا چاہئے تھا کیونکہ وہ امت کا حق تھا لہذا سقیفہ سازی کی ضرورت ہوئی لیکن جناب ابوبکر بوقت رحلت علانیہ تحریر کے ساتھ محض امت کی ہدایت ورہنمائی کے لئے حضرت عمر کو خلیفہ مقرر کرتے ہیں، حضرت عمر ہی کو وہ وثیقہ لکھ کر دیا جاتا ہے، حضرت عمر لے جاتے ہیں وثیقہ ہاتھ میں ہے لوگوں سے اس کی اطاعت کراتے ہیں لیکن کوئی نہیں کہتا کہ حضور یہ خلاف سنت رسول کیا کام کر رہے ہیں۔ خلیفہ مقرر کرنا تو ہمارا حق ہے۔ آپ مرتے وقت ہمارا حق کیوں چھین رہے ہیں۔ اس وصیت کی تحریر کے وقت تو حضرت عمر نہیں کہتے کہ حَسْبُنَا کِتَابُ اللہ، خداوند تعالیٰ کی شان دیکھو، خود ان کے اپنے فعل سے اُن کے قول کی تردید کرادی اور ثابت کرادیا کہ حسبنا کتاب اللہ کا فقرہ کتاب اللہ کی عظمت وشان کی وجہ سے نہ تھا، بلکہ ایک دنیاوی غرض کو پورا کرنے کے لئے تھا، نہایت شد ومد کے ساتھ بحث کی جاتی ہے کہ اگر جناب رسولخدا صلعم کسی کو اپنا جانشین مقرر فرماجاتے تو پھر آنحضرت صلعم کے صحابہ اجتماع سقیفہ نہ ہونے دیتے اور اس مقرر شدہ خلیفہ ہی کو اپنا حاکم مان لیتے، مگر استخلافِ عمر نے ثابت کردیا کہ لوگوں کی ذہنیت کیا تھی، اور کتنی ایمانی طاقت وحمیت رکھتے تھے، ان کے اس وقت خاموش رہنے اور اعتراض نہ کرنے نے ثابت کردیا کہ وہ کس قسم کے لوگ تھے اور کن کے پھندوں میں پھنسے ہوئے تھے، اگر وہ لوگ واقعی یقین رکھتے تھے کہ جناب رسولخدا نے کسی کو اپنا خلیفہ مقرر نہیں کیا، اور خود حاکم مقرر کرنا امت کا حق قرار دیا ہے تو اب ان کو اعتراض کرنا چاہئے تھا کہ خلافِ عمل وسنت رسول کیوں

حضرت عمر کو خلیفہ مقرر کیا جاتا ہے اور ہمارا حق چھینا جاتا ہے، اس کا یہ جواب درست نہ ہوگا کہ امت بھی وہی چاہتی تھی جو حضرت ابوبکر نے کیا، کیونکہ اگر یہ تھا تو پھر اس اہتمام کی کیا ضرورت تھی کہ وثیقہ لکھا گیا اور حضرت عمر کو ضرورت پڑی کہ درہ کی چوٹ سے اسے منوایا۔ بلکہ معاملہ تو برعکس تھا۔ لوگ نہیں چاہتے تھے کہ حضرت عمر کو خلیفہ مقرر کیا جائے اور حضرت ابوبکر کے پاس جاکر عرض کیا کہ عمر کی بجائے کسی اور کو آپ خلیفہ مقرر کردیں، عمر تو بڑی غلیظ طبیعت کے انسان ہیں لیکن یہ تجویز و پخت و پز تو آپس میں سقیفہ والے دن ہی ہو چکی تھی کہ حضرت ابوبکر اپنے بعد عمر کو خلیفہ مقرر کرینگے جب ہی تو حضرت عمر حضرت ابوبکر کی خلافت کے استحکام کے لئے اتنے کوشاں تھے، امر واقعہ یہ ہے کہ عوام الناس میں اخلاقی جرأت نہ جناب رسولخدا کی رحلت کے وقت تھی اور نہ حضرت ابوبکر کے انتقال کے وقت جو دو چار آدمیوں نے کردیا، اس کو طوعاً و کرہاً مان لیا، اور سربرآوردہ لوگوں کی جو ایک منظم کوشش و جماعت تھی اس کے پیچھے ہو لئے۔ اور اگر اس پر اصرار ہی ہے کہ جو کچھ مانا امت نے خوشی سے مانا طوعاً و کرھاً نہیں مانا تو پھر ہم کہیں گے کہ ان دو متضاد حالتوں کو خوشی سے مان لینا اور اپنے حق خلیفہ سازی پر اصرار نہ کرنا ظاہر کرتا ہے کہ یہ کتنی منظم اور گہری سازش تھی جس میں امت کا ایک کثیر حصہ ملوث ہو چکا تھا اب دیکھنا چاہیئے کہ حضرت عمر کس طرح خلیفہ بنائے گئے۔

دعا ابوبکر عثمان خالیا فقال لہ اکتب بسم اللہ الرحمن الرحیم ھذا ما عھد ابوبکر بن ابی قحافہ الی المسلمین اما بعد قال ثم اغمی علیہ فذھب عنہ

حضرت ابوبکر نے عثمان کو تنہائی میں بلوایا اور ان سے کہا کہ لکھو بسم اللہ الرحمن الرحیم یہ وہ حکم ہے جو ابوبکر بن قحافہ مسلمانوں کو دیتے ہیں۔ اما بعد اتنا لکھنا پائے تھے کہ ابوبکر بیہوش ہوگئے ان کی بے ہوشی کی حالت میں حضرت

فكتب عثمان اما بعد فاني قد	عثمان نے اپنے دل سے لکھ دیا، واما بعد
استخلفت عليكم عمر بن الخطاب	پس میں نے تمہارے اوپر عمر ابن خطاب
ولم آلكم خيرا ثم افاق	کو خلیفہ مقرر کر دیا اور خیر کرنے میں کچھ کمی
ابو بكر فقال اقراء علي فقرأه	نہیں کی اس کے بعد حضرت ابو بکر کو ہوش
عليه فكبّر ابو بكر وقال	آیا تو عثمان سے کہا کہ پڑھو کیا لکھا ہے جو لکھا
اراك خفت ان يختلف الناس	تھا عثمان نے پڑھ دیا، اس پر حضرت ابو بکر
ان افتلتت نفسي في غشيتي	نے خوشی کے مارے نعرۂ تکبیر بلند کیا اور کہا کہ
قال نعم قال جزاك الله	شاید تمہیں خوف ہوا کہ اگر میں بیہوشی کی حالت
خيرا عن الاسلام واهله	میں مرجاؤں تو مسلمانوں میں اختلاف نہ ہو جائے
واقرها ابو بكر رضي الله	حضرت عثمان نے کہا کہ ہاں تو ابو بکر نے کہا کہ
تعالى عنه من هذا الموضع	خدا تمکو جزائے خیر دے اور اسکے آگے لکھوایا۔

محمد بن جریر الطبری :۔ تاریخ الامم والملوک الجزء الرابع ص ۲۵

ابن الاثیر: تاریخ الکامل الجزء الثانی ص ۱۶۳

حسین دیار بکری :۔ تاریخ الخمیس الجزء الثانی ص ۲۶۸

ہم ان بزرگواروں کی ذہنیت وسیاست کا تذکرہ کر رہے تھے، یہ واقعہ اس مضمون پر بہت اچھی روشنی ڈالتا ہے، آپس میں مل کر جو اپنا مقصد قائم کر لیا تھا، اُس کے حصول کے لئے اتنی اہم جعل سازی بھی کرنے کے لئے تیار تھے اور مردہ آدمی کی طرف سے اس دستاویز کو لکھ کر یہ ظاہر کرنے کے لئے تیار تھے کہ اس کو حضرت ابو بکر نے اپنی حیات میں لکھایا ہے، غور کریں گے وہ لوگ جو کہتے ہیں کہ یہ بزرگوار جناب رسو لخدا کا ایسا حکم ماننے والے تھے کہ اگر جناب رسول مقبول کسی کو اپنا جانشین مقرر کر جاتے تو پھر یہ لوگ تنازعہ نہ کرتے، بھلا اس ذہنیت کے لوگ جو آپس میں حکومت کا دور چلانے پر تلے ہوئے تھے تنازعہ نہ کرتے۔ حضرت ابو بکر اس جعل سازی کی تحسین یہ کہہ کر کرتے ہیں کہ اس طرح مسلمانوں کے

اختلافات کا سدباب ہوتا تھا، اب تو اس مقصد کے حاصل کرنے کے لئے جعلسازی بھی جائز ہو گئی کیونکہ ان کو اسلام کا بہت درد تھا، مگر جناب رسولخدا کو یہ جائز نہ تھا کہ اپنا جانشین مقرر کرتے اور نہ معاذ اللہ ان کے دل میں اسلام کا اتنا درد تھا کہ ان کو معلوم ہو جاتا کہ جانشین مقرر نہ کرنے سے اختلاف کا راستہ کھل جائیگا اس بحث کی منطق قابل داد ہے یہ چاہتے ہیں کہ ارکان سقیفہ بنی ساعدہ کے اوپر سے کسی طرح سے الزام اُٹھ جائے، اگر وہاں سے اُٹھ کر وہی الزام جناب رسولِ خدا کے گلے میں پڑ جائے تو کچھ ہرج نہیں

جب وثیقہ لکھوا چکے تو حضرت ابوبکر اس کا اعلان اپنے بیت الخلا سے اس طرح کرتے ہیں۔

اشرف ابوبکر علی الناس	حضرت ابوبکرؓ بیت الخلاء کے اوپر سے لوگوں پر
من کنیف واسماء بنت	نمودار ہوئے اسوقت ان کی زوجہ اسماء بنت
عمیس ممسکتہ موشومۃ	عمیس اپنے مہندی لگے ہوئے ہاتھوں سے اسکو
الیدین وھو یقول اترضون	تھامے ہوئے تھیں اور آپ کہہ رہے تھے کہ جس کو
بمن استخلف علیکم فانی	میں خلیفہ مقرر کرتا ہوں تم اس سے راضی
واللہ مالوت من جھد الرائی	ہو جانا، خدا کی قسم میں نے خوب سوچ لیا ہے،
ولا ولیت ذا قربۃ وانی	اور اپنے قرابتدار کو میں خلیفہ مقرر نہیں کرتا میں نے
قد استخلفت عمر بن الخطاب	تمہارے اوپر عمر بن الخطاب کو خلیفہ مقرر کیا ہے تم کو
فاسمعوا لہ واطیعوا فقالوا	ان کی بات سنو اور اطاعت کرو لوگوں نے کہا
سمعنا واطعنا۔	کہ ہم نے سنا اور اطاعت کی۔

محمد بن جریر الطبری :۔ تاریخ الامم والملوک الجزء الرابع ص ۵۲

ابن الاثیر :۔ تاریخ الکامل الجزء الثانی ص ۱۶۳

خدا کی شان دیکھو یہ لوگ تو آل محمد کے ساتھ تمسخر کر رہے تھے، ظاہرا تعظیم و تکریم اور در اصل ان سے سب کچھ چھیننے کی کوشش کا نوا بما یستھزؤن

اور کارکنان قضا و قدر ان کے ساتھ تمسخر کر رہے تھے اللہ یستھزی بہم پہلی خلافت کی تجویز وہاں ہوئی جہاں شورہ ہائے باطل ہوا کرتے تھے، اور چور ڈاکو تجویزیں کیا کرتے تھے کہ کس طرح دوسروں کا مال چھینیں، اور دوسری خلافت پاخانہ میں تکمیل ہوئی لفظ "ذا قربۃ" یہاں خاص معنی رکھتا ہے، یہ اشارہ ہے جناب رسولخدا کی طرف، مطلب یہ ہے کہ ہم اور تم جو آپس میں حضرت علی کے جانشین رسول ہونے پر اعتراض کیا کرتے تھے تو وہ اسی بنا پر تو تھا کہ اپنے خاندان میں حکومت مستقل کر رہے ہیں، میں نے جو جانشین مقرر کیا ہے وہ میرا رشتہ دار نہیں ہے۔

چونکہ آپس میں ملی بھگت تھی، مخالفت تو فقط حضرت علیؑ سے تھی لہذا سب نے آمنا اور صدقنا کہہ دیا، یہ بھی تو نہ کہا کہ آنحضرت صلعم نے تو یہ حق ہم کو دیا تھا۔ خود خلیفہ مقرر نہیں کیا تھا، تم کیوں خلیفہ مقرر کرتے ہو، حضرت عمر نے بھی ایسے موقعہ پر اسی طرف اشارہ کیا تھا اور فرمایا تھا کہ آل عمر کے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ ان میں سے ایک کے پاس حکومت رہی، کیونکر اس اصول کے خلاف کرتے، جو آپس میں طے کر لیا تھا اور جس کی بنا پر لوگوں کو حضرت علی کے خلاف کیا تھا۔

اب وہ وثیقہ خلافت خود حضرت عمر کو دیا جاتا ہے کہ اس کو دکھا کر لوگوں سے اطاعت لیں، حضرت عمر نے بے چون و چرا تعمیل کر لی، جناب ابوبکر کے لئے یہ نہ کہا کہ ان الرجل لیھجر وہ بھی تو بیمار تھے اور بار بار غش ہو جاتے تھے اور یہ نہ کہا کہ حَسْبُنَا كِتَابُ اللهِ۔ ان بزرگواروں کی سیاست اور ان کے قول و فعل کی حقیقت بالکل نمایاں ہے۔ حضرت عمر نے وہ وثیقہ خلافت حضرت عمر کے ہاتھ میں دیا اور کہا:-

قال خذ هذا الكتاب واخرج به الى الناس واخبرهم انه عهدى وسلهم عن سمعهم وطاعتهم فخرج عمر بالكتاب	حضرت ابوبکر نے وہ وثیقہ خلافت حضرت عمر کو دیا، اور کہا کہ اس کو لے جا کر لوگوں سے کہو یہ میرا حکم ہے اس کو سنیں اور اطاعت کریں پس حضرت عمر وہ وثیقہ لے گئے۔

واعلمہم فقالوا سمعنا وطاعة فقال له رجل ما فی الکتاب یا ابا حفص. قال لا ادری ولکنی اول من سمع واطاع قال لکنی واللہ ادری ما فیہ امرتہ عام اول وامرك العام.

اور لوگوں کو مطلع کیا انہوں نے کہا کہ سنا اور اطاعت کی ایک شخص نے حضرت عمر سے کہا کہ اس میں کیا لکھا ہے حضرت عمر نے جواب دیا کہ یہ تو میں جانتا نہیں کہ اس میں کیا لکھا ہے مگر اسکو سب سے پہلے میں نے سنا اور اطاعت کی اس شخص نے کہا کہ ہاں آپ کو اس کا علم کیوں ہونے لگا مگر بخدا میں جانتا ہوں کہ اس میں کیا ہے پہلے سال تم نے ابوبکر کو حاکم بنایا اب وہ تمکو حاکم بناتا ہے

ابن قتیبہ. کتاب الامامۃ والسیاسۃ جلد اول ص ۱۹۔

حضرت عمر کو معلوم ہے کہ اس میں کیا لکھا ہے مگر کہتے ہیں کہ مجھے نہیں معلوم بغیر معلوم کئے میں نے بھی اس کی اطاعت کی ہے، اور بغیر معلوم کئے یعنی بغیر چون و چرا کے تم بھی اطاعت کر لو، حاکم کا جو بھی حکم ہو وہ قابل اطاعت ہے۔ پوچھنے کی کیا ضرورت ہے کہ کیا حکم ہے؟ پہلے اطاعت کا اقرار کرو، پھر سنو اس میں کیا ہے۔ کیا حضرت عمر نے یہ سچ بولا تھا اگر نہیں تو کیا یہ جھوٹ خلیفہ رسول کے لئے جائز تھا۔ یہ ہیں حضرت عمر کی سیاست کے نمونے جن کا مقابلہ حضرت علی کی سیاست سے کیا جاتا ہے

حدثنی عثمان بن یحیی عن عثمان المقرئ قال حدثنا سفیان بن عیینة عن اسمعیل عن قیس قال رایت عمر بن الخطاب وھو یجلس والناس معه وبیده جریدة وھو یقول ایھا الناس اسمعوا واطیعوا قول خلیفة رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم انه

(اسمائے رواۃ عربی میں دیکھو) قیس سے مروی ہے وہ کہتا ہے کہ میں نے عمر بن الخطاب کو دیکھا کہ وہ بیٹھے ہوئے تھے اور لوگ ان کے پاس تھے، حضرت عمر کے ہاتھ میں ایک کوڑا تھا، اور وہ کہہ رہے تھے کہ اے لوگو! خلیفہ رسول کا قول سنو اور اطاعت کرو، وہ خلیفہ رسول کہتے ہیں کہ میں نے تم کو نصیحت کرنے میں کوتاہی نہیں کی۔

یقول انی لم آلکم نصحا قال	راوی کہتا ہے کہ عمر کے ساتھ اس وقت
ومعہ مولیٰ لابی بکر	حضرت ابوبکر کا غلام شدید بھی تھا اور
یقال لہ شدید معہ	اس کے ہاتھ میں ایک وثیقہ تھا جس میں
الصحیفۃ التی فیھا استخلاف عمر	استخلاف عمر کا حکم تھا۔

محمد بن جریر الطبری :۔ تاریخ الامم الملوک الجزء الرابع ص ۵۱۔

ابن الاثیر :۔ تاریخ الکامل الجزء الثانی ص ۱۶۳

آخر کار کوڑے کے ڈر سے حضرت عمر نے لوگوں سے اپنی خلافت منوا ہی لی حضرت عمر کے طرز عمل پر غور تو کرو، اب تو لوگوں کو تاکید کرتے ہیں کہ خلیفہ رسول کے حکم کو سنو اور اطاعت کرو مگر جب ایسے ہی موقعہ پر خود رسول اللہ نے حکم دیا تو فرمایا کہ یہ آدمی تو ہذیان بک رہا ہے۔ ہمارے لئے تو کتاب خدا کافی ہے اور اب کتاب خدا کا خیال بھی نہیں آتا۔ یہ ہے وہ سیاست عمریہ جس کی بہت تعریف کی جاتی ہے اور جس کے مقابلہ میں کہا جاتا ہے کہ حضرت علی کو ایسی سیاست نہیں آتی تھی جیسی حضرت عمر کو، حضرت علی کیا، حکومت و سلطنت الٰہیہ کے آمرین میں سے کسی کو بھی یہ سیاست نہیں آسکتی ہے۔

حضرت عمر کو خلیفہ مقرر کرنے سے پہلے حضرت ابوبکر نے صرف اپنے ہم خیال شخص عبدالرحمٰن بن عوف کو بلایا۔ مگر انہوں نے بھی تائید نہ کی، اور جب باوجود اس نصیحت کے حضرت ابوبکر نے ان کو خلیفہ مقرر ہی کر دیا، تو کئی لوگوں نے شکایت کی اور حضرت ابوبکر کی رائے کو بدلنا چاہا مگر یہ تو پہلے ہی طے ہو چکا تھا حضرت ابوبکر بھی لاچار تھے۔

وعقد ابوبکر فی مرضہ الذی	اپنے مرض الموت میں حضرت ابوبکر
توفی فیھا لعمر بن الخطاب	نے حضرت عمر کے لئے وثیقہ خلافت
عقد الخلافۃ من بعدہ	لکھ دیا، راوی نے ذکر کیا کہ جب

وذكر انه لما اراد ان يعقد له دعا عبد الرحمن بن عوف فيما ذكر ابن سعد عن الواقدي عن ابن ابي سبرة عن عبد المجيد بن سهيل عن ابي سلمة بن عبد الرحمن قال لما نزل بابي بكر رحمه الله الوفاة دعا عبد الرحمن بن عوف فقال اخبرني عن عمر فقال يا خليفة رسول الله الله هو والله افضل من رأيك فيه من رجل ولكن فيه غلظة

حضرت ابوبکر نے انہیں خلیفہ مقرر کرنے کا ارادہ کر لیا تو عبدالرحمٰن کو بلایا، جیسا کہ ابن سعد نے طبقات میں لکھا ہے۔ اور عبدالرحمٰن سے کہا کہ عمر کی نسبت تمہاری کیا رائے ہے۔ انہوں نے کہا کہ اے خلیفہ رسول جیسی آپ کی رائے اس کی نسبت ہے، وہ اس سے بہتر ہے اور کئی لوگوں سے بہتر ہے۔ لیکن اس کی طبیعت میں غلظت ہے۔

محمد بن جریر الطبری: تاریخ الامم والملوک الجزء الرابع ص ۵۱

ابن الاثیر: تاریخ الکامل الجزء الثانی ص ۱۹۳

اس عبارت کے لئے بھی ذرا غور کی ضرورت ہے عبدالرحمٰن کہتے ہیں کہ عمر آپ کی رائے سے افضل ہے۔ ظاہر ہے کہ عبدالرحمٰن کی رائے لینے سے پہلے حضرت ابوبکر نے اپنی رائے حضرت عمر کے متعلق ظاہر کر دی ہوگی، دو ہی صورتیں ہو سکتی ہیں، وہ رائے یا تو اچھی ہوگی یا بری، اگر اچھی رائے تھی، تو حضرت ابوبکر نے عبدالرحمٰن کو اپنی رائے سے متاثر کرنا چاہا تھا کہ بادشاہِ وقت کا منشاء معلوم کر کے وہ ہاں میں ہاں ملا دیں، اگر وہ رائے بری تھی تو باوجود حضرت عمر کو برا جانتے ہوئے انہوں نے ان کو خلیفہ مقرر کر دیا۔

عن اسماء بنت عميس قالت دخل طلحة بن

اسماء بنت عمیس زوجہ ابوبکر کہتی ہیں کہ طلحہ بن عبداللہ حضرت

عبید اللہ علی ابی بکر فقال	ابوبکر کے پاس ۔۔۔ کہا کہ تم نے
استخلفت علی الناس	عمر کو لوگوں پر حاکم بنا دیا ہے حالانکہ تم خوب
عمر وقد رایت ما یلقی	جانتے ہو کہ جب تم موجود تھے تو
الناس منہ وانت معہ	بھی لوگوں نے اس سے کیا دکھ اٹھائے
فکیف بہ اذا خلا بھم	اور اب کیا ہوگا کہ تم ۔۔۔ نہ ہوگے اور
وانت لاق ربک فسائلک	وہ خود مختار رہوں گے، تم اپنے پروردگار
عن رعیتک فقال	سے ملنے والے ہو اور وہ تم سے تمہاری
ابوبکر وکان مضجعا	رعایا کے متعلق سوال کریگا، ابوبکر اس
اجلسونی فاجلسوہ فقال	وقت لیٹے ہوئے تھے انہوں نے کہا کہ مجھے
لطلحہ اباللہ تخوفنی اذا	اٹھا کر بٹھا دو لوگوں نے انکو اٹھا کر بٹھا دیا تو
لقیت اللہ ربی فسالنی	انہوں نے طلحہ سے کہا کہ تو مجھ کو خدا سے ڈراتا ہے
قلت استخلفت علی اھلک	جب میں خدا سے ملوں گا اور وہ مجھ سے سوال کریگا تو میں کہونگا
خیر اھلک۔	کہ میں نے تیری مخلوق پر تیرے بہترین بندہ کو حاکم بنایا

محمد بن جریر الطبری:۔ تاریخ الامم والملوک الجزء الرابع ص ۵۴

حسین دیار بکری:۔ تاریخ الخمیس الجزء الثانی ص ۲۶۹

فقال طلحہ والزبیر ما کنت	یعنی طلحہ وزبیر نے حضرت ابوبکر سے کہا کہ خدا
قائل لربک اذا ولیتہ مع	کو کیا جواب دوگے کہ تم نے عمر کو باوجود اسکی
غلظتہ تاریخ الخمیس الجزء الثانی ص ۲۶۹	غلیظ طبیعت کے حاکم بنا دیا۔
دخل علیہ المہاجرون والانصار	جب انہوں نے سنا کہ ابوبکر نے عمر کو خلیفہ بنا
حین بلغھم انہ استخلف	دیا ہے تو مہاجرین وانصار ان حضرت ابوبکر کے
عمر فقالوا نراک استخلفت	پاس آئے اور کہا کہ ہم دیکھتے ہیں کہ تم نے ہمارے
علینا عمر وقد عرفتہ	اوپر عمر کو حاکم مقرر کر دیا حالانکہ تم عمر کو جانتے
وعلمت بوائقہ فینا وانت	ہو اور ان فتنہ وفساد ومظالم سے بھی آگاہ ہو

بين اظهرنا فكيف اذا
وليت عنا وانت لاق
الله فسائلك فما انت قائل

ابن قتیبہ کتاب الامامۃ والسیاسۃ جزء الاول ص۱۹

جو عمر نے ہمارے اوپر کئے ہیں یہ تو جب تھا کہ تم ہم میں تھے جبکہ تم نہ ہوگے تو وہ کیا کچھ نہ کر ڈالیں گے، تم اب خدا سے ملاقات کرنیوالے ہو جب خدا تم سے پوچھے گا تو تم کیا جواب دوگے؟

حضرت عمر کے استخلاف پر خاموش رہنے والے خاموش رہے اور اعتراض کرنے والوں نے اعتراض کئے مگر کسی نے یہ نہ کہا کہ حاکم مقرر کرنا رعایا کا حق تھا، حضرت ابوبکر کا حق نہ تھا۔ نتیجہ صاف نکلا کہ یہ جو بیان کیا جاتا ہے کہ جناب رسولخدا نے اس وجہ سے خلیفہ مقرر نہیں کیا کہ اپنا حاکم خود مقرر کرنا رعایا کا حق تھا۔ محض ڈھکوسلا ہے اس وقت کے لوگ تو اس کو جانتے ہی نہ تھے اور نہ کبھی اس کا ذکر کیا، یہاں تک کہ جب اس کے ذکر کرنے کا موقعہ آیا تب بھی ذکر نہ کیا، بلکہ مان لیا کہ خلیفہ مقرر کرنا تو حضرت ابوبکر کا حق ہے، مگر انہیں چاہیئے کہ عمر کو خلیفہ نہ مقرر کریں۔

دوسرا نکتہ یہ ہے۔ حضرت ابوبکر کو اور تمام امت اسلامیہ کو اس بات کا احساس تھا کہ مرنے والے حاکم سے خداوند تعالےٰ کے یہاں بازپرس ہوگی، کہ جب تم دنیا سے چلنے لگے تھے تو تم نے اپنی رعیت کا کیا انتظام کیا، اور اپنی جگہ کس کو حاکم مقرر کیا، مگر اس بات کا اگر احساس نہیں تھا تو جناب رسولخدا کو۔ وہ امت کو اسی طرح بغیر اپنا جانشین مقرر کئے ہوئے چھوڑ گئے۔ تاکہ اُن کے پیچھے خوب فتنہ وفساد ہوا کریں، اس بازپرس میں سے ایک اور بات بھی نکلتی ہے اس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ اپنا جانشین مقرر کرنا مرنے والے حاکم کا حق نہیں بلکہ فرض ہے اور اگر وہ اس فرض کو ادا نہ کریگا یا بری طرح ادا کریگا تو اس سے بازپرس کی جائیگی۔

جماعت حکومت کے ہندوستانی مورخوں میں سے مولوی شبلی بڑے پایہ کے مورخ سمجھے گئے ہیں جنھوں نے تاریخ و مناظرہ کو اچھی طرح خلط ملط کر کے خوب

کھچڑی بنائی ہے وہ کہتے ہیں۔

"حضرت ابوبکر کو اگرچہ مدتوں کے تجربے سے یقین ہو گیا تھا کہ خلافت کا بار گراں حضرت عمرؓ کے سوا اور کسی سے اٹھ نہیں سکتا تاہم وفات کے قریب انہوں نے عام رائے کے اندازہ کرنے کے لئے اکابر صحابہ سے مشورہ کیا سب سے پہلے عبدالرحمن بن عوف کو بلا کر پوچھا، انہوں نے کہا کہ عمر کی قابلیت میں کیا کلام ہے لیکن مزاج میں سختی ہے۔ حضرت ابوبکر نے فرمایا کہ ان کی سختی اس لئے تھی کہ میں نرم تھا، جب کام ان ہی پر آن پڑیگا تو وہ خود بخود نرم ہو جائیں گے، پھر حضرت عثمان کو بلا کر پوچھا، انہوں نے کہا میں اس قدر کہہ سکتا ہوں کہ عمر کا باطن ظاہر سے اچھا ہے اور ہم لوگوں میں ان کا جواب نہیں، جب اس بات کے چرچے ہوئے کہ حضرت ابوبکر حضرت عمر کو خلیفہ کرنا چاہتے ہیں تو بعضوں کو تردد ہوا، چنانچہ طلحہ نے حضرت ابوبکر سے جا کر کہا کہ آپ کے موجود ہوتے عمر کا ہم لوگوں کے ساتھ کیا برتاؤ تھا اب وہ خود خلیفہ ہوں گے تو خدا جانے کیا کریں گے، آپ اب خدا کے یہاں جاتے ہیں یہ سوچ لیجئے کہ خدا کو کیا جواب دیں گے۔ حضرت ابوبکر نے کہا کہ میں خدا سے کہوں گا کہ میں نے تیرے بندوں پر اس شخص کو افسر مقرر کیا جو تیرے بندوں میں سب سے زیادہ اچھا تھا، یہ کہہ کر حضرت عثمان کو بلوایا اور عہد نامۂ خلافت لکھوانا شروع کیا، ابتدائی الفاظ لکھا چکے تھے کہ غش آگیا۔ حضرت عثمان نے یہ دیکھ کر یہ الفاظ اپنی طرف سے بڑھا دیئے کہ میں عمر کو خلیفہ مقرر کرتا ہوں تھوڑی دیر کے بعد ہوش آیا۔ تو حضرت عثمان سے کہا کہ کیا لکھا تھا، مجھ کو پڑھ کر سناؤ۔ حضرت عثمان نے پڑھا تو حضرت ابوبکر بے ساختہ اللہ اکبر پکار اٹھے اور کہا کہ خدا تم کو جزائے خیر دے"

الفاروق مولوی شبلی مطبوعہ سنہ ۱۹۰۸ مفید عام آگرہ حصہ اول ص ۶۷،۶۲
شمس التاریخ ۔ ص ۸۰ ۔

ناظرین نے حضرت شبلی کے زور قلم کو دیکھا بہت کوشش کی لیکن مضمون میں جان نہ پڑ سکی مدتوں کے تجربے کی بجائے سقیفہ بنی ساعدہ کا تجربہ کہتے تو زیادہ مناسب تھا اکابر صحابہ سے مشورہ تو کیا لیکن اکابر صحابہ میں صرف عبد الرحمٰن بن عوف اور حضرت عثمان ہی ملے ۔ یہ تو وہی اپنی جماعت کے ممبر تھے ۔ حضرت عثمان حسب تصفیہ باہمی خلیفہ ہوئے اور عبدالرحمٰن خلیفہ گر تعجب ہے کہ اکابر صحابہ میں جناب رسولخدا کے خاندان کا کوئی ممبر شامل نہ تھا کیا وہ اکابر صحابہ میں سے نہ تھے ۔ یا اکابر صحابہ اس ملی بھگت ہم مشورہ جماعت کا نام تھا جو خاندان رسالت کے قطعی مخالف تھے ۔ یہ دو بزرگوار بھی حضرت عمر کے عیوب بیان کئے بغیر نہ رہ سکے ایک اور فقرہ ملاحظہ ہو ۔ بعضوں کو تردد ہوا یہ بعضوں بصیغہ جمع کون بزرگ تھے ۔ ان کو کیوں تردد ہوا ، باوجود اپنی لیاقت کے حضرت شبلی اس معمہ کو حل نہ کر سکے وہ بعض حضرات اپنے امر ایں ایسے راسخ تھے کہ خدا کی بات سے ڈرایا مگر روز الست کے وعدہ کی خلاف ورزی ہو جائے ، روز سقیفہ کا پیمان نہیں ٹوٹ سکتا تھا ، حضرت ابوبکر کو اپنی ڈھائی سال کی خلافت کے تجربے سے تو حضرت عمر کی لیاقت معلوم ہو گئی مگر جناب رسولخدا کو اپنے عمر بھر کے تعلقات سے حضرت علی کی لیاقت نہ معلوم ہوئی ، حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کے ڈھائی سال کے تعلقات سے تو حضرت عثمان نے نتیجہ نکال لیا کہ حضرت ابوبکر کا منشا حضرت عمر کو خلیفہ مقرر کرنے کا ہے ، لیکن جناب رسولخدا اور حضرت علی کے عمر بھر کے تعلقات اور اقوال صریحہ سے امت نتیجہ نہ نکال سکی کہ جناب رسولخدا کا کیا منشا تھا ، یہ تجاہل عارفانہ سیاسی ہے ۔

خدا کے سامنے جس جواب کے پیش کرنے کا تہیہ حضرت ابوبکر نے کیا تھا اس کی حقیقت پر غور فرمائیے وہ کون سے واقعات تھے جن کی بناء پر حضرت ابوبکر

کہہ سکتے تھے کہ ان کے لپسماندگان میں سے جن میں حضرت علی وحسنین علیہم السلام تھے حضرت عمر سب سے افضل تھے سبقت اسلامی میں ان کا نمبر بہتوں سے پیچھے تھا۔ ان کی عبادت وریاضت کسی گنتی ہی میں نہیں کبھی جود وسخا کی مثال نہیں سنی گئی کسی غزوہ یا سریہ میں کوئی کارنمایاں نہیں کیا، اکثر جگہ فرار کو ثبات قدم پر مقدم فرماتے رہے، پھر حضرت علی سے کس بات میں افضل ہوئے۔ ہاں سقیفہ سازی میں آپ کی قابلیت نمایاں تھی، مگر وہ خلیفہ اسلام کی شان کے منافی ہے، اگر حضرت ابوبکر نے واقعی اپنے دل کا یقین بیان فرمایا تو پھر ہم یہ کہکر خاموش ہو جاتے ہیں کہ کسی شے یا شخص کی محبت انسان کو اندھا کر دیتی ہے اور اگر یہ صرف دفع الوقتی و بحث کی خاطر بیان فرمایا تھا تو یہ وہ دلیل تھی جس نے کسی کو قائل نہ کیا ہوگا۔ اس واقعۂ استخلاف سے مندرجۂ ذیل اُمور نکلتے ہیں۔

۱۔ اگر جناب رسولخدا نے اپنا خلیفہ مقرر کیا اور حضرت ابوبکر نے اس حکم کی کی نافرمانی کی تو وہ گناہ عظیم کے مرتکب ہوئے۔

۲۔ اگر جناب رسولخدا نے اپنا کوئی خلیفہ مقرر نہیں کیا بلکہ یہ حق رعایا کو دیا تو حضرت ابوبکر نے سنت رسول کے خلاف کرکے حضرت عمر کو خلیفہ مقرر کرنے میں گناہ کبیرہ کا ارتکاب کیا، حضرت ابوبکر تو سنت رسول کی پیروی بہت کرنا چاہتے تھے، حضرت فاطمہؑ سے فدک چھیننے کے وقت یہی فرمایا تھا کہ جو جناب رسولخدا کی سنت تھی اس کے خلاف سرمو تجاوز نہ کروں گا، اب کیا ہوگیا۔

۳۔ یہ سنت رسول ایسی ہی قابل پابندی تھی جیسی کہ وہ سنت رسول جس نے نمازوں کے لئے رکعات مقرر کی تھیں، قرآن شریف میں تقسیم رکعات نہیں ہے یہ سنت رسول ہے۔

۴۔ ولید نے تو محض اپنے قول ہی سے سنت رسول کی خلاف ورزی کرنی چاہی تھی جب اس نے شراب کے نشہ میں لوگوں کی رائے پوچھی کہ نماز فجر کی دو کی

کے بجائے چار رکعات پڑھا دوں لیکن حضرت ابوبکر نے اپنے قول و فعل دونوں سے سنتِ رسول کی خلاف ورزی کی اور اس خلاف ورزی کا اثر اسلام پر ایسا پڑا کہ اس کو مسخ ہی کر دیا۔

۵۔ ہم حضرت ابوبکر کے امامت نماز کے قضیہ کی بحث میں[1] ثابت کر چکے ہیں کہ جناب رسولخدا حضرت عمر کے ایک دفعہ کی نماز پڑھانے سے بہت ناراض ہوئے اور فرمایا کہ خدا اور رسول و مومنین انکار کرتے ہیں کہ عمر نماز پڑھائے۔ خلیفہ کا پہلا فرض تھا کہ نماز پڑھائے۔ حضرت ابوبکر نے حضرت عمر کو خلیفہ مقرر کر کے خدا اور رسول کو ناراض کیا۔

۶۔ قطعاً ثابت ہوا کہ حضرت ابوبکر کا یہ فعل استخلافِ عمر ناجائز تھا۔

۷۔ یہی حکم حضرت عمر کی خلافت کی بناء تھا۔ لہٰذا حضرت عمر کی خلافت ناجائز ہوئی۔

۸۔ لہٰذا ناجائز خلافت کے دوران میں حضرت عمر نے جو احکام صادر کئے اور جن افعال کے وہ مرتکب ہوئے وہ سب ناجائز تھے۔

۹۔ حضرت عمر کا نماز پڑھانا، لوگوں کا ان کے پیچھے نماز پڑھنا۔ سزائیں دینی، انعامات تقسیم کرنے۔ لڑائیاں اور احکام تقررِ شوریٰ سب ناجائز ہوئے۔

۱۰۔ لہٰذا حضرت عثمان کا تقرر اور ان کی خلافت بھی ناجائز، کیونکہ وہ حضرت عمر کے مقرر کردہ شوریٰ ہی سے تھے۔

۱۱۔ حضرت ابوبکر نے تنہائی میں حضرت عثمان کو بلوا کر کیوں وثیقہ خلافت لکھوایا، غالباً اس لئے کہ اگر بنو ہاشم یا عام لوگوں کو معلوم ہو گیا تو مجھے وہ لوگ وصیت نہ لکھنے دیں گے جس طرح ہم نے جناب رسولخدا کو نہ لکھنے دی المرء یقیس علیٰ نفسہ

---

[1] صفحات ۲۲۱ لغایت ۲۳۲۔

۱۲۔ حضرت عثمان نے جو اس دستاویز میں اہم تصرف کیا تھا اُس کا ذکر ہم کر چکے ہیں۔

۱۳۔ حضرت عمر کے لئے جبراً بیعت لی گئی، مہاجر و انصار ان اس استخلاف کے خلاف تھے

۱۴۔ اِس قسم کی حکومت کا کیا نام مناسب ہو گا ... جمہوریت ہے؟ آمریت؟ انتخاب؟ یا کچھ اور نام رکھو

۱۵۔ حضرت ابوبکر نے بھی اول عبدالرحمٰن بن عوف کو خلافتِ عمر پر راضی کرنا چاہا حضرت عمر نے بھی اس ہی عبدالرحمٰن بن عوف کو ثالث مقرر کیا، حضرت ابوبکر کے رازدار بھی عثمان تھے جن کی خلافت کی تجویز حضرت عمر نے شوریٰ کے ذریعے سے کی تھی، حضرت عمر نے حضرت ابوبکر کو خلیفہ بنایا، اب حضرت ابوبکر وہ بدلہ اتار رہے ہیں، یہ سب امور ظاہر کر رہے ہیں کہ یہ ایک ہی جماعت تھی جس کے ہر فرد کا اتحادِ مقصد نمایاں ہے۔

۱۶۔ اس وقت حَسْبُنَا كِتَابُ اللهِ کہنے والوں نے کتاب اللہ کو چھوڑ دیا۔

۱۷۔ معلوم ہوا کہ ان بزرگواروں کے فعل کا محرک نہ اسلام کا عشق اور نہ جمہوریت کا خیال تھا اور نہ ہی کتاب اللہ کی اطاعت منظور تھی، غرض تو فقط یہ تھی کہ کسی طریقے سے اپنا مقصد حاصل ہو۔

تدبیر دہم۔ تجویز شوریٰ

ہندوستان میں علامہ شبلی جماعتِ حکومت کے بہت بڑے مورخ مانے گئے ہیں، ہم ان کی ہی زبانی اس واقعہ کو سناتے ہیں وہ کہتے ہیں۔

جوں ہی نماز شروع کی فیروز نے دفعتاً گھات میں سے نکل کر چھ وار کئے جن میں سے ایک ناف کے نیچے پڑا، حضرت عمر نے فوراً عبدالرحمٰن بن عوف کا ہاتھ پکڑ کر اپنی جگہ کھڑا کر دیا، اور خود

زخم کے صدمے سے گر پڑے۔

ایک طبیب بلایا گیا، اس نے نبیذ اور دودھ پلایا اور دونوں چیزیں زخم کی راہ باہر نکل آئیں، اسوقت لوگوں کو یقین ہو گیا کہ وہ اس زخم سے جاں بر نہیں ہو سکتے، چنانچہ لوگوں نے اُن سے کہا کہ اب آپ اپنا ولیعہد منتخب کر جائیے.....

اس وقت اسلام کے حق میں جو سب سے اہم کام تھا وہ ایک خلیفہ کا انتخاب کرنا تھا تمام صحابہ بار بار حضرت عمر سے درخواست کرتے تھے کہ اِس مہم کو آپ طے کر جائیے، حضرت عمر نے خلافت کے معاملہ پر مدتوں غور کیا تھا اور اکثر اس کو سوچا کرتے تھے۔ بار بار لوگوں نے ان کو اس حالت میں دیکھا کہ سب سے الگ متفکر بیٹھے ہیں، اور سوچ رہے ہیں، دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ خلافت کے باب میں غلطاں و پیچاں ہیں۔

مدت کے غور و فکر پر بھی ان کے انتخاب کی نظر کسی شخص پر جمتی نہ تھی بارہا ان کے منہ سے بے ساختہ آہ نکل گئی کہ افسوس اِس بارِ گراں کا کوئی اٹھانے والا نظر نہیں آتا۔ تمام صحابہ میں اس وقت چھ شخص تھے جن پر انتخاب کی نظر پڑ سکتی تھی، علی، عثمان، زبیر، طلحہ سعد وقاص، عبدالرحمن بن عوف، مگر حضرت عمر ان سب میں کچھ نہ کچھ کمی پاتے تھے، اور اس کا انہوں نے مختلف موقعوں پر اظہار بھی کر دیا تھا، چنانچہ طبری وغیرہ میں ان کے ریمارک بتفصیل مذکور ہیں، مذکورۂ بالا بزرگوں میں وہ حضرت علی کو سب سے بہتر جانتے تھے۔ لیکن بعض اسباب سے ان کی نسبت بھی قطعی فیصلہ نہیں کر سکتے تھے۔

الفاروق مطبوعہ سنہ ۱۹۰۸ء مطبع مفید عام آگرہ حصہ اول ص ۲۰۲ لغایت ۲۰۶

الفاروق کے اِس ایڈیشن کی یہ خوبی ہے کہ مصنف مرحوم کی حیات میں طبع ہوئی تھی، اس میں ان کے اپنے حاشیئے بھی ہیں چنانچہ صفحہ ۲۰۴ پر اس فقرہ کے اوپر لیکن حضرت عمر ان سب میں کچھ نہ کچھ کمی پاتے تھے یہ حاشیہ درج ہے۔

حاشیہ :۔ حضرت عمر نے اور بزرگوں کی نسبت جو خردہ گیریاں کیں گو ہم نے ان کو ادب سے نہیں لکھا لیکن ان میں جائے کلام نہیں البتہ حضرت علی کے متعلق جو نکتہ چینی حضرت عمر کی زبانی عام تاریخوں میں منقول ہے یعنی یہ کہ "ان کے مزاج میں ظرافت ہے" یہ ایک خیال ہی خیال معلوم ہوتا ہے، حضرت علی ظریف تھے مگر اسی قدر جتنا کہ لطیف المزاج بزرگ ہوسکتا ہے۔"

حضرت عمر کا یہ واقعہ ۲۶ ذی الحجہ ۲۳ھ ہجری مطابق ۶۴۴ء ہوا تھا۔

ابو محمد عبد اللہ بن مسلم بن قتیبہ متوفی سنہ ۲۷۰ ہجری اپنی کتاب الامامۃ والسیاستہ کے صفحہ ۲۲ پر زیر عنوان تولیتہ عمر بن الخطاب الستہ الشوری وعہدہ الیہم لکھتے ہیں۔

قال ثم ان المهاجرين دخلوا على عمر رضى الله عنه وهو فى البيت من جراحته تلك فقالوا يا امير المومنين استخلف علينا قال والله لا احملكم حياً و ميتاً ثم قال ان استخلفت فقد استخلف من هو خيرٌ منى يعنى ابوبكر وان ادع فقد دع من هو خيرٌ منى يعنى النبى عليه

راوی کہتا ہے کہ پھر مہاجرین حضرت عمر کے پاس آئے وہ اس وقت اپنے مکان میں زخم خوردہ پڑے ہوئے تھے، ان لوگوں نے کہا اے امیر المومنین ہم پر خلیفہ و حاکم مقرر کرو، حضرت عمر نے کہا کہ قسم بخدا میں تمہارا بوجھ زندگی اور مرنیکے بعد بھی اٹھاؤں یہ ہرگز نہوگا، پھر فرمایا کہ اگر میں اپنا جانشین مقرر کردوں تو بیشک اس نے جو مجھ سے بہتر تھا اپنا جانشین مقرر کیا یعنی ابوبکر نے اور اگر میں اپنا جانشین مقرر نہ کروں تو بیشک اس نے اپنا جانشین مقرر نہیں کیا جو مجھ سے بہتر تھا

السلام فقالوا جزاك الله
خيرا يا امير المومنين فقال
ما شاء الله راغبا و وددت
ان انجو منها لالي ولا علي
فلما احس بالموت قال
لابنه اذهب الى عائشة و
اقرئها مني السلام واستاذنها
ان اقبر في بيتها مع رسول
الله ومع ابي بكر فاتاها
عبد الله بن عمر فاعلمها
فقالت نعم وكرامة ثم
قالت يا بني ابلغ عمر
سلامي وقل له لا تدع
امة محمد بلا راع استخلف
عليهم ولا تدعهم بعدك
هملا فاني اخشى عليهم
الفتنة فاتى عبد الله فاعلمه
فقال ومن تامرني ان
استخلف لو ادركت ابا عبيدة
بن الجراح باقيا استخلفته
وليته فاذا قدمت على ربي
فسألني وقال لي من وليت
على امة محمد قلت اي ربي

یعنی رسولخدا نے ان لوگوں نے کہا کہ خدا
آپ کو جزائے خیر دے، آپنے فرمایا کہ وہ
ہی ہوگا جو خدا چاہے گا۔ میری تو خواہش
ہے کہ کاش اس امر خلافت سے میں
نجات پاؤں اس کے متعلق مجھ سے نہ کچھ
مواخذہ کیا جائے اور نہ مجھے کچھ اس کا ثواب
دیا جائے تو اسکو میں غنیمت سمجھوں گا پس
جب حضرت عمر نے موت کو آتے ہوئے
محسوس کیا تو اپنے لڑکے سے کہا کہ عائشہ کے پاس
جاؤ، میرا اسلام کہو اور ان سے اجازت مانگو
کہ میں ان کے گھر میں جناب رسولخدا اور ابوبکر
کے پاس دفن کردیا جاؤں پس عبداللہ ابن عمر
حضرت عائشہ کے پاس آئے اور یہ پیغام پہنچایا
انہوں نے کہا سر آنکھوں سے بڑی خوشی
سے اور کہا اے بیٹے عمر کو میرا سلام پہنچانا او
کہنا کہ امت محمدیہ کو بغیر محافظ کے نہ چھوڑ جاؤ
اپنا جانشین ان پر مقرر کر دو اپنے بعد ان
کو حیران اور بغیر نگہبانی کے نہ چھوڑ جانا مجھے
ڈر ہے کہ فتنہ نہ پیدا ہو پس عبداللہ آئے اور
حضرت عمر کو یہ پیغام پہنچایا، حضرت عمر نے کہا کہ
عائشہ نے کس کو حکم دیا ہے کہ میں خلیفہ مقرر کروں
اگر ابو عبیدہ بن الجراح زندہ ہوتے تو میں انکو
خلیفہ مقرر کرتا اور جب اپنے خدا کے پاس جاتا

سمعت عبدك ونبيك يقول
لكل امة امين وامين
هذه الامة ابو عبيدة بن
الجراح ولو ادركت معاذ
بن جبل استخلفته فاذا
قدمت على ربي فسألني
من وليت على امة محمد
قلت اي ربي سمعت عبدك
ونبيك يقول ان معاذ
بن جبل ياتي بين يدي
العلماء يوم القيامة ولو
ادركت خالد بن الوليد
لوليته فاذا قدمت على
ربي فسألني من وليت
على امة محمد قلت اي ربي
سمعت عبدك ونبيك
يقول خالد بن الوليد سيف
من سيوف الله سله
على المشركين ولكني
سأستخلف النفر الذين
توفي رسول الله وهو عنهم
راض فارسل عليهم فجمعهم
وهم علي بن ابي طالب

اور وہ پوچھتا کہ کس کو امت محمدیہ پر حاکم
مقرر کیا ہے تو میں جواب دیتا کہ اس شخص
کو جس کی بابت تیرے بندہ اور رسول کو
یہ کہتے سنا تھا کہ ہر ایک امت کے لئے ایک
امین ہوتا ہے اور اس امت کا امین ابو
عبیدہ بن الجراح ہے یا اگر معاذ بن جبل زندہ
ہوتے تو ان کو خلیفہ مقرر کرتا اور جب میں خدا کے
حضور میں حاضر ہوتا اور وہ مجھ سے دریافت
فرماتا کہ امت محمدیہ پر کس کو حاکم مقرر کیا ہے
تو میں جواب دیتا کہ اے میرے رب اس
کو مقرر کیا ہے جس کی بابت تیرے بندہ و رسول
کو میں نے یہ کہتے ہوئے سنا تھا کہ قیامت کے
دن معاذ جبل علماء کے گروہ میں ہوگا. یا
اگر خالد بن ولید زندہ ہوتے تو میں ان کو
خلیفہ مقرر کرتا اور جب خدا کے حضور میں
حاضر ہوتا اور وہ مجھ سے سوال کرتا کہ امت محمدؐ
پر کس کو حاکم مقرر کیا ہے تو میں کہتا کہ اے میرے
خدا اس کو مقرر کیا ہے جس کی بابت میں نے
تیرے بندہ و نبی کو یہ کہتے ہوئے سنا تھا کہ خالد
بن ولید خدا کی تلواروں میں سے ایک تلوار ہے
جسکو خدا نے مشرکین کے اوپر کھینچا ہوا ہے اچھا اب میں ان
لوگوں کو مقرر کرتا ہوں جن سے جناب رسول خدا بوقت رحلت
خوش تھے پس ان سب کو حضرت عمر نے بلایا اور وہ یہ تھے. علی

عثمان بن عفان وطلحة
بن عبد الله والزبیر بن
العوام وسعد بن ابی وقاص
وعبد الرحمٰن بن عوف رضوان
الله علیهم وکان طلحة
غائبا فقال یا معشر المهاجرین
الاولین انی نظرت فی امر
الناس فلم اجد فیهم شقاقاً
ولا نفاقاً فان یکن بعدی
شقاق ونفاق فهو فیکم
تشاوروا ثلاثة ایام
فان جاءکم طلحة الی ذلک
والا فاعزم علیکم بالله ان
لا تتفرقوا من الیوم الثالث
حتی تستخلفوا احدکم
فان اشرتم بها الی طلحة
فهو لها اهل ولیصل بکم
صهیب هذه الثلاثة ایام
التی تتشاورون فیها
فانه رجل من الموالی
لا ینازعکم امرکم
واحضروا معکم من
شیوخ الانصار ولیس

عثمان، طلحہ، زبیر، سعد ابن وقاص اور
عبدالرحمٰن بن عوف، طلحہ اُس دن مدینہ
میں موجود نہ تھے، حضرت عمر نے ان لوگوں
کو مخاطب کرکے کہا کہ اے گروہ مہاجرین
اولین۔ میں نے لوگوں کے امور پر نظر
ڈالی تو دیکھا کہ ان میں نفاق وکینہ
نہیں ہے اور اگر میرے بعد اُن میں
نفاق ودشمنی ہوئی تو یہ تمہاری
وجہ سے ہوگی پس تم آپس میں تین
دن مشورہ کرنا، اگر طلحہ بھی تم میں
آملے تو بہتر ورنہ تم خود ہی فیصلہ
کرلینا۔ تیسرے دن تم اپنی جگہ سے
متفرق نہ ہونا جب تک کہ خلیفہ نہ مقرر
کرلو، اگر تم نے طلحہ کو مشورہ لیا تو وہ
اس کا اہل ہے، اور ان تین ایام
تک صہیب نماز پڑھائے کیونکہ وہ موالی
میں سے ہے اور وہ تم سے امر
خلافت میں تنازعہ نہیں کرے گا۔
تم انصار کے بڑے آدمیوں کو بھی
بلا لینا مگر ان کے لئے امر خلافت
میں سے کچھ حصہ نہیں ہے، اور تم
حسن بن علی وعبداللہ بن عباس
کو بھی بلا لینا، کیونکہ ان کو درجہ

لهم من امركم شئ واحضروا
معكم الحسن بن علي وعبد
الله بن عباس فان لهما قرابة
وارجو لكم البركة في حضورهما
وليس لهما من امركم شئ
ويحضر ابني عبد الله مستشاراً
وليس له من الامر شئ
قالوا يا امير المومنين ان
فيه للخلافة موضعا
فاستخلفه فانا راضون
به فقال حسب آل الخطاب
تحمل رجل منهم الخلافة
ليس له من الامر شئ ثم
قال يا عبد الله اياك ثم
اياك لا تتلبس بها ثم قال
ان استقام امر خمسة منكم
وخالف واحد فاضربوا عنقه
وان استقام اربعة واختلف
اثنان فاضربوا اعناقهما وان
استقام ثلاثة واختلف
ثلاثة فاحتكموا الى ابني
عبد الله فلاي الثلاثة
قضى فالخليفة منهم وفيهم

قرابت حاصل ہے اور مجھے امید ہے کہ
ان کے حضور میں تم کو برکت ہوگی۔
مگر ان دونوں کے لئے بھی امر خلافت
میں سے کچھ نہیں ہے۔ ان لوگوں
نے کہا کہ عبداللہ بن عمر کو خلافت کا
حق پہنچتا ہے۔ اس کو خلیفہ مقرر کردو
ہم راضی ہیں۔ حضرت عمر نے جواب
دیا کہ آلِ خطاب کے لئے اتنا ہی
کافی ہے کہ اُن میں کا ایک شخص خلافت
کے بارِ گراں کو اٹھائے۔ عبداللہ
بن عمر کے لئے اس میں حصہ نہیں
ہے۔ پھر کہا کہ خبردار عبداللہ
خبردار خلافت کے ساتھ اپنے تئیں
ملوث نہ کرنا۔ پھر ان اصحاب شوریٰ کو
مخاطب کرکے کہا کہ اگر تم میں سے پانچ
ایک شخص پر متفق ہو جائیں اور چھٹا
انکار کرے تو اس چھٹے کو فوراً قتل
کر دینا، اور اگر چار ایک شخص پر
متفق ہو جائیں اور دو مخالف ہوں
تو اُن دو کی گردن مار دینا، اور اگر
تین ایک شخص پر متفق ہوں اور تین مخالفت
کریں تو سرپنچ میرا لڑکا عبداللہ ہوگا
ان تینوں میں سے جس کو وہ خلیفہ قرار دے

فان ابى الثلاثة الآخر من
ذلك فاضربوا اعناقهم فقالوا
قل فينا يا امير المومنين
مقالة نستدل فيها برايك
ونقتدى به فقال والله
ما يمنعنى ان استخلفك يا
سعد الا شدتك وغلظتك
مع انك رجل حرب وما يمنعنى
منك يا عبد الرحمن الا انك
فرعون هذه الامة وما يمنعنى
منك يا زبير الا انك مومن
الرضا كافر الغضب وما يمنعنى
من طلحة الا نخوته وكبره
ولو وليها وضع خاتمه فى اصبع
امرأته وما يمنعنى منك يا
عثمان الا عصبيتك وحبك
قومك وما يمنعنى منك
يا على الا حرصك عليها وانك
احرى القوم ان وليتها ان
تقيم على الحق المبين والصراط
المستقيم ..... ثم التفت الى
على بن ابى طالب فقال لعل
هؤلاء القوم يعرفون لك

تو وہ خلیفہ ہوگا، اور اگر وہ تین مخالف اشخاص
انکار کریں تو ان تینوں کو قتل کردینا پھر ان
اصحاب شوری نے کہا کہ اے امیرالمومنین کچھ
ایسی گفتگو فرمائیے جس سے ہماری رہنمائی ہو
اور ہم اس سے فائدہ اٹھائیں اس پر عمر نے فرمایا
کہ اے سعد کسی چیز نے مجھے تم کو خلیفہ مقرر
کرنے سے نہیں روکا، الا اس امر نے کہ تو سخت
ہے اور تیری فطرت غلیظ ہے حالانکہ تو مرد
میدان ہے اور اے عبد الرحمن مجھے تجھ کو خلیفہ
مقرر کرنے سے اس امر نے روکا کہ تو اس امت
کا فرعون ہے اور اے زبیر مجھے تجھ کو خلیفہ مقرر
کرنے سے اس امر نے باز رکھا کہ تو اپنی رضا مندی
کے وقت تو مومن ہے مگر غصہ کے وقت کافر
ہے اور طلحہ کو خلیفہ مقرر کرنے سے اس امر نے
روکا کہ اس میں نخوت و غرور ہے اور اگر وہ
حاکم ہوگا تو حکومت کی انگوٹھی اپنی عورت
کے ہاتھ میں پہنا دیگا اور اے عثمان تجھ کو خلیفہ
مقرر کرنے سے مجھ کو اس امر نے باز رکھا کہ تجھ
میں تعصب قبیلہ اور اپنے قوم کی محبت ہے اور اے علی
تمکو خلیفہ مقرر کرنے سے اور کسی امر نے نہیں روکا
صرف اسی بات نے روکا کہ تمکو اسکی خواہش ہے گو کہ تم سب سے
زیادہ حق پر چلنے والے ہو اگر تمکو حکومت ملجائے تو تم اسکو
حق مبین اور صراط مستقیم پر چلاؤ گے ......

حقك وقرابتك وشرفك من
رسول الله وما آتاك الله
من العلم والفقه والدين
فيستخلفونك فان وليت
هذا الامر فاتق الله يا علي فيه
ولا تحمل احدا من بني هاشم
على رقاب الناس ثم التفت
الى عثمان فقال يا عثمان
لعل هؤلاء القوم يعرفون
لك صهرك من رسول الله
وسنك وشرفك وسابقتك
فيستخلفونك ان وليت
هذا الامر فلا تحمل احدا من
بني امية على رقاب الناس
ثم دعا صهيبا فقال يا
صهيب صل بالناس
ثلاثة ايام يجتمع هؤلاء
النفر ويتشاورون بينهم۔

پھر حضرت عمر علی کی طرف مخاطب ہوئے اور
فرمایا کہ اے علی یہ لوگ تمہارے حق اور قرابت
رسول سے آگاہ ہیں۔ تمہاری عظمت اور بزرگی
ان کو معلوم ہے اور خدا نے تمکو جو علم و فقہ
و دین حقہ عنایت کیا ہے اس سے بھی یہ
اچھی طرح آگاہ ہیں اگر یہ تمکو خلیفہ مقرر کریں
تو اے علی خدا سے ڈرتے رہنا اور بنوہاشم
میں سے ایک شخص کو بھی لوگوں کی گردنوں
پر سوار نہ کرنا، پھر آپ حضرت عثمان کی
طرف مخاطب ہوئے اور فرمایا کہ اے
عثمان اگر یہ لوگ تمہاری دامادئ
رسول و تمہاری عمر اور شرافت
کا خیال کرکے تم کو خلیفہ
مقرر کریں اور تم کو حکومت مل جائے تو
بنوامیہ میں سے ایک کو بھی لوگوں کی گردنوں
پر سوار نہ کرنا پھر انہوں نے صہیب کو بلا کر کہا کہ
اے صہیب تین دن تک لوگوں کی امامت نماز
کرنا جب تک یہ لوگ جمع رہیں اور مشورہ کرتے رہیں

ذكر الشورى وبيعة عثمان بن عفان

ثم انه بعد موت عمر اجتمع
القوم فخلوا في بيت احدهم
واحضروا عبد الله بن عباس

شوریٰ و بیعت عثمان بن عفان

پھر حضرت عمر کی موت کے بعد اصحاب
شوریٰ اپنے میں سے ایک کے گھر پر
جمع ہوئے، عبد اللہ بن عباس

والحسن بن علی وعبد اللہ بن	حسن بن علی و عبد اللہ بن عمر کو بلا لیا۔ تین
عمر فتشاوروا ثلاثة ایام	دن تک آپس میں مشورہ کرتے رہے مگر کچھ بھی
فلم یبرموا قتیلا فلما	فیصلہ نہ کرسکے (افسوس ہے کہ فاضل مؤلف نے
کان فی الیوم الثالث قال	ان تین دنوں کی کارروائی نہیں بیان کی)
لہم عبد الرحمن بن عوف	جب تیسرا دن ہوا تو عبد الرحمن بن عوف نے ان
اتدرون ای یوم ھذا ھذا	سے کہا کہ تم کو معلوم بھی ہے کہ آج کونسا دن ہے۔
یوم عزم علیکم صاحبکم ان	آج وہ دن ہے کہ جس کے لئے تمہارے ساتھی عمر نے
لا تتفرقوا فیہ حتی تستخلفوا	حکم دیا ہے کہ اس دن اپنی جگہ سے نہ جانا جب تک
احدکم قالوا اجل قال فانی	کہ اپنے میں سے ایک کو خلیفہ مقرر نہ کرلو، انہوں نے
عارض علیکم امرا قالوا وما	کہا کہ ٹھیک ہے پھر عبد الرحمن نے کہا کہ میں تمہارے
تعرض قال ای تولونی امرکم	سامنے اپنی ایک تجویز پیش کرتا ہوں وہ یہ
واھب لکم نصیبی فیہا واختار لکم	ہے کہ اگر تم مجھے اپنے اس کام کا مختار بنادو
من انفسکم قالوا قد اعطینا	تو میں اپنا وہ حق جو مجھ کو بقول عمر اس خلافت
الذی سألت فلما سلم القوم	میں حاصل ہے تمہارے حق میں ترک کردوں۔
قال لہم عبد الرحمن اجعلوا	اور تم میں سے ایک کو خلیفہ مقرر کردوں، ان
امرکم الی ثلاث منکم فجعل	لوگوں نے کہا کہ ہم نے تم کو وہ عطا کیا جو تم
الزبیر امرہ الی علی جعل	نے مانگا، جب ان لوگوں نے یہ بات تسلیم کرلی تو
طلحہ امرہ الی عثمان وجعل	عبد الرحمن نے ان سے کہا کہ تم اپنے اس امر کو اپنے
سعد امرہ الی عبد الرحمن	میں سے تین آدمیوں کی طرف مخصوص کردو پس زبیر
بن عوف قال لمسور بن مخرمہ	نے اپنا حصہ علی کو دیا طلحہ نے عثمان کو اور سعد نے عبد الرحمن
فقال لہم عبد الرحمن کونوا	بن عوف کو مسور بن مخرمہ کہتا ہے کہ تب عبد الرحمن
مکانکم حتی آتیکم وخرج	نے ان سے کہا کہ تم یہاں ٹھہرے رہنا جب تک کہ میں تمہارے
یتلقی الناس فی انقاب المدینۃ	پاس آؤں یہ کہکر وہ باہر چلے گئے اور تمام اطراف مدینہ میں

لا والله حتى تعطيني هذا
الشرط قال علي والله لا اعطيك
ابدا فتركه فقاموا من
عنده فخرج عبد الرحمن الى
المسجد فجمع الناس فحمد الله
واثنى عليه ثم قال
اني نظرت في امر الناس
فلم ارهم يعدلون
بعثمان فلا تجعل يا علي
سبيلا الى نفسك فانه
السيف لا غير ثم اخذ
بيد عثمان فبايعه و
بايع الناس جميعا۔

کہ قسم بخدا میں یہ تم پر نہیں چھوڑ سکتا۔
تو حضرت علی نے کہا کہ قسم بخدا میں تمہاری
شرط کو کبھی قبول نہ کروں گا پس عبد الرحمن
نے ان کو چھوڑ دیا، اور دیگر لوگ بھی وہاں
سے چلے گئے، عبد الرحمن مسجد رسول ص
میں آئے، لوگوں کو جمع کیا۔ پھر حمد
وثنائے باری تعالیٰ کے بعد کہا کہ میں
نے لوگوں کے امر پر نظر ڈالی پس
سب کو میں نے عثمان کی طرف
مائل دیکھا، اب اے علی تم اپنے
نفس کی پیروی نہ کرنا، ورنہ یہ
تلوار ہے پھر عثمان کا ہاتھ پکڑ کر ان کی
بیعت کر لی اور تمام لوگوں نے انکی بیعت کر لی

مورخ ابن خلدون نے بھی اس واقعہ کو لکھا ہے۔

ثم دعا عبد الرحمن وقال
اريد ان اعهد اليك قال
اتشير علي بها قال لا قال
والله لا افعل قال فهبني
صمت حتى اعهد الى
الذين توفي رسول الله
صلى الله عليه وسلم وهو
عنهم راض ثم دعا عليا
وعثمان والزبير وسعدا

پھر حضرت عمر نے عبد الرحمن بن عوف کو بلایا
اور کہا کہ میرا ارادہ ہے کہ میں اپنا عہد تمہارے
سپرد کروں عبد الرحمن نے کہا کیا آپ مجھے خلافت کے متعلق
مشورہ کرنا چاہتے ہیں۔ حضرت عمر نے کہا کہ نہیں
عبد الرحمن نے کہا کہ بخدا میں اس بوجھ کو نہیں اٹھاؤنگا
حضرت عمر نے کہا کہ وعدہ کرو کہ تم کسی سے میری گفتگو کا
ذکر نہ کروگے یہاں تک کہ میں ان لوگوں کی طرف اس
امر کو موڑ دوں جن سے جناب رسول خدا بوقت رحلت
راضی تھے پھر عمر نے علی و عثمان و زبیر و سعد

وعبد الرحمٰن معهم وقال انتظروا
ثلاثا فان جاء طلحة والا
فاقضوا امركم وناشد الله
من يقضي اليه الامر منهم
ان يحمل اقاربه على رقاب
الناس.... ثم دعا ابا طلحة
الانصاري فقال قم على
باب هؤلاء ولا تدع احدا
يدخل اليهم حتى يقضوا
امرهم..... ثم قال يا
عبد الله ان اختلف القوم
فكن مع الاكثر فان تساووا
فكن مع الذين فيهم عبد
الرحمٰن بن عوف ......وجاء
علي وابن عباس فقعدوا
عند راسه وجاء الطبيب
فسقاه نبيذا فخرج متغيرا ثم
لبنا فخرج كذلك فقال له
اعهد قال قد فعلت و
لم يزل ذكر الله الى ان
توفي ليلة الاربعاء لثلاث
بقين من ذي الحجة سنة
ثلاث وعشرين وصلى

کو بلایا، عبد الرحمٰن بھی ان کے ساتھ تھے اور کہا
کہ تین دن انتظار کرنا، اگر طلحہ آ جائے تو
شامل کر لینا ورنہ بغیر اس کے تم اپنے میں سے
خلیفہ مقرر کر لینا جو خلیفہ مقرر ہو اس کو چاہیئے
کہ اپنے قرابتداروں کو لوگوں کی گردنوں پر
سوار نہ کرے...... پھر حضرت عمر نے ابو طلحہ
انصاری کو بلایا اور کہا کہ تم ان لوگوں کے دروازہ
پر کھڑے رہنا، اور جب تک یہ لوگ فیصلہ نہ کر لیں
کسی کو اندر نہ آنے دینا ....
پھر عبد اللہ ابن عمر سے کہا کہ اگر ان چھ
لوگوں میں اختلاف ہو تو تم اکثریت کے
ساتھ ہونا اور اگر طرفین برابر ہوں تو تم
اس گروہ کے ساتھ ہو جانا جس میں
عبد الرحمٰن بن عوف ہو........ پھر
علی ابن عباس آئے اور حضرت عمر کے سرہانے
کھڑے ہو گئے، پھر طبیب آیا اس نے نبیذ
شراب پلائی وہ زخم کے راستہ نکل گئی، پھر دودھ
پلایا، وہ بھی زخم کے راستہ نکل گیا، طبیب نے کہا
اب آپ آخری وصیت کر لیں۔ عمر نے کہا کہ میں
پہلے ہی کر چکا ہوں، اور اپنی موت تک
خداوند تعالیٰ کو یاد کرتے رہے آپ کی موت شب
چہارشنبہ کو ہوئی جب کہ تین راتیں ذی الحجہ
سنہ ۲۳ ہجری کے ختم ہونے میں باقی تھیں نماز جنازہ

علیہ صهیب و ذلت لعشر
سنین ستة اشهر من خلافته
وجاء ابو طلحة الانصاری و
معه المقداد ابن الاسود و
قد کان امرهما عمر ان یجمعا
هولاء والرهط الستة فی
مکان ویلزماهم ان
یقدموا للناس من یختاروه
منهم وان اختلفوا کان
الاتباع للاکثر وان تساووا
حکموا عبد الله بن عمر واتبعوا
عبد الرحمن بن عوف و
یوجلوهم فی ذلک ثلاثا
یصلی فیها بالناس صهیب
ویحضر عبد الله بن عمر معهم
مشیرا لیس له شیء من
الامر وطلحة شریکهم ان
قدم فی الثلاث لیال فجمعهم
ابو طلحة والمقداد فی بیت
المسور بن مخرمة وقیل فی
بیت عائشة وجاء عمرو بن
العاص والمغیرة بن شعبة
فجلسا بالباب فحصبهما سعد و

صہیب نے پڑہائی اور یہ آپ کی خلافت
کے دس سال اور چھٹے مہینہ میں ہوا اُ
اب ابو طلحۃ الانصاری آئے اور ان کے
ساتھ مقداد بن الاسود تھے، اور اُن
دونوں کو حضرت عمر نے حکم دیا تھا کہ ان
چھ آدمیوں کو ایک مکان میں جمع کریں
اور ان سے کہیں کہ اپنے میں سے جس
کو خلیفہ مقرر کریں اس کو لوگوں کے سامنے
پیش کریں اور اگر اختلاف کریں تو
اکثریت کی پیروی کی جائے، اور اگر
طرفین برابر رہیں تو میرا بیٹا ثالث ہوگا
لیکن عبد اللہ اُدہر ہوگا جدہر عبد الرحمن
بن عوف ہوں گے تین دن تک ان کو
اس مکان میں رکھیں اور مہلت دیں اس
عرصہ تک صہیب امامت نماز کریں عبد اللہ
ابن عمر کو مشورہ کے لئے بلائیں لیکن اس
کا حصہ خلافت میں نہ ہوگا، اور اگر تین
دن میں طلحہ آجائے تو وہ بھی شریک
ہوجائے پس ابو طلحہ و مقداد نے ان کو
مسور بن مخرمہ کے گھر میں جمع کیا، روایت
یہ بھی ہے کہ یہ سب عائشہ کے گھر میں جمع ہوئے
عمرو بن العاص و مغیرہ بن شعبہ آئے اور اس
مکان کے دروازہ پر بیٹھ گئے لیکن سعد نے

اقامهما وقال تريد ان ان
تقولا حضرنا وكنا فى اهل
الشورىٰ ثم دار بينهما الكلام
وتنافسوا فى الامر فقال عبد
الرحمٰن ايكم يخرج منها نفسه ويجتهد
فيوليها افضلكم وانا افعل
ذلك فرضى القوم وسكت علي
فقال ما تقول يا ابا الحسن
قال علي شريطة ان توثر
الحق ولا تتبع الهوى ولا تخص
ذا رحم ولا تالوا الامة نصحا
وتعطينها العهد بذلك قال
وتعطوني انتم مواثيقكم على
ان تكونوا معى على من خالف
وترضوا من اخترت وتواثقوا
ثم قال لعلى انت احق من حضر
بقرابتك وسوابقك وحسن
اثرك فى الدين ولم تبعد فى
نفسك فمن ترى احق فيه
بعدك من هؤلاء قال عثمان
وخلا بعثمان فقال لمثل
ذلك فقال علي ودار عبد
الرحمٰن لياليه كلها يلقى اصحاب

میں اختلاف نہو تو عثمان کی بیعت کرلو یہ کہہ کر ان کو
وہاں سے ہٹا دیا کہ تم اس لئے یہاں آئے ہو کہ کل کو کہو ہم
بھی حاضر تھے اور ہم بھی اہل شوریٰ سے تھے۔ پھر
ارباب شوریٰ میں انتخاب خلیفہ کی بابت بحث و مباحثہ
ہونے لگا عبدالرحمٰن بن عوف نے کہا کہ آیا تم میں ایسا
کوئی شخص ہے جو اپنے تئیں خلافت کی امیدواری
سے علیحدہ کرکے افضل ترین شخص کو منتخب کرے میں
تو ایسا کرنے کے لئے تیار ہوں اور سب تو راضی
ہوگئے مگر علی خاموش رہے عبدالرحمٰن نے ان سے
کہا کہ اے ابوالحسن تم کیا کہتے ہو۔ حضرت علی نے کہا
یہ بھی تو شرط کرو کہ تم حق کروگے اپنے خواہش
نفس کی پیروی نہ کروگے نہ کسی رشتہ داری کا
پاس و لحاظ کروگے حق کہنے میں کسی کی ملامت اور کسی
کے مشورہ کا خیال نہ کروگے اس بات کا اقرار تم ہم
سے کرو، عبدالرحمٰن نے کہا کہ تم لوگ مجھ سے یہ اقرار
کرو کہ تم میرے ساتھ ہوگے اور اس کی مخالفت
کروگے جو میرے فیصلہ کی مخالفت کرے اور اسکے
خلیفہ ہونے سے راضی ہوگے جسکو میں مقرر کروں پھر
عبدالرحمٰن نے حضرت علی سے کہا تم ان سب حاضرین
لوگوں میں سے رسول اللہ کی قرابتداری و سبقت
اسلامی اور حسن مساعی دینی کی وجہ سے ان سب سے زیادہ
خلافت کے مستحق ہو اور تم سے زیادہ موزوں اور
کوئی شخص اس خلافت کے لئے نہیں ہے مگر یہ تو

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
ومن یوافی المدینة من امراء
الاجناد واشراف النّاس و
یشیرھم الی صبیحة الرابع
فاتی منزل المسور بن مخرمہ
وخلا فیہ بالزبیر وسعد
ان یترکا الامر بعلی اوعثمان
فاتفقا علی علی ثمّ قال لہ سعد
بایع لنفسك وارحنا فقال
قد خلعت لھم نفسی علیٰ
ان اختار ولو لم افعل ما
اریدھا ثمّ استدعی عبد
الرحمٰن علیّا وعثمان فناجی
کلامنھما الی ان رضوا بلالی
ان صلوا الصبح ولا یعلم احد
ما قالوا ثم جمع المھاجرین
واھل السّابقة من الانصار
وامراء الاجناد حتیٰ غص
المسجد بھم فقال اشیروا علی
فاشار عمّار بعلی فقال ابن ابی
سرح ان اردت ان لا تختلف
قریش فبایع عثمانؓ وافقہ
عبد اللہ ابن ابی ربیعہ فتفاوضا و

بتاؤ کہ ان لوگوں میں سے جو خلافت کیلئے نامزد کئے
گئے ہیں تمہارے بعد کون زیادہ مستحق ہے حضرت علی نے جواب دیا
کہ عثمان۔ پھر عثمان سے تخلیہ میں لیجا کر یہی کہا انہوں نے
جواب دیا علی اور عبدالرحمٰن تمام راتوں کو جناب
رسولخدا کے اصحاب و امراء لشکر و اشراف سے جو مدینہ
میں تھے ملتے تھے اور مشورہ کرتے تھے چوتھے دن
کی صبح تک انہوں نے یہ سلسلہ کیا، چوتھے دن کی صبح کو
مسور بن مخرمہ کے مکان پر عبدالرحمٰن آئے اور وہاں
سعد و زبیر کو علیحدہ بلا کر ان سے کہا کہ عثمان یا علی
ان دونوں میں سے ایک کو منتخب کر لو ان دونوں
نے متفق ہو کر علی کو منتخب کیا پھر اسکے بعد سعد نے
کہا کہ تم خود اپنے لئے کیوں بیعت نہیں لیتے اور ہم کو
رحم نہیں کرتے، عبدالرحمٰن نے جواب دیا کہ میں ان لوگوں
کے سامنے اپنے تئیں علیحدہ کر چکا ہوں اور اگر ایسا
نہ کرتا تب بھی خلافت کو اختیار نہ کرتا، پھر عبدالرحمٰن
نے علی و عثمان کو بلا کر علیحدہ علیحدہ ان سے گفتگو کی تا کہ یہ
آپس میں راضی ہو جائیں لیکن صبح کا وقت اس ہی میں
گزر گیا اور کسی کو معلوم نہ تھا کہ انہوں نے کیا کہا
پھر عبدالرحمٰن نے مہاجرین کو اور انصار میں سے سابق
الاسلام اور امراء لشکر کو جمع کیا، یہاں تک کہ مسجد
کھچا کھچ بھر گئی پھر عبدالرحمٰن نے کہا کہ جسکو تم لوگ خلافت
کیلئے منتخب کرنا چاہتے ہو اسکی طرف اشارہ کرو عمار نے علی کی طرف
اشارہ کیا ابن ابی سرح نے کہا کہ اگر چاہتے ہو کہ قریش

تشاغبا ونادی سعد یا عبد الرحمن افرغ قبل ان یفتتن الناس فقال نظرت وشاورت فلا تجعلن ایها الرھط علی انفسکم سبیلا ثم قال لعلی علیک عہد اللہ ومیثاقہ لتعملن بکتاب اللہ وسنۃ رسولہ وسیرۃ الخلیفین من بعدہ قال ارجو ان اجتہد بل ان افعل بمبلغ علمی وطاقتی وقال لعثمان مثل ذلک فقال نعم فرفع راسہ الی سقف المسجد ویدہ فی ید عثمان وقال اللھم اشہد انی قد جعلت مافی عنقی من ذلک فی عنق عثمان فبایعہ الناس	میں اختلاف ہو تو عثمان کی بیعت کر لو۔ عبداللہ ابن ربیعہ نے اسبات پر اتفاق کیا، عمار اور ابن ابی شرح میں گفتگو بڑھ گئی سخت کلامی کی نوبت آگئی اس پر سعد نے ندا کی کہ اے عبدالرحمن اس قضیہ کو ختم کرو قبل اس کے کہ لوگوں میں فتنہ برپا ہو تب عبدالرحمن نے کہا کہ میں نے اپنے ذہن میں خلیفہ مقرر کر لیا اور رائے قائم کر لی ہے اے لوگو! ذرا دم بھر خاموش رہو پھر علی کی طرف مخاطب ہو کر کہا کہ خدا کا عہد و میثاق رہے کہ اگر خلافت تم کو دی جائے تو تم کتاب اللہ و سنت رسول اور سنت ہر دو خلفاء گذشتہ پر عمل کرو گے علی نے جواب دیا کہ میں امید کرتا ہوں کہ میں اپنے مبلغ علم و طاقت کے موافق عمل کرونگا یہ جواب پاکر عبدالرحمن نے عثمان سے مخاطب ہو کر یہی الفاظ کہے عثمان نے فوراً اقرار کر لیا اور کہا کہ ہاں میں اقرار کرتا ہوں کہ ایسا ہی کرونگا یہ سنتے ہی عبدالرحمن نے سقفِ مسجد کی طرف سر اٹھایا اور ان کا ہاتھ عثمان کے ہاتھ میں تھا اور یہ کہہ رہے تھے خداوندا گواہ رہیو کہ اس امر خلافت کا جو فرض میری گردن میں تھا وہ میں نے عثمان کی گردن میں ڈال دیا۔
ابن خلدون:- بقیۃ الجزء الثانی من تاریخ ابن خلدون مطبوعہ دار الطباعۃ الخدیویہ ببولاق مصر المغربیہ درسنہ ۱۲۸۴ ہجری ص ۱۲۴ تا ص ۱۲۶!	

قبل اس کے کہ ہم اپنے نفس مضمون میں آگے چلیں یہاں ذرا اولکلائی گروہ حکومت یعنی مورخین اہل سنت وجماعت کی ذہنیت اور تعصب کی طرف توجہ دلانا بھی ضروری معلوم ہوتا ہے، عبارت ابن خلدون مندرجۂ بالا کا ترجمہ حکیم احمد حسین الہ آبادی نے اپنے ترجمہ تاریخ ابن خلدون کی جلد چہارم ص ۳ ۸ ۱ پر کیا ہے اس میں دو اہم مقامات پر

ترجمہ سے اعراض کر کے بلکہ اصلی عبارت کے مفہوم کو بھی ترک کر کے ضروریات مناظرہ کو مدنظر رکھ کر کچھ کا کچھ ترجمہ کر دیا، جو اصل عبارات عربی سے بالکل مختلف ہے، اول تو جب عبدالرحمٰن نے خودساختہ ثالث بننا چاہا تو عربی کی عبارت یہ ہے کہ حضرت علیؑ راضی نہ ہوئے۔ ایک نہایت ضروری شرط پیش کر دی کہ فیصلہ حق پر مبنی ہو، خود غرضی وہوائے نفس کا اس پر اثر نہ ہو، رشتہ داری کا لحاظ نہ کیا جائے، عبدالرحمٰن نے اس کا جواب دینے سے اعراض کیا، اس شرط کو قبول نہ کیا اور وہ معاملہ وہیں ختم ہو گیا سوائے حضرت علی کے دیگر اشخاص نے رضامندی دیدی لیکن مترجم صاحب یوں ترجمہ کرتے ہیں "الغرض دونوں بزرگوں اور حاضرین جلسہ نے باہم عہد وپیمان کیا"، یہ اصل عربی عبارت میں ہرگز نہیں ہے، ہم نے تو اصل عبارت لکھدی ہے۔ ناظرین دیکھ لیں، دوئم یہ کہ جب عبدالرحمٰن نے سعد و زبیر کو بلایا تو ان سے یہ کہا کہ یا علی یا عثمان کے حق میں ہو جاؤ اور ان دونوں نے علی کو منتخب کیا، یہ تو عربی عبارت کا صحیح ترجمہ ہے۔ لیکن مترجم صاحب کہتے ہیں " زبیر و سعد کو بلا کر کہا لوگوں کا اتفاق علی و عثمان کی خلافت پر ہوا ہے، تم لوگ کیا کہتے ہو، ان دونوں بزرگوں نے بھی اس سے اتفاق کیا"، ناظرین ملاحظہ کریں کہ یہ ترجمہ اصل عربی عبارت کا ہرگز نہیں ہے، مترجم صاحب نے مناظرہ کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ الفاظ لکھدئے، اور وہ بے معنی ہیں، مترجم کے بموجب تو عبدالرحمٰن نے کہا کہ لوگوں کا اتفاق علی و عثمان کی خلافت پر ہوتا ہے اور سوال کیا تم ان دونوں میں سے کس کو منتخب کرتے ہو، یہی غرض اس سوال کرنے کی تھی ورنہ یہ گفتگو لغو ہو جاتی ہے اس کا جواب جو مترجم اپنی طرف سے ترجمہ کر کے پیش کرتے ہیں یعنی یہ کہ ان دونوں یعنی سعد و زبیر نے بھی اس سے اتفاق کیا بمعنی ہے۔ کس سے اتفاق کیا؟ علی و عثمان کی مشترکہ خلافت سے؟ غرضکہ یہ اصحاب اسی پیرایہ میں تاریخ کی کتابوں کو کتب مناظرہ بنا لیتے ہیں اور ان کتابوں کی تاریخی حیثیت جاتی رہتی ہے۔

شمس التواریخ حضرت عمر کا نثر میں قصیدہ ہے جس کو مؤلف نے حضرت فاروق اعظم کے نام سے معنون کیا ہے اور مؤلف نے وہ کتاب اس تعین کے ساتھ

لکھی ہے کہ اس کے تحریر کرنے کی ہدایت اس کو خود حضرت عمر نے ایک خواب کے ذریعہ سے کی ہے ، اسکے صفحات ۱۲۱۱ ، ۱۲۱۲ ، ۱۲۱۳ ، ۱۲۱۴ سے ہم مندرجہ ذیل عبارت نقل کرتے ہیں ۔

" ادہر تمام مسلمان عثمان کے احسانوں سے دبے ہوئے تھے ، اور وہ عمر میں بھی جناب مرتضوی سے بڑے تھے اس لئے لوگوں کا رجحان زیادہ تر اُن ہی کی طرف تھا ۔

" اس پر بھی عثمانیوں کو صبر نہ ہوا ، اور تدبیر سے باز نہ آئے ۔ سمجھے کہ اگر عبد الرحمٰن بن عوف نے جناب علی کے علم و جلادت پر نظر کر کے انہیں پسند کر لیا تو ہماری ہیٹی ہوئی ، ان ہی میں حضرت عمرو بن العاص بڑے چلتے ہوئے اور ذہین و چالاک تھے ، لوگوں نے ان سے کہا کہ جناب ایسے وقت میں مدد فرمائیے ، وہ دوڑتے ہوئے جناب علی کے پاس پہنچے ۔ جاکر ان کے خیر خواہ بنے اور کہا حضرت کل عبد الرحمٰن آپ سے اور عثمان سے یہ پوچھیں گے کہ اگر تمہیں خلافت دی جائے تو تم رسول اللہ ص اور ان کے دونوں خلفاء کی پیروی کرو گے یا نہیں ، اس کے جواب میں تم کہہ دینا کہ انشاء اللہ ۔ تاکہ سننے والے یہ نہ سمجھیں کہ آپ کی رال خلافت پر ٹپکی پڑتی ہے ، اور آپ مارے شوق کے اپنے اختیار سے باہر بات کا ذمہ بھی لئے لیتے ہیں ، یہ بات حضرت علی کی سمجھ میں آگئی اور فرمایا کہ ایسا ہی کروں گا ۔

" پھر حضرت ابن العاص جناب عثمان کے پاس گئے اور ان سے اپنی خیر خواہی جتا کے کہا کہ کل کے جلسہ میں آپ سے یہ سوال کیا جائے گا آپ فوراً سے پیشتر اس کا جواب یہ دیں کہ مجھے بدل و جان ابو بکر و عمر کی تقلید منظور رہے ، اُن ہی کے قدم بقدم چلوں گا حضرت عثمان نے ان کی صلاح مان لی ۔

" اس کے بعد ہمارے حضور عبد الرحمٰن بن عوف کے پاس پہنچے ، اور بولے کہ حضرت آپ کس دلدل میں پھنس گئے ، جس رستہ پر آپ پڑ لئے ہیں اس سے

برسوں بھی فیصلہ نہ ہوگا ؎

ترسم نہ رسی بکعبہ اے اعرابی کیں رہ کہ تو می روی بترکستان است

میں اِس جھگڑے سے نکلنے کی ایک ترکیب آپ کو بتاؤں جس سے ایک دم میں فیصلہ ہوا جاتا ہے۔

حضرت عبدالرحمٰن :۔ اندھے کو کیا چاہئے دو آنکھیں، پھر بتلاتے کیوں نہیں

حضرت ابن العاص :۔ جب کل انتخاب کے لئے لوگ جمع ہوں تو آپ علی و عثمان کی طرف مخاطب ہو کر یہ سوال کریں تم لوگ رسول اللہ ؐ اور اُن کے دونوں خلفاء کی سنت پر بھی عمل کرنے کو راضی ہو یا نہیں، دونوں میں سے جو صاحب اس کا جواب معقول اور قابل اطمینان دیں ان ہی سے آپ بیعت کرلیں، اور جس سے آپ بیعت کریں اسی کی طرف سب رجوع ہو جائیں گے۔

"جناب عبدالرحمٰن کی بھی سمجھ میں یہ بات آگئی، اور کہا خاطر جمع رکھو، کل ایسا ہی ہوگا، چنانچہ دوسرے دن جب جناب مرتضوی اور حضرت عثمان اور سب لوگ جمع ہوئے تو پہلے انہوں نے جناب علی کے سامنے یہ سوال پیش کر کے جواب چاہا.... جناب علی نے سوال مذکورۂ بالا کا یہ جواب دیا جہاں تک مجھ سے ممکن ہوگا انشاء اللہ تعالیٰ۔

"اگرچہ حضرت شیر خدا کا جواب نہایت معقول تھا، کیونکہ آدمی خدا کی مرضی کے خلاف کچھ نہیں کرسکتا اور جو کرتا ہے اپنی بساط کے موافق کرتا ہے اور اپنے مقدور سے باہر اُس سے کچھ نہیں ہوسکتا، پس اگر عمرو بن العاص کی تعلیم اُنہیں نہ بھی ہوتی تو بھی ان کی ذاتِ پاک سے ہمیں یہی جواب پانے کی امید تھی، مگر وہاں تو قوم ابوبکر و عمر کی ہر اَدا پر قربان ہو چکی تھی، ان کے عہد میں مسلمانوں نے بڑی بڑی موجیں کی تھیں، اور ایسے امن و چین سے رہے تھے جیسے ماں کے پیٹ میں رہتے ہیں وہ جناب مرتضوی کے جواب سے خوش و مطمئن نہوئے، اور اُن کے قول کا مطلب یہ سمجھے کہ شیر خدا خلیفہ اول و ثانی کے قدم بقدم چلنا پسند نہیں فرماتے۔ لہذا اُن کا

ٹھیک جواب جو موقع اور وقت کے خلاف تھا الٹا پڑا۔

"اب جو عبدالرحمٰن نے جناب عثمان سے پوچھا تو اُنہوں نے چھاتی ٹھونک کر کہا کہ بسر و چشم ابوبکر و عمر کی تقلید منظور رہے۔

شمس التواریخ صفحات ۱۱۲۱ لغایت ۱۱۲۴

اگرچہ مضمون طویل ہو گیا ہے مگر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ تاریخ طبری سے کچھ عبارات نقل کروں۔

ان عمر بن الخطاب لما طعن قیل	جب حضرت عمر زخمی ہوئے تو ان
له یا امیر المومنین لو استخلفت	سے لوگوں نے کہا کہ امیر المومنین آپ
قال من استخلف لو کان	اپنا جانشین مقرر کر دیں اُنہوں نے کہا
ابو عبیدة بن الجراح حیا	کہ اگر آج کو ابو عبیدہ زندہ ہوتے تو میں
استخلفته فان سالنی	ان کو خلیفہ مقرر کرتا، اور اگر خدا مجھ سے
ربی قلت سمعت نبیک	سوال کرتا تو میں کہتا کہ اے میرے خدا
یقول انه امین هذه الامة	میں نے تیرے نبی کو کہتے سنا تھا کہ ابو عبیدہ
ولو کان سالم مولی ابی حذیفة	اس امت کا امین ہے اور اگر سالم ابوحذیفہ
حیا استخلفته فان سالنی	کے غلام زندہ ہوتے تو میں اُن کو خلیفہ
ربی قلت سمعت نبیک	مقرر کرتا اور اگر خدا مجھ سے سوال کرتا
یقول ان سالما شدید	تو میں جواب دیتا کہ اے خدا میں نے تیرے
الحب لله فقال له رجل دلک	نبی کو کہتے سنا تھا کہ سالم میں خدا کی محبت
علیه عبد الله بن عمر	بہت ہے۔ ایک آدمی نے حضرت عمر سے
فقال قاتلک الله والله ما	کہا کہ آپ اپنے بیٹے عبداللہ کو خلیفہ مقرر کر دیں
اردت الله بهذا ویحک کیف	انہوں نے جواب دیا کہ خدا تجھے غارت کرے، یہ تو نے
استخلف رجلا عجز عن طلاق	کیا کہا کیا میں اس کو خلیفہ مقرر کروں جو عورت
امرأته	کو طلاق بھی نہیں دے سکتا۔ ....

عربی	اردو
فقالوا یا امیر المومنین لو	پھر لوگوں نے کہا کہ امیر المومنین اپنا جانشین
عہدت عہدا فقال کنت اجمعت	مقرر کردو، حضرت عمر نے کہا کہ تمہاری پہلی گفتگو
بعد مقالتی لکم ان انظر فاولی	کے بعد جو میں نے غور کیا تو نتیجہ نکالا کہ اگر میں
رجلا امرکم ھو احراکم ان یحملکم	علی کو خلیفہ مقرر کروں تو وہ تمہیں راہِ حق پر چلاوے
علی الحق واشار الی علی....	گا وہ تم سب سے زیادہ افضل ہے۔........
رجزجوا فقال العباس لعلی	(شوریٰ کا تذکرہ ہونے کے بعد) سب لوگ باہر آگئے۔ تو
لا تدخل معہم قال اکرہ	عباس نے حضرت علی سے کہا کہ تم ان کے ساتھ شوریٰ میں داخل نہ ہونا
الخلاف	حضرت علی نے جواب دیا کہ میں اختلاف نہیں چاہتا۔
فانہضوا الی حجرۃ عائشۃ باذن	(شوریٰ کا ذکر کرتے ہوئے حضرت عمر نے کہا)
منہا فتشاوروا واختاروا رجلا	تم سب حجرۂ عائشہ میں جا کر مشورہ کرنا
منکم ثم قال لا تدخلوا	اور اپنے میں سے ایک کو خلیفہ مقرر کر لینا
حجرۃ عائشۃ ولکن کونوا	پھر کہا کہ حجرۂ عائشہ میں نہ جانا بلکہ اس
قریبا..	کے قریب ہی رہنا..........
قال لصہیب صل بالناس	صہیب سے حضرت عمر نے کہا کہ تین دن
ثلاثۃ ایام وادخل علیا	لوگوں کو تم نماز پڑھانا اور شوریٰ میں
وعثمان والزبیر وسعدا و	علی و عثمان و زبیر و سعد و عبد الرحمن
عبد الرحمن بن عوف وطلحۃ ان	اور طلحہ کو اگر وہ آجائے تو داخل کرنا،
قدموا واحضر عبد اللہ بن	عبد اللہ بن عمر کو بھی بلا لینا لیکن اس کا
عمر ولا شئی لہ من الامر وقم	حصہ خلافت میں نہیں ہے اور تم ان لوگوں
علی رؤسہم فان اجتمع خمسۃ	کے سر پر کھڑے رہنا پس اگر ان میں سے پانچ
ورضوا رجلا وابی واحد فاشدخ	ایک طرف ہوں اور چھٹا مخالف ہو تو اس
راسہ او اضرب راسہ بالسیف	چھٹے کو قتل کر دینا، اور اگر چار ایک
وان اتفق اربعۃ فرضوا رجلا	طرف ہوں اور دو مخالف ہوں تو ان

منهم وابى اثنان فاضربوا
رؤسهما فان رضى ثلاثة
رجلا منهم وثلاثة رجلا
منهم فحكموا عبد الله ابن عمر
فاى الفريقين حكم له فليختاروا
رجلا منهم فان لم يرضوا
بحكم عبد الله بن عمر فكونوا
مع الذين فيهم عبد الرحمٰن
بن عوف واقتلوا الباقين
ان رغبوا عما اجتمع عليه
الناس فخرجوا فقال علىٌ لقوم
كانوا معه من بنى هاشم
ان اطيع فيكم قوم لم تؤمّروا
ابدا وتلقاه العباس فقال
عدلت عنا فقال وما علمك
قال قرن بى عثمان وقال
كونوا مع الاكثر فان رضى
رجلان رجلا ورجلان رجلا
فكونوا مع الذين فيهم
عبد الرحمن بن عوف فسعد
لا يخالف ابن عمه عبد الرحمن
وعبد الرحمٰن صهر عثمان لا
يختلفون فيوليها عبد الرحمٰن

دو کو قتل کر دینا اور اگر تین ایک طرف ہوں
اور تین ان کے مخالف ہوں تو میرے بیٹے
عبداللہ ابن عمر کو ثالث مقرر کر لینا اور جس
فریق کے حق میں عبداللہ فیصلہ کرے اس میں
کا ایک شخص خلیفہ بنا لینا اور اگر عبداللہ کے فیصلے
سے یہ لوگ راضی نہوں تو پھر تم سب اس طرف
ہونا جدہر عبدالرحمٰن ابن عوف ہوں اور
اگر فریق مخالف اس فیصلہ سے ناراض ہو
تو ان سب کو قتل کر دینا، پھر وہ سب لوگ باہر
آگئے علی نے بنو ہاشم کی جماعت سے جو
ان کے ساتھ تھی کہا کہ اگر میں ان کی اطاعت
کرتا رہوں گا تو یہ لوگ کبھی تم کو خلیفہ
نہ بنائیں گے، اور عباس ان سے
ملے تو حضرت علی نے کہا کہ اس دفعہ
بھی ہم سے خلافت کو دور کر دیا، عباس
نے کہا کہ کیونکر، حضرت علی نے کہا
کہ میرے ساتھ عثمان کو لگا دیا
ہے اور شرط رکھی ہے کہ اکثریت جس کے ساتھ ہو
وہ خلیفہ ہو پس اگر دو ایک طرف اور دو ایک طرف
ہوں اور اس شرط کی وجہ سے وہ خلیفہ ہو جس
کی طرف عبدالرحمٰن ہو یہ نتیجہ ہوگا کہ سعد تو
اپنے ابن عم عبدالرحمٰن کی مخالفت نہ کریگا اور عبد
الرحمٰن اور عثمان میں رشتہ سسرال کا ہے پس عبدالرحمٰن

عثمان او یلیها عثمان عبد
الرحمن فلو کان الآخران
لم ینفعانی بلہ انی لا ارجو الا
احدهما۔
(حالات شوری) فقال عبدالرحمن
ایکم یخرج منها نفسہ و یتقلد
علی ان یولیها افضلکم فلم
یجبہ احد فقال انخلع منها
فقال عثمان انا اول من
رضی فانی سمعت رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
یقول امین فی الارض امین
فی السماء فقال القوم قد
رضینا وعلیؓ ساکتٌ فقال
ماتقول یا ابا الحسن قال
اعطنی موثقاً لتؤثرن
الحق ولا تتبع الهوی ولا تخص
ذا رحم ولا تالوا الامۃ نصحاً
ودار عبدالرحمن لیالیہ یلقی
اصحاب رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم ومن وافی
المدینۃ من امراء الاجناد
واشراف الناس یشاورهم

عثمان کو یا عثمان عبدالرحمن کو خلیفہ کرینگے
پس اگر دو باقی میرے ساتھ ہوں گے تب بھی
کچھ فائدہ نہ ہوگا اور میرا تو خیال ہے کہ شاید
ایک ہی میرے ساتھ ہو۔
(حالات شوریٰ) عبدالرحمن نے ممبران
شوریٰ سے کہا کہ تم میں سے کون اپنے تئیں
اس امر سے خارج ہوتا ہے اور مجھے اختیار
دیتا ہے کہ میں تم سب میں سے بہترین شخص کو
خلیفہ مقرر کردوں کسی نے اس کا جواب نہ
دیا، اس پر عبدالرحمن نے کہا کہ اچھا میں
تئیں نکال لیتا ہوں، اس پر عثمان
نے کہا کہ سب سے پہلے میں تم سے راضی
ہوں کیونکہ جناب رسولخدا فرمایا کرتے تھے کہ
جو اس دنیا میں امین ہے وہی آسمانوں پر بھی
امین ہے پس وہ لوگ بولے کہ ہم راضی ہیں لیکن
علی خاموش رہے عبدالرحمن نے کہا کہ ابوالحسن تم کیا
کہتے ہو حضرت علی نے کہا کہ میری یہ شرط ہے کہ اگر تم انصاف
کرو حق کی تابعداری کرو اپنی خواہش کی پیروی نہ کرو اپنے رشتہ داروں کا پاس نہ کرو
اور عبدالرحمن راتوں کو اصحاب رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مشورہ کرتے
تھے اور نیز مدینہ کے شرفاء و امراء لشکر
سے جو مدینہ میں تھے مشورہ کرتے تھے
پس جس سے وہ ملتے تھے وہ عثمان کو

ولا يخلو برجل الا امره بعثمان
حتى اذا كانت الليلة التي
يستكمل في صبيحتها الاجل
اتى منزل المسور بن مخرمة بعد
ابهيرار من الليل فايقظه
فقال الا اراك نائما ولم اذق
في هذه الليلة كثير غمض
انطلق فادع الزبير وسعدا
فدعاهما فبدا بالزبير
في مؤخر المسجد في الصفة
التي تلي دار مروان فقال
له خل ابني عبد مناف
وهذا الامر قال نصيبي لعلي
وقال لسعد انا وانت كلالة
فاجعل نصيبك لي فاختار
قال ان اخترت نفسك
فنعم وان اخترت عثمان
فعلي احب الي ايها الرجل
بايع لنفسك وارحنا وارفع
رؤسنا قال يا ابا اسحق اني
قد خلعت نفسي منها على
ان اختار ....
قال سعد فاني اخاف ان يكون

ہی خلیفہ مقرر کرنے کا مشورہ دیتا تھا
پس اس رات کو جس کی صبح کو یہ امر
خلافت طے ہونا تھا، عبد الرحمٰن
مسور بن مخرمہ کے مکان پر آئے اور
ان کو جگایا، اور کہا کہ اس رات میری
تو پلک نہیں جھپکی ۔ پس تم جاؤ اور سعد
اور زبیر کو بلا لاؤ، پس وہ دونوں
آگئے، عبد الرحمٰن نے پہلے زبیر سے مسجد
میں خلوت کی اس جگہ پر جو مروان
کے مکان سے متصل تھی، اور ان سے
کہا کہ اولاد عبد مناف میں سے کس کے
لئے تمہاری رائے ہے، زبیر نے کہا کہ
میرا حصہ تو علی کے لئے ہے۔ پھر عبد الرحمٰن
نے سعد سے کہا کہ ہم تم تو ایک ہی ہیں۔
تم اپنا حصہ مجھ کو دیدو۔ سعد نے کہا
کہ منظور ہے اگر تم خود خلیفہ بنو، لیکن اگر
تم عثمان کو خلیفہ کرنا چاہتے ہو تو میں
علی کو ترجیح دیتا ہوں۔ میں تو یہ کہتا
ہوں کہ تم خود بیعت لے لو، اور ہم
کو اس مخمصہ سے آزاد کرو۔ عبد
الرحمٰن نے کہا کہ اے ابا اسحٰق میں نے
تو اپنے تئیں اس سے نکال لیا ہے۔
سعد نے کہا، معلوم ہوتا ہے کہ تم میں ضعف

الضعف قد ادرکک فامض لرایک
فقد عرفت عهد عمر وانصرف
الزبیر وسعد وارسل المسور
بن مخرمة الی علیؓ فناجاه طویلا
وهو لا یشک انه صاحب الامر
ثم نهض وارسل المسور الی
عثمان فکان فی نجیهما حتی بینهما
اذان الصبح فقال عمرو بن میمون
قال لی عبد الله بن عمر یا عمرو
من اخبرک انه یعلم ما کلم
به عبد الرحمن ابن عوف علیا
وعثمان فقد قال بغیر علم
فوقع قضاء ربک علی عثمان ...
فقال عمار ایها الناس ان الله
عزوجل اکرمنا بنبیه واعزنا
بدینه فانی تصرفون هذا
الامر عن اهل بیت نبیکم
فقال سعد بن ابی وقاص
یا عبد الرحمن افرغ قبل ان
یفتتن الناس فقال عبد
الرحمن انی قد نظرت وشاورت
فلا تجعلن ایها الرهط علی
انفسکم سبیلا ودعا علیا

آگیا ہے، جو تمہاری رائے ہے وہ کرو یہ
تو تم کو معلوم ہی ہے کہ عمرؓ کیا چاہتے تھے اس
کے بعد زبیر و سعد چلے گئے تو عبد الرحمٰن
نے مسور کو علیؓ کے پاس بھیجا۔ پس علیؓ آئے اور
دیر تک عبد الرحمٰن نے علیؓ سے ایسی گفتگو
کی کہ معلوم ہوتا تھا کہ وہ علیؓ کو خلیفہ مقرر
کرینگے، پھر عبد الرحمٰن اُٹھے اور مسور کے
ذریعے سے عثمانؓ کو بلایا۔ وہ آئے تو
ان سے صبح تک تنہائی میں گفتگو کرتے
رہے عمرو بن میمون کہتے ہیں کہ مجھ سے عبد
اللہ ابن عمرؓ نے پوچھا کہ آپس میں کیسی
گفتگو ہوئی ہیں نے جواب دیا کہ قضائے
ربانی عثمانؓ کی طرف ہے۔
عمار نے کہا کہ اے لوگوں خدا وند تعالیٰ
نے ہم کو اپنے رسول کی وجہ سے عزت
دی ہے تم لوگ کیوں خلافت کو رسول
کے خاندان سے نکالتے ہو۔ . . . . .
پس سعد نے کہا کہ اے عبد الرحمٰن اپنا کام
فوراً ختم کرو، قبل اس کے کہ لوگوں میں
فتنہ ہو۔ عبد الرحمٰن نے کہا کہ میں
نے فیصلہ کر لیا ہے۔ اے لوگو تم
فساد نہ کرو، اور پھر علیؓ کو بلا کر کہا
کہ تم عہد کرتے ہو کہ کتاب خدا

فقال علیك عهد الله و میثاقه لتعملن بكتاب الله و سنة رسوله و سیرة الخلیفتین من بعده قال ارجوان افعل و اعمل بمبلغ علمی و طاقتی و دعا عثمان فقال له مثل ما قال لعلی قال نعم فبایعه فقال علی حبوته حبو دهر لیس هذا اول یوم تظاهرتم فیه علینا فصبر جمیل و الله المستعان علی ما تصفون و الله ما ولیت عثمان الا لیرد الامر الیك و الله كل یوم هو فی شان..

سنت رسول اور ابوبکر و عمر کی سیرت پر عمل کروگے، علی نے کہا کہ امید کرتا ہوں کہ میں اپنی علم و طاقت کے مطابق کام کروں پھر عثمان کو بلا کر اونہوں نے یہ ہی بات کہی تو عثمان نے فوراً اقرار کر لیا۔ پس عبدالرحمٰن نے عثمان سے بیعت کر لی، اس پر حضرت علی نے کہا کہ تم نے عثمان کو بغیر حق و استحقاق کے بخشش کی ہے یہ پہلا دن نہیں ہے کہ امر خلافت میں تم نے ہم پر غلبہ کیا ہے پس صبر جمیل ہی مناسب ہے اور خداوند تعالیٰ ہماری مدد کریگا جو تم کرتے ہو بخدا تم نے عثمان کو اسوجہ سے حکومت دی ہو کہ وہ یہ حکومت تم کو ہی واپس کردے یعنی دراصل تم ہی حاکم ہو اور وہ تمہاری ماتحت کام کرے خداوند تعالیٰ غنی و حمید ہے.....

فخرج علی و هو یقول سیبلغ الکتاب اجله.........

پس علی باہر آئے اور کہتے جاتے تھے کہ کتاب قدر کا لکھا ہوا پورا ہو کر رہے گا...

فقال المقداد یا عبد الرحمٰن اما والله لقد ترکته من الذین یقضون بالحق و به یعدلون.........

مقداد نے کہا کہ اے عبدالرحمٰن بخدا تم نے اس کو چھوڑ دیا جو حق کے ساتھ فیصلہ کرتا ہے اور انصاف کرتا ہے.....

ما رایت مثل ما اوتی الی اهل هذا البیت بعد نبیهم انی لاعجب من قریش انهم ترکوا رجلا

پس مقداد نے کہا کہ میں نے ایسا ظلم کبھی نہیں دیکھا جیسا ظلم و ستم اس گھر کے لوگوں پر ان کے نبی کے بعد آیا مجھے قریش سے تعجب ہے کہ انہوں نے

ما اقول ان احداً اعلم ولا اقضی
منه بالعدل اما والله لو اجد
علیه اعواناً فقال عبدالرحمن
یا مقداد اتق الله فانی
خائف علیک الفتنة فقال
رجل للمقداد رحمک الله
من اهل هذا البیت و
من هذا الرجل قال اهل
البیت بنو عبدالمطلب
والرجل علی بن ابی طالب
فقال علیؑ ان الناس ینظرون
الی قریش و قریش تنظر الی
بیتها فتقول ان ولی علیکم
بنو هاشم لم تخرج منهم ابداً
وما کانت فی غیرهم من
قریش تداولتموها بینکم

ایسے شخص کو چھوڑا جس سے زیادہ علم و عدل والا کوئی اور نہیں، کاش میرے مددگار ہوتے، عبدالرحمٰن نے کہا کہ اے مقداد خدا سے ڈر، مجھے ڈر ہے کہ تیرے اوپر آفت نہ آجائے، ایک آدمی نے مقداد سے کہا کہ تم پہ خدا رحم کرے اس گھر سے تمہارا کیا مطلب ہے اور اس شخص سے تمہارا کیا مطلب ہے مقداد نے کہا کہ اس گھر سے مطلب بنی عبدالمطلب اور اس شخص سے مطلب علی ابن ابی طالب ہیں۔ حضرت علی نے کہا اور لوگ تو قریش کی طرف دیکھتے ہیں، اور قریش اپنے گھروں کی طرف دیکھتے ہیں یعنی اپنے دنیاوی فائدہ کو مد نظر رکھتے ہیں پس وہ آپس میں کہتے ہیں کہ اگر بنو ہاشم تمہارے اوپر حاکم ہو گئے تو پھر یہ حکومت انکے خاندان سے کبھی نہیں نکلے گی اور اگر انکے علاوہ قریش میں سے کوئی اور حاکم ہوا تو یہ خلافت قریش میں ایک سے دوسرے کی طرف پھرتی رہے گی۔

محمد بن جریر الطبری: تاریخ الامم والملوک الجزء الخامس ص ۳۵، ۳۶، ۳۷، ۳۸۔

نیز ملاحظہ ہو:-

تاریخ حبیب السیر:- جلد اول جزو چہارم ص ۲۷، ۲۸

ابن ابی الحدید:- شرح نہج البلاغہ الجزء الثانی ص ۴۰۹

تاریخ ابی الفداء: الجزء الاول ص ۱۶۵ و ۱۶۶

حضرت عمر حضرت علی کو سب سے زیادہ مستحق خلافت سمجھتے تھے لیکن اُن کو خلیفہ مقرر نہ کرنیکی کبھی کچھ وجہ بیان کردیتے تھے کبھی کچھ

حضرت عمر اور عبداللہ ابن عباس کے جو مکالمے ہم نے اس کتاب کے صفحات ۹۱۷ لغایت ۹۲۱ پر نقل کئے ہیں ان سے ہی یہ بات بہت اچھی طرح واضح ہے علاوہ اُن کے اور بھی حوالہ جات ملاحظہ ہوں علامہ ابو الحسن علی بن محمد بن حبیب المصری الفقیہ الماوردی متوفی ۴۵۰ھ ہجری اپنی کتاب الاحکام السلطانیہ میں لکھتے ہیں کہ:۔

حکی ابن اسحاق ان عمر لما دخل منزله مجروحا سمع هدة فقال ما شان الناس فقالوا یریدون الدخول علیك فاذن لهم فقالوا اعهد یا امیر المومنین استخلف علینا عثمان بن عفان فقال کیف یحب المال والجنة فخرجوا من عنده ثم سمع هدة فقال ما شان النّاس فقالوا یریدون الدخول علیك فاذن لهم فقالوا استخلف علینا علی بن ابی طالب قال اذا یحملکم علی طریقة هی الحق قال عبد الله بن عمر فاکببت علیه عند ذلك فقلت یا امیر المومنین وما یمنعك منه فقال ای بنی اتحمل اعباء الناس حیّا ومیتاً۔

احکام السلطانیہ کا اُردو ترجمہ مولوی سید محمد ابراہیم صاحب ایم۔ اے نے کیا ہے اور شعبۂ تالیف و ترجمہ جامعہ عثمانیہ نے مطبع عثمانیہ سرکار عالی حیدرآباد دکن میں طبع کراکر شائع کیا ہے۔ عبارت مندرجۂ بالا کا ترجمہ اُس کے صفحہ ۲۱ پر اس طرح کیا گیا ہے۔

ترجمہ:۔ ابن اسحاق بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت عمر زخمی ہو کر اپنے مکان میں تشریف لائے تو آپ نے شور و غوغا سنا، پوچھا کیا ہے، بیان کیا گیا کہ لوگ آپ کے پاس آنا چاہتے ہیں، آپ نے انہیں اپنے پاس آنے کی

اجازت دی، ان لوگوں نے کہا امیرالمومنین آپ عثمان کو اپنی جانشینی کے لئے نامزد کر دیجئے آپ نے فرمایا بھلا ایسا شخص کیسے اِس منصب کا اہل ہو سکتا ہے، جو دولت کو بھی چاہے اور جنّت کا بھی طلب گار ہو، یہ جواب سُن کر یہ لوگ آپ کے پاس سے چلے آئے پھر ایک ہنگامہ کی آواز آئی، آپ نے پوچھا کیا ہے، کہا گیا کہ لوگ آپ سے ملنا چاہتے ہیں، آپ نے انہیں اندر آنے کی اجازت دی، اس جماعت نے کہا آپ علی کو ہمارا خلیفہ مقرر فرما تے جائیے، آپ نے فرمایا کہ وہ تمہیں بالکل ظاہری شریعت کے احکام پر چلائیں گے، عبداللہ ابن عمر کہتے ہیں کہ یہ سُن کر میں آپ پر جُھک گیا، اور میں نے کہا امیرالمومنین پھر کیوں آپ علی کو خلیفہ نہیں بنا دیتے، آپ نے فرمایا اے میرے بیٹے کیا تم زندگی اور موت دونوں میں اِس طرزِ عمل کو برداشت کر لوگے ؟"

ہمیں رنج ہوتا ہے کہ اکثر علمائے جماعت حکومت کے متعصبانہ رویہ کی طرف ناظرین کی توجہ مبذول کرنی پڑتی ہے ہم نے یہاں اصل عبارت بھی نقل کر دی ہے۔ مولوی سید محمد ابراہیم نے ترجمہ کیا ہے "وہ (علی) تمہیں بالکل ظاہری شریعت کے احکام پر چلائیں گے"۔ یہ ظاہری اور اندرونی شریعت جناب مترجم صاحب نے کہاں سے لی۔ اصلی عربی فقرہ ہے ا دا یحملکم علی طریقۃ ھی الحق اِس کا صحیح ترجمہ یہ ہے وہ تم کو اس راستہ پر چلائیں گے جو بالکل حق ہے" جب حالت یہ ہے تو ان بزرگوں کی کتابوں پر کیا اعتبار ہو سکتا ہے۔ خیر یہ جملہ معترضہ تھا، اس واقعہ سے ظاہر ہے کہ آپ حضرت عثمان کو خلافت کا نا اہل سمجھتے تھے اور علی کو اس کا مستحق جانتے تھے، یہاں تو یہ عذر کر دیا کہ میں لوگوں کا یہ بوجھ زندگی اور موت میں نہیں اُٹھا سکتا۔ اور تدبیر وہ اختیار کی جس سے عثمان خلیفہ ہو جائیں اور حضرت علی محروم ہو جائیں یہ حضرت عمر کی سیاست کے نمونے ہیں حضرت علی کے متعلق حضرت عمر کی اِس رائے کو اور ان کے اس جواب کو طبری نے بھی اسی طرح لکھا ہے ملاحظہ ہو:-

تاریخ طبری :- الجزو الخامس ص ۳۴ و ۳۵

ابن الاثیر:- بہ تاریخ الکامل الجزء الثالث ص ۲۵

ابن حجر عسقلانی:- فتح الباری۔ الجزء السابع ص ۵۵

حدثنا عبد الوارث بن سفیان قرأة
منی علیہ من کتابی وھو ینظر فی کتابہ
قال حدثنا ابو محمد قاسم بن اصبغ
حدثنا ابو عبید بن عبد الواحد البزاز
حدثنا محمد بن احمد بن ایوب قال
قاسم وحدثنا محمد بن اسمٰعیل بن
سالم الصائغ حدثنا سلیمان بن
داؤد قالا حدثنا ابراھیم بن سعد
حدثنا محمد بن اسحاق عن الزھری
عن عبید اللہ بن عبد اللہ عن ابن
عباس قال انا امشی مع عمر یوما اذ تنفس
نفسا ظننت انہ قد قضیت اضلاعہ
فقلت سبحان اللہ واللہ ما اخرج
منک ھذا یا امیر المومنین الا امر عظیم
فقال ویحک یا ابن عباس ما ادری ما اصنع
بامۃ محمد صلی اللہ علیہ وسلم قلت ولما وانت
بحمد اللہ قادر ان تضع ذلک مکان الثقۃ
قال فی اراک تقول ان صاحبک اولی
الناس بھا یعنی علیا رضی اللہ عنہ قلت اجل
واللہ انی لا قول ذلک فی سابقہ
وعلمہ وقرابتہ وصھرہ قال

(اسمائے راویان عربی میں دیکھو) ابن
عباس سے مروی ہے وہ کہتے ہیں کہ
ایک دن میں حضرت عمر کے ساتھ
جا رہا تھا کہ یکایک اُنہوں نے ایسا
گہرا سانس لیا کہ میں سمجھا کہ ان کی ساری
پسلیاں توڑ کر وہ سانس نکلا ہے۔
میں نے کہا کہ اے امیر المومنین وہ
کون سا امر عظیم تھا جو ان سرد
آہوں کا باعث ہوا، انہوں نے
جواب دیا کہ اے ابن عباس میری
سمجھ میں نہیں آتا کہ امتِ محمدیہ کے
ساتھ کیا کروں میں نے کہا کہ سبحان اللہ
آپ تو اس امر پر قادر ہیں کہ اس کو
اس کے اہل کے حوالے کر دیں یعنی مستحق
شخص کو خلیفہ مقرر کر دیں، انہوں نے
جواب دیا کہ تم علی ابن ابی طالب کی طرف
اشارہ کرتے ہو میں نے کہا ہاں، اور میں
یہ اُن کی سبقت اسلامی، علم،
قرابتِ رسول اور دامادیٔ رسول
کی وجہ سے کہتا ہوں انہوں نے
جواب دیا کہ واقعی علی ایسے ہی

انه كما ذكرت ولكنه كثير الدعابه | ایسے ہی ہیں لیکن ان میں مزاح کی عادت ہے

ابن عبد البر:۔ الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب ترجمہ علی بن ابی طالب ص ۴۸۹ مطبوعہ دائرۃ المعارف حیدر آباد دکن۔
ابن ابی الحدید:۔ شرح نہج البلاغۃ الجزء الثانی ص ۱۱۴
شاہ ولی اللہ:۔ ازالۃ الخفاء۔

حدثنا احمد بن ابراهيم بن يوسف قال حدثنا عمران بن عبد الرحمٰن قال حدثنا يحيى الحماني قال حدثنا الحكم بن ظهير عن عبد الله بن محمد بن على عن ابيه عن ابن عباس قال كنت اسير مع عمر بن الخطاب في ليلة وعمر على بغل وانا على فرس فقرأ اية فيها ذكر على ابن ابى طالب فقال والله يا بنى عبد المطلب لقد كان صاحبكم اولى بهذا الامر منى ومن ابى بكر فقلت فى نفسى لا اقالنى الله ان اقلتك فقلت انت تقول ذلك يا امير المومنين وانت وصاحبك وثبتما وانتزعتما منا الامر دون الناس فقال اليكم يا بنى عبد المطلب اما	(اسمائے رواۃ عربی میں دیکھو) ابن عباس کہتے ہیں کہ ایک دفعہ میں حضرت عمر کے ساتھ رات کو جا رہا تھا وہ خچر پر سوار تھے۔ میں گھوڑے پر سوار تھا، ایک آیت حضرت عمر نے پڑھی جس میں حضرت علیؓ کا ذکر تھا اور کہا کہ قسم بخدا اے بنی عبد المطلب تمہارا صاحب یعنی علی مجھ سے اور ابوبکر سے زیادہ خلافت کا حقدار تھا۔ میں نے دل میں کہا کہ اب میں انہیں جواب شافی دونگا میں نے ان سے کہا کہ اے امیر المومنین آپ یہ کہتے ہیں اور آپ اور آپ کے دوست ابوبکر ہی تو تھے جو خلافت کے لئے اوچکے اور تمام آدمیوں کی نسبت آپ دونوں نے ہم کو ہمارے حق سے محروم کیا۔ اِس پر حضرت عمر کھسیانے ہو گئے اور کہا

انکم اصحاب عمر بن الخطاب و	کہ چلو پس میں چلا، پھر انہوں نے کہا کہ اپنے کلام کو
تاخرت و تقدم هنیئة فقال سر	دوہراؤ میں نے جواب دیا کہ آپ نے ایک بات کہی
اوسرت فقال اعد علی کلامك	تھی میں نے اس کا جواب دیدیا تھا اور اگر آپ
فقلت انما ذکرت شیئا	خاموش رہتے ہیں تو میں بھی خاموش ہوں
فرددت جوابه ولو سکت	انہوں نے کہا کہ قسم بخدا جو کچھ ہم نے کیا وہ کسی
سکتنا فقال والله انا ما فعلنا	عداوت سے نہیں کیا بلکہ وہ عمر میں کم تھے
الذی فعلنا عداوة ولکن	ہم نے خیال کیا کہ عرب و قریش ان کی اطاعت
استصغرناه وخشینا ان لا	نہ کریں گے پس میں نے ارادہ کیا کہ میں جواب
تجتمع علیه العرب وقریش	دوں اور میں نے کہا کہ جب جناب رسولخدا
لما قد وترها فاردت ان	نے علی کو مشکل مہمات پر بھیجا اور سورہ برأۃ
اقول کان رسول الله صلی الله	کی تبلیغ کے لئے بھیجا تب تو نہ آپ نے
علیه وسلم یبعثه فی کبیثه	اور نہ آپ کے دوست نے علی
فینطح کبشها فلم تستصغره	کو کم سن سمجھا، اس پر حضرت عمر نے کہا
انت وصاحبك فقال لا جرم	کہ یہ ٹھیک ہے۔ ہم جناب رسولخدا
فکیف تری والله ما نقطع امرا	صلے اللہ علیہ وسلم کی مخالفت نہیں
دونه ولا نعمل شیئا حتی	کر سکتے تھے۔

نستاذنه۔

طراز المحدثین ابوبکر احمد بن موسی بن مردویہ:۔ کتاب المناقب

حضرت عمر کا جواب قابل غور ہے، اس جواب کا مطلب ہے کہ جناب رسولخدا نے واقعی غلطی تو کی لیکن ہم کیا کرتے۔ مجبور تھے، جب تک وہ زندہ تھے ان کی مخالفت نہیں کر سکتے تھے، علامہ ابوالحسن علی الماوردی کی کتاب الاحکام السلطانیہ کے اردو ترجمے سے ہم ایک اور واقعہ نقل کرتے ہیں:۔

"ابن عباس کہتے ہیں کہ ایک دن میں نے عمر کو بہت بے چین پایا، اور وہ فرماتے

لگے کہ کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ میں خلافت کے بارے میں کیا کروں میں نے کہا آپ علیؓ کو کر دیجئے۔ فرمایا بے شک وہ اس کے اہل ہیں مگر ان میں ظرافت ہے۔"

اردو ترجمہ احکام السلطانیہ ص ۱۸

خلیفہ کے لئے ضروری شرط کہ سیرت شیخین کی پیروی کرے

فبدا بعلی علیہ السلام و قال لہ ابایعک علی کتاب اللہ و سنۃ رسول اللہ و سیرۃ الشیخین ابی بکر و عمر فقال بل علی کتاب اللہ و سنۃ رسولہ واجتہاد رائی فعدل عنہ الی عثمان فعرض ذلک علیہ فقال نعم فعاد الی علی علیہ السلام فاعاد قولہ فعل ذلک عبد الرحمٰن ثلاثا فلما رائی ان علیا علیہ السلام غیر راجع عما قالہ و ان عثمان ینعم لہ بالاجابۃ صفق علی ید عثمان و قال السلام علیک یا امیر المومنین۔

پس عبد الرحمٰن ابن عوف نے علی سے شروع کیا اور کہا کہ میں آپکی بیعت اس شرط پر کرتا ہوں کہ آپ وعدہ کریں کہ کتاب اللہ و سنت رسول اللہ اور سنت شیخین ابو بکر و عمر کی پیروی آپ کرینگے، حضرت علی نے جواب دیا کہ کتاب اللہ و سنت رسول کی پیروی تو منظور کرتا ہوں لیکن سیرت شیخین کا وعدہ نہیں کرتا میں اپنے اجتہاد و رائے پر عمل کرونگا عبد الرحمٰن ابن عوف نے پھر تنہائی میں اسی طرح عثمان کو بلاکر ان سے عہد لیا انہوں نے فوراً منظور کرلیا۔ عبد الرحمٰن نے اسی طرح تین دفعہ علی و عثمان سے پوچھا تینوں دفعہ حضرت علی نے سنت شیخین کی پیروی کرنے سے انکار اور عثمان نے اقرار کیا اس پر عبد الرحمٰن نے عثمان کے ہاتھ پر ہاتھ مارا اور کہا کہ السلام علیک یا امیر المومنین

ابن ابی الحدید :۔ شرح نہج البلاغۃ الجزء الاول ص ۶۳

تاریخ ابن خلدون :۔ لبقیۃ الجزء الثانی من تاریخ ابن خلدون مطبوعہ ۱۲۸۴ھ ص ۱۲۶

شمس التواریخ :۔ ص ۱۲۱۴

تاریخ طبری :۔ الجزء الخامس ص ۳۰۔

تاریخ حبیب السیر :۔ جلد اول جزء چہارم ص ۲۷، ۲۸۔

تاریخ ابی الفدا :۔ الجزء الاول ص ۱۶۵، ۱۶۶۔

حضرت عمر کی خواہش کہ اگر فلاں شخص زندہ ہوتا تو میں اس کو خلیفہ مقرر کرتا

جب حضرت عمر مجروح ہوئے اور لوگوں نے ان سے کہا کہ آپ خلیفہ مقرر کرتے جائیں تو انہوں نے فرمایا کہ کس کو خلیفہ مقرر کروں اگر ابو عبیدہ بن الجراح زندہ ہوتے یا معاذ زندہ ہوتے یا سالم مولیٰ حذیفہ زندہ ہوتے تو ان کو خلیفہ مقرر کرتا، اور جب خدا مجھ سے سوال کرتا تو میں یہ اور یہ جواب دیتا۔

تاریخ طبری :۔ تاریخ الامم والملوک الجزء الخامس ص ۳۴ ۔

تاریخ خمیس :۔ الجزء الثانی ص ۲۷۲

تاریخ الکامل :۔ الجزء الثالث ص ۲۵ ۔

حضرت عمر کا اپنے بیٹے عبداللہ کو ثالث بنوانا اور پھر اس سے کہنا کہ تم اُدھر ہونا جس طرف عبدالرحمٰن ابن عوف ہوں

فحکموا عبداللہ ابن عمر فای الفریقین حکم لہ فلیختاروا رجلاً منہم۔

تاریخ طبری :۔ الجزء الخامس ص ۳۵ ۔

یا عبداللہ ان اختلف القوم فکن مع الاکثر فان تشاوروا فکن مع الحزب الذی فیہ عبدالرحمٰن بن عوف۔

تاریخ الکامل :۔ الجزء الثالث ص ۲۰

ترجمہ (اگر تین ایک طرف اور تین ایک طرف ہوں تو) عبداللہ بن عمر کو ثالث مقرر کرنا۔ پس جس فریق کے حق میں وہ فیصلہ کرے خلیفہ اس میں سے ہو۔

اے عبداللہ اگر اصحاب شوریٰ میں اختلاف ہو تو تم کثرت کی طرف ہونا اور اگر تم سے مشورہ کریں تو تم اس جماعت کی طرف ہونا جدھر عبدالرحمٰن بن عوف ہوں

واقعہ شوریٰ کے حالات ثابت کرنے کے بعد ہم ان واقعات و حالات پر ایک تبصرانہ و تنقیدانہ نظر ڈالتے ہیں، سقیفہ کے واقعات سے بھی حضرت عمر کی سیاست کا اچھا اندازہ ہوتا ہے۔ مگر شوریٰ کے واقعات سے تو وہ سیاست بالکل ہی عریاں ہو جاتی ہے۔

بہت غور و خوض کے بعد حضرت عمر نے شوریٰ کی تجویز سوچی، اس سلسلہ میں حضرت عمر اعلان کرتے ہیں، کہ جناب رسول خدا نے کسی کو اپنا جانشین مقرر نہیں کیا۔ تجویز شوریٰ کا نام اگرچہ دوسرا ہے مگر جیسا کہ ہم ابھی ثابت کریں گے، امر واقعہ یہ ہے کہ حضرت عثمان کو خود حضرت عمر ہی نے خلیفہ مقرر کیا، دوسروں سے مقرر کرانا ایسا ہی ہے جیسا کہ خود مقرر کرنا، اس طرح گویا حضرت عمر نے سنت رسول کی عمداً مخالفت کی۔

جب تجویز شوریٰ حضرت عمر کے دماغ میں مکمل ہو گئی تو انہوں نے سب سے پہلے تنہائی میں عبدالرحمٰن بن عوف کو بلایا، اس سے کچھ باتیں کیں اور یہ عہد لیا کہ اس گفتگو کا ذکر کسی سے نہ کرنا، مگر جائز قیاس و صحیح استدلال کے ذریعے سے ہم معلوم کر سکتے ہیں کہ وہ کیا بات ہو گی جس کے اخفاء کا وعدہ حضرت عمر نے لیا ان دونوں بزرگواروں کے اقوال و افعال ہی چغلی کھاتے ہیں، حضرت عمر نے تاکید کی کہ اگر ممبران شوریٰ میں اختلاف ہو تو میرا بیٹا عبداللہ ثالث ہو اور عبداللہ کو ہدایت کی کہ تم ادھر ہو جانا جدھر عبدالرحمٰن ابن عوف ہوں بلکہ دیگر لوگوں کو بھی یہی ہدایت دی کہ جدھر عبدالرحمٰن بن عوف ہوں وہ ہی خلیفہ ہو گا، عبدالرحمٰن ابن عوف کا طرز عمل صریحاً بتا رہا ہے کہ ان کی ساری کوشش یہ تھی کہ کسی طرح حضرت عثمان خلیفہ ہوں، پھر شوریٰ کی ترکیب و ساخت جس کا تذکرہ ہم ابھی کرتے ہیں ایسی تھی کہ علی خلیفہ ہو ہی نہیں سکتے تھے، اور عثمان کا خلیفہ ہونا تقریباً یقینی تھا، ان تمام امور کے ساتھ جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ تجویز شوریٰ سے پہلے ہی حضرت عمر نے یہ ارادہ کر لیا تھا کہ میرے بعد عثمان خلیفہ ہوں تو پھر ہم کو یقین ہو جاتا ہے کہ عبدالرحمٰن بن عوف سے تنہائی میں بلا کر حضرت عمر نے کیا ہدایت دی تھی جس کے اخفاء کا حکم دیا گیا، وہ ہدایت یہی تھی کہ دیکھو کسی نہ کسی طرح حضرت عثمان ہی کو خلیفہ مقرر کرانا، جب ہی تو ہم دیکھتے ہیں کہ جب شوریٰ میں تین دن کے اندر کچھ فیصلہ نہ ہو سکا، تو عبدالرحمٰن بن عوف نے باہر جا کر لوگوں سے تجاویز و تدابیر سوچنی شروع کیں کہ کس طرح عثمان کو خلیفہ مقرر کیا جائے۔

آخر کار عمرو بن العاص نے وہ ترکیب بتائی جو کامیاب ہوگئی، اس طرح باہر جاکر تمام لوگوں سے دریافت کرنا، حضرت عمر کی ہدایت کے خلاف تھا۔ اُنہوں نے تو صہیب کو حکم دیا تھا کہ پچاس آدمیوں کے ہمراہ تم دروازہ پر رہنا جب تک یہ لوگ اپنے فیصلہ کا اعلان نہ کرچکیں اور اتنے عرصہ میں کسی کو اندر نہ آنے دینا اور ان سے گفتگو نہ کرنے دینا، مگر عبدالرحمٰن نے اس کے خلاف کیا۔ کیوں؟ وہ جانتے تھے کہ یہ تو محض تدابیر تھیں۔ حضرت عمر کے اصلی مقصد کو مدنظر رکھنا چاہیئے، اگر خلافِ قیاس ممبران شوریٰ حضرت علی کے معقول و مدلل گفتگو اور اُن کے احتجاجات سے مؤثر ہوکر مذبذب ہو جائیں تو پھر حضرت عمر کے دلی مقصد کے حاصل کرنے کی غرض سے اُن کی ظاہری ہدایات کے باہر بھی چلے جائیں تو کچھ ہرج نہیں، یہ امر کہ حضرت عمر نے اپنے زخمی ہونے سے پہلے ہی سوچ رکھا تھا کہ عثمان کو خلیفہ کرنا ہے عیاں ہے۔

عن حذیفہ قال قیل لعمر بن الخطاب وھو بالمدینۃ یاامیر المومنین من الخلیفہ بعدک قال عثمان۔	حذیفہ کہتے ہیں کہ لوگوں نے حضرت عمر سے مدینہ میں پوچھا کہ آپ کے بعد کون خلیفہ ہوگا تو آپ نے فرمایا کہ عثمان۔

علی المتقی:۔ کنزالعمال الجزء الثالث ص ۱۵۸ حدیث ۲۴۳۴ مطبوعہ دائرۃ المعارف دکن۔

حدثنا ابن ابی ادریس عن شعبۃ عن ابی اسحٰق عن حارثۃ عن مطرف قال حججت فی امارۃ عمر فلم یکونوا یشکون ان الخلافۃ من بعدہ لعثمان	مطرف کہتے ہیں کہ لوگوں کو اس امر میں مطلقاً شک نہ تھا کہ حضرت عمر کے بعد عثمان خلیفہ ہوں گے۔

علی المتقی:۔ کنزالعمال الجزء الثالث ص ۱۶۰ حدیث ۲۴۵۹

اب ہم اِن واقعات پر ایک اجمالی نظر ڈالتے ہیں ان سے صاف ظاہر ہے کہ تجویز و ترکیب و تنظیم شوریٰ محض حضرت علی کو خلافت سے محروم کرنے کا ایک

بہانہ تھا، ساختِ شوریٰ اور وہ ہدایات جو اربابِ شوریٰ اور اس کے متعلقین کو دی گئیں وہ نہ کسی اصول پر مبنی تھیں اور نہ قواعد سے وابستہ، اور نہ سنتِ رسول کی پیروی مطلوب تھی، اس کی حمایت نہ منطق کر سکتی ہے اور نہ عقل، اس کا مقصدِ واحد یہ تھا کہ کسی طرح خلافت بنو ہاشم و اہلِ بیتِ رسول میں نہ چلی جائے

تمام روایات اس امر پر متفق ہیں کہ حضرت عمر حضرت علی کو خلافت کے لئے ہر طرح سے اہل سمجھتے تھے، وہ مانتے تھے کہ اگر حکومت حضرت علی کو مل گئی، تو وہ اس کو حق مبین و صراط مستقیم پر چلائیں گے۔ مسلمانوں کی ہدایت و صراطِ مستقیم پر استقامت ہی تو خلافت و حکومت الہیۃ کی وجہ ہست و بود تھی یہی نہیں بلکہ وہ یہ بھی تسلیم کرتے تھے کہ خلافت حضرت علی کا حق ہے اور ان پر ظلم ہوا ہے چونکہ کوئی معقول وجہ حضرت علی کو خلیفہ نہ مقرر کرنے کی نہیں تھی لہٰذا حضرت عمر نے کبھی تو یہ کہہ کر ٹال دیا کہ میں تو اب مر رہا ہوں اپنے اوپر یہ بوجھ اور ذمہ داری کیوں لوں کبھی یہ کہہ دیا کہ چونکہ حضرت علی کو خلافت کی خواہش ہے لہٰذا میں ان کو خلیفہ مقرر نہیں کرتا، کبھی یہ کہہ دیا کہ حضرت علی کی خوش مزاجی (دعابہ) ان کے اور خلافت کے درمیان حائل ہے، حضرت علی نے جب دیکھا کہ نااہل لوگوں کے ہاتھوں میں اسلام و حکومتِ الٰہیہ خراب ہو رہے ہیں تو ضرور ان کے دل میں خواہش ہونی چاہیئے تھی کہ حکومت کو خود لے کر اسے برائی کی طرف جانے سے بچانا چاہیئے، بوجھ والا عذر بھی کچھ نہیں، شوریٰ کی ترکیب و ساخت اور اربابِ شوریٰ کے لئے ہدایتیں تجویز کر کے سارا بوجھ تو اپنے اوپر لے لیا، اب باقی کیا رہا، اور خوش مزاجی والے عذر کو سُن کر تو ہمیں شیخ سعدی کا یہ شعر یاد آتا ہے ؎

ہنر بچشمِ عداوت بزرگ تر عیبے است گل است سعدی و در چشمِ دشمناں خار است

یہ تو جنابِ امیر کا ہنر تھا جس کو وہ عیب سمجھے، ایسے مکروہاتِ دنیا میں رہ کر جس میں حکومت کی جماعت نے انہیں ڈال دیا تھا، خوش مزاج رہنا ایک صفت تھی، جس کو صاحبانِ غور و فکر ہی سمجھ سکتے ہیں۔ لوگوں سے وہی شخص خوش مزاجی کریگا

جو ان کے ساتھ ہمدردی رکھتا ہے اور اُن کے رنج و غم و خوشی و الفت کو اچھی طرح محسوس کرتا ہے، اپنے حقوق پامال ہوتے ہوئے دیکھنا، اور پھر خوش مزاج رہنا رضا بالقضائے الٰہی کا بہترین نمونہ امت کی تقلید کے لئے پیش کرتا ہے، حضرت عمر کی اس نکتہ چینی کے متعلق علامہ شبلی کہتے ہیں۔

"حضرت عمر نے اور بزرگوں کی نسبت جو خردہ گیریاں کیں گو ہم نے ان کو ادب سے نہیں لکھا، لیکن ان میں جائے کلام نہیں، البتہ حضرت علی کے متعلق جو نکتہ چینی حضرت عمر کی زبانی عام تاریخی کتابوں میں منقول ہے یعنی یہ کہ ان کے مزاج میں ظرافت ہے۔ یہ ایک خیال ہی خیال معلوم ہوتا ہے۔ حضرت علی ظریف تھے مگر اسی قدر جتنا ایک لطیف المزاج بزرگ ہو سکتا ہے۔

الفاروق:۔ حصۂ اول۔ ص ۲۰۴ حاشیہ

علامہ شبلی کا یہ فیصلہ اس امر پر قطعی سمجھا جانا چاہیئے وہ مانتے ہیں کہ دیگر ممبران شوریٰ کے جو عیب بیان ہوئے وہ واقعی درست تھے، اور حضرت علی کے خلاف صرف عادتِ مزاح ہی بیان کی گئی اور وہ بھی محض خیال ہی خیال تھا، گویا حضرت علی میں کوئی عیب نہ تھا۔

اب علامہ شبلی کی رُوح کو مخاطب کر کے کہتا ہوں کہ جب حالت یہ تھی تو حضرت علی ان سب میں افضل ہوئے، افضل ترین شخص کے موجود ہوتے ہوئے اُسے خلیفہ نہ مقرر کرنا عدلِ فاروقی ہی کے اصول و ضوابط کی رو سے جائز ہو سکتا ہے، عقلِ سلیم تو انگشت بدنداں ہے، علامہ ابن ابی الحدید نے بھی اس دعابہ والی نکتہ چینی کا خوب جائزہ لیا ہے، اور اس کو ایک عذرِ نامعقول ثابت کیا ہے، آخر میں علامہ مذکور کہتے ہیں کہ حضرت علی میں اسی طرز اور اسی حد کا مزاح تھا جو جناب رسولخدا میں تھا۔ شرح نہج البلاغہ الجزء الاول ص ۸۔ باوجود مستحق ترین ہونے کے خلافت سے حضرت علی محروم کئے گئے اس سے ایک ہی نتیجہ نکلتا ہے اور وہ یہ کہ حضرت عمر کی سیاست کا یہ مقصدِ اول تھا کہ حکومت خاندان رسالت میں نہ جائے، اور جس

جماعت کو حضرت عمر نے خود خلافت حاصل کرنے کے لئے حضرت علی کے خلاف مرتب اور منظم کیا تھا، اور جس کی سرکردگی و نمایندگی آپ مختلف موقعوں پر جناب رسولِ خدا کی زندگی میں اور ان کے بستر مرگ پر کر چکے تھے وہ نہیں چاہتی تھی کہ حضرت علی خلیفہ ہوں یا بنی ہاشم میں خلافت جائے، خلیفہ گری کا چسکا پڑ گیا تھا ایسے کو خلیفہ کرینگے جو اپنے ہاتھوں کے نیچے دبا رہے۔

وہ ہی واقعہ دوبارا ہوا لہذا ہم بھی اپنے تبصرہ کی تکرار کئے بغیر نہیں رہ سکتے ادھر حضرت عمر کے زخم کاری لگا اُدہر لوگوں نے فوراً التجا شروع کر دی کہ آپ ہم پر خلیفہ مقرر کر دیں، اور جناب رسولخدا کو خلیفہ کے بارے میں وصیت لکھنے سے باز رکھا گیا، اس سے اچھی طرح عیاں ہے کہ ایک منظم تدبیر کی وجہ سے حضرت علی کے خلاف ایک جماعت کثیر پیدا ہو گئی تھی جس کا مقصد اولی حضرت علی کو خلافت سے محروم کرنا تھا۔

اب تو جناب عمر نے حجرۂ رسول کو جو متروکۂ رسول تھا ورثہ حضرت عائشہ تسلیم کر کے ان سے اپنے دفن کی اجازت چاہی اور اس کو اتنا ملحوظ رکھا کہ جنازہ بھی جائے تو دوبارہ بغیر اجازت کے اندر داخل نہ ہو، لیکن فدک کی واپسی کے وقت حدیث لَا نُورِثُ یاد آ گئی، غالباً اتنے عرصہ میں وہ حافظہ سے اُتر گئی، آپ کا حافظہ بھی تو آپکی سیاسی تدابیر کے ماتحت رہتا تھا ہمیں ان بزرگواروں کے علم فقہ و منطق پر تعجب آتا ہے حضرت عمر کی قبر کے لئے تو حضرت عائشہ نے بہت مستعدی و خوشنودی سے اپنے حجرہ میں جگہ دیدی مگر جب نواسۂ رسولؐ کا جنازہ اس غرض سے آیا تو بہت سختی سے آپ نے ممانعت کی اور اس پر بنو امیہ سے تیر برسوائے۔ ان دونوں بزرگواروں کا طرزِ عمل بالکل ایک دوسرے کے مخالف ہے، حضرت عمر نے تو اس حجرے کو حضرت عائشہ کی ملکیت ظاہر کرنے میں اتنا مبالغہ کیا کہ زندگی میں بھی ان سے اجازت لی، اور وصیت کی کہ مرنے کے بعد بھی جب جنازہ وہاں جائے تو اجازت لی جائے برخلاف اس کے جناب امام حسن علیہ السلام نے حضرت عائشہ کی ملکیت کو مطلقاً تسلیم

نہیں کیا، اور اپنے بھائی کو وصیت کی کہ ان کو ان کے نانا کے پہلو میں دفن کیا جائے، حضرت عائشہ سے اجازت نہ خود لی اور نہ امام حسین سے کہا کہ وہ اجازت لے لیں، اور امام حسین بھی جنازہ کو اُدھر لے چلے بغیر حضرت عائشہ سے اجازت لئے ہوئے، اب دیکھنا یہ ہے کہ بروئے شرع محمدی کس کا طرز عمل درست تھا، یہ تو ظاہر ہے کہ حضرت عائشہ نے یہ حجرہ اپنے روپے سے نہیں خریدا تھا، جناب رسولخدا نے یہ حجرے اپنے لئے بنوائے تھے اور اپنی ازواج کو اُن میں رکھا ہوا تھا۔ **نور الدین سمہودی:۔ وفاء الوفاء باخبار دار المصطفے الجزء الاول۔ باب الرابع** فصل التاسع ص ۴۲۵۔ نہ حضرت عائشہ نے کبھی دعویٰ کیا، اور نہ کوئی مورخ کہتا ہے کہ یہ حجرہ آنحضرت نے حضرت عائشہ کو ہبہ کر دیا تھا، اور جناب رسولخدا کا طرز عمل اس کے خلاف ہے۔ صحیح بخاری کی حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جناب رسولخداؐ کے اِس قول کی بناء پر کہ نبی وہیں دفن کیا جاتا ہے جس جگہ انتقال کرے، آنحضرت کو وہاں دفن کیا گیا، آنحضرت جانتے تھے کہ آپ کا انتقال اس جگہ ہوگا، آپ یہ بھی جانتے تھے کہ میں نے کہا ہوا ہے کہ نبی [illegible] دفن کیا جاتا ہے جہاں وہ انتقال کرے، اس پر بھی آنحضرت نے یہ نہ کہا کہ مجھے یہاں عائشہ کی اجازت لے کر دفن کرنا، کیونکہ میں یہ حجرہ اسے ہبہ کر چکا ہوں، لہٰذا آنحضرت کے انتقال پر یہ حجرہ جناب رسول خدا کا ترکہ ہوا، اور اس میں زوجہ واولاد کا حصہ بروئے شرع محمدی ہوا۔ جناب فاطمہؑ کے انتقال پر ان کا حصہ اُن کی اولاد اور شوہر کو ملا، اور جناب علی مرتضیٰ کی رحلت پر ان کا حصہ بھی ان کی اولاد کو ملا، اندریں صورت حضرت عائشہ کا حصہ اس میں محض ⅛ تھا، اور اس سے زیادہ پر وہ قابض تھیں، لہٰذا جناب امام حسنؑ کا حق تھا کہ بغیر عائشہ کی اجازت کے وہاں دفن ہونے کی وصیت کریں، خیر یہ جملہ معترضہ تھا۔ ہم تو فدک کے واقعہ سے مقابلہ کر رہے تھے، یہاں تو بغیر شاہد و شہادت طلب کئے ہوئے حضرت عائشہ کی ملکیت تسلیم کرتے ہیں، وہاں قبضہ وشہادت اور شاہد کے ہوتے ہوئے بھی انکار کرتے ہیں، یہ ہیں حضرت عمر کی سیاست کے

نمونے اور عدلِ فاروقی کی مثالیں۔

جناب عمر کی گفتگو سے ثابت ہے کہ اِن بزرگواروں کے عقیدہ کے مطابق جناب رسولِ خدا نے کسی کو اپنا جانشین مقرر نہیں فرمایا، مگر حضرت ابوبکر نے جناب رسول خدا کی سنت کے خلاف حضرت عمر کو خلیفہ مقرر کیا، یہ وہی حضرت ابوبکر ہیں جنھوں نے فدک کے معاملہ میں فرمایا تھا کہ میں جناب رسول خدا کے عمل سے یک سرِمو تجاوز نہیں کرنا چاہتا، اِن بزرگواروں کی ذہنیت اور دماغی کیفیت ان کے ہر ایک قول سے ہر ایک عمل سے نمایاں ہے، دیکھنے والی آنکھ چاہیئے۔

حضرت عمر کی رائے میں جناب ابوعبیدہ بن الجراح، معاذ بن جبل، خالد بن ولید اور سالم حضرت حذیفہ کے غلام حضرت علی سے بدرجہا افضل اور خلافت کے لئے موزوں تھے، کہ اگر وہ زندہ ہوتے تو ان کو بغیر کسی تردد کے خلیفہ مقرر کر دیتے زبان و دل کا فرق تو دیکھئے خالد بن ولید وہی ہیں جن کو آپ اس قابل بھی نہیں سمجھتے تھے کہ لشکر کی افسری کر سکیں، فوراً خلیفہ ہوتے ہی ان کو معزول کر دیا اور ان کے حق میں طعن آمیز کلمات کہے، بلکہ ان کو خائن تک سمجھا۔ لیکن اب اگر زندہ ہوتے تو وہ حضرت علی سے بدرجہا بہتر تھے، اور فوراً خلیفہ مقرر کر دئے جاتے معاذ بن جبل وہی ہیں کہ جب انہوں نے یمن میں تجارت کر کے اپنا مال بڑھا لیا، تو حضرت عمر نے حضرت ابوبکر کو مشورہ دیا کہ ان کا سارا مال چھین لو، یہ خیانت کا روپیہ ہے، صرف قوتِ لایموت کے لئے رہنے دو۔ ابن عبدالبر:۔ الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب۔ الجزء الاول۔ ترجمہ معاذ بن جبل۔ سنہ ۱۸ ہجری میں ۳۸ سال کی عمر میں طاعون ہو گیا اور شام میں انتقال کیا معلوم نہیں حضرت علی سے زیادہ وافضل کون سی کار نمایاں کئے تھے کہ اگر زندہ ہوتے تو باوجود کم عمر ہونے کے بھی بغیر شوریٰ کے خلیفہ بنا دئے جاتے۔ صہیب کو جب امامت نماز کے لئے مقرر کیا تو فرمایا کہ اس کی امامت نماز سے کچھ خطرہ نہیں، وہ غلام ہے اِس امر خلافت کے لئے تنازعہ نہیں کریگا، اور اپنے تئیں اس کا ایک

امید وار نہیں سمجھے گا، اور اب حسرت ہے کہ کاش سالم زندہ ہوتے تو میں ان کو علی پر ترجیح دیتا، آخر ان بزرگواران کے قول و فعل میں کہیں کچھ منطق واصول بھی ہے، یا جیسا موقعہ دیکھا کہہ دیا، ان سارے لوگوں کے متعلق تو جناب رسولخدا کے معروضہ اقوال یاد آگئے، لیکن جناب علی مرتضیٰ کے متعلق آنحضرت کے بے شمار اقوال تھے ان میں سے ایک بھی یاد نہ رہا، ابھی تو حضرت علی کو مومنین کے مولا ہونے پر مبارکباد دی تھی، ابھی بھول گئے، حضرت عمر کی خصوصیات میں سے ہے کہ ان کا حافظہ ہمیشہ ان کی سیاسی مقاصد و تجاویز کے ماتحت رہتا ہے، حضرت علی کا کرار غیر فرار ہونا یاد نہ رہا، حدیث منزلت بھول گئے، حدیث ولایت نسیاً منسیاً ہوگئی، لَا فَتٰی اِلَّا عَلِی لَا سَیْفَ اِلَّا ذُوالْفِقَارِ کا مشہور فقرہ حافظہ سے اوترگیا۔ یہ یاد نہ رہا کہ جس عمرو ابن عبدود کی شجاعت کی میں اتنی تعریف کیا کرتا تھا اُس کو علی نے ایک وار میں قتل کرکے دربار رسالت سے ضربۃ علیؑ یوم الخندق افضل من اعمال امتی الیٰ یوم القیامۃ کا تمغہ حاصل کیا، خود حضرت عمر فرمایا کرتے تھے کہ چار خصوصیات حضرت علی کی ایسی ہیں کہ اگر ایک بھی ان میں سے مجھے ملی ہوتی تو وہ دنیا کی ہر ایک نعمت سے مجھے زیادہ عزیز ہوتی، یہ سب اُمور طاق نسیاں میں رکھے گئے یاد رہا تو کیا سیف اللہ، امین امت، حفظ قرآن۔ حضرت علی کے خطابات کے تو موقعے سب معلوم ہیں۔ معلوم نہیں کہ ان خطابات کے موقعے کب آئے تھے خالد ابن ولید کے متعلق ہم کو فقط اتنا معلوم ہے کہ بنو جذیمہ کی طرف آپ بھیجے گئے تھے، اونہوں نے کہا کہ ہم مسلمان ہیں۔ خالد نے کہا کہ اچھا اگر تم مسلمان ہو تو ہتھیار رکھ دو، انہوں نے خالد پر بھروسہ کرکے ہتھیار رکھ دئے حضرت خالد نے اپنا وعدہ توڑ دیا، اور ان سب کو تہِ تیغ کیا، جب آنحضرتؐ کو اس کا علم ہوا تو آسمان کی طرف ہاتھ اُٹھا کر کہا کہ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَبْرَأُ اِلَیْکَ مِمَّا صنع خالد بن الولید۔ یعنی خداوندا میں بری الذمہ ہوں۔ خالد کے فعل سے

پھر آپ نے حضرت علیؓ کو بھیجا کہ دیت خون ادا کریں۔
تاریخ طبری :۔ الجزء الثالث ۔ ص ۱۲۴

اگر اس بہادری کے موقعہ پر آنحضرت نے خالد بن الولید کو سیف اللہ کا لقب دیا ہو تو دیا ہو، ورنہ اور تو کوئی موقعہ نہ تھا، معلوم نہیں آنحضرتؐ نے امت کی کون سی امانت جناب ابو عبیدۃ بن الجراح کے سپرد کی تھی جو انہوں نے ادا کی، ہاں حضرت عمر کی امانت بہت ایمانداری کے ساتھ رکھی تھی، حضرت عمر ان سے خلافت کے متعلق مشورہ کیا کرتے تھے اور سوچا کرتے تھے کہ کس طرح آنحضرتؐ کے بعد خلافت سے حضرت علی کو محروم کیا جائے، وہ تجاویز ابو عبیدہ نے نہایت ایمانداری کے ساتھ اپنے سینہ میں محفوظ رکھیں، سقیفہ والے دن حضرت عمر کی خوب مدد کی ۔ معمولی ذہن کا آدمی بھی سمجھ جائے گا کہ یہ سب بہانے تھے ۔

حضرت عمر کو اس بات کا علم تھا کہ خداوند تعالےٰ ان سے بازپرس کریگا کہ تم نے امت محمدیہ پر کس کو خلیفہ و جانشین مقرر کیا، حضرت ابوبکر کو بھی اس بازپرس کا علم تھا، بلکہ عوام الناس کو اس کا علم تھا، جب ہی تو انہوں نے حضرت ابوبکر سے کہا تھا کہ تم خدا کے یہاں کیا جواب دوگے، کہ ایسی غلیظ طبیعت والے انسان کو خلیفہ مقرر کر رہے ہو، اگر اس بازپرس کا علم نہیں تھا تو جناب رسولخدا ہی کو نہیں تھا کہ انہوں نے اپنا جانشین ہی کوئی مقرر نہ کیا۔

جن چھ بزرگواروں کو جناب عمر نے امیدواران خلافت مقرر کیا تھا ان کو محض اس وجہ سے منتخب کیا تھا کہ جناب رسولخدا ان سے رحلت کے وقت راضی تھے، کیا اور کسی سے آنحضرت اپنی رحلت کے وقت راضی نہ تھے ۔ ممکن ہے کہ جناب عمر کا یہ کہنا درست ہو شاید یہ بزرگوار قضیۂ قرطاس کے وقت آنحضرت کے پاس نہ ہونگے، جتنے اس وقت موجود تھے، وہ تو حضرت عمر کے زیر اثر تھے، اور انہوں نے جناب رسولخداؐ کو ناراض کیا تھا کہ باوجود اس خلق عظیم کے جواب میں تھا آنحضرت کو انہیں وہاں سے دھتکار کر نکالنے کی ضرورت محسوس ہوئی

عجیب لطف ہے اِن امیدوارانِ خلافت میں کوئی انصار نہ منتخب کیا گیا۔ کیا انصار میں سے کسی سے آنحضرت راضی نہ تھے، امر واقعہ تو یہ ہے کہ جناب عمر ان سے راضی نہ تھے، کیونکہ سقیفہ بنی ساعدہ والے دن انہوں نے حضرت عمر کی مخالفت کی تھی، کہاں ہیں وہ لوگ جو حضرت عمر کی مساواتِ اسلامیہ اور عدلِ فاروقی پر سر دُھنتے ہیں آئیں اور اس کا جواب دیں۔ کیا یہ طریقے حکومت الٰہیہ حاصل کرنے کے ہیں۔ یا اس کی ضِد کے حاصل کرنے کے۔

حضرت عمر نے امیدوارانِ خلافت کو مخاطب کر کے کہا کہ اب تک تو امت اسلامیہ میں کوئی تفرقہ و نفاق نہیں ہے۔ اب آئندہ ہوا تو تم اس کے ذمّہ دار ہو گے، کیا حضرت عمر دل سے اس بات کا یقین کرتے تھے، یا یہ محض ایک سیاسی فقرہ تھا، قرطاس والے دن تفرقہ ہوا، جیشِ اسامہ والے دن اختلاف ہوا، اور سقیفہ والے دن تو ایسا تفرقہ و اختلاف ہوا کہ اب تک باقی ہے۔ کیا حضرت عمر اِن سب سے غافل تھے۔

صہیب کی امامتِ نماز کا ہم نے ابھی تذکرہ کیا ہے۔ صہیب کے لئے تو یہ اتنی اَدنیٰ شے تھی، اور حضرت ابو بکر کے لئے وہ اتنی عظیم الشان ہو گئی۔ مساوات کے دلدادگان گریبان میں منہ ڈالیں، ایک شخص محض موالیان میں سے ہونیکی وجہ خلافت کے لائق نہیں سمجھا جاتا، یہی نہیں بلکہ ارشاد ہوتا ہے کہ انصار کا بھی اِس میں کچھ حصہ نہیں، آپ کی ہدایات ہیں کہ حسن بن علی و عبداللہ ابن عباس کو بلا لینا، ان کی موجودگی باعثِ برکت ہو گی، اور انصار کے بڑے بڑے آدمیوں کو بھی بلا لینا لیکن ان میں سے کسی کا حق خلافت میں نہیں ہو گا، جمہوریت کے دلدادگان کے لئے غور کرنے کا موقعہ ہے، ایسا بھی کہیں انتخاب جمہوریت دیکھا ہے کہ چھ آدمیوں کے علاوہ سب عہدے سے محروم، اور وہ چھ آدمی مقرر کرنے والا ایک مطلق العنان حاکم، چونکہ آج کل لوگ جمہوریت کو اچھا سمجھتے ہیں، اور حضرت عمر کو اچھا ثابت کرنا مقصود ہے، لہٰذا اب ضرور کہیں گے کہ حضرت عمر نے جمہوریت

قائم کی، خواہ قائم کی ہو یا نہ کی ہو۔

حضرت عمر کے طرز عمل سے جو لوگوں میں غلامانہ خوشامدانہ ذہنیت پیدا ہو گئی تھی وہ ملاحظہ فرمائیے، حضرت عمر تو صرف اتنا کہتے ہیں کہ میرے بیٹے عبداللہ کو حالت اختلاف میں ثالث مقرر کر لینا، وہ لوگ کہتے ہیں کہ نہیں حضور، آپ ان کو ہمارا حاکم ہی مقرر کر دیں، ہم راضی، ہمارا خدا راضی، ایسے لوگوں کے لئے ادعا کیا جاتا ہے کہ اپنا حاکم مقرر کرنا ان کا حق تھا، لہذا جناب رسولخدا نے خود جانشین مقرر نہ کیا۔

یہ بھی غور کرنے والی بات ہے کہ عبداللہ ابن عمر کو کیوں ان کے والد ماجد نے خلیفہ مقرر نہیں کیا، سیدھا اور صاف جواب تو یہ ہو گا کہ وہ اس قابل نہ تھے اور یہی جواب حضرت عمر نے دیا کہ کیا میں ایسے شخص کو خلیفہ مقرر کروں جو اپنی عورت کو طلاق بھی نہیں دے سکتا، لیکن اصلی وجہ کچھ اور ہی تھی، جب خالد بن خلیفہ ہو سکتے تھے تو عبداللہ بن عمر بہر صورت ان سے تو بہتر تھے، ان سے پہلے ایمان لائے تھے اور اسلام کو ظاہری نقصان اتنا نہیں پہنچایا تھا جتنا کہ خالد بن ولید پہنچا چکے تھے، اصلی وجہ یہ تھی کہ حضرت علی کے خلاف جو علم بغاوت بلند کیا گیا تھا اس کے پیچھے لوگوں کو یہی کہہ کر جمع کیا گیا تھا کہ جناب رسول خدا تو خاندان پروری کر رہے ہیں، ایک ہی خاندان میں حکومت کا رہنا اچھا نہیں، جب اس بحث اور اس اصول پر اس جماعت کا دارومدار رکھا گیا تو اب کس طرح حضرت عمر اس کے خلاف کر کے اپنے بیٹے کو خلیفہ مقرر کرتے، مگر پھر بھی خلیفہ گر کا عہدہ تو دے ہی دیا، جو شخص خلیفہ بنا سکتا ہو وہ خود خلیفہ بننے کے کیوں نہ قابل سمجھا جائے اصلی وجہ وہی تھی جو ہم نے بیان کی۔

ان امیدواران خلافت کے اوصاف بھی حضرت عمر نے خود ہی بتا دئے زبیر غضب کے وقت کافر ہیں، طلحہ میں نخوت و کبر ہے، عبدالرحمٰن بن عوف فرعون امت ہے، کفر بہت بُری شے ہے خواہ غصّہ کے وقت ہی ہو، کبر و نخوت دنائت کی دلیل ہیں اور خداوند تعالیٰ کو مطلقاً پسند نہیں۔ ابلیس محض

ایک دفعہ کے کبر سے ہمیشہ کے لئے راندۂ درگاہ ہوگیا، اور فرعونِ امت کے تو کیا کہنے، علامہ شبلی کہتے ہیں کہ ان بزرگواروں کے متعلق حضرت عمر کی یہ نکتہ چینی بالکل درست تھی۔ یہ بزرگوار ہیں جو خلافت کے امیدوار ٹھہرائے جاتے ہیں قدرتی طور سے خیال پیدا ہوتا ہے کہ اگر یہ بات تھی تو حضرت عمر نے ان کو امیدواروں کی فہرست ہی میں کیوں رکھا، آگے چل کر معلوم ہوگا کہ مدعا تو فقط یہ تھا کہ حضرت علی تک کسی طرح حکومت نہ چلی جائے اور اس مقصد کے لئے یہ نہایت موزوں تھے لطف یہ ہے کہ فرماتے ہیں کہ جس طرف عبد الرحمٰن بن عوف ہو اس فریق ہی سے خلیفہ ہوگا، اپنے بیٹے عبد اللہ کو ثالث مقرر فرماتے ہیں اور یہ ہدایت دیتے ہیں کہ تم اُدھر ہونا جدھر عبد الرحمٰن بن عوف ہوں، گویا خلافت کا فیصلہ کرنے والے عبد الرحمٰن ہوئے جس لافت کا طے کرنے والا فرعون ہو وہ کہیں خلافتِ الٰہیہ ہو سکتی ہے

یہ بھی حضرت عمر نے فرمایا کہ حضرت علی کو میں اس وجہ سے خلیفہ مقرر نہیں کرتا کہ ان کو خلافت کی خواہش ہے، یہ منطق بھی قابل صدگونہ ستائش ہے جس شخص کو جس چیز کی خواہش ہو وہ اس کو ہرگز نہ دینی چاہیئے، خداوند تعالیٰ کو چاہیئے کہ جو لوگ اس سے کسی مطلب کے لئے دعا مانگیں وہ ہرگز قبول نہ کرے، ہر ایک انسان کو زندگی کی خواہش ہے لہٰذا وہ اس سے سلب کرلے جن جن کو جنت کی خواہش ہو ان کو دوزخ میں ڈال دے۔ جناب رسولخدا کی خواہش تھی کہ کفار مغلوب ہوں خداوند تعالیٰ کو چاہیئے تھا کہ ہر ایک جنگ میں کفار کو غالب آنحضرت کو مغلوب رکھتا، یہ امر واقعہ کہ اگر حضرت علی کو خلافت کی خواہش تھی تو محض ہدایت خلق کے لئے تھی، اس سے ثابت ہے کہ جب عبد الرحمٰن ابن عوف نے آپ سے کہا کہ میں تمہاری بیعت اس شرط پر کرتا ہوں کہ تم عمر کی شرط قبول کرو۔ یعنی یہ کہ بنو ہاشم میں سے کسی کو حکومت میں حصہ نہ دو تو آپ نے فوراً انکار کر دیا، پہلے آپ ہی سے پوچھا تھا، اگر اقرار کر لیتے تو عثمان تک نوبت بھی نہ آتی، آپ نے حق و انصاف کو مدنظر رکھ کر وہ جواب دیا جو حکومتِ الٰہیہ کے حاکم کے لئے مناسب تھا، آپ نے فرمایا کہ جس کو

میں مستحق سمجھوں گا، اور جو خدمتِ اسلامیہ کے لائق ہو گا، اس سے خدمت لوں گا۔ خواہ وہ بنو ہاشم میں سے ہو خواہ ان کے غیر میں سے، اگر مستحق کو اس کا حقِ حکومت نہ دیتے تو یہ ظلم ہوتا اور ظلم کے ساتھ آپ حکومت نہیں کرنا چاہتے تھے، کیونکہ پھر وہ ہدایتِ خلق نہ ہوتی، لہٰذا آپ نے حکومت ہی لینے سے انکار کر دیا، برعکس اس کے حضرت عثمان نے حکومت کے لالچ میں فوراً ہاں کر دی، اور دل میں جانتے تھے کہ ہم اس شرط پر عمل نہیں کرینگے، اس وقت ہاں کر کے حکومت تو لے لیں چنانچہ اپنی حکومت کے کسی زمانہ میں اُنہوں نے مطلقاً اس شرط پر عمل کرنے کی کوشش تک نہیں کی، شروع ہی سے بنو امیہ کو لوگوں کی گردنوں پر سوار کرنا شروع کر دیا عبدالرحمٰن ابن عوف ان کے اس طرزِ عمل سے اتنے ناراض ہوئے کہ بولنا تک بند کر دیا، اور مرتے دم تک بات نہ کی، اس ایک واقعہ ہی سے حضرت علی و حضرت عثمان کی شخصیت کا فرق نمایاں ہے، حضرت علی نے جھوٹا وعدہ کرنا اپنی شان کے خلاف سمجھا، اور حضرت عثمان نے اس میں کچھ ہرج نہ دیکھا، رَہ رَہ کر ہمیں حضرتِ عمر کی منطق پر ہنسی آتی ہے، کیا انہوں نے معلوم کر لیا تھا کہ حضرت عثمان کو خلافت کی خواہش نہیں، عبدالرحمٰن بن عوف سے کیوں نہ کہہ دیا کہ دیکھو اس کو خلیفہ مقرر نہ کرنا جس میں خلافت کی خواہش پائی جائے، اگر یہ ایسی بُری خواہش تھی تو پھر ایسی خواہش والے کو امیدواران میں کیوں رکھا۔

حضرت عمر نے ہدایت کی تھی کہ جب تک اہلِ شوریٰ اپنا فیصلہ نہ دیدیں کوئی باہر کا آدمی ان سے گفتگو نہ کرے، برخلاف اس ہدایت کے عبدالرحمٰن بن عوف وہاں سے چلے گئے، اور لوگوں کی رائے لیتے رہے۔ تخلیہ میں گفتگو کرتے رہے یہ ساری باتیں مجلس شوریٰ کے کانسٹی ٹیوشن (تعمیری بنیاد) کے خلاف تھیں لہٰذا وہاں جو فیصلہ ہوا وہ ناجائز تھا۔

یا یہ غلطِ محض ہے کہ حضرت عثمان پر اتفاق رائے تھا، یا عبدالرحمٰن نے دریافت ہی بنو اُمیہ اور ان کے دوستوں سے کیا ہوگا جس طرح اب تک بنو ہاشم نظرانداز

ہوتے آئے تھے انہوں نے بھی سنتِ شیخین کے مطابق ان کو نظر انداز کر دیا ہو گا۔ ورنہ ناممکن تھا کہ بنو ہاشم اور بہت سے حق بیں صحابہ مثلاً سلمان فارسی، مقداد، ابوذر، عمار یاسر، وغیرہم حضرت علی کے خلاف رائے دیتے۔ دیگر روایات میں اس کو تفصیل سے بیان کیا ہے۔

بیعت کرنے سے سے پہلے جو عبد الرحمٰن بن عوف نے گفتگو کی، اس میں غلط بیانی سے کام لیا، امر واقعہ تو یہ ہے کہ حضرت علی سے بیعت اِس وجہ سے نہیں کی کہ انہوں نے شرطِ عمری کو نہیں مانا تھا، اور خطبہ میں بیان کرتے ہیں کہ عثمان کی بیعت اِس وجہ سے کرتا ہوں کہ سب لوگ ان کی خلافت پر متفق ہیں۔

اور اگر اِس وجہ سے بیعت کی تو یہ اختیارات سے باہر تھا کیونکہ کسی نے اُن کو یہ اختیار نہیں دیا تھا کہ لوگوں سے رائے لیتے پھریں، اگر اس طرح رائے عامہ لینی ہوتی، تو حضرت عمر ہی نہ لے لیتے۔ یا اس کی ہدایت کر دیتے۔ رائے عامّہ لینے کو موجب فساد سمجھ کر حضرت عمر نے اس امر کو چھ آدمیوں کی بحث میں محدود کر دیا۔

کہا جا سکتا ہے کہ اگر محض حضرت علی کو خلافت سے محروم ہی کرنا مقصود تھا تو حضرت عثمان کو مقرر کر دیتے اتنی پیچیدہ ترکیب و تجویز کی ضرورت ہی کیا تھی۔ ہم اس سوال کا جواب دیتے ہیں۔

(ا) طبیعت و فطرتِ انسانی کا مطالعہ کرنے والے جانتے ہیں کہ کچھ ایسی طبائع ہوتی ہیں جو پیچیدگی و مشکل کو پسند کرتی ہیں، سیدھا اور صاف راستہ اُن کے ناپسند ہوتا ہے، حضرت عمر کی طبیعت ایسی ہی تھی۔

(ب) حضرت عمر اور اس زمانہ کے سب لوگ حضرت علی کو حضرت عثمان سے بدرجہا بہتر و افضل سمجھتے تھے، اور خلافت کا بہترین حق دار حضرت علی کو جانتے تھے، ان کی موجودگی میں حضرت عثمان کو نامزد کر کے حضرت عمر اپنے اوپر ایسی صریح ناانصافی کا الزام نہیں لینا چاہتے تھے۔

(ج) حضرت عمر ظاہر داری کو ہاتھ سے نہیں دینا چاہتے تھے جانتے تھے کہ حضرت علی کا حق چھینا گیا ہے، لہٰذا الفاظ سے ان کی دلجوئی کرنا اور زبان سے ان کے ساتھ نبھائے رکھنا، حضرت عمر کی سیاست کا اہم پہلو تھا تاکہ بنو ہاشم اور ان کی دوست تنگ آمد بجنگ آمد پر مجبور نہ ہو جائیں۔

(د) حضرت عمر کو خیال ہوا کہ اگر وہ حضرت عثمان کو اپنے حکم سے نامزد کردیں تو شاید بنو ہاشم کسی ترکیب سے اس تجویز کو قائم نہ رہنے دیں۔ بنو ہاشم و بنو امیہ کی باہمی رقابت نے حضرت عمر کے اِس خیال کو اور مضبوط کر دیا، لہٰذا انہوں نے تجویز سوچی کہ اگر مختلف قبائل کے چار اور آدمی عثمان کی حمایت کے لئے مقرر کر دئے جائیں تو وہ اور اُن کے قبیلے کے لوگ اپنی بات کی پچ کے لئے عثمان کی حمایت کریں گے، اور پھر بنو ہاشم کے لئے اِن سب کا مقابلہ کرنا مشکل ہو گا۔ خصوصاً جب کہ ان لوگوں میں عبدالرحمٰن بن عوف جیسے دولتمند اور طلحہ جیسے کبر و نخوت کے پُتلے شامل ہوں گے، حضرت عمر کی سیاست نے اپنا یہ رنگ اس شیخ نجدی کی عاقلانہ تجویز سے لیا تھا جس نے قبائل قریش کو صلاح دی تھی کہ تمام قبیلوں کے لوگ ایک ساتھ مل کر (حضرت) محمد کو قتل کریں تاکہ بنو ہاشم کے لئے سب سے قصاص خون لینا مشکل ہو جائے۔

(ہ) حضرت ابو بکر کی مثال زیر نظر تھی، ان کو حضرت عمر جیسے مشیر و صلاح کار کی سخت ضرورت رہتی تھی، اب حضرت عثمان کو اس یکجہتی کے ساتھ سبنھالنے والا کوئی نظر نہ آتا تھا، لہٰذا حضرت عمر نے ان کو چار ارکان ایسے دئے جو محض اپنی بات کی غرض سے اپنے کہے کو کامیاب بنانے کی کوشش کریں گے۔

(و) اگر مد مقابل کی فضیلت عیاں ہے تو پھر دلیل و حجت بجائے نفع پہنچانے کے نقصان پہنچاتے ہیں لہٰذا سقیفہ بنی ساعدہ کے وقت بھی اور اب بھی حضرت عمر نے وہ طریقہ استعمال کیا جس میں منطق و دلیل کی ضرورت ہی نہ ہو، یہ کثرتِ رائے کا ایسا نسخہ ہے کہ اس میں منطق و دلیل بے کار ہو جاتے ہیں، کوئی نہیں پوچھ سکتا کہ کیوں

رائے دیتے ہو ، اپنی مرضی۔ ہم رائے دیتے ہیں۔ پس معاملہ ختم۔

(ز) لیکن تمام امت میں اس کثرتِ رائے کے مسئلہ کو ڈالنے سے حضرت عمر ڈرتے تھے۔ سقیفہ بنی ساعدہ میں بھی انہوں نے اس پہلو کو بچالیا اور اب بھی چھ آدمیوں کا شوریٰ مقرر کرکے اس کو بچالیا، اگر تمام امت کی کثرتِ رائے پر چھوڑتے تو پھر تو فضیلت کی بحث چھڑ جاتی اور حضرت علی کی فضیلت کے ساتھ بنوہاشم کی فصاحت و بلاغت مل کر سارا ہی کام خراب کردیتی، اب تو ان لوگوں کو موقع مل جاتا، حضرت ابوبکر کے وقت تو موقع ہی نہیں ملا، حضرت عمر نے ایسی تجویز سوچی کہ کثرت رائے کا جو فائدہ تھا وہ تو مل جائے، اور اس سے جو اپنے خلاف بات پیدا ہوتی تھی اس سے بچ جائیں، صرف ان آدمیوں میں اس معاملہ کو ڈالا جن پر بھروسہ تھا، یہ ماننا پڑیگا کہ اس زمانہ کی ساری امت محمدیہ میں ایک دماغ ایسا نہ تھا جو حضرت عمر کی طرح ایسی تیر بہدف تجاویز و تدابیر اپنے مطلب حاصل کرنے کے لئے اس خوبی کے ساتھ سوچ سکتا اور عمل میں لاسکتا ہاں ایک دماغ تھا، جس کے آگے یہ ساری بھول بھلیاں بازیچۂ طفلاں تھیں۔ مگر وہ ایسا رفیع و اعلےٰ تھا کہ ایسی ترکیبیں کرنا اپنی شان و فقۂ اسلام کے خلاف سمجھتا تھا، لہٰذا حضرت عمر دنیاوی بازی لے گئے۔

اب شورے کی ترکیب و ساخت ملاحظہ ہو۔ عبدالرحمٰن ابن عوف نہایت قریبی رشتہ دار تھے، حضرت عثمان کے، عبدالرحمٰن ابن عوف کی بیوی ام کلثوم بنت عقبہ بن ابی معیط حضرت عثمان کی بہن تھی ماں کی طرف سے۔ سعد بن ابی وقاص نزدیکی رشتہ دار تھے عبدالرحمٰن ابن عوف کے چنانچہ انہوں نے اپنا حق یہ کہہ کر عبدالرحمٰن بن عوف کے لئے ہبہ کیا تھا کہ میں اپنا حق اپنے ابن عم عبدالرحمٰن کو ہبہ کرتا ہوں، علاوہ اس کے سعد بن ابی وقاص کی ماں حمنہ بنت امیہ بن عبدالشمس تھی، یوں بھی ان کا رجحان بنوامیہ کی طرف ہونا ضروری تھا، طلحہ کو ہمیشہ حضرت علی سے کینہ رہا، چنانچہ حضرت علی نے اپنے مشہور خطبہ

شقشقیہ میں فرماتے ہیں فصغا رجل قمیم لضغنہ یعنی ان میں سے ایک تو اپنے پرانے کینہ کی وجہ سے کج ہوگیا ابن ابی الحدید: شرح نہج البلاغہ الجزء الاول ص ۶۳، طلحہ کی والدہ ماجدہ ابوسفیان کی بیوی رہ چکی تھیں، اور خود طلحہ بنی تیم میں سے تھے اور ابوبکر کے ابن عم تھے۔ شرح نہج البلاغۃ الجزء الثانی ص ۲۰۴۔ انہوں نے فوراً اپنا حق عثمان کو دیکر ان کے لئے راستہ کھول دیا، اس طرح طلحہ و سعد و عبدالرحمٰن اور عثمان تو علی کے خلاف ہی تھے، صرف زبیر رہ گئے، وہ حضرت ابوبکر کے داماد تھے، اور ان کی والدہ صفیہ بنت عبدالمطلب تھیں، گویا وہ دوہری تھے، اور اُدھر بھی تھے، جب دیکھا کہ طلحہ نے اپنا حق عثمان کو دیدیا تو جوش میں آکر اپنا حق اُنہوں نے علی کو دیدیا، جب عبدالرحمٰن نے عثمان کے ہاتھ پر بیعت کی تو یہ عبدالرحمٰن کی طرف ہوگئے اس دشمنی کے آثار جو جنگ جمل میں بالکل عریاں ہوگئی اب بھی نمایاں تھے۔ اور حضرت عمر کی دور بیں نظریں اُدھر پہونچ گئیں، یہ لوگ جمع کہاں ہوتے ہیں، مسور بن مخرمہ کے گھر میں جو عبدالرحمٰن بن عوف کی حقیقی بہن کے بیٹے تھے۔ وہ ہی عبدالرحمٰن بن عوف کے کارکن وایلچی تھے، لوگوں کے پاس ان کا پیغام لے جاتے تھے، یہ مسور بن مخرمہ حضرت عمر کے خاص مصاحبین و معتقدین میں سے تھے۔ مولوی شبلی کہتے ہیں کہ "مسور بن مخرمہ کا بیان ہے کہ ہم اس غرض سے حضرت عمر کے ساتھ رہتے تھے کہ پرہیزگاری وتقویٰ سیکھ جائیں۔ الفاروق۔ حصہ دوم ص ۲۱۲۔

یہ تھی شوریٰ کی ترکیب وساخت اور یہ ترکیب وساخت، سیاست عمری کا نادر نمونہ تھی، تجویز شوریٰ وہ شے ہے جو حضرت عمر کی سیاست اور اس کے مقصد کو بہت اچھی طرح عریاں کردیتی ہے۔ ابن خلدون کی روایت سے ثابت ہے کہ پہلے حضرت عمر نے عبدالرحمٰن کو بلاکر تنہائی میں راز کی باتیں کیں، وہ ایسی باتیں تھیں کہ جن کے اخفاء پر عبدالرحمٰن سے حضرت عمر نے عہد لیا، اس کے بعد تجویز شوریٰ کا اعلان کیا گیا، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کے طرز عمل سے صاف ظاہر ہوجاتا

ہے کہ وہ کیا باتیں تھیں کہ جن کے چھپانے کی ضرورت ہوئی۔ اب ہم کو وجہ معلوم ہوتی ہے کہ کیوں حضرت عمر نے کہا تھا کہ خلیفہ اس پارٹی میں سے ہوگا جدھر عبدالرحمٰن ہوں خلوت میں حضرت عبدالرحمٰن سے کہہ دیا کہ تم کس کی طرف ہونا، اگرچہ نہایت تاکید کے ساتھ عبدالرحمٰن بن عوف نے کہہ دیا تھا کہ میں خلافت نہیں چاہتا۔ مگر پھر بھی حضرت عمر نے ان کو امیدوارانِ خلافت ہی میں رکھا، اور عبدالرحمٰن نے باوجود خدا کی قسم کھانے کے کہ میں خلافت نہیں لوں گا، پھر یہ امیدواری قبول کرلی۔ دورانِ شوریٰ میں بھی لوگ کہتے رہے کہ عبدالرحمٰن تم خود خلافت لے لو تو ہم سب راضی ہیں، خلافت تو انہوں نے لی نہیں، خلیفہ گری لے لی، آخر یہ کیوں، یہ اس لئے کہ جو راز کی بات حضرت عمر نے ان سے کہی تھی اس کو پورا کرسکیں۔

وہ بات حضرت عبدالرحمٰن نے اس طرح پوری کی کہ جب دیکھا کہ حضرت عثمان کسی طرح خلیفہ نہیں ہوتے اور معاملہ طول پکڑ گیا، حضرت علی نے جو احتجاج کیا اور جو بحث و دلائل پیش کئے، انہوں نے سب کو لاجواب کر دیا۔ چونکہ وہ لوگ اُن دلائل کو توڑ نہ سکے، لہذا ان میں سے قوت عمل و ارادہ سلب ہوگئی۔ تو اب عبدالرحمٰن نے یہ تدبیر سوچی کہ لوگوں کی رائے لی جائے اور اس رائے کے پردے میں عثمان سے بیعت کر لی جائے حالانکہ حضرت عمر نے تو یہ تاکید کی تھی کہ جب تک اربابِ شوریٰ مشورہ کرتے رہیں اور کسی فیصلہ پر نہ پہنچیں تو کوئی شخص ان کے پاس تک نہ آئے، ابو طلحہ انصاری کو مع پچاس نفر انصار کے اسی غرض سے دروازۂ مکان پر متعین کر دیا تھا، ان کا خیال تھا کہ کہیں بنو ہاشم آنکر اپنی دلیری اور اپنی قرابت رسول کی وجہ سے لوگوں کو مرعوب نہ کرلیں، اور وہ جو ترکیب حضرت علی کو اقلیت میں رکھنے کی تھی وہ پوری نہ ہو سکے لیکن جب عبدالرحمٰن نے دیکھا کہ معاملہ کسی طرح نہیں سلجھتا تو انہوں نے اپنی ہی ترکیب لگائی، لوگوں میں جانے لگے، ظاہر تو یہ کیا کہ آزادانہ رائے لیتے ہیں، دراصل لوگوں کو حضرت عثمان کی طرف رجوع کرانا مقصود تھا۔ جو پیغام مسور بن مخرمہ لے جاتے تھے وہ

اسی قسم کے ہوں گے۔

لیکن کسی نے عبدالرحمٰن کے اس طرز عمل پر اعتراض نہیں کیا، وہ جانتے تھے کہ اگرچہ حضرت عمر نے یہ تجویز مقرر نہیں کی تھی مگر اس تجویز کا مقصد وہی تھا، جو حضرت عمر کا تھا لہذا خاموش رہے۔

عبدالرحمٰن ابن عوف نے اپنے تئیں اس عمل کے لئے آزاد اس طرح سے کرایا کہ خود امیدواری سے علیحدہ ہوگئے اور ارباب شوریٰ سے طوعاً وکرہاً اپنے تئیں ثالث مقرر کرالیا، یہ امر قابل ذکر ہے کہ حضرت علی نے ان کے اس طرز عمل کو منظور نہیں کیا، اور نہ ان کے ثالث بننے کو مانا، جب عبدالرحمٰن ابن عوف نے بہت اصرار کیا تب بھی ایک شرط لگا دی کہ اگر تم ثالث ہونا چاہتے ہو تو اقرار کرو کہ تم کسی کی بے جا رعایت نہ کروگے اور رشتہ داری و دوستی کی وجہ سے انصاف کو نہ چھوڑوگے، واقعات بتا رہے ہیں کہ عبدالرحمٰن نے اس شرط کو پورا نہیں کیا بلکہ اس کو منظور کرنے کی ہاں تک نہ کی۔

امیدواری سے علیحدہ ہونا بھی ایک معنی رکھتا ہے، انہوں نے تو شروع ہی سے خلافت لینے سے انکار کر دیا تھا، عیش وعشرت والے انسان کو حکومت کی ذمہ داریوں سے کیا کام، ان کا تو ارادہ ہی نہ تھا کہ خلافت لیں، امیدواروں میں اس وجہ سے شامل ہوگئے کہ حضرت عثمان کو خلیفہ کرا سکیں۔

حضرت عمار بن یاسر نے اس ترکیب کو بھی ناکامیاب بنا دیا اور ظاہر کر دیا کہ حضرت عثمان کی طرف تو چند بنو امیہ کے حوالی موالی ہیں، اس ترکیب کے ناکامیاب ہونے پر عبدالرحمٰن بن عوف کے ترکش کے تو سارے تیر ختم ہو گئے۔ شمس التواریخ کی عبارت سے ثابت ہے کہ "عثمانیوں" نے اپنی ایک جماعت بنالی تھی جس کا مقصد یہ تھا کہ حضرت عثمان کو کسی نہ کسی طرح خلیفہ مقرر کرایا جائے۔

جب عبدالرحمٰن لاچار ہو گئے، تو پھر عمرو بن العاص سے مدد لی گئی، انہوں نے وہ ترکیب بتائی جو کارگر ہو گئی۔ سنت شیخین پر چلنے کی ایسی شرط پیش کی کہ جو

حضرت علی کبھی قبول ہی نہیں کر سکتے تھے ہم حیران ہیں کہ مذہب کا تعصب کس طرح لوگوں کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیتا ہے اور سواد اعظم نے کس طرح اِن بزرگوں کے طرز عمل سے اغماض کیا ہے، حضرت عمر اور حضرت ابو بکر سے کیوں سنتِ رسول پر چلنے کا وعدہ نہ لیا، اور حضرت عمر سے کیوں سنتِ رسول اور سیرت ابی بکر کی پیروی کا اقرار نہ کرایا، اب کیا ایسی ضرورت پڑ گئی تھی کہ یہ شرط پیش کی گئی، صاف عیاں ہے کہ اِس کا مدعا یہ تھا کہ علی انکار کریں اور ہم کو ان کے رد کرنے کا بہانہ ملے۔

شوریٰ کی جوازیت حضرت عمر کے حکم پر مبنی تھی اور اس کے اختیارات اور دائرۂ عمل کو حضرت عمر نے مقرر کر دیا تھا، لہذا عبد الرحمٰن یا کوئی اور شخص اپنی طرف سے کوئی شرط نہ بڑھا سکتا تھا نہ کم کر سکتا تھا، مثلاً عبد الرحمٰن کے لئے جائز نہ تھا کہ بجائے چھ امیدواروں کے آٹھ مقرر کر لیتے، یا جن کے متعلق حضرت عمر نے کہا تھا کہ ان کا کوئی حق خلافت میں نہیں ہے، ان کو اس میں لے لیتے، اسی طرح ان کے لئے جائز نہ تھا کہ سنتِ شیخین کی پیروی کی شرط اپنی طرف سے ایزاد کر دیتے۔ حضرت عمر نے تو یہ شرط مقرر نہیں کی تھی لہذا یہ شرط ناجائز ہوئی، اور حضرت عثمان خلیفہ ہوئے۔ محض اس شرط کی وجہ سے، لہذا حضرت عثمان کی خلافت کی بنا ایک ناجائز شرط تھی اور اسوجہ سے وہ خلافت بھی ناجائز ہوئی۔

وہ کون سی فضیلت عبد الرحمٰن بن عوف میں تھی جس کی وجہ سے حضرت خلافت مآب نے فرمایا کہ جس طرف یہ ہوں گے وہ ہی خلیفہ و جانشین رسول ہوگا خود جناب رسولخدا تو فرماتے ہیں کہ حق اس طرف پھرتا ہے جدھر علی ہوتے ہیں، مگر حضرت عمر فرماتے ہیں کہ نہیں حق اس طرف پھرتا ہے جس طرف عبد الرحمٰن بن عوف ہوں۔ ان میں فضیلت تو کجا بقول حضرت عمر یہ تو فرعون امت تھے، جب حضرت عمران کی خصائل و عادات سے اچھی طرح واقف تھے تو پھر ان کو واحد ثالث خلافت الہیّہ کے فیصلے کیلئے کیوں مقرر کیا، یہ تو خلیفہ گر ہوئے وجہ ظاہر ہے کہ اِن ساری کوششوں کا ایک ہی مقصد تھا اور وہ یہ کہ بنو ہاشم خصوصاً حضرت علی تک خلافت نہ

پہنچے، اور اس مقصد کی تکمیل کے لئے فرعونِ امت ہی موزوں ہو سکتا تھا، حضرت علی بھی اس بات کو اچھی طرح جانتے تھے کہ ان کے اور خلافت کے درمیان محض حضرت عمر حائل ہیں، اگر حضرت عمر نہ ہوتے تو خلافت ضرور حضرت علی کو مل جاتی، جو صورت حالات حضرت عثمان کے خلیفہ مقرر ہونے کے وقت ہوئی، وہ اِن امور پر اِن لوگوں کی ذہنیت پر اچھی روشنی ڈالتی ہے، جب حضرت عثمان کا تقرر عبد الرحمٰن بن عوف نے کر دیا تو حضرت علی نے فرمایا۔

وخرج علی وھو کاسف البال	حضرت علی مکان شوریٰ سے باہر تشریف لائے
مظلم وھو یقول یا ابن عوف	اور اس وقت ان کے چہرہ پر مظلومیت و رنج کے
لیس ھذا باول یوم تظاھرتم	آثار تھے اور وہ عبد الرحمٰن کو مخاطب کر کے کہہ رہے تھے
علینا من دفعنا عن حقنا و	کہ یہ پہلا دن نہیں ہے کہ تم نے ہمارے اوپر زبردستی
الاستئثار علینا وانھا السنۃ	کی ہے اور ہم سے ہمارا حق چھین لیا ہے، ہمارے
علینا وطریقۃ ترکتموھا	لئے صبر کرنا سنت ہو گئی اور حق کو چھوڑنا تمہارے لئے
فقال المغیرۃ بن شعبۃ لعثمان	اس پر مغیرہ نے عثمان سے کہا کہ قسم بخدا اگر
اما واللہ لو بویع غیرک لما	تمہارے علاوہ کسی اور کی بیعت ہوتی تو ہم ہرگز
بایعناہ فقال عبد الرحمٰن بن	اس سے بیعت نہ کرتے عبد الرحمٰن نے کہا
عوف کذبت لو بویع غیرہ لبایعتہ	کہ اے ابن دباغہ تو جھوٹ بولتا ہے اگر عثمان
وما انت وذاک یا ابن الدباغۃ	کے علاوہ کسی اور کی بیعت کی جاتی تو تو اس
واللہ لو ولیھا غیرہ لقلت لہ مثل	سے وہ کہتا جو اب عثمان سے کہہ رہا ہے کیونکہ
ما قلت الاٰن تقربا الیہ وطمعا	اس خوشامد سے تیرا مقصد تقرب و طمع
فی الدنیا۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔	دنیوی حاصل کرنا ہے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔
قال الشعبی فلما دخل عثمان رحلہ	شعبی کہتے ہیں کہ جب بعد بیعت عثمان اپنے گھر میں داخل
دخل الیہ بنو امیۃ حتی امتلأت	ہوئے تو تمام بنو امیہ ان کے ساتھ گھر میں
بھم الدار ثم اغلقوھا علیھم فقال	بھر گئے اور اندر سے دروازہ بند کر لیا۔

ابوسفیان ابن حرب اعندکم
احد من غیرکم قالوا لا قال یا
بنی امیة تلقفوها تلقف الکرة
فوالذی یحلف به ابوسفیان
ما من عذاب ولا حساب ولا
جنة ولا نار ولا بعث ولا قیامة ....
قال عوانة حدثنی یزید بن
جریر عن الشعبی عن شقیق
بن مسلمة ان علی بن ابی طالب
لما انصرف الی رحله قال لبنی
ابیه یا بنی عبد المطلب ان
قومکم عادوکم بعد وفاة
النبی کعداوتهم فی حیاته وان
یطع قومکم لا تؤمروا ابداً والله
لا ینیب هؤلاء الی الحق الا بالسیف
قال وعبد الله ابن عمر بن الخطاب
داخل الیهم قد سمع الکلام کله
فدخل وقال یا ابا الحسن اترید
ان تضرب بعضهم ببعض فقال
اسکت ویحک فوالله لولا
ابوک وما رکب منی قدیما و
حدیثا ما نازعنی ابن عفان
ولا ابن عوف۔

ابوسفیان نے کہا کہ کیا اسوقت یہاں کوئی غیر بھی ہے۔
انہوں نے کہا کہ نہیں۔ اس پر ابوسفیان نے کہا
کہ اے بنو امیہ اب موقع ہے حکومت سے
خوب اچھی طرح لوٹ لو، کیونکہ قسم ہے اس کی جس
کی قسم ابوسفیان کھایا کرتا ہے نہ عذاب ہے نہ حساب
نہ جنت ہے نہ دوزخ نہ حشر ہے نہ قیامت .....
عوانہ شقیق بن مسلمہ سے روایت کرتے ہیں
کہ جب حضرت علی اپنے گھر کی طرف چلے
تو اپنے اقربا سے کہا کہ اے بنی عبدالمطلب
تمہاری قوم قریش نے تمہارے ساتھ
رسول خدا کی وفات کے بعد ایسی ہی
عداوت رکھی ہے جیسی کہ آنحضرت کی زندگی
میں رکھتی تھی، اور اگر ان کی اطاعت
کی جائیگی تو وہ کبھی تمہیں حاکم نہ بنائیں گے
قسم بخدا یہ لوگ حق کی طرف کبھی نہ آئیں گے
لیکن تلوار سے، عبداللہ ابن عمر اس وقت
وہاں آرہے تھے انہوں نے یہ سارا کلام
سنا، اور کہا کہ اے ابوالحسن کیا تم چاہتے ہو کہ
آپس میں ایک دوسرے سے جنگ کریں اور
قتل کریں حضرت علی نے کہا کہ خاموش ہو اگر تیرا
باپ نہ ہوتا اور میرے ساتھ وہ ہمیشہ سے قول و فعل
میں دشمنی نہ کرتا تو عثمان یا ابن عوف یا کوئی اور
خلافت میں میری ساتھ تنازعہ نہ کرتے۔

ابن ابی الحدید: شرح نہج البلاغۃ الجزء الثانی ص ۴۱۰۔ ۴۱۱

حضرت عمر کی یہ شرط کہ ممبران شوریٰ میں سے جو اکثریت کے خلاف ہو اُس کی گردن اُڑا دی جائے اپنے میں بہت سے راز مضمر رکھتی ہے۔ ہم ثابت کر چکے ہیں کہ حضرت عمر نے ایسی ترکیب و ساخت شوریٰ کی رکھی تھی کہ حضرت عثمان اکثریت میں رہیں اور خلافت ان کی ہی طرف جائے۔ حضرت عمر اس بات کو اچھی طرح جانتے تھے کہ عثمان ہی اکثریت کے ساتھ خلیفہ ہوں گے، اور علی ان کے خلاف ہوں گے پھر یہ شرط کہ جو اکثریت کے خلاف ہو اس کی گردن اُڑا دی جائے، حضرت علی کے قتل کا فتوے دینے کے مرادف تھی۔ ظاہر ہے کہ جب حق کو اس طرح ضائع ہوتے دیکھیں گے تو حضرت علی سے نہ رہا جائے گا اور وہ بیعت عثمان سے انکار کریں گے، اس انکار کو مدّنظر رکھ کر حضرت عمر نے حکم دیا کہ جو انکار کرے فوراً اُس کا سر وہیں اڑا دیا جائے۔ ثابت ہوا کہ یہ قتل کا فتویٰ دیتے وقت حضرت عمر کے ذہن میں حضرت علی تھے، جب حضرت ابوبکر کی خلافت سے حضرت علی نے انکار کیا تھا تب بھی حضرت عمر نے یہ ہی تجویز پیش کی تھی، ان دو موقعوں پر تو واقعات نے حضرت عمر کی اس خواہش کو پورا نہ ہونے دیا۔ مگر حضرت عمر کی پالیسی ایسی دور رس اور نتیجہ خیز تھی کہ آخر کار کربلا کے میدان میں بار آور ہو کر رہی یزید نے اپنی طرف سے کسی جدید خیال یا نئی تجویز کی ابتدا نہیں کی، اس نے فقط حضرت عمر کے اس اصول کی پیروی کی ہے۔ معلوم نہیں یہ شرط فقہ اسلامی کے کس اصول میں آتی ہے محض خلاف رائے رکھنے سے قتل کا مستوجب وہ ہو گیا، جو ابھی ابھی خلافت کا امیدوار تھا کیا ناکامیاب امیدوار کے لئے اصول جمہوریت میں یہ ہی سزا مقرر کی گئی ہے ہاں اگر وہ فتنہ و فساد پیدا کرے تو وہ کیا ہر شخص فتنہ و فساد پیدا کرنے والا مستوجب قتل ہے، لیکن حضرت عمر کا تو حکم تھا کہ وہیں یہ معلوم کرتے ہی کہ یہ اکثریت کی رائے سے اختلاف کرتا ہے فوراً اسکو قتل کر دو۔

صہیب رومیوں کے غلام تھے جن کو عبد اللہ بن جدعان التیمی نے خرید کر

آزاد کر دیا تھا۔

ابن عبد البر:۔ الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب مطبوعہ دائرۃ المعارف دکن۔

ابن ابی الحدید:۔ شرح نہج البلاغہ ۲ الجزء الثانی۔ ص ۴۰۹

حضرت عمر نے حکم دیا تھا کہ جب تک ممبرانِ شوریٰ خلیفہ سازی میں مصروف رہیں یہ صہیب امتِ اسلامیہ کی امامتِ نماز کریں، جب تک اس کی ضرورت تسخیرِ خلیفہ سازی میں تھی تو امامت نماز ایک عظیم الشان شے قرار دی گئی جس کی بناء پر حضرت ابوبکر کے لئے ایک فضیلت عظمیٰ قائم ہوئی، جب وہ وقت نکل گیا تو اب امامتِ نماز کی یہ قدر رہ گئی کہ ایک رومی غلام اس کو ادا کر رہا ہے۔ سیاستِ عمریہ میں منطق و عدل کے لئے کوئی جگہ نہیں ہے۔

جن بزرگواروں کو خلافت کا اہل سمجھا گیا تھا ان میں ایک (عبد الرحمان بن عوف) فرعونِ امت تھا، ایک (طلحہ) نخوت و غرور کا پتلا تھا۔ ایک (زبیر بن عوام) بحالتِ غضب کافر تھا، ایک (حضرت عثمان) اپنے قرابتداروں کی محبت کی وجہ سے عدل کرنے کے ناقابل تھا، ان بزرگواروں کی یہ ساری صفات حضرت عمر نے خود بیان کی ہیں، پھر ان میں کیا صفت تھی جس کی وجہ سے وہ مستحق خلافت سمجھے گئے۔ ہاں ہاں سب میں ایک بات مشترک تھی اور وہ مخالفتِ علی تھی۔ اور یہی ایک وہ گرانقدر صفت تھی جس کی وجہ سے یہ بزرگوار اس شورے میں داخل کئے گئے اور تو کوئی صفت حضرت عمر نے ان کی نہیں بتائی۔ یہ کہ جناب رسولخدا ان سے بوقت رحلت راضی تھے محض بہانہ ہی بہانہ تھا، کیا آنحضرت اور سارے صحابہ سے ناراض تھے؟ انصار کے اتنے فضائل آنحضرت کے منہ سے کتبِ احادیث میں درج ہیں کیا ان میں سے ایک سے بھی آنحضرت راضی نہ تھے۔

حضرت عمر نے اپنی سیاست کی تحریکات میں عدل و منطق کی طرف سے تو بہت ہی لاپروائی برتی ہے۔

ایک شرط یہ تھی کہ اگر طرفین اپنی رائوں میں مساوی ہوں تو پھر عبد اللہ ابن

عمر سرپنچ ہوں گے، لیکن ان کو اس طرف ہونا چاہیئے، جدہر عبدالرحمٰن بن عوف ہوں، یہ نئی قسم کی سرپنچی ہے، اونٹ رے اونٹ تیری کون سی کل سیدھی، یہ تجویز شوریٰ بھی ایک پیچیدہ دماغ سے نکلی ہوئی عجیب شئے تھی، یہ امر بھی قابل غور ہے کہ عبداللہ ابن عمر میں کون سی فضیلت تھی جس کی وجہ سے انہیں یہ عجیب الخلقت سرپنچ بننے کا فخر دیا جائے، بقول حضرت عمر وہ تو فقہ سے ایسے بے بہرہ تھے کہ عورت کو طلاق بھی نہیں دے سکتے تھے، ان کو یہ اعزاز فقط اس وجہ سے ملا کہ وہ ایک خلیفہ کے فرزند تھے، خدا کی شان ہے کہ جناب رسولخدا کی قرابتداری تو موجب سزا اور خلیفہ کی قرابتداری موجب جزا۔

ایک اور منطق ملاحظہ ہو، عبدالرحمٰن ابن عوف امیدوار خلافت بھی مقرر کئے جاتے ہیں۔ سرپنچ بھی ہیں، یہ بھی حکم ملتا ہے کہ جس طرف عبدالرحمٰن ہوں، اُس میں سے خلیفہ ہوں ان میں تین متضاد صفات جمع کی گئی تھیں، امیدوار خلافت سرپنچ اور خلیفہ گر، ایسا سیاسی فارمولا کہیں ڈھونڈے سے بھی نہیں ملے گا۔ اگر وہ خلیفہ گر ہو سکتے تھے اور امیدوار خلافت بھی ہو سکتے تھے۔

کیونکہ شوریٰ میں بطور ایک امیدوار کے شامل کئے گئے تھے، تو پھر ان کو خلیفہ ہی کیوں نہ بنا دیا، وجہ ظاہر ہے، عبدالرحمٰن نے تو خلیفہ بننے سے شروع ہی سے انکار کر دیا تھا، دورانِ بحث میں بھی اُنہوں نے اپنے تئیں امیدوار کی حیثیت سے ظاہر نہیں کیا، امر واقعہ یہ ہے کہ دراصل وہ شوریٰ میں اس لئے داخل نہیں کئے گئے تھے کہ خلافت کے امیدوار رہیں، وہ تو محض حضرت عثمان کو خلیفہ بنانے کے لئے داخل کئے گئے تھے، یہی وہ راز کی بات تھی جو حضرت عمر نے ان سے اعلانِ شوریٰ سازی سے پہلے خلوت میں بُلا کر کہی تھی۔

حضرت عمر نے جو حضرت علی میں مزاح کا نقص نکالا تھا محض جس کی وجہ سے انہیں خلافت سے محروم رکھا گیا اس پر اختصار کے ساتھ کچھ تو ہم پہلے لکھ چکے ہیں، یہ بہانہ بازی ایسی صاف تھی کہ اس پر کچھ مزید لکھنے کو جی چاہتا ہے۔ تعجب ہے کہ جناب

خلافت مآب نے خوش مزاجی، خوش خلقی میں کیا عیب دیکھا، شاید ان کو خیال نہیں رہا کہ جناب رسولخدا میں مزاح لطیف کی صفت بدرجۂ اتم موجود تھی چنانچہ ابو عیسیٰ محمد بن سورۃ الترمذی صاحب صحیح نے اپنی کتاب شمائل النبی میں ایک خاص باب برائے ذکر مزاح جناب رسولخدا قرار دیا ہے، قاضی ابوالفضل عیاض بن موسیٰ اپنی کتاب شفاء فی تعریف حقوق المصطفےٰ میں لکھتے ہیں :۔

قال جریر بن عبد اللہ ما حجبنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قط منذ اسلمت ولا رانی الا متبسما وکان یمازح اصحابہ ویخالطہم ویحادثہم ویلاعب صبیانہم ویجلسہم فی حجرہ و یجیب دعوۃ العبد والحر والامۃ والمسکین ویعود المرضیٰ فی اقصی المدینۃ ویقبل عذر المعتذر۔	جریر بن عبد اللہ کہتے ہیں کہ جب سے میں اسلام لایا میرے اور جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کے درمیان کوئی حجاب نہ تھا جب آپ مجھ کو دیکھتے تھے تبسم فرماتے تھے، آپ اپنے اصحاب کے ساتھ مزاح کرتے تھے ان سے اختلاط کرتے تھے باتیں کرتے تھے ان کے بچوں سے کھیلتے تھے ان کو اپنی گود میں بٹھاتے تھے اور غلام و آزاد لونڈی ومسکین کی دعوت قبول کرتے تھے مدینہ میں خواہ کتنی ہی دور ہو اس کی عیادت کو تشریف لیجاتے تھے اور عذر کرنے والے کا عذر قبول فرماتے تھے۔

سید جمال الدین محدث اپنی کتاب روضۃ الاحباب میں لکھتے ہیں۔

عبد اللہ بن حارث گفت ندیدم من احدی راکہ مزاح بیشتر از رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کردہ باشد ولکن مزاح او ہمہ حق بود چنانکہ صحابہ کبار یکبار گفتند یا رسول اللہ بدرستیکہ تو با ما مزاح می کنی یعنی و حالانکہ ایں طریقہ مناسب منصب تو نیست فرمودانی لا اقول حقاً و عائشہ گوید پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم بسیار مزاح می کرد و می گفت انّ اللہ لا یواخذ المزاح الصادق فی مزاحہ۔

ابو ذکریا تبریزی تہذیب غریب الحدیث میں لکھتے ہیں

وقال فی حدیثہ صلی اللہ علیہ وسلم انہ کانت فیہ دعابۃ یعنی المزاح

ترجمہ:۔ جناب رسولخدا میں دعابہ یعنی مزاح کی عادت تھی۔

اپنی اس مزاح کی عادت کی وجہ سے جناب رسولخدا عہدۂ رسالت سے برطرف نہیں کئے گئے تو ان کا جانشین اس کی وجہ سے اپنے حق سے محروم کیوں کیا جاتا ہے، چونکہ حضرت عمر اس صفت حسنی سے معریٰ تھے، آپ کی طبیعت میں غلظت شدید تھی، لہٰذا ان کو یہ خوبی دوسروں میں بھی اچھی نہیں لگی، معلوم ہوتا ہے کہ دیگر مشاغل سلطنت و تفکرات سیاسیہ میں آنجناب کو فلسفہ حیات پر غور و خوض کرنے کا وقت نہیں ملتا تھا ورنہ معلوم ہو جاتا کہ جس کو آپ عیب سمجھ رہے ہیں وہ تو ایک فضیلت عظمیٰ ہے حضرت عمر کو تو بدخلقی و چڑچڑا پن پسند تھا۔ ممکن ہے کہ کہا جائے کہ مزاح کی ضد تمکنت ہے نہ کہ بدخلقی و چڑچڑا پن۔ تمکنت بھی تکبر کی چھوٹی بہن ہے، اور ہمیشہ اپنی بڑی بہن کے پہلو ہی میں رہتی ہے۔ نہ قرآن میں اور نہ حدیث میں تمکنت کی تعریف کی گئی ہے، مزاح و تمکنت دونوں کو دیکھو، کن کن جذبات سے مرکب ہیں۔ تمکنت مرکب ہے غرور و بدمزاجی و بدخلقی سے خوش ہو کر ہنسنا اور دوسروں کے ساتھ بھائیوں کی طرح رہنا اس حالت کے خلاف ہے، اپنے تئیں دوسروں سے بہتر اور افضل ظاہر کرنا تمکنت کا ایک ضروری خاصہ ہے، ہمیشہ چیں برابرو رہنا اس کی ایک شان ہے اس ہی کو بدمزاجی و بدخلقی کہہ سکتے ہیں، کیونکہ ہر وقت منہ بنائے رہنا اور سر کو بچیلن رہنا دونوں کا جزو مشترک ہے۔ صحیح دعابہ مرکب ہے، جذبات خوش خلقی، انکسار حقیقی، صبر بہ مکروہات دنیوی و تسلیم برضائے خداوندی سے۔ اس کے تسلیم کرنے میں کسی کو انکار نہ ہوگا کہ جب تک انسان خوش خلق نہ ہو، وہ مزاح صحیح نہیں کر سکتا، اور مزاح صحیح کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ انسان میں کبر و نخوت نہ ہو اور سب کے ساتھ بھائیوں کی طرح رہے، اور یہ حالت نہیں پیدا ہو سکتی، جب تک انسان مکروہات و مصائب دنیا کو انسان کی زندگی کا لازمہ سمجھ کر ان پر صبر حقیقی کرنا نہ سیکھ لے، اگر اس میں تسلیم و رضا کا مادہ پیدا نہیں ہوا تو وہ ہر وقت اپنے سے اور اپنے ماحول سے دل برداشتہ رہے گا، اور ایسا آدمی کبھی مزاح نہیں کر سکتا۔ آلام

مصائب و تفکرات کے بوجھ سے مغلوب ہو کر چڑچڑا و بدمزاج ہو جانا بہت آسان ہے وہ شخص لائق صد گونہ ستائش ہے جو باوجود ان آلام و مصائب کے اپنی طبیعت پر قابو رکھتا ہے اپنے ایمان و یقین کی وجہ سے دنیا کو ایک گزرنے والی شئے سمجھ کر خوش مزاج رہتا ہے۔ یہ ہیں وہ لوگ جو مرضی مولا از ہمہ اولیٰ پر یقین کامل رکھ کر تلخ و بد روزگار سے متاثر نہیں ہوتے اور جو صورت پیش آتی ہے اس کو صبر و خوشی کے ساتھ قبول کرتے ہیں، خوش رہ کر مصائب کو برداشت کرنا یہ ہے اصلی صبر، ورنہ رو رو کر مجبوری کی حالت میں تو ہر ایک کو صبر کرنا ہی پڑتا ہے، دنیا کے مکروہات میں سے حضرت علی کو حصہ وافر ملا تھا۔ باوجود ان مصائب کے آپ نے صبر کے ساتھ اپنی طبیعت پر قابو رکھا، اور اسے رنج و آلام سے متاثر نہ ہونے دیا۔

جناب امیر علیہ السلام کا مزاج صحیح و مہذب ہوا کرتا تھا۔ اور حق پر مبنی ہوتا تھا، ان کی مزاح کی بہت سی مثالیں کتب تاریخ میں درج ہیں، دو مثالیں ہم پیش کرتے ہیں۔

حضرت ابوبکر و عمر دونوں آپ سے قد میں بلند تھے، ایک دن یہ تینوں حضرات ساتھ جا رہے تھے، اس طرح کہ درمیان میں علی تھے، حضرت عمر نے فرمایا کہ اے علی تم ہم دونوں کے درمیان میں ایسے ہو کہ جیسے لنا میں لام و الف کے درمیان میں نون ہوتا ہے، آپ نے فوراً فرمایا کہ یہ درست ہے اور اگر میں نہ ہوں تو تم لا ہو یعنی ہیچ ہو۔ کیسی حقیقت کو کیسی عمدہ صورت میں بیان فرمایا ہے۔ ایسی عمدہ صفت و حاضر جوابی شان خلافت کے منافی سمجھی جائے، خدا کی شان ہے۔

ایک دفعہ جناب رسولخدا اپنے اصحاب کے ساتھ خرما نوش فرما رہے تھے اور ان کی گٹھلیاں حضرت علی کی طرف پھینکتے جاتے تھے، تھوڑی دیر میں جب گٹھلیوں کا انبار حضرت علی کے سامنے لگ گیا تو آنحضرتؐ نے فرمایا کہ اے علی دیکھو تم نے میری نسبت کتنی زیادہ کھجوریں کھائی ہیں، جناب امیر نے فرمایا کہ حضور والا زیادہ اس نے کھائیں جو گٹھلیوں سمیت کھا گیا، اگر ایسے مزاح منافی نبوت و منافی خلافت ہونے لگے تو پھر خدا ہی حافظ ہے۔

ارباب شوریٰ کو خلیفہ مقرر کرنے کا اختیار فقط حضرت عمر کی طرف سے چند شرائط کے ساتھ ملا ہوا تھا، چونکہ حضرت عثمان کا تقرر ان شرائط کے خلاف ہوا لہذا ناجائز تھا جن امور میں وہ خلاف تھا، وہ ہم اوپر بیان کر چکے ہیں یہاں اختصار کے ساتھ ان کی طرف اشارہ کرتے ہیں، حضرت عمر نے کہا تھا کہ ارباب شوریٰ حضرت عائشہ کے گھر میں یا اس کے متصل جمع ہوں، عبدالرحمٰن ابن عوف نے اپنے بھانجے و داماد مسور ابن مخرمہ کا گھر پسند کیا، حضرت عمر نے کہا تھا کہ خلیفہ کا انتخاب تین دن کے اندر ہو جائے۔ گویا یہ اختیارات صرف تین دن تک کے لئے ملے تھے اگر ان کو اس عرصہ میں زیر عمل نہ لا سکے تو پھر امت کا حق ہو گیا، کہ کل امت میں سے جس کو مناسب سمجھے خلیفہ مقرر کرلے۔ مگر حضرت عثمان کا انتخاب چوتھے دن ہوا، جب کہ اس سے پہلے یہ اختیارات ختم ہو چکے تھے، حضرت عمر نے باہر کے اثرات سے محفوظ رہنے کی سخت تاکید کر دی تھی چنانچہ پچاس انصار دروازے پر تعینات کر دئے تھے کہ کسی کو اندر نہ آنے دیں، نہ ان کو باہر جانے دیں، عبدالرحمٰن نے اسکے خلاف عمل کیا، اونہوں نے تو گروہ بندی قائم کرنی شروع کر دی اس طرح بنو امیہ کو چالبازیوں کا موقعہ مل گیا، حضرت عمر نے فقط اتنا کہا تھا کہ جس طرف عبدالرحمٰن ہوں ان میں سے خلیفہ ہوگا عبدالرحمٰن نے امیدواروں کی تعداد ہی کم کر دی، اور اپنے تئیں باضابطہ واحد ثالث بنا لیا، حضرت علی اس کی ثالثی پر راضی ہی نہیں ہوئے لہٰذا عبدالرحمٰن کا فیصلہ ثالثی ناجائز تھا، حضرت عمر نے خلیفہ کے اوپر یہ قید نہیں لگائی تھی کہ وہ سیرت شیخین کی تقلید کریگا، حضرت عبدالرحمٰن نے ایک شرط پیروی سنت شیخین کی لگا دی اور محض اس شرط کی بناء پر حضرت عثمان کو خلیفہ مقرر کر دیا چونکہ یہ شرط اصلی ہدایت نامہ عمری میں نہ تھی لہذا جو خلیفہ اس کی بناء پر مقرر ہوا وہ ناجائز تھا۔

کیسی جلدی ہی ارباب حکومت سچائی کو چھوڑ کر مناظرہ کا رنگ اختیار کر لیتے ہیں، ابن قتیبہ کہتے ہیں کہ کوئی شخص ایسا نہ تھا کہ جس سے مل کر عبدالرحمٰن نے مشاورت کی ہو اور اس نے عثمان کے حق میں رائے نہ دی ہو، یہ بات بالکل غلط ہے۔ کیا عمار

ابن یاسر، ابوذر غفاری، سلمان فارسی، عباس ابن عبدالمطلب، وعبداللہ ابن عباس امام حسن و امام حسین و دیگر بنو ہاشم سب نے علی کے خلاف اور عثمان کے حق میں رائے دی تھی، اگر ابن قتیبہ کا لکھنا درست ہے تو عبدالرحمٰن نے مشورہ ہی ان سے کیا ہو گا۔ جو حضرت عثمان کے طرفدار تھے، علی کے طرفداروں کو عمداً چھوڑ دیا، تو پھر یہ مشورہ کیا ہوا۔

عبدالرحمٰن کی ساری کارروائی وطرز عمل سے ہویدا ہے کہ وہ شروع سے آخر تک عثمان کی طرفداری کرتے رہے، یہ جانتے تھے کہ بنو امیہ حضرت عثمان کے لئے کوشش کر رہے ہیں، طبریؔ صاحب شمس التواریخ نے ان کی اس چالبازی کو اچھی طرح منکشف کیا ہے، جب بنو امیہ عمرو بن العاص سے ایسی ترکیب کرا سکتے تھے تو انہوں نے ضرور اور لوگوں کو بھی اپنی طرف کرنے کی کوشش کی ہو گی۔ بہتیروں کو منت وسماجت سے بہتیروں کو روپیہ کا لالچ دلا کر، بہتیروں سے آئندہ کے لئے وعدہ کرکے رائے حاصل کرتے تھے، روپیہ کی مدد سے رائے حاصل کرنے کا پتہ شمس التواریخ کے اس فقرے سے چلتا ہے کہ تمام مسلمان عثمان کے احسانوں سے دبے ہوئے پڑے تھے۔ وہ احسان روپیہ ہی کی صورت میں ہو سکتا تھا، اور یہاں روپیہ ہی سے مطلب ہے، غرضکہ عبدالرحمٰن نے اس گفتگو اور تولیق سے جو ارباب شوریٰ میں ہوئی یہ نتیجہ نکالا کہ شاید ان چھ آدمیوں میں عثمان کا منتخب ہونا مشکوک ہو جائے اور یہ کہ اگر عثمان کو میں نے اپنی اثر ورسوخ سے خلیفہ مقرر بھی کر دیا تو شاید اگر مخالفت ہوئی تو اسے کافی حمایت نہ ملے، لہذا انہوں نے یہ تجویز سوچی کہ اول تمام مدینہ کے لوگوں کو عثمان کی طرف کر دیا جائے اور بنو امیہ کو موقعہ دیا جائے کہ وہ اپنی خاص صفات چال بازی ومکر کا استعمال کرکے لوگوں کو عثمان کی طرف کرائیں۔ اس مقصد کو مدنظر رکھ کر آپ مدینہ کے گلی کوچوں میں پھرتے رہے اور اس ہی مطلب کو ملحوظ خاطر رکھ کر آپ نے مسجد میں لوگوں کا اجتماع کرایا، اور وہاں ایک ایسی چال کے ذریعے سے حضرت عثمان کی بیعت کرائی جس کی مکاری ظاہر

ہے ، ناجائز اور ناانصافانہ کارروائی ایک مجمع کے شور و غوغا کے اندر ہی کامیاب ہو سکتی ہے۔
چھ آدمیوں کی بحث و تمحیص کے اندر اس کا چلنا ذرا مشکل تھا ، لہٰذا عبدالرحمٰن نے حضرت
عمر کی تجاویز و ہدایات کے خلاف عمل کرنا گوارا کیا ، مگر عثمان کا موقعہ نہ کھونا چاہا ۔
حضرت عمر کی ہدایات کا مطلب تو یہ تھا کہ ان چھ آدمیوں کی رائے سے خلیفہ مقرر ہو ،
جب عثمان اس طرح کامیاب نہ ہو سکے تو ان ہدایات کے خلاف عبدالرحمٰن خود
ساختہ ثالث بن گئے تاکہ حضرت عثمان کو خلیفہ مقرر کر سکیں ۔ ابن خلدون لکھتا ہے کہ عبدالرحمٰن
بن عوف نے امراء لشکر و اشراف مدینہ سے استصواب کیا ، اور ان سے رائے لی ۔
یہ طریقہ بھی حضرت عثمان کی خاطر اختیار کیا گیا ، امیر لوگ تو امیروں ہی کی طرف ہونگے ،
اسلام میں ابھی تک تو امیری و غریبی کی تخصیص نہیں ہوئی تھی اور امیری کو طرۂ امتیاز نہیں
ملا تھا ، اور لشکریوں کو بھی آنحضرت ﷺ کے زمانہ تک کوئی خاص امتیاز حاصل نہیں ہوا تھا ۔
دنیا کی تاریخ بتا رہی ہے کہ لشکر کے آدمی اس کو حاکم مقرر کیا کرتے ہیں جس سے روپیہ
کے ملنے کی امید ہوتی ہے ، اشراف و امراء لشکری سب جانتے تھے کہ حضرت
علی کی دیانتداری ، ایمانداری ، انصاف پسندی سے یہ امید نہیں کہ ان کے عہد
میں مٹھیاں گرم ہوں ، یہ توقع تو حضرت عثمان ہی کی امیرانہ طبیعت سے ہو سکتی تھی ،
لہٰذا ان لوگوں نے خود بھی حضرت عثمان کی طرف رائے دی ، اور کوشش کی کہ اور
لوگ بھی ان ہی کی طرف ہوں اور یہی مقصد عبدالرحمٰن بن عوف کا تھا ۔

جب تمام لوگوں سے رائے لے چکے اور ان کو مساوی پایا تو پھر زبیر و سعد
سے مشورہ کیا کہ علی و عثمان میں سے کس کو خلیفہ مقرر کیا جائے ، ان دونوں نے متفق
اللفظ ہو کر حضرت علی کے حق میں رائے دی ، اگر عبدالرحمٰن انصاف و اکثریت کے
دلدادہ تھے تو یہ بہت اچھا موقعہ تھا ، حضرت علی کو خلیفہ مقرر کر سکتے تھے ، اگر سچے
دل سے صلاح لی تھی تو اس پر عمل کرنا چاہیئے تھا لیکن یہ ان کا اصلی مقصد نہ تھا ۔
جب حضرت علی کا موقعہ آتا تھا تو اسے فروگذاشت کر جاتے تھے اور پھر حضرت عثمان
کے حق میں تجاویز تلاش کرنے کی فکر میں لگ جاتے تھے ، اسی طرح ایک اور موقعہ جب

حضرت علی کے لئے آیا تو انہوں نے اس کو بھی نظر انداز کر دیا، یہ وہ موقعہ تھا کہ مسجد میں مجمع ہوا، اور عبدالرحمٰن نے لوگوں کو عام دعوت دی تھی کہ جس کو خلیفہ چاہتے ہو اس کی طرف اشارہ کر دو، عمار بن یاسر نے حضرت علی کی طرف اشارہ کیا، اور سب لوگ خاموش رہے، ان کی خاموشی بمنزلہ رضامندی کے تھی، وہ موقعہ تھا کہ حضرت علی کی بیعت کر لی جاتی مگر عبدالرحمٰن خاموش رہے اور بنو امیہ کے کیمپ کی طرف نگراں تھے، لیکن حضرت علیؓ کے حق میں اتنا کثیر مجمع تھا کہ ان کو بھی یک تخت جرأت نہ ہوئی، آخر کار ابن ابی سرح اموی نے کہا کہ اگر تفرقہ کا اندیشہ نہ ہوتا تو میں عثمان کو پسند کرتا، اس کے ان ڈرتے ہوئے الفاظ سے صاف ظاہر ہے کہ مجمع کی اکثریت حضرت علی کے حق میں تھی اور عثمان کو پسند کرنے میں تفرقہ ہوتا تھا لیکن یہ بات عبدالرحمٰن کی طبیعت کے موافق نہ تھی کہ علی خلیفہ ہوں اس لئے اب بھی خاموش رہے اور اب ایک اور چال سوچی جو چل گئی، وہ چال عبدالرحمٰن نے خود سوچی یا عمرو بن العاص کی سوچی ہوئی چال کو پسند کر کے اختیار کر لیا، ایک ہی بات ہے، اگر گروہ اہل حکومت یہ کہتے ہیں کہ عمرو بن العاص کی اس چال کو عبدالرحمٰن نہیں سمجھے تو یہ محض ان کی خوش اعتقادی ہے، یا اس سے امر واقعہ کو چھپانا مطلوب ہے، عبدالرحمٰن ایسے بے وقوف نہ تھے اور چال بہت گہری نہ تھی کہ وہ نہ سمجھتے، اس بات کو بھی عقل سلیم گوارا نہیں کرتی جو صاحب شمس التواریخ کہتے ہیں کہ اپنی اس مکارانہ تجویز کو عمرو بن العاص لے کر حضرت علی کے پاس پہنچے اور حضرت علی اس کے منشاء کو نہ سمجھ سکے عمرو بن العاص بڑا معاملہ فہم و مردم شناس شخص تھا، اور وہ حضرت علی کی ذہانت اور فراست سے اچھی طرح آگاہ تھا، اس میں اتنی جرأت کہاں تھی کہ وہ اپنی اس مکارانہ تدبیر کو حضرت علی کے سامنے پیش کرتا، کیا وہ نہیں معلوم کر سکتا تھا کہ بہت سے سوال اٹھیں گے جن کا جواب وہ نہیں دے سکے گا، مثلاً تمہیں کیونکر معلوم ہوا کہ عبدالرحمٰن کل یہ سوال کریں گے، کیا تم عبدالرحمٰن کے مشوروں میں شامل تھے جس سے ہم علیحدہ ہیں یا کیا کوئی خفیہ کارروائی ہو رہی ہے کہ جس کی خبر تم کو ہے۔ ہم کو نہیں ہے، عثمان سے تم کو

کیا رنج پہونچا ہے اور ہماری خیر خواہی کا خیال تم کو کیوں دامنگیر ہوا جو وہاں کی خفیہ کارروائیوں کو اس طرح طشت ازبام کر رہے ہو اور ان لوگوں کے نزدیک جن کے ساتھ تم شروع سے اب تک رہے ہو اپنی پیشانی پر غداری کا داغ لگوانا چاہتے ہو، حضرت علی کا جواب عمرو بن العاص کے سمجھانے بجھانے پر موقوف نہ تھا۔ بلکہ یہ صاف عیاں ہے کہ اس سوال کا جواب سوائے نفی کے حضرت علی کیا دیتے، کتاب اللہ و سنت رسول کی پیروی تو سر آنکھوں پر اور وہ حضرت علی نے مان لی۔ مگر ان کو تو اس سوال میں فقط زینت کے لئے شامل کر لیا گیا تھا، مقصود تو خلفاء سابقین کی پیروی سے تھا، اُن دونوں خلفاء کی پیروی وہ کرے جو اُن سے علم و فضل میں کم تر ہو، وہ دونوں خود تو اپنی مشکلوں میں مشکلکشا کی طرف رجوع کریں، حضرت عمر کہیں لَوْلَا عَلِیٌّ لَهَلَكَ عُمَرُ اور اب یہ وقت آگیا کہ حضرت علی سے کہا جاتا ہے کہ ان کی پیروی کرنا وہ وہ سب جانتے تھے کہ اس کا جواب حضرت علی نفی میں دیں گے اور اس طرح ہمارا مطلب حاصل ہو جائے گا، یہ تو ہو ہی نہیں سکتا تھا کہ حضرت عثمان کی طرح زبان سے ہاں کر دیتے اور پھر وقت نکل جاتا، تو اس پر عمل نہ کرتے حضرت علی کی شان اس سے بہت ارفع و اعلیٰ تھی، اس بات کا ثبوت کہ عبدالرحمٰن نے اس کو علی کے نکالنے کی ایک ترکیب سمجھ کر استعمال کیا تھا، اس سے بہتر اور کیا ہو سکتا ہے کہ پہلے تو آپ نے یہ فرما دیا کہ لوگو! خاموش ہو جاؤ۔ میں نے اپنے دل میں خلیفہ مقرر کر لیا ہے، تم ذرا ٹھہرو۔ اس کہنے کے بعد اور اپنے ذہن میں خلیفہ مقرر کر لینے کے بعد عبدالرحمٰن نے یہ سوال پیش کیا، وہ جانتے تھے کہ علی انکار کریں گے اور وہ شخص ہاں ہے گا جس کو میں نے اپنے ذہن میں خلیفہ مقرر کر لیا ہے، حضرت علی سے یہ سوال پہلے کیوں کیا گیا؟ مقصد یہ تھا کہ حضرت علی کے انکار سے لوگوں کے دلوں میں آپ کی طرف سے ایک گونہ کدورت پیدا ہو جائے اور پھر عثمان کے اقرار کر لینے سے ان کی قدر و منزلت و محبت

لوگوں کے دلوں میں ایک فوری جذبہ کی طرح پیدا ہو جائے اور اس جذبہ کا فائدہ اٹھاتے ہوئے فوراً ہی ان سے بیعت کر لی جائے۔

غرضکہ ثابت ہوا کہ تجویز شوریٰ بھی حضرت عمر کے مقصدِ سیاست کے حصول کی تدابیر میں سے ایک تدبیر تھی، اس سے اسلام میں کیا خرابیاں پھیلیں اور اسلام کو کیا نقصان ہوا؟ ہم باب پنجدہم میں بتائیں گے۔

تدبیر پانزدہم تنقیصِ شانِ اہلبیت

دنیاوی سلطنت میں قاعدہ ہے کہ جب ایک بادشاہ دوسرے بادشاہ کی جگہ لیتا ہے تو تمام وہ امراء و جماعتیں جو پہلے بادشاہ کے عہد میں با اثر و رسوخ تھیں، اس جدید بادشاہ کے معرضِ عتاب میں آجاتی ہیں اور اس کی کوشش رہتی ہے کہ کسی نہ کسی طرح ان کو بالکل نیست و نابود کر دیا جائے یا کم سے کم دبا کر رکھا جائے۔ اور ان کے مقابلہ میں وہ اپنے خیر خواہوں کی علیحدہ جماعت بناتا ہے۔ حضرت عمر نے اس اصول پر نہایت سختی کے ساتھ عمل کیا، اور اہل بیت نبوی کو ہر ممکن ذریعے سے لوگوں کی نظروں میں گرانے کی کوشش کی، ہر ایک ممکن سختی جو ان پر ہو سکتی تھی وہ کی گئی جناب فاطمہ زہرا صلوٰۃ اللہ علیہا کو خاص طور سے ازواج نبی خصوصاً حضرت عائشہ و حضرت حفصہ کے مقابلہ میں گرایا گیا، یہ حضرت عمر اور ان کی جماعت کی سیاست کا جزوِ اعظم تھا، جناب عمر کی سیاست کا یہ ایک کارنامہ تھا کہ آپ نے اہل بیت رسولؐ کے خلاف صحابہ کا ایسا محاذ قائم کیا جو ہمیشہ باقی رہا، اور جس نے اسلام کو کلی طور سے مسخ کر کے رکھ دیا، اہل بیت رسالت میں حضرت فاطمہؑ کی ایک ایسی ہستی تھی جس کا صحابہ کی مستورات میں کوئی نظیر نہ تھا، جناب عمر نے اس کی کو اس طرح بلورا کیا کہ ان کے مقابلہ میں جناب عائشہ کو بڑھانے کی کوشش کی گئی، جناب رسولخداؐ کی توجہ و محبت ہی باعثِ فضیلت ہو سکتی تھی، اگر وہ توجہ و محبت ہی اس وجہ سے ہوتی تھی کہ شخص محبوب واقعی ذاتی فضیلت بھی رکھتا تھا ورنہ جناب علی کے حقیقی

بھائی بھی بہت تھے، اور حضرت فاطمہؑ کی بیان کیا جاتا ہے کہ حقیقی بہنیں بھی تھیں لیکن جو عزت واحترام ومحبت جناب رسولخدا کو عورتوں میں جناب فاطمہ سے تھی اس کا عشر عشیر بھی کسی اور کے ساتھ نہ تھا، مگران بزرگواروں نے حضرت عائشہ کو ٹکرا کر ہی دیا، اولاد سے محبت کرنا تو فطرتی ہے اور اس کا اظہار معیوب نہیں لیکن جناب عائشہ کے ساتھ جو آنحضرت کے ایک مصنوعی عشق کا نقشہ وضعی روایات کے ذریعہ سے پیش کرنا چاہا، اس نے ایک نہایت مضحکہ خیز صورت حالات پیدا کردی اس کو تفصیل سے بیان کرنا ہم شان نبوت ورسالت کی توہین سمجھتے ہیں، جو شخص یہ دیکھنا چاہتا ہے وہ معتبر کتب احادیث مثلاً صحیح بخاری ومسند امام احمد حنبل، مستدرک علی الصحیحین وغیرہ دیکھے، اگر کوئی آریہ ان میں سے چند کا ترجمہ ایک جگہ جمع کردیتا ہے تو گردن زدنی سمجھا جاتا ہے۔ مگر جن کتابوں سے وہ نقل کرتا ہے وہ اصح الکتب بعد کتاب باری کہی جاتی ہیں۔ یہ منطق بھی کسی خاص مدرسہ میں پڑھے بغیر سمجھ میں نہیں آتی، غرضکہ حضرت عائشہ کو ایسا بڑھایا کہ صدیقہ کا درجہ دیا اور وہ فقہ دین کی معلمہ قرار پائیں لیکن حضرت فاطمہؑ دختر رسول کو کچھ بھی نہ سمجھا بلکہ مجبور کیا کہ عدالت میں برسر دربار آئیں اور مقدمہ کا حکم ان کے خلاف سنانے کی خوشی حکومت کو حاصل ہو، ان کو اور ان کے گواہوں کو عملاً کاذب ٹھہرائیں چونکہ یہ لباس فضیلت اوڑھنے کیلئے حضرت عائشہ کا جسم موزوں نہ تھا یہ احادیث ان کے اوپر اچھی طرح کھلی نہیں بلکہ حضرت عائشہ کی صریح غلطیوں اور لغزشوں کو اجتہاد کے پردے کے اندر چھپانا پڑا۔ آگے چلئے۔ حضرت عائشہ کے لئے بارہ ہزار درہم سالانہ مقرر ہوتا ہے، دیگر امہات المومنین میں سے ہر ایک کو دس ہزار درہم سالانہ وظیفہ دیا جاتا ہے۔ حضرت فاطمہ کو کچھ نہیں۔ حضرت علی وحسنین علیہم السلام کو صرف پانچ پانچ ہزار درہم سالانہ دیا جاتا ہے، اس تقسیم کی منطق ہماری سمجھ سے باہر ہے، اگر یہ کہو کہ چونکہ امہات المومنین بیوگان تھیں۔ ان کو سنبھالنے والا کوئی نہ تھا اسوجہ سے ان کا وظیفہ مقرر کیا گیا تو اس پر ایک تو یہ اعتراض عائد ہوتا ہے کہ دیگر مسلمانوں نے بھی تو بیوگان چھوڑی تھیں یتام

مسلمان بیوگان کو وظیفے ملنے چاہئے تھے دوسرا اعتراض یہ ہے کہ اگر وظیفہ دینا ہی تھا تو ایک اکیلی بیوہ عورت کی ضروریات کے مطابق روپیہ دیا جاتا، اس قدر زیادہ رقم کیوں دی گئی، اب صرف ایک بحث رہ گئی وہ یہ کہ چونکہ ان کا تعلق جناب رسول خدا سے تھا اس لئے ان کو یہ امتیاز دیا گیا، اگر تعلق ورشتہ کا سوال درمیان میں لاتے ہو تو جناب فاطمہؑ کا تعلق ورشتہ جناب رسولخداؐ سے نزدیک ترین تھا

جناب رسولخدا کے زمانہ میں مال غنیمت پانچ حصوں میں تقسیم ہوتا تھا، ایک حصہ خدا ورسول کا، ایک حصہ رسولخدا کے ذوی القربیٰ کا، ایک حصہ یتیم کا، ایک حصہ مسکین کا اور ایک حصہ ابن السبیل یعنی مسافر کا، جناب رسولخدا اسی طرح مال غنیمت کو تقسیم کیا کرتے تھے، مگر حضرت ابوبکر نے اول کے دو حصے بند کر دئے، یعنی نہ تو رسول کا حصہ رکھا، اور نہ اہل بیت رسول کو حصہ دیا، صرف آخر کے تین حصے باقی رہ گئے، مال غنیمت آئندہ سے اسی طرح تین حصوں میں تقسیم ہونے لگا دیکھو:۔

Mohammadan Theories of Finance by N. P. Aghnides Chapt XI. PP. 465-66, 468-69

یہ وہی حضرت ابوبکر ہیں جنھوں نے فدک کے معاملہ میں فرمایا تھا کہ میں جناب رسولخدا کے طرز عمل سے یک سرمو تجاوز نہیں کر سکتا، اب یہ تجاوز کیسا؟ مدعا وہی ایک تھا یعنی تنقیص شان اہل بیت، فدک کے معاملہ میں جہاں اور مقاصد واغراض زیر نظر تھے، یہ ایک مدعا بھی تھا کہ لوگوں کو اچھی طرح جتا دیا جائے کہ اہل بیت رسول میں کچھ خصوصیت نہیں ہے بلکہ دیگر صحابہ ان سے زیادہ وقعت رکھتے ہیں، چنانچہ حضرت فاطمہ کو تو ان کے دعوے میں نعوذ باللہ کاذبہ قرار دیا۔ اور ان کی شہادت کو ناقابل اعتبار، مگر دیگر صحابہ کو صلائے عام دی گئی کہ جس سے جناب رسولخدا نے کوئی وعدہ کیا تھا وہ آئے اور پورا کرا کے لے جائے۔ چنانچہ لوگ آتے تھے، کوئی کہتا تھا کہ مال یمن میں سے مجھے آنحضرتؐ نے اتنا اور اتنا دینے کا وعدہ کیا تھا، اس سے کوئی شہادت طلب نہیں کی جاتی محض اس

کے کہنے پر اس کی خواہش سے سہ گنا اس کو دیا جاتا ہے۔ کوئی کہتا تھا کہ مجھے آنحضرتؐ نے فلاں جاگیر دینے کا وعدہ کیا تھا، اور محض اس کے کہنے پر حضرت ابوبکر اس کو دیدیتے تھے، نہ شاہد نہ تحریر۔ ببین تفاوتِ رہ از کجاست تا بکجا۔ یہ محض اس لئے کہ اہل بیت کو لوگوں کی نظروں میں بالکل گرا دیا جائے

تنقیص شان اہل بیت کے لئے اور بھی بہت سے طریقے ان بزرگواروں نے اختیار کئے ہوئے تھے، ان میں سے نو کو ہم نے شجرۂ مندرجۂ صفحہ ۹۶۰ میں دکھایا ہے اب ایک ایک کرکے ان کا ذکر کرتے ہیں۔

تدبیر دوازدہم مقدمہ فدک

اہل بیتِ رسول میں سے ہر ایک بزرگوار نے خواہ وہ عورت ہو یا مرد اپنے اپنے وقت میں اپنے اپنے طریقے سے اس طرح دین حقہ کی تبلیغ کی ہے کہ ذرا سا غور ہمیں یہ تسلیم کرنے پر مجبور کر دیتا ہے کہ آیۃ وافی ہدایہ کُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْھَوْنَ عَنِ الْمُنْکَرِ کے مقصود یہ ہی ہیں، اہل بیتِ ...ل میں سے پہلی شہیدۂ ظلم جناب فاطمہ ہیں، جو طریقۂ جہاد کہ ان کے لئے موزوں تھا، اور جو طریقہ تبلیغ کہ اُن کی شان کے لائق تھا، اس کو انہوں نے اس احسن شکل میں پورا کیا ہے کہ تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ واقعی یہ بزرگوار سب کے سب خداوندتعالیٰ کی طرف سے مامور تھے، آپ کا کام اپنے اثر میں اپنے شوہر و فرزندوں کے کام سے کسی طرح کم نہ تھا، آپ کا یہ کام اپنی نوعیت میں ایسا ہی تھا کہ جیسا جناب رسولخدا کا بسترِ مرگ پر تحریر وصیت کے لئے قلم و دوات طلب کرنا، اِن دونوں موقعوں پر حضرت عمر جیسا ذہین اور ذکی شخص چکرا گیا اور کچھ نہ سوجھا کہ کیا کریں، پہلے موقعہ پر بھی بات نہ بن سکی، اور نہایت بھونڈا فقرہ اِنَّ الرَّجُلَ لَیَھْجُرُ کہنا ہی پڑا، جس نے ان کے دل کی ساری حالت کو عریاں کرکے رکھ دیا، یہ فقرہ جو اپنے پیغمبر کی نسبت کہا گیا ہے۔ کس طرح دماغی حالت و بے بسی کو ظاہر کر رہا ہے اسی طرح جناب فاطمہؑ نے براہِ راست

دعوے کر کے فریقِ مخالف کے اصلی مدعا و مقصد کو ایسا بے نقاب کیا کہ اس کو وہ سیاستِ عمریہ بھی نہ چھپا سکی جس کی تعریف میں زمین و آسمان کے قلابے ملائے جاتے ہیں، حضرت فاطمہؑ نے خود دربارِ خلافت میں اپنا دعوے اصالتاً پیش کر کے بحث کے سارے پہلوؤں کو غیر متعلق بنا دیا، آپ نے کہا کہ میں یہ خدا کو حاضر و ناظر جان کر کہتی ہوں کہ جنابِ رسولِ خداؐ نے فدک مجھے ہبہ کر دیا تھا اور یوں بھی وراثت میں مجھ کو ہی پہنچتا ہے۔ میں اپنے دعوے کی صداقت میں ان گواہوں کو پیش کرتی ہوں جن کی شہادت رسالت کی تصدیق کے لئے خداوند تعالےٰ نے کفار کے سامنے پیش کی تھی اب صرف ایک ہی سوال رہ گیا ہے، اب بتاؤ تم مجھ کو اور میرے ان گواہوں کو جھوٹا قرار دیتے ہو یا تسلیم کرتے ہو کہ تم ناحق پر ہو، دربارِ خلافت سے فیصلہ صادر ہوتا ہے کہ تم اور تمہارے گواہ جھوٹے، آپ نے کہا کہ بس میں نے بھر پایا، اور واپس تشریف لے آئیں۔ دیکھنے والی آنکھ، غور کرنے والا دماغ اور حق کو سمجھنے والا دل چاہیئے خود بخود نتیجے نکلتے آئیں گے، اس سے بہتر طریقہ تبلیغ کا اُس صورتِ حالات کے اندر ہماری سمجھ میں نہیں آتا، اس فقرہ حسبنا کتاب اللہ کو بھلا دیا، جس کے اوپر فریقِ مخالف کے مذہب و بحث کا دار و مدار تھا، ایسی عقل گم ہوئی کہ خود ہی اپنے عمل سے اس فقرہ کی تردید کرتے ہیں، اب اُس قرآن کے صریح احکام وراثت کو بھی نظر انداز کرنے پر مجبور ہو گئے جس کی نسبت کہا تھا کہ حَسْبُنَا کتاب اللہ اس کتاب اللہ کی طرف نظر اُٹھا کر بھی نہیں دیکھتے۔ اس مقدمے کے فیصلے میں مشکل سے ۵ منٹ لگے ہوں گے، اس قلیل عرصہ میں روز روشن کی طرح واضح ہو گیا کہ حق کس طرف تھا۔

حضرت فاطمہؑ کا دعویٰ فدک اور دربارِ خلافت کا انکاری فیصلہ مسلماتِ تاریخیہ میں سے ہے۔ اس واقعہ کا ذکر صحیح بخاری و صحیح مسلم و مسند امام احمد حنبل اور دیگر کتب احادیث و تواریخ میں پایا جاتا ہے، ہر ایک شخص کو حق حاصل ہے کہ

وہ دعوے پر غور کرے اور دربار خلافت کے فیصلہ کی جانچ پڑتال کر کے اپنی رائے قائم کرے کہ آیا دعویٰ غلط تھا یا دربار خلافت کا فیصلہ، اگر دعویٰ درست نہیں تھا تو دختر رسول علیہا السلام نے کیوں جھوٹا دعویٰ کیا تھا، اور جناب علی مرتضیٰ اور جناب حسنین علیہم السلام نے کیوں جھوٹی گواہی دی، اور اگر فیصلہ غلط تھا تو دربار خلافت سے کیوں غلط فیصلہ صادر کیا گیا واقعہ اس طرح درج ہے۔

حد ثنا عبد العزیز بن عبد اللہ حد ثنا ابراھیم بن سعد عن صالح عن ابن شہاب قال اخبرنی عروۃ بن الزبیر ان عائشہ ام المومنین رضی اللہ عنہا اخبرتہ ان فاطمہ علیہا السلام بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سألت ابابکر الصدیق بعد وفاۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان یقسم لہا میراثہا ما ترك رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مما افاء اللہ علیہ فقال لہا ابو بکر ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال لا نورث ما ترکنا صدقۃ فغضبت فاطمہ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فہجرت ابابکر فلم تزل مہاجرتہ حتی توفیت وعاشت بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

(اسمائے رواۃ عربی میں دیکھو) حضرت عائشہ سے مروی ہے، وہ کہتی ہیں کہ جناب رسول خدا کی وفات کے بعد حضرت فاطمہؑ نے ابوبکر صدیق سے سوال کیا کہ وہ ان کی میراث کا حصہ اس ترکۂ رسول میں سے دیں۔ جو خداوند تعالےٰ نے جناب رسول خدا کو دیا تھا۔ تو حضرت ابوبکر نے حدیث بیان کی کہ جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہم پیغمبر لوگ میراث نہیں چھوڑتے۔ ہمارا ترکہ صدقہ ہے اس پر جناب فاطمہ بنت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکر پر بہت غضبناک ہوئیں اور اس کے بعد ابوبکر سے کلام کرنا ترک کر دیا، اور ان سے کبھی کلام نہیں کیا یہاں تک کہ آپ نے وفات پائی اور رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد آپ چھ مہینہ تک زندہ رہیں

ستة اشهر قالت وكانت فاطمة
تسأل ابابكر نصيبها مما ترك
رسول الله صلى الله عليه وسلم
من خيبر و فدك وصدقته
بالمدينة فابى ابوبكر عليها
ذلك وقال لست تاركا شيئا
كان رسول الله صلى الله عليه
وسلم يعمل به الا عملت به
فانى اخشى ان تركت شيئا
من امره ان ازيغ فاما صدقته
بالمدينة فدفعها عمر الى
على وعباس فاما خيبر وفدك
فامسكهما عمر وقال هما صدقة
رسول الله صلى الله عليه وسلم
كانتا لحقوقه التي تعروه و
نوائبه وامرهما الى من ولى الامر
قال فهما على ذلك الى اليوم

حضرت عائشہ کہتی ہیں کہ جناب فاطمہ نے
ابوبکر سے آنحضرتؐ کا ورثہ خیبر و حوالی مدینہ
میں سے مانگا تھا، مگر ابوبکر نے دینے
سے انکار کیا، اور وہ کہتی ہیں کہ ابوبکر نے کہا
کہ میں نہیں چھوڑنے والا اس چیز کا جس کے
ساتھ جناب رسولخدا عمل کرتے تھے مگر یہ کہ
میں بھی اس کے ساتھ وہی عمل کرونگا میں
تحقیق میں ڈرتا ہوں کہ اگر کسی چیز کو جناب
رسول اللہ کے امور میں سے چھوڑدوں تو حق
سے باطل کی طرف جاؤں مگر اس کے بعد
عمر نے مدینہ کا ورثہ علی و عباس کو دیدیا۔
مگر خیبر و فدک اسی طرح اپنے پاس رکھا۔
اور کہا کہ یہ رسول اللہ کا صدقہ ہیں۔ یہ
دونوں آنحضرتؐ کے پاس ان حوادثات
کے لئے تھے جو ان کو پیش آتے تھے اور
یہ حق ہے اُس کا جو حاکم ہو۔ راوی نے کہا کہ
وہ اس کے زمانہ تک اسی طرح ہے۔

صحیح بخاری:۔ کتاب الخمس۔ باب فرض الخمس۔ الجزء الثانی ص ۱۲۴۔

صحیح بخاری میں اس واقعہ کو کئی جگہ لکھا ہے (۱) کتاب الخمس باب فرض الخمس
(۲) کتاب فضائل اصحاب النبی بذیل ذکر العباس بن عبدالمطلب (۳) کتاب المغازی
باب حدیث بنی النضیر (۴) کتاب المغازی باب غزوۂ خیبر (۵) کتاب الفرائض
باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم لا نورث ما ترکنا صدقۃ (۶) کتاب الاعتصام بالکتاب
والسنۃ باب مایکرہ من التعمق والتنازع فی العلم۔ ایک جگہ واقعہ لکھنے کے بعد

لکھتے ہیں:۔

فوجدت فاطمه علی ابی بکر فی ذلك فهجرته فلم تکلمه حتی توفیت وعاشت بعد النبی صلی الله علیه وسلم ستة اشهر فلما توفیت دفنها زوجها علی لیلا ولم یؤذن بها ابو بکر وصلی علیها وکان لعلی من الناس وجهة حیاة فاطمه فلما توفیت استنکر علی وجوه الناس فالتمس مصالحة ابی بکر ومبایعته ولم یکن یبایع تلك الاشهر۔ صحیح بخاری، کتاب المغازی۔ باب غزوۂ خیبر۔	ابوبکر کے انکار کرنے پر جناب فاطمہ حضرت ابوبکر پر بہت غضبناک ہوئیں اور ان سے کلام کرنا ترک کر دیا اور جب تک زندہ رہیں ان سے نہ بولیں اور بعد رسولخدا کے وہ چھ مہینہ زندہ رہیں جب انہوں نے وفات پائی تو ان کے شوہر حضرت علی نے ان کو رات کو دفن کیا اور ابوبکر کو جنازہ پر آنے کی اجازت نہ دی حضرت علی خود نماز پڑھی حیات فاطمہ تک لوگ حضرت علی کا لحاظ کرتے تھے مگر جب انہوں نے وفات پائی تو لوگ حضرت علی سے منحرف ہو گئے اس وجہ سے حضرت علی نے ابوبکر سے مصالحت و بیعت کر لی لیکن ان چھ مہینوں تک بیعت نہیں کی۔

بالکل اسی طرح صحیح مسلم میں درج ہے دیکھو صحیح مسلم، کتاب الجہاد والسیر۔ باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم لا نورث ما ترکنا فھو صدقة۔

طبقات ابن سعد میں حضرت فاطمہؑ کے طلب میراث کے ذکر کے بعد لکھتے ہیں:۔

فابی ابو بکر ان یدفع الی فاطمه منها شیئا فوجدت فاطمه علیها السلام علی ابی بکر فهجرته فلم تکلمه حتی توفیت وعاشت بعد رسول الله ستة اشهر	ابوبکر نے جناب رسول خدا کے ترکہ میں سے جناب فاطمہ کو کچھ بھی نہ دیا اور انکار کر دیا، اس وجہ سے جناب فاطمہ ابوبکر پر سخت غضبناک ہوئیں اور ان سے ملنا چھوڑ دیا اور مرتے دم تک ابوبکر سے کلام نہ کیا جناب فاطمہ جناب رسولخدا کے بعد چھ

اخبرنا محمد بن عمر حدثنی ھشام بن سعد عن عباس بن عبداللہ بن معبد عن جعفر قال جاءت فاطمہ الی ابی بکر تطلب میراثھا وجاء العبّاس بن عبد المطّلب تطلب میراثہ وجاء معھما علیؑ فقال ابوبکر قال رسول اللہ لا نورث ما ترکنا صدقۃ و ما کان النبی یعول فعلیّ فقال علیؑ ورث سلیمان داؤد وقال ذکریا یرثنی ویرث آل یعقوب قال ابوبکر ھو ھکذا وانت تعلم مثل ما اعلم فقال علی ھذا کتاب اللہ ینطق فسکتوا وانصرفوا۔

ابن سعد۔ طبقات الکبریٰ جلد ۲ ق ۲ ص ۸۶
محمد بن جریر طبری:۔ تاریخ الامم والملوک الجزء الثالث ص ۲۰۲۔

جب تک زندہ رہیں جعفر سے مروی ہے کہ جناب فاطمہؑ نے حضرت ابوبکر کے پاس آن کر اپنی میراث ترکہ رسول سے طلب کی اور عباس نے آنکر اپنی میراث طلب کی، اور حضرت علی ان دونوں کے ہمراہ آئے ابوبکر نے جواب دیا کہ جناب رسولخداؐ نے فرمایا کہ ہم پیغمبروں کی میراث نہیں ہوتی. جو ہم چھوڑتے ہیں وہ ترکہ ہوتا ہے اور جو جناب رسولخدا کرتے تھے وہی میرے اوپر فرض ہے، حضرت علیؑ نے جواب دیا کہ قرآن شریف میں ہے کہ داؤد کا ترکہ سلیمان نے لیا اور ذکریا نے دعا مانگی کہ مجھے لڑکا اور وارث دے تاکہ وہ میرا اور آلِ یعقوب کا وارث ہے ابوبکر نے کہا کہ یہ اسی طرح ہے جس طرح تم کہتے ہو لیکن تم جانتے ہو جو میں جانتا ہوں حضرت علی نے کہا کہ یہ تو کتابِ خدا ہے جو ہمارے حق میں بول رہی ہے لیکن ابوبکر نے انکار کیا اور تینوں خاموش ہو کر چلے گئے۔

علامہ بلاذری نے اس معاملہ پر مزید روشنی ڈالی ہے۔

وحدثنا عبداللہ بن میمون المکتب قال اخبرنا الفضل بن عیاض عن مالک بن جعونہ عن ابیہ قال قالت فاطمہ لابی

(اسماء رواۃ عربی عبارت میں ملاحظہ ہو) مالک بن جعونہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ جناب فاطمہ نے ابوبکر سے فرمایا کہ جناب رسول خداؐ نے مجھ کو فدک ہبہ کر دیا تھا

بکران رسول الله صلی الله علیه وسلم
جعل لی فدك فاعطنی ایاها
وشهد لها علی بن ابی طالب فسألها
شاهدا آخر فشهدت لها ام ایمن
فقال قد علمت یا بنت رسول
الله انه لا تجوز الا شهادة رجلین
او رجل وامرأتین فانصرفت
وحدثنی روح الکرابیسی
قال حدثنا زید بن الحباب
قال اخبرنا خالد بن طهمان عن
رجل حسبه روح جعفر بن محمد
ان فاطمة رضی الله عنها قالت
لابی بکر الصدیق رضی الله عنه
اعطنی فدك فقد جعلها رسول
الله صلی الله علیه وسلم فسألها
البینة فجاءت بام ایمن ورباح
مولی النبی صلی الله علیه وسلم
فشهدا لها بذلك فقال ان
هذا الامر لا تجوز فیه الا شهادة
رجل وامرأتین۔
حدثنا ابن عائشة التیمی قال
حدثنا حماد بن سلمة عن محمد بن
السائب الکلبی عن ابی صالح باذان

پس وہ مجھ کو واپس دیدو اور ان کے دعوے
کی تصدیق میں حضرت علی نے شہادت دی ابوبکر
نے دوسرا گواہ مانگا تو ام ایمن نے حضرت فاطمہ
کے دعوی کی تصدیق میں شہادت دی، اس پر
ابوبکر نے کہا کہ اے دختر رسول آپ جانتی ہیں کہ
نہیں شہادت قبول کی جاتی لیکن دو مردوں
یا ایک مرد اور دو عورتوں کی یہ سن کر حضرت
فاطمہ واپس ہوئیں۔ مجھ سے بیان کیا روح الکرابیسی
نے راویوں کے سلسلہ سے حضرت جعفر بن محمد سے
فرمایا انہوں نے کہ جناب فاطمہ نے ابوبکر صدیق
سے کہا کہ مجھے فدک واپس کردو کیونکہ
جناب رسولخدا صلے اللہ علیہ وسلم نے وہ
مجھے ہبہ کردیا تھا، ابوبکر نے ان سے
شہادت طلب کی پس آپنے ام ایمن اور
رباح غلام رسولخدا کو شہادت میں
پیش کیا اور ان دونوں نے حضرت فاطمہ
کے دعوی کی تصدیق میں شہادت دی
اس پر ابوبکر نے کہا کہ یہ شہادت تو اس
وقت جائز ہوگی کہ جب ایک مرد اور دو عورتیں
شہادت دیں۔
(اسمائے رواۃ عربی میں ملاحظہ فرمائیے)
ام ہانی سے مروی ہے وہ کہتی ہیں کہ جناب
فاطمہ دختر رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم

عن ام ھانی ان فاطمہ بنت رسول	حضرت ابوبکر کے دربار میں آئیں اور کہا کہ جب
اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اتت	تم مروگے تو تمہارا ورثہ کون لے گا، ابوبکر نے
ابا بکر الصدیق رضی اللہ عنہ	جواب دیا کہ میرے اہل و اولاد لیں گے اس
فقالت لہ من یرثک اذا مت قال	پر حضرت فاطمہ نے کہا کہ تمہارا کیا حال ہے کہ
ولدی و اھلی قالت فما بالک ورثت	تم نے جناب رسولخدا کا ورثہ ہتھیا لیا اور ہم
رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم	کو نہ دیا، ابوبکر نے جواب دیا کہ میں نے تمہارے
دونہا فقال یا بنت رسول اللہ ما	باپ سے سونا و چاندی تو ورثہ میں نہیں لیا،
واللہ ۔ ورثت اباک ذھبا و	اور نہ یہ لیا اور نہ وہ لیا، حضرت فاطمہ نے کہا
لا فضۃ ولا کذا ولا کذا فقالت	کہ خیبر میں ہمارا حصہ دو، اور فدک ہماری
سہمنا بخیبر و صدقتنا فدک	موہوبہ ملکیت ہے، ابوبکر نے کہا کہ اے بنت
فقال یا بنت رسول اللہ سمعت	رسول میں نے جناب رسولخدا کو کہتے ہوئے
رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم	سنا تھا کہ فدک ایک طعمہ ہے جس سے خداوند تعالے
یقول انما ھی طعمۃ اطعمینہا	زندگی میں مجھے رزق دیتا ہے، پس جب میں
اللہ حیاتی فاذا مت فھی بین	مرجاؤں گا تو وہ مسلمانوں میں تقسیم
المسلمین ۔	کردیا جائے گا ۔

ابو الحسن البلاذری :- فتوح البلدان مطبوعہ ۱۳۵۰ ہجری ۱۹۳۲ء المطبعۃ المصریۃ بالازہر - ص ۴۴ ، ۴۵ -

Philip Khuri :- The origins of the Islamic State
Part I. P. 52

فی تاریخ ابن واضح ان فاطمہ	تاریخ ابن واضح میں ہے کہ حضرت فاطمہ
بنت رسول اللہ اتت ابا بکر	نے ابوبکر کے پاس آکر وہ جائداد طلب کی
تطلب میراثہا فقال لہا قال	جو ان کو رسول اللہ سے بطور ورثہ پہنچی تھی
رسول اللہ لا نورث ما ترکنا	حضرت ابوبکر نے کہا کہ جناب رسولخدا نے

رقۃ فقالت انی اللہ ان ترث	فرمایا ہے کہ ہمارا کوئی وارث نہیں جو ہم چھوڑیں
اباک ولا ارث ابی اما قال رسول	وہ صدقہ ہے حضرت فاطمہؑ نے جواب دیا کہ کیا
اللہ المرء یحفظ ولدہ فبکی ابوبکر	خدا کی شان ہے تم تو اپنے باپ کا ورثہ پاؤ، اور میں
بکاءً شدیداً	اپنے باپ کا ورثہ نہ پاؤں، کیا رسول اللہ نے یہ

نہیں فرمایا کہ ہر شخص اپنی اولاد کی حفاظت کرتا ہے۔ یہ سُن کر حضرت ابوبکر بہت شدت سے روئے۔

علامہ ابن حجر مکی حضرت ابوبکر کی وکالت اِس طرح کرتے ہیں :۔

ودعواھا انہ صلی اللہ علیہ وسلم	اور جناب فاطمہ کا دعویٰ کہ جناب رسولخدا
نحلھا فدک لم تات علیھا الا بعلی	نے ان کو فدک ہبہ کر دیا تھا سو اس دعوی پر
وام ایمن ولم یکمل نصاب البینۃ	علی وام ایمن کی شہادت انہوں نے پیش کی
علی ان فی قبول شہادۃ الزوج	لیکن اس سے شہادت و گواہی کا صحیح
لزوجتہ خلافا بین العلماء	درجہ پورا نہیں ہوتا، کیونکہ علماء میں زوجہ
وعدم حکمہ بشاھد ویمین اما	کے حق میں اس کے خاوند کی شہادت قبول
لعلہ لکونہ ممن لا یراہ ککثیر من	کرنے میں اختلاف ہے یا یہ بھی ہو سکتا ہے
من العلماء او انہا لم تطلب الحلف	کہ حضرت فاطمہؑ نے اپنے گواہوں سے حلف
مع من شہد لھا وزعمھم ان الحسن	پر شہادت نہ لی ہو، لوگوں کا یہ خیال کہ امام حسنؑ
والحسین وام کلثوم شہدوا	حسین وام کلثوم نے بھی تو شہادت حضرت
لھا باطل علی ان شہادۃ الفرع و	فاطمہ کے حق میں دی تھی اس وجہ سے باطل ہے
الصغیر غیر مقبولۃ وسیاتی	کہ اولاد اور کم سن بچوں کی گواہی اپنے والدین
عن الامام زید ابن الحسن بن	کے حق میں قابل قبول نہیں، امام زید بن حسن
علی بن الحسین رضی اللہ عنھم	بن علی بن الحسین نے حضرت ابوبکر کے اس فعل
انہ صوب ما فعلہ ابوبکر و	کو صحیح سمجھا اور کہا کہ اگر میں ان کی جگہ ہوتا
قال لو کنت مکانہ لحکمت بمثل	تو یہی فیصلہ کرتا۔ ایک روایت میں ہے
ما حکم بہ وفی روایۃ ثانی	کہ جواب دوئم میں لکھی جائے گی کہ زید نے

فی الباب الثانی ان ابا بکر کان رحیما و کان یکرہ ان یغیر شیئا ترکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاتتہ فاطمہ فقالت ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اعطانی فدک فقال هل لک بینۃ فشهد لها علی وام ایمن فقال لها فبرجل و امرأۃ تستحقیها ثم قال زید واللہ لو رفع الامر فیها الی لقضیت بقضاء ابی بکر رضی اللہ عنه وعن اخیه الباقر انه قیل له ظلمکم الشیخان من حقکم شیئا فقال لا ومنزل الفرقان علی عبدہ لیکون للعالمین نذیرا ما ظلمانا من حقنا ما یزن حبۃ خردلۃ۔

کہا کہ ابوبکر رحم دل تھے۔ یہ نہیں چاہتے تھے کہ جناب رسولخدا کے ترکہ میں کسی قسم کا تغیر و تبدل کریں، پس جب جناب فاطمہؑ نے ان سے آن کر کہا کہ جناب رسولخدا نے مجھے فدک عطا کر دیا ہے تو ابوبکر نے ان سے اس دعوی پر شہادت طلب کی پس ان کے حق میں علی و ام ایمن نے شہادت دی اس پر حضرت ابوبکر نے کہا کہ ایک مرد اور ایک عورت کی شہادت سے تمہارا حق ثابت نہیں ہو سکتا، اس کے بعد زید نے کہا کہ بخدا اگر یہی معاملہ میرے سامنے پیش ہوتا تو میں بھی وہی فیصلہ دیتا جو حضرت ابوبکر نے دیا تھا، ان کے بھائی امام باقرؑ سے کہا گیا کہ کیا حضرت ابوبکر و عمر نے تمہارے اوپر ظلم کیا، اونہوں نے جواب دیا کہ قرآن شریف کے نازل کرنے والے کی قسم انہوں نے ہمارے اوپر رائی کے دانہ کی برابر بھی ظلم براہ راست نہیں کیا۔

ابن حجر مکی:۔ صواعق محرقہ۔ باب الاول فصل الخامس ص ۲۲۔

سید نور الدین سمہودی:۔ وفاء الوفاء الجزء الثانی باب السادس فصل الثانی صفحہ ۱۵۷

علامہ ابن حجر مکی جماعت حکومت کے بہت بڑے مناظر ہیں اور ان کی ساری عمر اسی دنگل میں کشتیاں کرتے گذری ہے، ناظرین نے دیکھ لیا کہ اس مضمون پر باوجود اپنی علمیت و تجربے کے وہ کیا بحث پیش کر سکے ہیں، اس بحث کو ذہن میں محفوظ نہ

رکھئے۔ ہم آگے چل کر اس کا جواب دیں گے، یہاں تو یہ بات نوٹ کرنے کے قابل ہے کہ علامہ موصوف مانتے ہیں کہ حضرت فاطمہ نے فدک کا دعویٰ ہبہ و وراثت کی بناء پر دربارِ خلافت میں آن کر پیش کیا، اور اس دعویٰ کی تصدیق کے لئے حضرت علی و حسنین ع و ام ایمن و ام کلثوم کو شہادت میں پیش کیا، مگر حضرت ابوبکر نے سب کو جھوٹا تصور کر کے دعوے مسترد کر دیا، شرح مواقف میں بھی یہ ہی بحث کی گئی ہے۔

فان قیل ادعت فاطمہ انہ نحلھا	اور اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ جناب فاطمہؑ نے
ای اعطاھا فدک نحلۃ وعطیۃ	دعویٰ کیا کہ جناب رسول خدا نے انہیں
وشھد علیہ علی والحسن والحسین	فدک ہبہ میں دیدیا تھا اور اس دعوے کی
وام کلثوم والصحیح ام ایمن فرد	شہادت حضرات علی و حسن و حسین و ام کلثوم
ابوبکر شہادتھم فیکون ظالما	نے دی اور ان کی شہادت کو حضرت
قلنا اما الحسن والحسین فللفرع	ابوبکر نے رد کر دیا اور اس وجہ سے وہ
لان شھادۃ الولد لا یقبل لاحد	ظالم ہوئے، تو ہم اس کا یہ جواب دیتے ہیں
ابویہ واجدادہ عند اکثر اھل	کہ حسن و حسین کے متعلق تو یہ ہے کہ اہل
العلم وایضاً ھما کانا صغیرین	علم کی ایک جماعت کے نزدیک اولاد کی شہادت
فی ذلک الوقت واما علی وام ایمن	اپنے والدین کے حق میں مقبول نہیں دوسرے یہ
فلقصور ھما عن نصاب البینۃ	کہ وہ صغیر السن تھے اور حضرت علی و ام ایمن
وھو رجلان او رجل وامرأتان	کے متعلق یہ جواب ہے کہ ان دونوں سے

نصابِ شہادت پورا نہیں ہوتا کیونکہ نصاب شہادت یہ ہے کہ یا تو دو مرد گواہی دیں۔ یا ایک مرد اور دو عورتیں گواہی دیں۔

کتاب الاکتفاء میں ابراہیم بن عبداللہ الوصابی اور کتاب محلی میں ابن حزم اندلسی لکھتے ہیں۔

روی ان علی ابن ابی طالب رضی	منقول ہے کہ حضرت ابوبکر کے سامنے جناب علی
اللہ عنہ شھد لفاطمہ عند	مرتضیٰ اور ان کے ساتھ ام ایمن نے حضرت

ابی بکر الصدیق ومعہ ام ایمن فقال لہ ابو بکر لو شہد معک رجل او امرأۃ اخری لقضیت لہا بذلک۔

فاطمہ کے حق میں شہادت دی تھی، اس پر حضرت ابو بکر نے حضرت علی سے کہا کہ اگر تمہارے ساتھ ایک مرد شہادت دیتا یا ایک اور عورت شہادت دیتی تو میں فاطمہ کے حق میں اس دعوی کا فیصلہ کر دیتا۔

اس واقعہ کے تمام حوالجات کو ایک جگہ جمع کرنے سے ناظرین کو سہولت ہوگی یہ واقعہ اسی طرح مندرجہ ذیل کتب میں درج ہے۔

صحیح بخاری:۔ کتاب الخمس باب فرض الخمس ، (۲) کتاب فضائل اصحاب النبی بذیل ذکر العباس بن عبد المطلب (۳) کتاب المغازی باب حدیث بنی النضیر (۴) کتاب المغازی باب غزوۂ خیبر (۵) کتاب الفرائض باب قول النبی لا نورث ما ترکنا صدقۃ (۶) کتاب الاعتصام بالکتاب السنۃ باب ما یکرہ من التعمق والتنازع فی العلم۔

صحیح مسلم:۔ کتاب الجہاد والسیر۔ باب قول النبی لا نورث ما ترکنا صدقۃ۔

سنن ترمذی:۔ کتاب ۱۹۔ باب ۴۴۔

سنن ابی داؤد:۔ کتاب ۱۹ باب ۱۸

کنز العمال علی متقی:۔ الجزء الثالث حرف الخاء کتاب الخلافت باب اول۔

ص ۱۲۵۔ حدیث ۲۲۳۹

ص ۱۲۹ حدیث ۲۲۵۸، ۲۲۵۹، ۲۲۶۰

ص ۱۳۳ حدیث ۲۲۸۶

ص ۱۳۴ حدیث ۲۲۹۰، ص ۱۳۵ حدیث ۲۲۹۷۔

ص ۱۳۶ حدیث ۲۳۰۹، ۲۳۱۰

الجزء الرابع ص ۵۲ حدیث ۱۰۸۶

مسند امام احمد حنبل:۔ الجزء الاول ص ۴، ۶، ۹، ۱۰، ۱۳

فتوح البلدان بلاذری:۔ مطبوعہ مصر ص ۴۴، ۴۵۔

ابن سعد :۔ طبقات الکبریٰ ج ۲ ق ۲ ص ۸۶، الجزء الثامن ص ۱۸۔

تاریخ طبری :۔ الجزء الثالث ۲۰۲

ابن حجر مکی :۔ صواعق محرقہ باب الاول فصل الخامس ص ۲۲

سید نورالدین سمہودی :۔ وفاء الوفاء باخبار دار المصطفیٰ الجزء الثانی باب السادس فصل الثانی ص ۱۵۷، ۱۶۰

ریاض النضرہ محب الدین طبری الجزء الاول القسم الثانی الفصل الثانی عشر ذکر اقتفائہ آثار النبوۃ واتباعہ ایاھا ص ۱۴۰، ۱۴۱، باب الخامس من قسم الاول ص ۴۲

تفسیر کبیر امام رازی :۔ در تفسیر آیہ وما افاء اللہ علی رسولہ منہم فما اوجفتم علیہ من خیل ولا رکاب۔

سیرۃ الحلبیہ :۔ الجزء الثالث ص ۵۹، ص ۳۹۹

ابن ابی الحدید :۔ شرح نہج البلاغۃ، الجزء الرابع ص ۸۶، ۸۷، ۱۰۰، تا ۱۰۳، ۹۳، ۸۳۔

روضۃ الاحباب۔ جلد اول ص ۴۴۴

اُن کی وصیت کے مطابق حضرت فاطمہ کو رات کو دفن کیا، اور حضرت عمر و ابوبکر کو جنازہ پر آنے کی اجازت نہیں دی گئی۔ صحیح بخاری۔ کتاب المغازی۔ باب غزوۂ خیبر۔

طبقات ابن سعد :۔ الجزء الثامن ذکر فاطمہ ص ۱۹۔

مستدرک علی الصحیحین :۔ الجزء الثالث ذکر فاطمہ ص ۱۶۲

حضرت عائشہ کو بھی جنازے پر نہ آنے دیا۔ الاستیعاب :۔ ابن عبد البر ص ۲ ص ۷۷۲

عن ام جعفر ان فاطمہ رضی اللہ عنہا قالت لاسماء بنت عمیس ...... فاذا انا مت فاغسلینی	ام جعفر کہتی ہیں کہ جناب فاطمہ نے اسماء بنت عمیس سے کہا کہ ...... جب میں مرجاوں تو تم اور علی مجھ کو غسل دیں اور اپنے

انت وعلی ولا یدخل علی احد
غیرك فلما توفیت جاءت عائشہ
تدخل فقالت اسماء لا تدخلی
فشکت الی ابی بکر فقالت ان ھذہ
الخثعمیۃ تحول بیننا وبین
بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم وقد جعلت لہا مثل
ھودج العروس فجاء ابو بکر رضی
اللہ عنہ فوقف وقال یا اسماء ما
حملك علی ان منعت ازواج النبی
صلی اللہ علیہ وسلم ازواج النبی
صلی اللہ علیہ وسلم یدخلن علی بنت رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم وجعلت لہا مثل ھودج
العروس فقالت امرتنی ان لا یدخل
علیہا واریتہا ھذا الذی صنعت
وھی حیۃ فامرتنی ان اصنع ذلك لہا
قال ابو بکر رضی اللہ عنہ اصنعی ما امرتك
ثم انصرف وغسلہا علی واسماء اخرجہ ابو عمر
رخرج الدولابی معناہ مختصراً۔

کسی اور کو میری جنازہ پر نہ آنے دینا۔ پس جب
حضرت فاطمہ کا انتقال ہوا تو حضرت عائشہ
آئیں مگر اسماء بنت عمیس نے ان کو جنازہ پر
نہ آنے دیا، حضرت عائشہ نے ابوبکر سے جا کر شکایت کی
یہ خثعمیہ ہمارے اور بنت رسول کے درمیان
حائل ہوتی ہے اور ایک ہودج مثل ہودج
عروس جنازے کے لئے بنایا ہے۔ پس
حضرت ابوبکر آئے اور باہر ہی ٹھہر گئے اور کہا
کہ اے اسماء تو کیوں ازواج رسول کو بنت
رسول کے جنازہ پر آنے سے روکتی ہے اور
کیوں جنازے کے لئے دلہن کا سا ہودج بنایا
ہے، اسماء نے کہا کہ حضرت فاطمہ نے مجھے وصیت
کی تھی کہ ان کے جنازہ پر کوئی آنے دے اور
ایسا ہودج انہوں نے خود مجھے بنا کر دکھایا
تھا کہ میں ایسے ہودج میں ان کا جنازہ
رکھوں، ابوبکر نے کہا کہ اچھا تم کرو جو تم کو
انہوں نے وصیت کی ہے یہ کہہ کر واپس چلے
گئے اور جسد اطہر کو علی و اسماء نے غسل دیا، ابو عمر
دولابی نے بھی اخراج اس روایت کا کیا ہے

حسین دیار بکری۔ تاریخ الخمیس الجزء الثانی ص ۳۱۳۔

واقعہ تو ہم کو معلوم ہو گیا، اب اس کے مختلف پہلوؤں پر غور کرنا چاہیئے ہیں
قضیہ کے مختلف پہلو یہ ہیں۔

(۱) فدک کیونکر حاصل ہوا اور زمانہ رسو لخدا میں کس کی ملکیت میں تھا۔

(۲) محرک ہبہ کیا تھا، یعنی جناب رسولخدا نے کیوں ہبہ کیا۔
(۳) کیا بطور امر واقعہ ہبہ ہوا یا نہیں۔
(۴) بوقت رحلت رسول فدک پر قبضہ کس کا تھا۔

شق اول حصول و ملکیت فدک یوں تو جو ما بین زمین و آسمان تھا وہ خدا کا ہے اور اس کے رسول کی ملکیت میں تھا، مگر دنیاوی قواعد و عدل کے بموجب خداوند تعالےٰ نے یہ اصول مقرر فرما دیا کہ جو ملک یا جاگیر یا مال غنیمت مسلمانوں کی مشترکہ کوشش وجد و جہد سے حاصل ہو اس میں مسلمانوں کا بھی حصہ ہے لیکن جو زمین یا ملک جناب رسولخدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بغیر مسلمانوں کی امداد کے حاصل ہو جائے محض ان کی ملکیت ہوگا اس میں مسلمانوں کا حصہ نہیں، یہ قاعدہ ان الفاظ میں مقرر کیا گیا۔

وَمَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْهُمْ فَمَآ اَوْجَفْتُمْ عَلَيْهِ مِنْ خَيْلٍ وَّ لَا رِكَابٍ وَّلٰكِنَّ اللّٰهَ يُسَلِّطُ رُسُلَهٗ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ ۭ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ پارہ ۲۸ سورۃ الحشر ع ۱۔

ترجمہ:۔ اور جو مال حق تعالیٰ نے اپنے رسول کو ان لوگوں سے لڑے بغیر عنایت کیا ہے تو اس پر نہ تم نے گھوڑے دوڑائے ہیں نہ اونٹ لیکن اللہ اپنے رسولوں کو جس جس پر چاہتا ہے مسلط فرما دیتا ہے، اور اللہ ہر چیز پر (پوری پوری) قدرت رکھنے والا ہے۔

اب دیکھیں کہ فدک کس طرح حاصل ہوا تھا۔

قالوا:۔ بعث رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم الی اھل فدک منصرفہ من خیبر محیصۃ بن مسعود الانصاری یدعوھم الی الاسلام ورئیسھم رجل منھم	خیبر سے واپسی کے وقت جناب رسولخدا نے محیصہ بن مسعود الانصاری کو اھل فدک کے پاس دعوت الی الاسلام دینے کے لئے بھیجا۔ ان کا رئیس یوشع بن نون یہودی تھا پس ان لوگوں

يقال له يوشع بن نون اليهودي
فصالحوا رسول الله صلى الله عليه
وسلم على نصف الارض بتربتها
فقبل ذلك منهم فكان نصف فدك
خالصًا لرسول الله صلى الله عليه
وسلم لانه لم يوجف المسلمون
عليه بخيل ولا ركاب۔

نے جناب رسولخدا کو نصف اراضی فدک دے کر
مصالحت کرلی اور آنحضرتؐ نے اس کو منظور
کرلیا۔
پس یہ نصف فدک خاص جناب رسولخدا صلے
اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ملکیت تھا کیونکہ اس کے
حصول کے لئے مسلمانوں نے اونٹ اور
گھوڑے نہیں دوڑائے تھے۔

ابوالحسن البلاذری :- فتوح البلدان ص ۴۲

حدثنا الحسين بن الاسود قال
حدثنا يحيى بن آدم قال حدثنا
ابن ابی زائدة عن محمد بن اسحق عن
الزهری وعبد الله بن ابی بکر و
بعض ولد محمد بن مسلمة قالوا
بقيت بقية من اهل خيبر
تحصنوا وسألوا رسول الله صلى
الله عليه وسلم ان يحقن دماءهم
ويسيرهم فسمع بذلك اهل
فدك فنزلوا على مثل ذلك وكانت
فدك لرسول الله صلى الله عليه
وسلم خاصة لانه لم يوجف المسلمون
عليها بخيل ولا ركاب وحدثنا
الحسين عن يحيى بن آدم عن زياد
البكائی عن محمد بن اسحاق عن

(اسمائے رواۃ عربی عبارت میں ملاحظہ ہوں)
زہری و عبداللہ بن ابی بکر اور محمد بن
مسلمہ کی چند اولاد سے روایت ہے
وہ کہتے ہیں کہ اہل خیبر میں سے جو باقی
رہ گئے تھے وہ قلعہ میں پناہ گزیں ہوگئے
اور جناب رسولخدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم
سے مصالحت کی درخواست کی کہ ان کو
قتل و اسیر نہ کیا جائے۔ جب اہل فدک نے
یہ سنا تو انہوں نے بھی جناب رسولخداؐ سے
مصالحت کرلی پس اس وجہ سے فدک بالکل خاص
ملکیت جناب رسولخدا کی تھی کیونکہ مسلمانوں
نے اس کے حصول کے لئے گھوڑے اور اونٹ
نہیں دوڑائے تھے اور یہی روایت دوسرے
طرق سے مروی ہے۔ اس میں اتنا زیادہ ہے کہ
محیصہ بن مسعود کو جناب رسولخدا اور اہل فدک

عن عبد اللہ بن ابی بکر غزوہ زاد فیہ وکان فیمن مشی بینہم محیصہ بن مسعود | کے درمیان بات چیت کے لئے بھیجا تھا

ابو الحسن البلاذری :۔ فتوح البلدان۔ ص ۳۴۔

حسین دیار بکری :۔ تاریخ الخمیس الجزء الثانی ص ۶۴۔

ابن الاثیر الجزری :۔ تاریخ الکامل الجزء الثانی ص ۸۵۔

ابو الفداء :۔ تاریخ الجزء الاول ص ۱۴۸۔

علامہ سہیلی :۔ روض الانف الجزء الثانی ص ۲۴۷۔

ابن ہشام :۔ سیرۃ النبی الجزء الثالث ص ۴۰۸۔

محمد بن جریر الطبری :۔ تاریخ الامم والملوک الجزء الثالث ص ۹۵، ۹۸۔

خود حضرت عمر فدک کو جناب رسولخدا کی خاص ملکیت سمجھتے تھے۔ چنانچہ مولوی شبلی تک نے اس کو تسلیم کیا ہے ہم الفاروق سے مولوی شبلی کی عبارت نقل کرتے ہیں۔

عراق و شام کی فتح کے وقت حضرت عمر نے صحابہ کے مجمع عام میں جو تقریر کی تھی اس میں قرآن مجید کی اس آیت سے مَآ اَفَآءَ اللّٰہُ عَلٰی رَسُوْلِہٖ مِنْ اَھْلِ الْقُرٰی فَلِلّٰہِ الاٰیۃ استدلال کرکے صاف کہہ دیا تھا کہ مقامات مفتوحہ کسی خاص شخص کی ملکیت نہیں ہیں بلکہ وقف عام ہیں چنانچہ فی کے ذکر میں یہ بحث گذر چکی ہے البتہ یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ اس آیت سے پہلے جو آیت ہے اس سے فدک وغیرہ کا آنحضرت کی خاص جائداد ہونا ثابت ہوتا ہے اور خود حضرت عمر اس کے یہی معنی قرار دیتے تھے۔ آیت یہ ہے۔

وَمَآ اَفَآءَ اللّٰہُ عَلٰی رَسُوْلِہٖ مِنْھُمْ فَمَآ اَوْجَفْتُمْ عَلَیْہِ مِنْ خَیْلٍ وَّلَا رِکَابٍ وَّ لٰکِنَّ اللّٰہَ	اور جو کچھ ان لوگوں سے (یعنی یہود بنی نضیر سے) خدا نے اپنے پیغمبر کو دلایا تو تم لوگ اس پر چڑھ کر نہیں گئے تھے،

يُسَلِّطُ رُسُلَهٗ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ — بلکہ خدا اپنے پیغمبروں کو جس پر چاہتا ہے مسلط کرتا ہے

چنانچہ حضرت عمر نے اس آیت کو پڑھ کر کہا تھا کہ فکانت خالصۃ لرسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اور یہ واقعہ صحیح بخاری باب الخمس اور باب المغازی اور باب المیراث میں بہ تفصیل مذکور ہے۔

مولوی شبلی :۔ الفاروق مطبوعہ مفید عام آگرہ سنہ ۱۹۰۲ حصہ دوئم ص ۲۵۶، ۲۵۷، ۲

شق دوئم وسوئم۔ محرک ہبہ و واقعہ ہبہ

ہمیں مولوی شبلی مرحوم کا قول یاد ہے کہ تمام مورخین اسلام سنی المذہب ہوئے ہیں ، اندریں صورت جب حضرت ابوبکر نے فیصلہ صادر کر دیا کہ حضرت فاطمہؑ کا دعویٰ فدک کی بابت جھوٹا تھا، تو اب ان مورخین کے لئے یہ ناممکن تھا کہ وہ لکھ دیتے کہ حضرت فاطمہ کو آنحضرتؐ نے فدک عطا کیا تھا لیکن حق کی صفت ہے کہ وہ کسی نہ کسی طرح ظاہر ہو جاتا ہے، حق بیں نظریں چاہئیں حق موجود ہے۔

واخرج البزار و ابو یعلی و ابن ابی حاتم و ابن مردویہ عن ابی سعید الخدری رضی اللہ عنہ قال لما نزلت ھذہ الاٰیۃ وات ذا القربی حقہ دعا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم فاطمہ واعطاھا فدک واخرج ابن مردویہ عن ابن عباس رضی اللہ عنہما قال لما نزلت وآت ذا القربی حقہ اقطع رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم فاطمہ فدکا۔

البزار ابو یعلی و ابن ابی حاتم و ابن مردویہ نے اپنے اپنے طریقے سے ابو سعید الخدری سے روایت کی ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰی حقہ (پارہ ۱۵ سورہ بنی اسرائیل ع ۳) تو جناب رسول خداؐ نے فاطمہ کو بلایا اور فدک ان کو ہبہ کر دیا، اور ابن مردویہ نے عبداللہ ابن عباس سے روایت کی ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی وات ذا القربی حقہ تو جناب رسول خدا نے فدک جناب فاطمہؑ کو عطا کر دیا۔

جلال الدین سیوطی:۔ کتاب الدر المنثور الجزء الرابع ص ۱۷۷۔

معلوم ہوا کہ جماعت حکومت کے اتنے جلیل القدر علماء یعنی البزار، ابو یعلی، ابن ابی حاتم و ابن مردویہ نے ثابت کیا ہے کہ جناب رسولخدا نے فدک جناب فاطمہ کو ہبہ کر دیا اور اس کی وجہ آیہ ؐوآت ذالقربیٰ حقہ تھی۔ تاریخ حبیب السیر میں درج ہے۔

در مقصد اقصیٰ بدیں عبارت مزبور است کہ بعضے گویند حضرت رسالت لبسوئے فدک امیر المومنین علی را فرستاد و مصالحت بر دست امیر واقع شد، بہ آں نہج کہ امیر قصد خون ایشاں نہ کند و حوائط خاص از آن رسول باشد، پس جبرئیل فرود آمد و گفت حق تعالیٰ می فرماید کہ حق خویشان بدہ رسول گفت خویشان من کیستند و حق ایشاں چیست جبرئیل گفت فاطمہ است حوائط فدک را بدودہ و انچہ از ان خدا و رسول است در فدک ہم بدودہ، و پیغمبر علیہ السلام فاطمہؑ را بخواند و از برائے او حجتے نوشت و آں وثیقہ بود کہ بعد از وفات رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم پیش ابوبکر آوردہ گفت ایں کتاب رسول خدا است کہ از برائے من و حسنؑ و حسینؑ نوشتہ است۔

ترجمہ:۔ مقصد اقصیٰ میں درج ہے کہ جناب رسول خدا نے حضرت علی کو فدک کی طرف روانہ کیا، اور حضرت علی سے اہل فدک نے اس طرح صلح کر لی کہ جناب امیر ان کو قتل نہ کریں اور فدک کی اراضیات خاص ملکیت رسول ہو وے۔ پس جبرئیل امین از جانب رب العالمین نازل ہوئی اور کہا کہ حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ اپنے قریبی رشتہ داروں کو ان کا حق دیدو جناب رسولخدا نے فرمایا کہ وہ خاص قریبی رشتہ دار میرے کون ہیں اور ان کا حق کیا ہے، جبرئیل نے کہا کہ فاطمہ۔ پس حوالی فدک ان کو دیدو اور نیز جو خدا اور رسول کا حصہ فدک میں ہے وہ بھی ان کو دیدو، اس پر جناب رسولخدا نے فاطمہؑ کو طلب کیا اور ان کے لئے فدک کا عطیہ کر کے ایک وثیقہ تحریر کر دیا اور یہ وہ وثیقہ تھا جو بعد وفات رسول حضرت فاطمہ ابوبکر کے پاس لائیں اور اُسے دکھا کر کہا کہ یہ تحریر رسول خدا میرے اور حسن و حسین کے حق میں ہے۔

تاریخ حبیب السیر:۔ جلد اول جزو سوم ص ۵۸۔

ملا معین کاشفی: معارج النبوۃ رکن چہارم باب دہم در بیان وقائع سال ہفتم از ہجرت واقعہ سیزدہم "

علی المتقی: - کنز العمال فی صلۃ الرحم من کتاب الاخلاق ۔

شق چہارم ۔ قبضۂ فدک بوقت وفات رسول صلعم

ہمارے لئے بڑی مشکل یہ ہے کہ ہم نے اپنے اوپر واجب کر لیا ہے کہ جو کچھ ثابت کریں کتب جماعت حکومت سے ثابت کریں، اور جماعت حکومت کی کتابوں میں حضرت ابوبکر کے فعل کی مذمت ملنی دشوار ہے ۔ لیکن جس طرح ہم نے حق کے جواہر ریزوں کو ان خاک کے تودوں سے چھان کر نکالا ہے، اس کی داد ہمیں امید ہے کہ اہل حق ضرور دیں گے، روایات سابقہ سے ظاہر ہے کہ خداوند تعالیٰ کی طرف سے جناب رسول خدا مامور تھے کہ فدک حضرت فاطمہ کو ہبہ کر دیں، اور شرع اسلامی کا یہ حکم صاف ہے کہ تبدیل قبضہ واہب کی طرف سے موہوب لیہ کی طرف ضروری ہے، لہذا نتیجہ نکلا کہ جناب رسول خدا نے اپنے شرع پر ضرور عمل کیا ہوگا، اور قبضہ موہوب الیہا کو دیدیا ہوگا، بہت سی روایات ہیں کہ ان ابابکر انتزع من فاطمہ فدک یعنی ابوبکر نے حضرت فاطمہ سے فدک کا قبضہ چھین لیا ۔

اما ما ذکرہ المجد من ان فاطمہ ادعت نحلۃ فدک فروی ابن شیبہ ما یشہد لہ عن النمیر بن حسان قال قلت لزید بن علی .... ان ابابکر انتزع من فاطمہ فدک ۔	مجد نے جو حضرت فاطمہؑ کے دعویٰ کے متعلق لکھا ہے اس کی بابت یہ ہے کہ ابن شیبہ روایت کرتا ہے نمیر بن حسان سے وہ کہتا ہے کہ میں نے زید بن علی سے کہا ..... کہ ابوبکر نے فاطمہ سے فدک کا قبضہ چھین لیا ۔

سید نور الدین سمہودی :- وفاء الوفاء باخبار دار المصطفیٰ الجزء الثانی باب السادس صفحہ ۱۶۱

حضرت علی نے اپنے عامل کو تحریر کیا ۔

بلے کانت فی ایدینا فدک من کل ما اظلتہ السماء فشحت علیہا نفوس قوم وسخت عنہا نفوس آخرین ونعم الحکم اللہ
نہج البلاغہ:۔ مطبوعہ مصر دار الکتب العربیۃ الکبریٰ۔ الجزء الثالث ص ۸۴ من کتاب امیر المومنین الی عثمان بن حنیف

ہاں، فدک ہماری قبضۂ خاص میں تھا۔ ہمارے سوائے آسمان کے نیچے جو بھی ہے اس کا فدک سے کچھ تعلق نہ تھا پس قوم کے چند لوگوں نے اس کی بابت بخل کیا۔ اور اس کی وجہ سے بہتوں کے دل میں آگ لگی (اور ہم سے چھین لیا) مگر سب سے بہتر حکم کرنے والا خدا ہے۔

اور خود حضرت عمر کے قول سے تو اس قضیہ کا فیصلہ ہی ہو جاتا ہے۔

ثم توفی اللہ نبیہ صلے اللہ علیہ وسلم فقال ابوبکر انا ولی رسول اللہ فقبضہا ابوبکر۔

صحیح بخاری۔ باب الخمس و باب المغازی۔ قول عمر۔

ترجمہ۔ پھر خداوند تعالیٰ نے اپنے نبی کو اپنے جوار رحمت میں بلا لیا۔ پس ابوبکر نے کہا کہ میں رسولخدا کا ولی ہوں، اس بناء پر انہوں نے فدک کو اپنے قبضہ میں لے لیا۔

دیکھو الفاروق مولوی شبلی حصۂ دوم ص ۲۵۸

امور و واقعات متفرقہ

جب بنو نضیر کو جلا وطن کیا گیا تو ان کی آراضیات بھی اسی طرح خاص ملکیت رسول قرار پائیں۔

حدثنا الحسین بن الاسود قال حدثنا یحیی بن آدم قال حدثنا سفیان عن الزھری قال کانت اموال بنی نضیر مما افاء اللہ علے رسولہ ولم یوجف المسلمون علیہ بخیل ولا رکاب

(اسمائے رواۃ عربی میں ملاحظہ ہوں) بنی نضیر کے اموال ان میں سے تھے۔ جن کو خداوند تعالیٰ نے اپنے رسول کو عطا کیا تھا، کیونکہ مسلمانوں نے اس کے حصول کے لئے گھوڑے اور اونٹ نہیں دوڑائے۔ پس وہ خالص ملکیت

فکانت لرسول اللہ صلی اللہ علیہ و	جناب رسولخدا کی تھی، آپنے ان کو تقسیم
سلم خالصۃ فقسمہا بین	کرکے مہاجرین کو بانٹ دیا، انصار میں
المہاجرین ولم یعط احدا من	سے کسی کو سوائے دو شخصوں کے کچھ نہیں
الانصار منہا شیئا الا رجلین	ملا، وہ دو شخص فقیر تھے۔ یعنی سماک بن
کانا فقیرین سماک بن خرشہ	خرشہ ابو دجانہ اور سہل بن حنیف
ابا دجانہ وسہل بن حنیف۔	

فتوح البلدان بلاذری ص ۳۳۔

فکانت اموال بنی النضیر خالصۃ	اموال و جائداد بنی نضیر جناب رسولخدا
لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم	صلے اللہ علیہ وسلم کی واحد ملکیت
وکان یزرع تحت النخل فی	میں تھے اور آنحضرت کھجوروں کے
ارضہم فیدخل من ذلک	نیچے کی زمین کاشت کراتے تھے اور
قوت اھلہ وازواجہ سنۃ	اس کی پیداوار سے اپنے اہل و عیال
وما فضل جعلہ فی الکراع	کے لئے خوراک مہیا کرتے تھے اور
والسلاح واقطع رسول اللہ	جو ایک سال کے بعد بچ رہتا تھا اس
صلے اللہ علیہ وسلم من	سے سلاح حرب خرید لیتے تھے، اور
ارض بنی النضیر ابا بکر	جناب رسول خدا نے اراضیات بنی نضیر میں
وعبد الرحمن بن عوف وابا	سے زمینیں حضرت ابوبکر و عبد الرحمن بن
دجانہ سماک بن خرشہ	عوف، ابو دجانہ سماک بن خرشہ الساعدی وغیرہم
الساعدی وغیرہم	کو ہبہ کردی تھیں۔

فتوح البلدان بلاذری ص ۳۱

صحیح مسلم:۔ کتاب الجہاد والسیر باب حکم الفئی، الجزء الخامس ص ۱۵۲

وحدثنا الحسین قال حدثنا	اسمائے رواۃ عربی میں) ہشام بن
یحیی بن آدم قال اخبرنا قیس	عروہ اپنے باپ سے روایت کرتے

بن الربیع عن ھشام بن عروۃ عن ابیہ قال قطع رسول اللہ صلی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الزبیر بن العوام ارضا من ارض بنی النضیر ذات نخل وحدثنا الحسین قال حدثنا یحییٰ قال حدثنا یزید بن عبد العزیز عن ھشام بن عروۃ عن ابیہ قال قطع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من اموال بنی النضیر واقطع الزبیر وحدثنی محمد بن سعد کاتب الواقدی حدثنا انس بن عیاض وعبد اللہ بن نمیر قالا حدثنا ھشام بن عروۃ عن ابیہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اقطع الزبیر ارضا من اموال بنی النضیر فیہا نخل وان ابا بکر اقطع الزبیر الجرف قال انس فی حدیثہ ارضا امواتا وقال عبد اللہ بن نمیر فی حدیثہ وان عمر اقطع الزبیر العقیق اجمع۔

فتوح البلدان بلاذری۔ ص ۳۴

ہیں کہ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو نضیر کی آراضیات میں سے کھجوروں والی زمین زبیر بن العوام کو ہبہ کر دی روایت بطریق دیگر سے بھی یہی مروی ہے، نیز ہشام بن عروہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ ابو بکر نے زبیر کو جرف عطا کر دیا تھا۔

دوسری روایت میں ہے کہ عمارات کے لائق بنجر زمین ہبہ کی، اور عبد اللہ بن نمیر کہتے ہیں کہ حضرت عمر نے ساری وادی عقیق حضرت زبیر بن العوام کو ہبہ

وحدثنی عمرو بن محمد الناقد قال	عمرو بن محمد الناقد نے روایت کی سفیان بن
حدثنا سفیان بن عینیہ عن	عینیہ سے اس نے معمر سے اس نے زہری
معمر عن الزہری عن مالک بن اوس	سے اور زہری نے مالک بن اوس بن الحدثان
بن الحدثان قال قال عمر بن	سے وہ کہتا ہے کہ کہا جناب عمر بن الخطاب نے
الخطاب کانت اموال بنی النضیر	بنونضیر کے اموال ان اشیاء میں سے تھے
مما افاء اللہ علیٰ رسولہ ولم یوجف	جو جناب رسولخدا کی واحد اور خاص ملکیت
المسلمون علیہ بخیل ولا رکاب	میں تھیں مسلمانوں نے اس کے حصول کے لئے
فکانت لہ خالصۃ فکان ینفق	اونٹ اور گھوڑے نہیں دوڑائے اس وجہ سے
منہا علیٰ اہلہ نفقۃ سنۃ وما	وہ رسولخدا کی خالص و واحد ملکیت میں تھے اور
بقی جعلہ فی الکراع والسلاح	آنحضرت اپنے اہل وعیال پر ایک سال تک اسکو خرچ
عدۃ فی سبیل اللہ	کرتے تھے جو بچ رہتا تھا اس سے فی سبیل اللہ اسلاح
فتوح البلدان بلاذری ص ۳۳	وغیرہ خرید لیتے تھے۔

جناب فاطمہ علیہا السلام کے دعوے میں فدک کے علاوہ خمس خیبر بھی شامل تھا جو ورثہ کے طور پر جناب فاطمہ طلب فرماتی تھیں لہٰذا ہم اس کا بھی ذکر کئے دیتے ہیں۔

حدثنی الحسین بن الاسود قال	(اسماء رواۃ عربی میں ملاحظہ فرمائیے)
حدثنا یحیی بن آدم قال حدثنا زیاد	ابن شہاب کہتے ہیں کہ جناب رسولخدا
بن عبد اللہ بن طفیل عن محمد بن	نے خیبر کے چند قلعوں کو جدال و قتال
اسحٰق قال سالت بن شہاب	کرکے فتح کیا تھا، اور چند قلعے ایسے تھے
عن خیبر فاخبرنی انہ بلغہ ان	کہ بغیر لڑائی کے خداوند تعالےٰ نے اپنے
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم افتتحہا	رسول کو دیدئے تھے لہٰذا اس میں سے
عنوۃ بعد القتال وکانت مما افاء اللہ علیٰ	جناب رسول خدا نے اپنا خمس علیحدہ لے
رسولہ صلی اللہ علیہ وسلم فخمسہا رسول اللہ	لیا اور باقی خیبر مسلمانوں میں تقسیم کردیا۔
صلی اللہ علیہ وسلم وقسمہا بین المسلمین	

حضرت ابوبکر کا معمولی طریقہ قضایا فیصلہ کرنے کا طریقہ اس سلسلہ میں یہ معلوم کرنا بھی خالی از دلچسپی نہ ہوگا کہ حضرت ابوبکر عام طور سے ایسے تنازعات کس طرح فیصلہ کیا کرتے تھے۔ حضرت ابوبکر کے زمانہ میں مدینہ میں چند اصحاب مقرر تھے جو مقدمات فیصلہ کیا کرتے تھے۔ تاریخ طبری الجزء الرابع ص ۵۰۔ اس کے علاوہ حضرت ابوبکر بھی مقدمات فیصلہ کرتے تھے لیکن وہ اس طرح کہ مسجد میں اکابر صحابہ بلا لئے جاتے تھے اور ان کے مشورے سے مقدمات فیصلہ ہوا کرتے تھے۔

اخبرنا محمد بن عمر الاسلمی نا جاریة بن ابی عمران عن عبد الرحمن بن القاسم عن ابیه ان ابا بکر الصدیق کان اذا نزل به امر یرید فیه مشاورة اهل الرائ واهل الفقه دعا رجالا من المهاجرین والانصار دعا عمر و عثمان و علیا وعبد الرحمن بن عوف ومعاذ بن جبل وابی بن کعب و زید بن ثابت وکل هؤلاء کان یفتی فی خلافة ابی بکر وانما تصیر فتوی الناس الی هؤلاء فمضی ابو بکر علی ذلک۔	(اسماء رواۃ عربی میں ملاحظہ ہو) عبدالرحمٰن ابن قاسم اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ جب حضرت ابوبکر صدیق کے مشکل مقدمہ آتا تھا۔ جس میں وہ اہل رائے سے مشورہ کرنا چاہتے تھے تو مہاجرین وانصار میں سے اصحاب کو طلب کر لیتے تھے اکثر عمر و عثمان و علی و عبدالرحمٰن بن عوف و معاذ بن جبل و ابی بن کعب و زید بن ثابت کو بلایا کرتے تھے۔ یہ سب لوگ خلافت ابی بکر میں علیحدہ علیحدہ بھی فتوے دیتے تھے۔ یہ حالات اسی طرح پر رہے حتیٰ کہ حضرت ابوبکر نے وفات پائی۔

طبقات ابن سعد:۔ جلد ۲ ق ۲ ص ۱۰۹

عبدالسلام ندوی:۔ تاریخ فقہ اسلامی ص ۱۶۹، ۱۷۰

صحابہ کے اس قسم کے دعوے حضرت ابوبکر کس طرح فیصلہ کرتے تھے

حدثنا علی بن عبداللہ حدثنا	جابر ابن عبداللہ کہتے ہیں کہ جناب رسول خدا

اسمٰعیل بن ابراهیم قال اخبرنی
رُوح بن القاسم عن محمد بن المنکدر
عن جابر بن عبدالله رضی الله
عنهما قال کان رسول الله صلی الله
علیه وسلم قال لی لو قد جاءنا
مال البحرین قد اعطیتک هکذا و
وهکذا فلمّا قبض رسول الله صلی
الله علیه وسلم وجاء مال البحرین
فقال ابو بکر من کانت له عند
رسول الله صلی الله علیه وسلم
عدة فلیأتنی فاتیته فقلت
ان رسول الله صلی الله علیه وسلم
قد کان قال لی لو قد جاءنا
مال البحرین لاعطیتک هکذا و
هکذا و هکذا فقال لی احثه
فحثوت حثیة فقال لی عدها
فعددتها فاذا هی خمسمأته فاعطانی الف و خمسمأة۔

نے مجھ سے فرمایا تھا کہ اگر بحرین کا مال آیا
تو ہم تم کو اتنا و اتنا و اتنا دینگے جب جناب
رسولخدا نے انتقال فرمایا اور ان کے بعد
بحرین کا مال آیا تو ابوبکر نے کہا کہ جن جن سے
جناب رسولخدا صلے اللہ علیہ وآلہ نے کچھ
وعدہ کیا ہے وہ میرے پاس آئیں۔ جابر
کہتے ہیں کہ میں حضرت ابوبکر کے پاس
گیا اور ان سے کہا کہ جناب رسول خدا صلے
اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ سے وعدہ کیا
تھا کہ اگر بحرین کا مال آیا تو ہم تم کو اتنا و اتنا
و اتنا دیں گے، اس پر حضرت ابوبکرؓ نے
مجھ سے کہا کہ اس مال میں سے ایک لپ
بھر لو، میں نے ایک لپ بھر لی تو حضرت ابوبکر
نے کہا کہ اس کو شمار کرو۔ میں نے شمار کیا تو وہ
پانچ صد تھے پس حضرت ابوبکر نے مجھ کو پندرہ
سو عنایت کئے۔

صحیح بخاری کتاب الخمس باب ما اقطع النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم من البحرین وما وعد من مال البحرین الجزء الثانی ص ۱۳۵ ۔ طبقات ابن سعد۔ ج ۲ ق ۲ ص ۸۸

حدثنا عبدالله حدثنی ابی ثنا
عبد الرزاق اخبرنی معمر ان ابن
جریج اخبره عن عمرو بن شعیب
عن ابیه عن عبدالله بن عمرو بن

(اسمائے رواۃ عربی میں ملاحظہ فرمائیے) عبد
اللہ ابن عمرو بن العاص کہتا ہے کہ زنباع
والد روح نے اپنے غلام کو اپنی لونڈی کے
پاس پایا۔ پس اس نے غلام کی ناک کاٹ

العاص ان رتبا عا ابا رباح وجد
غلاما له مع جارية له فجدع انفه
وجبه فاتى النبي صلى الله عليه
وسلم فقال من فعل هذا بك
قال ربتاع فدعاه النبي صلى الله
عليه وسلم فقال ما حملك على
هذا فقال كان من امره كذا وكذا
فقال النبي صلى الله عليه و
سلم للعبد اذهب فانت حر
فقال يا رسول الله فمولى من
انا قال مولى الله ورسوله فاوصى
به رسول الله صلى الله عليه وسلم
المسلمين قال فلما قبض رسول
الله صلى الله عليه وسلم جاء
الى ابى بكر فقال وصية رسول
الله صلى الله عليه وآله وسلم
قال نعم نجرى عليك النفقة
وعلى عيالك فاجراها عليه حتى
قبض ابوبكر فلما استخلف
عمر جاءه فقال وصية رسول
الله صلى الله عليه وسلم قال
نعم اين تريد قال مصر فكتب
عمر الى صاحب مصر ان يعطيه

ڈالی، جب وہ غلام جناب رسول خدا کے
سامنے آیا تو آنحضرت نے فرمایا کہ تیرے ساتھ
یہ کس نے کیا ہے اس نے جواب دیا کہ رتباع
نے، آپ نے رتباع کو بلا کر اس سے پوچھا کہ تو نے
یہ کیوں کیا، اس نے غلام کا سارا ماجرا بتایا کہ
اس پر آنحضرت صلعم نے غلام سے فرمایا کہ جا تو
آزاد ہے، غلام نے کہا کہ میں کس کا غلام
آزاد کردہ اپنے تئیں سمجھوں، آپ نے فرمایا
کہ خدا اور رسول کا تو غلام آزاد کردہ ہے۔
گویا آنحضرت نے لوگوں کو اس کی نسبت
وصیت کی، جب جناب رسول خدا کا
انتقال ہوا تو وہ غلام ابوبکر کے پاس آیا۔
اور کہا کہ مجھ سے رسول خدا نے یہ کہا تھا۔
ابوبکر نے کہا کہ اچھا ہم تسلیم کرتے ہیں اور
تیرے اور تیرے عیال کے لئے نان و نفقہ
مقرر کرتے ہیں چنانچہ مقرر کر دیا، جب ابوبکر
کا انتقال ہوا، اور عمر کو گدی ملی تو وہ
غلام اسی طرح حضرت عمر کے پاس آیا اور
دعویٰ کیا، حضرت عمر نے کہا کہ تو کہاں
کی جاگیر چاہتا ہے اس نے کہا کہ
مصر کی، تو انہوں نے عامل مصر کو لکھا
کہ اس کو کچھ زمین دے دو کہ وہ کھائے

ارضاً یا کلہا۔

مسند امام احمد حنبل الجزء الثانی ص ۱۸۲۔

حضرت ابوبکر نے فدک کا وثیقہ جناب فاطمہؑ کے حق میں لکھ دیا لیکن حضرت عمر نے (خدا ان سے بہت خوش ہو) حضرت فاطمہؑ کے ہاتھ سے لیکر چاک کر دیا

وَ فی کلام سبط ابن الجوزی رحمہ اللہ انہ رَضی اللہ عنہ کتب لہابفدك و دخل علیہ عمر رضی اللہ عنہ فقال ماھذا فقال کتاب کتبتہ لفاطمہ بمیراثہا من ابیہا فقال ما ذاتنفق علی المسلمین وقد حاربتك الحرب کما تری ثم اخذ عمر الکتاب فشقہ۔

سبط ابن الجوزی کی تحقیق ہے کہ حضرت ابوبکر نے فدک کا وثیقہ حضرت فاطمہؑ کو لکھ دیا، لیکن اسی وقت حضرت عمر وہاں آگئے اور پوچھا کہ یہ کیا ہے حضرت ابوبکرؓ نے کہا کہ یہ وثیقہ ہے جو میں نے فاطمہؑ کے حق میں اس کی باپ کی میراث فدک کی بابت لکھا ہے حضرت عمر نے کہا کہ پھر تو مسلمانوں کو کہاں سے کھلائیگا دیکھتا نہیں کہ تمام عرب تجھ سے جنگ پر آمادہ ہے پس حضرت عمر نے وہ وثیقہ چھین کر چاک کر ڈالا۔

علی بن برہان الدین الحلبیہ انسان العیون فی سیرۃ الامین المامون الجزء الثالث ص ۴۰۰۔

حضرت فاطمہ کی منزلت خدا و رسولؐ خدا کے نزدیک

آیۂ تطہیر و آیۂ مباہلہ کا ذکر ہم پہلے ہی کر چکے ہیں حضرت فاطمہ علیہا السلام کے مناقب بہت زیادہ ہیں یہاں ان کا تفصیل سے ذکر کرنا ناممکن ہے، اختصار کے ساتھ ہم صرف اشارتاً لکھ دیتے ہیں۔

فاطمہ بضعۃ منی من اغضبہا اغضبنی

یعنی فاطمہؑ میرا ٹکڑا ہے جس نے اس کو غضبناک کیا اس نے مجھے غضبناک کیا۔

بخاری الجزء الثانی ص ۲۰۰، ۲۰۵

فتح الباری الجزء السابع ص ۸۲۔

قال رسول اللہ لعلی وفاطمہ والحسن والحسین انا حرب لمن حاربھم وسلم لمن سالمھم اشعۃ اللمعات شیخ عبدالحق محدث دہلوی جلد چہارم ص ۳۸۴ مطبوعہ بمبئی

یعنی جناب رسول خدا نے حضرت علی و فاطمہ و حسنؑ و حسینؑ کی نسبت فرمایا کہ میں اس سے لڑائی رکھتا ہوں جو ان سے لڑائی رکھے اور اس سے صلح رکھتا ہوں جو ان سے صلح رکھے۔

احب الناس الی رسول اللہ فاطمہ — یعنی حضرت فاطمہ تمام لوگوں سے زیادہ جناب رسولخدا کو عزیز تھیں۔

اور یہ قول حضرت عائشہ کا ہے۔

اشعۃ اللمعات:۔ جلد چہارم ص ۳۸۴۔ مطبوعہ بمبئی۔

مستدرک علی الصحیحین:۔ الجزء الثانی کتاب التفسیر ص ۴۱۷۔ الجزء الثالث صفحہ ۱۵۵، ۱۵۷

مسند احمد حنبل:۔ الجزء الخامس ص ۴۲

مسند ابی داؤد طیالسی۔ ص ۸۰۔

مصابیح السنۃ الجزء الثانی ص ۲۸۲

عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اول شخص یدخل الجنۃ علی وفاطمہ بنت محمد۔ نور الابصار ص ۴۱۔ اسعاف الراغبین ص ۱۲۰، ۱۲۱۔ یعنی ابو ہریرہ کہتے ہیں کہ فرمایا جناب رسول خدا نے کہ سب سے پہلے جنت میں علی و فاطمہ داخل ہوں گے۔

قال اذا کان یوم القیامۃ قیل یا اھل الجمع غضوا ابصارکم حتی تمر فاطمہ بنت محمد رسول اللہ فتمر وعلیھا حلتان خضروان فھی اول من یکسی

مسند احمد حنبل:۔ الجزء الرابع ص ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۳۔

مستدرک علی الصحیحین الجزء الثالث ص ۱۵۳ و ۱۶۱

یعنی فرمایا جناب رسولخدا نے کہ بروز قیامت لوگوں سے کہا جائے گا کہ اے اہل محشر

اپنی آنکھیں بند کرلو تاکہ فاطمہ بنت محمد رسول اللہ گزر جائیں پس وہ گزر جائیں گی۔
اور آپ دو حلّہائے سبز پہنے ہوں گی اور آپ کو سب سے پہلے لباس پہنایا جائیگا۔
فاطمۃ سیدۃ نساء اھل الجنۃ۔ یعنی فاطمہ اہل جنت کی عورتوں کی سردار ہیں
اشعۃ اللمعات۔ جلد چہارم ص ۳۸۰، ۲۹۳۔ مطبوعہ بمبئی
نزل الابرار: ص ۴۵، ۴۶۔
مستدرک علی الصحیحین الجزء الثالث ص ۱۵۱، ۱۵۴، ۱۵۶، ۱۶۰
یا فاطمۃ ان اللہ یغضب لغضبکِ ویرضی لرضائکِ نزل الابرار
ص ۴۷۔ مستدرک علی الصحیحین۔ یعنی اے فاطمہ خدا تیرے غضب سے غضبناک
ہوتا ہے اور تیری رضا سے راضی ہوتا ہے۔
اذا رجع من السفر بدا ء بالمسجد ثم یاتی فاطمۃ مستدرک الجزء الثالث
ص ۱۵۵۔ یعنی جب آنحضرت سفر سے واپس تشریف لاتے تھے تو پہلے مسجد میں ہوکر
جناب فاطمہ کے گھر تشریف لایا کرتے تھے۔
اذا سافر النبی کان آخر الناس عھدا فاطمۃ مستدرک الجزء الثالث ص ۱۵۶
یعنی جب جناب رسولخدا سفر کو جاتے تھے تو سب سے آخر تک جناب فاطمہ کے ساتھ
رہتے تھے۔

جب حضرت فاطمہ تشریف لاتی تھیں تو جناب رسول خدا کھڑے ہو جایا کرتے
تھے۔ مستدرک علی الصحیحین۔ الجزء الثالث ص ۱۶۰۔ روضۃ الندیہ ص ۹۴
لغایت ۱۰۰۔

اپنے رشتہ داروں کا درد آنحضرتؐ کے دل میں

عن ابن عباس رضی اللہ عنہما
ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم
قال لاصحابہ یومئذٍ انی قد
عرفت ان رجالاً من بنی ھاشم

ابن عباس کہتے ہیں کہ جب جنگ بدر کے
لئے آراستہ ہوئے تو جناب رسولخداؐ نے اپنے اصحاب
سے کہا کہ میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ
بنو ہاشم وغیرہ کو مجبور کرکے ہمارے خلاف

وغيرهم قد اخرجوا كرهاً لا حاجة لهم بقتالنا فمن لقي منكم احداً من بني هاشم فلا يقتله ومن لقي ابا البختري بن هشام بن الحارث بن اسد فلا يقتله ومن لقي العباس بن عبد المطلب عم رسول الله صلى الله عليه وسلم فلا يقتله فانه انما اخرج مستكرهاً۔ قال فقال ابو حذيفة انقتل آباءنا وابناءنا واخواننا وعشيرتنا ونترك العباس والله لئن لقيته لألحمنه السيف۔

ابن ہشام :- سیرۃ النبی الجزء الثانی ص ۲۶۹۔

جنگ کے لئے کفار لائے ہیں ان کو ہم سے جنگ کرنے کی ضرورت نہیں لہذا اگر تم میں سے کوئی بنوہاشم کے مقابلہ میں آئے تو ان کو قتل نہ کرے اور جو ابوالبختری بن ہشام بن حارث بن اسد سے ملے تو اسے قتل نہ کرے اور جو عباس سے ملاقی ہو تو وہ اسے قتل نہ کرے کیونکہ انکو زبردستی سے ان کی مرضی کے خلاف کفار لائے ہیں ابن عباس کہتے ہیں کہ اس پر ابوحذیفہ نے کہا کہ خوب ہم اپنے آباؤ اجداد بھائیوں اور رشتہ داروں کو تو قتل کریں اور عباس کو چھوڑ دیں واللہ اگر وہ مجھے مل گیا تو میں اس کو تلوار کے گھاٹ اتار دوں گا۔

ابن کثیر :- البدایۃ والنہایۃ فی التاریخ الجزء الثالث ص ۲۸۴

تاریخ طبری :- الجزء الثانی ص ۲۸۲۔

شرح زرقانی علی مواہب اللدنیہ الجزء الاول ص ۴۳۹۔

عن عبد الله ابن عباس قال لما امسى القوم من يوم بدر والاسارى محبوسون في الوثاق بات رسول الله صلى الله عليه وسلم ساهراً اول ليلة فقال له اصحابه يا رسول الله ما لك لا تنام فقال سمعت تضور العباس في وثاقه قال فقاموا

عبداللہ ابن عباس کہتے ہیں کہ جنگ بدر کی شام ہوئی اور کفار کے قیدیوں کو مسلمانوں نے زنجیروں سے جکڑ دیا تو جناب رسول خدا کو بڑی رات تک نیند نہ آئی، اصحاب نے عرض کی کہ یا رسول اللہ آپ کو کیا ہوا ہے کیوں نیند نہیں آتی آپ نے فرمایا کہ مجھے عباس کے کراہنے کی آواز بے چین کر رہی ہے، اس لئے نیند نہیں آتی۔ عبداللہ ابن عباس کہتے ہیں کہ لوگ اٹھے

الی العباس فاطلقوہ فنام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔	اور عباس کو کھول دیا، پھر جناب رسول خدا آرام سے سو گئے۔

تاریخ طبری :۔ الجزء الثانی ص ۲۸۸
تاریخ ابن کثیر شامی الجزء الثالث ص ۲۹۹
شرح زرقانی علی مواہب لدنیہ الجزء الاول ص ۴۰۴
اردو ترجمہ تاریخ خلدون جلد سوئم ص ۸۷۔

عن عائشہ رضی اللہ عنہا قالت لما بعث اھل مکۃ فی فداء اسراھم بعثت زینب بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی فداء ابی العاص ابن الربیع بمال وبعثت فیہ بقلادۃ لھا کانت خدیجہ ادخلتہا بہا علی ابی العاص حین بنی علیہا قالت فلما رآھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رق لھا رقۃ شدیدۃ وقال ان رایتم ان تطلقوا لھا اسیرھا وتردوا علیہا مالھا فافعلوا فقالو نعم یا رسول اللہ فاطلقوہ وردوا علیہا الذی لھا۔	حضرت عائشہ کہتی ہیں کہ جب اہل مکہ نے اپنے اسیروں کا فدیہ بھیجا تو زینب دختر جناب رسول خدا نے اپنے شوہر ابوالعاص کے فدیہ کے لئے مال بھیجا اور اس میں وہ ہار بھی تھا جو حضرت خدیجہ نے ابوالعاص کے نکاح کے وقت زینب کو دیا تھا حضرت عائشہ کہتی ہیں کہ جب جناب رسول خدا نے وہ ہار دیکھا تو آپ شدت سے رونے لگے اور کہا کہ اگر تم مناسب سمجھو تو زینب کو اس کا اسیر یعنی ابوالعاص کو بھی رہا کر دو اور اس کا مال بھی واپس کر دو ان لوگوں نے کہا کہ بہتر، اور ابوالعاص کو رہا کر دیا۔ اور زینب کا مال بھی واپس کر دیا۔

ابن ہشام :۔ سیرۃ النبی الجزء الثانی ص ۲۹۰
تاریخ طبری :۔ الجزء الثانی ص ۲۹۱
تاریخ ابن کثیر شامی :۔ الجزء الثالث ص ۳۱۲۔

شرح زرقانی علی مواہب لدنیہ الجزء الاول ص ۵۱۴۔

اردو ترجمہ تاریخ ابن خلدون جلد سوئم ص ۸۹

مامون عباسی کو مذہبی اور تاریخی مسائل پر گفتگو کرنے اور بحث سننے کا شوق تھا چنانچہ حضرت ابوبکر کے اس فیصلہ فدک کا بھی اس نے بہت مطالعہ کیا اور فریقین کی بحث سنی، آخر کار اس نتیجہ پر پہنچا کہ حضرت ابوبکر کا فیصلہ غلط تھا، فدک وغیرہ آنحضرت صلعم نے حضرت فاطمہؑ کو عطا کر دیا تھا اور ان کا ہی حق تھا۔ چنانچہ اس نے ایک فرمان جاری کیا کہ فدک اولادِ فاطمہ کو واپس کر دیا جائے، اس فرمان کو ہم فتوح البلدان بلاذری سے نقل کرتے ہیں یہ فرمان بروز بدھ بتاریخ ۲ ماہ ذی قعدہ ۲۱۰ھ ہجری جاری ہوا تھا۔

ولما کانت سنة عشر ومائتين	جب ۲۱۰ ہجری ہوا تو امیر المومنین مامون
امر امیر المومنين المامون عبد	عبد اللہ ابن ہارون الرشید نے حکم دیا کہ فدک
الله بن هارون الرشيد فدفعها	اولادِ فاطمہ علیہا السلام کو دیدیا جائے۔ یہ
الى ولد فاطمة وكتب بذالك	حکم نامہ اس نے اپنے عامل مدینہ قثم بن جعفر کو
الى قثم بن جعفر عامله على المدينة	لکھا:۔ امابعد امیر المومنین کا اپنی اس حیثیت
امابعد فان امیر المومنين	کے بموجب جو اسے دین الٰہیہ میں حاصل ہے اور
بمكانه من دين الله وخلافة	بطور خلیفہ و جانشین و قرابتدار رسول اللہ صلعم کے
رسوله صلى الله عليه وسلم	یہ فرض ہے کہ جناب رسولخدا کے طریقہ پر عمل کرے
والقرابة به اولى من استن	اور ان کے احکام کو جاری کرے اور جو شے یا صدقہ
سنة ونفذ امره وسلم لمن	رسولخدا نے کسی کو عطا کیا ہے امیر المومنین بھی وہ
منحه منحة وتصدق عليه	شے یا صدقہ اس شخص کو دیدے۔ امیر المومنین
بصدقة منحته وصدقته و	کی پرہیزگاری و توفیق سب خدا کی طرف سے ہے
بالله توفيق امیر المومنين	اور امیر المومنین کی یہ خاص خواہش ہے کہ وہ
وعصمته واليه فى العمل بما يقربه	کام کرے جس سے رضائے خداوندی حاصل ہو

الیہ رغبۃ وقد کان رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم اعطی فاطمہ
بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ
فدک وتصدق بہا علیہا وکان
ذلک امرا ظاہرا معروفا لا اختلاف
فیہ بین آل رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم ولم تزل تدعی
منہ ما ھو اولی بہ من صدق
علیہ فرای امیر المومنین ان
یردھا الی ورثتہا ویسلمہا تقربا
الی اللہ تعالی باقامۃ حقہ و
عدلہ والی رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم بتنفیذ امرہ و
صدقتہ فامر باثبات ذلک فی
دواوینہ والکتاب بہ الی عمالہ
فلان کان ینادی فی کل موسم
بعد ان قبض اللہ نبیہ صلی
اللہ علیہ وسلم ان یذکر کل
من کانت لہ صدقۃ او ھبۃ
او عدۃ ذلک فیقبل قولہ و
ینفذ عدتہ ان فاطمہ رضی
اللہ عنہا لاولی بان یصدق
قولہا فیما جعل رسول اللہ صلی

بتحقیق کہ جناب رسول خدا نے اپنی دختر فاطمہؑ
کو فدک ہبہ کیا تھا اور بطور ملکیت کے دیدیا
تھا اور یہ ایک ایسا صاف صریح واقعہ ہے
کہ جس میں جناب رسول خدا کے رشتہ داروں
میں سے کسی کو اختلاف نہیں ہے۔ پس امیر المومنین
اس کو حق سمجھتے ہیں کہ فدک جناب فاطمہؑ کے
ورثہ کو واپس دیدیں تاکہ خداوند تعالی کی
صفت عدل و حق کو قائم کرکے اس کا
تقرب حاصل کریں اور جناب رسول خداؐ
کے احکام کو جاری کرکے ان سے سرخروئی
حاصل کریں۔ لہذا امیر المومنین نے حکم
دیا ہے کہ یہ واپسی فدک رجسٹروں میں
لکھی جائے اور یہ احکام تمام عمال کے پاس
بھیجے جائیں۔ جب سے جناب رسول خدا نے
رحلت فرمائی ہے اب تک یہ رسم رہی ہے
کہ موسم حج پر تمام لوگوں کو دعوت دی
جاتی ہے کہ جس کسی کو جناب رسول خدا
نے کچھ صدقہ دیا ہے یا ہبہ کیا ہے وہ آنکر
بیان کرے اور اس کا قول قبول کیا جاتا ہے
اس صورت میں جناب فاطمہ علیہا السلام
زیادہ حقدار ہیں کہ ان کا قول در بارۂ ہبہ
فدک منجانب رسول خدا صلے اللہ
علیہ وسلم قبول کیا جائے۔ بتحقیق

الله علیہ وسلم لہا وقد کتب
امیرالمومنین الی المبارک الطبری
مولی امیرالمومنین یامرہ
برد فدک علی ورثۃ فاطمۃ بنت
رسول الله صلی الله علیہ وسلم
بحدودہا وجمیع حقوقہا المنسوبۃ
الیہا وما فیہا من الرقیق والغلات
وغیر ذلک وتسلیمہا الی محمد
بن یحیی بن الحسین بن زید
بن علی بن الحسین بن علی بن
ابی طالب ومحمد بن عبد الله بن حسن بن علی بن ابی طالب
لتولیۃ امیرالمومنین ایاہما القیام بہا لاھلہا
واعلم ذلک من رأی امیرالمومنین
وما الہمہ الله من طاعتہ و
وفقہ لہ من التقرب الیہ والی
رسولہ صلی الله علیہ وسلم
واعلمہ من قبلک وعامل محمد
بن یحیی ومحمد بن عبد الله بما
کنت تعامل بہ المبارک الطبری
واعنہما علی ما فیہ عمارتہا ومصلحتہا
ووفور غلاتہا ان شاء الله و
السلام وکتب یوم الاربعاء
للیلتین خلتا من ذی القعدۃ

کہ امیرالمومنین نے اپنے غلام مبارک طبری
کو حکم لکھا ہے کہ فدک حضرت فاطمہؑ کے
وارثوں کو واپس دیدے معہ اس کی تمام
حدود و حقوق و پیداوار و غلاموں کے
یہ واپس دیدے محمد بن یحییٰ بن حسین بن
زید بن علی بن حسین بن علی بن ابی طالب ع
اور محمد بن عبداللہ بن حسن بن علی بن
بن حسین بن علی بن ابی طالب کو، ان
دونوں کو امیرالمومنین نے اس
آراضی کے مالکان یعنی ورثائے جناب
فاطمہ علیہا السلام کی طرف سے ایجنٹ
و کارکن مقرر کیا ہے پس تم کو معلوم
ہونا چاہیئے کہ یہ امیرالمومنین کی
رائے ہے اور یہ وہ ہے جو خداوند تعالیٰ
کی طرف سے انہیں حکم ہوا ہے تاکہ خدا اور
اس کے رسول کی رضا حاصل کی جاوے جو تمہارے
ماتحت ہیں ان کو بھی اس سے آگاہ کردو
محمد بن یحییٰ و محمد بن عبداللہ کے ساتھ بھی
وہی عمل کرو جو اس سے پہلے امیرالمومنین
کے کارکن مبارک طبری کیساتھ کرتے تھے اور
ان دونوں کو وہ مدد پہنچاؤ جس سے اس آراضی
کی زرخیزی و پیداوار اور منافع میں ایزادی ہو مشیت
ایزدی کا اجرا ہو والسلام مورخہ روز چہارشنبہ ذیقعد

سنة عشر ومائتين فلما استخلف	۲۱۰ھ ہجری۔ جب متوکل خلیفہ ہوا تو اس
المتوکل علی اللہ رحمہ اللہ امر	نے پھر فدک ورثائے فاطمہؑ سے چھین
بردھا الی ما کانت علیہ قبل	کر اس کی پہلی حالت پر پہنچا دیا، جو قبل
المامون رحمہ اللہ	مامون کے تھی۔

ابوالحسن ... علامہ شہرستانی اپنی کتاب الملل والنحل میں ان واقعات کا ذکر کرتے ہیں جنہوں نے اسلام میں تفرقہ و رخنۂ عظیم پیدا کر دیا، اول وجہ رخنہ و تفرقہ تو انہوں نے واقعہ قرطاس و قلم میں حضرت عمر کے انکار کو لکھا ہے جب انہوں نے حسبنا کتاب اللہ کہہ کر جناب رسولخدا کو وصیت لکھنے سے منع کیا، دوسری وجہ اختلاف تجہیز جیش اسامہ کی نافرمانی، تیسرا اختلاف قولِ عمر کہ آنحضرتؐ نے انتقال نہیں فرمایا، چوتھا اختلاف مقام دفن رسول، پانچواں اختلاف تفرقہ و رخنہ واقعہ سقیفہ بنی ساعدہ بیان کیا ہے۔ جہاں جناب ابوبکر نے اہل بیتِ رسول و دیگر اکابر مہاجرین کی آنکھیں بچا کر اپنے لئے انصار سے بیعت لے لی، اور چھٹی وجہ تفرقہ یہ فیصلہ بکری بیان کیا جاتا ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں:-

الخلاف السادس فی امر فدك	چھٹا اختلاف معاملہ فدک و جناب رسولخدا
والتوارث عن النبی ودعوے	کی وراثت اور حضرت فاطمہ علیہا السلام
فاطمہ علی نبینا وعلیہا السلام	کا دعوے وراثتاً و نیز برائے تملیک
وراثة تارة وتملیکا اخری حتی	یہاں تک کہ آپ کے اس دعوے
دفعت عن ذلك بالروایة المشهورة	کو مشہور روایت نحن معاشر
عن النبی نحن معاشر الانبیاء	الانبیاء الخ سے رد کیا گیا۔
لا نورث ما ترکنا صدقة۔	

کتاب الملل والنحل شہرستانی متوفی ۵۴۸ھ ہجری بر حاشیہ کتاب الفصل فی الملل والاہواء والنحل للامام ابی محمد علی بن احمد بن حزم الظاہری المتوفی ۴۵۶ھ صفحہ ۲۳۔

جناب فاطمہ علیہا السلام کے دعوے میں فدک کے علاوہ خمس خیبر بھی شامل تھا جو ورثہ کے طور پر طلب فرماتی تھیں لہذا ہم اس کا بھی ذکر کئے دیتے ہیں علامۂ بلاذری لکھتے ہیں :-

حدثنی الحسین بن الاسود قال حدثنا یحیی بن آدم قال حدثنا زیاد بن عبد اللہ بن طفیل عن محمد بن اسحاق قال سالت بن شہاب عن خیبر فاخبرنی انہ بلغہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم افتتحہا عنوۃ بعد القتال وکانت مما افاء اللہ علیٰ رسولہ صلی اللہ علیہ وسلم فخمسہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وقسمہا بین المسلمین

(اسمائے رواۃ عربی میں ملاحظہ ہوں) ابن شہاب کہتے ہیں کہ جناب رسولخدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خیبر کے چند قلعوں کو جدال اور قتال کرکے فتح کیا تھا اور چند قلعے ایسے تھے کہ بغیر لڑائی کے خداوند تعالےٰ نے اپنے رسول کو دیدئے تھے۔ لہذا اس میں سے جناب رسول خدا نے اپنا خمس علیحدہ لے لیا اور باقی خیبر کو مسلمانوں میں تقسیم کر دیا۔

ابوالحسن البلاذری :- فتوح البلدان۔ ص ۳۶۔

مقدمۂ فدک پر بحث

اب ہم اس قضیۂ فدک پر شہادت کو زیر نظر رکھ کر بحث کرتے ہیں ۔ ناظرین کو چاہیئے کہ بغیر تعصب مذہبی کے ہماری اس بحث کو غور سے مطالعہ کریں ۔

۱۔ سب سے پہلے ہم کہتے ہیں کہ حضرت ابوبکر کو اس مقدمہ کا اختیار سماعت ہی حاصل نہ تھا، حضرت فاطمہؑ کا دعویٰ حضرت ابوبکر کے خلاف تھا یا زیادہ

سے زیادہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ حکومت کے خلاف تھا جس کے والی حضرت ابوبکر تھے دونوں طرح سے وہ اس تنازعہ کے فریق ثانی یعنی مدعا علیہ تھے، کسی قوم کے قانون میں عقل کے کسی قاعدہ کی رو سے انصاف کے کسی پہلو سے مدعا علیہ کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ خود ہی اس دعوے کو فیصلہ کرنے بیٹھ جائے جو اس کے خلاف ہو، حضرت ابوبکر کو چاہئے تھا کہ جس طرح وہ اور مقدمات کو دیگر صحابہ کے مشورے سے فیصلہ کیا کرتے تھے اس مقدمہ کو بھی مسجد میں تمام مسلمانوں کی مجلس میں اس دعوے کو پیش کرتے، یا اس کے فیصلہ کرنے کے لئے قاضی مقرر کر دیتے۔ ہندوستان کے قانون کو دیکھو جو عیسائیوں نے رائج کیا ہے حکومت کے خلاف جو دعویٰ ہوتا ہے اس کو خود گورنمنٹ یا گورنر فیصلہ نہیں کرتا۔ بلکہ حکومت مدعا علیہ ہوتی ہے اور عدالت دیوانی فیصلہ کرتی ہے اس کا گورنر پابند ہوتا ہے۔ کیا فقہ اسلامی اس سے بھی گیا گذرا تھا۔ جماعت حکومت کے علماء کی نظر ادھر تو گئی کہ اولاد کی شہادت والدین کے حق میں قبول نہ ہونی چاہئے لیکن مذہبی تعصب نے انہیں یہ نہ دیکھنے دیا کہ مدعا علیہ خود دعوے کا فیصلہ کر رہا ہے۔

اگر حکومت کے خلاف ہوتا تب بھی حضرت ابوبکر کو یہ مقدمہ خود نہ فیصلہ کرنا چاہیئے تھا لیکن یہ تو خود ان کی ذات کے خلاف تھا، اور اس کے خارج ہونے سے ان کا ذاتی فائدہ تھا۔ حضرت ابوبکر نے کہنے کو تو کہہ دیا تھا کہ فدک سے تمام مسلمانوں کو فائدہ ہونا چاہیئے۔ لیکن در اصل انہوں نے جناب رسول خدا کی طرح اس کو ذاتی ملک سمجھ کر اپنے تصرف میں رکھا کسی روایت سے ظاہر نہیں ہوتا کہ اس کو یا اس کی پیداوار کو مسلمانوں میں تقسیم کر دیا، اس کا مزید ثبوت مامون الرشید کے حکم نامہ سے ملتا ہے۔ چنانچہ مامون نے لکھا تھا کہ آئندہ سے محمد بن یحییٰ اور محمد بن عبد اللہ کو ایسا ہی مالک کامل سمجھنا جیسا کہ میرے غلام مبارک کو سمجھتے تھے گویا مامون الرشید کا غلام خلیفہ کی ذاتی ملکیت ہونے کی وجہ سے اس کی طرف سے

قابض تھا۔ صاف عیاں ہوا کہ حضرت فاطمہ کا دعویٰ براہ راست حضرت ابوبکر کے خلاف تھا، اور اس دعوی کا مانا جانا حضرت ابوبکر کے ذاتی مفاد کے خلاف تھا، حضرت علی کے زمانہ خلافت میں ایک زِرہ کے متعلق ایک یہودی میں اور حضرت علی میں تنازعہ تھا، وہ مقدمہ حضرت علی نے قاضی کے سپرد کر دیا اور خود بطور مدعی اس کی عدالت میں مدعا علیہ کے برابر جا کر کھڑے ہو گئے۔ انصاف اس کو کہتے ہیں۔

۲:۔ حضرت فاطمہ کا صاف و صریح دعویٰ تھا کہ جناب رسول خدا صلعم نے فدک ان کو ہبہ کر دیا ہے خمس خیبر و اقطاع حوالی مدینہ میں ان کا حصہ بطور ارث ہے یعنی ترکہ رسولخدا کی وہ حقدار ہیں۔

۳۔ پہلے وہ اپنے گواہان اپنے ہمراہ نہ لائیں کیوں کہ ان کو یقین تھا کہ ان کی صداقت پر اعتبار کیا جائے گا، مگر جب ان سے گواہان طلب کئے گئے تو انہوں نے اپنی صداقت کی شہادت کے لئے حضرت علیؑ، امام حسنؑ، امام حسینؑ و ام ایمن و ام کلثوم اور رباح غلام جناب رسولخدا کو گواہی میں پیش کیا۔

۴:۔ سب سے پہلے یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ حضرت ابوبکر نے محض جناب فاطمہؑ کے بیان کو صحیح کیوں نہ سمجھا اور کیوں مزید شہادت طلب کی محض مدعی یا مدعا علیہ کے بیان پر اگر عدالت کو یقین ہو جائے تو ڈگری دی جا سکتی ہے اصل مدعا تو عدالت کو دعوے کی سچائی کا یقین دلانا ہے ایک مدعی کے بیان سے ہو یا ایک گواہ کے بیان سے، یا دس گواہان سے بسا اوقات معمولی درجہ کے یک صد گواہان کے بیانات بھی وہ یقین پیدا نہیں کر سکتے، اور ایک آدمی کا بیان سچا سمجھا جاتا ہے اور وہ یقین پیدا کر دیتا ہے فقہ اسلامی میں نصاب شہادت عام صورت حالات کے لئے مقرر کیا گیا ہے لیکن اس سے وہ صورتیں مستثنیٰ ہیں جن میں حاکم کو واقعات کا علم حقیقی ہو، ہم مثال دیکر سمجھاتے ہیں۔ میں قاضی ہوں۔ میرے سامنے ایک شخص کو چور نے لوٹ لیا۔ وہاں اور کوئی موجود نہ تھا۔ کیا اب بھی میں چور کو سزا دینے کے لئے اس شخص سے کہوں گا

کہ تو دو آدمی گواہان پیش کر اور اگر وہ پیش نہ کرسکیگا تو میں استغاثہ خارج کر دونگا شہادت محض ذریعہ ہے علم حقیقی مقصد ہے، اگر قاضی کو علم حقیقی حاصل ہے تو شہادت کو نظر انداز کیا جاسکتا ہے، حضرت ابوبکر کو چاہیئے تھا کہ حضرت فاطمہ کی سچائی پر یقین کرکے دعوی کو قبول کر لیتے، خود انکے فقہ کا اصول ہے کہ ایک صحابی عادل کی گواہی کافی ہے۔ دیکھو فتح الباری پارہ ۹ نمبر ۲۰ اور عمدۃ القاری جلد ۵ ص ۶۷۵۔ کیا حضرت علی عادل نہ تھے۔

آج کل کی فضا میں مساوات و آزادی کی آواز بڑی گونج رہی ہے انسانی تہذیب کی تاریخ میں جتنا ان دو الفاظ کے غلط معنی سمجھ کر لوگ چاہ ضلالت و قعر مذلت میں گرے ہیں اتنا کسی اور لفظ یا تخئیل نے انسان کو گمراہی میں نہیں ڈالا، ان دنوں بھی، تمام دنیا ایک ایسے محاربۂ عظیم میں پھنسی ہوئی ہے کہ جس کی نظیر چشم فلک نے بایں پیری نہیں دیکھا، ساری دنیا گویا دو لڑنے والے لشکروں میں تقسیم ہو گئی ہے، ہزاروں انسان روزانہ قتل کئے جارہے ہیں، دونوں فریقین یہی کہہ رہے ہیں کہ ہم انسانی مساوات و آزادی کے لئے برسر پیکار ہیں۔ یہ ظاہر ہے کہ جن معانی و مطالب کا نتیجہ یہ وحشیانہ قتل و غارت ہے وہ معانی و مطالب یقیناً غلط ہیں، غرضکہ اس جنگ عظیم نے ثابت کر دیا کہ زمانہ حال کی دنیا ان دونوں الفاظ کے صحیح معانی و مطالب سمجھنے سے قاصر ہے۔ لیکن ہمارے نوجوان جو اس مساوات و آزادی کے دلدادہ ہیں کہیں گے کہ یہ اسلامی مساوات کا نمونہ تھا۔ کہ حضرت ابوبکر نے جناب رسولخدا کی صاحبزادی کے قول کو بھی صحیح نہ سمجھا اور دھنئے و جولاہے کی لڑکی کی طرح ان سے شہادت طلب کی، ان نوجوانوں کے نزدیک اگر جناب رسول خدا خود بھی کوئی دعویٰ کرتے اور ان کو جھٹلایا جاتا تو وہ بھی اسلامی مساوات کا نمونہ ہوتا، ان کے خیال میں مختلف تعلیم و تربیت و اخلاق کے انسانوں کے قول کو ایک سی وقعت دینا ہی اسلامی مساوات ہے، اگر ایک جاہل کمینہ کم ظرف آدمی کی نسبت یہ گمان کیا جاسکتا ہے کہ وہ اپنے مفاد کے لئے جھوٹ بول رہا ہوگا، تو یہ ہی گمان بخاری و مسلم و امام احمد حنبل جیسے لوگوں کے لئے کرنا چاہیئے، کیونکہ یہ ہی اسلامی مساوات ہے۔ جہاں یہ خیال

پیدا ہوا کہ فلاں شخص نے نیک لوگوں کی صحبت پائی ہے، اپنے ماں باپ سے اچھے
اخلاق ورثہ میں پائے ہیں خود مبداء فیض سے فطرت سلیم لے کر آیا ہے، کبھی اس کو
جھوٹ بولتے نہیں دیکھا، کبھی برے لوگوں کی صحبت میں نہیں رہا لہٰذا یہ جھوٹ
نہیں بولے گا کہ جس طرح عام جاہل کمینہ بھنگڑ خانہ کا رہنے والا جھوٹ بولتا ہے
وہیں اسلامی مساوات مفقود ہو گئی، گواہوں کی شہادت کو پرکھنے کے لئے ہمیشہ
ایک معیار ہوتا ہے اور ان کے بیانات کی صداقت کے لئے مختلف مدارج ہوتے
ہیں، اس گئے گزرے زمانہ میں بھی خیال کیا جاتا ہے کہ نیک تعلیم یافتہ دین سے
واقف خدا سے ڈرنے والا جھوٹ نہیں بولے گا، لہٰذا بسا اوقات مدعی ہی
کے بیان پر ڈگری ہو جاتی ہے۔ عدالتوں میں جب گواہوں کے اوپر تنقید
ہوتی ہے تو ان کے مراتب ومدارج دنیاوی و اخلاقی کا لحاظ رکھا جاتا ہے، اور بعض
کی نسبت گمان کیا جاتا ہے کہ یہ اپنے رشتہ دار کے مفاد کے لئے بھی جھوٹ نہیں
بولے گا کسی ہندو سے تو کہو کہ جناب گاندھی یا مسٹر جواہر لال نہرو یا پنڈت
مدن موہن مالوی نے کسی امر واقعہ پر جس کو وہ خود بچشم دید بیان کرتے ہیں عمداً
جھوٹ بولا ہے، دیکھو وہ کیا کہتے ہیں لیکن حضرت ابوبکر کا خیال تھا کہ جناب فاطمہ ؑ
معاذ اللہ جھوٹ بول رہی ہیں، جھوٹ بھی معمولی نہیں بلکہ جناب رسول خدا
پر بہتان لگانے والا جھوٹ، حضرت ابوبکر کی رائے میں آیہ تطہیر نے اپنا
مقصد پورا نہیں کیا، اور خداوند تعالٰے اہل بیت رسالت سے رجس و ناپاکی دور
کرنے کا ارادہ ہی کرتا رہا، کامیاب نہ ہوا۔ جناب رسول خدا کا تو یہ قول تھا کہ :۔
میری عترت و قرآن ایک دوسرے سے قیامت تک جدا نہ ہوں گے ۔
لیکن حضرت ابوبکر کا یہ گمان تھا کہ یہ غلط ہے، عترتِ رسول تو ایسے قبیح
کذب کی مرتکب ہو سکتی ہے۔

ایک اور نکتہ بھی ہے، نصابِ شہادت کی تو وہاں ضرورت ہوتی ہے۔
جہاں دعوے کی تردید کرنے والا کوئی موجود ہو، اگر حضرت ابوبکر کو آپ مدعا علیہ

نہیں سمجھتے تو یہاں تو فقط مدعیہ اور حاکم عدالت ہی ہے، دعوے کی تردید کرنے والا کوئی مدعا علیہ نہیں، لہٰذا انصاب شہادت کی ضرورت نہیں۔ صرف حاکم کو اپنی تسلی کرنی مقصود ہے اس کے لئے دختر رسول اور صدیق اکبر یعنی حضرت علیؑ کے بیانات کافی تھے۔

اگر حضرت ابوبکر خود مدعا علیہ نہ تھے تو ان کو چاہئیے تھا کہ جس کو وہ فریق ثانی سمجھتے تھے اس کو اس دعوے کی اطلاع دیتے، ان کے خیال میں فدک تمام مسلمانوں کا حق تھا، لہٰذا تمام مسلمانوں کو اس کی اطلاع دیتے، اور اگر وہ لوگ دعوے مدعیہ کو تسلیم ہی کر لیتے تو پھر کسی شہادت کی ضرورت ہی نہ ہوتی۔ یہ اس فقہ اسلامی کے عین موافق ہے جس فقہ اسلامی کی نصاب شہادت پر آپ کا انحصار ہے، اس کو کیوں نظر انداز کیا گیا اس کی وجہ دو میں سے ایک ہو سکتی تھی یا تو حضرت ابوبکر خود اپنے تئیں ہی مدعا علیہ و فریق مخالف سمجھتے تھے یا ڈرتے تھے کہ اگر تمام مسلمانوں کو اطلاع دی اور ان کو ایک فریق تصور کیا تو وہ سب مدعیہ کے دعوے کو تسلیم کریں گے۔

محض بیان مدعی کو صحیح تصور کر کے اس کے مطابق فیصلہ صادر کرنا خود حضرت ابوبکر کی سنت تھی، ابھی ہم دیکھ چکے ہیں کہ محض جابر ابن عبداللہ کے بیان پر کہ آنحضرؐ نے مال بحرین میں سے اونہیں اتنا اور اتنا اور اتنا دینے کا وعدہ کیا تھا۔ حضرت ابوبکر نے ان کو تین لپیں زر و جواہرات کی دیدیں، نہ گواہ نہ شاہد، نہ تنقید شہادت، عام منادی ایام حج میں کرادی کہ جس کے ساتھ رسول خداؐ نے کوئی وعدہ کیا ہے وہ آنکر محض بیان کرے۔ اس کے قول پر عمل ہوتا تھا۔ مسلمانوں! غور کرو خدا کو جان دینی ہے حق بھی کوئی چیز ہے، قبر میں تعصب ساتھ نہیں جاتا۔ ضد کرنے سے کیا فائدہ۔ یہ دو قسم کا طرز عمل کیسا، دختر رسول تو خود جھوٹی شہادت پیش کرے، شہادت میں تمہاری ہی خلافت راشدہ کا ایک خلیفہ پیش کیا جاتا ہے وہ بھی جھوٹا حسنین علیہما السلام بھی جھوٹے، دعویٰ غلط لہٰذا خارج۔ لیکن معمولی صحابی آتا ہے

محض اس کے بیان پر مسلمانوں کے مال میں سے اسے دیا جاتا ہے، آخر اس کا سبب کیا ہے۔ دخترِ رسولؐ کو اتنا کیوں ذلیل کیا جاتا ہے، ان پر اتنا ظلم کیوں ہوتا ہے محض اس وجہ سے کہ اس کا شوہر اس حکومت کا مدعی ہے جس پر تم نے قبضہ کر لیا ہے نتیجہ نکلا کہ شہادت طلب کرنا محض ایک بہانہ تھا۔

۵۔ شہادت پیش ہوتی ہے اب ہم اس شہادت پر غور کرتے ہیں جو اِس مقدمہ میں پیش ہوئی۔ شہادت میں وہ شخص پیش ہوا جو رسالتِ محمدیہ کی تصدیق کے لئے خدا کی طرف سے گواہی میں طلب ہوا جس کی نسبت جناب رسول خدا فرمایا کرتے تھے کہ وہ صدیق اکبر و فاروق اعظم ہے، جدھر یہ پھرتا ہے اودھر حق پھر جاتا ہے۔ قرآن اس کے ساتھ ہے اور یہ قرآن کے ساتھ ہے حسنین علیہما السلام بھی رسالتِ محمدیہ کی شہادت میں طلب کئے گئے تھے۔ اس شہادت کو تین وجوہات پر رَد کیا گیا۔

ا۔ نصاب پورا نہیں

ب۔ اولاد کی شہادت والدین کے حق میں قابل قبول نہیں۔

ج۔ حضرات حسنینؑ اور ام کلثومؑ صغیر سن تھے۔

ہم ان میں سے ہر ایک پر غور کرتے ہیں۔

ا۔ نصاب شہادت ہم اوپر بیان کر چکے ہیں کہ چونکہ ابھی مدعا علیہ طلب ہی نہیں ہوا تھا، نصاب شہادت کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ علاوہ اس کے نصاب شہادت معمولی مقدمات کے لئے ہے جن میں حاکم یا قاضی کے پاس کوئی ذریعہ صحیح واقعات معلوم کرنے کا نہیں لیکن اگر حاکم کو عینی یقین کسی امر کا ہے تو پھر نصابِ شہادت کی ضرورت نہیں اور نصاب بھی پورا تھا، وقتاً فوقتاً حضرت علی ور باح وام ایمن وام کلثوم وحضرت حسنؑ وحضرت حسینؑ شہادت میں پیش ہوئے، غالباً ایک وقت میں پیش نہیں ہوئے جیسا عذر ہوتا گیا اسکے مطابق گواہ پیش ہوتے رہے۔ یہ تو ضروری نہیں کہ ایک ہی پیشی پر سارے گواہان پیش ہو جائیں، اگر یہ بھی فرض کر لیا جائے کہ

حضرت علی وام ایمن ہی فقط شہادت میں اول مرتبہ پیش ہوئے تو پھر بھی نصاب
پورا ہو گیا۔ حضرت فاطمہ و ام ایمن دو عورتیں اور حضرت علی ایک مرد ہوئے۔
یہ عذر نہیں اٹھایا جا سکتا کہ نصاب شہادت فریقین کے علاوہ ہوتا ہے کیونکہ
یہاں کوئی دوسرا فریق تردید کرنے والا موجود نہیں، کوئی شخص یہ نہیں کہہ رہا
کہ میں خدا کو حاضر ناظر جان کر کہتا ہوں کہ رسول خدا نے ہبہ نہیں کیا میں
ہر وقت رسول خدا کے ساتھ رہتا تھا، اگر ہبہ کرتے تو مجھے معلوم ہو جاتا۔ یا
مجھ سے رسول خدا نے کہا تھا کہ انہوں نے ہبہ نہیں، اگر کوئی شخص تردید واقعہ
کرنے والا ہوتا تو پھر مدعیہ کا بیان اور شاہد کا انکار ایک دوسرے کو رد کر دیتے
اور ان کے علاوہ نصاب شہادت طلب کیا جاتا، حضرت ابوبکر نے تو اپنے تئیں
حاکم کی حالت میں رکھ کر لاعلمی والی حاکمانہ ذہنیت اختیار کر کے ثبوت طلب
کیا تھا، جب دعوٰی کی تردید نہیں اور مدعیہ کے بیان کے برخلاف اور اس
کی تردید میں کوئی دوسرا بیان نہیں تو پھر مدعیہ کو بطور گواہ تصور کیا جا سکتا
ہے جناب حسنین اور حضرت علی مل کر بھی نصاب شہادت پورا ہو جاتا ہے۔
کوئی ضروری نہیں ہے کہ نابالغ شخص اگر صاحب عقل و تمیز ہے تو اس کی شہادت
قبول نہ کی جائے، یا اولاد کی شہادت ان کے والدین کے حق میں قابل قبول
نہیں۔ جب مباہلہ والے دن جناب رسول خدا اپنی نبوت کی شہادت میں جناب
فاطمہؑ و حسنینؑ علیہم السلام کو لے گئے تو عیسائیوں نے تو عذر نہیں اٹھایا کہ نصاب
شہادت پورا نہیں ہوا، آنحضرتؐ تو خود فریق تھے جس طرح فدک کے
معاملہ میں حضرت فاطمہ فریق تھیں، اب رہ گئے حضرت علی اور حضرت فاطمہ
اور یہ ہی دونوں بچے، بقول آپ کے نصاب شہادت پورا نہ ہوا۔ آپ
یہ نہیں کہہ سکتے کہ مباہلہ والے دن شہادت نہ تھی، دعا تھی، کیونکہ پہلے دعوٰی
بیان ہوتا۔ کہ آنحضرت سچے نبی ہیں یا حضرت عیسٰی محض بندۂ خدا تھے۔ پھر
عیسائی انکار کرتے اور پھر بددعا ہوتی، یہ کہنا کہ آنحضرتؐ سچے نبی تھے یا حضرت

عیسٰیؑ بندۂ خدا تھے فرزند خدا نہ تھے یہ ہی شہادت تھی۔

(ب) اولاد کی شہادت والدین کے حق میں۔ یہ کون سا قرآنی حکم ہے۔ جس کی رُو سے اولاد کی شہادت والدین کے حق میں قابل قبول نہیں۔ ہم اس کو ایک نظیر پیش کر سکتے ہیں اپنے اس دعوی کی دلیل میں کہ علمائے جماعت حکومت نے اپنے حکام سقیفہ کے طرز عمل کو صحیح ثابت کرنے کی کوشش میں کس طرح فقہ اسلام کو توڑ مروڑ کر مسخ کر دیا ہے، قریبی رشتہ داروں کی گواہی کو نا قابل ادخال شہادت قرار دے کر یہ امر قطعاً فیصلہ کر دیا گیا کہ مسلمان ایسے بے اعتبار و ناحق کوش ہوتے ہیں کہ ان کا بیان ان کے قریبی رشتہ داروں کے حق میں کبھی قابل قبول ہو ہی نہیں سکتا۔ کلیہ تو قائم ہو گیا لیکن اس سے دقت یہ آپڑی کہ حضرت ابوبکر وحضرت عمر کے فضائل کی جتنی احادیث ہیں ان کے اکثر کے راوی حضرت عائشہ اور حضرت عبداللہ ابن عمر ہیں، حضرت ابوبکر کی امامت نماز کے قضیہ کی تو واحد راویہ حضرت عائشہ ہیں یہ دقت تو باقی رہے گی جب تک کہ ایک اور کلیہ نہ قائم کیا جائے کہ اِس قاعدے سے اگرچہ نبی کی اولاد مستثنٰے نہیں۔ لیکن ان کے خلیفہ کی اولاد مستثنٰے ہے، اور یہ استثنا تو قائم ہو ہی گیا جب ان دونوں بزرگواروں کی شہادت فضیلت اپنے اپنے باپ کے حق میں بلا عذر قبول کی جاتی ہے، اس مسخ شدہ فقہ کے مقابلہ میں عیسائیوں کے جاری کردہ قانون کو دیکھو، انہوں نے فطرتِ انسانی کو یہ اعلٰے درجہ دیا ہے کہ یہی نہیں کہ اولاد کی گواہی بلا کسی عذر کے اپنے والدین کے حق میں قابلِ ادخال شہادت ہو سکتی ہے خود مدعی بھی ایسا ایماندار تصور کیا جا سکتا ہے کہ اس کا اپنا بیان بھی اپنے حق میں داخل شہادت ہے، دیکھا آپ نے اپنے حکام کی محبت میں اپنے دین پر اعتراض لے لیا

(ج) صغر سنی۔ سن تمیز ہونا چاہیئے محض صغر سنی کوئی وجہ نہیں ہے کہ شہادت کو رد کر دیا جائے اور یہ تو ایسے بچے تھے کہ ایسے اہم امور میں جیسے

کہ مباہلہ تھا، طلب کئے جاتے ہیں اوران کے بیانات اوران کی دعاؤں کو خدا کی بارگاہ میں وقعت دی جاتی ہے

۶ :- ہم ثابت کرچکے ہیں کہ جناب رسولخداؐ نے اپنی خاص ملکیت میں سے حضرت ابوبکر وزبیر بن العوام وعبدالرحمٰن بن عوف وابودجانہ وغیرہم کو آراضیات و جائداد ہبہ کی تھیں. حاکم وقت نے ان لوگوں سے کیوں نہ ہبہ کا ثبوت لیا- یہ جواب کہ ان لوگوں نے دعوے نہیں کیا تھا لہذا ان سے ثبوت طلب نہیں کیا گیا درست نہ ہوگا، حضرت فاطمہ کو تو دعوے کرنے کی ضرورت یوں پیش آئی کہ حاکم وقت نے ان سے آراضیاتِ موہوبہ چھین کر اپنے قبضہ میں کرلیں. اگر دیگر موہوب الیہم کی آراضیات چھینی جاتیں تو وہ بھی دعوے کرنے پر مجبور ہوجاتے، ان کی آراضیات بھی اسی طرح چھین لینی چاہئیے تھیں۔ وہ اسلامی مساوات کہاں گئی۔

۷ . اگر حضرت ابوبکر جناب رسول خدا کے جانشین تھے تو آنحضرتؐ کی رحلت پر صرف ان آراضیات یا اشیا پر قبضہ کرتے جو جناب رسالتمآبؐ کے پاس بطور حاکم ووالی کے تھیں. فدک تو اُس وقت آنحضرتؐ کے قبضہ میں نہیں تھا، جناب فاطمہؑ کے قبضہ میں تھا. حضرت فاطمہؑ کو بے دخل کس بناء پر کیا، دعوے تو پہلے حضرت ابوبکر کو کرنا چاہیئے تھا. اگر وہ سچا ثابت ہوتا تو پھر وہ قبضہ کرسکتے تھے، بغیر دعوے وبغیر ثبوت کے دوسرے کی مقبوضہ آراضیات پر قبضہ کرلینا حکومت الہٰیہ کی شان نہیں ہے.

۸ :- ہبہ سے انکار کرنا حضرت ابوبکر کے لئے جائز نہ تھا. اس سے تو ورثاء کا آپس میں تعلق تھا، اس کو ہم مثال دے کر سمجھاتے ہیں. متوفی کے کئی ورثا ہیں ان میں سے ایک وارث دعویٰ کرتا ہے کہ منجملہ جائداد کے ایک باغ متوفی نے مجھے ہبہ کرکے دیدیا تھا. اس دعویٰ کا اثر محض ورثاء پر پڑتا ہے کسی شخص غیر پر نہیں پڑتا، جناب رسولخداؐ کے ورثاء میں سے اسوقت

کسی وارث نے آنکر دعویٰ فاطمہؑ کی تردید نہیں کی۔ بلکہ کبھی بھی تردید نہیں کی۔
دیگر ورثاء مدعا علیہم بھی نہ تھے۔ پھر حضرت ابوبکر کو ہبہ کی شہادت طلب
کرنے کی کیا ضرورت تھی، اگر تحقیقات مطلوب تھی تو دیگر ورثاء کو طلب کرکے
ان سے پوچھتے۔ اور اگر وہ مان لیتے تو معاملہ ختم تھا۔

۹۔ اس کا یہ جواب درست نہ ہوگا کہ بطور جانشین رسولؐ کے حضرت ابوبکر بھی
آنحضرتؐ کے ایک وارث تھے، وہ اگر وارث تھے تو حکومت کے وارث
تھے۔ اس بحث میں یہ امر بہت اچھی طرح مدنظر رکھنا چاہیئے کہ آنحضرتؐ کے
زمانہ تک بلکہ اس کے بعد تک حکومت کی اپنی ملکیت کی کوئی آراضی یا جائداد
غیر منقولہ نہیں ہوتی تھی، خیبر کی آراضیات اسی وقت آنحضرتؐ نے لوگوں میں
تقسیم کر دی تھیں اور کوئی جائداد غیر منقولہ ایسی نہ تھی کہ جو حکومت کے قبضہ میں ہو سکتی
حکومت کی جائداد کی ملکیت کا تخیل ابھی تک فقہ اسلامی میں پیدا نہیں ہوا تھا۔ جو
شے حکومت کے قبضہ میں آتی تھی فوراً مسلمانوں میں تقسیم ہو جاتی تھی لشکریوں کو
تنخواہ دینے کا دستور ابھی نہیں ہوا تھا۔ تمام قوم مسلمانوں کی ایک لشکر تصور
ہوتا تھا، ہر ایک پر خدمت جہاد واجب تھی اور جب منادی ہوتی تھی سب جمع
ہو جاتے تھے۔ لشکریوں کو تنخواہ دینے کا دستور حضرت عمر نے جاری کیا تھا۔
اور تب ہی حکومت کو اپنی علیحدہ ملکیت قائم رکھنے کا خیال پیدا ہوا۔ لیکن
اس وقت میں بھی آراضیات حکومت کی ملکیت میں نہیں لی جاتی تھیں۔ بہرصورت یہ
تو ظاہر ہے کہ آنحضرت کے وقت تک حکومت کی کوئی جائداد نہ تھی جس کے وارث
حضرت ابوبکر ہوتے۔ حدیث کا پیش کرنا ہی ثابت کرتا ہے کہ حضرت
ابوبکر نے جائداد متنازعہ کو جناب رسولؐ خدا کی ذاتی ملکیت تو مان لیا۔ صرف
یہ عذر پیش کیا کہ یہ وراثۃ کے قانون میں نہیں آتی، اگر رسولؐ خدا عام حاکم ہوتے
پیغمبر نہ ہوتے تو یہ آراضیات ان کے ورثہ میں تقسیم ہو جاتیں۔ اس سے ظاہر ہے کہ یہ
حکومت کی ملک نہ تھیں اور حضرت ابوبکر ان کے وارث نہ تھے۔

۱۰۔ حدیث لانورث کی رو سے یہ جائداد متنازعہ مسلمانوں کے صدقہ ہوئی تو پھر حضرت ابوبکر نے کیوں دیگر صدقات کی طرح مسلمانوں میں تقسیم نہ کیا۔ کیوں اپنی خاص ملک میں رکھ لیا۔

۱۱۔ اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس مقدمہ میں بار ثبوت کس فریق کے ذمہ تھا اور شہادت کس کو پیش کرنی چاہیئے تھی۔ جناب فاطمہؑ کے قبضہ میں یہ جائداد تھی، حضرت ابوبکر ان کو بے دخل کرنا چاہتے تھے لہذا بار ثبوت ابوبکر کے ذمّہ ہوا کہ حضرت فاطمہ کو بے دخل کرنے کا حق ثابت کریں۔

دوسری طرح بھی دیکھو، حضرت فاطمہ آن کر ہبہ و میراث کی بناء پر دعویٰ کرتی ہیں جناب رسولخداؐ کی خالص ملکیت تسلیم شدہ تھی۔ قانون وراثت حضرت فاطمہ کے حق میں تھا، اس مسلمہ قانون وراثت کے خلاف حضرت ابوبکر ایک ایسی حدیث پیش کرتے ہیں جس کی صحت سے حضرت فاطمہ کو انکار تھا۔ صریحاً ظاہر ہے کہ اس حدیث کی صحت کا بار ثبوت حضرت ابوبکر پر تھا۔ اور جب بطور میراث حضرت فاطمہ کو یہ جائداد مل جاتی تو پھر ہبہ کے ثابت کرنے کی ضرورت ہی نہ رہتی۔

۱۲۔ میراث کے دعوے کی تردید میں حضرت ابوبکر نے جناب رسول خدا کی طرف منسوب کرکے ایک ایسی حدیث بیان کی تھی جس کو کسی اور نے جناب رسول خدا سے نہیں سُنا تھا، اگر انصاف کو ملحوظ خاطر رکھا جاتا تو اس حدیث کی صحت کو ثابت کرنا حضرت ابوبکر کے ذمہ ہوتا اور پھر دیکھتے کہ نصاب شہادت کس طرح پورا ہوتا؟ سوائے حضرت عمر اور حضرت عائشہ کے اور کوئی گواہ ہی نہ ملتا۔ ہاں اگر حکومت کا زور لگاتے تو دوسری بات ہے۔

کسی حدیث کی صحت کی تحقیقات کے لئے علماء نے چند قواعد و ضوابط مقرر کئے ہیں ان میں سے چند ہم ذیل میں درج کرتے ہیں۔

۱۔ کیا یہ حدیث عقلاً درست ہے؟

(ب) قرآن شریف کے مضمون و احکام کے تو خلاف نہیں۔

(ج) کیا اس کے مضمون سے ملتی جلتی کوئی اور حدیث بھی ہے۔

(د) اِس حدیث کے راوی کون ہیں۔ کیا غلط بیانی کے لئے انہیں کوئی ترغیب تو نہ تھی۔

(ھ) تعداد رواۃ۔

(و) موقعہ جب وہ بیان کی گئی ہو۔

ہم پھر ایک قاعدہ پر علیحدہ علیحدہ اس حدیث کو جانچتے ہیں۔

(۱) خلافِ عقل۔

حدیث متنازعہ یہ ہے نَحْنُ مَعَاشِرُ الْاَنْبِيَاءِ لَا نَرِثُ وَلَا نُوْرِثُ مَا تَرَكْنَاهُ صَدَقَةٌ (ہم گروہ انبیا نہ کسی سے میراث لیتے ہیں اور نہ ہم سے کوئی میراث پاتا ہے۔ ہم جو چھوڑتے ہیں وہ صدقہ ہوتا ہے)۔ اب سوال یہ ہے کہ جو شرع کہ پیغمبر لاتے ہیں وہ ان پیغمبروں پر حاوی ہوتا ہے یا نہیں۔ اُمت کے لئے حکم ہے کہ چوری نہ کرو، زنا نہ کرو، جھوٹ نہ بولو۔ شراب نہ پیو۔ کیا پیغمبروں پر یہ احکام حاوی ہوتے ہیں یا نہیں، نماز و روزہ کے احکام کے پابند پیغمبر ہوتے ہیں۔ یا نہیں، نکاح کے محرمات کی پابندی پیغمبروں پر لازم ہے یا نہیں۔ اگر یہ ساری شرح پیغمبر پر حاوی ہے تو وہ حکم ترکہ سے کیوں باہر ہوں۔ ہر ایک پیغمبر کو تو حکومت حاصل نہیں تھی۔ ہر ایک کے پاس اراضیات وجاگیریں نہ تھیں۔ کیا اس کے مرنے کے بعد پہننے کے کپڑے اور گھر کے برتن بھی اس کی امت میں تقسیم ہو جایا کرتے تھے اگر کسی شخص نے اپنے باپ دادا سے بہت مال و متاع ورثہ میں پایا اور بعد کو وہ نبی ہو گیا، تو بعد بعثت اسے چاہیئے کہ فوراً سارا مال و متاع امت کو دیدے اور خود فقیرانہ زندگی شروع کرے، اگر امت میں سے کسی نے رحم کھا کر اسے کچھ دیدیا تو خیر ورنہ بھوکوں مرے۔ پیغمبر کو اس طرح امت کا محتاج رکھنا مشیت الٰہی میں تو معلوم نہیں ہوتا۔ سیاست عمریہ کا ایک گر ہو تو ہو۔ تاریخ عالم

میں تو ایسی مثال کوئی نہیں ملتی، اگر ایسا ہوتا تو حضرت سلیمان اپنے باپ کے مرتے
ہی فقیر ہوتے نہ کہ بادشاہ، علاوہ اس کے ابتدائی نبوت میں فوراً تو امت پیدا
نہیں ہوتی، بعثت کے بعد ہی پہلا ورثہ سے ملا ہوا ترکہ تو اس پر حرام ہو گیا، اب
وہ بے چارہ پیغمبر کیا کرے۔ کافروں کے محلوں میں جا کر گداگری بھی کرے، اور
ان کے خداؤں کو برا بھلا بھی کہے، وہ کافر اسے کیوں بھیک دیں گے، وہ تو
چاہیں گے کہ کل کا مرتا آج ہی مر جائے۔ عجیب صورت حالات پیدا ہوئی
امت ہوئی نہ جو نذرانہ دے، کافر بھیک نہیں دیتے، اور اگر یہ ہو کہ جن روایات میں
نہ ث کا لفظ ہے وہ غلطی سے وہاں آ گیا ہے، در اصل یہ ہے کہ پیغمبر ورثہ لے تو
لیتے ہیں لیکن ان سے ان کے ورثاء ترکہ حاصل نہیں کر سکتے، تو یہ یک طرفہ تاریث
عجب نتائج پیدا کرے گی۔ فرض کرو کہ تین بھائی ہیں جن کا باپ مرتا ہے تینوں
حصہ مساوی ورثہ پاتے ہیں، اب ایک بھائی ان میں سے پیغمبر ہو جاتا ہے۔
کچھ عرصے کے بعد دوسرا بھائی مر جاتا ہے، اس کے ورثہ میں یہ پیغمبر اور تیسرا
بھائی شریک ہیں، اتفاقاً پیغمبر بھائی مرتا ہے۔ اس کی ساری دولت اور سارا مال
اس کی امت اٹھا لے جاتی ہے۔ گھر صاف ہو جاتا ہے، بلکہ گھر پر بھی امت قبضہ کر لیتی
ہے، اب بتائیے اس تیسرے بھائی پر ظلم ہوا یا نہیں، باپ کے ورثہ میں پیغمبر بھائی
شریک، بھائی کے ورثہ میں وہ شریک مگر جب خود مرتا ہے تو اس کا بھائی دیکھتا رہ جاتا
اور پیغمبر کا سارا گھر صاف ہو جاتا ہے۔ ابھی معاملہ یہیں ختم نہیں ہوا، پیغمبر کے بچے
بیویاں ہیں ان کی پرورش بھی وہ بھائی کرے۔ اور اگر نہ کرے تو ان کو سڑک
پر نکال دیا جائے، اور وہ بھیک مانگتے پھریں پیغمبر کی آل کو اس طرح ذلیل کرنا خداوند
تعالیٰ کی مشیت میں تو ہو نہیں سکتا، ہاں کارکنان سقیفہ بنی ساعدہ کی سیاست
کا یہ ایک جز وہو تو ہو، اور لطف یہ ہے کہ امت پر کہیں یہ فرض عائد نہیں کیا گیا کہ
پیغمبر کو اپنی آمدنی کا ایک معین حصہ دیا کریں۔ مسائل پوچھنے سے پہلے ایک ذرا سی رقم
کی ادائیگی لگا دی گئی وہ تو ادا نہ ہو سکی اور آیت نجویٰ کو منسوخ کرنا پڑا، اگر یہ فرض عائد

ہو جاتا تو اسے کون پورا کرتا، اس حدیث کا نتیجہ یہ نکلا کہ پیغمبر کے مرنے پر امت اس کے مال و متاع کی تو مالک ہو جائے۔ مگر امت پر یہ فرض نہیں ہوگا کہ اس کے بچوں کی پرورش کرے پیغمبر کے لئے یہ تو اجازت ہے کہ بیویاں کرے سلسلۂ تناسل جاری کرے لونڈیاں رکھے، ہر ایک عورت سے بچے ہوئے تو ۲۰ یا ۳۰ بچے تو ہوں گے، کچھ بچے صغیر سن، کچھ قریب بلوغت، کہ پیغمبر کا انتقال ہوتا ہے۔ شام کو یہ بیس تیس خدا کے بندے گھر دیار لٹا ہوا سڑک پر پڑے ہوئے روٹیوں سے محتاج امت کی جان و مال کو اور پیغمبر کی رُوح کو دعا دیتے ہوئے صبح کرتے ہیں کسی نے روٹی آگے ڈال دی اور دست گیری کی تو جان بچے گی ورنہ موت تو سامنے کھڑی ہے۔ یہ ہے اس حدیث کا نتیجہ۔

اگر یہ حدیث درست ہوتی تو جناب فاطمہ وحضرت علی وجناب حسنین علیہم السلام کو ضرور معلوم ہوتی، کیونکہ یہ ہی وہ حضرات تھے جن کے اوپر اس حدیث کا اثر براہِ راست پڑتا تھا، جناب پیغمبر خدا کے لئے لازم تھا کہ سب سے پہلے اپنے وارثوں کو اس نکتہ سے آگاہ کرتے تاکہ ورثہ کے لئے یہ ان کے جانشین کو تنگ نہ کریں، اگر یہ حدیث درست ہے تو یا تو جناب پیغمبر سے بہت بڑی اور ناقابل تلافی فروگذاشت ہوئی یا معاذ اللہ حضرت فاطمہ وحضرت علی وجناب حسنین علیہم السلام نے باوجود اس حدیث کے علم کے ایک جھوٹا دعویٰ کر دیا، اور اس کی پیروی کر کے کذبِ صریح کے مرتکب ہوئے۔ ہم تو ان دونوں میں سے ایک بات کو بھی تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں۔ جماعت اہل حکومت کے مقلدین جس کو جی چاہے ملزم ٹھہرائیں۔ شاہ عبدالحق محدث دہلوی اپنی اشعۃ اللمعات میں لکھتے ہیں۔

مشکل ترین قضایا قضیۂ فاطمہ زہرا است زیراکہ اگر بگوئیم کہ او جاہل بود باین سنت یعنی حدیثے کہ ابوبکر نقل کردہ بعید است از فاطمہ واگر الزام کنیم کہ شاید اتفاق نیفتاد او را استماع این حدیث از آنحضرت مشکل میشود کہ بعد از استماع از ابی بکر وشہادت سائر صحابہ بر آں چرا قبول

نہ کردو در غضب آمد واگر غضب او پیش از سماع حدیث بود چرا بر نگشت از غضب تا ایں کہ امتداد کشید و تا زندہ بود مہاجرت کرد ابوبکر را۔

اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ مطبوعہ مطبع نول کشور جلد سیوم ص ۵۴۳

(ب) خلافِ قرآن

یہ حدیث قطعاً قرآن شریف کے خلاف ہے مندرجۂ ذیل آیات ملاحظہ ہوں۔

(۱) يُوْصِيْكُمُ اللّٰهُ فِيْٓ اَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ

ترجمہ:۔ خداوند تعالیٰ تمہاری اولاد کے بارے میں تمہیں ہدایت کرتا ہے کہ لڑکے کا حصہ دو لڑکیوں کے حصہ کے برابر ہے

(۲) وَوَرِثَ سُلَيْمٰنُ دَاوٗدَ۔

ترجمہ:۔ اور سلیمان نے (اپنے باپ) کا ورثہ پایا۔

(۳) قولہ تعالیٰ مخبرا عن ذکریا وَاِنِّيْ خِفْتُ الْمَوَالِيَ مِنْ وَّرَاۗءِيْ وَكَانَتِ امْرَاَتِيْ عَاقِرًا فَهَبْ لِيْ مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا يَّرِثُنِيْ وَيَرِثُ مِنْ اٰلِ يَعْقُوْبَ ۔

ترجمہ:۔ حضرت ذکریا نے بارگاہ خداوندی میں اس طرح مناجات کی۔ میں اپنے ان وارثان بازگشت سے اندیشہ رکھتا ہوں جو میرے مرنے کے بعد میرے پیچھے رہیں گے۔ میری زوجہ بانجھ ہے، خداوندا اپنی درگاہ سے مجھے وارث عطا کر جو میرا اور آلِ یعقوب کا ورثہ پائے۔

(۴) وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ

ترجمہ:۔ اے نبی اپنے نزدیک ترین رشتہ داروں کو ان کا حق دیدو۔

آنحضرتؐ سے پہلے تمام انبیاء ورثہ پاتے آئے ہیں اور انکے ترکہ سے انکے وارثوں کو حصہ ملا ہی خود جناب محمد مصطفےٰ کو انکے والد کا ترکہ ورثہ میں ملا تھا۔ دیکھو سیرۃ النبی شبلی نعمانی جلد اول ص ۱۳۲ ان میں سے کئی کا ذکر تو قرآن شریف میں ہے حضرت داؤد کی دولت و سلطنت کا ورثہ ان کے فرزند سلیمان نے لیا۔ جب حضرت ذکریاؑ کی عمر زیادہ ہوئی اور اپنی زوجہ کے عقر کی وجہ سے آپ اولاد سے ناامید ہونے لگے، تو بارگاہِ ایزدی میں دعا کی جس کا ذکر قرآن شریف میں ہے، اُس کو ہم نے اوپر نقل کیا ہے، ظاہر ہے کہ اس ورثہ سے مال و دولت کا ترکہ مراد ہے۔ علم و نبوت اس سے مراد نہیں ہوسکتے، اگر اس سے علم و نبوت مراد ہوتے تو پھر حضرت ذکریاؑ کا ڈر

بے معنی تھا۔ ان کے اقربا زبردستی علم و نبوت نہیں لے سکتے تھے، نبوت و علم لدُنی تو عطائے
ربانی ہے جس کو خداوند تعالے چاہے دے گا، اس میں رسول کا کچھ دخل نہیں اور
نہ یہ اقرباء اولاد میں منحصر ہو سکتی ہے۔ پس معلوم ہوا کہ یہاں مال دنیوی مراد ہے۔ آیۂ
شریفہ وآت ذا القربی حقہ کی تفسیر میں بلاد مفسرین متفق ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی
تو جناب رسول خدا نے حضرت فاطمہؑ کو بلایا اور فدک کا وثیقہ ان کے حق میں لکھ دیا

(ج) تکرار مضمون

جناب رسول خدا کی احادیث کے مطالعہ کرنے والے پر یہ امر [illegible] طرح
واضح ہے کہ آپ ایک مضمون کو تاکید وقتاً فوقتاً بیان فرماتے تھے اور آپ
کی احادیث ایک دوسرے کی تصدیق و توثیق کرنے والی ہوتی ہیں مثلاً جناب امیر
سے محبت کرنے کی تاکید جتنی احادیث میں پائی جاتی ہے جناب امیر کے وسعت
علم کو کئی طریقوں سے بیان فرمایا ہے۔ بخاری و صحیح مسلم کی کتب فضائل کو
اٹھا کر دیکھو تو ہر ایک میں ایک ہی مضمون کی مختلف احادیث ملیں گی لیکن یہ
حدیث لانورث ہے کہ اس مضمون کی [illegible] حدیث نہیں ملتی اور اس کی تصدیق
کسی دوسری حدیث سے نہیں ہوتی [illegible]
کے لئے فوری ضرورت [illegible]
(د) و (ہ) سوائے حضرت ابوبکر کے اور کوئی اس حدیث کا راوی نہیں
ملتا۔

(و) طریقہ یہ ہے کہ جب کسی حدیث کو بیان کرتے ہیں تو اس کے موقعہ کا ضرور
ذکر کرتے ہیں کہ فلاں واقعات تھے، فلاں موقعہ تھا، جب یہ حدیث بیان
کی گئی جس طرح حدیث منزلت، حدیث غدیر، حدیث ولایت، حدیث رایت اور
حدیث ثقلین وغیرہ کے واقعات و مواقع، بہت وضاحت کے ساتھ بیان کئے گئے
ہیں لیکن حضرت ابوبکر نے یہ نہیں فرمایا کہ کس موقعہ پر کن واقعات کے اندر یہ لاوارث
حدیث بیان کی گئی اور اس کا باعث کیا تھا۔ اس کا مضمون تو [illegible] ہے کہ اس

حدیث کو مرض موت کے وقت ارشاد فرمانا چاہئے تھا لیکن مرض الموت کے دوران کی احادیث میں کہیں اس کا پتہ نہیں چلتا۔ خیبر و فدک کے حصول کا دوسرا موقعہ ہو سکتا تھا، لیکن اس وقت بھی یہ حدیث بیان نہیں کی گئی۔ ایک تیسرا موقعہ بھی تھا۔ جب آیات وراثت نازل ہوئیں تو ان کی تفسیر میں آپ کو بتانا چاہئے تھا کہ ہم پیغمبران ان آیات کے دائرے سے باہر ہیں۔ تمام کتب تفاسیر کو دیکھ ڈالو۔ اس لاوارث حدیث کا پتہ ان آیات کی تفسیر و توضیح کے سلسلہ میں بھی نہیں ملتا۔ جب ان موزوں موقعوں پر اس حدیث کا پتہ نہیں چلتا تو پھر یہ بتانا نہایت ضروری ہو گیا کہ کس ناموزوں وقت پر اس کو بیان کیا گیا تھا، امر واقعہ تو یہ ہے کہ جناب فاطمہؑ نے ایسا آڑے ہاتھوں لیا تھا کہ ساری عقل گم ہو گئی۔ کچھ نہ سوجھی جلدی میں یہ ایک بات کہہ گئے۔ کچھ ہوتا تو تفاصیل میں جاتے۔ حضرت عمر نے بھی ایک موقعہ پر ایسا ہی کیا تھا۔ جب سقیفہ بنی ساعدہ کی زبانی جنگ و جدل میں حباب ابن المنذر نے تلوار پر ہاتھ مارا تو فوراً اس کی دھار کی تیزی سے بچنے کے لئے حضرت عمر نے فرما دیا کہ جناب رسول خدا مجھ سے فرمایا کرتے تھے کہ تم حباب ابن المنذر کی مخالفت نہ کرنا۔ اس کا ذکر ہم پہلے کر چکے ہیں۔

۱۲۳۔ حضرت فاطمہؑ کے اس دعوے کی تردید میں حضرت ابوبکر نے تین عذر پیش کئے

اول تو یہ کہ دعوی ہبہ کی شہادت ناکافی ہے۔

دوسرے یہ کہ پیغمبر کی اولاد محروم الارث ہوتی ہے۔

تیسرے یہ کہ میں اس طریقے کو جو رسول خدا کے زمانہ میں رائج تھا، بدلنا نہیں چاہتا۔

چوتھا عذر حضرت ابوبکر کے وکلا ایزاد کرتے ہیں کہ اولاد کی شہادت اپنے والدین کے حق میں ناقابل قبول ہوتی ہے۔

عذرات اول و دوئم و چہارم کا جواب ہم پہلے دے چکے ہیں۔ تیسرا عذر ان ہی عذرات کے تابع ہے۔ اگر ہبہ ثابت ہے اور اولاد پیغمبر محروم الارث نہیں ہے تو

پھر حضرت ابو بکر کو ان آرامنیات وصدقات پر کوئی دسترس حاصل نہیں، نہ وہ اس کے انتظام کرنے کے مجاز ہیں، لہذا طریقۂ رسول کو بدلنے یا نہ بدلنے کا سوال حضرت ابوبکر کے لئے پیدا ہی نہیں ہوتا اور اگر اس عذر کو ہم دیگر عذرات سے علیحدہ بھی لیں تب بھی حکومت کو کچھ فائدہ نہیں پہنچا، روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ چند صدقات میں سے جب کچھ بچ رہتا تھا تو آنحضرت اس بقیہ کو بنی ہاشم کے غربا و مساکین پر تقسیم کر دیتے تھے۔ فدک کے علاوہ دیگر ذرائع آمدنی بھی تو جناب رسول خدا کے پاس تھے۔ غربا و مسافرین کی پرورش ان دیگر ذرائع سے ہوتی تھی۔ یہ ثابت نہیں کہ فدک کے ہبہ کے بعد فدک کی آمدنی پر جناب رسولخدا نے تصرف کیا ہو، دیگر صدقات کا دعوے بذریعہ میراث کے تھا، جب تک آنحضرت خود زندہ تھے ان کو حق حاصل تھا کہ ان میں اپنی اولاد کو بھی دیں اور جو بچ رہے اس کو جس طرح بھی چاہے خرچ کریں، مرنے کے بعد تصرف ورثاء کا ہوتا ہے حاکم کے لئے جائز نہیں کہ تصرف کرے یا اس کو ضبط کرے، اور یہ جو حضرت ابوبکر نے فرمایا کہ میرے لئے جائز نہیں ہے کہ جناب رسول خدا کے طرز عمل کو بدلوں تو یہ تو محض دفع الوقتی کے لئے تھا۔ یہ ارشاد واقعیت سے بالکل معریٰ تھا، حضرت ابوبکر کے اعتقاد کے بموجب تو آنحضرت کا طرز عمل خلافت کے متعلق یہ تھا کہ اپنا جانشین کوئی مقرر نہیں فرمایا، پھر حضرت ابوبکر نے وہ طریقہ بدل کر حضرت عمر کو کیوں نامزد کر دیا۔ خمس کو لیجئے، آنحضرت خمس کو بنو ہاشم وبنو عبد المطلب میں تقسیم کرتے تھے اور بنو عبد شمس وبنو نوفل کو مطلق حصہ نہیں دیتے تھے، حضرت ابوبکر و حضرت عمر نے خمس تقسیم کر کے ایرے غیرے کو دیدیا لیکن قرابتداران رسول کو نہیں دیا دیکھو مسند احمد حنبل الجزء الرابع ص ۸۳ نیل الاوطار شوکانی جلد ۷، ص ۲۸۱۔ تفسیر ابن جریر طبری جلد ۱۰ ص ۶۔

علامہ شبلی فرماتے ہیں:-

"وہ (حضرت عمر) قرابتداران پیغمبر کو مطلقاً خمس کا حقدار نہیں سمجھتے تھے چنانچہ انہوں نے اہل بیت کو کبھی خمس میں سے حصہ نہیں دیا، ائمہ مجتہدین

سے امام ابو حنیفہ بھی ذوی القربےٰ کے خمس کے قائل نہ تھے۔

الفاروق حصۂ دوئم ص ۲۴۶

اپنے زعم میں اس کے بعد مولوی شبلی حضرت عمر کے طرز عمل کو حق بجانب ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں، اگر خوف طوالت نہ ہوتا تو ہم ظاہر کرتے کہ اس کوشش میں مولوی شبلی کس طرح ناکام ہوئے۔ بہر صورت ہمیں تو یہ ثابت کرنا تھا کہ حضرت ابوبکر و حضرت عمر نے آنحضرتؐ کے طرز عمل کو بدل دیا اور وہ ثابت ہوگیا۔ آگے چل کر علامہ موصوف ایک اور لڑکھڑی کھاتے ہیں اور بے اختیار ہو کر حق کہنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔

احادیث و روایات کے استقراء سے جو کچھ ثابت ہوتا ہے یہ ہے: ذوی القربیٰ میں سے آپ (جناب رسولخدا) صرف بنو ہاشم و بنو عبد المطلب کو حصہ دیتے تھے بنو نوفل و بنو عبد شمس حالانکہ ذوی القربیٰ میں داخل تھے لیکن آپ نے ان کو باوجود طلب کرنے کے بھی کچھ نہیں دیا۔

الفاروق۔ حصہ دوئم۔ ص ۲۴۷

آنحضرتؐ کے اس سب طرز عمل کو کیوں حضرات ابوبکر و عمر نے بدلا، آنحضرت کا ایک اور طرز عمل یہی تھا، عام قاعدہ کے خلاف ابوالعاص شوہر زینبؑ کو بغیر فدیہ لئے چھوڑ دیا، مسلمانوں سے اجازت لے لی کہ فدیہ میں تمہارا حصہ ہوتا ہے۔ لہذا اگر کہو تو یہ ہار واپس کر دوں مسلمانوں نے اجازت دیدی، آپ نے ہار واپس کر دیا اگر حضرت ابوبکر فدک کو مسلمانوں کا حق سمجھتے تھے تو دختر رسول کی دل جوئی رسول خداؐ کے اس طرز عمل کی پیروی میں کیوں نہ کی، امر واقعہ یہ ہے کہ فدک کے مقدمے کے فیصلہ میں ایسی ہی کئی باتیں ہوگئی ہیں، نصاب شہادت پر اصرار کرنا ان میں سے ایک تھا، اس اصرار کا ذکر تو پہلے ہو چکا ہے لیکن یہ بھی محض ایک دفع الوقتی کی کوشش تھی، حضرت علی و فاطمہ، ام ایمن و جناب حسنینؑ کی گواہیوں کو کن کن کوششوں سے رد کیا گیا ہے مگر دیگر صحابیوں کے لئے فقہ کا اصول قائم کر دیا کہ ایک عادل صحابی کی شہادت کافی ہے۔ دیکھو فتح الباری پارہ ۶ ص ۱۴۹

عمدۃ القاری ۔ جلد ۵ ص ۶۷۵ ۔

۱۴۔ اگر یہ لاوارث حدیث درست تھی تو حضرت عائشہ و حضرت حفصہ کے وہ حجرے اور مکانات کیوں نہ لیے گئے ، جو اُن کو آنحضرتؐ سے وراثت میں ملے تھے ۔ یہ امر ثابت شدہ ہے کہ یہ حجرے و مکانات آنحضرت کی ملک تھے ، اور ازواج مطہرات کو ورثہ میں آنحضرت سے پہنچے تھے ۔ سید نور الدین سمہودی :۔ وفاء الوفاء باخبار دار المصطفیٰ الجزء الاول باب الرابع فصل التاسع ص ۳۲۵ ۔

۱۵۔ حضرات زبیر و عبد الرحمٰن بن عوف و ابوبکر کو بھی تو جناب رسول خداؐ نے آراضیات ہبہ کی تھیں جیسا کہ ہم نے اوپر بیان کیا ، ان سے کیوں نہ شہادت طلب کی گئی اور ان کے ہبہ کو کیوں تسلیم کر لیا گیا ۔

۱۶۔ حضرت فاطمہ و حضرت علی نے حضرت ابوبکر کے فیصلہ کو غلط ، مبنی بر ظلم سمجھا ، اور جب حضرت ذکریا کی دعا والی آیت اور نیز حضرت سلیمان کے ورثہ پانے والی آیت حضرت ابوبکر کو سنائی گئی تو وہ اس کا کچھ جواب نہ دے سکے ، حضرت علیؑ نے کہا کہ تم ان آیات کی موجودگی میں کیا کہہ سکتے ہو ، خاموش ہو رہے ۔ کیا کہتے ؟ ۔

۱۷۔ حضرت فاطمہ اتنی ناراض ہوئیں کہ پھر حضرت ابوبکر و حضرت عمر سے عمر بھر کلام نہ کیا ، صاف صریحاً کہہ دیا کہ تم دونوں نے مجھے ناراض کر دیا ہے اور میں اپنے والد بزرگوار سے تمہاری شکایت کروں گی ، حضرات شیخین ان کو راضی کرنے کے لئے گئے تو ان کی طرف سے منہ موڑ لیا اور کلام نہ کیا ، جو لوگ محمد مصطفیٰ کو رسول برحق سمجھتے ہیں اور آپ کے قول کو سچا جانتے ہیں ، جب ان کو یہ یاد آئے گا کہ جناب رسول خداؐ نے فرمایا تھا کہ فاطمہؑ میرے جسم کا ٹکڑا ہے جس نے اسے ناراض کیا اس نے مجھے ناراض کیا ، اور جس نے مجھے ناراض کیا وہ خدا کے غضب کا مستوجب ہوا تو پھر وہ حضرت ابوبکر کے اس فعل سے لرزہ براندام ہو جائیں گے ۔

۱۸۔ ابن حجر مکی اور دیگر وکلائے اہل حکومت زید بن حسن بن علی بن الحسین کی رائے

کو پیش کرتے ہیں کہ اگر ان کے سامنے یہ قضیہ پیش ہوتا تو وہ بھی یہ ہی فیصلہ دیتے اول تو یہ روایت ثابت نہیں۔ اس کے راویان کا علم نہیں، علاوہ اس کے یہ وہ ہی زید ہیں جو سیاسات میں پڑ گئے تھے اور انشار جمع کرنے کی فکر میں تھے، عوام الناس کا لشکر تو ایسی ہی ہر دل عزیزی کی باتوں سے جمع ہوتا ہے۔ جس فعل کی مذمت حضرت علی و حضرت فاطمہ و امام حسن و امام حسین کر چکے ہوں وہ تقریباً دو صد برس بعد کے آنے والے شخص کی سیاسی تائید سے کیونکر مستحسن قرار دیا جا سکتا ہے یہ تو شخص واحد ہی رائے تھی، ان سے زیادہ تو مامون کا فیصلہ و نتیجہ تھا، اس نے تمام علماء کی حجت سننے کے بعد اپنی رائے قائم کی تھی، اور اپنے فرمان میں حضرت ابو بکر کے فیصلے کی غلطی نہایت صحیح استدلال کے ذریعے سے ثابت کرتا ہے، اس کو اس کا ایسا یقین تھا کہ فدک واپس اولاد فاطمہ کو دیدیا، حالانکہ اس کا یہ فعل اس کے ذاتی مفاد کے خلاف تھا۔ اس پر ان کا علام اس کی طرف سے قابض تھا اور فدک خلفاء کی ذاتی ملک ہو گیا تھا۔

۱۹۔ مسلمانوں غور کرو، خدا کو جان دینی ہے۔ کسی مذہب پر تعصب کرنے سے پہلے یہ تو سوچو کہ آیا وہ مذہب حق پر بھی ہے۔ حضرت ابو بکر اس حکومت پر قابض تھے جو جناب فاطمہؑ کے باپ کی پیدا کردہ اور ان کے شوہر کی تلوار سے حاصل شدہ تھی۔ اگر یہ دونوں نہ ہوتے تو حضرت ابو بکر کس حکومت پر قابض ہوتے علاوہ اس کے جناب فاطمہ کا پدر بزرگوار ان کا نبی و محسن اعظم تھا، کیا ان کے احسانوں کا یہ ہی بدلا تھا۔ جو حضرت ابو بکر ان کی اکلوتی بیٹی کو دے سکتے تھے۔ کتنا جناب رسولؐ کی روح کو صدمہ ہوتا ہوگا، جب جناب فاطمہؑ فریاد کرتی ہوں گی۔ چند گھنٹوں کا عباس کا کراہنا جس دل نے برداشت نہ کیا وہ اپنی پیاری بیٹی کی آہ و زاری کس رنج کے ساتھ سنتا ہوگا، سنت رسول پر عمل کرنے کا بڑا دعویٰ ہے۔ آنحضرت صلعم نے برداشت نہ کیا کہ ان کی پروردہ دختر زینب کو اپنے قلادہ کے جانے کا رنج ہو، اور مسلمانوں سے کہہ کر واپس کرا دیا کیا جناب ابو بکر نہ کہہ سکتے تھے کہ مسلمانو اگرچہ میری رائے میں فدک تمہارا حق ہے لیکن دختر رسول مانگتی ہے، تمہارے محسن پیارے نبی کی دختر۔

تمہاری رضامندی ہو تو میں واپس کر دوں، کون سی زبان تھی جو نہیں کرتی، اور کونسا دل تھا جو انکار کرتا، سنت رسولؐ پر عمل بھی ہو جاتا، تمہارے حضرت ابوبکر نے کس طرح تمہارے پیارے رسول کی بیٹی کو اس کے باپ کے مرنے کا پرسا دیا کہ وہ ان سے ایسی متنفر ہو گئی کہ سامنے آنے تو منہ موڑ لیا اور کہا کہ تم دونوں نے مجھے ایسا ناراض کیا ہے کہ میں اب اپنے پدر بزرگوار سے ملنے والی ہوں تمہاری شکایت اُن سے کروں گی، اتنی ناراض تھیں کہ وصیت فرما دی کہ یہ دونوں اور جناب عائشہ میرے جنازے پر بھی نہ آئیں، سنتِ رسول کی پیروی کا تو یہ حال ہے کتاب اللہ کی پیروی کو دیکھو، بستر مرگ رسول پر ایک بات ٹالنے کے لئے تو کہہ دیا حسبنا کتاب اللہ اب اس ہی کتاب اللہ کی آیات پر عمل کرنے کے لئے حضرت علی حضرت ابوبکر کو دعوت دے رہے ہیں اور وہ نہیں سنتے، وہاں حدیث رسول یہ کہہ کر نہ سننی چاہی کہ حسبنا کتاب اللہ، یہاں ایک فرضی حدیث رسول کے ساتھ اتنا تمسک کیا کہ قرآن کو چھوڑ دیا، کیا حق کی شان یہ ہے۔ اور کیا یہ طرز عمل اس شخص کا ہی جو واقعی حکومت الہیتہ کا حکمران ہے، غرضکہ اس معاملہ میں جناب زہرا اور علی مرتضیٰ نے اس طرح ساری حجتیں اپنے مخالفین پر پوری کی ہیں کہ قیامت کے دن ان کو فضیحتِ تامہ کا سامنا ہو گا اور اس دنیا میں ان کے وکیلوں کو ان کی طرف سے اقبالِ جرم کئے بغیر چارہ نہیں چنانچہ مولوی صدر الدین حنفی اپنی کتاب روائح المصطفےٰ (مطبوعہ مطبع احمدی کانپور ص ۳۶، ۳۷) میں جناب فاطمہؑ کا حال لکھتے ہوئے فرماتے ہیں:-

بعد از وفات پیغمبر واقعات بسیار گزشتہ مثل معاملہ فدک وسقط شدن حمل او و تہدید نمودن عمر خطاب بنی ہاشم را کہ در خانہ زہرا اجتماع نمودہ بودند وناله وشیون نمودن حضرت زہرا پیش انصار طولے دارد وذکرش نا کردن اولیٰ تر ست، وصیت نمودن حضرت زہرا کہ ہیچ کس بر جنازۂ او حاضر نہ شود دلیل صریح است براں کہ حضرت زہرا آزردہ وملول از دنیا رفتہ اکنوں

تا دل ہر چہ خواہند کنند .... و مرثیہ برائے پیغمبر انشا نمودہ یک بیت از اول

آں قصیدہ این ست!

صبت علیَّ مصائبٌ لو انّھا

صبت علی الایام صرن لیالیا

۲۰- ہم نے اچھی طرح ثابت کر دیا کہ حضرت ابوبکر کے پاس حضرت فاطمہ سے فدک چھیننے کے لئے کوئی معقول وجہ نہ تھی جو عذر بیان کیا وہ محض بہانہ تھا۔ یہ ایک سیاسی تدبیر تھی جس کا مدعا یہ تھا کہ بنو ہاشم خصوصاً حضرت علی و حضرت فاطمہ لوگوں کی نظروں میں گر جائیں محتاج ہو کر بے دست و پا ہو جائیں اور ہم لوگوں کے دل اپنی طرف کر لیں۔ مسلمانوں اپنے خدا کا حکم سنو!

وَلَا تَرْكَنُوْٓا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ ۙ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ اَوْلِيَآءَ ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ یعنی مسلمانوں اُن لوگوں کی طرف مائل نہ ہو جنہوں نے ظلم کئے ہیں ؛ ورنہ تم کو دوزخ کی آگ آ لپٹے گی، خدا کے سوائے تمہارا کوئی دوست تو ہے نہیں، اگر تم ظالموں سے مل گئے تو پھر تم کو کہیں سے مدد نہ ملے گی"!

تدبیر سیزدہم:- اخفاء فضائل علی۔ تدبیر چہاردہم:- احادیث رسول کی روک تھام۔ تدبیر شانزدہم:- وضع احادیث

ان تینوں تدبیروں کا سلسلہ آپس میں وابستہ ہے؛ اس زمانہ میں کسی صحابی کے فضائل کا انحصار دو امور پر تھا یعنی:-

(۱) احادیث رسول جن میں اس کے فضائل کا ذکر ہو اور (۲) خود اس صحابی کے سوانح حیات۔ حضرت عمر کی تجویز یہ تھی کہ حضرت علی کے متعلق ان دونوں کو لوگوں کی یاد سے نکال دیا جائے۔ سوانح حیات کے متعلق تو ترکیب آسان تھی، ان کا ذکر ہی عام طور سے نہ کیا جائے اور جو صفات و واقعات زیادہ فضل و فخر کے قابل تھے، اُن صفات میں حضرت علی کے مقابلہ میں دوسرے صحابہ کو دربار خلافت کی طرف سے ترجیح دی جائے، حضرت علی کے راہ خدا میں جہادات زیادہ نظروں میں کھٹکتے تھے لہٰذا ید اللہ و اسد اللہ کی بجائے سیف اللہ تیار کرنی پڑی اور حضرت

علی کو جنگ پر بھیجا ہی نہیں تاکہ ان کی یہ صفت بالکل ہی لوگوں کے سامنے نہ آئے، ہمارا تو خیال ہے کہ اگر حضرت علی کو وہ سالارِ لشکر کرکے کسی یورش پر روانہ کرنے کا ارادہ بھی کرتے تو حضرت علی ہی انکار کر دیتے کیونکہ حکومت عمر اول کے جنگ وہ مذہبی جہاد نہ تھے۔ جو جناب رسول خدا کے زمانہ کے تھے، وہ شیر خدا جو مغلوب پہلوان کی بے جا گستاخی کی وجہ سے اس کے سینے سے اتر آیا، اور اس کی جان بخشی محض اس وجہ سے کر دی کہ اب اسکے قتل میں ممکن ہے کہ شائبہ نفسانیت شامل ہو جائے، اور ایک بندۂ خدا کا قتل بے کار جائے کب اُن جنگوں میں شامل ہوتا جن کی غرض محض نفسانیت پر مبنی تھی، لیکن یہ امر واقعہ ضرور ذہن میں رکھنا چاہیئے، کہ ان بزرگواروں نے بھی بھول کر حضرت علیؑ سے نہ کہا کہ آپ کسی مہم جنگی پر تشریف لے جایئے، اس کی تفصیل تدابیر نوزدہم و بستم کے بیان میں آئے گی، رہا دوسرا امر یعنی احادیث رسول مشتمل بر فضائل علی، ان کی روک تھام اس طرح کی گئی کہ جبراً حکومت کے غضب کے ڈر سے اور حکومت کے انعامات کے لالچ سے لوگوں کو ان احادیث کے بیان کرنے سے روکا گیا اور ایسی احادیث کا بیان و شائع کرنا جرم قرار دیا گیا۔ حکومت کی یہ تعدی محض احادیث فضائل ہی کے ساتھ نہ تھی بلکہ حضرت علی کے سوانح و واقعات فضائل کے ساتھ بھی تھی اور ان احادیث فضائل کے مقابلہ میں ارکانِ حکومت و صحابہ کے حق میں جھوٹی احادیث وضع کرکے حکومت کے انعامات و اکرامات کا لالچ دلا کر شائع کی گئیں، ہمارا ادعا ہے کہ یہ سب کچھ حضرت عمر کی دور اندیشانہ پالیسی و سیاست کا کارنامہ تھا، حضرت عمر نے اس حکومت کے سیاسی اصول کی ابتداء کی، ان کے بعد کے آنے والوں نے ان کے مقصد کو سمجھا، اپنی حکومت کو اس ہی عقیدہ کا مرہون منت پایا، لہٰذا ان ہی اصول و قواعد کی اپنے اپنے زمانہ کے حالات و واقعات کے مطابق تشکیل کرکے حضرت عمر کے قدم بقدم چلنے کو اپنا فخر ہی نہیں سمجھا بلکہ اپنی حیات کا باعث بھی پایا، ممکن ہے کہ کوئی اعتراض کرے کہ اخفاء فضائل علی و وضع احادیث حکومت امویہ کے کارنامے ہیں، ان کو حضرت عمر کے سر چیپکنا ظلم محض ہے، امر واقعہ یہ ہے کہ حکومت

صدرِ اول، سلطنتِ امویہ، حکومتِ عباسیہ ایک مسلسل واقعات کی زنجیر میں منسلک ہیں۔

بنو امیہ اپنی حکومت کے لئے براہ راست حضرت عمر کے مرہون منت ہیں، حضرت عمر کی دوربین نظروں نے دیکھ لیا کہ اگر بنو ہاشم کو مغلوب رکھنا مطلوب ہے تو ان کے مقابلہ میں بنو امیہ کو اٹھانا ہوگا، اور ابوسفیان کی فتنہ پردازیوں سے بچنے کے لئے بھی یہ ضروری تھا کہ بنوامیہ کی دل جوئی کی جائے، جب حضرت ابوبکر کی بیعت عام ہوئی تو ابوسفیان نہایت ناراض تھے کہ بنو تیم میں خلافت کیوں گئی، اور حضرت علیؑ سے کہا کہ اگر تم کہو تو میں مدینہ کی گلیوں کو سوار اور پیادوں سے بھردوں۔ حضرت علی تو ایسے مکار آدمی کی چالوں میں کیوں آتے مگر حضرت عمر سمجھ گئے کہ اس اُٹھتے ہوئے فتنہ کو دبانا ضروری ہے، لہذا ابوسفیان کے فرزند یزید کو افواج شام کا کمانڈر انچیف بنا دیا گیا، اور پھر اس کے مرنے پر اس کے بھائی معاویہ کو جگہ دیدی گئی، اور پھر ملک شام کا استمراری پٹہ ان کے حق میں لکھ دیا گیا ہم ثابت کر چکے ہیں کہ تجویز شوریٰ کا اصلی مطلب ومقصد یہ تھا کہ حضرت عثمان خلیفہ ہوں، اس طرح سلطنت امویہ تو اپنی ہست و بود کے لئے حضرت عمر کی رہین احسان ہے، حضرت ابوبکر کی حکومت گویا حضرت عمر کی حکومت تھی۔ بلکہ حضرت ابوبکر کے زمانہ میں بھی لوگ حضرت عمر ہی کو حاکم سمجھتے تھے اور حضرت ابوبکر اس حقیقت سے واقف تھے۔ اگر کبھی حضرت ابوبکر کوئی حکم ایسا صادر کر دیتے تھے کہ جو حضرت عمر کی مرضی کے خلاف ہوتا تھا تو حضرت عمر بالا ہی بالا بغیر حضرت ابوبکر سے مشورہ کئے ہوئے اس حکم کی تردید کر دیتے تھے بلکہ حکم نامہ ہی چاک کر دیتے تھے، حضرت عمر کی ایسی باتوں کو دیکھ کر طلحہ بن عبداللہ نے ابوبکر سے کہا:۔

أأنت الامیر ام عمر فقال عمر غیر ان الطاعۃ لی۔ یعنی اے ابوبکر بتاؤ تو سہی تم حاکم ہو کہ عمر حضرت ابوبکر نے کہا کہ حاکم تو عمر ہیں میرے لئے تو فقط ظاہری اطاعت ہے دیکھو تاریخ طبری الجزء الثالث ص ۲۴۰

خلافت صدر اول و حکومت امویہ کی وجہ ہست و بود ایک ہی تھی اور ان کی حیات کا مدار ایک ہی اصول پر تھا، حضرت ابوبکر کا مقابلہ حضرت علی سے تھا، اور حضرت

عثمان وحضرت معاویہ کا مقابلہ بھی حضرت علی ہی سے تھا، لہذا مخالفتِ علی اِن تینوں حکومتوں کا جزو مشترک ہوا، اور سلطنتِ عباسیہ بھی ان کی ہی جانشین تھی اور مخالفت علویین اس کا بھی مقصد تھا، یہاں تک کہ اِس مخالفتِ خاندان نبوت کا نام سیرتِ شیخین رکھا گیا اور وہ ایک ایسی مستقل مستحکم شے سیرتِ رسول سے علیحدہ قرار پائی گئی، کہ مجلس شوریٰ میں اس کو خلافت کے حصول کے لئے شرطِ واحد قرار دیا گیا۔ روایت میں ہے کہ حضرت علی سے کہا گیا کہ بنو ہاشم کو حکومت میں حصہ نہ دینا، آپ نے نہایت معقول جواب دیا کہ جس میں قابلیت دیکھوں گا اس سے میں خدمت لوں گا اکثریت کو جو محض سیرتِ شیخین چاہتے تھے یہ پسند نہ آیا حضرت عثمان کے آگے سیرتِ شیخین کی شرط پیش کی گئی، اونہوں نے منظور کر لی، لہٰذا حضرت عثمان کی حکومت جس پر حکومتِ امویہ کی بنیاد شروع ہوتی ہے۔ سیرتِ شیخین پر مبنی ہوئی، حضراتِ شیخین وحضرت عثمان کی سیاست ومقصدِ حکومت اور امیر معاویہ کے سیاست و مقصد میں پوری یگانگت تھی لہٰذا کوئی تصادم نہ ہوا مگر چونکہ حضرت علی کی حکومت الہیہ اور حاکم شام کی سیاست میں جو اپنے متقدمین کی سیاست پر مبنی تھی، زمین وآسمان کا فرق تھا لہذا تصادم ناگزیر تھا اور ہوا، حکومتِ امویہ وحکومتِ عباسیہ نے ایک ایک کر کے ان تمام بنیادی سیاسی اصولوں پر عمل کیا جو حضرت عمر نے قائم کر دئے تھے، اگر کہیں جزئیات میں فرق نظر آتا ہے تو وہ حالات و واقعات کے فرق کی وجہ سے ہے۔ مثلاً حضرت عمر مجبور تھے، اپنے حالات وواقعات کی وجہ سے کہ حضرت علی کے قتل کی تجویز شوریٰ کی پیچیدہ کارروائیوں کے ذریعے سے کریں، لیکن یزید کے زمانہ میں وہ حالات بدل چکے تھے، وہ علانیہ و براہ راست بھی حسینؑ کے قتل کا حکم دے سکتا تھا، لہذا دیا، یہی حالت احادیث کی تھی، امیر معاویہ کے زمانہ میں لوگوں کی حالتیں اور عادات بدل چکی تھیں، وہ علانیہ حکم دے سکتا تھا کہ حضرت علیؑ کے فضائل کی احادیث بیان نہ کی جائیں اور حضرات شیخین وحضرت عثمان کے حق میں احادیث وضع کی جائیں، حضرت عمر اس وضاحت سے حکم نہیں دے سکتے تھے۔

لیکن وہ اصول جس کی بناء پر امیر معاویہ نے اپنا حکم صادر کیا، حضرت عمر ہی کا قائم کردہ تھا اور وہ یہ تھا کہ حکومت کو چاہیئے کہ احادیث رسول پر قبضہ کر لے اور محض ان احادیث کی اشاعت کی اجازت دے جو حکومت کے حق میں مضر نہ ہوں، اپنی مخالف احادیث کو ہر ممکن طریقے سے روکے۔

حضرت عمر نے خیال کیا کہ چونکہ احادیث رسول فضائل علی سے مملو ہیں لہذا ان کا دبا دینا ہی ضروری ہے ان کا یہ خیال بالکل مطابق تھا، اس طرز عمل سے جو انہوں نے بستر مرگ رسول ؐ پر حسبنا کتاب اللہ کہنے میں اختیار کیا، حضرت عمر کا احادیث رسول کے ساتھ کیسا برتاؤ تھا اور اس کے متعلق کیا احکام صادر کئے تھے ہم تاریخ فقہ اسلامی سے نقل کرتے ہیں یہ کتاب ترجمہ ہے تاریخ التشریع الاسلامی مؤلفہ علامہ محمد الخضری کا اور اس کو مولوی عبدالسلام ندوی نے تیار کر کے مطبع معارف دار المصنفین میں چھپوایا ہے، یہ کتاب سلسلہ دار المصنفین کی نمبر ۳۰ ہے ملاحظہ ہو۔

حافظ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں مراسیل ابن ابی ملیکہ سے یہ روایت کی ہے کہ:-
رسول اللہ ؐ کی وفات کے بعد حضرت ابوبکر صدیق نے ان لوگوں کو جمع کیا، اور فرمایا کہ تم لوگ رسول اللہ صلعم سے ایسی حدیثیں روایت کرتے ہو جن میں تم لوگوں میں اختلاف ہوتا ہے، اور تمہارے بعد جو لوگ ہوں گے ان میں اس سے بھی زیادہ اختلاف ہوگا، تم رسول اللہ صلعم سے کوئی حدیث نہ روایت کرو، جو شخص تم سے سوال کرے اس سے کہو کہ ہمارے اور تمہارے درمیان خدا کی کتاب ہے، اس کے حلال کئے ہوئے حلال اور اس کے حرام کئے ہوئے کو حرام سمجھو۔ ص ۱۶۱۔

حافظ ذہبی کا بیان ہے کہ شعبہ وغیرہ نے بیان سے اور بیان نے شعبی سے اور شعبی نے قرظہ بن کعب سے روایت کی ہے کہ حضرت عمر نے جب ہم کو

عراق کی طرف روانہ فرمایا، تو ہمارے ساتھ وہ بھی چلے اور فرمایا تم کو معلوم ہے کہ میں کیوں تمہاری متابعت کرتا ہوں؟ لوگوں نے کہا ہاں ہماری عزت افزائی کے لئے۔ بولے اس کے ساتھ یہ بات بھی ہے کہ تم ایسی آبادی کے لوگوں کے پاس جاتے ہو جو شہد کی مکھیوں کی طرح بھنبھناتے ہوئے قرآن پڑھتے ہیں۔ تو احادیث کی روایت کر کے ان کی تلاوت قرآن میں رکاوٹ نہ پیدا کرنا صرف قرآن پیش کرو، اور رسول اللہ سے حدیث روایت کرو، تو میں تمہارا شریک ہوں۔ چنانچہ جب قرظہ آئے تو لوگوں نے روایت حدیث کی خواہش کی، انہوں نے جواب دیا کہ ہم کو حضرت عمرؓ نے اس کی ممانعت کی ہے ص ۱۶۳۔

دیکھا کتنی بڑی اور دوراندیش پالیسی ہے۔ ممالک بعید و قریب میں مسلمان پھیل رہے ہیں. لشکر اسلامی آگے جارہا ہے کہیں ایسا نہ ہو کہ فضائل علی کی احادیث لوگوں میں پھیل جائیں اور لوگوں کو اس پر غور کرنے کا موقعہ ملے۔ حضرت عمرؓ نے تین شخص یعنی ابن مسعود اور ابوالدرداء و ابو مسعود انصاری کو اس وجہ سے قید کر دیا کہ انہوں نے رسول اللہ صلعم سے بہت زیادہ احادیث بیان کر دیں. فقہ اسلامی ص ۱۶۲ - اور ملاحظہ ہو:-

> ابن علیہ نے رجاء بن ابی سلمہ سے روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا کہ ہم کو یہ خبر پہنچی ہے کہ حضرت امیر معاویہ یہ کہا کرتے تھے کہ تم لوگ بھی حدیث کے ساتھ وہی طرز عمل اختیار کرو جو حضرت عمرؓ کے زمانہ میں جاری تھا کیوں کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت حدیث کرنے کے متعلق لوگوں کو دھمکیاں دی تھیں۔ ص ۱۶۳

> حضرت عمر بن الخطاب نے احادیث کو لکھوانا چاہا اور اس بارے میں اصحاب رسول اللہ سے مشورہ کیا تو عام صحابہ نے اس کا مشورہ دیا لیکن وہ ایک مہینہ تک خود غیر مطمئن طور پر اس معاملہ میں استخارہ کرتے رہے۔ اسکے بعد ایک دن انہوں نے یقینی رائے قائم کرلی اور فرمایا کہ میں نے جیسا کہ تم لوگوں کو معلوم ہے تم سے تحریر احادیث کا ذکر کیا تھا، پھر میں نے غور

کیا تو معلوم ہوا کہ تم سے پہلے اہلِ کتاب میں سے بہت لوگوں نے کتاب اللہ
کے ساتھ اور کتابیں لکھیں جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ ان ہی کتابوں میں مشغول
ہو گئے اور کتاب اللہ کو چھوڑ دیا، اس بنیاد پر خدا کی قسم میں کتاب اللہ کو
کسی اور چیز کے ساتھ مخلوط نہ کروں گا، اس لئے اونہوں نے تحریر احادیث
کا کام چھوڑ دیا۔ ص ۱۶۳

ابن سعد نے بھی طبقات میں اسی کے قریب قریب روایت کی ہے ص ۱۶۳
ہمارے دعوے کا یہ مزید ثبوت ہے، احادیث رسول کے متعلق جو حضرت
عمر کا رویہ تھا، اس کو امیر معاویہ نے پسند کیا، اور اس پر ہی عمل کیا، حضرت ابوبکر نے
پہلے تو احادیث جمع کرنے کا ارادہ کیا، اور بہت سی احادیث جمع کرلیں لیکن پھر وہ
بھی حضرت عمر کے ہم رائے ہو گئے اور ان پانچ صد احادیث کو جو جمع کی تھیں جلا دیا۔
الفاروق حصہ دوم ص ۲۲۵۔ لہٰذا اب ہم یہ نتیجہ نکالنے میں حق بجانب ہیں
کہ جناب امیر معاویہ نے جو فضائل علی کی احادیث کو مٹانے اور حضرات ثلاثہ کے
حق میں احادیث وضع کرنے کا رویہ اختیار کیا تھا وہ انہوں نے حضرت عمر سے
سیکھا تھا، ممکن ہے کہ اس جگہ ہر شخص اعتراض اٹھاوے کہ (۱) حضرت عمر کا منشاء یہ
تھا کہ آنحضرت کی طرف منسوب کرکے لوگ غلط احادیث شائع نہ کریں اور (۲) یہ
ثابت نہیں کہ انہوں نے محض حضرت علی کے فضائل کی جو احادیث تھیں اُن کو ہی
بیان کرنے سے روکا اور (۳) حضرت عمر کے اس عذر کو کیوں نہ قبول کر لیا جائے کہ مثل
امم سابقہ کے مسلمان بھی کتاب اللہ کو چھوڑ کر دوسری لکھی ہوئی کتابوں کی طرف رجوع
کر جاتے۔ ہم ہر ایک اعتراض کا جواب دیتے ہیں۔
اعتراض اول:۔ اگر محض غلطی کا ڈر تھا تو اس کا تدارک تو بہت اچھی طرح ہو جاتا
کل ہی تو جناب رسولِ خدا کا انتقال ہوا تھا وہ سب صحابہ موجود تھے جنہوں نے
خود آنحضرت سے احادیث سُنی تھیں، ایک جماعت صحابہ کی حضرت علی کی سرکردگی
میں مقرر کر دیتے اور وہ لوگ آنحضرت کی صحیح احادیث جمع کر دیتے، جو کام آنحضرت

کے انتقال کے ڈیڑھ صد سال کے بعد شروع ہوا اُسی وقت شروع ہو جاتا، اور اس سے بہتر طریقے سے شروع ہوتا، آئندہ آنے والے لوگوں کی کتنی تکالیف بچ جاتیں، آخر قرآن شریف بھی تو لوگوں کے سینوں ہی میں سے نکال کے جمع کیا تھا۔ اِسی طرح تدوین حدیث ہو جاتی اور وہ نہایت مفید ہوتی، تاریخ فقہ اسلامی کی متذکرۂ بالا عبارت ملاحظہ ہو، تمام امت کا اجماع اس پر تھا کہ آنحضرت ص کی احادیث کو اس طرح جمع کیا جائے لیکن محض حضرت عمر کی رائے بوجوہات چند در چند جن کو ہم اچھی طرح جانتے ہیں اس کے خلاف تھی۔ اب فرمائیے اس اجماع امت کی قدوسیت کہاں گئی جس کا تذکرہ علمائے جماعت حکومت میں اِس شدّ و مد کے ساتھ ملتا ہے، یہ اجماع تو وہ چیز ہے جس کو محض ایک آدمی ٹھکرا سکتا ہے۔ حضرت ابوبکر کی خلافت پر تو ایسا مکمل اجماع بھی نہ تھا جیسا اس تدوین حدیث کے مسئلہ پر تھا، اس نامکمل اجماع میں تو یہ قدوسیت تھی کہ اُس نے حضرت ابوبکر خلیفہ کو بنا دیا، اور ایک لفظ اس کے خلاف کہنے سے انسان دائرۂ اسلام سے خارج ہوتا ہے اور یہ مکمل اجماع ایسا تھا کہ اسکو ایک آدمی نے ٹھکرا دیا اور سب خاموش رہے اگر یہ کہا جائے کہ چونکہ حضرت عمر حاکم تھے لہذا ان کو یہ اختیار حاصل تھا تو یہ بھی غلط کیونکہ بقول حضرت عمر کے شریعت کا منصب علیحدہ ہے حکومت کا دائرہ الگ ہے امور حکومت میں تو حاکم کا حکم غالب رہے گا، لیکن امور حدیث تو شریعت میں آتے ہیں اور شریعت میں بقول آپ کے اجماع امت غالب رہتا ہے، اور ایک آدمی کی رائے کچھ نہیں، اور اگر اپنے اس مقام کو چھوڑ کر حاکم کے عہدے پر زور دیتے ہو تو پھر حضرت عمر کو ڈکٹیٹر کہو، جمہوریت کا خلیفہ کیوں کہتے ہو۔

اعتراض دوئم۔ حضرت عمر کا یہ طرز عمل محض حضرت علی کی فضائل کی احادیث سے متعلق تھا، دیگر احادیث کی تو وہ تلاش میں رہتے تھے، بلکہ مقدمات فیصلہ کرتے وقت اگر قرآن شریف میں مقدمہ زیر غور کا جواب نہ پاتے تھے تو اس کے متعلق لوگوں سے احادیث پوچھا کرتے تھے دیکھو تاریخ فقۂ اسلامی ص ۱۶۹۔ آپ کو یاد ہوگا

جب حضرت عمر کو ضرب کاری لگی، اور اپنا جانشین مقرر کرنے کا خیال آیا تو معاذ بن جبل و خالد ابن ولید و ابوعبیدۃ بن الجراح و سالم مولی کے فضائل آنحضرت ؐ کے احادیث سے استنباط کرتے تھے کہ فلاں کو امین امت و فلاں کو سیف اللہ و فلاں کو عالم آنحضرت ؐ نے کہا تھا، حضرت علی کے متعلق جو آنحضرت کی احادیث تھیں وہ سب فراموش نسیاً منسیاً۔ گویا ان کا ذکر نہیں کرنا چاہتے تھے، ان کو چھپاتے تھے۔

خارجیوں کا ذکر کرتے ہوئے مولوی عبدالسلام ندوی لکھتے ہیں:-

"یہ لوگ صرف قرآن مجید کے ظاہری معنی کو لیتے تھے، اور حدیثوں میں صرف ان ہی احادیث کو قبول کرتے تھے جن کی روایت ان لوگوں نے کی تھی جن کو یہ لوگ دوست رکھتے تھے۔ چنانچہ ان کی قابل اعتماد حدیثیں صرف وہ تھیں جن کی روایت شیخین حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہا کے دور خلافت میں کی گئی تھی۔

تاریخ فقہ اسلامی ص ۲۳۹۔

خوارج حضرت علی کے تو سخت دشمن تھے، اور ان کو معاذاللہ بدترین اشخاص میں سے شمار کرتے تھے۔ حضرت علی کے فضائل کی احادیث تو ان کی قابل اعتماد حدیثیں نہیں ہو سکتی تھیں اور ان کی قابل اعتماد حدیثیں تو صرف وہ تھیں جن کی روایت حضرت ابوبکر و حضرت عمر کے دور خلافت میں کی جاتی تھی۔ بحمداللہ دو اور دو چار کی طرح ثابت ہو گیا کہ حضرت ابوبکر و حضرت عمر کے دور خلافت میں حضرت علی کے فضائل کی احادیث کی روایت نہیں کی جاتی تھی، اور اسی سنت پر امیر معاویہ نے عمل کیا جیسا کہ آگے چل کر معلوم ہو گا، اور اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ حضرات شیخین کے زمانہ میں احادیث کے روایت کرنے والے خارجیوں کے دوست تھے گویا مثل خارجیوں کے حضرت علی کے دشمن تھے۔

اعتراض سویم:- یہ حضرت عمر کا عذر کیا بلکہ ایک بہانہ ہی بہانہ ہے۔ قرآن شریف

سے صرف اتنا ثابت ہوتا ہے کہ اہل کتاب نے اپنی آسمانی کتابوں میں تحریف کی تھی۔ کوئی ایسی کتاب نہ تھی جو انہوں نے زبور، توریت یا انجیل کے مقابلہ میں رکھ کر آسمانی کتاب کو چھوڑ دیا ہو اور حالت موجودہ میں تو یہ عذر بالکل بے معنی ہے، آنحضرت کی احادیث قرآن کے مطابق ہیں اس کے معارض نہیں، پھر احادیث سے تمسک کرنا قرآن شریف سے اعراض کرنے کا مرادف کیونکر ہو سکتا ہے۔

امر واقعہ تو یہ ہے کہ حضرت عمر بھی اپنے اس طرز عمل کو فقہ کی رُو سے غلط سمجھتے تھے، اچھی طرح جانتے تھے کہ ہم سنت رسول یعنی حدیث کے محتاج ہیں۔ شوریٰ میں سنت رسول کی سنت شیخین کے مقابلہ میں ایک شرط تھی، حضرت عمر کے بعد ہی بہت جلد لوگ تدوین حدیث میں مشغول ہو گئے، معاویہ کے دور ہی میں احادیث کی بہ کثرت روایت شروع ہو گئی، مولوی عبد السلام حضرت عمر کی اس غلطی کا اعتراف ان الفاظ میں کرتے ہیں۔

> اگرچہ اس دور میں حدیثوں کی بھی بکثرت روایت کی جاتی تھی اور تابعین کا ایک گروہ صرف اسی کام میں لگا ہوا تھا تاہم وہ اب تک کسی مجموعہ کی صورت میں مدون نہیں ہوئی تھیں لیکن چونکہ تمام لوگ یہ سمجھتے تھے کہ قرآن مجید کی وضاحت کر کے حدیثیں فقہ کی تکمیل کرتی ہیں اور عام مسلمانوں میں کوئی اس رائے کا مخالف نہ تھا اس لئے عقلاً یہ حالت دیر تک قائم نہیں رہ سکتی تھی چنانچہ دوسری صدی ہجری کے آغاز میں حضرت عمر بن عبد العزیز نے اس کمی کو محسوس کیا اور اپنے عامل مدینہ حضرت ابوبکر بن محمد بن عمرو بن حزم کو لکھا کہ رسول اللہ صلعم کی جو حدیثیں ملیں ان کو لکھو کیونکہ مجھ کو علم اور علماء کے فنا ہو جانے کا خوف ہے۔
>
> تاریخ فقہ اسلامی ص ۱۲۴

چنانچہ بہت سی احادیث کی کتابیں لکھی گئیں جنفی فقہ کا تو یہ جزو اعظم ہے۔ صحاح ستہ مشہور ہیں، اس سے ایک اور فقط ایک نتیجہ نکلتا ہے، یہ تو حضرت عمر بھی اور ان کے مقلدین بھی سب ہی جانتے تھے کہ احادیث ضروری شے ہیں، بغیر ان کے فقہ اسلامی

کی تکمیل نہیں ہوتی، یہاں تک کہ ارکان نماز و زکوٰۃ کا علم بھی محض ان سے ہی حاصل ہوا ہے ہم کیونکر مان لیں کہ حضرت عمر اس بدیہی بات سے ناواقف تھے، ان کا منشاء تو یہ تھا کہ حضرت علی و اہل بیت کے فضائل کی احادیث نہ بیان کی جائیں، اس کو ان کے مقلدین بھی سمجھ گئے تھے، چنانچہ حضرت علی کے فضائل کی بہت کم احادیث ان کے مقلدین نے جمع کیں۔
حضرت عمر کو باقی احادیث کی اشاعت سے تعرض نہ تھا، ان کے زمانہ میں تو اتنا ہی ہو سکتا تھا اس حضرت امیر معاویہ نے ان کا مقصد تو سمجھ ہی لیا تھا، جو بات حضرت عمر اشاروں میں کہہ سکتے تھے وہ انہوں نے کھلم کھلا کی، صاف طور سے حکم فرمایا کہ فضائل علی کی احادیث نہ بیان کی جائیں بلکہ اس پر یہ ایزادی بھی کر دی کہ حضرات ثلاثہ کے حق میں فضائل کی احادیث وضع بھی کی جائیں، یہ بات وہ تھی جو شام جیسے جاہل ملک ہی میں ممکن تھی، حضرت عمر مدینہ میں آنحضرت کے زمانہ کے اس قدر نزدیک یہ جرأت نہیں کر سکتے تھے، چنانچہ سقیفہ بنی ساعدہ اور شوریٰ میں جہاں یہ موقعہ تھا، اگر یہ موضوع احادیث فضائل ثلاثہ جو اب جاری ہیں موجود ہوتیں تو ان کا ذکر ضرور آتا، ان دونوں موقعوں پر ان احادیث کا ذکر نہ ہونا ہی صاف ثابت کرتا ہے کہ اسوقت تک یہ احادیث تیار نہیں ہوئی تھیں۔

اب ہم یہ ثابت کرتے ہیں کہ کس کس طرح حضرت علی کے نام کو مٹانے کی کوشش کی گئی، آنجناب کے فضائل کی حدیث کو کس طرح ضائع کرنے کا حکم دیا گیا، اور کس طرح حضرات ثلاثہ کے حق میں احادیث فضائل وضع کی گئیں۔

ابن ابی الحدید معتزلی نے شرح نہج البلاغہ میں شیخ ابو الحسن المدائنی اور تاریخ ابن عرفہ المعروف بنفطویہ سے مندرجہ ذیل واقعات نقل کئے ہیں۔

وروی ابو الحسن علی بن محمد	ابو الحسن علی بن محمد ابی سیف المدائنی
بن ابی سیف الدین المدائنی	نے کتاب الاحداث میں
فی کتاب الاحداث قال کتب معاویہ	روایت کی ہے کہ معاویہ نے

نسخة واحدة الى عماله بعد عام
الجماعة ان برئت الذمة ممن روى
شيئاً من فضل ابی تراب واهل
بيته فقامت الخطباء في كل كورة
وعلى كل منبر يلعنون عليا و
يبرؤن منه ويقعون فيه و
في اهل بيته وكان اشد
الناس بلاء حينئذ اهل الكوفة
لكثرة من بها من شيعة علی
عليه السلام فاستعمل عليهم
زياد بن سمية وضم اليه البصرة
فكان يتتبع الشيعة وهو بهم
عارف لانه كان منهم ايام علی عليه
السلام فقتلهم تحت كل حجر ومدر
واخافهم وقطع الايدي والارجل
وسمل العيون وصلبهم على جذوع
النخل وطردهم وشردهم عن
العراق فلم يبق بها معروف
منهم وكتب معاوية الى عماله في جميع
الآفاق الا يجيزوا لاحد من شيعة
علی واهل بيته شهادة وكتب
اليهم ان انظروا من قبلكم من شيعة
عثمان ومحبيه واهل ولايته

نے مضمون واحد کے حکم نامے امام حسن سے صلح کے
بعد اپنے تمام عمال کے پاس بھیجے جن میں اس
نے تحریر کیا کہ میں بری الذمہ ہوں اس شخص سے
جو فضائل علی و اولاد علی بیان کریگا۔ لہٰذا ہر طبقہ
و سرزمین میں ہر منبر پر خطبا کھڑے ہو گئے جو حضرت
علی پر لعنت کرتے تھے ان سے بیزاری چاہتے تھے
اور ان کی اور ان کی اولاد کی مذمت کرتے تھے۔ اس
مصیبت میں سب سے زیادہ اہل کوفہ گرفتار
تھے کیونکہ وہاں شیعیان علی بہت تھے لہٰذا
معاویہ نے کوفہ پر زیاد ابن سمیہ کو حاکم
مقرر کر دیا اور بصرہ بھی اس کے ساتھ ملا دیا
وہ شیعوں کو جہاں بھی وہ ہوتے تھے
نکال لیتا تھا کیونکہ وہ ان سے واقف تھا بہ
سبب اسکے کہ حضرت علی کے زمانہ میں ان ہی میں
سے تھا، لہٰذا ہر ایک پتھر و کنکر کے نیچے سے شیعوں
کو تلاش کرکے اس نے قتل کیا، دھمکیاں دیں،
ان کے ہاتھ پیر کاٹے۔ آنکھیں نکال ڈالیں۔
درختوں کی شاخوں میں سولی دیکر لٹکا دیا،
اور بہتوں کو عراق سے جلاوطن کر دیا جس کا نتیجہ یہ
ہوا کہ عراق میں کوئی بھی شیعہ جس سے وہ واقف
تھا نہ رہا اور معاویہ نے کل اطراف میں اپنے عاملوں
کو لکھا کہ کسی شیعہ علی اور اہل بیت علی کی گواہی کو
جائز نہ رکھو اور اپنے عاملوں کو لکھا کہ عثمان کے

والذین یروون فضائلہ ومناقبہ
فادنوا مجالسھم وقربوھم واکرموھم
واکتبوا الی بکل ما یروی کل
رجل منہم واسمہ واسم ابیہ
وعشیرتہ ففعلوا ذلک حتی
اکثروا فی فضائل عثمان ومناقبہ
لما کان یبعثہ الیھم معاویۃ من
الصلات والکساء والحباء و
القطائع ولیفیضہ فی العرب
منہم والموالی فکثر ذلک فی کل
مصر وتنافسوا فی المنازل والدنیا
فلیس یجیئ احد مردود من الناس
عاملا من عمال معاویہ فیروی فی
عثمان فضیلۃ او منقبۃ الا کتب
اسمہ وقربہ وشفعہ فلبثوا
بذلک حینا ثم کتب الی عمالہ
ان الحدیث فی عثمان قد کثر
فشا فی کل مصر وفی کل وجہہ
وناحیۃ فاذا جاء کم کتابی
ھذا فادعوا الناس الی الروایۃ
فی فضائل الصحابۃ والخلفاء
الاولین ولا تترکوا خبرا
یرویہ احد من المسلمین

پیروان و دوستداران اور اہل ولایت پر مہربانی
کرو، اور ان پر مہربانی کرو جو عثمان
کے فضائل ومناقب بیان کرتے ہیں ان کی
جائے نشست اپنے نزدیک قرار دو اور ان
لوگوں کو اپنا مقرب بناؤ ان کی بزرگی کرو ان
کی بیان کردہ احادیث و روایات مجھے لکھو،
اور بیان کرنے والے کا نام اور اس کے باپ
و قبیلہ کا نام لکھو پس عاملوں نے ایسا ہی کیا۔
تا اینکہ فضائل ومناقب عثمان کی ان لوگوں
نے کثرت کردی کیونکہ معاویہ ان لوگوں کو صلہ
بھیجتا تھا از قسم باغات و آراضیات و ملبوسات
اور ان احادیث کو عرب میں شایع کرتا تھا اور
دوستداران عثمان کے پاس بھیجتا تھا پھر ہر شہر میں
اس کی کثرت ہوئی اور لوگ دنیا و وجاہت
دنیا کی طرف مائل ہو گئے۔ پس ایسا کوئی نہ تھا
کہ اس قسم کی جھوٹی حدیث لادے مگر یہ کہ
وہ عاملان معاویہ سے ہو جاتا تھا۔ ہر ایک
عثمان کے حق میں فضیلت ومنقبت کی جھوٹی
حدیث بیان کرنے والے کا نام معاویہ لکھ لیتا
تھا اور اس کو مقرب بنا لیتا تھا اور اس کی سفارش
قبول کرتا تھا پس اس طرح ایک زمانہ گزر گیا پھر معاویہ نے
اپنے عمال کو لکھا کہ بہ تحقیق حق عثمان میں حدیثیں بکثرت
ہو گئی ہیں اور ہر شہر اور ہر طرف اور ہر گوشہ میں

فی ابی تراب الا وأتونی بمناقض	پھیل گئی ہیں لہذا جس وقت یہ میرا خط تم کو ملے
له فی الصحابة مفتعلة فان	فوراً تم لوگوں کو صحابہ و خلفاء ثلاثہ کے فضائل
هذا احب الی واقر لعینی وادحض	بیان کرنے پر مائل کرو اور اگر تم کوئی حدیث
لحجة ابی تراب وشیعته واشد	ابوتراب کے حق میں سنو تو ویسی ہی اور اس
الیهم من مناقب عثمان وفضله	کے مثیل و نظیر دوسری حدیث صحابہ کے حق
فقرئت کتبه علی الناس فرویت	میں بنا کر مجھے دو۔ پس تحقیق یہ امر مجھے بہت محبوب
اخبار کثیرة فی مناقب الصحابة	تر ہے اور میری آنکھوں کو خنک کرنے والا
مفتعلة لا حقیقة لها وجد	ہے اور ابوتراب اور ان کے شیعوں کی دلیل
الناس فی روایة ما یجری هذا	کو بہت توڑنے والا ہے اور ان لوگوں کو
المجری حتی اشادوا بذکر ذلک	فضائل عثمان سخت تر معلوم ہونگے معاویہ کے
علی المنابر والقی الی معلمی الکتاتیب	یہ خطوط لوگوں کو پڑھ کر سنائے گئے۔ پس
فعلموا صبیانهم وغلمانهم من	تعریف صحابہ میں بہت سی جھوٹی احادیث
ذلک الکثیر الواسع حتی رووه	بنائی ہوئی بیان کی گئیں جن کی کوئی حقیقت
وتعلموه کما یتعلمون القرآن و	نہ تھی اور لوگوں نے اس قسم کی خبروں کے
حتی علموه بناتهم ونساءهم	بیان کرنے میں کوشش کی یہاں تک کہ یہ سب
وخدمهم وحشمهم فلبثوا بذلک	موضوعہ احادیث منبروں پر بیان اور مشتہر
ماشاء الله ثم کتب الی عماله نسخة	کی گئیں اور وہ موضوعہ احادیث استادوں
واحدة الی جمیع البلدان انظروا	کو مکتبوں میں دی گئیں اور انہوں نے اپنے
الی من اقامت علیه البینة انه	شاگردوں اور طالب علموں اور لڑکوں کو
یحب علیا واهل بیته فامحوه	سکھایا اور تعلیم کیا جیسے کہ قرآن سیکھتے ہیں تا آنکہ
من الدیوان واسقطوا اعطاءه	معلموں نے اپنی بیٹیوں اور عورتوں اور
ورزقه وشفع ذلک بنسخة	نوکروں کو سکھایا۔ پس اسی حال سے ان
اخری من اتهمتوه بموالاة هؤلاء	لوگوں نے بسر کی، پھر معاویہ نے ایک ہی مضمون

القوم فسنكلوا به واهدموا داره فلم يكن البلاء اشد ولا اكثر منه بالعراق ولا سيما بالكوفة حتى ان الرجل من شيعة علي عليه السلام لياتيه من يثق به فيدخل بيته فيلقي اليه سره ويخاف من خادمه ومملوكه ولا يحدثه حتى ياخذ عليه الايمان الغليظة ليكتمن عليه فظهر حديث كثير موضوع وبهتان منتشر ومضى على ذلك الفقهاء والقضاة والولاة وكان اعظم الناس في ذلك بلية القراء المراؤن والمستضعفون الذين يظهرون الخشوع والنسك فيفتعلون الاحاديث ليحظوا بذلك عند ولاتهم ويقربوا مجالسهم ويصيبوا به الاموال والضياع والمنازل حتى انتقلت تلك الاخبار والاحاديث الى ايدي الديانين الذين لا يستحلون الكذب والبهتان فقبلوها ورووها وهم يظنون

کا فرمانہ اپنے عاملوں کو سب شہروں میں یا یہ مضمون لکھا کہ تم لوگ جس شخص کی نسبت گواہی سے ثابت ہو کہ بتحقیق وہ شخص علی اور اہلبیت علی کو دوست رکھتا ہے پس اس کا نام دفتر سے مٹا دو اور اس کا رزق بند کرو اور جو اسکو ملتا ہے وہ ترک دو اور اس حکم کی تائید کیلئے فرمانہ ثانی میں لکھا کہ جس شخص کیا دیر محب علی و اہلبیت علی کا اتہام تمہاری نزدیک ثابت ہو جائے تو اسکو اور اسکے گھر کو گرا دو اور اس قوم سے محبت کرنیوالوں کیساتھ بھی یہی سلوک کرو۔ زیادہ تر یہ بلا عراق خصوصاً کوفہ میں تھی تا اینکہ اگر کوئی شخص شیعۂ علی اس شخص کے پاس آتا تھا جس پر وہ بھروسہ کرتا تھا تو داخل خانہ ہوتا اور اپنا راز اس سے کہتا تھا اور اسکے خادم اور غلام سے ڈرتا تھا، اور اس سے بھی کچھ بات نہیں کرتا تھا جبتک کہ غلیظ اور سخت قسمیں اس سے راز پوشیدہ رکھنے کے لئے نہیں لیتا تھا۔ پس بہت سی گھڑی ہوئی موضوع احادیث حق صحابہ میں ظاہر ہوئیں اور بہت سی بہتان پھیلانے والی احادیث ابر خلاف حضرت علی اشایع ہوئیں اور اس ہی روش پر سب فقہاء اور قاضی و حکام چلے سب سے زیادہ اس روش پر چلنے والے قاریان دریا کنندگان او مستضعفین تھے جو اظہار خشوع و خضوع و عبادت کرتے تھے پھر وہ جھوٹی احادیث بناتے تھے تاکہ ان کے سبب سے اپنے والیان ملک کے نزدیک بہرہ مند ہوں اور پاس بیٹھنے سے قرب حاصل کریں

انہا حق ولو علموا انہا باطلۃ لما
رووھا ولا تدینوا بہا فلم یزل
الامر کذلک حتی مات الحسن
بن علی علیہ السلام فازداد البلاء
والفتنۃ فلم یبق احد من ھذا
القبیل الا وھو خائف علی دمہ
او طرید فی الارض...........
وقد روی ابن عرفۃ المعروف
بنفطویہ وھو من اکابر المحدثین
واعلامہم فی تاریخہ ما یناسب
ھذا الخبر وقال ان اکثر الاحادیث
الموضوعۃ فی فضائل الصحابہ
افتعلت فی ایام بنی امیہ تقربا
الیہم بما یظنون انہم یرغمون بہ
انوف بنی ھاشم۔
ابن ابی الحدید، شرح نہج البلاغہ
الجزء الثالث ص ۱۵ و ۱۶ تشریح خطبہ
ان فی ایدی الناس حقا و
باطلا وصدقا وکذبا۔

اور سبب تقرب کے مال وجائداد و مکانات ان کو
حاصل ہوں یہاں تک یہ خبریں اور احادیث
ان دینداروں کے ہاتھ میں منتقل ہوئیں جو جھوٹ
کو حلال نہیں جانتے تھے پس وہ لوگ ان احادیث
کو سچا گمان کرتے تھے اور سچا گمان کرکے قبول
کرتے تھے اور اگر وہ جانتے کہ یہ احادیث
جھوٹی ہیں تو ان کو روایت نہ کرتے اور نہ
اس راہ پر چلتے پس یہ امر اسی طرح جاری رہا تا آنکہ
امام حسن ابن علی نے وفات پائی پھر یہ فساد و بلا
اور زیادہ ہوئی یہاں تک کوئی شخص اس قسم کا باقی
نہیں رہا مگر یہ کہ ڈرتا تھا اپنے قتل سے یا جلا وطن
ہونے سے (اسکے بعد فاضل مورخ لکھتے ہیں
کہ یہ بلا امام حسین کے قتل کے بعد زمانہ عبد
الملک و حجاج ابن یوسف میں اور زیادہ
ہوگئی)... اور تحقیق روایت کی ہے اپنی
تاریخ میں ابن عرفہ نفطویہ نے جو بہت بڑے
محدثین میں سے ہے وہ خبر جو اس ہی خبر
کی تصدیق کرتی ہے کہا ابن عرفہ نے کہ بہت
احادیث موضوعہ فضائل صحابہ و خلفاء ثلاثہ
میں بنائی گئی ہیں زمانہ بنو امیہ میں تاکہ ان کے ذریعے سے نزدیکی و تقرب حاصل کیا
جائے، کیوں کہ بنی امیہ گمان کرتے تھے کہ وہ ان احادیث موضوعہ کے ذریعے سے
بنو ہاشم کی ناک مروڑ رہے ہیں۔

اس سے بہتر اور مؤثر تر اور کیا ثبوت ہم اپنے دعوے کا دے سکتے ہیں یہ فقط

ایک معجزہ تھا کہ ان حالات اور واقعات کے اندر مذہب شیعہ و فضائل علی اور دلائل احقیت علی بخلافت بلا فصل آج تک قائم رہے، اور وہ بھی ان ہی مخالفین کی کتابوں میں، خداوند تعالیٰ اسی طرح اپنی قدرت کاملہ کا اظہار فرماتا ہے۔ کبھی موسیٰ کو فرعون سے پرورش کراتا ہے، کبھی ابراہیمؑ کے اوپر اس ہی آگ کو گلزار بنا دیتا ہے، جو ان کی ہلاکت کے لئے تیار کی گئی تھی، اس کا وعدہ سچا ہے کہ وَاللّٰہُ مُتِمُّ نِعْمَتِہٖ وَلَوْ کَرِہَ الْکَافِرُوْنَ۔ یہ نعمت دین کی نعمت ہے، اس سچے دین کی نعمت کو قائم رکھنا تھا، معاویہ و بنو امیہ اور بنو عباس ایڑی سے چوٹی تک کا زور لگا لیتے تو یہ چراغ الٰہی کبھی گل نہیں ہو سکتا تھا اور نہ ہوا۔ وَیُرِیْدُوْنَ اَنْ یُّطْفِئُوْا نُوْرَ اللّٰہِ بِاَفْوَاہِھِمْ وَیَاْبَی اللّٰہُ اِلَّآ اَنْ یُّتِمَّ نُوْرَہٗ وَلَوْ کَرِہَ الْکَافِرُوْنَ (پارہ ۱۰ سورۃ التوبہ ع۵) ذرا اس آیہ کریمہ کے الفاظ ملاحظہ ہوں، یہ لوگ چاہتے ہیں کہ اپنے منہ کی باتوں سے نورِ خدا کو بجھا دیں، جھوٹی احادیث وضع ہو کر نورِ حق کو چھپانے کے لئے منہ ہی سے نکلتی تھیں اور پھیلتی تھیں، یہی ان کی منہ کی پھونکیں تھیں۔

انشاء اللہ ہمارا ارادہ ہے کہ حصہ دوئم میں اسناد و تراجم اُن کتابوں کے اور مؤلفین کے تحریر کریں جن کا حوالہ کتاب البلاغ المبین میں دیا گیا ہے تاکہ معلوم ہو کہ یہ کتابیں اور ان کے مؤلفین اور راویان کا درجہ جماعت اہل حکومت میں کتنا بلند ہے اور ان کے اوپر کتنا اعتبار ہے۔ دراصل ان کے سارے دین کا انحصار ان ہی علماء و محدثین پر ہے جن کی کتابوں سے ہم نے استدلال کیا ہے مگر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ابن ابی الحدید کی نسبت ہم یہاں بھی کچھ لکھ دیں کیونکہ عبارت متذکرۂ بالا ہمارے دعوے کی مکمل طور سے تائید کرتی ہے اور جماعت اہل حکومت کے ملا اس پر خاک ڈالنے کی کوشش کریں گے۔ ابن ابی الحدید شارح نہج البلاغۃ معتزلی ہے اور خلفائے ثلاثہ کا سچے اور پکے دل سے حامی ہے، اس امر کو اس کی شرح نہج البلاغۃ کا مطالعہ

ہر ایک پر روز روشن کی طرح ظاہر کر دیگا، اس نے اپنا سارا زور بلاغت و فصاحت و استدلال خلافت ثلاثہ کی احقیت ثابت کرنے پر لگادیا ہے اور شیعہ عالم علامہ حلیؒ کے اعتراضات کا جواب دینے کی بڑی کوشش کی ہے۔ کمال الدین عبد الرزاق بن احمد بن محمد بن ابی المغازلی الشیبانی نے اپنی کتاب مجمع الآداب فی بلجم الالقاب میں ابن ابی الحدید کے علم و فقہ کی بہت تعریف کی ہے، اور فضل ابن روزبہان ابن ابی الحدید کے کلام سے سند لیتا ہے اور یہ واقعات تو محض ابن ابی الحدید نے دو کتابوں سے نقل کئے ہیں یعنی کتاب الاحداث ابی الحسن علی بن محمد بن ابی سیف المدائنی اور تاریخ ابن عرفہ المعروف بنفطویہ علو مرتبت تو ان کتابوں کا دیکھتا ہے، ابن ابی الحدید پر تو اتنا ہی بھروسہ کرتا ہے کہ اس نے صحیح نقل کیا ہوگا، تو اس قدر تو بھروسہ قطعاً ہو سکتا ہے، وہ علم کا زمانہ تھا، ہر ایک شخص ان کتابوں سے واقف تھا، کسی میں غلط نقل کرنے کی جرأت نہیں ہو سکتی تھی، سو یہ دونوں بزرگوار یعنی ابوالحسن علی المدائنی اور ابن عرفہ نفطویہ اکابر محدثین اہل سنت وجماعت سے ہیں چنانچہ حافظ ابوسعید سمعانی نے اپنی کتاب الانساب میں لکھا ہے۔

ابو الحسن علی بن محمد بن عبد اللہ ابن ابی شعیب المدائنی مولی عبد الرحمن ابن سمرۃ القرشی وھو بصریٌ سکن المدائن ثم انتقل عنھا الی بغداد فلم یزل بھا الی حین وفاتہ وھو صاحب الکتب المصنفۃ روی عنہ الزبیر بن البکاء واحمد ابن ابی خثیمہ۔ والحرث ابن	ابو الحسن علی بن محمد بن عبد اللہ ابن ابی شعیب مدائنی مولی ہیں عبد الرحمن بن سمر قرشی کے اور وہ بصرے کے رہنے والے تھے سکونت مدائن کی اختیار کی، پھر وہاں سے نقل کر کے بغداد کی طرف چلے گئے اور تا وقت وفات وہیں رہے، اور وہ بہت سی کتابوں کے مصنف ہیں زبیر ابن بکاء و احمد بن ابی خثیمہ اور حرث ابن ابی

ابی اسامہ قال یحیی بن معین	اسامہ نے ان سے روایت کی ہے۔ یحیی بن معین
غیر مرۃ اکتب عن المدائنی کتبہ	نے کہا کہ میں مدائنی کی کتابوں سے اخذ
وکان ابو العباس یقول من اراد	کرتا ہوں۔ ابو العباس کہتے ہیں کہ جو
اخبار الاسلام فعلیہ بکتب	شخص تاریخ اسلام معلوم کرنے کی خواہش
المدائنی ذکر الحارث بن ابی	رکھے اس پر لازم ہے کہ وہ مدائنی کی کتابیں
اسامہ ان ابا الحسن المدائنی	پڑھے، حارث ابن اسامہ نے ذکر کیا ہے
سرد الصوم قبل موتہ بثلاثین	کہ بتحقیق ابو الحسن مدائنی نے اپنی موت
سنۃ وانہ کان قارب مائۃ	سے تیس سال قبل سے پے در پے روزے
سنۃ فقیل لہ فی مرضہ ما	رکھے، ان کی عمر تقریباً سو برس کی ہوئی
تشتھی فقال اشتھی ان	تھی۔ حالت مرض میں ان سے پوچھا گیا
اعیش وکان مولدہ ومنشاہ	کہ تم کو کون سی چیز کی خواہش ہے تو انہوں
بالبصرۃ ثم صار الی المدائن	نے جواب دیا کہ میری خواہش ہے کہ میں
بعد حین ثم صار الی بغداد فلم	اور زندہ رہوں، ان کی جائے ولادت
یزل بہا حتی توفی بہا فی ذی	ونشو ونما بصرہ تھی، پھر بعد ایک زمانہ کے
القعدہ سنۃ اربع وعشرین و	وہ مدائن گئے۔ اسکے بعد بغداد گئے، اور
مائتین وکان عالما بایام الناس	برابر وہیں رہے تا آنکہ ذی قعدہ
واخبار العرب وانسابھم عالما	۲۲۴ھ ہجری میں وفات پائی، وہ لوگوں
بالفتوح والمغازی وروایۃ	کے حالات، عرب کی خبروں اور ان
الشعر صدوقا فی ذلک ذکرہ	کے نسب سے واقف تھے اور حالات فتوحات
غیرہ انہ مات فی سنۃ ۲۲۴	وغزوات وروایت شعراء کو جانتے
ابو سعید عبد الکریم بن ابی بکر السمعانی	تھے اور ان سب باتوں میں بڑے سچے
کتاب الانساب باب المیم والدال ورق ۵۱۵۔	تھے۔

نوٹ:۔ یہ کتاب لاہور کی پبلک لائبریری میں ہے۔

ابن عرفہ کی تعریف علامہ جلال الدین السیوطی اپنی کتاب بغیۃ الوعاۃ میں اس طرح تحریر کرتے ہیں۔

ابراهيم بن محمد بن عرفه بن سليمان بن المغيرة بن حبيب ابن مهلب ابن ابى صفرة العتكى الازدى الواسطى ابو عبد الله الملقب نفطويه لشبهه بالنفط لدمامته وادمته وجعل على مثال سيبويه لانتسابه فى النحو اليه......

الى ان قال ياقوت كان نفطويه عالما بالعربيه واللغته والحديث اخذ عن ثعلب والمبرد وكان زاهر الاخلاق حسن المجالسته صادقا فيما يرويه حافظا للقرآن فقيها على مذهب داود الظاهرى راسًا فيه مسنداً فى الحديث حافظاً للسير وايام الناس و التواريخ والوفيات ذا مروۃ و ظرف جلس للاقراء اكثر من خمسين سنه وكان يبتدأ فى مجلسه بالقرآن على روايه عاصم ثم يقراء الكتب۔

ابراہیم ابن محمد بن عرفہ بن سلیمان بن مغیرہ بن حبیب بن مہلب بن ابی صفرہ عتکی ازدی الواسطی ابوعبد اللہ ملقب بنفطویہ بسبب مشابہ ہونے کے بد صورتی اور گندمی رنگ میں ساتھ نفط کے اور گردانا گیا نفطویہ مانند سیبویہ کے بسبب منسوب ہونے نفطویہ کے نحو میں طرف سیبویہ کے..........

یاقوت نے کہا کہ نفطویہ عالم علم عربی اور لغت و حدیث کا تھا اور حدیث کا علم ثعلب و مبرد سے حاصل کیا، پاکیزہ اخلاق والا۔ نیک صحبت اور سچا تھا اس چیزیں جو وہ روایت کرتا تھا، حافظ قرآن تھا، اور طریقہ داود الظاہری کا سردار اور فقیہ تھا۔ حدیث میں مستند تھا۔ علم سیرۃ ووقائع مردم اور ازمنہ فوتیدگی علماء و محدثین کا حافظ تھا، صاحب مروت اور ظریف تھا۔ پچاس برس سے زیادہ درس دیا ہے اپنے درس کو حسب روایت عاصم پہلے قرآن سے شروع کرتا تھا، پھر اور کتابیں پڑھاتا تھا۔

جلال الدین سیوطی : کتاب بغیۃ الوعاۃ فی طبقات اللغویین والنحاۃ ۔
الطبعۃ الاولیٰ سنہ ۱۳۲۶ھ مطبوعہ مصر ص ۱۸۷۔

ابو عثمان جاحظ نے جو دشمنان علی ابن ابی طالب کا راس و رئیس تھا، ایک کتاب لکھی ہے جس کا نام کتاب عثمانیہ ہے، اس میں اس نے فضائل علی کے اخفاء کی بے حد کوشش کی ہے، اور ان کے مقابلہ میں دیگر خلفاء و صحابہ کے فضائل میں بہت سی بناوٹی حدیثیں تحریر کی ہیں اس کا جواب خود سواد اعظم و جماعت حکومت کے ایک عالم معتبر ابو جعفر اسکافی نے اپنی کتاب نقض عثمانیہ میں دیا ہے اس میں ایک جگہ ابو جعفر اسکافی تحریر کرتے ہیں۔

لولا ما غلب علی الناس من الجہل و حب تقلید لم نحتج الی نقض ما احتججت بہ العثمانیہ فقد علم الناس کافۃ ان الدولۃ والسلطان لارباب مقالتہم و عرف کل احد اقدار شیوخہم وعلمائہم وامرائہم و ظہور کلمتہم وقہر سلطانہم وارتفاع التقیہ عنہم والکرامۃ والجائزۃ لمن روی الاخبار والاحادیث فی فضل ابی بکر وماکان من تاکید بنی امیہ لذلک وما ولدہ المحدثون من الاحادیث طلبًا لما فی ایدیہم فکانوا لایالون جہداً فی طول ماسلکوا ان	اگر لوگوں کے اوپر جہل اور اپنے سلف کی تقلید کرنے کے شوق کا غلبہ نہ ہوتا تو ہمیں ضرورت ہی نہ پڑتی کہ کتاب عثمانیہ کی رد میں بحث کریں، تمام لوگوں کو معلوم ہے کہ دولت و غلبہ مصنف کتاب عثمانیہ جیسے لوگوں کا رہا ہے اور سب کو ان کے رؤساء و علما و امراء کے اقتدار کا علم ہے اور نیز جانتے ہیں کہ ان لوگوں کی بات اچھی طرح مشتہر ہو جاتی ہے کیوں کہ ان کا غلبہ ہے، اور ان کو اپنے خیالات چھپانے کی ضرورت نہیں، جو شخص فضائل ابی بکر میں اخبار و احادیث بیان کرتا تھا اس کو انعام و اکرام ملتا تھا۔ اور یہی بنو امیہ کی تاکید تھی۔ لہذا محدثین نے انعام حاصل کرنے کی غرض سے کوشش کی کہ اس قسم کی احادیث وضع

يخملوا ذكر علي وولده ويطفؤا
نورهم ويكتموا فضائلهم ومناقبهم
وسوابقهم ويحملوا الناس على شتمهم
وسبهم ولعنهم على المنابر فلم
يزل السيف يقطر من دمائهم
مع قلة عددهم وكثرة عدوهم
فكانوا بين قتيل واسير و
شريد وهارب ومستخف ذليل
وخائف مترقب حتى ان الفقيه
والمحدث والقاص والمتكلم
يتقدم اليه ويتوعد بغاية
الايعاد واشد العقوبة ان
لا يذكروا شيئاً من فضائلهم
ولا يرخصوا لاحد ان يطيف
بهم حتى بلغ من تقية المحدث
انه اذا ذكر حديثا عن علي كنى
عن ذكره فقال قال رجل من
قريش وفعل رجل من قريش
ولا يذكر عليا ولا يتفوه باسمه
رأينا جميع المختلفين قد حاولوا
نقض فضائله ووجهوا الحيل و
التأويلات نحوها من خارجي
مارق وناصب حنق ونابت

کریں اور ذکر علی و اولاد علی سے باز رہیں اور
ان کے نور کو بجھائیں ان کے فضائل و مناقب
و سوابقات کو چھپائیں، لوگوں پر زبردستی
کی گئی کہ منبروں پہ علی و اولاد علی پر لعنت
کریں اور سب و شتم کریں حالانکہ علوئین
قلیل تھے اور ان کے دشمن کثیر تھے۔ پھر بھی
ان کی دشمن کی تلواروں سے ہمیشہ ان کا خون
ٹپکتا رہا، ان کو قتل کرتے تھے، قید کرتے تھے اور
وہ بھاگے بھاگے پھرتے تھے، ذلیل ہوتے
تھے۔ خائف رہتے تھے، فقیہ و محدث
و مورخ و متکلم کو رشوت دی جاتی تھی، اور ان
کو نہایت شدید عذاب و سزا کی دھمکی سے
ڈرایا جاتا تھا کہ وہ فضائل علی و اولاد علی میں
سے ایک شمہ بھی بیان نہ کریں اور کسی کو جاتے
نہ تھی کہ ان سے ملیں، محدثین کے تقیہ کی
حد یہاں تک ہو گئی کہ جب حضرت علی کے واسطے سے
کوئی حدیث بیان کرتے تھے تو علی کا نام نہیں
لیتے تھے بلکہ اشارہ سے کہتے تھے مثلاً قریش
میں سے ایک شخص نے یہ کہا ہے، قریش کے
شخص نے ایسا کیا تھا، علی کا ذکر نہیں کرتے تھے
نہ ان کا نام لیتے تھے ان سب باتوں کا نتیجہ ہم نے
یہ دیکھا کہ تمام مختلف جماعتوں نے اس امر پر ایک
اجماع کر لیا کہ علی کے فضائل کو گھٹائیں اور

ء سيئهم وبنا شئ معاند ومنافق
مذنوب وعثماني مسوء يعترض
فيما ويطعن ومعتزلي قد نقد
في الكلام وابصر علم الاختلاف
وعرف الشبه ومواضع الطعن
وضروب التاويل قد التمس
الحيل في ابطال مناقبه وتاول
مشهور فضائله فمرة يتاولها بما لا
يحتمل ومرة يقصد ان يضع من
قدرها بقياس منتقض وتزداد
مع ذالك الا قوة ورفعة ووضوحا
واستنارة وقد علمت ان معاوية
ويزيد ومن كان بعدهما من
بني مروان ايام ملكهم وذالك
نحو ثمانين سنة لم يدعوا
جهدا في حمل الناس على شتمه
ولعنه واخفاء فضائله وستر
مناقبه وسوابقه ....
وقد تعلمون ان بعض الملوك
ربما احدثوا قولا او دينا لهوى
فيحملون الناس على ذلك حتى
لا يعرفون غيره كنحو ما اخذ
الناس الحجاج بن يوسف بقراءة

اور ان کی تاویلات کریں اس ہی وجہ سے
عثمانی حاسد کو موقعہ ملا کہ طعن و اعتراض
کرے لیکن جاننے والے اصلی بات کو جانتے
ہیں وفضائل علی کے ابطال میں بہت سے
حیلے کرتے ہیں اور جو فضائل ایسے مشہور
ہیں کہ ان کا انکار نہیں ہو سکتا تو ان
کی تاویل کرنے کی کوشش کرتے ہیں چنانچہ
کہیں تو ایسی تاویل کرتے ہیں جس کی مطلقاً
گنجائش نہیں ہوتی، اور کہیں ان فضائل
کی قدر گھٹانے کی کوشش کرتے ہیں۔
لیکن باوجود ان تمام کوششوں کے
فضائل علی قوت و استحکام پکڑتے ہیں
اور نور الہی کی طرح خوب پھیلتے ہیں
یہ تو سب کو معلوم ہے کہ معاویہ اور
یزید اور ان کے بعد بنو مروان نے
اپنے زمانہ سلطنت میں جو تقریباً اسی سال تھا لوگوں کو
زبردستی کرکے علی و اولاد علی پر لعن و سب و شتم کرنے اور ان
کے فضائل و سوابق و مناقب کے چھپانے میں کوئی کوشش فروگذاشت نہیں کی۔
تم لوگ جانتے ہو کہ جب بادشاہوں میں سے کسی نے اپنی
خواہش کی پیروی میں ایک نیا قول یا نیا دین ایجاد کیا تو
لوگوں پر زبردستی و جبر کرکے کوشش کی ہے کہ لوگ سوائے
انکے قول و دین کے کچھ اور نہ جانیں مثال کے طور پر دیکھو
حجاج ابن یوسف نے لوگوں کو مجبور کیا کہ حضرت

عثمان وترك قرأة ابن مسعود
وأبي بن كعب وتوعد على ذلك
بدون ما صنع هو وجبابرة بني
امية وطغاة بني مروان بولد
علي وشيعته وانما كان سلطانه
نحو عشرين سنة فما مات الحجاج
حتى اجتمع اهل العراق على قرأة عثمان
ونشا ابناؤهم ولا يعرفون غيرها
لامساك الآباء عنها وكف المعلمين
عن تعليمها حتى لو قرئت عليهم
قرأة عبدالله وابي ما عرفوها
يظنوا بتاليفها الاستنكار و
الاستهجان لالف العادة وطول
الجهالة لانه اذا استولت على الرعية
الغلبة وطالت عليهم ايام التسلط
وشاعت فيهم المخافة وشملتهم
التقيه اتفقوا على التخاذل والتساكب
فلا تزال الايام تاخذ من بصائرهم
وتنقص من ضمائرهم وتنقص
من مرائرهم حتى تصير البدعة
التي احدثوها غامرة للسنة
التي كانوا يعرفوها ولقد كان
الحجاج ومن ولاة كعبد الملك

عثمان کے جمع کئے ہوئے قرآن کو اختیار کریں
اور ابن مسعود اور ابی بن کعب کی قرأت کو
ترک کر دیں اس نے اس امر پر لوگوں کو
خوب دھمکی دی اور نیز ان امور پر جو اس نے
اور سرکشان بنی مروان و بنی امیہ نے حضرت
علی کی اولاد اور ان کے شیعوں کے ساتھ
کئے تھے، اس کی سلطنت تقریباً بیس سال
رہی اور وہ نہیں مرا یہاں تک کہ اہل عراق
حضرت عثمان کے قران پر جمع ہو گئے، ان
کی اولاد نے نشو ونما پائی، اور اب وہ سوائے
قرآن عثمان کے اور کسی قرأت کو نہیں
جانتے تھے کیونکہ ان کے باپ دادا نے اس ہی قرآن
کو پکڑا تھا اور ان کے استادوں نے اس کی ہی تعلیم
دی تھی یہاں تک کہ اگر اب ان کے سامنے عبداللہ ابن
مسعود و ابی کے طریقہ کے قرآن کو پڑھا جائے تو وہ اس سے
بالکل ناواقف ہونگے یہ اس کا نتیجہ ہے کہ انہیں اس
قرآن سے الفت ہو گئی اور دوسری کا علم ہی نہ تھا اسی طرح
اس امر میں رعایا کے اوپر استبداد غالب ہو گیا سلطنت
کا زمانہ دراز ہو گیا اور ان کے دل میں تقیہ اور ڈر نے گھر
کر لیا یہاں تک کہ وہ اس امر پر جمع ہو گئے کہ مرور زمانہ کی
وجہ سے ان کی آنکھوں میں حضرت علی کی وہ قدر و منزلت
نہ رہی دلوں سے ان کی عزت جاتی رہی اور حضرت علی کے محاسن
نہاں ہو گئے یہاں تک کہ یہ بدعت (سب و شتم علی) انکے لئے
سنت ہو گئی جو حجاج تو وہ لوگ جنہوں نے اسکو مقرر کیا تھا عبدالملک

والوليد ومن كان قبلهما وبعدها
من فراعنة بني امية على اخفاء
محاسن علي وفضائله وفضائل
ولده وشيعته واسقاط اقدارهم
احرص منهم على اسقاط قراءة عبدالله
وابي لان تلك القراءة لاتكون
سبب الزوال ملكهم وفساد
امرهم وانكشاف حالهم وفي
اشتهار فضل علي عليه السلام
وولده واظهار محاسنهم بوارهم
وتسليط حكم الكتاب المنبوذ
عليهم فحرصوا واجتهدوا في اخفاء
فضائله وحملوا الناس على كتمانها
وسترها وابى الله ان يزيد امره
وامر ولده الا استنارة واشراقا
وحبهم الا شغفا وشدة وذكرهم
الا انتشارا وكثرة وحجتهم الا
وضوحا وقوة وفضلهم الا ظهورا
وشأنهم الا علوا واقدارهم
الا اعظاما حتى اصبحوا باهانتهم
اياهم اعزاء وباماتتهم ذكرهم
احياء وما ارادوا به وبهم من
الشر تحول خيرا فانتهى الينا من

ولید اور نیز وہ فراعنہ بنی امیہ جو ان سے پہلے
تھے اور بعد میں ہوئے بہت شدت و جور کے ساتھ
اس پر تلے ہوئے تھے کہ حضرت علی کے محاسن
اور ان کی اولاد اور شیعوں کے فضائل کو چھپائیں
اور ان کے اقتدار و عزت کو محو کریں، اور ان کی
اقتدار و عزت کو محو کریں ان کی یہ خواہش اس
سے کہیں زیادہ تیز اور قوت دار تھی، جو ان کو
عبداللہ و ابی کی قرأت کو محو کرنے کے لئے تھی کیونکہ
ان قرأتوں سے ان کے ملک کو زوال نہیں آتا
تھا، فضائل علی و اولاد علی کے مشتہر ہونے میں
اور ان کے محاسن کے ظاہر ہونے میں ان لوگوں
کے ملک و سلطنت کی بربادی تھی، لہٰذا انہوں
نے فضائل علی کے اخفا میں بہت کوشش کی اور
جور و ظلم کے ساتھ لوگوں کو مجبور کیا کہ فضائل
و حقوق علی کو چھپائیں لیکن خداوند تعالیٰ نے
چاہا کہ حضرت علی اور ان کی اولاد کا نور چمکے اور
پھیلے ان کی محبت زیادہ ہو، ان کا ذکر اطراف
عالم میں منتشر ہو ان کے حقوق لوگوں پر ظاہر ہوں
ان کے فضائل و محاسن لوگوں پر آشکارا ہوں
ان کی شان بڑھے ان کی قدر و منزلت
زیادہ ہو یہاں تک کہ جوں جوں بنی امیہ نے ان
کی اہانت کی ان کی عزت زیادہ ہوئی جوں جوں
بنی امیہ نے ان کے ذکر کو چھپانا چاہا توں توں وہ

ذکر فضائلہ وخصائصہ ومزایاہ وسوابقہ مالم یتقدمہ السابقون ولا ساواہ فیہ القاصدون ولا یلحقہ الطالبون ولولا انہا کانت کالقبلۃ المنصوبۃ فی الشہرۃ و کالسنن المحفوظۃ فی الکثرۃ لم یصل الینا منہا فی دھرنا حرف واحد وکان الامر کما وصفناہ۔

لوگوں میں پھیلا جس امر سے بنو امیہ کا منشا انہیں بدی پہنچانے کا تھا وہ ان کے لئے نیکی میں تبدیل ہو گیا اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ علی و اولاد علی کے فضائل اور محاسن و سوابقات کا ذکر ہم تک پہنچا، اور حضرت علی کی یہ محاسن و صفات ایسی ہیں کہ جن میں علی کی برابری آگے بڑھنے والوں کی اور نہ ان کی حد تک طلب و تلاش کرنے والے پہونچ سکے، ان کو اخفا و مٹا کرنے کے لئے توانتے زبردست طریقے استعمال کئے گئے تھے کہ اگر یہ صفات و محاسن بہت اعلےٰ درجہ کے نہ ہوتے اور ان کی شہرت رسول خدا کے وقت میں اتنی عام نہ ہو گئی ہوتی تو ہم تک ان کی ایک صفت بھی نہ پہنچتی۔

ابو جعفر اسکافی جماعت حکومت کے نہایت مشہور و معروف متکلمین و محققین میں سے ہے ابو سعد عبد الکریم سمعانی نے کتاب الانساب (ورق ۱۵) میں لکھا ہے کہ محمد بن عبد اللہ الاسکافی بغداد کے معتزلہ متکلمین میں سے بہت مشہور و معروف ہے اور اس کی بہت تصانیف ہیں ۲۴۰ھ ہجری میں اس نے وفات پائی یاقوت حموی نے معجم البلدان میں لکھا ہے کہ محمد بن عبد اللہ ابو جعفر الاسکافی بغداد کے معتزلہ متکلمین میں سے بہت مشہور و معروف تھا، اس کی ابن ابی الحدید نے اپنی شرح نہج البلاغۃ میں بہت کی ہے اور عبد الجبار معتزلی جس سے اہل سنت و جماعت نے طریقہ مناظرہ سیکھا ہے اس کی بہت تعریف کرتا ہے۔

علامہ ابوبکر خوارزمی کے مکاتیب میں جو مصر میں چھپ چکے ہیں، اور اس کا ایک نسخہ اس حقیر کے کتب خانہ میں خداوند تعالےٰ کے فضل و کرم سے موجود ہے اس سے بھی زیادہ اس امر کی تفصیل کی ہے چنانچہ وہ لکھتے ہیں۔

وکتب الی جماعۃ الشیعۃ بنیسابور لما قصدھم محمد بن ابراھیم والیھا

جب محمد بن ابراہیم والی نیشاپور نے وہاں کی شیعہ جماعت کا قصد کیا تو علامہ خوارزمی

سمعت ارشدکم اللہ سعیکم وجمع
علی التقوی امرکم ماتکلم بہ
السلطان الذی لایتعمل الّا علی
العدل ولایمیل الّا علی جانب الفضل
ولایبالی بان یمزق دینہ اذارفا
دنیاہ ولایفکر فی ان لایقدم
رضا اللہ اذا وجد رضاہ وانتم
ونحن اصلحنا اللہ وایاکم عصابۃ
لم یرض اللہ لنا الدنیا فذخرنا
للدار الآخرۃ ورغب بنا عن ثواب
العاجل فاعدلنا ثواب الآجل و
قسمنا قسمین قسما مات شھیدا
وقسما عاش شریدا فالحی یحسد
المیت علی ماصار الیہ ولا یرغب
بنفسہ عما جری علیہ قال امیر
المومنین ویعسوب الدین علیہ
السلام المحن الی شیعتنا اسرع الی
الحدور وھذہ مقالۃ لست علی المحن ولدا اھلہا
فی طالع الھزاھز والفتن نحیۃ اھلھا انقص
وقلوبھم حشوھا غصص والایام
علیھم متحاملۃ والدنیا عنھم مائلۃ
واذا کنا شیعۃ ائمتنا فی الفرائض
والسنن ومتبعی آثارھم فی ترک

نے اس جماعت کے پاس یہ خط بھیجا: خدا تمہارا بھلا
کرے میں نے تمہاری کوششوں اور تقوی کا حال
اس بادشاہ سے سنا ہو جو ہمیشہ عدل کرتا ہو اور
فضیلت کی طرف مائل ہوتا ہے وہ نہیں چاہتا کہ
اس کے دین کو اس کی دنیا کے امور خراب کر دیں تو
جب رضائے الٰہی معلوم کر لیتا ہے تو اس کو سب
پر مقدم رکھتا ہے ہم اور تم خدا بھلا کرے ایک جماعت
ہیں، خدا اس بات پر راضی نہ ہوا کہ ہمیں دنیا
دیوے لہذا آخرت میں ہمارے ثواب کا ذخیرہ جمع فرمایا۔ دنیا کی
دلفریبیاں اس نے ہمارے لئے مناسب نہ سمجھیں لہذا اس نے ہمارے
لئے آخرت کی خوبیاں جمع فرمائیں اور ہمیں دو
قسموں پر تقسیم کیا، پس ایک جماعت تو شہید
ہو گئی اور دوسری شہر بدر کی گئی پس زندہ لوگ
مردوں پر حسد کرتے تھے بوجہ ان تکالیف کے جو
ان پر گزر رہی تھیں جناب امیر المومنین علیہ السلام نے
فرمایا ہے کہ جس تیزی کے ساتھ پانی نشیب کی طرف دوڑ
کر جاتا ہے اس سے زیادہ تیزی کے ساتھ مصائب و
تکالیف ہمارے شیعوں کی طرف دوڑ کر آتے ہیں
اس قول کی بنیاد ان مصائب پر ہے جن کی نسبت کہا
گیا ہے کہ وہ لوگ فتنوں کے طالع کے اندر پیدا ہوتے
ہیں ان کی زندگی قبل اس کے کہ پوری ہو ختم کر دی جاتی
ہے اور وہ اپنی زندگی سے کچھ نفع پھلتے نہیں ان کے
دل اندر سے غم واندوہ سے بھرے رہتے ہیں زمانہ ان پر

كل قبيح وفعل حسن فينبغي ان
نتبع آثارهم في المحن غصبت
سيدتنا فاطمه صلواة الله عليها
وعلى ابيها ميراث ابيها صلواة
الله عليه وعلى آله يوم السقيفه
واُخّر امير المومنين عن الخلافة
وسم الحسن عليه السلام سرًّا
وقتل اخوه عليه السلام جهرا و
صلب زيد بن علي بالكناسة
وقطع راس زيد بن علي في المعركة
وقتل ابناه محمد وابراهيم على
يد عيسى بن موسى العباسى
ومات موسى بن جعفر في حبس
هارون وسم على بن موسى بيد
المامون وهزم ادريس بفخ حتى
وقع الى الاندلس فريدا ومات
عيسى زيد طريدا شريدا و
قتل يحيى بن عبد الله بعد الامان
والايمان وبعد تاكيد العهود و
الضمان هذا غير ما فعل يعقوب
بن الليث بعلويه طبرستان و
غير قتل محمد بن زيد والحسن
بن القاسم الداعي على ايدي آل

سختی کرتا ہے اور دنیا ان سے دور ہو جاتی ہے اور
اگر ہم فرائض وسنن میں اپنے اماموں کی پیروی
کرنے کا دعوی کرتے ہیں اور ان کے نقش قدم پر
چلنا چاہتے ہیں تو چاہئے کہ ہم مصائب وتکالیف
میں بھی ان کے قدم بقدم چلیں بروز سقیفہ جناب
سیدہ فاطمۃ الزہرا صلواۃ اللہ علیہا سے ان کے
باپ کی میراث چھین لی گئی اور جناب علی مرتضی کو
خلافت اولی سے محروم کیا گیا، جناب امام حسنؑ کو
پوشیدہ زہر دیا گیا، جناب امام حسینؑ کو علانیہ قتل
کیا گیا، زید بن علی کو کناسہ میں سولی دی
اور زید ابن علی کا سر معرکہ میں کاٹا گیا۔
اور ان کے دونوں بیٹوں محمد و ابراہیم کو
عیسیٰ بن موسیٰ عباسی نے قتل کیا، حضرت
موسیٰ بن جعفر ہارون کی قید میں مر گئے
اور حضرت علی بن موسیٰ کو مامون نے زہر
سے شہید کیا، ادریس فخ کی طرف بھاگ
گئے اور پھر تن تنہا اندلس میں آگئے۔ عیسیٰ
بن زید جلا وطنی کی حالت میں مر گئے۔ یحییٰ
بن عبداللہ کو امان اور حلف دینے کے باوجود
قتل کیا گیا، یہ سب اس کے علاوہ ہے جو یعقوب
بن اللیث نے طبرستان میں علویین کے
ساتھ کیا، یہ اس کے علاوہ ہے کہ محمد بن زید
والحسن بن القاسم کو آل سامان

ساسان وغیرما صنعہ ابو السیاح
فی علویۃ المدینۃ حملھم بلا غطاء
ولا وطاء من الحجاز الی سامرا وھذا
بعد قتل قتیبہ بن مسلم
الباھلی لابن عمر بن علی حین
اخذہ بابویہ وقد ستر نفسہ
وداری شخصہ یصانع حیاتہ
ویدافع وفاتہ ولا کما فعلہ الحسین
بن اسمٰعیل المصیبی بیحیی بن
عمر الزیدی خاصۃ وما فعلہ
مزاحم بن خاقان لعلویۃ الکوفہ
کافۃ وبحسبکم انہ لیست
فی بیضۃ الاسلام بلدۃ الا
وفیھا یقتل طالبی تشارک فی
قتلہ الاموی والعباسی
واطبق علیھم العدنانی والقحطانی
اشعار........
قادتھم الحمیۃ الی المیتۃ وکرھوا
عیش الذلۃ فماتوا موت العزۃ و
ووثقوا بما لھم فی الدار الباقیہ
فسخت نفوسھم عن ھذہ الفانیہ
ثم لم یشربوا کاساً من الموت
الا شربھا شیعتھم واولیاؤھم

ساسان نے قتل کیا اور نیز اس کے علاوہ ہے
جو ابو السیاح نے مدینہ میں علوئین کے ساتھ کیا کہ ان
پر یکایک حملہ کر دیا جب کہ وہ بالکل نہتے
تھے اور ان کو سامرا کی طرف جلا وطن کر دیا۔
اور یہ قتیبہ بن مسلم باہلی کے قتل کے بعد ہوا۔
کہ جب وہ عمر بن علی کی وجہ سے قتل
کیا گیا تھا جس کو بابویہ نے پکڑ لیا تھا حسین
بن اسمٰعیل المصیبی نے یحیی بن عمر الزیدی
پر اور مزاحم بن خاقان نے کوفہ میں
علوئین پر بڑے بڑے ظلم وستم کئے
تھے، غرض کہ مملکت اسلامیہ میں
کوئی شہر ایسا نہیں ہے کہ جہاں کوئی
علوی قتل نہ کیا گیا ہو، اور اس کے قتل
میں اموی وعباسی وعدنانی وقحطانی
سب نے شرکت نہ کی ہو.........
علوئین کو حمیت نے موت کی طرف کھینچا چونکہ
وہ ذلت کی زندگی گوارا نہیں کرتے تھے لہذا
وہ عزت کی موت مر گئے، چونکہ ان کا ایمان
ویقین نعمہائے اخروی پر کامل تھا، لہذا
ان کے دل اس فانی دنیا سے بیزار ہو گئے
مگر انہوں نے کوئی موت کا کاسہ نہیں پیا۔
لیکن یہ کہ ان کے ساتھ انکے شیعوں
اور دوستوں نے بھی اس کو اسی طرح

ولا قاسوا ابونا من الشد اشد الاو	چکھا. عثمان بن عفان نے عمار یاسر کے
فاساہ انصارھم واتباعہم داس	پیٹ پر لاتیں ماریں اور ابوذر کو ربذہ کی
عثمان بن عفان بطن عمار بن یاسر	طرف جلا وطن کر دیا، اور عامر بن عبد قیس
بالمدینۃ ونفی اباذر الغفاری الی	التمیمی کو شہر بدر کر دیا اور اشتر النخعی و
الربذۃ واشخص عامر بن عبد	عدی بن حاتم کو جلا وطن کر دیا، عمر ابن
قیس التمیمی وعرب الاشتر	زرارہ کو شام کی طرف بھیج دیا، کمیل بن
النخعی وعدی بن حاتم الطائی	زیاد کو عراق کی طرف روانہ کر دیا، و ابی
وعرب الاشتر النخعی وعدی بن	بن کعب و محمد بن حذیفہ پر ظلم کیا، اور
حاتم الطائی وسیر عمر بن زرارہ	ان کو بھی شہر بدر کر دیا، محمد بن سالم کے
الی الشام ونفی کمیل بن زیاد الی	خون کے ساتھ اس نے وہ کیا جو کیا اور کعب
العراق وجفا ابی بن کعب واقصاہ	ذی الحطبہ کے ساتھ وہ کیا جو اس نے کیا
وعادی محمد بن حذیفہ ونادا ۱۲ ز	اسی طرح عثمان بن عفان کے نقش قدم
عمل فی دم محمد بن سالم ما عمل و	پر بنو امیہ چلے، جو ان سے لڑائی کرتا تھا.
فعل مع کعب ذی الحطبہ ما	تو اسے قتل کر دیتے تھے اور جو ان
فعل واتبعہ فی سیرۃ بنو امیہ	کے ساتھ صلح کر لیتا تھا تو اس سے دھوکہ
یقتلون من حاربھم ویغدرون	کرتے تھے، ان کے دست برد سے
بمن سالمھم لا یحفلون المہاجری	نہ مہاجرین بچے ہوئے تھے اور نہ انصار
واما یصونون الانصاری ولا یخافون	وہ نہ خدا سے ڈرتے تھے، اور نہ انسان
اللہ ولا یحتشمون الناس قد	کا کچھ خیال کرتے تھے، بندگان خدا کو اپنا
اتخذوا عباد اللہ خولا ومال اللہ	غلام سمجھتے تھے اور خدا کے مال کو اپنے
دولا یھدمون الکعبۃ وینفون	باپ کا مال خیال کرتے تھے
الصحابۃ ویعطلون الصلوٰۃ	کعبہ کو منہدم کرتے
الموقوتہ ویخطمون اعناق	تھے صحابیوں سے اپنی عبادت کراتے تھے

الاحرار ويسيرون في حرم
الرسول سيرتهم في حرم الكفار
واذا فسق الاموي فلم يأت
بالضلالة عن كلالة قتل
معاويه حجر بن عدى الكندى
وعمرو بن الحمق الخزاعى بعد الايمان
الموكدة وشيعة البصرة صبراً
واوسعهم حبساً واسراحتى قبض
الله معاوية على سوء اعماله و
ختم عمره بشر فاتبعه ابنه يجهز
على جرحاه ويقتل ابناء قتلاه
الى ان قتل هانى بن العروة المرادى
.... فلما خلت البلاد
لآل مروان سلطوا الحجاج
على الحجازين ثم على عراقيين
فتلعب بالهاشمين واخاف
الفاطمين وقتل شيعة على
ومحا آثار بيت النبى وجرى
منه ماجرى على كميل بن زياد
النخعى . واتصل البلاء مدة
ملك المروانيه الى الايام
العباسيه حتى اذا اراد الله
ان يختم مدتهم باكثر آثامهم

(یا صحابیوں کو غلام بناتے تھے) نماز ہائے پنجگانہ
کو ترک کر دیا تھا، آزاد لوگوں کو قید کرتے تھے
حرم رسول کے ساتھ وہی سلوک کرتے تھے جو حرم
کفار کے ساتھ کرتے تھے، بنوامیہ نے اتنا فسق و
فجور کیا جو حد سے گزر گیا، معاویہ نے حجر بن الکندی
وعمرو بن الخزاعی کو حلف کے ساتھ امان دینے کے
بعد قتل کیا، زیاد ابن سمیہ نے بصرہ کوفہ کے
ہزاروں شیعوں کو قتل کر دیا
اور بہت کو اسیر کر لیا، یہاں تک کہ خدا
تعالیٰ نے معاویہ کو اسکی بداعمالیوں کی جوابدہی
کیلئے بلا لیا اور اس کی عمر ختم ہو گئی اسکے بُرے انجام
کے ساتھ اسکے بیٹے یزید نے اپنے باپ کی پیروی
ان بری اعمالوں میں کی اور جن کو معاویہ نے قتل
کر لیا تھا ان کے بیٹوں کو یزید نے قتل کیا یہاں تک
کہ اس نے ہانی بن عروۃ المرادی کو بھی قتل کر ڈالا
...... جب تمام ممالک آل مروان کے لئے (آل علی سے)
خالی ہو گئے تو انہوں نے حجازین و عراقین پر
حجاج بن یوسف کو مسلط کر دیا اس نے ہاشمیوں
کی زندگی سے کھیلا فاطمین کو ڈرایا شیعیان
علی کو قتل کیا آل رسول کی نشانیوں کو مٹا دیا اسکی
طرف سے کمیل ابن زیاد النخعی پر جو گزرا وہ گزرا اور یہ
بلا عظیم سلطنت مروانیہ کے زمانہ میں عباسیوں کی
حکومت تک رہی یہاں تک کہ جب خداوند تعالیٰ نے

ویجعل اعظم ذنوبھم فی آخر ایامھم
بعث علی بقیۃ الحق المھمل والدین
المعطل زید بن علی فخذلہ منافقوا
اھل العراق وقتلہ احزاب اھل
الشام وقتل معہ من شیعتہ
نصر بن خزیمۃ الاسدی ومعاویۃ
بن اسحاق الانصاری وجماعۃ
من شایعہ وتابعہ وحتی من
زوجہ وادناہ وحتی کلمہ واٰتاہ
فلما انتھکوا ذلک الحریم واقترفوا
ذلک الاثم العظیم غضب اللہ
علیھم وانتزع الملک منھم فبعث
علیھم ابا مجرم لا ابا مسلم فنظر
لا نظر اللہ الیہ الی صلاب العلویۃ
والی لین العباسیۃ فترک تقاہ
واتبع ھواہ وباع آخرتہ بدنیاہ
وافتتح عملہ بقتل عبد اللہ بن
معاویۃ بن عبد اللہ بن جعفر
بن ابی طالب وسلط طواغیت
خراسان وخوارج سجستان و
اکراد اصفہان علی آل ابی طالب
یقتلھم تحت کل حجر ومدر ویطلبھم
فی کل سھل وجبل حتی سلط

نے ارادہ کیا کہ ان کی مدت سلطنت کو عظیم الشان
گناہوں کے ساتھ ختم کرے اور ان کے سب سے
بڑے گناہ ان کے آخری زمانہ میں ہوں
تو زید ابن علی کو اس رہے سہے معطل دین
اسلام پر کھڑا کیا پس عراق کے منافقوں نے
ان کو چھوڑ دیا، اہل شام نے ان کو قتل کر دیا
اور ان کے ساتھ ان کے شیعوں میں سے
نصر بن خزیمہ الاسدی ومعاویہ بن اسحاق
الانصاری قتل کئے گئے، اور وہ سب قتل کر دئے
گئے جنھوں نے ان کی پیروی یا متابعت کی تھی
یہاں تک کہ وہ بھی قتل کر دئے گئے جنہوں نے
ان سے سلسلۂ ازدواج قائم کیا تھا یا ان کے نزدیک آ گئے
تھے یا ان سے کلام کیا تھا پس جب بنی امیہ نے یہاں تک
ظلم عظیم کئے تو خداوند تعالیٰ ان پر غضبناک ہوا اور ان
سے ملک چھین لیا اور ان کے اوپر ابو مسلم کو جسے ابو مجرم کہنا
چاہئیے مسلط کیا پس ابو مسلم نے مناسب سمجھا کہ علوئین
پر سختی کرے اور عباسیوں کی طرف جھکے اس نے تقوی چھوڑ
دیا اپنی ہوا وہوس کی پیروی کی اور آخرت کو دنیا کے
عوض میں فروخت کر دیا، اس نے اپنی بد اعمالیاں
عبد اللہ بن معاویہ بن عبد اللہ بن جعفر بن ابی طالب کے
قتل سے شروع کیں اور خراسان کے شیطانوں سجستان
کے خارجیوں اور اصفہان کے کردوں کو آل ابی طالب
کے اوپر مسلط کر دیا وہ لوگ اولاد ابی طالب کو ہر ایک پتھر و کنکر

علیہ احب الناس الیہ فقتلہ
کما قتل الناس فی طاعتہ واخذہ
بما اخذ الناس فی بیعتہ......
وقد امتلأت سجونہ باھلبیت
الرسالۃ ومعدن الطیب والطھارۃ
قد تتبع غائبھم وتلقط حاضرھم
حتی قتل عبد اللہ بن محمد بن
عبد اللہ الحسنی بالسند...
وھذا قلیل فی جنب ما قتلہ
ھارون منھم وفعلہ موسی قبلہ
بھم.............
ویموت امام من ائمۃ الھدی و
سید من سادات بیت مصطفیٰ
فلا یتبع جنازتہ ولا تجصص
مقبرتہ ویموت ضراط لھم او لاعب
او مسخرۃ او ضارب فتحضر
جنازتہ العدول والقضاۃ ویعمر
مسجد التعزیہ عند القواد
والولاۃ ویسلم فیھم من یعرفونہ
دھریا او سوفسطائیا ولا یتعرضون
لمن یدرس کتابا فلسفیا ومانویا
ویقتلون من عرفوہ شیعیا و
یسفکون دم من سمی ابنہ علیا...

کے نیچے سے ڈھونڈھ کر قتل کرتے تھے اور ان کو
میدانوں اور پہاڑوں میں سے تلاش کر کے
نکالتے تھے یہ قدرت خداوندی تھی کہ ابو مسلم کے او
پر وہ شخص مسلط ہوگیا جو سب سے زیادہ اس کا محبوب
تھا پس اس نے ابو مسلم کو اسی طرح قتل کیا جس طرح اس
نے لوگوں کو ابو مسلم کی اطاعت میں قتل کیا تھا......
شاہان عباسیہ کے قید خانے اہل بیت رسالت سے
بھر دیئے گئے ان کے غائب کو ڈھونڈھ کے نکالا گیا،
اور انکے حاضر کو قتل کیا گیا یہاں تک کہ عبداللہ بن
محمد بن عبداللہ الحسینی ملک سندھ میں قتل کر دئے گئے...
اور یہ سب بہت کم تھا اسکے مقابلہ میں جو ہارون نے ان میں
سے قتل کیے اور جو کہ موسیٰ نے اسکے قبل انکے ساتھ کیا تھا....
عباسیوں کی یہ حالت تھی کہ اگر خاندان رسالت میں سے کوئی
امام یا سید مر جاتا تھا تو کوئی اس کے جنازہ کے ساتھ نہ جاتا تھا
اور نہ انکی قبر میں مٹی ڈالتا تھا اور اگر انکے ظالموں میں سے
کوئی مرتا تھا یا کوئی مسخرہ یا لہو ولعب کا آدمی مرتا تھا تو
اسکے جنازے کے ساتھ حکام عدالت و قاضی جاتے تھے
اور تعزیت کرنیوالوں سے جن میں والیان ملک بھی شامل
ہوتے تھے مسجد بھر جاتی تھی ان میں وہ لوگ صحیح و سالم رہتے
تھے اور خوشی کی زندگی بسر کرتے تھے جنکو وہ جانتے تھے کہ یہ
دہریے یا فسطائی ہیں اور ان سے تعرض نہیں کیا جاتا تھا
جو مدرسوں میں مانی کے مذہب یا دہریت کی تعلیم دیتے تھے مگر جس
شخص کو وہ جانتے تھے کہ شیعہ علی ہے اس کا خون مباح

وكفاهم ان شعراء قريش قالوا
في الجاهلية اشعاراً يهجون
بها امير المومنين عليه السلام
ويعارضون فيها اشعار المسلمين
فحملت اشعارهم ودوّنت اخبارهم
ورواها الرواة مثل الواقدي
ووهب بن منبه التميمي ومثل
الكلبي والشرقي بن القطامي و
الهيثم بن عدي وداب بن
الكناني وان بعض شعراء الشيعة
يتكلم في ذكر مناقب الوصي
بل في ذكر معجزات النبي
صلى الله عليه وآله وسلم
فيقطع لسانه ويمزق ديوانه كما
فعل بعبد الله بن عمار البرقي
كما اريد بالكميت بن زيد
الاسدي وكما نبش قبر
منصور بن الزبرقان النمري
وكما دمر على دعبل بن على الخزاعي
مع رفقتهم من مروان بن ابي
حفصه اليمامي . . . .
حتى هارون بن الخيزران و
جعفر المتوكل على الشيطان

کر دیتے تھے اور اس کو قتل کرتے تھے اور
جو شخص اپنے بیٹے کا نام علی رکھتا تھا اس کو
قتل کر دیتے تھے ...... اور یہ کہنا ہی کافی
ہے کہ شعراء قریش جو امیر المومنین علیؑ کی
ہجو میں اشعار کہتے تھے اور مسلمانوں کے
اشعار سے معارضہ کرتے تھے ان کے اشعار
لوگوں میں فروغ پاتے تھے اور ان کے
سوانح حیات تحریر کئے جاتے تھے، اور ان
کے اشعار کو واقدی و وہب جیسے
مورخ روایت کرتے تھے مثلاً کلبی و الشرقی بن
القطامی، وہیثم بن عدی، وداب بن الکنانی
اور وہ شعراء شیعہ جو وصی مصطفیٰ کی مدح
میں شعر کہتے تھے بلکہ جو صرف معجزات رسول
خدا بیان کرتے تھے ان کی زبان قطع کی جاتی
تھی، اور ان کے دیوانوں کو چاک
کیا جاتا تھا جیسا کہ عبد اللہ بن عمار
البرقی کے ساتھ کیا گیا، اور جس طرح
کہ منصور بن الزبرقان کی قبر اکھاڑی
گئی اور جیسا کہ دعبل بن علی الخزاعی کے اوپر
ظلم کیا گیا حالانکہ وہ مروان بن ابی حفصہ الیمامی
کے رفقا میں سے تھا . . . .
یہاں تک کہ ہارون و جعفر متوکل کسی کو
کچھ مال نہیں عطا کرتے تھے اور نہ

لا علی الرحمن کانا لا یعطیان	کسی پر مہربانی و تلطف کرتے تھے جب تک
ما لا ولا یبذلون نوالاً لمن	کہ انہیں یہ معلوم نہیں ہوجاتا تھا کہ یہ شخص
شتم آل ابی طالب ونصر مذهب	آل ابی طالب پر سب وشتم کرتا ہے اور
النواصب مثل عبد الله بن	مذہب نواصب و خارجی رکھتا ہے۔
المصعب الزبیری ووهب بن	مثل عبد اللہ بن مصعب الزبیری و وہب
وهب البختری ومن الشعراء	بن وہب البختری کے، اور شاعروں
مثل مروان بن ابی حفصة	میں سے مثل مروان بن ابی سنتہ لاموی کے
الاموی ومن الادباء مثل	وراد یبوں میں سے مثل عبد الملک بن
عبد الملك بن قریب الاصمعی	قریب الاصمعی کے۔

غالباً اس کے ثابت کرنے کی تو ضرورت نہیں کہ ابوبکر خوارزمی اکابر علمائے اہلسنت وجماعت سے ہیں جن کو ان کے علو مرتبت و فضل و علم و قدر و منزلت کا حال معلوم کرنا ہو وہ شیخ احمد بن علی کی فتح وہبی اور جلال الدین سیوطی کی بغیۃ الوعاۃ کی طرف توجہ کرے، علاوہ اس کے اس عبارت میں کوئی نئی بات درج نہیں، یہ تمام تاریخی واقعات ہیں، بنو امیہ و بنو عباس نے جو مظالم علویین پر کئے ان سے کتب تواریخ مملو ہیں، ان کتابوں میں زیادہ تر حکومت امویہ و سلطنت عباسیہ کا ذکر ہے، لیکن ظاہر ہے کہ جہاں تک استحکام و استقلال کا تعلق ہے ان کی سلطنت کی ضروریات وہی تھیں جو صدر اول کی حکومت کی تھیں اور انہوں نے ان ہی اصول پر عمل کیا جن پر صدر اول کی حکومت عمل کر چکی تھی اور جن پر ہر وہ دنیاوی سلطنت عمل کرتی ہے جو اپنے تئیں ایسے ہی حالات کے اندر پاتی ہے، اموی اور عباسی حکومتوں کو تو ان سے مقابلہ تھا جو اپنے تئیں حضرت علی کے ذریعے سے دعویدار خلافت سمجھتے تھے، اور اپنا حق حضرت علی کے سلسلہ اور واسطے سے اخذ کرتے تھے، اس حکومت کی سراسیمگی کا کیا حال ہوگا جس کے زمانہ میں خود حضرت علی موجود تھے، اور اپنے حقوق کا اعلان ہر مناسب موقعہ پر کرتے رہتے تھے، دنیاوی حالات کو مدنظر رکھتے ہوئے اور حضرت

علی کو اپنے اوپر قیاس کرتے ہوئے اس وقت کے ارکان حکومت نے اپنے عقل کے بموجب چند اصول قائم کر لئے تھے جن پر انہوں نے عمل کیا، ان اصول و تدابیر و تجاویز کو اجمالاً ہم نے اس کتاب کے صفحہ ۹۵۹ و ۹۶۰ پر بیان کیا ہے ان میں سے مضمون زیر بحث کے متعلق یہ پانچ اصول تھے (۱) حضرت علی و اہل بیت کی شان و منزلت کو گھٹانا (۲) احادیث رسول پر قبضہ کرنا (۳) حضرت علی کے فضائل کی احادیث کا اخفا (۴) جہاں تک اس وقت کے حالات اجازت دے سکتے تھے حضرت علی کے مقابل میں صحابہ کے فضائل میں مبالغہ کرنا (۵) یہ اشارہ کرنا کہ اگر حضرت علی قتل کر دئے جائیں تو پھر ہماری حکومت کی جڑ بالکل مضبوط ہو جائے گی، اس کو ہم نے شوری کے حالات میں اچھی طرح ثابت کیا ہے، اموی و عباسی حکومتوں نے جو سلوک علوئیں اور حضرت علیؑ کے نام کے ساتھ کیا ہے وہ ان ہی پانچ اصولوں پر مبنی تھا، علوئین کا وہ علانیہ قتل جو اموی و عباسی حکومتوں کے اندر ہوا حکومت صدر اول کے حالات کو مدنظر رکھتے ہوئے اس وقت ممکن نہ تھا کیونکہ حضرت علی نے اس کا موقعہ ہی نہ دیا، اور وہ زمانہ جناب رسولخدا کے زمانہ کے اس قدر نزدیک تھا بلکہ اس سے ملحق تھا کہ اسوقت اولاد علی کا علانیہ قتل ایک سیاسی غلطی ہوتی لہذا اس سے احتراز کیا گیا لیکن وہ تمام حالات عمداً اور خاص کوششوں کیساتھ پیدا کئے گئے جن کا بہت کم عرصہ کے بعد ہی اس قتل و غارت پر منتہی ہونا اغلب ہی نہیں بلکہ یقینی تھا۔ جو مقصد کہ مکان شوری کے اندر پورا نہ ہو سکا وہ بہت خوبی سے میدان کربلا میں پورا ہوا۔

غرض کہ بہت اچھی طرح ثابت ہو گیا کہ حکومت نے فضائل صحابہ و خلفائے اولین کے حقوق کی تائید میں بہت سی جھوٹی احادیث وضع کیں اور کرائیں، اور جد و جہد بلیغ کی کہ فضائل علی اور وہ احادیث و اقوال رسول مقبول جن سے حضرت علی کا حق خلافت بلا فصل ثابت ہوتا ہو شایع نہ ہوں ان ہی اصول کو مدنظر رکھ کر تالیف حدیث کی گئی، اور ان ہی اصول کی بناء پر تدوین صحاح ستہ ہوئی، یہ امر بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ تدوین و تالیف کتب احادیث کے زمانہ تک امیر معاویہ اوان سے قبل کی موضوعہ احادیث امتداد زمانہ کی وجہ سے بقول ابو جعفر اسکافی لوگوں کی نظروں میں صحیح معلوم

معلوم ہونے لگیں تھیں جن اصول و قواعد کو مدنظر رکھ کر ان کتب احادیث کی تدوین وتالیف ہوئی وہ خود ان کے متن اور ان کی ترتیب سے ظاہر ہیں۔ امور مندرجۂ ذیل قابل غور ہیں۔

۱۔ ان بزرگواروں نے حضرت علی و اہل بیتِ رسولؐ سے بہت کم احادیث اخذ کی ہیں۔

۲۔ اور جو احادیث اخذ کی ہیں وہ محض معمولی امور کے متعلق ہیں، امور سیاسیہ وحکومت کا ان سے کوئی تعلق نہیں۔

۳۔ حضرت علی و اہل بیت رسول سے عمداً اعراض کیا ہے اور جا بجا ظاہر کرتے گئے ہیں کہ یہ لوگ قابل اعتبار نہیں۔

یہ اعراض و اغماض کتنا صریحاً و علانیہ طور سے مخالف تھا جناب رسول خداؐ کے ارشادات کے جو فرمایا کرتے تھے کہ اگر علم حاصل کرنا چاہتے ہو تو صرف علی سے ملے گا اور کہیں نہیں ملے گا، میرے اہل بیت ؑ سے آگے نہ بڑھو اور ان کو سکھانے کی کوشش نہ کرو، کیونکہ وہ تم سے زیادہ علم والے ہیں ان احادیثِ رسولؐ کو ہم اس حصہ کی کتاب اول میں بیان کر چکے ہیں۔ بُرا ہو ضروریات سیاسیہ وخواہش ملک گیری کا جس نے ارکان حکومت کو مجبور کیا کہ ایسے علی کو چھوڑ کر اخذ علم کے لئے رجوع کریں کس کی طرف، ابو ہریرہ کی طرف وہ ابو ہریرہ جن کو صحابۂ رسول اور خود حضرت عمر کاذب اور مفتری جانتے تھے، اور ان کو احادیث بیان کرنے سے منع کرتے تھے، اس کی تشریح آگے آتی ہے، امام احمد حنبل ائمہ اربعہ میں سے ہیں اور ان کا مسند احادیث کی مستند ترین کتاب سمجھا جاتا ہے، ان کا یہ حال ہے کہ ان کے مسند کے ۲۱۴ صفحات تو ابو ہریرہ کی احادیث سے پُر ہیں اور حضرت علی کی احادیث صرف ۸۵ صفحات میں آگئی ہیں، امام بخاری نے تو حضرت علی سے شاذ و نادر ہی کوئی حدیث لی ہو گی مولوی عبید اللہ امرتسری نے بھی اس امر کو طوالت کے ساتھ اپنی کتاب ارجح المطالب میں لکھا ہے اور حکومت کے جبر و استبداد کا ذکر کیا

ہے علامہ جلال الدین سیوطی نے رسالہ فی اثبات سماع الحسن البصری عن علی میں لکھا ہے۔

اوردہ المزنی فی التھذیب من طریق ابی نعیم قال ثنا ابوالقاسم عبدالرحمٰن بن العباس بن عبد الرحمٰن بن ذکریا ثنا ابوحنیفہ محمد بن الحنفیہ الواسطی ثنا محمد بن موسیٰ الجرشی ثنا ثمامہ بن عبیدہ ثنا عطیہ بن محارب عن یوسف بن عبید کما قال سالت الحسن یا اباسعید انک تقول قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وانک لم تدرکہ قال یا ابن اخی سالتنی عن شئی ما سألنی عنہ احد قبلک ولولا منزلتک عندی ما اخبرتک انی فی زمان کما ترے وکان فی عمل الحجاج کل شئی سمعتنی اقول قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فھو عن علی غیرانی فی زمان لا استطیع ان اذکر علیا۔

حافظ مزنی نے تہذیب میں ابونعیم کے طریق سے روایت کی ہے کہ ابوالقاسم عبدالرحمٰن بن العباس بن عبدالرحمٰن بن ذکریا نے بیان کیا کہ مجھ سے موسیٰ الجرشی نے کہا اور موسیٰ الجرشی سے ثمامہ بن عبیدہ نے کہا اور اس سے عطیہ بن محارب نے نقل کیا ہے وہ کہتا ہے کہ مجھ سے یوسف بن عبید نے کہا کہ میں نے حسن بصری سے کہا کہ اے اباسعید تم ہمیشہ یہی کہتے ہو کہ جناب رسول خدا فرماتے تھے حالانکہ تم نے آنحضرت کا زمانہ نہیں پایا - حسن بصری نے کہا کہ اے بھتیجے تو نے مجھ سے ایسی بات پوچھی ہے جو اس سے پہلے مجھ سے کسی نے نہیں پوچھی، اگر میرے نزدیک تیری وہ منزلت نہ ہوتی جو ہے تو میں ہرگز تجھ سے بیان نہ کرتا، تو دیکھتا ہے کہ میں کس زمانہ میں ہوں (یہ وہ زمانہ تھا کہ سب امور پر حجاج کا عمل تھا) تو نے جو مجھ سے قال رسول اللہ سنا ہے اس سے میری یہ مراد ہے کہ اس حدیث کو میں نے جناب علی مرتضیٰ سے سنا ہے چونکہ میں ایسے وقت میں ہوں

کہ جناب علی علیہ السلام کا نام نہیں لے سکتا، اس لئے قَالَ رسول اللہ کہتا ہوں۔

اِس عبارت کو نقل کرنے کے بعد عبید اللہ امرتسری لکھتے ہیں :-

"عبارت مرقومہ صدر سے صاف ظاہر ہے کہ حسن بصری رضی اللہ عنہ حجاج کے خوف سے جناب امیر علیہ السلام کی مرویات آنحضرت کی طرف مرفوع کر کے بیان کرتے تھے اور حضرت علی کا نام نہیں لیتے تھے۔ پس اس سے خیال کر لینا چاہیئے کہ دوسرے راویوں کو بھی اسی قسم کا خوف تھا جس کے سبب سے وہ علی الاعلان جناب امیر علیہ السلام کی مرویات کو نہیں بیان کر سکتے تھے۔

ارجح المطالب :- اڈیشن چہارم باب سوم ص ۱۵۰، ۱۵۲

دراصل امر واقعہ یہ ہے کہ جناب علی مرتضیٰ تو اپنا فرض سمجھتے تھے کہ علم رسولؐ کی جہاں تک ہو سکے خوب اشاعت کی جائے اور جناب رسول خدا سے اتنی احادیث بیان کی ہیں کہ جتنی کسی اور صحابی نے نہیں کیں۔ ہم پھر ارجح المطالب سے نقل کرتے ہیں :-

" ابن سعد کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ جناب امیر سے جس قدر احادیث روایت ہوئی ہیں کسی صحابی سے نہیں ہوئیں، چنانچہ علامہ ابن حجر صواعق محرقہ میں اور علامہ حسام الدین علی المتقی کنز العمال میں لکھتے ہیں :- اخرج ابن سعد عن علی انہ قیل لہ مالک اکثر اصحاب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم حدیثاً قال اِنّی کنت اذا سالتہ انبانی واذا سکت ابتدانی یعنی جناب امیر سے لوگوں نے سوال کیا کہ کیا وجہ ہے کہ آپ بہ نسبت دیگر اصحاب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے زیادہ تر حدیث روایت کرتے ہیں۔ جناب علیؑ نے فرمایا کہ میرا یہ حال تھا کہ میں جب آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کرتا تھا تو مجھ سے بیان فرمایا کرتے تھے اور جب میں چپ رہتا تھا تو حضرت ابتدا فرماتے تھے۔"

ارجح المطالب :- اڈیشن چہارم۔ باب سیوم ص ۱۵۳

صحیح بخاری بعد کتاب باری اصح الکتب سمجھی جاتی ہے۔ غالباً اس کی وجہ یہ ہو کہ اس کے جامع نے اہل بیت رسالت سے بہت زیادہ اعراض کیا ہے آپ حضرت امام جعفر صادق کو (خاکم بدہن) صادق اللہجۃ نہیں خیال فرماتے تھے، لہٰذا ان سے اخذ حدیث نہیں کیا، بخاری ہی پر کیا منحصر ہے جماعت حکومت کے ائمہ اربعہ نے اہل بیت علیہم السلام سے اخذ حدیث کرنے سے اعراض کیا ہے ابن تیمیہ نے منہاج میں لکھا ہے۔

وبالجملہ فھؤلاء اربعہ لیس منہم من اخذ عن جعفر من قواعد الفقہ لکن رووا عنہ الاحادیث کما رووا عن غیرہ واحادیث غیرہ اضعاف احادیثہ ولیس بین حدیث الزھری وحدیثہ نسبۃ لا فی القوۃ ولا فی الکثرۃ وقد استراب البخاری فی بعض حدیثہ لما بلغہ عن یحیی بن سعید القطان فیہ کلام فلم یخرج لہ ویمتنع ان یکون حفظ الحدیث کحفظ من یحتج بھم البخاری۔	چاروں اماموں میں سے کسی نے امام جعفر صادق سے اصول فقہ اخذ نہیں کئے ہاں انہوں نے ان سے احادیث روایت کی ہیں جس طرح اور لوگوں سے بھی احادیث لی ہیں۔ دوسروں سے جو احادیث اخذ کی گئی ہیں وہ امام جعفر صادق سے اخذ کی ہوئی احادیث سے دوگنی ہیں، اور زہری اور امام جعفر صادق کی بیان کردہ احادیث میں جو اخذ کی گئی ہیں نہ تو صحت میں اور نہ کثرت میں کچھ نسبت ہے، اور بخاری نے تو مطلقاً امام جعفر سے اخذ حدیث نہیں کیا، کیونکہ اسے یحیی بن القطان کا یہ قول پہنچ چکا تھا کہ امام جعفر قابل اعتبار نہیں۔

آپ نے دیکھا، زہری کو امام جعفر صادق پر کتنی ترجیح دی ہے اور یہ زہری وہ ہے جس کا کام شطرنج کھیلنا، مجالس رقص و سرود میں شریک ہونا، اور امراء کی خوشامد کرنا تھا، علامہ ذہبی کے میزان الاعتدال میں سے ہم ذیل کی عبارت نقل کرتے ہیں۔

جعفر بن محمد بن علی بن الحسین الھاشمی ابو عبد اللہ احد الائمہ	جعفر بن محمد بن علی بن الحسین الہاشمی ابو عبد اللہ عظیم الشان ائمہ میں سے ایک

الاعلام بر صادق کبیر الشان لم
یحتج به البخاری قال یحییٰ بن
سعید مجالد احب الی منه فی
نفسی منه شیٔ وقال مصعب
عن الدراوردی قال لم یرو
مالك عن جعفر حتی ظهر امر
بنی العباس عن مصعب بن
عباس کان مالك لا یروی
عن جعفر حتی یضمه الی احد و
قال احمد بن سعد بن ابی مریم
سمعت یحییٰ یقول کنت لا
اسأل یحییٰ بن سعید عن جعفر
بن محمد فقال لی لم لم تسألنی
عن حدیث جعفر قلت لا اریده
فقال لی ان کان یحفظ فحدیث
ابیه المسند و قال ابن معین
هو ثقة ثم قال خرج حفص بن
غیاث الی عبادان وهو موضع
رباط فاجتمع الیه البصریون
فقالوا لا تحدثنا عن ثلاثة...
وجعفر بن محمد فقال .....
اما جعفر فلو کنتم بالکوفة
لاخذ تکم النعال المطرقة

امام تھے۔ نیک، سچے۔ عظیم الشان لیکن
بخاری نے ان کی احادیث پر اعتبار نہیں
کیا، بخاری کہا کرتے تھے کہ اس کے
نزدیک یحییٰ بن سعید امام موصوف سے
زیادہ محبوب تھا کیوں کہ جعفر کی طرف سے میرے
(بخاری کے) دل میں کچھ شبہ ہے۔ مصعب
بن عبد اللہ نے دراوردی سے روایت
کی ہے کہ امام مالک نے جعفر سے حدیث نہیں لی
یہاں تک کہ امر بنی عباس ظاہر ہوا خود مصعب
کہتا ہے کہ مالک حضرت جعفر سے حدیث بیان
نہیں کرتا تھا جب تک کہ ان کے ساتھ
کسی دوسرے کو نہ ملالے۔ احمد بن سعید
بن ابی مریم کہتا ہے کہ میں نے یحییٰ
کو کہتے سنا تھا کہ میں یحییٰ بن سعید سے
امام جعفر کی احادیث نہیں دریافت
کیا کرتا تھا، اس نے مجھ سے پوچھا کہ تو
جعفر کی حدیث کیوں نہیں دریافت کرتا میں نے
کہا کہ میں ان کی طرف رجوع نہیں کرنا چاہتا
اس نے جواب دیا کہ اگر وہ اپنے باپ کی حدیث
بیان کریں تو کچھ ہرج نہیں، ابن معین کہتا ہے کہ جعفر
ثقہ ہیں، پھر کہا حفص بن غیاث عبادان کی طرف گیا
جو رباط میں ایک موضع ہے وہاں بصری لوگ اسکے پاس آئے
اور کہا کہ تین آدمیوں کی حدیث ہم سے بیان نہ کرنا....

ودری عباس عن یحییٰ قال جعفر ثقة مامون وقال ابوحاتم ثقة لا یسئال عن مثله میزان الاعتدال ذہبی . المجلد الاول ص ۱۹۲ ترجمہ ۱۵۲۴ جعفر بن محمد مطبوعہ مصر۔	اور جعفر بن محمد کی معین نے کہا..... اور جعفر کی وجہ یہ ہے کہ اگر تم کوفہ میں ہوتے (اور تم جعفر کی احادیث بیان کرتے) تو تم پر لوگ جوتیاں اٹھا مارتے اور عباس نے کہا کہ معین کہتا تھا کہ جعفر ثقہ ہیں اور ابو حاتم بھی یہی کہتا تھا کہ جعفر ثقہ ہیں۔

دیکھا آپ نے امام جعفر صادق کی تعریف و مذمت دونوں ساتھ ساتھ ہو رہی ہیں، امام اعظم نے اخذ فقہ حضرت امام جعفر صادق سے نہیں کیا، لیکن فقہ کی تعلیم ان سے اور ان کے والد ماجد حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے حاصل کی اور فرمایا کرتے تھے کہ لولا السنتان لھلک النعمان یعنی اگر وہ دو سال نہ ہوتے جو میں نے امام جعفر صادق کی خدمت میں علم فقہ سیکھنے میں خرچ کئے تو میں ہلاک ہو جاتا۔

دیکھو ارجح المطالب علیہ اللہ امرتسری۔ چوتھا ایڈیشن باب سیوم ص ۴۵۱

اب سوچنا چاہئے کہ اس کی وجہ کیا ہے، اور ان دونوں متضاد صورتوں کا آپس میں کس طرح تطابق ہو سکتا ہے درحقیقت دل سے تو یہ لوگ امام جعفر صادقؑ اور دیگر آئمہ اہل بیت علیہم السلام کی عظمت و جلالت شان کے قائل تھے، لیکن اگر علانیہ ان کی پیروی کرتے تو اپنے پرانے اعتقادات کو خیرباد کہنا پڑتا اور خود امام بننے کے اتفاقات زائل ہو جاتے، امام جعفر صادقؑ میں کوئی برائی ملی تو نہیں ان کے معاذ اللہ کاذب ہونے کا ان کے پاس کیا ثبوت تھا، پیروی کرنی مطلوب ہی نہ تھی، لہٰذا لکھ دیا کہ ان کی طرف سے ہمارے دل میں کچھ ہے، یہ کیا ایک غیر ذمہ دارانہ فقرہ ہے، جس کے کوئی معنی ہی نہیں، بات تو یہ ہے کہ اگر امام جعفر صادق و دیگر ائمہ اہل بیت علیہم السلام کو صادق اللہجہ تسلیم کر کے ان سے اخذ فقہ و حدیث کرتے تو پھر ان کی ساری اصول فقہ و بیان کردہ احادیث صحیح ماننی پڑتیں جن سے خلافت بلافصل علی ابن ابی طالبؑ ثابت ہوتی ہے اور یہ منظور نہ تھا لہٰذا "کچھ شے میرے دل میں ہے" کہہ کر پیچھا چھڑایا، جب انسان

حق کو چھوڑ کر ہٹ دھرمی پر اتر آتا ہے اور کج بحثی کو اختیار کر لیتا ہے تو اس کی بحث صحیح منطق و درست استدلال سے عاری ہو جاتی ہے کیونکہ وہ حق کو نہیں بلکہ سیاسی اغراض کو مد نظر رکھ کر گفتگو کرتا ہے،

امام جعفر صادق تو بقول یحییٰ صادق اللہجۃ نہیں تھے اسلئے حضرت امام بخاری نے ان سے اعراض کیا ذرا ایک طائرانہ سی نظر رواۃ بخاری پر تو ڈالیں دیکھیں کیسے کیسے صادق اللہجۃ لوگوں کا مجمع ہے جن کے مقابلہ میں امام جعفر صادق معاذ اللہ کاذب سمجھے گئے۔ ان میں ہم اسحٰق بن سوید، حریز بن عثمان، عمران بن حطان، حصین بن نمیر یزیدی، عبداللہ ابن سالم، عکرمہ مولیٰ ابن عباس، قیس ابن ابی حازم اور ولید بن کثیر وغیرہ کو پاتے ہیں۔

عمران بن حطان خارجی تھا، اور امیر المومنین علی بن ابی طالبؑ کے سخت ترین دشمنوں میں سے تھا، اس نے ابن ملجم قاتل امیر المومنین کی مدح کی ہے جیسا کہ سید صادق حسن نے حطہ فی بیان احادیث صحاح ستہ اور ہدایت السائل ص ۵۰۵ و منہج الوصول ص ۱۱۱ میں لکھا ہے تقریب التہذیب عسقلانی میں ہے کہ عمران خارجی تھا، تیسرے طبقے سے ہے اور ۸۴ھ ہجری میں فوت ہوا، عسقلانی بھی اس کو سچا جانتا ہے حیواۃ الحیوان جلد ۲ ص ۴۴۳ ۔ در ذیل لغت انسان اور الاذکیاء ابن جوزی میں ہے۔

ان عمران بن حطان ھذا کان احد الخوارج وھو القائل یمدح عبد الرحمٰن ابن ملجم لعنھما اللہ علی قتل علی ابن ابی طالب ؎

یا ضربۃ من تقی ما اراد بھا
الا لیبلغ من ذی العرش رضوانا

ترجمہ:۔ بہ تحقیق عمران بن حطان ایک خارجی تھا اس نے عبد الرحمٰن بن ملجم قاتل امیر المومنین علی ابن ابی طالبؑ کی مدح آنجناب کے قتل پر کی تھی چنانچہ اس کا شعر ہے۔

اے وہ پرہیزگار کی ضرب جس کا ارادہ اس ضرب سے صرف رضائے پروردگار حاصل کرنا تھا۔

حریز بن عثمان کی نسبت سنئے کان حریز: یقول لا احب علیا قتل آبائی یوم صفین۔ یعنی میں علی کو دوست نہیں رکھتا، اونہوں نے یوم صفین میرے آباء واجداد کو قتل کیا تھا، میزان الاعتدال ذہبی الجزء الاول ص ۲۲۰۔

حصین ابن نمیرہ وہ ہیں جو کربلا میں امام حسین علیہ السلام کے قتل میں شریک تھے اور پھر بیت اللہ کا انہوں نے محاصرہ کیا تھا، اور کعبہ کو منہدم کیا تھا، اور مکہ کو خراب کیا تھا، میزان الاعتدال ذہبی، الجزء الاول ص ۲۵۹۔

عبداللہ بن سالم الاشعری الحمصی...... قال ابوداؤد کان یقول علیؑ اعان علی قتل ابی بکر وعمر وجعل یذمہ ابوداؤد یعنی انہ ناصبی۔ میزان الاعتدال۔ الجزء الثانی ص ۴۰۔

ترجمہ:۔ ابوداؤد کہتے ہیں کہ عبداللہ بن سالم کہا کرتا تھا کہ علی نے ابوبکر و عمر کے قتل میں اعانت کی ہے، ابوداؤد اس کی بہت برائی کرتے تھے اور کہتے تھے کہ عبداللہ بن سالم ناصبی ہے۔

عکرمہ مولی ابن عباس..... فقال یحییٰ کذاب..... عن عبداللہ بن الحارث قال دخلت علی علی بن عبداللہ ابن عباس فاذا عکرمہ فی وثاق عند باب الحسن فقلت لہ الا تتقی اللہ فقال ان ہذا الخبیث یکذب علی ابی ویروی عن ابن المسیب انہ کذب عکرمہ...... عن محمد بن سیرین انہ کذاب...... عن ابن ابی ذئب کان غیر ثقۃ...... کان عکرمہ یری رائی الخوارج...... ان عکرمہ کان اباضیا...... عن خالد بن ابی عمران قال کنا بالمغرب وعندنا عکرمہ فی وقت الموسم فقال وددت ان بیدی حربۃ فاعترض بہا من شہد الموسم یمیناً وشمالاً...... کان یری رای الصفریہ کان یاتی الامراء فیطلب جوائزہم میزان الاعتدال:۔ الجزء الثانی ص ۲۰۸۔

ترجمہ:۔ یحییٰ کہتے ہیں کہ عکرمہ کذاب ہے........ عبداللہ بن حارث

کہتا ہے کہ ایک دن میں علی بن عبداللہ ابن عباس کے گھر گیا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ میاں عکرمہ دروازے کے پاس زنجیروں میں بندھے ہوئے پڑے ہیں۔ میں نے علی ابن عبداللہ ابن عباس سے کہا کہ کیا تم کو خدا کا خوف نہیں ہے۔ انہوں نے جواب دیا کہ یہ خبیث میرے باپ پر بہتان رکھکر اُن کے حوالہ سے جھوٹی احادیث بیان کرتا ہے۔ ابن المسیب کہتے ہیں کہ عکرمہ کذاب.... محمد بن سیرین کہتے ہیں کہ عکرمہ کذاب ہے .... ابی ذئب کہتے ہیں کہ وہ ثقہ نہیں ہے.... عکرمہ خارجی تھا.... عکرمہ اباضیہ تھا ... خالد بن ابی عمران کہتا ہے کہ ہم مغرب یعنی افریقیہ میں تھے اور عکرمہ ہمارے پاس تھا وہ حج کا زمانہ تھا۔ عکرمہ نے کہا کہ میری خواہش ہے کہ میرے ہاتھ میں حربہ ہو اور میں اُس سے لوگوں کو مار مار کر حج کرنے سے منع کروں۔.... عکرمہ صفریہ تھا.... عکرمہ امراء کے پاس آتا تھا اور اُن سے انعام مانگا کرتا تھا۔

. ولید بن کثیر.... قال ابو داؤد ثقۃ الا انہ اباضی۔ میزان الاعتدال الجزء الثانی ص ۲۷۴

ابو داؤد کہتے ہیں کہ ولید ثقہ تو تھا لیکن اباضیہ تھا۔

تنقید بخاری میں بڑی بڑی کتابیں لکھی گئی ہیں۔ یہاں تفصیل کی گنجائش نہیں جتنے بھی نام ہم نے لکھے ہیں اُن سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان سب میں عداوت علی جزو مشترک تھا۔ اور اسی وجہ سے ان کا انتخاب ہوا۔ ورنہ کوئی خارجی تھا۔ کوئی اباضیہ کوئی صفریہ۔ جن کے اعتقادات بھی صحیح نہ ہوں اُن سے تو اخذ حدیث کیا گیا۔ اور حضرت علی سے اعراض کیا گیا۔ حدیث کو اپنے قبضے میں لینے سے یہی حکومت کا مقصد تھا۔ اور وہ پورا ہوا۔ تدوین حدیث میں سیاسی مقصد بالکل صاف عیاں ہے خارجیوں کو جناب رسولخدا نے کلاب النار یعنی جہنم کے کتے فرمایا ہے۔ دیکھو حیات الحیوان الجزء الاول ص ۳۴۴

امام بخاری اور دیگر محدثین و ائمہ جماعت حکومت کے سب سے زیادہ معتبر راوی حضرت ابو ہریرہ ہیں۔ ان کے صفات ملاحظہ ہوں۔ آپ شطرنج کھیلنے میں اپنا وقت

بہت ضائع کیا کرتے تھے۔ دیکھو حیات الحیوان لغت عقرب الجزء الثانی ص ۱۹۴۔

نہایۃ ابن الاثیر جزری میں مسطور ہے:۔

فی حدیث بعضھم قال رایت اباھریرۃ یلعب السدر السدر لعبۃ یقامر بہا تکسر سینھا وتضم وھی فارسیۃ معربۃ سادر یعنی ثلاثۃ ابواب۔

ترجمہ۔ بعض راویوں نے بیان کیا ہے کہ اُنہوں نے ابو ہریرہ کو سدر کھیلتے ہوئے دیکھا۔ سدر ایک گڑیا ہوتی ہے کہ جس سے جُوا کھیلتے ہیں۔ سین پر زیر و پیش جائز ہے۔ یہ لفظ فارسی ہے سہ در کا معرب۔

مجمع البحار محمد طاہر گجراتی۔ میں بھی اسی طرح درج ہے۔ لیکن شطرنج فعل حرام ہے۔ شیخ تقی الدین احمد بن عبد الحلیم معروف با بن تیمیہ اپنی کتاب منہاج السنۃ النبویہ فی نقض کلام الشیعۃ القدریۃ میں تحریر کرتے ہیں:۔ مذھب جمھور العلماء ان الشطرنج حرام..... فقال مالک الشطرنج اشد من النرد۔

ترجمہ۔ جمہور علماء کا مذہب یہ ہے کہ شطرنج حرام ہے۔ اور مالک نے کہا کہ شطرنج قبیح تر و زیادہ حرام ہے بہ نسبت نرد یعنی چوسر کے۔

یہ تو حضرت ابو ہریرہ کے مشاغل تھے۔ ان کے صدق لہجہ کا یہ حال تھا کہ اجلہ صحابہ و حضرت عائشہ و حضرت عمر ان کو کاذب و مفتری جانتے تھے۔ علامہ عبد اللہ بن مسلم بن قتیبہ نے کتاب الرد علی من قال تناقص الحدیث میں لکھا ہے۔ اتھموہ وانکروا علیہ وقالوا کیف سمعت ھذا وحدک.... وکانت عائشۃ اشدھم انکارا علیہ۔ یعنی اجلہ صحابہ نے اُس کو کذب سے متہم کیا اور کہا کہ تجھ اکیلے نے اتنی ساری احادیث کہاں سے سُن لیں.... اور سب سے زیادہ حضرت عائشہ رض ابو ہریرہ کی منکر تھیں۔ رسالہ عین الاصابہ علامہ جلال الدین سیوطی میں ہے:۔

روی ان عائشۃ قالت لابن اختہا الا تعجب من کثرۃ روایۃ ھذا الرجل (ابوھریرۃ) ورسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حدث باحادیث لو عدھا عاد لاحصاھا۔ یعنی جناب عائشہ نے اپنے بھانجے سے کہا کرتی تھیں

کہ تم اس شخص (ابوہریرہ) کی اکثار روایات کو دیکھتے ہو۔ حالانکہ جناب رسولِ خدا کی احادیث کا شمار ہوسکتا ہے۔ لیکن اس شخص کی بیان کردہ احادیث لاتعد ولاتحصیٰ ہیں۔

نیز ملاحظہ ہو۔ مستدرک علی الصحیحین للحاکم الجزء الثالث کتاب معرفۃ الصحابہ ص ۵۰۹

حضرت عمر جناب ابوہریرہ کو کاذب و مفتری جانتے تھے۔ اسمٰعیل بن عمر بن کثیر شامی المعروف بابن کثیر۔ اپنی تاریخ البدایۃ والنہایۃ فی التاریخ الجزء الثامن ص ۱۰۶ درذیل ذکر واقعات ۵۹ھ میں لکھتے ہیں:۔ عن سائب بن یزید قال سمعت عمر بن الخطاب یقول لابی ھریرۃ لتترکن الحدیث عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ اولالحقتك بارض دوس۔ یعنی سائب بن یزید کہتا ہے کہ میں نے حضرت عمر کو ابوہریرہ سے کہتے سُنا کہ تو جناب رسولِ خدا سے احادیث بیان کرنا چھوڑ دے ورنہ میں تجھ کو ارضِ دوس میں بھجوا دوں گا۔

امام اعظم ابوحنیفہ اور دیگر فقہاء و علماءِ حنفیہ ابوہریرہ کو متروک و مطعون جانتے تھے۔ چنانچہ علامہ علی بن یحییٰ زندویستی اپنی کتاب روضۃ العلماء میں لکھتے ہیں:۔

روی عن ابی حنیفۃ انہ سئل ...... ثم قال اترك قولی بجمیع قول الصحابی الا ثلاثۃ منھم ابوھریرۃ وانس بن مالك وسمرۃ بن جندب	ابوحنیفہ سے پوچھا گیا کہ اگر تمہارے قول اور دیگر صحابہ کے قول میں مخالفت ہو تو کس کو ترک کیا جاوے۔ انھوں نے جواب دیا کہ تمام صحابہ کے اقوال کے مقابلہ میں میرے قول کو ترک کردو، باستثناء تین اصحاب کے یعنی ابوہریرہؓ وانس بن مالکؓ و سمرۃ بن جندب۔

ابوحنیفہ کے نزدیک ابوہریرہ کا مطعون و متروک ہونا محمود بن سلیمان کفوی نے کتاب اعلام الاخیار من فقہاء مذہب نعمان المختار میں بھی ذکر کیا ہے۔

عیسیٰ بن آبان نے بھی ابوہریرہ کو مطعون کہا ہے جیسا کہ علی بن یحییٰ زندویستی نے روضۃ العلماء میں تحریر کیا ہے:۔ قال عیسیٰ بن آبان اقلد اقاویل جمیع الصحابہ الا ثلاثۃ منھم ابوھریرۃ وابصنہ بن معبد وابوسنابل۔ ترجمہ۔ باستثنائے تین صحابیوں کے یعنی ابوہریرہ، وابصنہ

وابو سنابل کے باقی جملہ صحابیوں کے اقوال کی پیروی کرو۔

خود ابو ہریرہ کہتے ہیں کہ جناب عمر کے زمانہ میں وہ حدیث بیان کرنے سے قطعًا روک دیئے گئے تھے۔ چنانچہ ابن کثیر شامی اپنی تاریخ میں تحریر کرتے ہیں:۔ قال صالح بن ابی الاخضر عن الزھری عن ابی سلمہ سمعت ابا ھریرہ یقول ما کنا نستطیع ان نقول قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حتی قبض عمر۔ الجزء الثامن ص ۱۰۷ ذکر ۵۹ھ ہجری۔ ترجمہ۔ ابو سلمہ سے مروی ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے ابو ہریرہ کو کہتے ہوئے سُنا کہ ہم میں طاقت نہ تھی کہ ہم اتنا بھی مُنہ پر لائیں کہ فرمایا جناب رسول خُدا نے یہانتک کہ حضرت عمر مر گئے۔

افادات امام رازی سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ حضرات حنفیہ ابو ہریرہ کو مطعون و متروک جانتے ہیں جیسا کہ رسالہ مناقب الشافعی میں امام رازی نے ذکر کیا ہے اسی طرح علامہ ابن حجر عسقلانی نے روایت مصراۃ میں حضرات حنفیہ کے طعن کرنے کا ذکر کیا ہے کیونکہ وہ جناب ابو ہریرہ سے مروی ہے ملاحظہ ہو فتح الباری کتاب البیوع۔

حضرت عمر جناب ابو ہریرہ کو خائن، بددیانت جانتے تھے اور اس جرم میں اُن کو سزا بھی دی تھی۔ چنانچہ علامہ احمد بن محمد بن عبدا ﷲ نے کہ جو علمائے مشاہیر سے ہیں اور جن کے مدائح جلیلہ و محامد جمیلہ وفیات الاعیان ابن خلکان و عبر ذہبی، و مراۃ الجنان یافعی اور مدینۃ العلم ازنیقی پر ہیں لکھا ہے:۔

ودعا عمر بن الخطاب ابا ھریرۃ	عمر بن الخطاب نے ابو ہریرہ کو بُلایا اور اُسنے کہا کیا
فقال ھل علمت انی استعملتک	تو جانتا ہے کہ جب میں نے تجھے بحرین پر عامل مقرر
علی البحرین وانت بلا نعلین	کیا تھا تو تیرے پیر میں جوتی بھی نہ تھی۔ اور اب مجھے
ثم بلغنی انک ابتعت	اطلاع ملی ہے کہ تو نے گھوڑے ایک ہزار دینار چھ سو
افراسًا بالف دینار وستمأۃ	دینار میں خریدے ہیں۔ ابو ہریرہ نے جواب دیا کہ
دینار قال کانت افراس	ہمارے گھوڑے دوڑے تھے اور ہم کو تحفہ تحائف
تناتجت وعطایا تلاحقت	ملے تھے۔ حضرت عمر نے جواب دیا کہ اگر تو نے

قال قد حسبت لك مئونتك هذا
فضل فأدّه قال ليس ذلك لك
قال بلى والله واوجع ظهرك ثم
قام اليه بالدّرة حتى ادماه ثم
قال ائت بها قال احتسبها عند
الله قال ذلك لو اخذتها من
حلال اواديتها طائعاً اجئت
من اقصى حجر بالبحرين يجبي
الناس لك لا لله ولا للمسلمين
ما رجعت بك اميمة الا
راعية الحمر واميمة ام
ابو هريرة وفي حديث ابي
هريرة لما عزلني عمر بن
الخطاب عن البحرين قال
يا عدو الله وعدو كتابه
سرقت مال الله قال
قلت لست بعدو الله
وعدو كتابه ولكني عدو
من عاداهما قال فمن
اين اجتمعت لك عشرة
الاف قال خيل تناتجت و
وعطايا تلاحقت وسهام
تتابعت قال فقبضها مني

اگر تو نے کچھ محنت بھی کی تو یہ روس سو فاضل
مال ہے لہذا وہ ہم کو دیدے۔ ابو ہریرہ نے جواب دیا
کہ یہ تمہارا حق نہیں ہے۔ حضرت عمر نے کہا کہ اچھا
اب میں تیری پیٹھ کی خبر لیتا ہوں یہ کہا اور درہ
لیکر کھڑے ہوئے اور ابو ہریرہ کی چمڑی اُدھیڑ دی
اور پھر کہا کہ لا اب تجھے تمہیں اپنا مال دے۔ اُس نے
کہا کہ اچھا خُدا کے نام دیتا ہوں۔ حضرت عمر
نے کہا کہ خدا کے نام پر تو جب ہوتا کہ یہ تیرا
حلال کا مال ہوتا یا اب تو نے بخوشی خود دیا ہوتا
یہ مال تو نے بحرین کے دور ترین حصوں سے
جمع کیا ہے۔ لوگ تیرے پاس تیری خاطر سے
آتے تھے۔ خُدا کے یا مسلمانوں کے لئے نہیں
آتے تھے۔ امیمہ کو تجھ سے کچھ فائدہ نہ ہوا۔
بلکہ امیمہ تو وہی مُرغیوں کی پالنے والی رہی
امیمہ نام تھا ابو ہریرہ کی والدہ کا۔ ابو ہریرہ نے
بیان کیا جب مجکو عمر بن الخطاب نے بحرین سے
معزول کیا تو کہا کہ اے دشمن خدا و کلام اللہ
تو نے مال چُرایا ہے میں نے جواب دیا کہ
میں خُدا و اُس کی کتاب کا تو دشمن نہیں ہوں
بلکہ اُس کا دشمن ہوں جو ان دونوں کا دشمن ہے
عمر نے پوچھا کہ یہ دس ہزار روپیہ کہاں سے جمع ہوا
ہے؟ میں نے جواب دیا کہ گھوڑے دوڑے تحفے آئے۔
اور تیر مارے گئے۔ لیکن عمر نے یہ مال مجھ سے چھین لیا

فلما صلیت الصبح استغفرت	جب میں نے نماز صبح پڑھی تو عمر کے لئے استغفار
لامیر المؤمنین فقال لی بعد	کی (حضرت عمر سنکر نرم ہو گئے) حضرت عمر نے
ذلک الا تعمل قلت	کہا کہ کیا اب حاکم بننا قبول نہیں کرے گا؟ میں نے
لا قال قد عمل من ھو خیر	کہا کہ نہیں۔ اُنہوں نے کہا کہ جو تجھ سے بہتر
منک یوسف علیہ السلام	تھا اُس نے حاکم بننا پسند کیا یعنی یوسف علیہ السلام
قال قلت ان یوسف نبیؑ	میں نے کہا کہ یوسفؑ تو نبی ابن نبی تھے، اور
وانا ابن امیمہ اخشی	میں تو امیمہ کا بیٹا ہوں۔ میری بے عزتی
ان یشتم عرضی ویضرب	کی جاتی ہے۔ میری پیٹھ پر کوڑے مارے جاتے
ظھری وینزع مالی۔	ہیں اور مجھ سے مال چھینا جاتا ہے۔

اس ہی واقعہ خیانت ابوہریرہ، درّہ بازی خطاب عدو اللہ وعدو کتاب اللہ کو شیخ ابو عبد اللہ یاقوت الحموی نے معجم البلدان میں اور ابن کثیر شامی نے اپنی تاریخ میں مفصل لکھا ہے۔ دیکھو البدایۃ والنہایۃ فی التاریخ الجزء الثامن ص ۱۱۳ ذکر ۵۹ھ ہجری۔ اس عبارت سے اچھی طرح ظاہر ہو گیا کہ جناب خلافت مآب ابوہریرہ کو خائن و سارق جانتے تھے۔ اُنہوں نے ابوہریرہ کے کسی عذر کو قبول نہ کیا اور ضبط مال کا حکم صادر فرمایا۔ جناب ابوہریرہ کو مال دُنیا سے اتنا عشق تھا کہ وہ مال نہ دیا یہاں تک کہ حضرت عمر نے اُن کی خوب چمڑی اُدھیڑی۔ اُس وقت مجبوراً انہوں نے مال دیا۔ اور عدو اللہ کہکر دیا گویا حضرت عمر کے ظلم و جور کو ظاہر کیا۔ اور حضرت عمر نے اپنے اخذِ مال کو اس وجہ سے حق بجانب سمجھا کہ ابوہریرہ نے وہ مال خیانت سے حاصل کیا تھا۔

بشر بن سعید کہتے ہیں کہ ہم بیٹھے ہوئے تھے اور ہمارے سامنے ابوہریرہ کعب کی باتیں رسول خدا کے قول کہکر بیان کر رہے تھے اور رسول خدا کی احادیث کو اقوال کعب ظاہر کر رہے تھے۔ اور ایک روایت میں ہے کہ کعب کے اقوال جناب رسولِ خدا پر تھوپ دیتے تھے اور جو احادیث رسول خدا کی ہوتی تھیں وہ اقوالِ کعب کہکر بیان کرتے تھے۔

دیکھو تاریخ ابن کثیر شامی الجزء الثامن ص ۱۰۹۔

یہ ہیں حضرت ابو ہریرہ جن کو حضرت امام بخاری علیہ الرحمۃ نے ائمہ آل رسول پر ترجیح دی ہے۔ اگر خوفِ طوالت نہ ہوتا تو ہم بہت طویل فہرست معہ حالات کے ایسے ضعفاء کی پیش کرتے جن سے صحاح ستہ میں احادیث اخذ کی گئی ہیں۔ لیکن امام جعفر صادق سے اعراض کیا جاتا ہے۔ وجہ وہ ہی صرف ایک ہے یعنی انحراف از اہلبیت۔ محدثین و مؤرخین وارباب حکومت سب اس امر پر متفق تھے کہ جو غصب حق جناب علی مرتضیٰ سے شروع میں ہوا تھا آخر تک اُس پر ہی ساری عمارت بنائی جاوے۔ اور یہ سلب حق کبھی ظاہر نہ ہووے۔ معمولی سمجھ کا انسان معلوم کر سکتا ہے کہ ایسی فضاء میں اُن احادیث کا کیا حشر ہو سکتا تھا جن سے جناب رسول خدا کا حضرت علی کو خلیفہ بلافصل مقرر کرنا ثابت ہوتا ہے۔ اور ایسی حالت میں تاریخ کا یک طرفہ ہونا یقینی ہے۔

غالباً اب اس امر واقعہ کے تسلیم کرنے میں تو کسی کو عذر نہ ہوگا کہ حضرات خلفائے اولین نے جو احادیث کو شائع ہونے سے روکا اور اپنے قول حسبنا کتاب اللہ کو اُس کے منطقی حدود تک پہنچانے کی کوشش کی وہ اُن کی فاحش غلطی تھی، اور اُس کے بہت برے نتیجے ہوئے۔ اُن کے اِس طرزِ عمل کا غلط ہونا مندرجہ ذیل امور سے ثابت ہے:۔

(۱) وہ خود مجبور ہو گئے کہ احادیث کی طرف رجوع کریں۔ مقدمات فیصل کرنے میں وہ احادیث تلاش کیا کرتے تھے اور لاوارث حدیث تو بڑی مشہور ہے جس پر اُنہوں نے فدک کے قضیہ میں انحصار کیا تھا۔

(۲) اُن کا یہ طرزِ عمل قرآن شریف کی تعلیم کے خلاف تھا۔ اور کتاب اللہ نے اُنہیں مجبور کیا کہ احادیث رسول کی طرف رجوع کریں۔ وہ عالم الغیب تو جانتا تھا کہ حق کو چھپانے کے لئے یہ لوگ کیا کیا تدابیر اختیار کریں گے اور یہ کہ اُن میں سے ایک یہ بھی ہوگی کہ احادیث رسول سے اعراض کریں لہذا اُس نے اپنی کتاب میں نہایت ضروری امور مثلاً تفصیلات نماز پر خاموشی اختیار کر کے اچھی طرح

واضح کردیا کہ اُن کا یہ طرزِ عمل غلط ہے۔ ارکانِ اسلام معلوم کرنے کے لیے اُن کو احادیث رسول کی طرف رجوع کرنا چاہیئے۔

(۳) پھر نہایت زبردست اجماعِ اُمت نے یہ قطعی فیصلہ صادر کردیا کہ یہ اُن خلفائے اولین کی غلطی تھی۔ چنانچہ تمام اُمت نے احادیث رسول جمع کرنے کو اپنا پہلا فرض قرار دیا۔

اَب یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا حضرت عمر جیسے ذکی و ذہین و فہیم شخص اپنے اس طرزِ عمل کی غلطی سے ناآشنا تھے۔ اِس کا ایک اور محض ایک ہی جواب ہے۔ وہ یہ کہ وہ اپنے اِس طرزِ عمل کی اس غلطی سے تو ضرور واقف تھے۔ لیکن اس کا دوسرا پہلو بھی تھا۔ اور وہ سیاسی پہلو تھا۔ اُنہوں نے یہ کوشش کرنی چاہی کہ فضائل علی کی احادیث بالکل مفقود و معدوم ہو جائیں تاکہ حقوق علی لوگوں کے سامنے نہ آئیں۔ لیکن اُن کی یہ کوشش کارگر نہ ہوئی۔

آپ نے دیکھا کہ ہر ایک حکومت نے کس طرح حقوق و فضائل علی کے چھپانے کی کوشش کی۔ اَب یہ دعویٰ روزِ روشن کی طرح ثابت ہوگیا کہ عدم استخلاف کے اعتقاد کی ضرورت حکومت کو اپنے قیام و حیات کے لئے تھی۔ اس غلط اعتقاد کی اشاعت عمداً ہی نہیں بلکہ جبر و تعدّی کے ساتھ کی گئی۔ یہانتک کہ یہ اعتقاد لوگوں کے گوشت و پوست میں بس گیا۔ اور اُن کی اولاد نے اس کی ہی تعلیم پائی۔ اور نتیجہ یہ ہوا کہ یہ غلط خیال اُن کے مذہب میں داخل ہوگیا۔ اور یہی نہیں کہ اب وہ اس کو غلطی نہیں سمجھتے بلکہ اُس کے سچا ہونے پر اُن کا ویسا ہی ایمان ہے کہ جیسا قرآن پر۔ باوجود ان سب باتوں کے پھر ذکرِ علی و فضائل علی زندہ رہے۔ اور ان ہی مخالفین کی زبانوں پر بغیر اُن کی مرضی و ارادہ کے وقتاً فوقتاً جاری ہوتے رہے۔ یہ ہے تفسیر اس آیۂ مُبارکہ کی:۔

نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ ۝

تدبیر شانزدہم وضع احادیث یعنی فضائل کے متعلق مغالطہ پیدا کرنے کی کوشش

ان احادیث صحیحہ و اقوال مسلمۂ جناب رسولخدا کے مقابلہ میں جو خلافت بلافصل علی بن ابی طالبؑ کے لئے نص قاطع ہیں جماعت اہل حکومت نے حکام سقیفہ بنی ساعدہ کے حق میں چند احادیث وضع کرکے مشتہر کیں تاکہ لوگ مغالطہ میں پڑجائیں۔

صحابۂ کرام میں فضیلت و کرامت کا معیار قول رسولؐ اور ان کے خود اپنے سوانح حیات تھے، حکم قرآنی صادر ہوچکا تھا کہ اِنَّ اکرمکم عند اللّٰہِ اتقاکم جو تم میں سب سے زیادہ متقی ہے وہ ہی خدا کے نزدیک سب سے زیادہ مکرم ہے، فضیلت و کرامت کے درجات تقوٰے کے درجات کے مطابق قرار پائے، تقوے کا تعلق قلب سے ہے اور قلب کی حالت سوائے خدا اور رسولخداؐ کے اور کون جان سکتا تھا، ظاہری اعمال کا تقوے بھی نیت کے اوپر منحصر تھا۔ اَلاعمال بالنیات، اور تینوں کا عالم الغیب خدا ہے، جو تقرب اور براہ راست تعلق جناب رسولخدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خداوند تعالٰے سے حاصل تھا، وہ اس کا ہی مقتضی تھا کہ ہر ایک صحابی کی منزلت و فضیلت جو خداوندِ تعالٰی کی بارگاہ میں تھی اس کے دل و ایمان و اعتقادات کی اصلی حالت و کیفیت اور اس کے اعمال کی مقبولیت ان تمام امور سے جناب رسولخدا بدرجۂ اتم واقف ہوں، یوں بھی یہ امر مسلمہ ہے کہ ایک جماعت کے سردار و رئیس سے زیادہ اور کوئی شخص اس جماعت کے ہر ایک فرد کی اصلی حالت و کیفیت اور ان کے مدارج ترقی و فضیلت سے آگاہ نہیں ہوسکتا، جب یہ حالت ہوئی تو قدرتی طور سے خلیفہ رسول و امیر المسلمین کے استحقاق خلافت و حکومت کی بنا ہی اقوال رسولؐ ٹھہرے۔

کسی معرکہ کشمکش یا اتفاق سے حکومت کو حاصل کرنے کے بعد کامیاب حاکم سب سے پہلے یہ تدبیر کرتا ہے کہ لوگوں کے دلوں کو اپنی طرف کرکے اپنی حکومت کو مستقل و مضبوط بنائے اور ان لوگوں کی طرف سے عوام الناس کے دلوں کو پھیر دے جن سے بوجہ ان کے زیادہ اہل و حقدار ہونے کے یا بوجہ ان کے زیادہ

رسوخ واثر کے اس کی حکومت کو خطرہ ہے، دل تو اس کا یہی چاہتا ہے کہ یہ بالکل نیست ونابود ہو جائیں لیکن اگر واقعات وحالات ایسے ہیں کہ وہ فوراً ہی ان کو جلا وطن یا قتل نہیں کر سکتا تو ان دعویداران حکومت کے حقوق وفضائل کو کم کر کے دکھانا یا ممکن ہو تو بالکل چھپانا اور اپنی تیس مار خانی کے قصے دکھا نیاں گھڑ کر لوگوں میں حکمت عملی کے ساتھ شائع کرانا اس کی تدبیر کا پہلا قدم ہوتا ہے، سقیفہ بنی ساعدہ کی کامیابی ایک نہایت عظیم الشان مگر غیر متوقع کامیابی تھی اور ایک ایسے شخص کو نظر انداز کر کے حکومت حاصل کی گئی تھی جس کی اسلامی خدمت کے کارہائے نمایاں لوگوں کی نظروں میں پھر رہے تھے جس کی محبت وقربت رسول زباں زدِ خاص وعام تھی جس کی شجاعت وسخاوت کی مثالیں اور جس کے علم وحکمت کے قصے ابھی تک لوگوں کو مبہوت کئے ہوئے تھے، جنابِ رسول خدا کے وہ خطبے جس میں آپ نے اس کے فضائل وحقوق کا اظہار فرمایا تھا، لوگوں کے کانوں میں گونج رہے تھے، خم غدیر کا اعلان لوگوں کی آنکھوں کے سامنے تھا، وہ صورتِ حالات تھی کہ اگر حضرت علی کو خداوند تعالیٰ نے صبر کامل کی طاقت نہ عطا فرمائی ہوتی اور ان کے دل میں اسلام کی محبت اس ہی درجہ کی نہ ہوتی جس درجہ کی محبت اسلام کے بانیٔ اول کے دل میں تھی تو ارکین حکومت کے لئے اپنی مسند حکومت کو قائم رکھنا نہایت دشوار ہو جاتا اور مدینہ کی گلیوں میں خون کی ندیاں بہنے لگتیں لیکن المرء یقیس علیٰ نفسہ ارکین سلطنت واہل کاران حکومت نے حضرت علی کو اپنے اوپر قیاس کر کے ایسی تدبیریں اور بیش بندیاں کیں جن کی وجہ سے ان کے زعم میں جو علی کی طرف سے خوف تھا وہ اگر بالکل نہ جاتا ہے تو بڑی حد تک کم ہو جائے ہم ان ہی تدابیر کا ذکر کر رہے ہیں ان تدابیر میں احادیث کی روک تھام کو اہم درجہ حاصل تھا، اور جب حکومت نے احادیث کو اپنے قبضہ واختیار میں لے لیا تو پھر وضع احادیث اس کا قدرتی اور نہایت آسان نتیجہ تھا، یہ طریقہ موثر بھی تھا اور آسان بھی کیوں کہ اگر لوگوں کو یقین ہو جائے کہ ان بزرگواروں کے بھی اتنے فضائل جناب رسولِ خداؐ نے بیان فرمائے ہیں تو پھر وہ ان کے اخذِ حکومت کو حق بجانب سمجھنے لگیں گے، اور

آسان اس وجہ سے تھا کہ چند آدمیوں پر اپنی خاص عنایت کرکے ان کو ایسے کہنے پر آمادہ کرلینا کون سی بڑی بات تھی چنانچہ امیر معاویہ نے کس خوبی سے یہ غرض پورا کیا، ایسی موضوعہ احادیث میں سے چند بڑی بڑی اور مشہور احادیث کا ذکر ہم کرتے ہیں اور ہر ایک حدیث کے ساتھ اس کے موضوع ہونے کے دلائل بھی پیش کریں گے لیکن اس ضمن میں تین گُر یا اصول ایسے ہیں جن کو زیر نظر رکھنے سے موضوعیت کی جانچ پڑتال بہت اچھی طرح ہوسکتی ہے وہ اصول یہ ہیں (۱) فضائل کی حدیث کی مطابقت قرآن شریف سے (۲) اس کی مطابقت ممدوح کے واقعات یا سوانح حیات سے (۳) آنحضرتؐ کی رحلت کے فوراً بعد ہی چند مواقع ایسے پیش آئے کہ جن میں ان فضائل کی احادیث کا ذکر آنا چاہئے تھا، کیا ان موقعوں پر ان احادیث کی بناء پر استدلال قائم کیا گیا۔

اگر احادیث کی مطابقت قرآن شریف سے نہیں ہے تو فوراً نتیجہ نکالنا چاہئیے کہ حدیث جھوٹی ہے، اور وضعی ہے، یہ اصول خود جناب رسول خداؐ نے احادیث کی صحت کی جانچ پڑتال کے لئے قائم کیا تھا اسی وجہ سے ہم نے ایک پورا باب یعنی باب نہم یہ دکھانے کے لئے قائم کیا ہے کہ وہ احادیث جو جناب علی مرتضیٰ کی شان میں ہیں قرآن سے پوری طرح مطابق ہیں، یہ بھی دیکھنا چاہئیے کہ آیا حدیث کا ممدوح اس قابل بھی تھا کہ اس پر یہ حدیث چسپاں ہوسکے، تعریف جب ہی تعریف ہے کہ وہ ممدوح کے سوانح حیات، چال چلن و طرز زندگی کے مطابق ہو، ورنہ وہ، ہجو ہے مثلاً کسی مخنی کمزور و مریض آدمی کو جو لکڑی کے سہارے کے بغیر چل نہیں سکتا آپ کہیں کہ یہ رستم دوراں ہے بخیل کے لئے کہیں کہ یہ حاتم ثانی ہے، فقیر کو کہیں کہ قارون زمانہ ہے تو فرمائیے کہ یہ ہجو ہے یا تعریف اور کوئی معقول آدمی اس طرح کی تعریف نہیں کریگا جناب علی المرتضیٰ کے فضائل و کمالات و علو مرتبت کے متعلق جتنی احادیث ہیں وہ محض ایک امر واقعہ کو بیان کرتی ہیں۔ اور آپ کے چال چلن سوانح حیات فضائل روحانی وصفات جسمانی کے بالکل مطابق ہیں، اگر احادیث کہتی ہیں کہ آپ کا اور جناب رسول خداؐ کا نور تخلیق ارض وسماء سے پہلے پیدا کیا گیا تھا، اور ایک ہی تھا وہ ایک نور عرش

الٰہی کے سامنے ہزارہا سال تخلیق آدم سے پہلے مشغول عبادت الٰہی تھا تو اس کی تردید آپ کے سوانح حیات نہیں کریں گے بلکہ اور اس حدیث کو تقویت دیں گے، اور اس کو سچا ثابت کریں گے کیونکہ فضائل میں آپ جناب رسول خداؐ کے دوش بدوش تھے اور اس دنیا میں بھی آن کر دونوں نے کبھی بتوں کے آگے سجدہ نہیں کیا، ایک حدیث بیان کی جاتی ہے کہ میں اور ابوبکر دو گھوڑے تھے کہ بنوت کے لئے دوڑ رہے تھے۔ میں آگے نکل گیا، تو بنوت مل گئی۔ یہ پیچھے رہ گئے تو خلیفہ بن گئے، یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ابوبکر و عمر کا نور تخلیق آدم سے پہلے مشغول عبادت تھا تو کیا یہ سب مذاحی نقلیاں واقعات کے مطابق ہوں گی، بنوت کی گھوڑ دوڑ کی وجہ کیا ہوئی اور یہ یہ کس میدان میں دوڑائے گئے تھے، دنیا میں آن کر تو وہ فضائل کچھ ظاہر نہ ہوئے یہ کیسا مضحکہ خیز امر ہے کہ ہیئت جسمانی میں آنے سے پہلے تو مشغول عبادت خدائے وحدہٗ لاشریک لہ تھے اور اب اس دنیا میں آنے کے بعد ترقی معکوس شروع ہو گئی۔ پہلی ساری عبادت و ریاضت کا کچھ اثر باقی نہ رہا، یہی نہیں کہ اثر باقی نہ رہا بلکہ اس کے مقابل میں کفر کا رنگ چڑھ گیا اور چالیس سال تک پتھر کے بتوں کو خدا سمجھ کر ان کے آگے سجدہ کئے گئے، اگر علی کی نسبت کہا جائے کہ ان کی یوم خندق کی ایک ضرب میری تمام امت کے قیامت تک کے اعمال سے بہتر ہے تو یہ محض امر واقعہ ہے، اس ضرب سے اسلام بچ گیا، اسلام نہ رہتا تو عبادت کون کرتا، امت محمدیہ کی قیامت تک کی عبادت کی موجب بھی ایک ضرب تھی، اگر یہ کہا جائے کہ علی کرار غیر فرار ہیں تو امر واقعہ ہو گا۔ کبھی انہوں نے میدان جنگ سے فرار نہیں کیا اور بغیر فتح کے واپس نہ ہوئے اور اگر علیؑ بھی اوروں کی طرح دشمنوں کی تلواروں کے سامنے سے منہ پھیر کر بھاگ آتے تو کیا آپ کہتے کہ یہ حدیث واقعی رسولؐ نے کہی تھی، اگر یہ کہا جائے کہ علیؑ مدینۂ علم نبیؐ کے در ہیں تو آپ کے سوانح حیات اس کی تصدیق کرتے ہیں۔ ہمیشہ سَلُوْنِی قَبْلَ اَنْ تَفْقِدُوْنِی کی صلائے عام دیتے رہے مشکل مسئلہ کو باتیں کرتے کرتے حل کر دیتے تھے امور فقہ میں کسی کے مشورے کے محتاج نہیں ہوئے، احادیث رسولؐ

جو سمجھنے کے لئے کسی غیر کی طرف رجوع نہیں کیا، ورد ر پھر کے قرآن شریف نہیں جمع کیا۔
اگر یہی بات کسی اور کیلئے کہی جائے کہ وہ شہر علم نبی کی دیوار ہے اور خود وہ شخص اپنے عجز و جہالت کو ان الفاظ میں ظاہر کرے کہ لَوْلَا عَلِیٌّ لَهَلَكَ عُمَرُ تو کتنا مضحکہ خیز امر ہے، اور چونکہ ہم جناب رسولخدا کو مخبر صادق سمجھتے ہیں لہٰذا ہم فوراً نتیجہ نکالیں گے کہ آنحضرتؐ نے اس شخص کو دیوار شہر علم نبی نہ کہا ہوگا ایک اور نکتہ بھی ہے، جناب رسولخداؐ کی رحلت کے بعد ہی ایسے مواقع پیدا ہو گئے کہ اگر یہ احادیث فضائل سچی ہوتیں تو وہاں بیان کی جاتیں، سقیفہ بنی ساعدہ میں تو بڑا مشکل معرکہ تھا، حضرت ابو بکر کے فضائل بیان ہوئے۔ مگر صرف یہی کہ ثانی اثنین ہیں غار کی دوستی ہے اور حضرت عائشہ والی ترکیب امامت نماز، پس اگر یہ طویل طومار حضرت ابو بکر کی احادیث فضائل کا جواب ان کتابوں میں پایا جاتا ہے، اسوقت بھی موجود ہوتا تو دل کھول کر بیان ہوتا۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ احادیث بعد کی پیدائش ہیں، حضرت عمر کے لئے تو کوئی بات فضیلت کی بیان ہی نہیں ہوئی، نہ سقیفہ میں اور نہ ان کے اپنے استخلاف کے وقت شوریٰ کا معرکہ اتنے دن چلا حضرت عثمان کے لئے ایک بھی فضیلت کی حدیث نہ ملی۔
برخلاف اس کے حضرت علی ان تمام موقعوں پر اپنے فضائل جتاتے رہے اور آنحضرت کی احادیث پر استدلال کرتے رہے اور جلسۂ شوریٰ میں تو اتنی تفصیل کے ساتھ اپنے فضائل شمار فرمائے کہ ان لوگوں کو اقبال فضیلت ہی کرتے بنی، اگر حضرت عثمان کے حق میں بھی کچھ ہوتا تو ضرور بیان کیا جاتا، اب ہم مثالاً چند موضوعہ احادیث کی طرف ناظرین کو توجہ دلاتے ہیں ان کی موضوعیت بھی ہم ساتھ ساتھ ثابت کرینگے لیکن اس کی موضوعیت و مصنوعیت کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ وہ اپنے ممدوح کے قد و قامت پر موزوں نہیں بیٹھتیں۔

(۱) انہم (ای الخلفاء الاربعہ) والنبی صلی اللہ علیہ وسلم کانوا قبل آدم موصف کل	خلفاء اربعہ اور جناب رسولخدا حضرت آدم کی تخلیق سے پہلے موجود تھے اور ان میں سے ہر ایک ایک خاص صفت کے ساتھ

کل منہم بصفۃ والتحذیر من سبہم عن محمد ادریس الشافعی بسندہ الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال کنت انا وابوبکر و عثمان وعلی انوارا علی یمین العرش قبل ان یخلق آدم بالف عام فلما خلق اسکنا ظہرہ ولم نزل ننتقل فی الاصلاب الطاھرۃ الی ان نقلنی اللہ الی صلب عبد اللہ ونقل ابابکر الی صلب ابی قحافہ ونقل عمر الی صلب الخطاب ونقل عثمان الی صلب عفان ونقل علی الی صلب ابی طالب ثم اختارھم لی اصحابا فجعل ابابکر صدیقا وعمر فاروقا وعثمان ذاالنورین وعلیا وصیاً فمن سب اصحابی فقد سبنی ومن سبنی فقد سب اللہ اکبہ اللہ فی النار علی منخریہ خرجہ الملا فی سیرتہ۔

محب الدین الطبری: ریاض النضرہ
ابن حجر مکی :- صواعق محرقہ۔
شاہ عبد العزیز :- تحفہ اثنا عشریہ

موصوف تھا اور ان کو بُرا کہنے والے کے لئے تحذیر ہے۔ محمد بن ادریس الشافعی اپنی سند سے جناب رسول خدا سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ میں ابوبکر و عمر و عثمان علی خداوند تعالےٰ کے عرش کی داہنی طرف نور کی شکل میں حضرت آدم کی پیدائش سے ایک ہزار برس قبل سے تھے، جب آدم پیدا ہوئے تو ہمیں ان کے صلب میں رکھ دیا گیا اور ہم اسی طرح اصلاب طاہرہ میں منتقل ہوتے رہے۔ تاآں کہ خداوند تعالےٰ نے مجھے صلب عبد اللہ میں ابوبکر کو صلب ابی قحافہ میں، عمر کو صلب خطاب میں، عثمان کو صلب عفان میں اور علی کو صلب ابی طالب میں منتقل فرمادیا پھران کو میرا صحابی مقرر کیا، ابوبکر کو صدیق عمر کو فاروق، عثمان کو ذوالنورین اور علی کو وصی قرار دیا۔ پس جس نے میرے اصحاب کو سب وشتم کیا اس نے مجھے گالی دی جس نے مجھے گالی دی اس نے خدا کو بُرا کہا اور جس نے خدا کو بُرا کہا اسکو خداوند تعالیٰ نارجہنم میں منہ کے بل ڈالے گا۔

الجزء الاول فی الفصل الاول من الباب الرابع ص ۳۰

ابراہیم بن عبداللہ:- کتاب الاکتفاء

اس حدیث کے چہرہ پر مصنوعیت کی مہر لگی ہوئی ہے، صاف ظاہر ہے کہ حضرت علی کے حق میں جو حدیثِ نور ہے اس کا یہ جواب تراشا گیا ہے، حضرت علی کے لئے تو حدیثِ نور بالکل موزوں ہے مگر اور بزرگواروں کے جسم پر یہ خلعت موزوں نہیں تھا مندرجۂ ذیل امور ملاحظہ ہوں۔

(۱) عرش الہی کے سامنے ہزاروں برس تک طاہر و مطہر قائم رہنے سے بھی اتنی صلاحیت پیدا نہ ہوئی کہ دنیا میں آنکر پرستشِ اصنام تو نہ کرتے۔ یہ ساری عبادت و طہارت بے فائدہ رہی۔

(۲) حضرت آدمؑ سے ایک ہزار برس پہلے پیدا ہونے سے تمام انبیاء پر امتیاز و فوقیت و فضیلت لازم آتی ہے، کوئی شخص امت محمدیہ میں سے نہیں ہے جو اس امر کا قائل ہو کہ اصحاب ثلاثہ انبیائے سابقہ سے افضل تھے، اور نہ ہی ان کے سوانح حیات اس کی شہادت دیتے ہیں۔

(۳) اصحاب ثلاثہ کے والد و آباء اجداد مسلمہ طور سے کافر تھے، پھر اصلاب طاہرہ کے کیا معنی اور ارحام کے تو کیا کہنے ہیں اور حضرت ابو طالبؑ تو یقیناً مسلمان تھے، حضرت عبدالمطلب کی طرح اگر ہم اس بحث کو یہاں چھیڑتے ہیں تو یہ ہی ایک کتاب علیحدہ بن جائے، ایمان و اعتقاد کا تعلق دل و نیت سے ہے اور دل کی حالت کی شہادت انسان کے افعال دیتے ہیں، اپنے بیٹے علی کو رسول خدا کے ساتھ نماز پڑھتے دیکھا تو ابو طالبؑ نے نہ روکا بلکہ ہدایت کی کہ محمدؐ کی پیروی کرتے رہنا وہ تم کو راہ ہدایت ہی پر چلائیں گے۔ جناب رسول خدا کی حفاظت کافروں سے اتنی کی کہ جس سے زیادہ ممکن نہ تھی۔ کسی روایت سے ثابت نہیں کہ وہ بتوں کی پرستش کیا کرتے تھے۔

(۴) یہ حدیث صحاح ستہ میں نہیں ہے۔

(۵) بہت سے علماء اہلسنت وجماعت مانتے ہیں کہ یہ حدیث جھوٹی ہے چنانچہ

مولوی ثناء اللہ پانی پتی سیف مسلول میں اس حدیث کی نسبت تحریر کرتے ہیں "این حدیث ہرچند ضعیف است" حافظ ابونعیم تاج المحدثین نے امالی میں ذکر کیا ہے کہ یہ حدیث باطل ہے۔ علامہ ذہبی نے میزان الاعتدال میں کہا کہ یہ جھوٹ ہے" علامہ سیوطی نے ایسی احادیث کو موضوعات میں شمار کیا ہے چنانچہ لکھتے ہیں۔

ابو نعیم فی امالیہ حدثنا محمد بن محمد بن عمرو بن زید املاء حدثنا احمد بن یوسف حدثنا ابو شعیب صالح بن زیاد حدثنا احمد بن یوسف المنبجی حدثنا ابو شعیب السوسی عن الھشم بن جمیل عن المقبری عن ابی معشر عن ابی ھریرۃ مرفوعاً خلقنی اللہ من نورہ وخلق ابابکر من نوری وخلق عمر من نور ابی بکر وخلق امتی من نور عمر سراج اھل الجنۃ قال ابو نعیم ھذا باطل وابو شعیب متروکون وقال فی المیزان ھذا خبر کذب ما حدث بہ واحد من الثلاثۃ وانما الافۃ عندی فیہ المنبجی لا یعرف۔	حدیث منقولہ راویان (جو عربی میں ملاحظہ ہوں) کہ خدا نے مجھے اپنے نور سے، ابوبکر کو میرے نور سے، عمر کو ابوبکر کے نور سے اور میری امت کو عمر کے نور سے پیدا کیا اور یہ کہ عمر اہل جنت کا چراغ ہے باطل و موضوع ہے۔ ابونعیم نے امالی میں ذکر کیا ہے کہ یہ باطل ہے، ابو معشر اور ابو شعیب دونوں متروک ہیں۔ میزان الاعتدال میں ذہبی کہتے ہیں کہ یہ حدیث کذب محض ہے، تینوں میں سے ایک نے بھی اس کا ذکر نہیں کیا، میرے نزدیک المنبجی ایک آفت ہے، بلا ہے اور جھوٹ بولتا ہے۔

سیوطی:- ذیل الموضوعات۔

ذہبی:- میزان الاعتدال جلد ۱ ص ۶۶

شیخ رحمت اللہ: مختصر تنزیہ الشریعہ

(۲) حضرت علی کے متعلق مشہور و معروف حدیث منزلت ہے اور کئی موقعوں پر دہرائی گئی تھی اسکے مقابلہ میں ایک حدیث وضع ہوئی ہے ملاحظہ ہو۔

عن ابن عباس مرفوعا لو کنت متخذا خلیلا لاتخذت ابابکر خلیلا ولکن اللہ اتخذ صاحبکم خلیلا وابوبکر وعمر منی بمنزلۃ ھارون من موسیٰ۔	جناب ابن عباس سے مرفوعاً روایت ہے کہ اگر میں کسی کو دوست جانتا تو ابوبکر کو بناتا۔ مگر مجھے تو خدا نے دوست بنا لیا ابوبکر و عمر مجھ سے وہی درجہ رکھتے ہیں جو جناب ہارون کو حضرت موسیٰ کے ساتھ تھا۔

اول تو اس کا بے جوڑ پن ملاحظہ ہو ذکر تو خلت کا تھا۔ حضرت موسیٰ کی اور ہارون کی منزلت کا کیا تذکرہ، پھر یہ دو ہارون کیسے، ایک موسیٰ کے لئے تو ایک ہی ہارون تھے، یہاں دو ہو گئے، کیونکہ جن حضرات نے یہ حدیث بنائی وہ دونوں کی منزلت قائم رکھنا چاہتے تھے۔ اس حدیث کے ایک راوی قزعہ بن سوید ہیں۔ ان کی نسبت علامہ ذہبی میزان الاعتدال جلد دوئم ص ۳۱۳ میں کہتے ہیں:۔

قال البخاری لیس بذاک القوی وقال احمد مضطرب الحدیث و قال ابو حاتم لا یحتج بہ وقال النسائی ضعیف ومشاہ ابن عدی ولہ حدیث منکر۔	امام بخاری کہتے ہیں کہ قزعہ بن سوید قوی نہیں ہے امام احمد کہتے ہیں کہ اس کی حدیثیں مضطرب ہوتی ہیں اور ابو حاتم کہتے ہیں کہ اس کی حدیثوں سے استدلال نہیں کر سکتے، امام نسائی نے کہا ہے کہ وہ ضعیف ہے ابن عدی نے بھی یہی کہا ہے اور اس نے بہت غلط احادیث بیان کی ہیں۔

یہ ہی حدیث ایک اور طریقے سے روایت کی گئی ہے اس میں ایک راوی عمار بن ہارون ہیں ان کے متعلق علامۂ ذہبی میزان الاعتدال میں لکھتے ہیں قال موسیٰ بن ھارون متروک الحدیث وقال ابن عدی عامۃ ما یرویہ غیر محفوظ کان یسرق الحدیث میزان الاعتدال جلد ۲ ص ۲۲۰

یعنی موسیٰ نے کہا ہے کہ ابن ہارون کی حدیث کو لوگوں نے چھوڑ دیا ہے اور ابن ...ی نے کہا ہے کہ عامی آدمی ہے جو وہ بیان کرتا ہے غلط ہوتا ہے اور یہ حدیثیں چرایا کرتا تھا۔

(۳) حدیث تشبیہ حضرت علی کی شان میں نہایت مشہور و معروف ہے۔ اس کا منہ اس طرح چڑایا گیا ہے۔

عن عبد الله بن مسعود فی قصة مشاورة النبی صلی الله علیه و سلم مع ابی بکر و عمر فی اساری بدر قال رسول الله صلے الله علیه وسلم ما تقولون فی هؤلاء ان مثل هؤلاء کمثل اخوة لهم کانوا من قبلهم قال نوح رب لا تذر علی الارض من الکافرین دیارا و قال موسیٰ طمس علی اموالهم و اشدد علی قلوبهم الآیة قال ابراهیم رب فمن تبعنی فانه منی و من عصانی فانک غفور رحیم و قال عیسیٰ ان تعذبهم فانهم عبادک و ان تغفر لهم فانک انت العزیز الحکیم اخرجه الحاکم	حاکم نیشاپوری عبد اللہ ابن مسعود سے روایت کرتے ہیں کہ جنگ بدر کے قیدیوں کے بارے میں حضرت رسول خدا نے ابوبکر و عمر سے مشورہ کرتے وقت فرمایا کہ تم لوگ ان دونوں کے بارے میں کیا کہتے ہو، ان کی مثل ان کے بھائیوں نوح و موسیٰ و ابراہیم و عیسیٰ کی طرح ہے نوح نے تو کہا کہ اے خدا دنیا کے پردہ پر کافروں کا نشان تک نہ چھوڑ اور موسیٰ نے کہا کہ خداوندا تو ان کے مالوں کو خراب کر اور دلوں کو سخت کر (آخر آیت تک) ابراہیم نے کہا کہ اے خدا جس نے میری اطاعت کی وہ تو مجھ سے ہے اور جس نے میری نافرمانی کی بس تو بخشنے والا ہے عیسیٰ نے کہا کہ اے خدا اگر تو عذاب کرے تو یہ تیرے بندے ہیں اور اگر تو بخش دے تو تو بڑا رحیم طاقت والا ہے۔

شاہ ولی اللہ:- قرۃ العینین۔

اصل و نقل میں صاف فرق نمایاں ہے، حضرت علی کے حق میں جو حدیث تشبیہ ہے اس کے الفاظ و عبارت کی موزونیت و لطافت و صداقت و رفعت و مرتبت ہی ... رہے، یہ حدیث تو کسی نے ڈرتے ڈرتے بنا دی اور وہ بھی غلط مصنوعیت کی

مہر اس حدیث کے چہرے پر ثبت ہے ، حضرت ابو بکر و عمر تو نبی نہ تھے تو پھر یہ پیغمبران اولوالعزم کس رشتے سے ان کے بھائی ہوئے ، خود حضرات اہل سنت و جماعت معترف ہیں کہ حضرات شیخین انبیاء اولوالعزم سے کچھ نسبت ہی نہ رکھتے تھے - یہ روایت جتنی اور جیسی بھی ہے یہ ہے کہ اسیرانِ بدر کے حق میں حضرت عمر کی سخت رائے اور حضرت ابو بکر کی نرم رائے حضرت نوح و حضرت موسیٰ کی سخت اور حضرت ابراہیم و حضرت عیسیٰ کی نرم دعاؤں کے مشابہ ہے ، اس میں کیا فضیلت ہوئی ، فرض کرو کہ اتفاق سے میرا کوئی فعل نبی کے کسی فعل کے مشابہ ہو گیا تو مجھ میں اور نبی میں مشابہت و برابری تو کچھ نہ ہوئی ۔ مثلاً میں نے بھی ایک دن اپنے کھانے میں سے فقیر کو رزق دیا ، اور حضرت ابراہیم نے بھی کبھی ایسا کیا ہوگا تو اس سے یہ تو لازم نہیں آتا کہ میں حضرت ابراہیم کے برابر ہو گیا ۔ اس حدیث کا یہی مطلب علامہ ابن تیمیہ نے لیا ہے دیکھو منہاج السنۃ ۔

(۴) جناب علی مرتضیٰ کا عالم علم لدنی ہونا ظاہر ہے اس دعوے دار سلونی اور شہسوار میدان لوکشف کے جملہ علوم سے آگاہی حاصل کرنا حد بشر سے باہر ہے جناب پیغمبر خدا نے یہ فرما کر کہ انا مدینۃ العلم و علیؑ بابہا سب کے منہ پر مہر سکوت لگا دی ، اس حدیث کا جواب ہی کیا ہو سکتا تھا اور اس امام مبین کے مقابلہ کا علم کس میں ہو سکتا تھا لیکن یار لوگوں نے یہاں بھی کچھ نہ کچھ ہاتھ پیر مارے ہیں ارشاد فرماتے ہیں ۔

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم ما صب اللہ شیئاً الا و صببتہ فی صدر ابی بکر	کوئی علم یا الہام خداوند تعالیٰ نے میرے سینہ میں نہیں ڈالا لیکن یہ کہ میں نے پھر اسکو سینۂ ابی بکر میں ڈال دیا ۔

کہاں انا مدینۃ العلم و علیؑ بابہا کی فصاحت و بلاغت کہاں اس موضوعہ فقرہ کا بھونڈا پن ، اس حدیث کا یہ مطلب ہوا کہ جس درجہ کا علم جناب رسول خدا کو خداوند تعالیٰ نے عطا فرمایا تھا اسی درجہ کا علم جناب ابو بکر کو حاصل تھا ، شب معراج جو جو اسرار خداوند تعالیٰ نے اپنے حبیب کو بتائے وہ سب صبح آ کر جناب رسول خدا نے حضرت ابو بکر کے کان میں دہرا دئے ، اس ناموزوں کلام کے یہ بھی معنی ہوتے کہ

جن معارف دینیہ و مسائل شرعیہ سے حضرت ابوبکر ناواقف تھے ان سے جناب رسولخدا بھی جاہل تھے کیونکہ اگر آنحضرت کو یہ امور بتائے گئے ہوتے تو وہ ضرور حضرت ابوبکر کے اندر ڈال دیتے، حضرت ابوبکر کا بہت سے مسائل شرعیہ سے ناواقف ہونا ظاہر ہے ان کی اس ناواقفیت کی بہت سی مثالیں جماعت اہل حکومت کے علماء کی کتابوں میں درج ہیں جن کو جناب علامہ السید محمد قلی صاحب اعلی اللہ مقامہ فی دار الکرامہ نے اپنی تشئید المطاعن میں نقل کیا ہے جہاں یہ بحث ص ۲۲۳ سے شروع ہوتی ہے،

علی المتقی کنز العمال میں لکھتے ہیں۔

عن میمون بن مهران قال کان ابوبکر اذا ورد علیہ خصم نظر فی کتاب اللہ تعالیٰ فان وجد فیہ ما یقضی بہ قضی بہ بینہم وان لم یجد فی کتاب اللہ نظر ھل کانت من النبی فیہ سنۃ فان علمہا قضی بہا فان لم یعلم خرج فسأل المسلمین فقال اتانی کذا وکذا فنظرت فی کتاب اللہ وفی سنۃ رسول اللہ فلم اجد فی ذلک شیئا فھل تعلمون ان النبی قضا فی ذلک بقضاء فربما قام الیہ الرھط فقالوا نعم قضی فیہ ھکذا وکذا فیاخذ بقضاء رسول اللہ ویقول الحمد للہ الذی جعل

میمون بن مہران صحابیات مروی ہے کہ جب ابوبکر کے پاس مدعی و مدعا علیہ اپنا مقدمہ لے کر آتے تھے تو ابوبکر کتاب خدا کو کھول کر دیکھتے تھے اگر وہاں کوئی حکم اس مقدمہ کے حالات کے مطابق مل گیا تو اس طرح فیصلہ کر دیتے تھے اور اگر کتاب خدا میں کوئی ایسا حکم نہیں ملتا تھا تو سنت رسول کی طرف رجوع کرتے تھے اگر انہیں کسی متعلقہ رکھنے والی سنت رسول کا علم ہوتا تھا تو اسکے مطابق فیصلہ صادر کر دیتے تھے اور اگر انہیں اس کا علم نہیں ہوتا تھا تو آپ باہر نکل جاتے تھے اور مسلمانوں سے کہتے تھے کہ میرے پاس اس قسم کا مقدمہ آیا ہے میں نے کتاب خدا و سنت رسول اللہ کی طرف رجوع کیا وہاں تو مجھے کچھ ملا نہیں کیا تم لوگ جانتے ہو کہ ایسے حالات میں رسولخدا کیا حکم دیتے تھے اکثر ایک گروہ ان میں

فینا من یحفظ من نبینا وان اعیاہ ذلک دعی رؤس المسلمین وعلمائھم فاستشارھم فاذا اجتمع رایھم علی الامر قضی بہ وان عمر بن الخطاب کان یفعل ذلک فان اعیاہ ان یجد فی القرآن والسنۃ نظر ھل کان لابی بکر فیہ قضاء فان وجد ابا بکر قد قضی فیہ بقضاء قضی بہ والا دعا رؤس المسلمین وعلماءھم واستشارھم فاذا اجتمعوا علی امر قضی بینھم۔

(الدارمی ق:

علی المتقی:۔ کنز العمال الجزء الثالث۔ ص ۱۲۰ حدیث ۲۲۵۳

محمد بن سعد:۔ طبقات الکبری ج ۳ ق ۳ ص ۱۰۹۔ صواعق محرقہ:۔ ابن حجر مکی الباب الاول فصل ثانی ص ۱۰

کا کھڑا ہو جاتا تھا اور کہتا تھا کہ ہاں ہم جانتے ہیں اور وہ ابوبکر کو آگاہ کرتے تھے اور ابوبکر اس کے مطابق عمل کرتے تھے اور کہتے تھے۔ خدا کا شکر ہے کہ ہم میں ایسے لوگ موجود ہیں جو سنت رسول سے واقف ہیں اور اگر کسی مقدمہ میں ایسے لوگ نہیں ملتے تھے تو پھر مسلمانوں کے صاحب رسوخ لوگوں اور علما کو جمع کر کے ان سے مشورہ لیتے تھے اور پھر ان کی رائے کے مطابق فیصلہ صادر کیا کرتے تھے اور حضرت عمر بھی اسی طرح کیا کرتے تھے اور جب وہ دیکھتے تھے کہ قرآن شریف وسنت رسول سے کچھ ہدایت نہیں ملتی۔ تو پھر دیکھتے تھے کہ ابوبکر نے ایسے موقعہ پر کیا حکم دیا ہے اور اگر ان کو ایسا حکم ابوبکر کا مل جاتا تھا تو اس کے مطابق عمل کرتے تھے ورنہ مسلمانوں کے بڑے بڑے آدمیوں اور علماء کو جمع کر کے ان سے فیصلہ کی بابت مشورہ لیتے تھے، اور جب انکی رائے متفق ہوتی تھی تو پھر حکم اسکے مطابق دیتے تھے

اِس روایت سے بہت سے امور پر روشنی پڑتی ہے، حسبنا کتاب اللہ کہنے والے بزرگوں کو کتاب اللہ میں سے ہدایت نہیں ملتی تھی یعنی کتاب خدا ان کے لئے کافی نہ تھی یا تو واقعی کتاب اللہ میں کسی مقدمہ خاص کے فیصلہ کرنے کے لئے کافی ہدایت نہ ہوتی تھی یا ان بزرگوں کی تلاش میں نقص ہوتا تھا، بہرصورت حسبنا کتاب اللہ غلط ہوا سنت رسول بھی کافی نہیں ہوتی تھی، پھر معلوم نہیں مسلمانوں کے بڑے بڑے رسوخ والے اصحاب اپنے فیصلہ ومشاورت کی بناء کس پر کہتے تھے لیکن یہ ثابت ہوگیا

کہ خلیفہ رسول وحکومت الٰہیہ کا سرداران کو ہونا چاہتے تھا جن کی نظر کی وسعت
کتاب اللہ کی وسعت وہمہ گیری کے مطابق ہوتی تاکہ کتاب اللہ میں ان کو سب کچھ مل
جایا کرتا - اور جن کا اپنا اجتہاد ایسے خدادادعلم پر مبنی ہوتا کہ پھر وہ ایرے غیرے
کی مشورت کے محتاج نہ ہوتے، امور سیاست تو مشاورت سے طے ہوسکتے ہیں
مقدمات کے فیصلہ میں مشاورت کرنا قطعا غیر ضروری بلکہ مضر ہوتا ہے معلوم
نہیں مجلس مشاورت میں کون کون ایسے ہیں جن کی ہمدردی اور دوستی ملزم یا مستغیث
سے ہے، یہ بھی ممکن ہے کہ ان کی رائے غلط ہو اور علماء کو جمع کرنا تو کچھ معنی بھی رکھتا
ہے، یہ صاحب رسوخ ورؤساء وامرا کا جمع کرنا کیسا، وہی سرمایہ داری کی بیجا
خوشامد، کیا مقدمات کے فیصلے بھی رسوخ کی بنا پر ہوتے ہیں جناب رسول خدا
نے مقدمات فیصلہ کرنے میں کبھی مشاورت نہیں کی، ان کے نائب وخلیفہ میں بھی اتنی
ہی وسیع لیاقت وعلمیت ہونی چاہئے تھی کہ محض اپنے اوپر اعتبار و انحصار کرسکتا، کچھ ہی ہو
یہ سب کچھ ما صبب اللہ شیئاً الا وصبتہ فی صدر ابی بکر کی بہت اچھی تفسیر ہے۔

اس روایت کو شاہ ولی اللہ نے ازالۃ الخفا اور نیز قرۃ العینین میں نقل کیا ہے
زین الفتی میں ابو محمد احمد بن علی العاصمی نے ایک تاریخی واقعہ درج کیا ہے، وہ
کہتے ہیں کہ جب جناب رسولخدا کے انتقال کی خبر قیصر روم کو پہونچی تو اس نے ایک
صد نصاریٰ کی جماعت کو یہ کہہ کر مدینہ بھیجا کہ تم جاؤ اور جناب محمد مصطفےٰ کے
وصی اور خلیفہ سے وہ سوال کرو جو اس سے قبل انبیاء اور ان کے خلفاء سے کئے گئے ہیں۔
اگر وہ صحیح جواب دیدے تو تم سمجھنا کہ وہ رسول برحق تھے جن کا یہ خلیفہ ہے وہ لوگ
روانہ ہوئے، راستہ میں بیت المقدس میں پہنچے، وہاں یہودیوں نے ایک ایسی
ہی جماعت تیار کی، اور یہ دونوں جماعتیں مل کر مدینہ پہونچیں، وہ دن جمعہ کا تھا،
حضرت ابوبکر جدیں تھے، یہ جماعت وہاں پہنچی اور ابن انی مراسم کے بعد ان کے سردار
نے حضرت ابوبکر سے سوالات کرنے شروع کر دئے۔ حضرت ابوبکر جواب نہ دے سکے۔
اور حالت مجبوری و بے بسی میں کبھی معاذ کی طرف دیکھتے تھے۔ اور کبھی ابن مسعود کی طرف

اس جماعت کے سردار نے اپنی جماعت سے اپنی زبان میں کہا کہ یہ شخص نبی نہ تھا، لوگوں نے یہ حالت دیکھی تو اس سے کہا کہ چلو ہم تم کو ایسے شخص کے پاس لے چلیں جو اہل توریت کو توریت سے اہل زبور کو زبور سے اہل انجیل کو انجیل سے اور اہل قرآن کو قرآن سے جواب دیتا ہے، پس اس جماعت کو حضرت علی کی خدمت میں لے گئے ان کے سردار نے حضرت علی سے بھی وہی سوالات کئے، آپ نے جوابات شافی دیکر اس کی تسلی کر دی۔ ابن مسعود کہتے ہیں کہ جب تک یہ لوگ حضرت علی کے پاس نہیں پہنچے تھے اسوقت تک ہمارے اوپر ذلت کی چادر پھیلی ہوئی تھی، زین الفتی میں وہ سوالات وجوابات بھی لکھے ہوئے ہیں ہم ان کو بخوف طوالت حذف کرتے ہیں اس واقعہ کو امام احمد حنبل کے حوالے سے سبط ابن الجوزی نے تذکرۂ خواص الامۃ میں بھی لکھا ہے دیکھو تذکرۃ خواص الامۃ ص ۸۵ - ۹۶۔ اس طرح کے کئی واقعات ہوئے ہیں کیونکہ بعد رحلت رسول ص کفار ومعاندین کو یہ اچھا مشغلہ ہاتھ آیا تھا کہ آتے تھے اور خلیفہ رسول سے سوال کر کے ان کو عاجز کرتے تھے، پھر لوگ ان کو حضرت علی کے پاس لے جاتے تھے اور وہ جواب دیتے تھے۔ زین الفتی میں ایک اور واقعہ ایسا ہی لکھا ہے۔ یہاں ایک یہودی نے سوالات کئے تھے جن کے جوابات حضرت ابوبکر نہ دے سکے، اور حضرت علیؑ نے مشکلکشائی کی،

ابوالفرج ابن الجوزی نے اپنی کتاب الموضوعات میں تحریر کیا ہے کہ یہ حدیث ما صب اللہ شیئا الخ جہلا کی وضع کی ہوئی ہے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں

وقد ترکت احادیث کثیرۃ یریدونہا	میں نے وہ بہت سی احادیث ترک کر دی
فی فضل ابی بکر فیہا صحیح	ہیں جو حضرت ابوبکر کی فضیلت میں بیان
المعنی لکنہ لا یثبت مقولہ	کی جاتی ہیں کچھ تو ان میں ایسی ہیں کہ کچھ
منہا ما لیس بشیئ وما ... ال	ظاہری معنی تو رکھتی ہیں لیکن ان کی صحت
اسمع العوام یقولون عن	ثابت نہیں لیکن بہت سی تو بالکل بے معنی و
رسول اللہ صلی اللہ علیہ و	خو بیہودہ ہیں عوام الناس کو کہتے

علیٰ آلہ وسلم انہ قال ما صب الله فی صدری الا وصببتہ فی صدر ابی بکر واذا اشتقیت الی الجنۃ قبلت شیبۃ ابی بکر وکنت انا وابو بکر کفرسی رھان سبقتہ فاتبعنی ولو سبقنی لاتبعتہ فی اشیاء ما راینا لھا اثرا فی الصحیح ولا فی الموضوع ولا فائدۃ فی الاطالۃ بمثل ھذہ الاشیاء۔

ہوئے سنتا ہوں کہ جناب رسولخدا نے فرمایا کہ کوئی شے خدا نے میرے سینہ میں نہیں ڈالی لیکن یہ کہ پھر میں نے اس کو سینۂ ابی بکر میں ڈال دیا اور یہ کہ جب مجھے جنت کا شوق ہوتا ہے تو ابوبکر کی سفید ڈاڑھی کو چوم لیتا ہوں اور یہ کہ میں اور ابوبکر دو گھوڑوں کی طرح دوڑ رہے تھے یعنی نبوت کے پالے کو مجھ سے پہلے میں ان سے آگے بڑھ گیا تو ان کو میری پیروی کرنی پڑی اور اگر وہ آگے بڑھ جاتے تو میں ان کی پیروی کرتا۔ یہ سب احادیث جھوٹی ہیں اور قطعاً موضوعہ ہیں اور ایسی احادیث کے جاری کرنے سے کچھ فائدہ نہیں۔

مجد الدین محمد بن یعقوب بن محمد بن ابراہیم الشیرازی الفیروزآبادی نے کتاب سفر السعادہ میں ان احادیث کے موضوع اور باطل ہونے کو اچھی طرح ثابت کرتا ہے۔ چنانچہ وہ خاتمۂ کتاب پر کہتا ہے۔

"در باب فضائل ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہ انچہ مشہور ترست از موضوعات حدیث ان الله یتجلی یوم القیامۃ للناس عامۃ ولابی بکر خاصۃ وحدیث ما صب الله فی صدری شیئاً الا وصببتہ فی صدر ابی بکر وحدیث انا و ابو بکر کفرسی رھان وحدیث ان الله تعالیٰ لما اختار روح ابی بکر و مثال ایں از مفتریاتے ست کہ بطلان آں ببداہت عقل معلوم است۔"

علامہ فیروزآبادی کی تائید شیخ عبد الحق محدث دہلوی نے شرح سفر السعادۃ میں اس طرح کی ہے:-

"ماصب الله فی صدری شیئاً الا وصببتہ فی صدر ابی بکر موضوع" مصنف می گوید کہ امثال ایں احادیث کہ از انجا فضل بر تمامۂ خلق از انبیاء وغیرہم لازم آید یا مساوات در مرتبہ با سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم مفہوم گردد و یا از دائرہ حکم عقل وعادت بیروں بود. ہمہ موضوعات اند"

محمد طاہر گجراتی نے بھی اس حدیث کو افتراء سمجھا ہے تذکرۃ الموضوعات میں لکھتے ہیں :-

"ماصب الله فی صدری شیئاً الا وصببتہ فی صدر ابی بکر موضوع"

ملا علی قاری نے اپنے رسالہ موضوعات کبریٰ میں نقلاً عن ابن القیم اس طرح لکھا ہے :-

مما وضعہ جهلۃ المنتسبین الی السنۃ فی فضل الصدیق حدیث ان اللہ یتجلی للناس عامۃ یوم القیامۃ ولابی بکر خاصۃ وحدیث ماصب اللہ فی صدری شیئاً الا وصببتہ فی صدر ابی بکر وحدیث کان اذا اشتاق الی الجنۃ قبل شیبۃ ابی بکر وحدیث انا وابوبکر کفرسی رهان وحدیث ان اللہ لما اختار الارواح اختار روح ابی بکر وحدیث	جہلاء اہل سنت نے جو احادیث فضائل ابی بکر میں وضع کی ہیں ان میں سے چند یہ ہیں، خداوند تعالےٰ روز قیامت اور لوگوں کے لئے عام طور سے اور ابوبکر کے لئے خاص طور سے تجلی کرے گا، کوئی علم کی شے خداوند تعالےٰ نے میرے سینہ میں الخ۔ جب آنحضرتؐ کو جنت کا شوق ہوتا تھا تو داڑھی الخ میں اور ابوبکر دو گھوڑوں پر سوار تھے الخ جب خداوند تعالےٰ نے ارواح میں سے انتخاب کیا الخ عمر کا قول کہ جب سباب رسول خداؐ

عمر کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وابوبکر یتحدثان وکنت کالزنجی بینہما وحدیث لوحدثتکم بفضائل عمر عمر نوح فی قومہ ما فنیت وان عمر حسنۃ من حسنات ابی بکر حدیث ما سبقکم ابوبکر بکثرۃ صوم ولا صلوٰۃ وانما سبقکم بشئ وقر فی صدرہ -

و ابوبکر آپس میں باتیں کرتے تھے تو میں زنگی کی طرح مبہوت بیٹھا رہتا تھا اگر میں عمر کے فضائل عمر نوح تک بیان کروں تو ختم نہ کر سکوں گا، عمر تو صرف ایک نیکی ہے نیکی ہائے ابوبکر میں سے۔ ابوبکر تم سے کثرتِ صوم و صلوٰۃ کی وجہ سے نہیں، بلکہ اس چیز کی وجہ سے تم سے سبقت لے گیا۔ جو اس کے سینے میں ہے۔ یہ سب جھوٹی ہیں

۵۱) ایک اور حدیثِ موضوعہ ملاحظہ ہو۔ جماعت اہل حکومت کا اس پر بہت انحصار ہے اور اس کو پڑھتے پڑھتے وجد میں آجاتے ہیں۔ اصحاب صحاح ستہ میں سے ترمذی اور ابن ماجہ نے اس کو اپنے اپنے اسناد کے ساتھ بیان کیا ہے۔ ترمذی نے اس حدیث کو دو طرق کے ساتھ بیان کیا ہے جن میں سے ایک پر وہ خود جرح کرتے ہیں وہ لکھتے ہیں:-

حدثنا سفیان بن وکیع حدثنا حمید بن عبد الرحمٰن عن داؤد العطار عن معمر عن قتادہ عن انس بن مالک قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارحم امتی بامتی ابوبکر واشدھم فی امر اللہ عمر واصدقہم حیاءً عثمان بن عفان واعلمہم بالحلال والحرام

(اسمائے راویان عربی عبارت میں دیکھو) میری امت میں سب سے زیادہ میرے امتیوں پر رحم کرنے والا ابوبکر اور دین خدا میں سب سے زیادہ سخت عمر اور سب سے زیادہ حیاء والا عثمان، سب سے زیادہ کتاب خدا کا علم رکھنے والا ابی بن کعب اور سب سے زیادہ حلال

معاذ بن جبل وافرضہم زید بن	اور حرام کا علم رکھنے والا معاذ بن جبل
ثابت واقرءھم ابی بن کعب ولکل	اور سب سے زیادہ فرائض سے واقف
امۃ امین وامین ھذہ الامۃ	زید بن ثابت ہے۔ یہ تحقیق کہ ہر
ابو عبیدۃ بن الجراح ھذا حدیث	ایک امت کا ایک امین ہوتا ہے اور
غریب لا نعرفہ من حدیث قتادۃ	اس امت کا امین ابو عبیدہ بن جراح
الا من ھذا الوجہ وقد رواہ	یہ حدیث ابو عبیدہ والی غریب ہے
ابو قلابہ عن انس عن النبی	اور قتادہ سے ہم اس کو صرف اس
صلے اللہ علیہ وسلم نحوہ	ہی ایک طریقے سے جانتے ہیں ایسی
حدثنا محمد بن بشار نا عبد	ہی حدیث انس بن مالک سے ابو قلابہ
الوھاب بن عبد المجید الثقفی	کے ذریعے سے مروی ہے۔ انس
حدثنا خالد الحذاء عن ابی	بن مالک سے مروی ہے کہ جناب
عن ابی قلابہ عن انس بن مالک	رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم
مالک قال قال رسول اللہ صلے	نے فرمایا کہ میری امت میں سب
اللہ علیہ وسلم ارحم امتی	سے زیادہ میرے امتیوں پر رحم
بامتی ابو بکر واشد ھم فی	کرنے والا ابو بکر اور دین خدا میں
امر اللہ عمر الی آخر الحدیث.....	سب سے زیادہ سخت عمر الخ۔ یہ حدیث
ھذا حدیث حسن صحیح۔	حسن و صحیح ہے۔

یہ حدیث مسند امام احمد حنبل (الجزء الثالث ص ۱۸۴) میں بھی ہے

ابن ماجہ نے بھی اس حدیث کو دو طرق سے بیان کیا ہے، ان کا سلسلۂ رواۃ یہ ہے

حدثنا محمد بن المثنیٰ ثنا عبد الوھاب بن عبد المجید ثنا خالد الحذاء

عن ابی قلابہ عن انس بن مالک ان رسول اللہ صلے اللہ علیہ و

سلم قال ارحم امتی..... الی آخر الحدیث، وحدثنا علی بن محمد

ثنا وکیع عن سفیان عن خالد الحذاء عن ابی قلابہ مثلہ

اب ہم اس حدیث کے راویوں پر ایک اجمالی نظر ڈالتے ہیں جس سے اِس حدیث کی موضوعیت بدرجۂ اتم ثابت ہوگی۔

انس بن مالک ۔ یہ صاحب حضرت علی کے مخالفین میں سے تھے۔ حدیث طیر کے ذکر میں آپ سن چکے ہیں کہ دو دفعہ غلط بیانی کرکے کہ آنحضرت کام میں مشغول ہیں حضرت علی کو واپس کر دیا، انہوں نے حضرت ابوبکر و حضرت ابوبکر و حضرت عمر کے حق میں عجیب عجیب احادیث بیان کی ہیں جن کا دوہرانا باعث طوالت ہوگا۔ خود فرماتے ہیں کہ میں صرف حضرت رسولخدا و حضرت ابوبکر و عمر سے محبت رکھتا ہوں۔

قال فانا احب رسول اللہ و ابابکر و عمر و انا ارجوان اکون معھم لحبّی ایاھم و ان کنت لا عمل بعملھم یعنی میں جناب رسول خدا و ابوبکر و عمر کو دوست رکھتا ہوں اور امید کرتا ہوں کہ اس محبت کی وجہ سے میں آخرت میں بھی ان کے ساتھ رہوں، اگرچہ میں ان جیسے اعمال نہیں بجالاتا۔ **مسند احمد حنبل الجزء الثالث** ص ۲۲۷۔ اس محبت کی وجہ بھی تھی۔

علامہ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:۔

انّ ابابکر لما استخلف بعث	حضرت ابوبکر نے خلیفہ ہوتے ہی انس کو بلا بھیجا
الی انس لیوجھہ الی البحرین علی	تاکہ ان کو سعایت کے عہدہ پر بحرین بھیجیں
السعایۃ فدخل علیہ عمر فاستشارہ	اتنے میں حضرت عمر بھی آگئے حضرت ابوبکر
فقال ابعثہ فانہ لبیب کاتب	نے ان سے مشورہ کیا تو انہوں نے کہا ہاں
قال فبعثہ۔	ان کو ضرور بھیجو کیونکہ وہ سمجھدار کاتب ہیں۔

ابن حجر عسقلانی:۔ الاصابہ فی تمیز الصحابہ الجزء الاول ص ۷۳۔

حضرت ابوبکر و حضرت عمر کی سیاست کو اچھی طرح سمجھنے کے لئے یہ نکتہ ذہن نشین رکھنا چاہئے کہ ان کی سیاست کا یہ نہایت ضروری اصول تھا کہ جو لوگ آنحضرت کے گرد و پیش رہتے تھے یا کسی اور طرح صاحب رسوخ تھے ان کو کسی نہ کسی اپنی طرف ملا لیں تاکہ صاحب رسوخ لوگ ان کی طرف ہو جائیں اور کوئی فتنہ و فساد نہ کریں اور آنحضرت کے مصاحبین

ان کی ہاں میں ہاں ملاکر لوگوں کی نظروں میں ان کی وقعت کو بڑھا دیں، اس ہی اصول کی بنا پر یزید ابن سفیان و معاویہ ابن سفیان کو شام کی ولایت دی گئی۔ اور اس ہی وجہ سے اسامہ بن زید و انس بن مالک و زید ابن ثابت نوجوان پارٹی کو ابھارا گیا۔ مسند احمد حنبل میں انس بن مالک سے ہزارہا احادیث مروی ہیں، مسند الجزء الثالث کے صفحہ ۹۸ سے صفحہ ۲۹۲ تک ان کی مرویات ہیں، اور کوئی صفحہ ایسا نہیں کہ جس میں حضرت ابوبکر و حضرت عمر کا ذکر نہ ہو، حدیث زیر بحث ہی کو لو۔ معاذ ابن جبل و زید ابن ثابت تک کی تو مدح سرائی کی گئی ہے۔ لیکن حضرت علی کا ذکر نہیں۔

ابو قلابہ۔ ابو قلابہ عبداللہ بن زید الجرمی۔ یہ شخص بھی جناب امیر المومنین علی ابن ابی طالبؑ کے مخالفوں میں سے تھا، چنانچہ اس نے جناب امیر سے کوئی حدیث روایت نہیں کی۔ ابن حجر عسقلانی اپنی تہذیب التہذیب میں بترجمہ ابو قلابہ لکھتے ہیں:۔ وقال العجلی بصری تابعی ثقة وکان یحمل علی علی ولم یرو عنہ شیئا۔ یعنی عجلی کہتا ہے کہ ابو قلابہ تابعی ثقہ تھا، علی کی مخالفت کرتا تھا، ان سے ایک حدیث بھی بیان نہیں کی۔

علامہ ذہبی اپنی کتاب میزان الاعتدال میں لکھتے ہیں:۔

عبداللہ بن زید ابو قلابۃ الجرمی امام شہیر من علماء التابعین ثقة فی نفسہ الا انہ یدلس عمن لحقہم وعمن لم یلحقہم وکان لہ صحف یحدث منہا ویدلس۔ میزان الاعتدال۔ الجزء الثانی ص ۳۹ ۔

عبداللہ ابن زید ابو قلابہ جرمی مشہور امام علمائے تابعین میں سے ہے اپنی ذات سے ثقہ ہے لیکن وہ تدلیس کرتا ہے ان راویوں کے متعلق بھی جن سے اس نے خود حدیث سنی ہے اور ان کے متعلق بھی جن سے اس نے خود نہیں سنی۔ اس کے پاس ایک کتاب تھی جس میں سے وہ حدیثیں بیان کرتا تھا، اور تدلیس بھی کرتا تھا۔

اس پر تدلیس کا الزام ایسا محقق تھا کہ جو شخص بھی اس کے متعلق کچھ لکھتا تھا اُسے یہ ذکر کرنا پڑتا تھا چنانچہ ابراہیم بن خلیل سبط ابن العجمی الحلبی نے اپنی کتاب التبیین لاسماء المدلسین میں اس پر یہ الزام لگایا ہے۔

تدلیس کیا ہے اور اس کا کیا اثر ہوتا ہے ہم ابن الجوزی کی کتاب تلبیس ابلیس سے نقل کرتے ہیں۔

ومن تلبیس ابلیس علی علماء المحدثین روایت الحدیث الموضوع من غیر ان یبینوا انہ موضوع وھذا خیانۃ منہم علی الشرع ومقصودھم تنفیق احادیثہم وکثرۃ روایاتہم وقد قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم من روی عنی حدیثا یری انہ کذب فھو احد الکاذبین ومن ھذا الفن تدلیسہم فی الروایۃ فتارۃ یقول احدھم فلان عن فلان او قال فلان عن فلان یوھم انہ سمع منہ ولم یسمع وھذا اقبیح لانہ یجعل المنقطع فی مرتبۃ المتصل ومنہم من یروی عن الضعیف والکذاب فیعمی اسمہ فربما سماہ بغیر اسمہ وربما کناہ وربما نسبہ الی جدہ لئلا یعرف وھذہ خیانۃ الشرع المطھر لانہ یثبت حکما بما لا یثبت بہ

علماء حدیث کو شیطان اس طرح دھوکہ دیتا ہے کہ وہ حدیث موضوعہ کو روایت کرتے وقت یہ نہیں کہتے کہ یہ موضوعہ ہے یہ شرع محمدی میں خیانت ہے اور ان کا مقصد اس سے یہ ہوتا ہے کہ ان کی احادیث لوگوں میں جاری ہوں اور ان کی کثرت ہووے۔ جناب رسولخدا نے فرمایا ہے کہ جو مجھ سے کوئی روایت بیان کرے یہ جانتے ہوئے کہ وہ جھوٹی ہے تو وہ کاذبین میں سے ہے اور ان کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ وہ روایات میں تدلیس کرتے ہیں یعنی کبھی تو کہتے ہیں کہ ان راویان میں سے فلاں راوی نے فلاں شخص سے سنا یا یہ کہتے ہیں کہ روایت بیان کی فلاں نے فلاں سے یہ اثر پیدا کرنا چاہتے ہیں کہ گویا اس راوی نے ان کی بیان کردہ حدیث کو فلاں شخص سے سنا در آنحالیکہ وہ جانتے ہیں کہ نہیں سنا اور یہ قبیح ہے کیونکہ اس طرح وہ منقطع حدیث کو متصل حدیث کا مرتبہ دینا چاہتے ہیں۔

تدلیس کرنے والوں میں سے چند ایسے ہوتے ہیں جو ضعیف وکاذب شخص سے روایت کرتے ہیں لیکن اس کا نام نہیں لیتے، کبھی تو بغیر نام کے بیان کرتے ہیں اور کبھی کنیت سے بیان کرتے ہیں کبھی اس کے جد کی طرف نسبت دے کر بیان کرتے ہیں تاکہ وہ ضعیف وکاذب راوی پہچانا نہ جائے۔ یہ شرع مطہر میں بہت بڑی خیانت ہے کیونکہ اس طرح وہ بات ثابت کرنا چاہتے ہیں جو ثابت نہیں ہوسکتی۔

تدلیس بہت بُری شے ہے۔ چنانچہ محمد اکرم بن عبد الرحمن اپنی کتاب امعان النظر فی توضیح نخبۃ الفکر میں کہتے ہیں:۔

قال فریق من المحدثین والفقہآء	محدثین وفقہاء کہتے ہیں کہ جو شخص تدلیس
من عرف بارتکاب التدلیس	کرتا ہوا پایا جائے چاہے ایک ہی دفعہ ہو
ولو مرۃ صار مجروحا مردود اَو	تو وہ مجروح و مردود ہو جاتا ہے اگرچہ وہ
ان بیّن السماع واتی بصیغۃ	تو سماعت حدیث بیان کرے یا بہت
صریحۃ فی ھذا الحدیث او فی	صریح الفاظ استعمال کرے اس خاص حدیث
غیرہ من احادیثہ	میں یا اپنی دیگر احادیث میں سے کسی حدیث میں۔

خالد حذاء۔ ابن حجر عسقلانی اپنی کتاب تہذیب التہذیب میں لکھتے ہیں

قال ابو حاتم یکتب حدیثہ و	ابو حاتم کہتا ہے کہ خالد حذاء حدیث لکھتا ہے
لا یحتج بہ۔	مگر اس کی حدیث قابل اعتبار نہیں۔

نیز تہذیب التہذیب میں ترجمہ خالد ہے۔

قد اشار حماد بن زید ان	حماد بن زید کہتے ہیں کہ خالد کا حافظہ متغیر
حفظہ تغیر لما قدم من الشام	ہو گیا تھا، جب وہ شام سے واپس آیا
وعاب علیہ بعضہم دخولہ فی	اور بعض لوگوں نے اسکے دربار سلطانی
عمل لسلطان۔	میں داخل ہونے کو برا کہا ہے۔

محمد طاہر فتنی قانون الموضوعات میں لکھتے ہیں۔

خالد بن مھران الحذاء ابو المنازل	یعنی خالد بن مہران کی ائمہ حدیث

البصری احد الاثبات عند الائمۃ الا انہ تکلم فیہ اما لدخولہ فی عمل السلطان — کے نزدیک کچھ قدر نہیں اور دربار سلطانی میں داخل ہونے کی وجہ سے لوگوں نے اس پر عیب لگائے۔

عبد الوہاب بن عبد المجید ثقفی۔ ابن حجر تہذیب التہذیب میں ترجمہ عبد الوہاب کہتے ہیں:-

عدہ ابن مہدی فیمن کان یحدث من کتاب الناس ولا یحفظ ذلک الحفظ — ابن مہدی نے اسکو ان لوگوں میں شمار کیا ہے جو لوگوں کے لکھے ہوئے حدیثوں میں سے بیان کرتے تھے اور انہیں یاد نہیں رکھتے تھے" نیز اس ہی کتاب میں ہے۔

وقال الدوری عن ابن معین اختلط باخرہ وقال عقبہ بن مکرم اختلط قبل موتہ بثلاث سنین او اربع سنین) — الدوری ابن معین سے روایت کرتا ہے کہ عبد الوہاب کا دماغ آخر عمر میں مختل ہوگیا تھا اور عقبہ بن مکرم کہتا ہے کہ اپنی موت سے تین یا چار سال قبل اس کو اختلاط دماغ کا عارضہ ہو گیا تھا۔

محمد بن المثنیٰ۔ علامہ ذہبی نے میزان الاعتدال میں اس کے حالات میں لکھا ہے

روی عباس عن یحیی کذاب وقال ابو حاتم ذاھب الحدیث — یحیی بن معین کہتے ہیں کہ وہ کذاب ہے اور ابو حاتم کہتے ہیں کہ وہ احادیث کو خراب کرنے والا ہے۔

سفیان ثوری۔ علامہ جلال الدین سیوطی تدریب الراوی میں ذکر تدلیس تسویہ کہتے ہیں:-

قال الخطیب: کان الاعمش و سفیان الثوری یفعلون مثل — خطیب کہتے ہیں کہ اعمش و سفیان ثوری تدلیس کیا کرتے تھے۔ علامہ علائی نے کہا

هذا قال العلائی و بالجملة فهذا النوع افحش انواع التدلیس مطلقا و شرها قال العراقی و هو قادح فیمن تعمد فعله و قال شیخ الاسلام لا شك انه جرح و ان وصف به الثوری والاعمش فلا اعتذار انهما لا یفعلانه الا فی حق من یکون ثقة عندهما ضعیفا عند غیرهما۔

یہی کہا ہے اس قسم کی تدلیس بدترین قسم کی ہوتی ہے اور سب سے زیادہ فاحش ہوتی ہے عراقی بھی یہی کہتا ہے، اور اس کو برا سمجھتا ہے، جو تدلیس کرتا ہے۔ شیخ الاسلام کہتے ہیں کہ بے شک تدلیس ایک عیب ہے اور یہ عیب سفیان ثوری واعمش میں پایا جاتا تھا، اور یہ عذران کے لئے کافی نہیں ہے کہ وہ تدلیس اس راوی کی نسبت کرتے تھے جو ان کے نزدیک ثقہ ہوتا تھا اور دیگر لوگوں کے نزدیک ضعیف ہوتا تھا

ملا علی قاری شرح الشرح نخبة الفکر میں کہتے ہیں۔

قال الشیخ شمس الدین محمد الجزری التدلیس قسمان تدلیس الاسناد و تدلیس الشیوخ اما تدلیس الاسناد فهو ان یروی عمن لقیه و عاصره ما لم یسمعه منه موهما انه سمعه منه و لا یقول اخبرنا و ما فی معناه بل یقول قال فلان او عن فلان او ان فلانا قال و ما اشبه ذلك ثم قد یکون بینهما واحد وقد یکون اکثر و ربما لم یسقط المدلس شیخه

شیخ شمس الدین جزری کہتے ہیں کہ تدلیس دو قسم کی ہے۔ تدلیس الاسناد اور تدلیس الشیوخ، اول الذکر یہ ہے کہ اپنے ہم عصر سے اور اس سے جس سے وہ ملا ہو حدیث نقل کرے، جو حدیث اس نے اپنے ہم عصر سے نہیں سنی اور اس طرح بیان کرے کہ گویا وہ حدیث اس نے اس سے سنی ہے اور یہ نہ کہے کہ اخبرنا یا اس کے ہم معنی لفظ بلکہ یہ کہے کہ قال فلاں یا عن فلاں یا ان فلانا قال یا اس ہی قسم کے دیگر الفاظ درانحالیکہ اسکے اور اس کہنے والے کے درمیان ایک، یا کئی راوی ہوں اور بعض اوقات

لکن یسقط من بعدہ رجلا ضعیفا	تدلیس کرنے والا اس شخص کا نام تو ساقط نہیں
او صغیر السن یحسن الحدیث	کرتا جس سے اس نے روایت سنی ہو لیکن اس
بذلک وکان الاعمش والثوری	کے بعد کے کسی راوی کا نام ساقط کر دیتا ہے
وابن عینیۃ وابن اسحاق وغیرھم	اگر وہ راوی ضعیف ہے یا کم سن ہے مدعا یہ
یفعلون ھذا النوع ومن ذلک	ہوتا ہے کہ اس کی حدیث کو ضعف نہ پہنچے اور
ما حکی ابن حشر وکنا یوما	حسن معلوم ہو اور اعمش و سفیان ثوری اور ابن عیینہ اور
عند سفیان بن عیینۃ فقال	ابن اسحق وغیرہم اس ہی قسم کی تدلیس کیا کرتے تھے اس قسم کا
عن الزھری فقیل لہ حدثک	ایک واقعہ ابن حشر سناتا ہے وہ کہتا ہے کہ ایک دن ہم سفیان بن عیینہ
الزھری فسکت ثم قال الزھری	کے پاس بیٹھے ہوئے تھے اس نے حدیث بیان کی اور کہا
فقیل لہ سمعتہ من الزھری	عن الزہری۔ اس سے کہا گیا کہ کیا زہری نے تم
فقال حدثنی عبد الرزاق عن	سے خود یہ حدیث بیان کی ہے تو وہ خاموش
معمر عن الزھری وھذا القسم	ہو گیا اور پھر کہا قال الزہری، پھر اس سے
من اللہ لیس مکروہ جدا و	کہا گیا کہ کیا تم نے خود زہری سے سنا تو اتنی
فاعلہ مذموم عند اکثر	نکتہ چینی کے بعد اس نے کہا کہ مجھ سے عبد
العلماء ومن عرف بہ فھو مجروح	الرزاق نے معمر کی روایت بیان کی جس کو
عند جماعۃ لایقبل روایتہ	معمر نے زہری سے سنا تھا، اس قسم کی تدلیس
بیّنَ السّماع اولم یبیّنہ۔	بہت مکروہ ہوتی ہے اور اس کا کرنیوالا علما

کے نزدیک مذموم ہے، جس کی نسبت معلوم ہو جائے کہ ایسی تدلیس کرتا ہے تو وہ علماء کی ایک جماعت کے نزدیک مجروح ہے، اس کی روایت قبول نہیں کی جاتی، خواہ وہ یہ ظاہر کرے کہ اس نے خود سماعت کی یا یہ نہ ظاہر کرے۔

قتادہ:۔ علامہ ذہبی میزان الاعتدال میں کہتا ہے۔

قتادہ بن دعامۃ السدوسی	قتادہ بن دعامۃ السدوسی حافظ
حافظ ثقۃ ثبت لکنہ مدلس	ثقہ تو تھا لیکن تدلیس کرنے کا عادی

ودمی بالقدر۔ میزان الاعتدال تھا، اور قدریہ تھا۔
الجزء الثانی ص ۳۴۵

ابن حجر تہذیب التہذیب میں بترجمہ قتادہ لکھتے ہیں کہ قتادہ تدلیس کیا کرتا تھا اور قدریہ تھا، اسکے تدلیس کرنے کو اور قدریہ ہونے کو ابن العجمی الحلبی نے کتاب التبیین لاسماء المدلسین میں اور صفی الدین احمد خزرجی نے مختصر تذہیب میں لکھا ہے۔

داؤد ابن عبد الرحمن عطار۔ ابن حجر عسقلانی تہذیب التہذیب میں بترجمہ داؤد بن عبد الرحمن لکھتے ہیں۔

ونقل الحاکم عن ابن معین تضعیفہ وقال الازدی یتکلمون فیہ۔	حاکم نے ابن معین سے نقل کیا ہے داؤد بن عبد الرحمن ضعیف تھا اور ازدی کہتا ہے کہ لوگ اس کے اوپر اعتراض کرتے تھے

نیز ملاحظہ ہو:۔ میزان الاعتدال الجزء الاول ص ۳۲۰

سفیان بن وکیع۔ ابن حجر عسقلانی تہذیب التہذیب میں بترجمہ سفیان بن وکیع کہتے ہیں۔

قال البخاری یتکلمون فیہ لاشیئا لقنوہ وقال ابو حاتم سالت ابازرعۃ عنہ فقال لا یشتغل بہ قیل لہ کان یکذب قال کان ابوہ رجلا صالحا قیل لہ کان سفیان متہما بالکذب قال نعم۔	بخاری کہتے ہیں کہ لوگ سفیان بن وکیع کے خلاف کئی امور کی وجہ سے چہ می گوئیاں کرتے ہیں وہ کچھ نہیں ہے ابو حاتم کہتا ہے کہ میں نے ابوزرعہ سے اس کے متعلق دریافت کیا تو اس نے کہا کہ اس کی طرف توجہ نہیں کرنی چاہئے جب اس سے کہا گیا کہ وہ جھوٹ بولتا تھا تو ابوزرعہ نے جواب دیا کہ اس کا باپ تو

مرد صالح تھا، جب یہ جتایا گیا کہ سفیان جھوٹ بولتا تھا تو اُس نے جواب دیا کہ ہاں۔

صفی الدین احمد مختصر تذہیب میں کہتے ہیں :-

سفیان بن وکیع بن الجراح	یعنی سفیان بن وکیع بن الجراح نے
الرواسی ابو محمد الکوفی عن مطلب	سماعت حدیث مطلب بن زیاد و حفص
بن زیاد و حفص بن غیاث و	بن غیاث کی ہے، بخاری کہتے ہیں کہ
قال البخاری یتکلمون فیه مات	اس پر علماء الزام لگاتے ہیں یہ ۲۴۷ھ
سنة سبع واربعین ومأتین	ہجری میں فوت ہو۔

نیز ملاحظہ ہو میزان الاعتدال :- الجزء الاول ص ۳۹۸ -

علامہ ذہبی۔ کتاب المغنی فی الضعفا میں لکھتے ہیں۔

سفیان بن وکیع بن الجراح ضعف	سفیان بن وکیع بن الجراح کی تضعیف کی
وقال ابو زرعہ کان یتہم بالکذب	گئی ہے اور ابو زرعہ کہتا ہے کہ علماء حدیث

اس کو جھوٹا جانتے ہیں ۔

اس حدیث موضوعہ ارحم امتی بامتی الخ کو علامۂ حاکم نے مستدرک میں بروایت ابن عمر نقل کیا ہے اور ان کے رواۃ میں محمد بن سنان رہاوی اور کوثر بن حکیم واقع ہوئے ہیں، دیکھو مستدرک الجزء الثالث کتاب معرفتہ الصحابہ یہ دونوں راویان مجروح و مقدوح ہیں اور ان کی روایت علماء حدیث کے نزدیک قابل قبول نہیں، محمد بن سنان رہاوی کی نسبت علامۂ ذہبی نے میزان الاعتدال میں لکھا ہے۔

محمد بن یزید بن سنان	محمد بن یزید بن سنان الرہادی اپنے
الرهادی عن ابیه قال الدارقطنی	باپ سے روایت کرتا ہے دارقطنی کہتا ہے
ضعیف قلت روی عن جدّہ	کہ وہ ضعیف ہے میں کہتا ہوں کہ وہ اپنے دادا
سنان بن یزید وابن ابی	سنان بن یزید اور ابن ابی ذئب سے روایت
ذیب وعنه ابنه ابو فروہ	کرتا ہے اور اس کا لڑکا ابو فروہ یزید بن محمد
یزید بن محمد وابو حاتم	اور ابو حاتم اس سے روایت کرتے ہیں اور

وجماعة وقال النسائی لیس بالقوی　　نسائی کہتے ہیں کہ وہ قوی نہیں ہے یعنی ضعیف راوی ہے

میزان الاعتدال :- الجزء الثالث ص ۱۵۰ -

ابن حجر عسقلانی :- تہذیب التہذیب میں کہتے ہیں -

قال ابن ابی حاتم سالت ابی عنہ　　ابن ابی حاتم کہتے ہیں کہ میں نے اپنے باپ سے

فقال لیس بشئ هو اشد غفلة من　　اس کی نسبت دریافت کیا تو انہوں نے جواب

ابیه　　دیا کہ وہ تو کچھ چیز ہی نہیں غفلت میں اپنے باپ سے بھی زیادہ ہے

کوثر بن حکیم کی نسبت بخاری کتاب الضعفاء والمتروکین میں کہتے ہیں

کوثر بن حکیم عن نافع منکر الحدیث　　یعنی کوثر بن حکیم منکر الحدیث ہے -

اور امام نسائی کتاب الضعفاء والمتروکین میں یہی کہتے ہیں کہ وہ متروک الحدیث ہے یعنی اس سے حدیث نہیں بیان کرنی چاہیئے -

علامہ ذہبی نے میزان الاعتدال میں لکھا ہے جس کا ترجمہ یہ ہے ، ابوزرعہ کہتے ہیں کہ کوثر بن حکیم ضعیف ہے - ابن معین کہتے ہیں وہ کچھ شے ہی نہیں - احمد حنبل کہتے ہیں کہ اس کی احادیث باطل ہیں اور وہ کچھ چیز نہیں ، دارقطنی وغیرہ کہتے ہیں کہ وہ متروک ہے - میزان الاعتدال الجزء الثانی ص ۳۵۹ -

شیخ رحمۃ اللہ بن عبداللہ مختصر تنزیہ الشریعۃ میں کہتے ہیں :- کوثر بن حکیم احادیثه بواطیل یعنی کوثر بن حکیم کی احادیث باطل ہوتی ہیں -

سیوطی نے اس حدیث ارحم امتی بامتی الخ کو بروایت ابن عمر اپنی جامع صغیر میں نقلا عن مسند ابی یعلی بیان کیا ہے ، مسند ابی یعلی کی اسناد میں محمد بن عبدالرحمن البیلمانی ایک راوی ہے اور وہ بہت متقدوح و مجروح ہے - بخاری کتاب الضعفاء والمتروکین میں لکھتے ہیں :-

محمد بن عبد الرحمن البیلمانی　　محمد بن عبدالرحمن البیلمانی اپنے باپ سے روایت

عن ابیه منکر الحدیث کان　　کرتا ہے منکر الحدیث ہے ، اور حمیدی اس میں

الحمیدی یتکلم فیه　　جرح کیا کرتا ہے

نسائی کتاب الضعفاء والمتروکین میں یہی کہتے ہیں اور ابن الجوزی کتاب الموضوعات میں محمد بن عبد الرحمٰن البلیمانی کو لاشے کہتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ابو حاتم نے بیان کیا کہ اس نے ایک کتاب کی کتاب موضوع احادیث کی اپنے باپ کی روایت سے لکھ ڈالی ہے۔

علامۂ ذہبی میزان الاعتدال میں لکھتے ہیں :-

محمد بن عبد الرحمٰن البلیمانی	یعنی محمد بن عبد الرحمٰن البلیمانی اپنے باپ سے
عن ابیہ ضعفوہ وقال البخاری	روایت کرتا ہے علماء حدیث اسکو ضعیف
وابو حاتم منکر الحدیث وقال	سمجھتے ہیں، بخاری وابو حاتم کہتے ہیں کہ
الدارقطنی وغیرہ ضعیف	وہ منکر الحدیث ہے، دارقطنی وغیرہ کہتے ہیں کہ
قال ابن حبان حدث عن ابیہ	وہ ضعیف ہے ابن حبان کہتے ہیں کہ اس
بنسخۃ شبیھا بمائتی	نے اپنے باپ سے روایت کرکے تقریباً دو صد
حدیث کلھا موضوعۃ۔	احادیث کی ایک کتاب لکھی ہے اور وہ سب
میزان الاعتدال الجزء الثالث ص۹۰	کی سب موضوع ہیں۔

یہی رائے محمد بن عبد الرحمٰن بن البلیمانی کی نسبت ابراہیم بن محمد بن خلیل الحلبی المعروف لسبط ابن العجمی نے کتاب الکشف الحثیث عمن رمی بوضع الحدیث میں ابن حجر عسقلانی نے تقریب التہذیب اور تہذیب التہذیب میں صفی الدین احمد بن عبد اللہ نے مختصر تذہیب التہذیب میں رحمت اللہ بن عبد اللہ السندی نے مختصر تنزیہ الشریعۃ میں اور ملا علی قاری نے رسالہ موضوعات میں ظاہر کی ہے۔

اس حدیث موضوعہ کو جابر بن عبد اللہ سے طبرانی نے معجم صغیر میں نقل کیا ہے اور اس کی اسناد میں مندل ابن علی واقع ہوا ہے اور وہ ابن جریج سے اس کو روایت کرنے میں منفرد ہے۔ مندل ابن علی مقدوح ومجروح ہے۔ نسائی نے کتاب الضعفاء والمتروکین میں لکھا ہے :۔ مندل بن علی ضعیف ذہبی

نے مغنی میں لکھا ہے :-

مندل بن علی مشہور فیہ لین ضعفہ احمد والدارقطنی۔	یعنی مندل بن علی مشہور ہے اوس میں نرمی ہے۔امام احمد حنبل اور دارقطنی اسکو ضعیف سمجھتے ہیں۔

ابن حجر عسقلانی تہذیب التہذیب میں لکھتے ہیں۔

قال ابن ابی خثیمہ عن ابن معین لیس بشیئ۔	ابن معین کہتے ہیں کہ مندل کچھ چیز نہیں ہے۔

ابن جریج جس سے مندل بن علی نے روایت کی وہ بھی مقدوح و مجروح ہے

ابن حجر عسقلانی تہذیب التہذیب میں ترجمہ ابن جریج لکھتے ہیں :-

قال الجوزی عن مالک کان ابن جریج حاطب لیل	امام مالک کہتے ہیں کہ ابن جریج بے کار قصے بیان کرتا ہے۔

ابن جریج تدلیس بھی کرتا تھا چنانچہ ابن حجر عسقلانی تہذیب التہذیب میں لکھتے ہیں :- دکان یدلس" یعنی وہ تدلیس کرتا تھا

حدیث موضوعہ ارحم امتی بامتی الخ کو ابن عبد البر نے الاستیعاب میں بہ سند ابو خدری روایت کیا ہے اس کی اسناد میں زید عمی واقع ہوا ہے۔یہ زید عمی مقدوح و مجروح ہے چنانچہ نسائی کتاب الضعفاء والمتروکین میں لکھتے ہیں "زید العمی ضعیف" زید عمی ضعیف ہے۔ علامہ ذہبی میزان الاعتدال میں لکھتے ہیں جس کا ترجمہ یہ ہے "ابن معین کبھی اس کو صالح کہتے ہیں کبھی اس کی تضعیف کرتے ہیں کبھی کہتے ہیں کہ وہ تو کوئی شے ہی نہیں حدیثیں وضع کیا کرتا تھا۔ ابو حاتم کہتے ہیں کہ ضعیف ہے۔ حدیثیں وضع کیا کرتا تھا نسائی نے اس کی تضعیف کی ہے۔ ابن عدی کہتا ہے کہ اس سے زیادہ ضعیف میں نے کوئی اور نہیں دیکھا" میزان الاعتدال الجزء الاول ص ۳۶۳ اسی طرح ابن حجر عسقلانی۔ تہذیب التہذیب میں اس کی تضعیف کرتے

ہیں محمد طاہر گجراتی قانون الموضوعات میں لکھتے ہیں کہ زید العمی کچھ شے ہی نہیں۔
شیخ رحمت اللہ مختصر تنزیہ الشریعۃ میں لکھتے ہیں:-

زید بن الحواری العمی یروی اشیاء موضوعۃ لا اصل لہا۔	زید العمی ایسی احادیث موضوعہ بیان کرتا ہے کہ جن کی کوئی اصلیت ہی نہیں۔

ابن عبد البر استیعاب میں اس حدیث کو بروایت ابو محجن ثقفی بھی نقل کرتے ہیں کہ اس کی اسناد میں سعید بقال واقع ہوا ہے، اور وہ ابو محجن سے روایت کرتا ہے۔ ابو سعید بقال مقدوح و مجروح ہے چنانچہ الضعفاء والمتروکین میں نسائی لکھتے ہیں سعید بن المرزبان ابو سعد البقال ضعیف یعنی سعید بقال ضعیف ہے۔ یہی رائے علامہ ذہبی نے کاشف اور مغنی میں اور ابن حجر عسقلانی نے تہذیب التہذیب میں ظاہر کی ہے، علاوہ اسکے علامہ ابن حجر عسقلانی الاصابہ فی تمیز الصحابہ میں لکھتے ہیں کہ ابو سعید بقال نے ابو محجن کا زمانہ نہیں پایا، لہذا یہ حدیث مرسل ہوئی اور جب ابو سعید ضعیف بھی ہے تو یہ حدیث بالکل باطل ہو گئی، علاوہ اس کے خود ابو محجن ثقفی کے معائب و نقائص اس قدر ہیں کہ اس کی روایت پر اعتبار نہیں ہو سکتا۔ یہ شخص شراب میں اس قدر منہمک ہو گیا تھا کہ ہر وقت مخمور رہتا تھا۔ لوگوں نے عتاب کیا، حد بھی جاری کی لیکن باز نہیں آیا، حضرت عمر اکثر اس سے درگذر کرتے رہتے تھے لیکن جب اس کی شہرت شراب خواری مسلمانوں کے لئے باعث ننگ ہو گئی تو آخر کار انہیں بھی اس کی طرف متوجہ ہونا پڑا، کئی دفعہ اس کو قید کیا، مگر باز نہ آیا، پھر حضرت عمر نے اس کو ایک جزیرہ میں بھیج دیا اور ایک آدمی اس کے ساتھ کیا کہ اسے شراب پینے سے روکتا ہے، اس جزیرہ میں پہونچ کر ابو محجن نے اپنے نگہبان کو قتل کرنے کا ارادہ کیا، وہ جان بچا کر حضرت عمر کے پاس بھاگ آیا، اور ابو محجن جزیرہ سے نکل کر سعد بن ابی وقاص کے پاس پہنچا، جو ان دنوں ایران میں مصروف جنگ تھے۔ اُدھر اس ملازم نے جا کر حضرت عمر کو خبر کی انہوں نے سعد کو لکھا کہ اسے قید کر دیا جائے، چنانچہ سعد نے شراب پینے سے منع کیا، جب [illegible] نہ آیا تو قید کر دیا جنگ

قادسیہ کے دن اس نے بہت سی شراب پی لی اور سعد بن ابی وقاص کی زوجہ سے کہا کہ مجھے سعد کا گھوڑا منگا دو میں بھی جنگ کرنے جاؤں گا، وہ معظمہ اس پر بہت مہربان تھی، اس کی درخواست رد نہ کی، اور گھوڑا منگا دیا، یہ میدان جنگ میں گیا۔ شراب کا نشہ چڑھا ہوا تھا، خوب نبرد آزمائی کی، سعد ابن وقاص نے اس صلہ میں اسے قید سے آزاد کر دیا، مگر پھر بھی اس نے شراب پینی نہ چھوڑی، مرتے وقت وصیت کی کہ مجھے انگور کی بیل کے پاس دفن کرنا، اس کا مصرعہ ہے ؎

اذا مت فادفنی الیٰ جنب کرمۃ

جیسی جس کی خواہش ہوتی ہے، خدا اس کو پورا کرتا ہے، دیکھو اس کی قبر پر خود بخود انگور کی تین بیلیں اُگ آئیں، اور ان سے اس کی قبر کی شناخت ہوتی تھی، ممکن ہے اس کی آخری وصیت کو مدنظر رکھ کر کسی نے انگور کی بیلیں اس کی قبر پر لگا دی ہوں گی، ابو محجن ثقفی کے ان حالات کے لئے دیکھو۔ الاستیعاب ابن عبد البر الاصابہ فی تمیز الصحابہ ابن حجر عسقلانی۔ اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ لابن الاثیر ابوسعد کا ذکر کرتے ہوئے ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:- ابوسعد ضعیف ولم یدرک ابا محجن یعنی ابو سعید ضعیف ہے اور اس نے ابو محجن کا زمانہ نہیں پایا۔ ناظرین ان بزرگواروں کی ذہنیت ملاحظہ فرمائیں، امام جعفر صادق ع تو معاذ اللہ غیر معتبر، ان کی احادیث سے پرہیز کرنا چاہیئے۔ لیکن ابو محجن جیسے لوگ صادق اللہجہ جو وہ بیان کریں آمنا وصدقنا۔

اس حدیث موضوعہ ارحم امتی بامتی کو عقیلی نے کتاب الضعفا میں اور ابن عساکر نے تاریخ دمشق میں شداد بن اوس صحابی سے نقل کیا ہے اور اس کو ضعفاء میں لکھا ہے اور ابن الجوزی نے اس کو اپنی کتاب موضوعات میں موضوع سمجھ کر داخل کیا ہے، اس اسناد میں بہت سے مجروح و مقدوح راویان ہیں مثلاً شداد بن اوس اور بشیر بن زاذان چنانچہ میرزا محمد بن معتمد خاں اپنی کتاب تحفۃ المبین میں لکھتے ہیں:-

ابو بکر ارؤف امتی وارحمها وعمر بن الخطاب خیر امتی واعدلها وعثمان بن عفان احیا امتی واکرمها وعلی بن ابی طالب الب امتی واشجعها عق عس وصنعه عن شداد بن اوس وفی سنده مجروحون وانهم منهم بشیر واما وضعه واما دلسه عن بعض الضعفاء واورده ابن الجوزی فی الموضوعات ۔	حدیث ابی بکر ارأف امتی وارحمها الی آخر الحدیث کو عقیلی و ابن عساکر نے نقل کیا ہے اور اس کی تضعیف کی ہے اور اس کی سند میں بہت سے مقدوح و مجروح و متہم راوی ہیں، ان میں سے بشیر ہے یا تو اس نے خود وضع کی ہے یا ضعفاء سے نقل کر کے ان کے نام نہیں لکھے۔ اور دوسرے معتبر لوگوں کے نام لکھ دئے یعنی تدلیس کی ہے ابن الجوزی نے اسکو موضوعات میں لکھا ہے

میرزا محمد ابن معتمد خان :۔ تحفۃ المحبین باب اول فصل الثالث اصل ثانی۔

ابن الجوزی کی کتاب الموضوعات سے ذیل کی عبارت نقل کی جاتی ہے۔

حدیث فی ذکر جماعة من الصحابه انبانا عبد الوهاب بن المبارک قال انبانا محمد بن المظفر قال انبانا ابو الحسن احمد بن محمد العتیقی قال اخبرنا یوسف بن الدخیل قال ثنا ابو جعفر العقیلی قال ثنا بشر بن موسی قال ثنا عبد الرحیم بن واقد الواقدی قال ثنا بشیر بن زاذان عن عمر بن صبیح عن کن عن شداد بن اوس قال رسول الله صلی الله علیه وآله	مختلف صحابہ کی جماعت کے حق میں ایک حدیث اسمائے راویان عربی میں ملاحظہ ہوں، شداد بن اوس سے مروی ہے کہ فرمایا جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہ ابوبکر میری امت میں سب سے زیادہ وزن دار اور افضل ہے۔ عمر سب سے زیادہ نیک اور کامل ہے۔ عثمان سب سے زیادہ حیادار اور عادل ہے۔ علی بن ابی طالبؑ اس امت کا ولی ہے۔ عبد اللہ بن

وسلم قال ابوبکر اوزن امتی و
ارجحہا وعمر بن الخطاب خیر امتی
واکملہا وعثمان احیی امتی واعدلہا
وعلی بن ابی طالب ولی امتی و
اوسعہا وعبد اللہ بن مسعود
امین امتی واوصلہا وابوذر
ازھد امتی وارءفہا وابوالدرداء
اعدل امتی وارحمہا ومعاویہ
بن سفیان احلم امتی واجودھا
طریق آخر اخبرنا علی بن عبید
اللہ قال ابنانا علی بن احمد قال
ابنانا ابو عبد اللہ بن قال حدثنی
ابو صالح محمد بن احمد قال ثنا
خلف بن عمرو العکبری قال حدثنا
محمد بن ابراھیم قال ثنا یزید
الحلال صاحب بن ابی الشواریہ
قال حدثنا احمد بن القاسم بن
بھرام قال ثنا محمد بن بشیر عن
بشیر بن زاذان عن عکرمہ عن ابن
عباس قال قال رسول اللہ صلی اللہ
علیہ و آلہ وسلم ابوبکر خیر
امتی واتقاھا وعمر اعزھا واعدلہا
وعثمان اکرمہا واحیاھا وعلی البہا

مسعود امین ہے۔ ابوذر سب سے
زیادہ عادل اور رحیم ہے۔ معاویہ
سب سے زیادہ حلیم اور سخی ہے۔
دوسرے طریق سے عبداللہ بن
عباس سے مروی ہے۔ (اسمائے
راویان عربی میں دیکھو) ابوبکر میری
امت میں سب سے زیادہ نیک و
متقی ہے، عمر سب سے زیادہ عزت
والا و عادل ہے، عثمان سب سے
زیادہ کریم و حیا والا ہے۔ علیؑ
سب سے زیادہ فہیم و عقلمند ہے۔ عبداللہ
بن مسعود سب سے زیادہ عادل
اور امین ہے، ابوذر سب سے
زیادہ زاہد و صادق ہے معاویہ
سب سے زیادہ حلیم و سخی ہے۔
مصنف کہتا ہے کہ یہ حدیث
موضوع ہے، اور جناب رسولِ
خداؐ پر جھوٹ بولا گیا ہے۔
اور اس کے دونوں طرق میں
مجروح و مقدوح راویوں کی
ایک جماعت ہے اور وہ عیداً
ہیں میرے نزدیک بشیر ابن زاذان
ضعفاء میں سے ہے۔ خواہ خود جھوٹی

واوسمها وابن مسعود امینها واعدلها وابوذر ازهدها واصدقها وابو الدرداء اعبدها ومعاویہ احلمها واجودها قال المصنف هذا حدیث موضوع علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وفی الطریقین جماعة مجروحون والمتہم بہ عندی بشیر بن زاذان امّا ان یکون من فعلہ او من تدلیسہ عن الضعفاء وقد خلط فی اسنادہ قال ابن عدی ھو ضعیف ویحدث عن الضعفاء۔

حدیث وضع کی ہو۔ خواہ تدلیس کر کے ضعفاء سے حدیث بیان کر دی، اور ان کا نام ظاہر نہ کیا، اس کے اسناد میں غلط ہے۔ ابن عدی کہتا ہے کہ وہ ضعیف ہے، اور ضعفاء سے احادیث بیان کرتا ہے۔

اگر اس حدیث کے راویوں کے ضعف وتدلیس سے قطع نظر بھی کی جائے تب بھی اس سے زیادہ نہیں کہا جا سکتا کہ یہ حدیث مرسل ہے۔ مرسل اس حدیث کو کہتے ہیں کہ جس کے آخری راوی کا نام محذوف ہووے۔ مثلاً رواۃ کا سلسلہ کسی تابعی پر ختم ہوتا ہے اور وہ تابعی یہ کہے کہ فرمایا جناب رسول خدا نے۔ علماء اہلسنت وجماعت خود اس حدیث کو مرسل بتلاتے ہیں کیونکہ یہ ثابت ہے کہ ابو قلابہ نے انس بن مالک سے خود نہیں سنا، عینی نے عمدۃ القاری میں در شرح قول عمر اقرأنا ابی کہا ہے:۔

هذا حدیث موقوف واخرجہ الترمذی وغیرہ من طریق ابی قلابہ عن انس مرفوعاً وفیہ ذکر جماعة واولہ ارحم امتی بامتی ابوبکر وفیہ اقرأء وھم لکتاب اللہ ابی

یہ حدیث مرسل ہے ترمذی نے اس کو ابو قلابہ کے ذریعہ سے انس سے مرفوعاً روایت کیا ہے اور اس میں کئی دیگر احادیث ہیں، اول ان کی یہ ہے کہ ارحم امتی بامتی ابوبکر الخ اور اس میں یہ بھی ہے

بن کعب الحدیث وصححہ الترمذی۔ وقال غیرہ والصواب ارسالہ

کہ کتاب اللہ کو سب سے زیادہ پڑھنے والے ابی بن کعب ہیں ترمذی نے اس حدیث کی صحت کی ہے لیکن باقی علماء یہ کہتے ہیں کہ ان احادیث کا ترک کرنا مناسب ہے۔

علامہ سخاوی نے مقاصد حسنہ میں حدیث ارحم امتی بامتی ابوبکر کی تحقیق میں کہا ہے۔

والحدیث اعل بالارسال و سماع ابی قلابہ من انس صحیح الا انہ قیل وانہ لم یسمع منہ ھذا وقد ذکر الدارقطنی فی العلل الاختلاف فیہ علی ابی قلابہ ورجح ھو وغیرہ کالبیہقی والخطیب فی المدارجان الموصول منہ ذکر ابی عبیدۃ والباقی مرسل ورجح ابن المواق وغیرہ روایۃ الموصول۔

اس حدیث میں ارسال کا نقص ہے ابوقلابہ نے انس بن مالک سے سماعت کی ہے لیکن خود ابوقلابہ نے یہ حدیث انس سے نہیں سنی، دارقطنی نے کہا ہے کہ ابوقلابہ کی وجہ سے اس حدیث کے صحیح ہونے میں اختلاف ہے۔ اس کی بیہقی وخطیب کی یہ رائے ہے کہ ابوعبیدہ کا ذکر تو موصول ہے اور باقی مرسل ہے۔

اس حدیث کے مرسل ہونے کو مناوی نے فیض القدیر میں مانا ہے اور محدثین کا اس پر اتفاق ہے کہ حدیث مرسل ضعیف ہوتی ہے اور اس پر احتجاج نہیں کیا جا سکتا، علامہ جلال الدین سیوطی تدریب الراوی شرح تقریب النواوی میں کہتے ہیں۔

ثم المرسل حدیث ضعیف لا یحتج بہ عند جماھیر المحدثین

جمہور محدثین کے نزدیک حدیث مرسل ضعیف ہوتی ہے اور اس پر احتجاج نہیں کیا جا سکتا۔

یہ بات علامہ ابن الصلاح نے کتاب علوم الحدیث میں کہی اور حافظ

ابن کثیر بھی اسکے قائل ہیں. مولوی صدیق حسن خاں - منہج الوصول الیٰ اصطلاح احادیث الرسولؐ میں کہتے ہیں :-

"شوکانی گفتہ مذہب جمہور ضعیف مرسل و عدم قیام حجت باوست"

یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ کئی علماء نے اس حدیث کو ابو قلابہ سے بلا واسطہ انس بیان کیا ہے۔ چنانچہ زین الفتی میں جہاں کہ صحابہ کا ذکر کیا ہے وہاں عاصمی نے اس حدیث کو ابو قلابہ سے بلا واسطہ انس بن مالک بیان کیا ہے اسی طرح مصابیح و مشکواۃ و فتح الباری میں اس حدیث کو قتادہ سے بلا واسطہ انس ابن مالک بیان کیا ہے، اس صورت میں اس کے مرسل ہونے میں کچھ شک نہیں رہا۔

جب ان کے علماء خود ہی اس حدیث کو موضوع اور کذب کہتے ہیں تو اب ہم کیا مزید نکتہ چینی کریں معلوم ہوتا ہے کہ بنو امیہ کے زمانہ میں یہ حدیث وضع ہوئی ہے جب لوگوں کو امیر معاویہ کی سخاوت کی ضرورت تھی، ورنہ آنحضرتؐ کے زمانہ میں تو نہ ان سے کوئی حلم کی نشانی ظاہر ہوئی اور نہ کوئی سخاوت کا فعل ظہور پذیر ہوا، اور اکابر علماء مثلاً احمد حنبل۔ اسحاق بن راہویہ حنظلی استاد بخاری، خود بخاری صاحب صحیح، نسائی صاحب سنن و حاکم مستدرک و ابن الجوزی و ابن تیمیہ و عینی صاحب عمدۃ القاری و ابن حجر عسقلانی اس امر پر متفق ہیں کہ کوئی حدیث صحیح معاویہ کی فضل و تعریف میں جناب رسول خداؐ سے مروی نہیں۔

احادیث کو وضع کرنے کے لئے اور ان پر سچائی کا ملمع چڑھانے کے لئے اصول موضوعہ و علوم متعارفہ قائم کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی، لہٰذا ایک جامع و حاوی گر مقرر کیا گیا، اور رواج و دستور کے مطابق وہ بھی جناب رسول خداؐ ہی کے سر منڈھا گیا اور وہ یہ ہے

(۶) اصحابی کالنجوم بایہم اقتدیتم اھتدیتم واختلاف اصحابی لکم رحمۃ	میرے اصحاب مثل ستاروں کے ہیں ان میں سے جس کسی کی بھی تم پیروی کروگے

ہدایت پاؤگے۔ میرے اصحاب کا اختلاف تمہارے لئے رحمت ہے

اس حدیث سے دو کام نکالنے کی کوشش کی گئی، ایک تو یہ کہ دیگر احادیث موضوعہ کے لئے ایک گر قائم ہو گیا، دوسرے یہ کہ حدیث مدینۃ العلم و حدیث ثقلین و دیگر احادیث جو حضرت علی کی شان میں آنحضرت ؐ کے اقوال ہیں ان کے مقابلہ میں ایک ایسی حدیث نکل آئی جو ہر وقت کام آنے والی ہے۔

لیکن حق کی صفت یہ ہے کہ پانی پر تیل کی طرح ظاہر ہو جاتا ہے، اور چھپائے سے بھی نہیں چھپتا، چنانچہ اس حدیث کو خود گروہ حکومت کے علماء و محدثین نے موضوع قرار دیا ہے اور اس کی جرح و قدح کی ہے۔ نقشہ ذیل سے ظاہر ہو گا کہ کس کس نے اس حدیث کو موضوع ثابت کیا ہے اور اس میں جرح و قدح کی ہے پہلے ہم نے اس محدث یا محقق کا نام لکھا ہے، اور اس کے آگے ان کتابوں کا ذکر ہے جس میں اس محقق یا محدث کا حدیث نجوم پر جرح و قدح اور اور اس کی تضعیف کرنے کا ذکر ہے۔

۱۔ امام احمد بن حنبل الشیبانی:۔ کتاب التقریر و التحبیر مؤلفہ ابن امیر الحاج الحلبی۔ صبح صادق تصنیف ملا نظام الدین سہالوی۔ فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت تصنیف مولوی عبد العلی بحر العلوم۔

۲۔ ابو ابراہیم اسمٰعیل بن یحییٰ المزنی۔ کتاب جامع بیان العلم تصنیف ابو یوسف بن عبد اللہ النمری۔

۳۔ ابوبکر احمد بن عمر بن عبد الخالق المعروف بزار، کتاب جامع بیان العلم تصنیف ابو عمر یوسف بن عبد اللہ النمری، رسالہ ابطال رائے و قیاس تصنیف ابن حزم۔ منہاج السنۃ ابن تیمیہ۔ تفسیر بحر محیط ابو حیان۔ تفسیر نہر ماد ابی حیان۔ تفسیر در لقیط تاج الدین احمد المعروف ابن مکتوم، اعلام الموقعین ابن القیم۔ تخریج احادیث منہاج ابو الفضل العراقی۔ تلخیص الحبیر و تخریج احادیث مختصر ابن الحاجب تصنیف ابن حجر عسقلانی۔ کتاب التقریر و التحبیر ابن امیر الحاج الحلبی، شرح علی قاری بر شفائے قاضی عیاض

فیض القدیر مناوی۔ صبح صادق ملا نظام الدین سہالوی ، فواتح الرحموت مولوی عبد العلی۔

۴۔ ابو احمد عبد اللہ بن محمد الجرجانی المعروف ابن عدی. کتاب الکامل در ذکر حدیث نجوم در ترجمہ جعفر بن عبد الواحد۔ ترجمہ حمزہ بن ابی حمزۃ الجزری۔

۵۔ ابو الحسن علی بن عمر الدارقطنی۔ کتاب غرائب مالک، نیز لسان المیزان ابن حجر عسقلانی و تخریج احادیث کشاف تصنیف ابن حجر عسقلانی۔

۶۔ ابو محمد علی بن محمد بن احمد بن حزم۔ رسالہ ابطال رائے و قیاس۔ نیز تفسیر بحر محیط ذکر حدیث نجوم تصنیف ابو حیان غرناطی، تفسیر النہر الماد ابی حبان تفسیر در اللقیط ذکر حدیث نجوم تصنیف تاج الدین ابو محمد احمد بن عبد القادر بن احمد بن مکتوم، تخریج احادیث منہاج زین الدین عراقی، کتاب تلخیص الحبیر ابن حجر عسقلانی، کتاب التقریر والتحبیر ابن امیر الحاج حلبی۔ مرقاۃ ملا علی قاری، نسیم الریاض شہاب الدین خفاجی۔ صبح صادق ملا نظام الدین سہالوی، فواتح الرحموت مولوی عبد العلی۔

۷۔ ابو بکر احمد بن الحسین بن علی البیہقی۔ کتاب المدخل۔ تخریج احادیث منہاج بیضاوی، تصنیف زین الدین عراقی۔

۸۔ ابو عمر یوسف بن عبد اللہ المعروف ابن عبد البر۔ کتاب جامع بیان العلم۔

۹۔ ابو القاسم علی بن الحسن بن ہبۃ اللہ المعروف ابن عساکر۔ فیض القدیر مناوی

۱۰۔ عمر بن الحسن بن علی الکلبی المعروف ابن دحیہ۔ تعلیق تخریج احادیث منہاج بیضاوی تصنیف زین الدین عراقی۔

۱۱۔ احمد بن عبد الحلیم المعروف ابن تیمیہ۔ منہاج السنۃ۔

۱۲۔ ابو حیان محمد بن یوسف الاندلسی۔ تفسیر بحر محیط، تفسیر النہر الماد من البحر۔

۱۳۔ تاج الدین ابو محمد احمد بن عبد القادر بن احمد بن مکتوم۔ کتاب الدر اللقیط من بحر المحیط۔

الاصول ، القول المفید فی ادلۃ الاجتہاد والتقلید۔

۱۳۱۔ عبد الرحمٰن بن علی بن محمد البکری المعروف ابن الجوزی :۔ کتاب العلل المتناہیہ۔

۱۳۲۔ ولی اللہ ابن حبیب اللہ :۔ شرح مسلم الثبوت ۔

۱۳۳۔ مولوی صدیق حسن خاں :۔ حصول المامول من علم الاصول ۔

اگرچہ ان حوالجات کے تحریر کرنے کے بعد مزید کسی اور تفصیل کی ضرورت نہ تھی لیکن مزید تسلی و تشفی کے لئے ہم ان کتابوں میں سے چند کی عبارات نقل کرتے ہیں ۔ ملا نظام الدین سہالوی صبح صادق شرح منار میں حدیث نجوم کا ذکر کر کے لکھتے ہیں :۔

قال بن حزم فی رسالۃ الکبریٰ مکذوب موضوع باطل وبہ قال احمد والبزار۔	ابن حزم اپنے رسالۃ الکبریٰ میں لکھتے ہیں کہ یہ حدیث جھوٹی بناوٹی اور باطل ہے اور احمد بن حنبل اور بزار نے بھی یہی کہا ہے ۔

مولوی عبد العلی بحر العلوم نے اپنی کتاب فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت میں حدیث نجوم کے متعلق بالکل یہی لکھا ہے ۔

ابو حیان غرناطی تفسیر بحر محیط میں حدیث نجوم کے ذکر میں لکھتے ہیں :۔

قال الحافظ ابو محمد علی بن احمد بن حزم فی رسالتہ فی ابطال الرائی والقیاس والاستحسان والتعلیل والتقلید ما نصہ وھذا خبر مکذوب موضوع باطل لم یصح قط ۔	ابن حزم اپنے رسالہ فی ابطال الرائے والقیاس والاستحسان میں کہتے ہیں کہ اس حدیث کے لئے کوئی نص نہیں ہے ، اور یہ خبر جھوٹی بناوٹی اور باطل ہے ، اور ہرگز صحیح نہیں ہے ۔

ابوبکر احمد بن الحسین بن علی البیہقی نے حدیث نجوم کی تضعیف کی ہے چنانچہ حافظ زین الدین العراقی تخریج احادیث منہاج بیضاوی میں ذکر حدیث نجوم کے نیچے لکھتے ہیں :۔

ورواه البیھقی فی المدخل من	بیہقی نے مدخل میں حدیث نجوم کو حضرت
حدیث عمر ومن حدیث ابن	عمر وابن عباس سے روایت کیا ہے اور
عباس بنحوه ومن وجہ آخر	ایک اور طریقہ سے بھی روایت کیا ہے کہ
مرسلا وقال متنہ مشھور	جو مرسل ہے بیہقی کہتا ہے کہ اس حدیث کا متن
واسانیدہ ضعیفۃ لم یثبت	مشہور ہے مگر اس کی اسانید ضعیف ہیں اور
فی ھذا اسناد	ان اسناد سے اس روایت کا صحیح ہونا ثابت
	نہیں ہوتا۔

کتاب العلل المتناھیہ میں ابن الجوزی لکھتے ہیں:

روی نعیم بن حماد قال نا عبدالرحیم	نعیم بن حماد کہتا ہے کہ بیان کیا اس سے
بن زید العمی عن ابیہ عن سعید	عبدالرحیم بن زید نے اپنے باپ اور اس
بن المسیب عن عمر بن الخطاب	کے باپ نے سعید بن المسیب سے اور اس نے عمر
قال قال رسول اللہ سألت ربی	بن الخطاب سے کہ فرمایا جناب رسول خدا نے کہ
فیما یختلف فیہ اصحابی من بعدی	میں نے درگاہ رب العزت میں اس اختلاف
فاوحی الی یا محمد ان اصحابک	کی نسبت سوال کیا جو میرے بعد میرے اصحاب
عندی بمنزلۃ النجوم فی السماء	میں ہوگا، پس خداوند تعالیٰ نے وحی بھیجی کہ
بعضھا اضوء من بعض فمن اخذ	اے محمدؐ تیرے اصحاب میرے نزدیک آسمان
بشئ مما ھم علیہ من اختلافہم	کے ستاروں کی طرح ہیں کہ کوئی زیادہ چمکدار
فھو علی ھدی قال المؤلف وھذا	ہے اور کوئی کم پس جس شخص نے تیرے اصحاب کے
لا یصح نعیم مجروح وقال یحیی	اختلاف میں سے کوئی بھی امر پکڑ لیا تو وہ ہدایت
بن معین عبدالرحیم کذاب	پر ہے۔ مؤلف کہتا ہے کہ یہ حدیث صحیح نہیں

ہے۔ نعیم مجروح ہے اور یحیی بن معین نے کہا ہے کہ عبدالرحیم کذاب ہے یعنی بہت جھوٹا ہے۔

منہاج السنۃ میں ابن تیمیہ کہتے ہیں:

واما قولہ اصحابی کالنجوم فبایھم	پس آنحضرتؐ کا قول کہ میرے اصحاب مثل

من المسیب عن ابن عمر عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم وانما اتی ضعف ھذا الحدیث من قبل عبد الرحیم لان اھل العلم سکتوا عن الروایۃ لحدیثہ والکلام ایضا منکر عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم ولم یثبت والنبی صلی اللہ علیہ وسلم لا یبیح الاختلاف بعدہ من اصحابہ ھذا نص کلام البزار قال ابن معین عبد الرحیم بن زید کذاب خبیث لیس بشئ وقال البخاری ھو متروک رواہ ایضا حمزۃ الجزری وحمزۃ ھذا ساقط متروک۔

بن المسیب سے اور اس نے ابن عمر سے روایت کیا ہے اس روایت کا ضعف عبد الرحیم کی وجہ سے ہے کیونکہ علماء حدیث اس کی روایت کو درست نہیں سمجھتے، اور یہ کلام جناب رسول خدا کا نہیں ہے، جناب رسولخدا اپنے بعد اپنے اصحاب کے اختلاف کو کبھی مباح نہیں رکھیں گے، یہ البزار کا قول ہے، اور ابن معین کہتے ہیں کہ عبد الرحیم بن زید بہت جھوٹا اور خبیث ہے۔ کچھ شے ہی نہیں ہے اور بخاری نے کہا ہے کہ وہ متروک ہے اس حدیث کو حمزہ نے بھی روایت کیا ہے اور حمزہ ساقط اور متروک ہے۔

ابو حیان کا رتبہ علمائے اہل سنت والجماعت میں نہایت اعلیٰ ہے ملاحظہ ہو ہماری کتاب البلاغ المبین حصہ دوئم، ابو حیان کے اس کلام وبحث کی توثیق اس کے شاگرد رشید تاج الدین ابو محمد احمد بن عبد القادر بن احمد بن مکتوم نے کتاب الدر اللقیط من البحر المحیط میں کی ہے۔

ابن حجر عسقلانی کہ محققین کبار ونقادین عظام جماعت اہل حکومت میں سے ہیں اس حدیث کو موضوع اور باطل بتاتے ہیں اور اس کا ثبوت پیش کرتے ہیں چنانچہ کتاب تلخیص الحبیر فی تخریج احادیث الرافعی الکبیر میں تحریر کرتے ہیں:۔

حدیث اصحابی کالنجوم بایھم

عبد بن حمید نے اپنے مسند میں حدیث اصحابی

اقتدیتم اهتدیتم عبد بن حمید
فی مسنده من طریق حمزة النقیبی
عن نافع عن ابن عمر وحمزة ضعیف
جدا ورواه الدارقطنی فی غرائب
مالک من طریق جمیل بن یزید
عن مالک عن جعفر بن محمد عن
ابیه عن جابر وجمیل لا یعرف
ولا اصل له من حدیث مالک
ولا من فوقه وذکره البزار
من روایة عبد الرحیم بن
زید العمی عن ابیه عن سعید
بن المسیب عن ابن عمر وعبد الرحیم
کذاب ومن حدیث انس
ایضا واسناده واه ورواه القضاعی
فی مسند الشهاب له من الاعمش
عن ابی صالح عن ابی هریرة و
فی اسناده جعفر بن عبد الواحد
الهاشمی وهو کذاب ورواه ابو ذر
الهروی فی کتاب السنة من
حدیث مندل عن جویبر عن
الضحاک من مزاحم منقطعا
وهو فی غایة الضعف قال
ابو بکر البزار هذا الکلام لم

کالنجوم بایہم اقتدیتم اہتدیتم کو حمزۃ النصیبی
عن نافع عن ابن عمر کے طریق سے بیان کیا ہے
اور حمزہ بہت ہی ضعیف ہے، اور اس
حدیث کو دارقطنی نے غرائب مالک میں
جمیل بن یزید عن مالک عن جعفر بن محمد
عن ابیہ عن جابر کے طریق سے روایت
کیا ہے جمیل ایک نامعلوم سا شخص ہے
اس کی کچھ اصلیت حدیث مالک میں نہیں
ہے اور البزار نے اس حدیث کو عبد الرحیم
بن زید العمی عن ابیہ عن سعید بن المسیب عن
ابن عمر کے طریق سے روایت کیا ہے اور
عبد الرحیم بہت بڑا جھوٹا ہے، اور انہوں
نے انس سے بھی اس حدیث کو روایت
کیا ہے اور اس کے اسناد بہت ہی واہیات
ہیں اور قضاعی نے مسند میں اعمش عن ابی صالح
عن ابی ہریرہ کے طریق سے روایت کیا
ہے اور اس کے اسناد میں جعفر بن عبد الواحد
الہاشمی ہے اور وہ بہت جھوٹا ہے اور نیز
اس حدیث کو ابوذر ہروی نے کتاب السنۃ
میں مندل عن جویبر عن الضحاک بن مزاحم
کے طریق سے بیان کیا ہے اور وہ حدیث
منقطع ہے اور نہایت ہی کمزور ہے۔ ابوبکر
البزار کہتے ہیں کہ یہ حدیث جناب

الاھتداء بالنجوم وظاھرالحدیث	ظاہر حدیث اشارہ کرتی ہے، ان
انما ھو اشارۃ الی الفتن الحادثۃ	فتنوں کی طرف جو رحلت رسول
بعد انقراض عصر الصحابۃ	کے بعد ظہور میں آئے۔ بدعتیں
من الطمس لسنن وظھور	ظاہر ہوئیں۔ فسق وفجور اطراف
البدع ونشر الفجور فی اقطار الارض فاللہ	عالم میں پھیل گیا۔

المستعان۔

نیز ابن حجر عسقلانی نے اپنی دوسری کتاب تخریج احادیث کشاف میں اس حدیث نجوم کی بہت اچھی تنقید کی ہے اور قطعی طور پر ثابت کیا ہے کہ یہ حدیث جھوٹی اور باطل ہے، اس کی عبارت ذیل میں نقل کرتے ہیں۔

حدیث اصحابی کالنجوم فبایھم	حدیث اصحابی کالنجوم فبایھم
اقتدیتم اھتدیتم الدار	اقتدیتم اہتدیتم کو دار قطنی نے مؤتلف
قطنی فی المؤتلف من روایۃ	میں روایت سلام بن سلیم عن الحرث
سلام بن سلیم عن الحرث	بن غصین عن الاعمش عن ابی سفیان
بن غصین عن الاعمش	عن جابر سے بیان کیا ہے۔ یہ حدیث
عن ابی سفیان عن جابر مرفوعاً	مرفوع ہے اور سلام ضعیف ہے۔
وسلام ضعیف واخرجہ فی	اس حدیث کو دار قطنی نے غرائب
غرائب مالک من طریق جمیل	مالک میں بھی جمیل بن یزید عن
بن یزید عن مالک عن جعفر	جعفر بن محمد عن ابیہ عن جابر کے
بن محمد عن ابیہ عن جابر	طریق سے بیان کیا ہے۔ حدیث
فی اثناء حدیث وفیہ فبای	کے درمیان میں یہ قول بھی ہے۔
قول من اصحابی اخذتم	فبای قول من اصحابی
اھتدیتم انما مثل اصحابی	آخذتم الخ۔ دار قطنی نے کہا
مثل النجوم من اخذ بنجم	ہے کہ یہ حدیث مالک سے ثابت

منہا اهتدی وقال لایثبت
عن مالك ورواته دون مالك
مجهولون ورواه عبد بن حمید
والدارقطنی فی الفضائل
من حدیث حمزة الجزری عن
نافع عن ابن عمر وحمزة اتهموه
بالوضع ورواه القضاعی فی
مسند الشهاب من حدیث
ابی هریرة وفیه جعفر بن عبد
الواحد الهاشمی وقد كذبوه
ورواه ابن طاهر من روایة
بشر بن الحسین عن الزبیر
بن عدی عن انس وبشر
كاتهما ایضا واخرجه البیهقی
فی المدخل من روایة جویبر
عن الضحاك عن ابن عباس
وجویبر متروك ومن
روایة جویبر ایضا عن جواب
بن عبید الله مرفوعا و
مرسل قال البیهقی هذا
المتن مشهور واسانیده
كلها ضعیفة وروی فی
المدخل ایضا عن عمر سالت

نہیں ہے۔ مالک کے علاوہ سب راویان
مجہول ہیں، اور اس حدیث کو
عبد بن حمید نے اور دارقطنی
نے فضائل میں حدیث حمزة
الجزری عن نافع عن ابن عمر سے
بیان کیا ہے، اور حمزہ حدیثیں
وضع کیا کرتا تھا، اس حدیث کو
قضاعی نے مسند الشہاب میں حدیث
ابی ہریرہ سے روایت کیا ہے اور
اس میں جعفر بن عبد الواحد الہاشمی
ہے اور علماء حدیث نے اس کی تکذیب
کی ہے اور ابن طاہر نے اس حدیث
کو بہ طریق بشر بن الحسین عن الزبیر
بن عدی عن انس بیان کیا ہے۔
اور بشر بھی جھوٹ اور وضع حدیث
کے ساتھ متہم ہے، اور بیہقی نے مدخل
میں اس حدیث کو روایت جویبر
عن الضحاک عن ابن عباس سے بیان
کیا ہے اور جویبر متروک ہے۔ جویبر کی
روایت بطریق دیگر عن جواب بن
عبید اللہ ہے وہ مرفوع ہے، اور حدیث
مرسل ہے بیہقی کہتا ہے کہ اس حدیث کا متن
تو مشہور ہے مگر اسکے تمام اسانید ضعیف ہیں

ربي فيما يختلف فيه اصحابي من بعدي فاوحى الي يا محمد اصحابك عندي بمنزلة النجوم في السماء بعضها اضوء من بعض فمن اخذ بشيء مما هم عليه من اختلافهم فهو عندي على هدى وفي اسناده عبد الرحيم بن زيد العمي وهو متروك۔

اور بیہقی نے مدخل میں حضرت عمر سے ہی اس حدیث کو ان الفاظ سے بیاں کیا ہے سألت ربي فيما الخ۔ اس کے اسناد میں عبد الرحیم بن زید العمی ہے اور وہ متروک ہے۔

علامہ ابن حجر عسقلانی نے اس حدیث کے ہر ایک طریقہ اور سند پر گفتگو کر کے اس کو باطل و موضوع ثابت کیا ہے مگر پھر بھی راویوں کی جرح و قدح میں ذرا اختصار سے کام لیا ہے۔ ہم ذرا تفصیل سے ذکر کرتے ہیں۔

سلام بن سلیم:۔ بخاری نے کتاب الضعفاء میں کہا ہے کہ سلام کو علماء حدیث نے متروک کر دیا ہے، اسی طرح نسائی نے کتاب الضعفا میں کہا ہے کہ سلام متروک الحدیث ہے۔

ابو نعیم اصفہانی نے حلیۃ الاولیاء میں تصریح کی ہے کہ سلام بالاتفاق متروک ہے۔ ابن الجوزی نے کتاب الموضوعات میں لکھا ہے کہ یحیی بن معین نے سلام کے حق میں کہا ہے کہ وہ کچھ شے نہیں اور اس سے حدیث نہیں لی جاتی اور پھر بخاری و نسائی و دارقطنی سے اس کا متروک ہونا نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ ابن حبان کہتا ہے کہ سلام ثقہ لوگوں کے نام سے احادیث وضع کرتا ہے۔ نیز ابن الجوزی نے حدیث زکوٰۃ فطرہ کی قدح میں سلام کی تضعیف کی ہے۔ علامہ ذہبی نے مغنی میں سلام کو متروک کہا ہے اور ابو زرعہ نے [illegible] ضعیف کی ہے، نیز ذہبی نے کاشف میں سلام کے متروک ہونے کو بخاری سے نقل کیا ہے، اور سبط ابن العجمی نے کتاب الکشف الحثیث عمن رمی بوضع الحدیث میں سلام کے متعلق تصریح کی ہے کہ اس کو ایک جماعت علماء نے مجروح کیا ہے اور

ابن الجوزی و ابن حبان سے نقل کیا ہے کہ سلام احادیث خود وضع کرتا تھا۔ ابن حجر عسقلانی نے تقریب میں سلام کے متروک ہونے کو واضح کیا ہے، نیز ابن حجر نے تہذیب میں سلام کی جرح بہت کی ہے جس کا ماحصل یہ ہے کہ احمد بن حنبل نے کہا کہ سلام احادیث منکرہ روایت کرتا ہے اور یحییٰ بن معین نے کہا کہ سلام کی احادیث منکرہ ہیں اور سلام کچھ شے نہیں ہے ابن مدینی نے کہا کہ ضعیف ہے ابن عمار نے کہا کہ حجت نہیں ہے، جوزجانی نے کہا کہ ثقہ نہیں ہے، ابو حاتم کہتا ہے کہ سلام ضعیف الحدیث ہے اور علماء نے اس کو ترک کر دیا ہے، ابو زرعہ نے کہا ہے کہ وہ ضعف ہے۔ ابن خراش نے کہا کہ وہ بہت جھوٹا ہے، کذاب ہے، اور متروک ہے، ابو القاسم بغوی نے کہا کہ وہ بہت ہی زیادہ ضعیف الحدیث ہے، ساجی نے کہا کہ اس کی احادیث مناکرہ ہیں اور حکیم نے کہا ہے کہ سلام احادیث موضوعہ بیان کرتا ہے۔

حارث بن غصین - ابن عبد البر نے کتاب جامع بیان العلم میں حدیث نجوم کی اسانید کے قدح کرتے ہوئے کہا ہے کہ حارث بن غصین مجہول ہے۔

حمزۂ جزری بخاری نے اور نسائی نے کتاب الضعفاء میں کہا ہے کہ حمزہ جزری منکر الحدیث ہے، ابن الجوزی نے کتاب الموضوعات میں بقدح حدیث اشرفی الانف امان من الجذام کہ جو جابر سے منقول ہے کہا ہے کہ اس کے طریقہ ثانیہ میں حمزۂ النصبی ہے جس کے متعلق یحییٰ ابن معین نے کہا ہے کہ وہ کچھ شے نہیں ہے، اور ابن عدی کہتا ہے کہ وہ جھوٹی احادیث وضع کیا کرتا ہے۔ نیز کتاب الموضوعات میں ابن الجوزی نے حدیث فضل عسقلان کی قدح میں کہا ہے

و فی الطریق الثانی حمزۃ بن ابی حمزہ قال احمد بن حنبل ھو مطروح الحدیث قال یحییٰ لیس لبشیٔ لیس یساوی فلسا	اس حدیث کی طرق ثانی میں حمزہ بن ابی حمزہ ہے۔ اس کے متعلق احمد بن حنبل نے کہا ہے کہ وہ مطروح الحدیث ہے۔ اور یحییٰ نے کہا ہے کہ کچھ شے نہیں ہے۔

وقال النسائی والدارقطنی ھو متروک الحدیث وقال ابن عدی یضع الحدیث وقال ابن حبان ینفرد عن الثقات بالموضوعات لا یحل الروایۃ عنہ۔

ایک پیسے کی برابر بھی نہیں ہے، نسائی و دارقطنی کہتے ہیں کہ وہ متروک الحدیث ہے اور ابن عدی کہتا ہے کہ وہ جھوٹی حدیثیں وضع کرتا ہے اور ابن حبان کہتا ہے کہ ثقات سے اپنی بنی ہوئی جھوٹی حدیثیں بیان کرتا ہے اس سے حدیث روایت کرنی جائز نہیں ہے۔

ذہبی نے تلخیص المستدرک میں بعد ذکر حدیث من مثّل بعبدہ فہو حرکہ جو حمزہ جزری سے مروی ہے کہا ہے کہ:۔

حمزۃ ھو النصیبی قال ابن عدی یضع الحدیث۔

حمزۃ النصیبی کے متعلق ابن عدی نے کہا ہے کہ وہ احادیث وضع کیا کرتا ہے۔

ملا علی متقی نے کنز العمال میں بعد ذکر حدیث استوصوا بالمعزی خیرا کہا ہے کہ:۔

قال عد فیہ حمزۃ النصیبی کذاب۔

ابن عدی کہتا ہے کہ اس میں حمزہ ہے اور اور وہ کذاب ہے۔

جعفر بن عبد الواحد۔ ابن الجوزی نے کتاب الموضوعات میں باب الخشوع فی الصلوٰۃ میں بعد ذکر حدیث مروی از جعفر بن عبد الواحد یہ لکھا ہے:۔

ھذا حدیث موضوع قال ابن حبان لا اصل لھذا الحدیث قال وجعفر کان یسرق الحدیث ویقلب الاخبار حتی لا یشک انہ یعملھا وقال ابو احمد بن عدی کان جعفر یتھم بوضع الحدیث

یہ بناوٹی جھوٹی حدیث ہے ابن حبان کہتا ہے کہ اس حدیث کی کوئی اصلیت نہیں اور کہتا ہے کہ جعفر حدیث کی چوری کرتا تھا، اور خبروں کو بدل دیتا تھا یہاں تک کوئی شک نہیں رہتا تھا کہ اس نے ایسا کیا ہے اور ابو احمد بن عدی نے کہا ہے کہ جعفر احادیث وضع کرنے میں متہم

علامہ ذہبی میزان الاعتدال میں لکھتے ہیں :-

جعفر بن عبد الواحد ۔ قال دار قطنی یضع الحدیث وقال ابو زرعہ روی احادیث لا اصل لھا وقال ابن عدی یسرق الحدیث ویاتی بالمناکیر عن الثقات	جعفر بن عبد الواحد ۔ دارقطنی کہتے ہیں کہ جعفر جھوٹی احادیث بنایا کرتا تھا اور ابو زرعہ کہتے ہیں کہ وہ ایسی احادیث بیان کرتا تھا جو محض بے اصل ہوا کرتی تھیں ، ابن عدی کہتے ہیں کہ حدیث کو چرایا کرتا تھا اور ان جھوٹی احادیث کو ثقہ لوگوں سے منسوب کرکے بیان کرتا تھا ۔
ومن بلایاہ عن وھب بن جریر عن ابیہ عن الاعمش عن ابی صالح عن ابی ھریرۃ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم اصحابی کالنجوم من اقتدی بشئی منہا اھتدی ۔	جعفر کے فتنوں میں سے ایک فتنہ حدیث نجوم ہے جو وہ اس سند سے بیان کرتا ہے وہب بن جریر عن جریر عن اعمش عن ابی صالح عن ابی ہریرہ کہ بیان کیا ابوہریرہ نے کہ فرمایا جناب سرور خدا نے کہ میرے اصحاب ستاروں کی طرح ہیں جس نے ان میں سے کسی کی پیروی کی ہدایت پائی ۔

میزان الاعتدال :- الجزء الاول ترجمہ جعفر بن عبد الواحد ص ۱۹۱ ۔

مزید ثبوت کے لئے دیکھو :-

سبط ابن العجمی الحلبی :- کتاب الکشف الحثیث عمن رمی بوضع الحدیث ۔

ابن حجر عسقلانی :- لسان المیزان ترجمہ جعفر بن عبد الواحد

محمد بن طاہر فتنی :- قانون الموضوعات ۔

بشر بن الحسین ۔ زین العراقی تخریج احیاء العلوم حدیث ان التواضع لا یزید اللہ العبد الا رفعۃ کے ذیل میں لکھتے ہیں :- وفیہ بشر بن الحسین وھو ضعیف جدا ۔ حدیث کے اس سلسلہ میں بشر بن الحسین ہے اور وہ بہت ہی ضعیف ہے ۔

علامہ ذہبی میزان الاعتدال میں لکھتے ہیں :-

بشر بن الحسین الاصبہانی صاحب الزبیر بن عدی قال الدارقطنی متروك وقال ابن عدی عامة حدیثہ لیس بمحفوظ وقال ابو حاتم یکذب علی الزبیر...	بشر بن حسین۔ دارقطنی کہتے ہیں کہ متروک ہے ابن عدی کہتے ہیں کہ اس کی اکثر احادیث غیر محفوظ ہوتی ہیں۔ ابو حاتم کہتے ہیں کہ زبیر پر بہتان باندھتا ہے..........
قال ابن حبان یروی بشیر بن الحسین عن الزبیر نسخة موضوعة شبیہا بمائة وخمسین حدیثاً	ابن حبان کہتے ہیں کہ اس نے عدی بن زبیر سے ایک جھوٹی احادیث کی کتاب تیار کی تھی اور اس میں تقریباً ایک سو پچاس موضوعہ احادیث تھیں

مزید ثبوت کے لئے ملاحظہ ہو قانون الموضوعات محمد بن طاہر فتنی۔

علی ابن ابی بکر بن سلیمان الہیثمی مجمع الزوائد باب خصال الایمان میں ایک حدیث کے ذکر کے بعد جو انس سے مروی ہے لکھتے ہیں:۔ وفیہ بشر بن الحسین دهو کذاب۔ یعنی اس کے راویوں کے سلسلہ میں بشر بن حسین ہے اور وہ بہت ہی جھوٹا ہے۔

جواب بن عبید اللہ التیمی۔ علامہ ذہبی میزان الاعتدال میں کہتے ہیں:۔ وثقہ ابن معین وضعفہ ابن نمیر۔ یعنی اگرچہ ابن معین اس کو ثقہ سمجھتا ہے ابن نمیر اس کو ضعیف جانتا ہے۔ آگے چل کر کہتے ہیں کہ وہ مرجیہ تھا۔ میزان الاعتدال الجزء الاول ص ۱۹۹۔

نیز ملاحظہ ہو تہذیب التہذیب ابن حجر عسقلانی۔ خلاصۃ التہذیب صفی الدین خزرجی، عبد الرحیم بن زید۔ اس کے مجروح ومقدوح و کاذب ہونے کا تذکرہ ہم پہلے کر چکے ہیں، بخاری ونسائی نے اس کو کتاب الضعفاء میں متروک لکھا ہے۔ عبد الرحمن بن ابی حاتم کتاب العلل میں فضل تثلیث وضو کی حدیث کو ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں:۔ عبد الرحیم بن زید متروک الحدیث۔ نیز فضل ماہ رمضان کی حدیث کے بعد بھی یہی لکھا ہے۔

ابن الجوزی کتاب الموضوعات میں کتاب النکاح کے عنوان کے نیچے بعد ذکر حدیث لولا النساء لعبد اللہ حقاً حقاً کہتے ہیں۔

هذا حديث لا اصل له وفيه عبد الرحيم بن زيد العمى قال يحيىٰ ليس بشئ هو وابوه وقال مرة عبد الرحيم كذاب خبيث و قال النسائى متروك الحديث وقال بن عدى هذا حديث منكر لا اعرفه الا من هذه الطريق وكل احاديث عبد الرحيم لا يتابعه الثقات عليها۔	اس حدیث کی کچھ اصلیت نہیں، اس کے راویوں میں عبدالرحیم بن زید العمی ہے یحییٰ کہتے ہیں کہ وہ اور اس کا باپ دونوں ہیچ اور بے حقیقت ہیں، دوسری جگہ کہتے ہیں کہ عبدالرحیم جھوٹا خبیث ہے۔ نسائی کہتے ہیں کہ متروک ہے۔ ابن عدی کہتا ہے کہ یہ حدیث منکر ہے اس کو سوائے اس طریقے کے میں نہیں جانتا اور عبدالرحیم کی تمام احادیث ایسی ہیں کہ جن پر کوئی عالم حدیث اعتبار نہیں کرتا۔

میزان الاعتدال میں علامہ ذہبی لکھتے ہیں :۔

عبد الرحيم بن زيد بن الحوارى العمى عن ابيه وغيره قال البخارى تركوه وقال يحيى كذاب وقال مرة ليس بشئ وقال الجوزجانى غير ثقة وقال ابو حاتم ترك حديثه وقال ابو زرعه واه وقال ابو داؤد ضعيف ..... روى نعيم بن حماد عن عبد الرحيم عن ابيه عن ابن المسيب عن عمر يا محمد اصحابك بمنزلة النجوم الحديث۔	عبدالرحیم بن زید العمی اپنے باپ وغیرہ سے روایت کرتا ہے۔ بخاری کہتے ہیں کہ عبدالرحیم کو ترک کردو۔ یحییٰ کہتے ہیں کہ وہ کذاب ہے ہیچ ہے، جوزجانی کہتے ہیں کہ وہ قابل اعتبار نہیں۔ ابو حاتم کہتے ہیں کہ اس کی ساری احادیث ترک کردی گئی ہیں۔ ابو ذرعہ کہتے ہیں کہ وہ واہی ہے۔ ابو داؤد کہتے ہیں کہ وہ ضعیف ہے .... حدیث نجوم کے یہی حضرت راوی ہیں

میزان الاعتدال الجزء الاول ترجمہ عبدالرحیم بن زید ص ۱۲۴ و ۱۲۵۔

یہ امر واقعہ ہے کہ حدیث نجوم کی شہرت کی بناء بیہقی کی کتاب المدخل ہے جس میں یہ امر قابل ذکر ہے کہ خود بیہقی ہی نے اس ہی کتاب المدخل میں اس حدیث کو نقل کرتے ہوئے اس کی تضعیف کی ہے۔ دیکھو ابن حجر عسقلانی کی تخریج احادیث کشاف جس کی عبارت اوپر نقل ہوئی صرف یہ ہی ایک بات اس سارے کاغ کاغذی کو ہوا میں اڑا دینے کے لئے کافی ہے اور اگر کسی مزید تنقید کی ضرورت ہے تو وہ بھی حاضر ہے۔ روایت بیہقی کے اسناد یہ ہیں سلیمان بن کریمہ عن جویبر عن الضحاک عن ابن عباس اور اس ہی روایت میں یہ فقرہ بھی ملتا ہے۔ اختلاف اصحابی لکم رحمۃ۔

ہم ان راویوں پر تنقیدی نظر ڈالتے ہیں۔ یہ امر قابل ذکر ہے کہ شمس الدین محمد بن عبدالرحمٰن السخاوی مقاصد حسنہ میں حدیث نجوم کو بیہقی کی کتاب المدخل سے نقل کرنے کے بعد کہتے ہیں:-

ومن ھذا الوجہ اخرجہ الطبرانی والدیلمی فی مسندہ بلفظہ سواء جویبر ضعیف والضحاک عن ابن عباس منقطع۔

یعنی ان ہی اسود کے ساتھ دیلمی نے اپنے مسند میں اور طبرانی نے اس حدیث نجوم کو چند الفاظ کے ساتھ نقل کیا ہے۔ جویبر ضعیف ہے اور ضحاک اور ابن عباس کے درمیان انقطاع ہے یعنی ضحاک نے ابن عباس کو نہیں پایا۔

سلیمان ابن ابی کریمہ:- ضعفہ ابوحاتم وقال ابن عدی عامۃ احادیثہ مناکیر۔ ترجمہ:- ابوحاتم نے اس کی تضعیف کی ہے اور ابن عدی کہتے ہیں کہ اس کی اکثر احادیث جھوٹی ہوتی ہیں۔ میزان الاعتدال ذہبی۔ الجزء الاول ص ۴۲۲۔ ترجمہ سلیمان بن ابی کریمہ۔

ابن ابی حاتم اپنی کتاب العلل میں اس حدیث اعظم نساء امتی برکۃ اصبحھن جھاد اقلھن مھرا کے بعد تحریر کرتے ہیں:-

قال لی ھذا حدیث باطل وابن

میرے والد کہتے تھے کہ یہ حدیث باطل ہے

ابی کریمہ ضعیف الحدیث۔　　اور ابن ابی کریمہ ضعیف ہے۔

ابن الجوزی موضوعات میں مرجیۂ کی برائی کرنے والی احادیث کے بعد لکھتے ہیں۔

هذه الاحادیث موضوعا کذب علی رسول الله اما الاول ففیہ سلیمان بن ابی کریمہ واحمد بن ابراهیم قال ابن عدی یرویان المناکیر۔

یعنی یہ احادیث موضوعہ جناب رسول خدا پر کذب ہیں پہلی حدیث میں تو سلیمان بن ابی کریمہ اور احمد بن ابراہیم ہیں اور ابن عدی کہتے ہیں کہ یہ دونوں اشخاص جھوٹی احادیث روایت کرتے ہیں۔

اسی طرح ابن حجر عسقلانی نے لسان المیزان میں علامہ سیوطی نے جمع الجوامع میں ملا علی متقی نے کنز العمال میں طاہر بن علی فتنی نے قانون الموضوعات میں عبدالوہاب بن محمد غوث المدراسی نے کشف الاحوال فی نقد الرجال میں سلیمان بن ابی کریمہ کو ضعیف اور اس کی احادیث کو جھوٹا بیان کیا ہے۔

جویبر بن سعید۔ علامہ ذہبی کہتے ہیں:-

جویبر بن سعید ابوالقاسم الازدی البلخی المفسر صاحب الضحاک قال ابن معین لیس بشئ وقال الجوزجانی لا یشتغل بہ وقال النسائی والدار قطنی وغیرهما متروک الحدیث۔

جویبر بن سعید ضحاک کا ساتھی ہے۔ ابن معین کہتے ہیں کہ جویبر کچھ شے نہیں۔ جوزجانی کہتے ہیں کہ جویبر کی احادیث کی طرف توجہ نہ کرنی چاہیئے۔ نسائی اور دار قطنی وغیرہما کہتے ہیں کہ وہ متروک الحدیث ہے۔

میزان الاعتدال الجزء الاول ترجمہ جویبر بن سعید الجزء الاول ص ۱۹۵۔

یہی قول علامہ ذہبی نے مغنی اور کاشف میں دوہرایا ہے۔ نیز ملاحظہ ہو نسائی اور بخاری کی کتاب الضعفاء ابن الجوزی کتاب الموضوعات میں بعد

ذکر حدیث اکتمال یوم عاشورا لکھتے ہیں :-

قال الحاکم انا ابرء الی اللہ من عھدۃ جویبر قال والاکتمال روز عاشوراء لم یرو من رسول اللہ فیہ اثر وھو بدعۃ ابتدعھا قتلۃ الحسین قال احمد لا یشتغل بحدیث جویبر وقال یحیی لیس بشئ وقال النسائی والدارقطنی متروک -	حاکم کہتے ہیں کہ میں جویبر سے خدا کی طرف بیزاری چاہتا ہوں۔ یوم عاشورا پورے دن کا روزہ جناب رسولخدا سے مطلقاً منقول نہیں ہے بلکہ یہ تو بدعت ہے۔ جس کو قاتلان امام حسینؑ نے شروع کیا تھا۔ احمد کہتے ہیں کہ جویبر کی احادیث توجہ کے قابل نہیں ہیں یحییٰ کہتے ہیں کہ وہ کچھ شے نہیں ہے نسائی اور دارقطنی کہتے ہیں کہ وہ متروک ہے

ابن حجر عسقلانی اپنی تہذیب التہذیب میں بترجمۂ جویبر کہتے ہیں کہ جویبر کے قول کا اعتبار نہیں وہ منکر ہے، ابن معین کہتے ہیں کہ کچھ شے نہیں اور عبداللہ بن علی بن المدینی کہتے ہیں کہ میں نے اپنے باپ سے جویبر کے متعلق دریافت کیا تو انہوں نے کہا کہ وہ بہت ہی ضعیف ہے اور میری والد اکثر کہا کرتے تھے کہ جویبر بہت سی منکر احادیث ضحاک سے بیان کرتا ہے۔ نسائی وعلی بن جنید اور دارقطنی کہتے ہیں کہ جویبر متروک ہے، ابن عدی بھی جویبر کی تکذیب کرتے ہیں، ابو قدامہ سرخسی کہتے ہیں کہ یحیی القطان نے بیان کیا کہ ان لوگوں سے علم تفسیر نہ حاصل کرو جن کی احادیث پر اعتبار نہیں کیا جاتا، پھر انہوں نے ان غیر معتبر لوگوں میں ضحاک جویبر و محمد بن سائب کا نام لیا اور کہا کہ ان کی احادیث جھوٹی ہیں اور علم تفسیر ان سے نہیں لیا جاتا۔

نیز دیکھو جمع الجوامع علامہ سیوطی قانون الموضوعات محمد بن طاہر فتنی، کشف الاحوال۔ عبدالوہاب بن محمد غوث المدراسی -

ضحاک۔ علامہ ذہبی کہتے ہیں :-

الضحاک بن مزاحم البلخی المفسر .... قال یحیی بن القطان کان	یحیی بن القطان کہتے ہیں کہ شعبہ کا قول تھا کہ ضحاک نے کبھی ابن عباس سے ملاقات

شعبہ ینکران یکون الضحاک لقی ابن عباس قط وقال لطیالسی حدثنا شعبہ سمعت عبدالملک بن میسرۃ یقول لضحاک لم یلق ابن عباس........ وقال یحیی بن سعید الضحاک ضعیف عندنا۔	نہیں کی، طیالسی کہتے ہیں کہ مجھ سے شعبہ نے کہا کہ انہوں نے عبدالملک بن میسرہ کو کہتے سنا تھا کہ ضحاک نے کبھی ابن عباس سے ملاقات نہیں کی ۔ .... یحیی ابن سعید کہتا ہے کہ ضحاک ہمارے نزدیک ضعیف ہے ۔

میزان الاعتدال :۔ الجزء الاول ص۴۷۱

نیز ملاحظہ ہو کتاب الموضوعات ابن الجوزی لآلی مصنوعہ سیوطی ۔

قانون الموضوعات محمد بن طاہر الفتنی کشف الاحوال فی نقد الرجال عبد الوہاب بن محمد غوث المدراسی ۔

اب ناظرین کو حدیث نجوم کی حقیقت معلوم ہوئی، ہر ایک راوی اس کا مجروح و مقدوح ہے قابل اعتبار نہیں ضعیف ہے، اور حدیث نجوم کا موضوع ہونا خود علماء اہل سنت والجماعت نے ثابت کیا ہے اس حدیث کے اندر اس کے موضوع ہونے کی شہادت موجود ہے، یہ بدیہی امر ہے کہ یہ حدیث عمداً حدیث مدینۃ العلم و حدیث ثقلین کے جواب کے طور پر وضع کی گئی ہے۔

علامہ محمد معین بن محمد امین السندی کتاب دراسات اللبیب میں حدیث ثقلین کا ذکر کر کے اس سے اہل بیت علیہم السلام کی عصمت ثابت کرتے ہیں اس کے بعد حدیث نجوم و دیگر ویسی ہی احادیث کو حدیث ثقلین کے مقابلہ میں ان الفاظ میں موضوع قرار دیتے ہیں ۔

فان قلت قد ورد اصحابی کالنجوم بایہم اقتدیتم اھتدیتم وورد اقتدوا باالذین من بعدی ابی بکر	اور اگر تو کہے کہ یہ بھی احادیث وارد ہوئی ہیں کہ میرے بعد اصحاب مثل ستاروں کے ہیں ان میں سے جن کی پیروی کرو گے ہدایت پاؤ گے نیز یہ کہ میرے بعد ابوبکر

وعمر وورد علیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین الحدیث فقد ثبت الحث باقتداء غیرھم واھتداء من اقتدی بھم قلنا الحدیث الاول موضوع والا لکان قولہ اھتدیتم فیہ خاصۃ مما یدل علی عدم خطاءھم۔

وعمر کی پیروی کرو۔ نیز یہ کہ تم کو چاہیئے میری اور میری خلفاء راشدین کی سنت کی پیروی کرو اور بس ان احادیث سے ثابت ہوا کہ اہل بیت علیہم السلام کے علاوہ دوسروں کی پیروی بھی جائز ہے تو ہم اس کا یہ جواب دیتے ہیں کہ یہ احادیث موضوعہ ہیں۔ کیونکہ اہتدیتم کے لفظ سے تو یہ نتیجہ نکلتا ہی کہ یہ بزرگوار کبھی خطا ہی نہ کرینگے جو کہ واقعاتاً غلط ہے۔

حدیث نجوم سے جس طرح کہ بیہقی کی کتاب المدخل میں منقول ہے دو کلیات قائم ہوتے ہیں۔

(الف) ایک تو یہ کہ صحابہ کا آپس کا اختلاف امت کے لئے رحمت ہے اور

(ب) دوسرے یہ کہ [illegible] ہر ایک کی پیروی کرنے سے ہدایت ملتی ہے، ان دونوں نتائج پر ذرا غور تو کرو۔

(الف) متضاد و تفرق حق کی صفت نہیں ہے حق ہمیشہ ایک ہی ہوگا۔ قرآن شریف کی آیات کی سچی و صحیح تفصیل و تفسیر و تاویل ایک ہی ہوگی اختلاف و تفرقہ کیسا ہی ہو اور کتنے ہی درجہ کا ہو بُرا ہوتا ہے، ذرا سا اختلاف آگے چل کر بہت بڑا ہو جاتا ہے، اس سے اتحاد عمل مفقود ہو جاتا ہے اور نصب العین کی قوت کشش میں اضمحلال پیدا ہو گیا تو جماعت، قوم یا امت کمزور اور رفتہ رفتہ تباہ ہو جاتی ہے۔ محبت و دلی انس مفقود ہو جاتے ہیں، اس حالت میں ہمدردی کہاں، غرضکہ تمام قوم یا اُمت کا شیرازہ بکھر جاتا ہے۔ جناب محمد مصطفٰے صلے اللہ علیہ وآلہ جیسا فہیم و ذکی و زیرک سیاستداں جس کی ذکاوت دور بینی اور سیاستدانی کو وقتاً فوقتاً الہام و وحی سے مدد ملتی رہتی تھی امت

کو تعلیم دے تفرقہ کی اور تفرقہ بھی کیسا کہ دائمی اور اس تفرقہ کو خدا کی رحمت کہے۔ عقل سلیم اس کو تسلیم کرنے سے انکار کرتی ہے، مستزاد برآں یہ کہ اتنا تو خطرناک یہ کلیہ قائم کیا گیا اور اس کے لئے کوئی حدود و قواعد نہیں مقرر کئے گئے۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کن امور کے اختلاف سے مطلب ہے، دنیوی یا دینی؟ یا دونوں؟ دریں پھر کس حد تک کا اختلاف رحمت ہے۔ تفسیر آیاتِ قرآنی میں اختلاف کریں، آیات محکمات کے معنی بتانے میں اختلاف کریں۔ صفات باری تعالیٰ میں اختلاف کریں، وحدانیت کے لئے حدود مقرر کریں، کیا یہ سب اختلاف رحمت ہوگا، آپس میں لڑیں مریں، کشت وخون کریں، مسلمان بکثرت مارے جائیں، بچے یتیم ہوں، عورتیں بیوہ ہوں، زنا بڑھے۔ کیا یہ سب رحمتِ خداوندی ہے، دین اسلام انسان سے خدا تک ایک صراطِ مستقیم قائم کرتا ہے۔ دو نقطوں کے درمیان فقط ایک ہی صراطِ مستقیم قائم ہو سکتا ہے، ذرا سا اختلاف صراطِ مستقیم سے اِدھر اُدھر کر دیگا، لہٰذا اختلاف رحمت نہ ہوا یہ بات دوسری ہے کہ چھوٹے امور کا اختلاف شدید عذاب کا باعث نہ ہو۔ لیکن وہ موجب ثواب تو نہیں ہو سکتا، غرضکہ ایک نہایت غیر ذمہ دارانہ طریقے سے ایسے گمراہ کن الفاظ میں یہ کلیہ قائم کیا گیا ہے کہ عقل سلیم کا قطعی فیصلہ یہ ہوتا ہے کہ یہ کلام رسولؐ نہیں ہے۔

(ب) کہیں یہ ممکن ہو سکتا ہے کہ ہر ایک صحابی پیروی کے قابل ہو۔ پیروی کے قابل صرف وہی شخص ہو سکتا ہے، جو کبھی غلط حکم نہ دے، غلط معانی قرآن نہ بتائے جس کا کوئی حکم وعمل خلاف شرع و خلاف انصاف نہ ہو، ورنہ لازم آئے گا کہ اس حدیث نجوم کی رو سے جناب رسول خدا نے گناہ و زیغ و ظلم کے اتباع کا حکم دیا جو قطعاً غلط ہے یہ وہی بحث ہے جو اختصار کے ساتھ علامہ محمد معین بن محمد امین سندی نے دراسات اللبیب میں تحریر کی ہے جو اوپر نقل ہوئی ہے، غرضکہ حدیث نجوم اس صورت ہی میں مطابق عقل ونقل کے

ہو سکتی تھی کہ جب ہم یہ ثابت کر سکیں کہ ہر ایک صحابی معصوم تھا، اور اس کا کوئی دعویٰ بھی نہیں کرتا، ثابت کرنا تو کجا، حالت تو یہ تھی کہ بہت سے اصحاب مرتکب کبائر کے مرتکب ہوتے تھے۔ تاریخ و سیر کی کتابیں شاہد ہیں کہ بہت سے صحابیوں پر زنا و شرب خمر کی حد جاری کرتے کرتے حضرت عمر تھک گئے تھے۔ ایسے بہت سے صحابیوں کی مثالیں دی جا سکتی ہیں۔ سمرہ ابن جندب بہت شراب پیتے تھے اور شراب فروخت کر کے اس سے نفع بھی حاصل کرتے تھے۔
حضرت عمر نے بار بار ان کو روکا مگر وہ باز نہ آئے ملاحظہ ہو۔ مسند شافعی، عن ابن عباس، مسند احمد حنبل عن ابن عباس، صحیح بخاری باب الانداب بحم المیتۃ ولا یباع، صحیح بخاری درباب یا ذکر عن بنی اسرائیل صحیح مسلم، سنن ابن ماجہ درباب التجارۃ فی الخمر، جامع الاصول ابن الاثیر جزری اور تفسیر لباب التاویل لعلاء الدین علی بن محمد بن ابراہیم البغدادی المعروف بالخازن در تفسیر آیہ یسئلونک عن الخمر امام غزالی احیاء العلوم میں لکھتے ہیں:-

ومن الوقت الذی نھی النبی صلی اللہ علیہ وسلم عن الربا فقال اول ربا اضعہ ربا العباس ما ترک الناس باجمعھم کما لم یترکوا شرب الخمر وسائر المعاصی حتی روی ان بعض اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم باع الخمر فقال عمر رضی اللہ عنہ لعن اللہ فلانا ھو اول من سن	اس وقت سے کہ جب سے جناب رسول خدا نے سود سے لوگوں کو منع کیا، چنانچہ آپ نے فرمایا کہ سب سے پہلا سود جو میں ضائع کرتا ہوں وہ میرے چچا عباس کا سود ہے اس وقت سے لوگوں نے من حیث الجماعت سود کو نہیں چھوڑا جس طرح انہوں نے شراب پینے کو اور دیگر معاصی کو بھی نہیں چھوڑا یہاں تک کہ مروی ہے کہ جناب رسول خدا کے بعض اصحاب شراب کو فروخت کرتے تھے جب یہ حضرت عمر نے فرمایا کہ خدا فلاں صحابی پر لعنت

ببیع الخمر۔	کرے وہ پہلا شخص ہے جس نے شراب کی تجارت کی سنت جاری کی۔

علی المتقی کنز العمال میں لکھتے ہیں :۔

عن ابن عباس قال رأیت عمر یقلب کفہ وھو یقول قاتل اللہ سمرۃ عویمل لنا بالعراق خلط فی فئی المسلمین عن الخمر والخنزیر فھی حرام و ثمنہا حرام (... ق ... اخرجہ عبد الرزاق فی مصنفہ والبیہقی فی سننہ)	ابن عباس سے مروی ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عمر کو دیکھا کہ وہ کفِ افسوس مل رہے تھے اور کہہ رہے تھے کہ خدا سمرہ کو برباد کرے وہ ہمارا عامل عراق میں ہے اور اس نے مسلمانوں کی فئی میں شراب و سور کے گوشت کی قیمت ملادی ہے ... وہ دونوں حرام ہیں اُن کی قیمت بھی حرام تھے۔

بہت سے صحابی ایسے تھے جو جاہل محض تھے اور بغیر سوچے سمجھے فتوے صادر کر دیتے تھے، اور وہ غلط ہو جاتے تھے، چنانچہ ابو موسیٰ نے فتوےٰ دیا کہ نبیذ سے وضو ساقط نہیں ہوتا، اور اگر کسی شوہر کے منہ میں اپنی عورت کے پستان پر بوسہ دیتے وقت احیاناً اس عورت کا دودھ چلا جائے تو نکاح ساقط و باطل ہو جاتا ہے۔ ملاحظہ ہو مبسوط علامہ شمس الدین سرخسی۔ موطائے امام مالک۔ حضرت ابو بکر کے زمانہ میں فتویٰ صادر کرنے کا طریقہ یہ تھا کہ جب کوئی مسئلہ پیش ہوتا تو اول قرآن شریف کی طرف رجوع کرتے، اگر وہاں جواب نہ ملتا تو سنتِ رسول خدا کی طرف رجوع کرتے، اور اگر وہ بھی نہ معلوم ہوتی تو جو صحابۂ رسول موجود ہوتے تو ان سے مشورہ کرتے۔ حضرت عمر و حضرت عثمان نے بھی یہی طریقہ جاری رکھا، ملاحظہ ہو۔ ابن سعد طبقات الکبریٰ ق ۲ ج ۲ ص ۱۰۹ زیر عنوان باب اہل العلم والفتویٰ من اصحابِ رسول صلعم۔ اور عبد السلام ندوی تاریخ فقۂ اسلامی ص ۱۶۸۔ یہ تو ناممکن ہے کہ کتاب اللہ جیسی جامع کتاب میں کسی مسئلہ کے لئے حکم نہ ہو۔ یہ بھی

نتیجہ نکلتا ہے کہ ان بزرگواروں میں کتاب الہی میں سے اخذ احکام کرنے کی قابلیت نہ تھی۔
مولوی عبد السلام صاحب نے اس اعتراض کو محسوس کیا اور اس کا اس غلط فقرہ سے جواب دیا کہ حضرت علی بھی ایسا ہی کرتے تھے، یہ صریحاً غلط ہے، حضرت علی نے تو اس تقلید کی شرط کو قبول نہ کرکے حکومت پر لات ماردی تھی وہ کیوں حضرات شیخین کی تقلید کرنے لگا یہ بات عقل میں آسکتی ہے کہ جو شخص سلونی عما شئتم قبل ان تفقدونی کی صلائے عام دے وہ سنت بکری وعمری کی طرف رجوع کریگا، حضرت ابوبکر وحضرت عمر کی بہت سی مسائل سے ناواقفیت کا تذکرہ ابن القیم نے اعلام الموقعین میں کیا ہے کنز العمال میں علی المتقی لکھتے ہیں کہ:۔

جاءت جدات الی ابی بکر فاعطی المیراث ام الام دون ام الاب فقال رجل یا خلیفہ رسول اللہ قد اعطیت المیراث التی لو انہا ماتت لم یرثہا فجعل ابوبکر المیراث بینہما۔ کنز العمال الجزء السادس ص ٦	متوفی کی دادی ونانی حضرت ابوبکر کے پاس آن کر اس کی میراث کی طالب ہوئیں۔ حضرت ابوبکر نے نانی کو میراث دیدی اور اس کی دادی کو نہ دی۔ ایک شخص نے کہا کہ اے خلیفہ رسول تم نے اس عورت کو میراث دیدی جو اگر خود مرجاتی تو اس کی میراث یہ شخص نہ پاتا، اس پر حضرت ابوبکر نے وہ میراث دونوں پر تقسیم کردی۔

حضرت خالد بن ولید کو لو۔ مالک بن نویرہ کو اس بہانہ سے قتل کردیا کہ وہ مرتد ہوگیا تھا، اور پھر اسی رات کو اس کی عورت سے ہمبستری کرلی، یہ واقعہ ہم تاریخ ابی الفدا سے نقل کرتے ہیں۔

وفی ایام ابی بکر منعت بنو یربوع الزکوٰۃ وکان کبیرہم مالک بن نویرہ وکان ملکا فارسا	حضرت ابوبکر کے زمانہ میں بنو یربوع نے زکوٰۃ ادا کرنے سے انکار کردیا، اور ان کا بزرگ مالک بن نویرہ تھا وہ بڑا شہسوار

مطاعا شاعرا قدم علی النبی صلی
اللہ علیہ وسلم واسلم فولاہ
صدقۃ قومہ فلما منع زکوٰۃ
ارسل ابوبکر الی مالک المذکور
خالد بن الولید فی مانعی الزکوٰۃ
فقال مالک انا آتی الصلوٰۃ دون
الزکوٰۃ فقال خالد اما علمت ان
الصلوٰۃ والزکوٰۃ معا لا تقبل احدٰہما
دون الاخریٰ فقال مالک قد
کان صاحبکم یقول ذلک
قال خالد اما تراہ لک صاحبا
واللہ لقد ھممت ان اضرب
عنقک ثم تجادلا فی الکلام
فقال لہ خالد انی قاتلک فقال
لہ او بذلک امرک صاحبک
قال وھذہ بعد تلک وکان
عبد اللہ بن عمر و ابو قتادہ الانصاری
حاضرین فکلما خالدا فی امرہ
فکرہ کلامھما فقال مالک یا
خالد ابعثنا الی ابی بکر فیکون
ھو الذی یحکم فینا فقال خالد
لا اقالنی اللہ ان اقلتک وتقدم
الی ضرار بن الازور بضرب عنقہ

قابل الاطاعت شاعر بادشاہ تھا جناب رسولخدا
سے اس نے ملاقات کی تھی اور آپ نے اس
کو اس کے ملک میں صدقات کا والی مقرر
کر دیا تھا جب اس نے زکوٰۃ ادا کرنے سے
انکار کیا تو مالک کی طرف ابوبکر نے خالد بن
ولید کو بھیجا، مالک نے کہا کہ میں نماز پڑھتا
ہوں ہاں زکوٰۃ ابوبکر کو نہ دوں گا۔ خالد
نے کہا کہ کیا نہیں جانتا صلوٰۃ وزکوٰۃ دونوں
ساتھ قبول کی جاتی ہیں مالک نے کہا کہ تمہارے
صاحب نے یہ کہا تھا، خالد نے کہا کہ کیا
وہ تیرے صاحب تھے قسم بخدا میں تجھے
قتل کروں گا۔ مالک نے کہا کہ کیا
تمہارے صاحب یعنی ابوبکر نے تم کو میرے
قتل کا حکم دیا ہے، عبداللہ ابن
عمر و ابو قتادہ انصاری بھی موجود
تھے ان دونوں نے مالک کے حق
میں خالد سے گفتگو کی، خالد کو ان
دونوں کی گفتگو بری معلوم ہوئی
مالک نے کہا کہ اے خالد ہم کو ابوبکر
کے پاس بھیج دے اور وہ ہمارا فیصلہ
کریں۔ خالد نے کہا کہ خدا مجھے نہ چھوڑے
اگر میں تجھ کو چھوڑوں اور ضرار
ابن ازور کو خالد کے قتل کا حکم

فالتفت مالک الی زوجته و	دیا، پس مالک نے اپنی زوجہ کی طرف
قال لخالد هذه التی قتلتنی	دیکھا اور خالد سے کہا کہ مجھے تو اس کی
وکانت فی غایة الجمال فقال	وجہ سے قتل کرتا ہے وہ عورت بہت حسین تھی
خالد بل الله قتلک برجوعک	خالد نے کہا کہ خدا نے تجھے اسلام سے پھر
عن الاسلام فقال مالک انا	جانے کی وجہ سے قتل کیا، مالک نے کہا کہ میں
علی الاسلام فقال خالد یا	تو مسلمان ہوں، خالد نے ضرار سے کہا کہ ا ے
ضرار اضرب عنقه فضرب	ضرار اس کی گردن مار دے پس ضرار نے اس
عنقه و قبض خالد امرأته	کی گردن مار دی اور خالد نے اس کی عورت
.. .. وقال للذین	کو اپنے قبضہ میں کرلیا۔ ..... ابن عمر نے
عمر نکتب الی ابی بکر و نعلمه	خالد سے کہا کہ ہم ابوبکر کو زوجہ مالک کے
بامرها و تزوجها فابی	معاملہ کی اور تیرا اس سے نکاح کرنیکے معاملہ کی اطلاع
و تزوجها و فی ذلک یقول ابو	کرتے ہیں لیکن خالد نہ مانا اور فوراً اس عورت سے نکاح
نمیر السعدی .	کرلیا ابو نمیر سعدی نے اس معاملہ پر اشعار کہے ہیں
الا قل لحی اوطئوا بالسنابک	"قبیلہ والوں سے کہدو کہ وہ لوگ سناؤں سے کچلے گئے
تطاول هذا اللیل من بعد مالک	اور مالک کے بعد رات کی تاریکی بڑھ گئی۔
قضی خالد بغیا علیه بعرسه	خالد نے اس کی عورت کی وجہ سے مالک کو قتل کرایا،
وکان له فیها هوی قبل ذلک	اور امر واقعہ تو یہ ہے کہ خالد کو پہلے ہی سے اس
	عورت سے عشق تھا"
ولما بلغ ذلک ابا بکر و عمر قال عمر	جب ابوبکر و عمر کو یہ خبر پہنچی تو عمر نے ابوبکر
لابی بکر ان خالدا قد زنی	سے کہا کہ بہ تحقیق خالد نے زنا کیا اس کو
فارجمه قال ما کنت ارجمه فانه	سنگسار کرو، حضرت ابوبکر نے کہا کہ میں اس کو
تاول فاخطاء قال فانه قد	سنگسار نہ کرونگا کیونکہ بات تو اتنی ہی کہ اس نے
قتل مسلما فاقتله قال ما کنت	قیاس کیا اور خطا کی حضرت عمر نے کہا کہ اس نے

اقتتل فانہ بتاؤل فاخطاء — ایک مسلمان کو قتل کر دیا اسے بھی قتل کرو۔
کتاب المختصر فی اخبار البشر لابی الفداء — حضرت ابو بکر نے کہا کہ میں اس کو قتل نہ کرونگا
الجزء الاول ص ۱۵۸ — اس نے قیاس کیا اور غلطی کی۔

یہ ہیں ہدایت کے ستارے، ان کے ہر ایک فعل کی پیروی کرو، ثواب بھی پاؤ، مزے بھی اڑاؤ، حالانکہ خالد ایسا ہی ایک فعل جناب رسول خداؐ کے زمانہ میں کر چکے تھے فتح مکہ کے بعد جناب رسول خداؐ نے خالد بن ولید کو بنو جذیمہ کی طرف بھیجا خالد ان کی طرف گئے۔ بنو جذیمہ نے کہا کہ ہم مسلمان ہیں خالد نے کہا کہ مسلمان ہو تو ہتھیار ڈال دو، انہوں نے ہتھیار ڈال دئے، خالد نے ان کو گرفتار کر کے قتل کرا دیا۔ جب جناب رسول خدا کو یہ خبر پہونچی تو آپ نے دونوں ہاتھ آسمان کی طرف اٹھا کر کہا کہ بار الٰہا میں بری الذمہ ہوں اس سے جو خالد نے کیا۔ پھر آنحضرت نے حضرت علی کو بلایا، اور ان کی معرفت بنو جذیمہ کے پاس دیت خون بھجوادی تاریخ طبری الجزء الثالث ص ۱۲۴۔

ایسی بہت سی مثالیں ہیں، سب کو لکھنا باعث طوالت ہوگا، حضرت عائشہ کے متعلق جو قصۂ افک ہے وہ قرآنی واقعہ ہے، بہت سے صحابی حضرت عائشہ کو متہم کرتے تھے کیا وہ قابل تقلید تھے۔

بہت سے صحابی محض فاسق و فاجر تھے جن کے فسق و فجور پر قرآن کریم شاہد ہے۔ چنانچہ بالاتفاق امت آیات قرآنی اِذَا جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَاءٍ فَتَبَيَّنُوا۔ اور اَفَمَنْ كَانَ مُؤْمِنًا كَمَنْ كَانَ فَاسِقًا لَا يَسْتَوُوْنَ میں فاسق سے مراد ولید بن عقبہ بن ابی معیط الاموی ہے۔ جو ماں کی طرف سے حضرت عثمان کا بھائی تھا، دیکھو۔

ابن عبد البر:۔ الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب ترجمہ ولید بن عقبہ۔
محمد بن طلحۃ الشافعی:۔ کتاب مطالب السئول الباب الاول الفصل السادس ص ۲۰
* واحدی:۔ اسباب النزول۔

جلال الدین سیوطی :۔ کتاب الدر المنثور الجزء الخامس ص ۱۷۸ ۔

ان حضرات کی خوش اعتقادی ملاحظہ ہو، اس ہی ولید بن عقبہ سے احادیث روایت کرتے ہیں اور اس کا ذکر رجال صحاح میں کرتے ہیں ملاحظہ ہوں تہذیب الکمال للمزی، الکاشف لذہبی اور تہذیب التہذیب و تقریب التہذیب لابن حجر عسقلانی

سب سے پہلی جھوٹی شہادت جو اسلام میں دی گئی وہ بھی ان بزرگواروں ہی نے دی تھی، جب جنگ جمل کے لئے حضرت عائشہ لشکر لے کر لڑائی کے لئے چڑھی ہیں تو راستہ میں چشمۂ حواب کے کتے آپ پر بھونکے۔ حضرت عائشہ نے دریافت کیا کہ یہ کون سی جگہ ہے، لوگوں نے جواب دیا یہ چشمۂ حواب ہے ۔ یہ سن کر آپ گھبرا گئیں اور فرمانے لگیں کہ میرے لئے سوائے اس کے چارہ نہیں کہ میں واپس ہو جاؤں، لوگوں نے پوچھا کہ حضرت اس اضطراب کا کیا سبب ہے حضرت عائشہ نے جواب دیا کہ ایک دن جناب رسول خدا نے اپنی ازواج کو مخاطب کرکے فرمایا کہ گویا میں دیکھتا ہوں کہ تم میں سے ایک کے اوپر حواب کے کتے بھونک رہے ہیں، اے حمیرا۔ خبردار! دیکھ وہ تو ہی نہ ہو، محمد ابن طلحہ صحابی نے کہا کہ یہ لوگ غلط کہتے ہیں، یہ چشمۂ حواب نہیں ہے، طلحہ و زبیر و عبداللہ ابن زبیر اور دیگر صحابہ گواہی میں پیش ہوئے اور پچاس صحابیوں نے قسم کھا کر یہ جھوٹی گواہی دی، اس واقعہ کے ثبوت کے لئے دیکھو کتب مندرجۂ ذیل ۔

ابن قتیبہ :۔ کتاب الامامت والسیاست، ذکر واقعۂ جمل اسر ۵۶ ۔

محمد بن جریر الطبری :۔ تاریخ الامم والملوک الجزء الخامس ذکر واقعۂ جمل ص ۱۷۱

ابن الاثیر :۔ تاریخ الکامل واقعہ جمل ۔

ابن خلدون :۔ اردو ترجمہ تاریخ ابن خلدون جلد چہارم ذکر واقعہ جمل ص ۲۹۹

ابوالفدا :۔ تاریخ الجزء الاول ذکر حوادث سنہ ست وثلاثین ص ۱۷۳

الحاکم :۔ مستدرک علی الصحیحین الجزء الثالث ص ۱۲۰ ۔

ابن حجر مکی: صواعق محرقہ باب ثامن ص ۱۷۔
تاریخ حبیب السیر: جلد اول جزء چہارم ص ۴۸۔
روضۃ المناظر فی علم الاوائل والاواخر در وقائع سنہ ۳۶ ہجری۔

حبیب السیر میں طلحہ و زبیر اور ان کے پسران کی اس غلط بیانی کا ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں:-

"وعبداللہ ابن زبیر تہمت از اعراب را مبلغ گراں رشوات داد تانزد ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا اداء شہادت نمودند کہ این موضع دیگر است وحواب نیست واول گواہی دروغ کہ دراسلام وقع شد این شہادت بود" حبیب السیر جلد اول جزء چہارم ص ۴۸۔

یہ حدیث موضوعہ احکام قرآنی اور اقوال مسلمہ نبوی کے خلاف ہے۔ قرآن شریف کی تو یہ تعلیم ہے۔

وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيعًا وَّلَا تَفَرَّقُوا (پارہ ۴ سورۂ آل عمران ع ۱۱)
وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ تَفَرَّقُوا وَاخْتَلَفُوا مِن بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْبَيِّنَاتُ وَأُولٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ۝ يَوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوهٌ وَتَسْوَدُّ وُجُوهٌ (پارہ ۴ سورۂ آل عمران ع ۱۱)
وَمَا يَعْلَمُ تَأْوِيلَهُ إِلَّا اللّٰهُ وَالرَّاسِخُونَ فِي الْعِلْمِ (پارہ ۳ سورۂ آل عمران ع ۱)
فَسْئَلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ إِن كُنتُمْ لَا تَعْلَمُونَ (پارہ ۱۴ سورۃ النحل ع ۶)
شَرَعَ لَكُم مِّنَ الدِّينِ مَا وَصَّىٰ بِهِ نُوحًا وَالَّذِي أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهِ إِبْرَاهِيمَ وَمُوسَىٰ وَعِيسَىٰ أَنْ أَقِيمُوا الدِّينَ وَلَا تَتَفَرَّقُوا فِيهِ (پارہ ۲۶ سورۃ الشوریٰ ع ۲)

قرآن شریف تفرقہ واختلاف کی کتنی مذمت کرتا ہے، خداوند تعالےٰ نے تصریح فرمادی کہ یہی حکم موسیٰ وعیسیٰ وابراہیم کو دیا گیا تھا اور یہی حکم تمہیں اے محمدؐ

دیا جاتا ہے کہ دین کو سیدھا رکھو، اور اس میں تفرقہ و اختلاف نہ پیدا کرو، اور اگر اے مسلمانو! تمکو قرآن شریف کی صحیح تاویل نہیں معلوم ہے تو اہل ذکر کی طرف رجوع کرو، قرآن شریف کی متشابہات کی صحیح تاویل صرف خدا اور راسخون فی العلم ہی جانتے ہیں، ہر ایک آدمی نہیں جانتا، ہر کس و ناکس کی طرف رجوع نہ کرو، کیا اب گمان ہوسکتا ہے کہ ان صریح احکام کی مخالفت کرتے ہوئے جناب رسول خداؐ نے حکم دیا کہ میرے ہر ایک صحابی کی پیروی سے ہدایت مل سکتی ہے، گویا ہر صحابی مکمل قرآن کی صحیح تاویل سے آگاہ ہے اور متشابہات کا بھی کامل علم رکھتا ہے، اور ان کا اختلاف تمہارے لئے رحمت ہے، کوئی کسی صحابی کی پیروی کرے اور آپس میں خوب اختلافات پیدا ہوں اور یہی رحمت ہے۔

یہی نہیں کہ اس موضوعہ حدیث سے مخالفت قرآن ہوتی ہے بلکہ یہ حدیث صحیح اقوال رسول کے بھی معارض ہے جناب رسول خداؐ کے مسلمہ اقوال ہیں کہ صرف میری عترت اور قرآن شریف ہی مل کر وہ حبل المتین ہیں جن کے ساتھ تمہیں تمسک کرنا چاہیئے، علی میرے شہر علم کا دروازہ ہے، جو علم حاصل کرنا چاہے وہ محض اس دروازے کے ذریعے سے آئے، حدیث نجوم کہتی ہے کہ نہیں ہر ایک صحابی ہدایت کا سرچشمہ ہے جس صحابی سے چاہو علم و ہدایت حاصل کرسکتے ہو ہر ایک حدیث کی کتاب اٹھاکر دیکھو۔ صحیح بخاری، صحیح مسلم، کنز العمال وغیرہ وغیرہ ہر ایک کتاب میں کتاب الفتن پاؤگے، ہم نے صفحات ۲۳ لغایت ۲۹ پر ان حدیثوں کو نقل کیا ہے جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ آنحضرتؐ کی رحلت کے بعد بہت سے فتنے اٹھیں گے جس میں بہت سے اصحاب رسول راہ ضلالت اختیار کریں گے، یہاں تک کہ جب قیامت کے دن حوض کوثر پر جناب رسول خداؐ موجود ہوں گے تو ان صحابیوں کو اس طرح اس حوض کے پاس سے ہنکا لے جائیں گے جس طرح اونٹ کو ہنکاتے ہیں۔ جناب رسول خداؐ فرمائیں گے کہ یہ تو میرے اصحاب ہیں حکم ہوگا کہ تم کو نہیں معلوم تمہارے بعد انہوں نے کیا کیا فتنے پیدا کئے اس پر جناب رسول خدا

فرمائیں گے کہ دور کرو اس کو میرے پاس سے، اگر ہر ایک صحابی استعداد ہدایت و رہنمائی رکھتا ہے تو یہ صبح و شام کا فر ہو جانا کیسا، اور حوض کوثر پر سے ذلت کے ساتھ ہنکایا جانا کیسا۔ اور پھر عشرۂ مبشرہ کیسا۔ ہر ایک صحابی جنتی ہو گیا۔

سید شہاب الدین توضیح الدلائل علی ترجیح الفضائل میں لکھتے ہیں۔

اتقوا الله ایها الناس حق تقاته
ولا تموتن الا وانتم مسلمون
واعلموا ان الله بکل شیء محیط
وانه سیکون من بعدی
اقوام یکذبون علی فیقبل
منهم ومعاذ الله ان اقول علی
الله الا الحق او انطق بامر الله
الا بالصدق ما آمرکم الا ما امرنی
به ولا ادعوکم الا الی الله و
سیعلم الذین ظلموا ای منقلب
ینقلبون فقام الیه عبادة الصامت
فقال متی ذالک یا رسول الله ومن
هؤلاء عرفناهم لنحذرهم قال
اقوام استعدوا الناس من یومهم
وسیظهرون لکم اذا بلغت
النفس منی هٰهنا واومی صلی
الله علیه وبارک وسلم الی
حلقه فقال عبادة اذا کان
ذلک فاتی من یا رسول الله

جناب رسول خدا نے فرمایا کہ اے لوگو! خدا سے
ڈرو جیسا کہ اس سے ڈرنے کا حق ہے اور
مرتے دم تک مسلمان رہو، اور جان لو
کہ خداوند تعالیٰ سب شئے کو محیط کئے
ہوئے ہے، معلوم کرو کہ فوراً میرے
بعد ایسے لوگ ظاہر ہوں گے۔
جو میرے اوپر جھوٹ بولیں گے اور میری نسبت
جھوٹی حدیثیں لوگوں میں بیان کریں گے۔
اور وہ قبول کرلی جائیں گی میں پناہ مانگتا ہوں
خدا کی طرف اس بات سے کہ میں خدا
کی طرف سے حق کے علاوہ کچھ اور کہوں یا
تم کو ایسی بات کا حکم دوں جس کا خدا نے
حکم نہیں دیا یا خدا کے سوا اور کی طرف
تمہیں بلاؤں، عنقریب یہ ظالم لوگ
معلوم کریں گے کہ ان کا کیا حشر ہوتا ہے،
پس عبادہ بن صامت کھڑے ہو گئے
اور سوال کیا کہ اے رسول خدا یہ کب
واقع ہوگا تاکہ ہم ان لوگوں کو پہچان
لیں اور ان سے پرہیز کریں آپ نے

فقال صلی اللہ علیہ وبارک وسلم علیکم بالسمع والطاعۃ للسابقین من عترتی والآخذین من نبوتی فانہم یصدونکم عن الغی ویدعونکم الی الخیر وھم اھل الحق ومعاون الصدق یحیون فیکم الکتاب والسنۃ ویجنبونکم الالحاد والبدعۃ ویقمعون بالحق اھل الباطل لا یمیلون مع الجاھل۔

فرمایا کہ یہ جماعت اپنے ظاہری اسلام لانے کے دن ہی سے اپنی تیاری میں مشغول ہے (لیکن پوشیدہ طور سے) اور تم پر وہ فوراً ظاہر ہو جائیں گے، جب میرا سانس یہاں تک پہونچیگا اور آپ نے اپنے حلقوم کی طرف اشارہ کیا، عبادہ بن صامت نے کہا کہ جب ایسا ہو تو ہم کیا کریں اور کس طرف پناہ لیں آپ نے فرمایا کہ میرے عترت میں سے سابقین (یعنی علی مرتضیٰ) کی طرف اور ان کی اطاعت کرو اور ان کے قول کو مانو وہ میری نبوت کے آخذین ہیں، وہ تم کو بدی سے بچائیں گے، خیر کی طرف لے جائیں گے وہ اہل حق ہیں، معاون صدق ہیں، وہ تم میں کتاب وسنت کو زندہ کریں گے۔ الحاد و بدعت سے تم کو بچائیں گے، اہل باطل کا قلع وقمع کریں گے، اور جاہلوں کی طرف رُخ نہیں کریں گے۔

کیسی صریح پیشین گوئی ہے جو حرف بحرف پوری ہوئی، ابھی آپ کی رحلت میں چند گھنٹے باقی تھے، جو آپ کو تحریر وصیت نامہ سے روکا گیا، اور آپ کی نسبت کہا گیا کہ یہ تو ہذیان بک رہے ہیں، اس جماعت کی کوششیں سقیفہ بنی ساعدہ میں بارآور ہوئیں، تاریخ اسلام اپنے پہلے صفحے سے آخری صفحہ تک ایک بین ثبوت ہے اس امر کا کہ اختلاف صحابہ اسلام کے لئے رحمت نہیں۔ بلکہ عذاب الٰہی ثابت ہوا۔

(۷) حدیث اقتداء

حدثنا وکیع عن سفیان عن عبد الملک بن عمیر مولی لربعی

(اسماء راویان عربی عبارت میں ملاحظہ فرمائیے) حذیفہ سے مروی ہے، وہ

عن خراش عن ربعي عن حذيفة
قال كنا جلوسا عند النبي
صلى الله عليه وسلم فقال
اني لا ادري ما قدر بقائي فيكم
فاقتدوا بالذين من بعدي و
اشار الى ابي بكر وعمر واهتدوا
بهدي عمار وما حدثكم ابن
مسعود من شيء فصدقوا -

کہتے ہیں کہ ایک دن ہم جناب رسول خدا
کی خدمت میں حاضر تھے۔ آپ نے فرمایا
کہ میں نہیں جانتا کہ میری زندگی تمہارے
درمیان میں اور کتنی ہے۔ میرے بعد
تم ان کی پیروی کرنا اور آپ نے ابوبکر اور
عمر کی طرف اشارہ کیا اور پھر فرمایا کہ پیروی
کرو جس کی طرف عمار ہدایت کرے اور جو
بات ابن مسعود کہے اس کی تصدیق کرو۔

اس حدیث کو امام احمد بن محمد بن حنبل شیبانی نے اپنے مسند میں ترمذی نے
اپنی جامع میں اور حاکم نے مستدرک میں بیان کیا ہے مگر ان سب کی اسناد میں عبدالملک
بن عمیر واقع ہوا ہے جس کی خود امام احمد حنبل نے بہت زوردار الفاظ میں تضعیف کی ہے
علامہ ذہبی کی میزان الاعتدال الجزء الثانی ص ۱۵۱ میں سے ذیل
کی عبارت عبدالملک بن عمیر کے متعلق ہم نقل کرتے ہیں۔

قال ابو حاتم ليس بحافظ تغير
حفظه وقال احمد ضعيف يغلط
وقال ابن معين مخلط وقال
ابن خراش كان شعبة لا يرضاه
وذكر الكوسج عن احمد انه ضعفه
جدا -

ابو حاتم کہتے ہیں کہ اس کا حافظہ متغیر ہو گیا
تھا۔ امام احمد کہتے ہیں کہ وہ ضعیف ہے ابن
معین کہتے ہیں کہ احادیث میں اختلاط
کر دیتا ہے ابن خراش کہتے ہیں کہ شعبہ اس کا
اعتبار نہیں کرتا تھا اور کوسج نے احمد سے
نقل کیا ہے کہ وہ بہت ہی ضعیف ہے۔

علامہ ذہبی تہذیب التہذیب میں کہتے ہیں۔

عبد الملك بن عمير بن سويد
القرشي اللخمي ابو عمرو ويقال
ابو عمر الكوفي بالقبطي قال

عبدالملک بن عمیر بن سوید القرشی ابو
عمرو۔ علی بن الحسین الہجانی کہتے ہیں
کہ میں نے احمد حنبل کو کہتے ہوئے سنا ہے

علی بن الحسین الهجانی سمعت احمد بن حنبل یقول عبد الملك بن عمیر مضطرب الحدیث جدا مع قلة روایته ما اری له خمس مائة حدیث وقد غلط فی کثیر منها	کہ عبد الملک بن عمیر بہت ہی مضطرب الحدیث ہے حالانکہ اسکے پاس بہت ہی کم احادیث ہیں میں نے پانچصد سے زیادہ اسکے پاس احادیث نہیں دیکھیں لیکن ان میں بھی کثرت غلط حدیثوں کی ہے۔

نیز ملاحظہ ہو ابن حجر عسقلانی۔ تہذیب التہذیب ترجمہ عبد الملک بن عمیر۔ عبد الغنی۔ کمال۔

سمعانی نے کتاب الانساب میں لکھا ہے کہ عبد الملک بن عمیر مدلس تھا یعنی تدلیس کرتا تھا۔

اس حدیث کے اسناد میں حذیفہ سے روایت کرنے والا ربعی بن خراش ہے اور یہ ثابت ہے کہ ربعی بن خراش نے حذیفہ سے سماعت حدیث نہیں کی۔ علامہ مناوی نے فیض القدیر میں اس حدیث کو ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے:-

قال البزار وابن حزم لا یصح لانه عبد الملك لم یسمعه من ربعی وربعی لم یسمع من حذیفة لکن له شاهد۔	ابن حزم اس حدیث کو غلط کہتے ہیں کیونکہ عبد الملک نے ربعی سے سماعت حدیث نہیں کی اور ربعی نے حذیفہ سے سماعت حدیث نہیں کی۔

اس حدیث کے ایک طریقہ اسناد میں سالم بن علاء مرادی بھی ہے اور وہ مجروح و مقدوح ہے، علماء حدیث کی ایک جماعت نے جن میں سے ابن معین و نسائی ہیں اس کی تضعیف کی ہے۔ دیکھو میزان الاعتدال ذہبی کاشف علامہ ذہبی، تہذیب التہذیب ابن حجر عسقلانی۔

اس کے اسناد میں عمرو بن حرم بھی ہے، اور وہ بھی ضعیف و مجروح ہے۔ دیکھو میزان الاعتدال ذہبی، کاشف علامہ ذہبی۔

تہذیب التہذیب ابن حجر عسقلانی ۔
اس کے اسناد میں عمرو بن ہرم بھی ہے اور وہ بھی ضعیف و مجروح ہے ۔ دیکھو میزان الاعتدال ۔ ذہبی الجزء الثانی ص ۳۰۲ ترجمہ عمرو بن حرم ۔
اس حدیث کو ابن مسعود سے بھی روایت کیا گیا ہے مگر ساتھ ہی اس کی تضعیف بھی کر دی گئی ہے، چنانچہ صحیح ترمذی میں ہے ۔

حدثنا ابراھیم بن اسمعیل بن یحییٰ بن سلمہ بن کھیل ثنی ابی عن ابیہ عن سلمہ بن کھیل عن ابی الزعراء عن ابن مسعود قال قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اقتدوا باللذین من بعدی من اصحابی ابی بکر و عمر اھتدوا بھدی عمار و تمسکوا بعھد ابن مسعود ھذا حدیث غریب من ھذا الوجہ عن حدیث ابن مسعود لا نعرفہ الا من حدیث یحییٰ بن سلمہ بن کھیل و یحییٰ بن سلمہ یضعف فی الحدیث و ابو الزعراء اسمہ عبد اللہ بن ھانی و ابو الزعراء الذی روی عنہ شعبہ والثوری و ابن عیینہ اسمہ عمرو بن عمرو وھو ابن اخی ابی الاحوص صاحب ابن مسعود

(اسمائے رواۃ عربی میں ملاحظہ فرمائیے) ابن مسعود سے مروی ہے کہ فرمایا جناب رسول خدا نے کہ میرے بعد میرے اصحاب میں سے ابوبکر و عمر کی پیروی کرو ۔ اور عمار کی ہدایت پر چلو اور ابن مسعود کے قول کے ساتھ تمسک کرو، لیکن یہ حدیث غریب ہے کیونکہ اس کو ابن مسعود کی روایت سے سوائے یحییٰ بن سلمہ بن کہیل کے اور کسی ذریعہ سے نہیں جانتے اور علماء حدیث نے یحییٰ بن سلمہ کی تضعیف کی ہے اور ابو الزعراء کا نام عبد اللہ بن ہانی ہے اور ابو الزعراء وہ ہے جس سے شعبہ و ثوری نے روایت کی ہے، اور ابن عیینہ کا نام عمرو بن عمرو ہے، اور وہ ابو الاحوص کے بھائی کا لڑکا ہے ۔ یہ ابو الاحوص ابن مسعود کا مصاحب ہے ۔

آپ نے دیکھا خود ترمذی نے اس کی تضعیف کردی۔ علامہ ذہبی مغنی میں کہتے ہیں کہ ابراہیم بن سمعیل بن یحیٰی بن سلمہ بن کہیل ضعیف ہے اور اس کو علماء حدیث نے ترک کر دیا ہے، ابن حجر عسقلانی نے تہذیب التہذیب میں بہت سے علماء کا قول لکھا ہے جو ابراہیم بن سمعیل کی تضعیف کرتے ہیں اور اس کو ترک کرتے ہیں۔

اسی طرح اسمٰعیل بن یحیٰی متروک اور مجروح ہے، دار قطنی اور ابن جوزی کہتے ہیں کہ وہ متروک و مجروح ہے، دیکھو میزان الاعتدال ذہبی و تہذیب التہذیب ابن حجر عسقلانی اور مغنی علامہ ذہبی۔

یحیٰی بن سلمہ بن کہیل بھی متروک مجروح ہے ملاحظہ ہو میزان الاعتدال ذہبی الجزء الثالث ص ۲۹۱ و کاشف ذہبی اور کمال عبد الغنی بن سعید۔

یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ شیخین یعنی بخاری و مسلم نے اپنی اپنی صحیح میں اس حدیث کو روایت نہیں کیا، اور اس کو ترک کر دیا ہے۔ علامہ ذہبی نے قطعی کہہ دیا ہے کہ یہ حدیث جھوٹی ہے۔ دیکھو میزان الاعتدال الجزء الثانی ص ۴۰۳۔

(۹) خذ واشطر دینکم عن هذه الحمیرا۔

اس کے جھوٹے اور موضوع ہونے کو خود علماء گروہ اہل حکومت نے تسلیم کیا ہے۔ چنانچہ جمال الدین ابو الحجاج یوسف بن عبد الرحمٰن المزی اس کو منکر جانتے ہیں جیسا کہ در منتشرہ جلال الدین سیوطی و تمیز الطیب من الخبیث عبد الرحمٰن شیبانی و تذکرۃ الموضوعات و مجمع البحار محمد طاہر فتنی و رسالہ موضوعات کبریٰ و مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ملا علی قاری شرح مواہب لدنیہ محمد بن عبد الباقی زرقانی و صبح صادق، نظام الدین سہالوی و فوائد مجموعہ شوکانی کے مطالعے سے ظاہر ہوتا ہے کتاب التقریر والتحبیر میں علامہ ابن امیر الحاج اس حدیث کی جرح و تدح

کر کے لکھتے ہیں :-

قال الشیخ سراج الدین بن الملقن وقال الحافظ جمال الدین المزی لما اقف علی سند الی الآن بل قال تاج الدین السبکی وکان شیخنا الحافظ ابو الحجاج المزی یقول کل حدیث فیہ لفظ الحمیرا لا اصل لہ الاحدیثا واحدا فی النسائی

شیخ سراج الدین اور حافظ جمال الدین المزی کہتے ہیں کہ ہم اب تک اس حدیث کے اسناد سے واقف نہیں ہوئے بلکہ امر واقعہ تو یہ ہے جیسا کہ حافظ جمال الدین المزی یا تاج الدین السبکی اور ہمارے شیخ ابو الحجاج المزی کہتے ہیں ہر ایک حدیث جس میں لفظ حمیرا واقع ہے غلط ہے سوائے ایک حدیث کے جس کو نسائی نے نقل کیا ہے۔

علامہ سیوطی درر منتشرہ میں اس حدیث کی قدح میں نقلاً عن ابن کثیر کہتے ہیں :-

وقال لشیخنا الذہبی ہو من الاحادیث الواہیۃ التی لا یعرف لہا اسناد

یعنی ہمارے شیخ علامہ ذہبی کہتے ہیں کہ یہ حدیث ان واہیات اور بیہودہ احادیث میں سے ہے کہ جس کی کوئی اسناد ہی نہیں

علامہ ذہبی کی اس لئے کو رسالہ موضوعات کبری تصنیف ملا علی قاری و صبح صادق مولوی نظام الدین اور فواتح الرحموت مولوی عبد العلی میں قبول کیا گیا ہے اور دوہرایا گیا ہے۔ ابو الفدا اسمٰعیل بن عمر القرشی المعروف بابن کثیر نے اپنی کتاب تخریج احادیث مختصر ابن الحاجب میں اس حدیث کی تنقید کی ہے، اور اسے موضوع ثابت کیا ہے چنانچہ علامہ سیوطی درر منتشرہ میں اس حدیث کے ذکر میں لکھتے ہیں

وقال الحافظ عماد الدین بن کثیر فی تخریج احادیث مختصر ابن الحاجب

عماد الدین بن کثیر اپنی کتاب تخریج احادیث مختصر ابن الحاجب

هو حديث غريب جدا بل هو حديث منكر سألت عنه شيخنا الحافظ ابا الحجاج المزي فلم يعرفه قال ولم اقف له على سند الى الآن وقال شيخنا الذهبي هو من الاحاديث الواهية لا يعرف لها اسناد۔

میں کہتے ہیں کہ یہ حدیث غریب ہے بلکہ بہت ہی منکر ہے، میں نے اپنے شیخ ابوالحجاج مزی سے اس کی نسبت دریافت کیا تو انہوں نے کہا کہ میں اس حدیث کو نہیں جانتا اور نہ اس کے اسناد سے واقف ہوں اور ہماری شیخ علامہ ذہبی کہتے ہیں کہ یہ ان واہیات احادیث میں سے ہے جس کی کوئی سند نہیں۔

علامہ شمس الدین سخاوی اپنی کتاب مقاصد حسنہ میں لکھتے ہیں:-

حديث خذوا شطر دينكم عن الحميراء قال شيخنا في تخريج ابن الحاجب من املائه لا اعرف له اسنادا ولا رايته في شئ من كتب الحديث الا في النهاية لابن الاثير ذكره في مادة ح م ر ولم يذكر من خرجه ورايته ايضا في كتاب الفردوس لكن بغير لفظه وذكره من حديث انس بغير اسناد ايضا ولفظه خذوا ثلث دينكم من بيت الحميراء وبيض له صاحب مسند الفردوس فلم يخرج له اسنادا وذكر الحافظ عماد الدين بن كثير انه سأل الحافظين المزي والذهبي عنه فلم يعرفاه

حدیث خذوا شطر دینکم الخ ابن حجر کہتے ہیں کہ میں اس کے اسناد سے واقف نہیں اور نہ میں نے اس کو کسی حدیث کی کتاب میں سوائے نہایۃ الابن الاثیر کے دیکھا، ابن الاثیر نے نہایہ میں اس کو مادہ ح م ر کے نیچے ذکر کیا ہے۔ لیکن یہ نہیں لکھا کہ کس نے اس حدیث کا اخراج کیا ہے، اور حافظ عماد الدین ابن کثیر کہتے ہیں کہ میں نے مزی و ذہبی سے اس حدیث کے متعلق دریافت کیا، ان دونوں نے کہا کہ ہم اس کو نہیں جانتے۔

رسالہ موضوعات کبریٰ میں ملا علی قاری نے صرف وہ احادیث لکھی ہیں جن کا موضوع ہونا متفق علیہ ہے، جن کے موضوع ہونے میں اختلاف ہے ان کو نہیں لکھا۔ اپنے اس اصول کا ذکر خود انہوں نے اس رسالہ میں کیا ہے ہم موضوعاتِ کبریٰ کی عبارت ذیل میں درج کرتے ہیں:۔

حدیث خذوا شطر دینکم عن الحمیراء وهی عائشة وتصغیر الحمراء بمعنی البیضاء علی ما فی النهایة والشطر النصف قال العسقلانی لا اعرف له اسنادا ولا رأیته فی شیء من کتب الحدیث الا فی النهایة لابن الاثیر ولم یذکر من خرجه وذکر الحافظ عماد الدین ابن کثیر انه سأل المزی والذهبی فلم یعرفاه وذکره فی الفردوس بغیر اسناد وبغیر هذا اللفظ ولفظه خذوا ثلث دینکم من بیت الحمیراء وبیض له صاحب مسند الفردوس ولم یخرج له اسنادا کذا ذکره السخاوی وقال السیوطی لم اقف علیه و قال الحافظ عماد الدین بن کثیر فی تخریج احادیث مختصر ابن الحاجب غریب جدا بل هو حدیث منکر

حدیث خذوا شطر دینکم الخ حمیرا سے مطلب عائشہ ہے اور الحمراء کی تصغیر ہے اس کے معنی بیضاء یعنی سفید کے ہیں۔ جیسا کہ نہایہ میں درج ہے اور شطر کے معنی نصف کے ہیں علامہ ابن حجر عسقلانی کہتے ہیں کہ اس حدیث کی اسناد معلوم نہیں ہیں اور نہ میں نے اسکو کسی حدیث کی کتاب میں سوائے النہایہ ابن الاثیر کے دیکھا ہے اور ابن الاثیر نے یہ نہیں لکھا کہ کس نے اس حدیث کی تخریج کی ہے حافظ عماد الدین ابن کثیر لکھتے ہیں کہ میں نے مزی و ذہبی سے اس حدیث کی نسبت دریافت کیا وہ دونوں اس سے واقف نہیں تھے فردوس میں بھی بغیر اسناد کے ذکر ہے اور ہاں الفاظ دیگر کے ساتھ ہے اسکے یہ الفاظ ہیں اپنے دین کے تین حصے عائشہ کے گھر سے حاصل کرو صاحب مسند نے بھی اس کی اسناد نہیں لکھیں اسی طرح سخاوی نے تنقید کی ہے اور علامہ سیوطی کہتے ہیں کہ میں اس حدیث سے واقف نہیں اور حافظ عماد الدین بن کثیر تخریج احادیث مختصر ابن الحاجب

سألت عنه شيخنا الحافظ المزی	میں کہتے ہیں کہ یہ حدیث غریب ہے بلکہ بہت ہی
فلم يعرفه وقال لم اقف له على	منکر ہے میں نے اپنے شیخ حافظ مزی سے اس کا ذکر
سند الى الآن وقال شيخنا	کیا تو انہوں نے کہا کہ میں اس شخص کو نہیں جانتا او
الذهبی هو من الاحاديث الواهية	اب تک اسکی اسناد مجھے معلوم نہیں اور ہمارے شیخ ذہبی
التی لا يعرف لها اسنادا انتهى لكن	کہتے ہیں کہ یہ ان واہیات احادیث میں سے ہے
فی الفردوس من حديث انس	کہ جن کے اسناد معلوم نہیں ہیں، مسند فردوس میں
خذوا ثلث دينكم من بيت عائشه	یہ حدیث انس بن مالک سے مروی ہے لیکن اس کے
ولم يذكر له اسنادا ۔	بھی اسناد اس حدیث کے نہیں بیان کئے ۔

اتنا لکھنے کے بعد علامہ ملا علی قاری کہتے ہیں کہ اگرچہ حدیث صحیح و قابل اعتبار نہیں ہے مگر اسکے معنی تو صحیح ہیں کیونکہ حضرت عائشہ واقعاً علم دین سے واقف تھیں، لیکن یہ جواب غیر متعلق ہے، سوال یہ نہیں ہے کہ ملا علی قاری کی رائے میں حضرت عائشہ کے علم دین کا کیا درجہ ہے۔ سوال تو یہ ہے کہ آیا جناب رسول خدا کی کیا رائے تھی اور آیا انہوں نے یہ حدیث بیان فرمائی یا نہیں اور بھی بہت سے صحابی ہوں گے جن کے متعلق ہم میں سے کوئی علیحدہ علیحدہ رائے رکھ سکتا ہے۔ مگر یہاں ہماری رائے کا سوال نہیں، اور اگر ہماری رائے کا سوال ہے تو حکم قرآن کے برخلاف گھر سے نکل کر خلیفہ جائز کے خلاف جنگ پر چڑھنا اور ہزاروں مسلمانوں کا خون کرانا علم دین کی زیادتی کی نشانی سمجھی جاتی ہی تو اس خوش اعتقادی کا علاج ہمارے پاس نہیں ہی۔

محمد بن عبد الباقی زرقانی شرح مواہب لدنیہ قسطلانی میں تحریر کرتے ہیں ۔

واما حديث خذوا شطر دينكم عن هذه الحميراء المذكور فی النهاية بلا عزو وحديث خذوا ثلث دينكم من بيت الحميراء المذكور فی الفردوس بلا اسناد وبيض ولده بسنده فذكر الحافظ ابن كثير انه سأل عنه المزی والذهبی فلم يعرفاه وكذا قال الحافظ (يعنی

ابن حجر) فی تخریج ابن الحاجب لا اعرف له سندا۔ (شرح زرقانی علی مواہب لدنیہ قسطلانی، جزء الثالث ص ۲۳۲ در ذکر عائشہ ام المومنین)

ترجمہ:۔ الفاظ تقریباً وہی ہیں جن کا ترجمہ اوپر گزر چکا ہے۔ وہ بھی یہی کہتے ہیں کہ اس حدیث کا ماخذ نہایہ ابن الاثیر ہے۔

غرضکہ اس حدیث کی حقیقت بس اتنی ہوئی کہ صرف ابن الاثیر کی النہایۃ میں ح م ر مادہ کی نیچے بغیر اسناد کے درج ہے۔ اور وہاں سے سب نے اس کو نقل کر لیا۔ علامہ شوکانی نے فوائد مجموعہ فی الاحادیث الموضوعہ میں اس حدیث کی تضعیف کی ہے۔

ملاحظہ ہو:۔ حدیث انا مدینۃ العلم وعلیؓ بابہا کے مقابلہ میں ایک حدیث کس طرح وضع کی جاتی ہے اور وضع کرنے والا کون ہے، وہ جو کذاب تسلیم کر لیا گیا ہے۔

قال حمد الرہاوی لما ظہر لاصحابنا	احمد الرہاوی کہتا ہے کہ جب اسماعیل
کذب اسماعیل (ابن علی بن الحسن	کا جھوٹ لوگوں پر ظاہر ہوا تو جتنی احادیث
بن بندار) احضروا جمیع ما	انہوں نے اس سے تحریر کی تھیں سب کو
کتبوا عنہ وشققوہ ورموا بہ	ایک جگہ جمع کر کے اس کے سامنے ٹکڑے
بین یدیہ وکان علی ویتکلم	ٹکڑے کر دیا یہ اس وقت بیت المقدس کے
علی الناس عند باب بیت المقدس	دروازے کے پاس وعظ کر رہا تھا۔
وکان حمد ھذا امام قبۃ الصخرۃ	یہ حمد الرہاوی امام قبہ صخرۃ ایک دفعہ
وکان مرۃ یعظ بدمشق فقام الیہ	یہ دمشق میں وعظ کر رہا تھا کہ ایک
رجل فقال ایھا الشیخ ما تقول	آدمی کھڑا ہوا اور اس نے سوال کیا کہ حدیث
فی قولہ علیہ السلام انا مدینۃ	انا مدینۃ العلم وعلیؓ بابہا کی نسبت تم
العلم وعلیؓ بابہا فاطرق لحظۃ	کیا کہتے ہو اسمٰعیل نے کچھ دیر کے لئے تو اپنا

ثم رفع راسه وقال نعم لا یعرف هذا الحدیث علی التمام الا من کان صدرًا فی الاسلام انما الحدیث انا مدینة العلم وابوبکر اساسها وعمر حیطانها وعثمان سقفها وعلی بابها فاستحسن الحاضرون ذلک وهو یردده ثم سألوه ان یخرج لهم اسناده فانعم ولم یخرجه لهم ثم بعد مدة وجد هذا الحدیث فی جزء یعنی اخترع له اسنادًا واودعه ذالک الجزء۔

سر جھکا لیا اور پھر سر اٹھایا اور کہا کہ ہاں یہ حدیث صدر اسلام سے چلی آتی ہے۔ مگر اصلی حدیث یہ ہے کہ میں علم کا شہر ہوں۔ ابوبکر اس کی بنیاد ہے، عمر اس کی دیواریں ہے اور عثمان اس کی چھت ہے اور علی اس کا دروازہ ہے جو لوگ موجود تھے انہوں نے اس کو پسند کیا اور اسمٰعیل بار بار اس کو دہراتا تھا پھر لوگوں نے پوچھا کہ اس کے راویان کون ہیں کہا بتاتا ہوں لیکن بتا نہ سکا مدت کے بعد اس کی ایک کتاب میں یہ حدیث لکھی ہوئی دیکھی گئی اور اس میں اس نے اس کے راویوں کے نام اپنے دل سے اختراع کرئے تھے۔

ابوالقاسم علی بن الحسن هبة الله المعروف ابن عساکر۔ التاریخ الکبیر حصہ تہذیب الجلد الثالث ترجمہ اسمٰعیل بن علی بن الحسن بن بندار ص ۳۵۔

اسمٰعیل بن علی بن الحسن بن بندار اس حدیث کا وضع کرنے والا ہے۔ یہ شخص جھوٹی احادیث وضع کرنے کا عادی تھا لوگوں نے اس کی موضوعہ حدیثوں کا پلندہ اسکے سامنے جلا دیا کھڑے کھڑے یہ حدیث وضع کی، اس وقت راویوں کے نام جلدی میں نہ گھڑ سکا، یہ بعد کا کام ہے اور حدیث کیسی بھونڈی ہے۔ شہر کیا ہوا، مکان ہوا، ظاہر ہے کہ کافر لوگ تو نبی کے علم کی دیواریں اور بنیادیں نہیں ہو سکتیں جب تک کہ عمر ایمان نہ لائے، یہ شہر بغیر دیواروں کے رہا، لیکن اس پر سقف پہلے بغیر دیواروں کے چڑھائی گئی کیونکہ عثمان ایمان لے آئے تھے قبل اس کے کہ عمر ایمان لائیں جن دیواروں نے اس شہر کا احاطہ کیا ہوا تھا وہ ایسی تھیں کہ لولا علیؑ لھلک عمر۔ یہ اچھا علم ہے اور جب بقول حضرت ابوبکر ان پر شیطان چڑھتا تھا تو پھر تو نبوت کے

علم کے شہر کی بنیادیں متزلزل ہو جاتی ہوں گی۔ لگے نہ لگے بوجھوں تو مرے۔

۹۔ لو کان بعدی نبیٌ لکان عمر۔ اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو حضرت عمر ہوتے۔

عقلاً یہ حدیث قطعاً بے معنی ہے اور نقلاً غلط محض۔ یہ امر واقعہ ہے کہ حضرت عمر آنحضرت کی بعثت کے کئی سال بعد ایمان لائے اسوقت جب کہ بہت سے کفار مسلمان ہو چکے تھے، اور اس دین کی ترقی اور آئندہ کی وجاہت لوگوں پر آشکارا ہو چکی تھی، اتنے عرصہ تک آپ کافر ہی رہے اور اس سے پہلے ساری عمر کفر ہی میں گذاری تھی۔ ہم نے تو کسی نبی کو نہیں دیکھا یا سُنا کہ اپنی عمر کے کسی حصہ میں سوائے خدا کے کسی کی پرستش کی ہو، باوجودیکہ بت پرستوں بلکہ بت تراشوں کے گھر میں پیدا ہونے کے حضرت ابراہیم نے کبھی بت پرستی نہیں کی بلکہ خدا سے کفر کبھی نہیں کیا۔ النبی نبیٌ و لو کان صبیاً نبیوں کو چھوٹے میں تبلیغ رسالت و ہدایت کرتے سنا ہے، کسی نبی کی مثال نہیں پیش کی جاسکتی جو اپنی عمر کے کسی حصہ میں کافر رہا ہو، برعکس اس کے گروہ حکومت آنحضرت سے حضرت عمر کی نبوت کی شہادت دلاتے ہیں۔ اگر یہ حدیث صحیح تھی تو سقیفہ بنی ساعدہ کے معرکے میں کیوں نہ پیش کی گئی، اسکے بعد جب حضرت علی نے اپنے حق خلافت اور فضیلت کی دلائل پیش کیں تو حضرات شیخین کیوں سربگریباں ہو کر خاموش ہو گئے، کیوں اس حدیث کو پیش نہ کیا، ان سب باتوں کو جانے دو۔ مثیل نبی کے ہوتے ہوئے حضرت ابوبکر کو کیوں خلافت پیش کی گئی۔ حضرت ابوبکر کی شان میں جو موضوعہ احادیث ہیں ان سے بھی یہ معارض ہے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ آنحضرت نے فرمایا کہ جو کچھ خدا نے میرے سینے میں ڈالا تھا وہ سب کا سب جوں کا توں میں نے ابوبکر کے سینہ میں ڈال دیا، ساری نبوت تو حضرت ابوبکر کے سینے میں پڑ گئی اب حضرت عمر کے لئے کیا رہا، ایک اور حدیث آپ سن چکے ہیں میں اور ابوبکر میدان نبوت میں دو گھوڑے تھے میں دوڑ کر آگے نکل گیا، ابوبکر رہ گئے۔ ایک ثابت شدہ امر واقعہ ہم قضیۂ امامت کے ضمن میں سنا چکے ہیں غلطی سے حضرت عمر

امامتِ نماز کے لئے کھڑے ہو گئے تو آنحضرتؐ کو بہت شاق گذرا اور فرمایا کہ خدا و مومنین انکار کرتے ہیں کہ عمر امامتِ نماز کریں، غرضکہ احادیث کی فیکٹری ہے کون یاد رکھنے کی تکلیف گوارا کرے کہ اس سے پہلے کیا بن چکا ہے۔ ایسے لوگوں کو حافظہ نہ باشد۔

حدیث نبوت عمری کے اسناد بھی مجروح و مقدوح ہیں یہ حدیث عام طور سے عقبہ بن عامر سے بذریعہ مشرح بن ہاعان بیان کی جاتی ہے۔ صحیح ترمذی کی عبارت یہ ہے۔

حدثنا سلمہ بن شبیب المقری	(راویوں کے نام عربی عبارت میں
عن حیوٰۃ بن شریح عن بکر بن عمر	ملاحظہ ہوں) عقبہ بن عامر سے
وعن مشرح بن ھاعان عن عقبہ	مروی ہے کہ فرمایا جناب رسولخدا
بن عامر قال قال رسول اللہ	صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہ
صلے اللہ علیہ وسلم لو کان	اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو وہ
نبی بعدی لکان عمر۔	عمر ہوتے۔

مشرح بن ہاعان سخت مجروح ہے علامہ ذہبی میزان الاعتدال میں لکھتے ہیں:-

قال بن حبان یکنی ابا مصعب	ابن حبان کہتے ہیں کہ مشرح بن ہاعان کی کنیت
یروی عن عقبہ مناکیر لایتابع	ابو مصعب تھی عقبہ سے جھوٹی احادیث روایت کرتا ہے
علیھا...	جن پر مطلق اعتبار نہ کرنا چاہئے......
وذکرہ العقیلی فما زاد فی تر	عقیلی نے بھی اس کا ذکر ان ہی الفاظ میں
اکثر من ان قیل انہ ممن	کیا ہے صرف یہ زیادہ کیا ہے کہ مشرح بن ہاعان
جاء مع الحجاج الی مکۃ ونصب	ان لوگوں میں سے تھا جو حجاج کے ساتھ آئے
المنجنیق علی الکعبۃ۔	تھے اور جنھوں نے کعبۂ مقدس کو منہدم کرنے
میزان الاعتدال الجزء الثالث ص ۱۶۲	کے لئے منجنیق چڑھائی تھی۔

ابن الجوزی کتاب الضعفاء میں لکھتے ہیں :-

مشرح بن هاعان المعافری المصری لایحتج به ۔	یعنی مشرح بن ہاعان اعتبار کے قابل نہیں ہے اور دلیل کی بنا اس کی مروی احادیث پر نہیں رکھی جا سکتی ۔

اور نیز ابن الجوزی کتاب الموضوعات میں ایک اور حدیث کی قدح کرتے ہوئے جو حضرت عمر کی تعریف میں اس ہی مشرح بن ہاعان سے مروی ہے لکھتے ہیں :-

قال ابن حبان انقلبت علی مشرح صحائفه فبطل الاحتجاج به ۔	ابن حبان کہتے ہیں کہ مشرح بن ہاعان کی بیان کردہ احادیث پر اعتبار کرنا باطل ہے ۔

بکر بن عمر المعافری جو مشرح سے روایت کرتا ہے وہ بھی مجروح اور مقدوح ہے ۔چنانچہ علامہ ذہبی میزان الاعتدال میں بکر بن عمر المعافری کے ترجمہ میں لکھتے ہیں :-

وقال ابو عبد الله الحاکم ینظر فی امرہ	حاکم کہتے ہیں کہ اس کے امر میں تامل کرنا چاہیئے ۔

یہ ہی عبارت ابن حجر عسقلانی نے تہذیب التہذیب میں لکھی ہے ۔

طبرانی نے معجم کبیر میں اس خبر موضوعہ کو بروایت عصمہ بن مالک نقل کیا ہے مگر اس کے اسناد بھی ضعیف ہیں اور نا قابل اعتبار ہیں ۔علامہ عبد الرؤف مناوی تیسیر شرح جامع صغیر میں لکھتے ہیں ۔

لو کان بعدی نبی لکان عمر بن الخطاب اخبر عما لم یکن لو کان کیف یکون وفیه ابانة	لو کان بعدی نبی لکان عمر بن الخطاب عقلاً درست نہیں خدا وند تعالے نے حضرت عمر میں انبیا کے اوصاف

عن فضل ما جعله الله لعمر من اوصاف الانبیاء وخلال المرسلین حم ت ک عن عقبه بن عامر الجهنی۔ طب عن عصمة بن مالك واسناده ضعیف

رکھے ۔ امام احمد، ترمذی وحاکم نے عقبہ بن عامر سے روایت کی ہے اور طبرانی نے عصمۃ بن مالک سے روایت کی ہے۔ لیکن اس کے اسناد ضعیف ہیں ۔

نیز علامہ مناوی فیض القدیر شرح جامع صغیر میں سیوطی کے قول عن عصمة بن مالك کے بعد لکھتے ہیں :۔

قال البیهقی وفیه الفضل بن مختار وهو ضعیف

بیہقی کہتے ہیں کہ اس کے اسناد میں فضل بن مختار ہے اور وہ ضعیف ہے ۔

فضل بن مختار کے متروک وکاذب ہونے پر علماء حدیث کا اتفاق ہے علامہ ذہبی میزان الاعتدال میں لکھتے ہیں ۔

الفضل بن المختار ابو سهل البصری عن ابن ابی ذئب وغیره قال ابو حاتم احادیثه منكرة یحدث بالاباطیل وقال الازدی منكر الحدیث جدا وقال ابن عدی احادیثه منكرة عامتها لا یتابع علیها ....

فضل بن مختار ابو سہل البصری روایت حدیث ابن ابی ذئب وغیرہ سے کرتا ہے، ابو حاتم کہتے ہیں کہ فضل بن مختار کی احادیث منکر ہوتی ہیں اور وہ جھوٹی احادیث بیان کرتا ہے ازدی کہتے ہیں کہ یہ بہت ہی منکر الحدیث ہے اور ابن عدی کہتے ہیں کہ سب احادیث بہت ہی منکر ہوتی ہیں ایسی ہوتی ہیں کہ ان کو قبول نہ کرنا چاہئے ....

فضل بن المختار عن ابان عن انس مرفوعا قال لابی بكر ما اطیب مالك منه بلال مؤذنی وناقتی كانی انظر الیك علی باب

فضل بن مختار نے ابان سے اور اس نے انس سے مرفوعاً بیان کیا کہ فرمایا جناب رسول خدا نے ابوبکر سے کہ اے ابابکر تمہارا مال کیسا طیب ومطہر ہے اس مال نے میرے لئے بلال

الجنۃ تشفع لامتی فھذہ اباطیل وعجائب۔ میزان الاعتدال الجزء الثانی ترجمہ الفضل بن المغازص ۳۳۳۔

موزون وناقہ حاصل کیا اسکے صلہ میں گویا میں دیکھتا ہوں کہ تم دروازۂ جنت پر میری امت کی شفاعت کر رہے ہو یہ روایت باطل دروغ محض ہے اور خلاف عقل ہے

ابن الجوزی نے کتاب الضعفا میں اور علامہ سیوطی نے ذیل اللآلی مصنوعہ میں فضل بن مختار کے متعلق یہی لکھا ہے۔

ایسی ہی اور بہت سی واہی ولغو وفضول احادیث وضع کی گئی ہیں مثلاً حضرت عائشہ سے منقول ہے وہ فرماتی ہیں کہ میں جمع کیا اللہ نے میرا لعاب دہن جناب رسول خداؐ کے لعاب دہن مبارک کے ساتھ ان کی دنیا کے آخری اور عقبےٰ کے اول روز آنحضرت صؐ نے مجھ سے فرمایا کہ مجھے مسواک اپنے منہ میں چبا کر دو تاکہ مجھ پر موت آسان ہو یا سعد بن عبادہ سے مرسل حدیث ہے کہ آنحضرت صؐ نے فرمایا بہ تحقیق دیکھیں میں نے دونوں ہتھیلیاں عائشہ کی جنت میں تاکہ آسان ہو جائے میرے اوپر موت، گویا حضرت عائشہ کی دونوں ہتھیلیاں جو جنت میں آپ نے دیکھیں تو آپ کے دل میں اس وجہ سے جنت جانے کا شوق بڑھ گیا اور موت آسان ہوگئی ورنہ دنیا چھوڑنی بہت مشکل معلوم ہوتی خدا کے دیدار میں معاذ اللہ اتنی جاذبیت نہ تھی جتنی حضرت عائشہ کی ہتھیلیوں میں اور پہلی حدیث لعاب دہن والی تو ماشاء اللہ نورٌ علیٰ نور ہے۔ جتنا زیادہ اس پر انسان غور کرتا ہے عیسائیوں اور آریوں کے اعتراضات آنکھوں کے سامنے آجاتے ہیں۔

ہم پہلے بھی بیان کر چکے ہیں اور اب پھر دہراتے ہیں کہ واضعین حدیث کے دو مقصد تھے، ایک تو یہ کہ حضرت علیؑ واہل بیت رسولؐ کے مقابلہ میں ان حکام ووالیان ریاست کے فضائل میں احادیث وضع کی جائیں جنھوں نے حضرت علی کو نظر انداز کر کے خود زمام حکومت اپنے ہاتھ

میں لے لی تھی تاکہ وہ اس عہدے کے لائق سمجھے جائیں، دوسرے یہ کہ ایسے احادیث وضع کی جائیں جن سے حضرت علیؑ کی تنقیص شان ہوتی ہوتا کہ ان کے حقوق لوگوں کی آنکھوں کے سامنے نہ آویں اوران پر پردہ پڑ جائے، ہم ان دونوں اقسام کی احادیث کا ذکر کر چکے ہیں یہاں اپنی رائے کی تائید میں ایک سنی عالم کی عبارت لکھتے ہیں علامہ ابن ابی الحدید شرح نہج البلاغۃ الجزء الرابع صفحہ ۳۵۸ میں زیر شرح کلام امیر علیہ السلام اما انہ سیظہر علیکم بعدی بحوالہ جعفر اسکانی تحریر کرتے ہیں:-

ان معاویہ وضع قوما من الصحابۃ وقوما من التابعین علی روایۃ اخبار قبیحۃ فی علی علیہ السلام تقتضی الطعن فیہ والبراءۃ منہ وجعل لہم علی ذلک جعلا یرغب فی مثلہ فاختلقوا ما ارضاہ منہم ابو ہریرۃ وعمرو بن العاص والمغیرۃ بن شعبۃ ومن التابعین عروۃ بن الزبیر روی الزہری ان عروۃ بن الزبیر حدثہ قال حدثتنی عائشۃ قالت کنت عند رسول اللہ اذ اقبل العباس وعلی فقال یا عائشۃ ان ہذین یموتان علی غیر ملتی او قال دینی و روی عبد الرزاق عن معمر قال کان عند الزہری حدیثان

بتحقیق کہ معاویہ نے ایک جماعت صحابہ میں سے اور ایک جماعت تابعین میں سے اس غرض کے لئے قائم کر رکھی تھی کہ وہ حضرت علی علیہ السلام کے متعلق قبیح روایات واحادیث وضع کیا کریں اور وہ روایات ایسی ہوں کہ جن سے حضرت علی پر طعن عائد ہو اور ان سے لوگ بیزاری کرنے لگیں اوران لوگوں کے واسطے ان کی اس خدمت روایت سازی کے عوض میں وظیفے مقرر کر دئے تھے پس ان لوگوں نے ایسی احادیث وروایات ایجاد کیں جن سے معاویہ خوش ہو اور وہ اس کی طبیعت کے موافق ہوں اس جماعت وضاعین احادیث میں صحابہ میں سے ابوہریرہ وعمرو بن العاص، المغیرہ بن شعبہ تھے اور تابعین میں سے عروۃ بن الزبیر تھا، زہری نے عروۃ سے ایک روایت بیان کی ہے کہ کہا عروہ نے کہ مجھ سے عائشہ نے کہا کہ میں جناب رسولخداؐ کے پاس بیٹھی ہوئی تھی کہ اتنے میں عباس و علی آئے جناب رسولخدا نے فرمایا

عروة عن عائشة فی علی علیہ السلام
فسألتہ عنہما یوما فقال ماتصنع
بہما وبحدیثہما اللہ اعلم بہما انی
لاتہمہما فی بنی ہاشم قال فاما
الحدیث الاول فقد ذکرناہ و
اما الحدیث الثانی فہو ان عروة
زعم ان عائشة حدثتہ قالت
کنت عند النبی صلی اللہ علیہ
وآلہ وسلم اذ اقبل العباس
وعلی فقال یا عائشة ان سرک
ان تنظری الی رجلین من اہل
النار فانظری الی ہذین قد طلعا
فنظرت فاذا العباس وعلی بن ابی
طالب واما عمرو بن العاص فروی
فیہ الحدیث الذی اخرجہ
البخاری ومسلم فی صحیحہما
مسند امتصلا لعمرو بن العاص
قال سمعت رسول اللہ صلی
اللہ علیہ وآلہ وسلم یقول
ان آل ابی طالب لیسوا لی باولیاء
انما ولی اللہ وصالح المومنین
واما ابوہریرة فروی عنہ الحدیث
الذی معناہ ان علیا علیہ

کہ اے عائشہ یہ دونوں یعنی عباس وعلی (معاذ اللہ
خاکم بدہن) مرتد ہو کر مرینگے اور عبدالرزاق نے
معمر سے روایت کی ہے معمر نے کہا کہ زہری کے پاس
عروہ سے عائشہ کی بیان کی ہوئی حضرت علی
کے متعلق دو حدیثیں تھیں پس میں نے زہری
سے ایکدن وہ دونوں حدیثیں دریافت کیں
اس نے جواب دیا کہ تم ان دونوں سے یعنی عروہ و
عائشہ سے اور ان کی حدیثوں سے کیا کروگے۔
خداوند تعالیٰ ان دونوں کے حالات بہتر جانتا ہے
پھر زہری نے ایک حدیث بیان کی وہ وہی ہے جو
اوپر لکھی گئی، دوسری حدیث یہ ہے عروہ کا گمان
ہے کہ عائشہ نے اس سے بیان کیا کہ میں جناب رسولخدا
کے پاس بیٹھی ہوئی تھی کہ اتنے میں عباس و علی آئے
پس جناب رسولخدا نے مجھ سے کہا کہ اے عائشہ
اگر تو چاہتی ہے کہ اہل النار میں سے دو آدمیوں
کو دیکھے تو دیکھ تو ان دونوں کی طرف (معاذ
اللہ) اتنے میں وہ دونوں آگئے اور میں نے نظر
اٹھا کے دیکھا تو وہ علی وعباس تھے اور عمرو بن
العاص (کا حصہ ان احادیث کے وضع کرنے
میں) تو عمرو بن العاص سے ایک حدیث مروی ہے
جسکو مسلم و بخاری نے اپنی صحیح میں عمرو بن العاص
سے روایت کی ہے کہا عمرو بن العاص نے کہ بہ تحقیق
میں نے سنا جناب رسولخدا کو یہ کہتے ہوئے کہ آل ابی

السلام خطب ابنة ابی جهل فی
حیاة رسول الله صلی الله علیه
وسلم فاسخطه فخطب علی المنبر
وقال لا ها الله لا تجتمع ابنة
ولی الله وابنة عدو الله ابی
جهل ان فاطمة بضعة منی
یوذینی ما یوذیها فان کان
علی یرید ابنة ابی جهل
فلیفارق ابنتی ولیفعل ما
یرید او کلاما هذا معناه
والحدیث مشهور من روایة
الکرابیسی قلت هذا الحدیث
ایضا مخرج فی صحیحی مسلم و
البخاری عن المسور بن مخرمة
الزهری وقد ذکره المرتضی
فی کتابه المسمی تنزیه
الانبیاء والائمة وذکر انه
روایة حسین الکرابیسی
وانه مشهور بالانحراف من
اهل البیت علیهم السلام و
وعداوتهم والمناصبة فلا
تقبل روایته۔

غالب رجن میں حسنین علیہما السلام شامل ہیں
میرے دوست نہیں ہیں۔ میرے دوست
تو خدا اور صالح مومنین ہیں (علی تو معاذ
اللہ فاجر تھے) اور ابوہریرہ (کا حصہ حدیث
سازی میں) تو بس اس سے ایک حدیث
مروی ہے جسکے معنی یہ ہیں کہ حضرت علی نے
بنت ابوجہل سے حیات رسولخدا میں خطبۂ
نکاح کا ارادہ کیا اس سے جناب رسولخدا صلعم بہت
ناراض ہوئے آپ اس ہی حالت میں منبر پر
تشریف لیگئے اور فرمایا کہ ہرگز نہیں واللہ خدا
کے دوست کی لڑکی اور خدا کے دشمن کی لڑکی
ایک جگہ جمع نہیں ہوں گی فاطمہ میرا ٹکڑا ہے جو
شے اسکو ایذا پہنچاتی ہے وہ مجھے ایذا پہنچاتی ہے
اگر علی کا ارادہ بنت ابی جہل سے نکاح
کرنے کا ہے تو میری لڑکی کو طلاق دیدے
اور پھر جو چاہے سو کرے۔ یہ حدیث کرابیسی سے
مشہور ہے اور صحیح مسلم و صحیح بخاری میں مسور بن
مخرمہ سے بھی مروی ہے سید مرتضی نے اپنی کتاب
تنزیہ الانبیا والائمہ میں ذکر کیا ہے کہ یہ حدیث
حسین الکرابیسی سے مروی ہے اور حسین الکرابیسی
اہلبیت رسولؐ سے منحرف تھا اور ان کی عداوت
میں مشہور تھا پس اس کی روایت قبول نہیں
کی جا سکتی۔

دیکھا آپ نے علامہ ابن ابی الحدید گروہ حکومت کے بہت بڑے علماء میں سے ہیں کیا کیا ناممکن باتیں حضرت علی کی تنقیص شان کے لئے بیان کی جاتی ہیں جس کی تلوار پر اسلام کی زندگی کا انحصار تھا وہ معاذ اللہ دوزخی تھا، حضرت فاطمہؑ کو جن لوگوں نے واقعی ایذا دی تھی اور ایسی ایذا دی تھی کہ مرتے دم تک آپ نے ان کی شکل نہیں دیکھی ان کے گناہ پر پردہ ڈالنے کے لئے یہ روایت وضع کی گئی کہ حضرت علیؑ نے بنت ابوجہل سے نکاح کرنا چاہا تھا۔ ایک دشمن خدا کی لڑکی سے نکاح کرنے کی کیا ضرورت تھی اور معاذ اللہ کیا حضرت فاطمہ شرع سے ایسی ناواقف تھیں کہ خدا نے تو ایک مسلمان مرد کو چار عورتیں ایک دفعہ اپنی زوجیت میں رکھنے کی اجازت دی مگر وہ دوسری عورت کی وجہ سے ناراض ہو جاتیں اور جناب رسول خدا کو منبر پر جاکر علی الاعلان اس بات کے کہنے کی کیا ضرورت تھی، حضرت علی سے علیحدہ خلوت ہی میں کہہ دیتے، تو کیا وہ نہ مان جاتے۔ وہ اگر دشمن خدا کی لڑکی تھی لیکن خود تو مسلمان تھی، بہت سے دشمن خدا تھے، جو مسلمان ہونے کے بعد خلافت کے عہدے تک پہنچ گئے، یہ خود تو دشمن خدا نہ تھی، دشمن خدا کی لڑکی تھی، باپ کے اعمال کی سزا بیٹی کو تو نہیں ملنی چاہیئے، خود ہی جو آنحضرتؐ نے ایک دشمن خدا یعنی ابوسفیان کی لڑکی سے شادی کر رکھی تھی۔ حضرت علی کی تنقیص شان تو مطلب تھا لیکن تنقیص شان ہو گئی جناب رسول خدا کی اور خاتون جنت کی۔ گویا وہ بزرگوار اس بات سے ناراض ہوئے جس سے شرعاً ناراض نہ ہونا چاہیئے تھا۔ اور جو شرعاً حضرت علی کا حق تھا۔ واضعین حدیث کے اس ناجائز عمل سے یہ ظاہر ہوا کہ جو بات خداوند تعالیٰ نے حضرت علی کیلئے حلال کی تھی وہ ان بزرگواروں نے حرام کر دی معاذ اللہ۔

یہ دعوے ہم نہیں کرتے اور نہ کر سکتے ہیں کہ ہم نے تمام مصنوعی احادیث یہاں جمع کر دیں اس کے لئے تو ایک دفتر چاہیئے۔ لیکن ہم نے یہ ثابت کر دیا کہ حکام وقت کو خوش کرنے اور انکے استحقاق خلافت کے ثابت کرنے کے لئے لوگوں نے احادیث

وضع کیں، اور اس کارکردگی کے لئے ان کو انعامات دئے گئے اور ہر طرح سے ان کی حوصلہ افزائی کی گئی اب ہم اس باب کو صرف ایک نکتہ پر ختم کرتے ہیں۔ علماء حدیث نے بہت سے قواعد وضوابط مقرر کئے ہیں جن سے حدیثوں کی پرکھ ہوتی ہے، احادیث مناقب وفضائل کی جانچ کا ہم بھی ایک گر بتائے دیتے ہیں قرآن شریف میں جہاں جہاں خداوندتعالیٰ کی وحدانیت اور جناب محمد مصطفیٰ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت اور قرآن شریف کے کلام الہٰی ہونے کے ثبوت میں بحث کی گئی ہے وہاں آخری دلیل یہ ہے اَفَلَا تَعْقِلُون؟ صحیح عقل انسانی کھرا کھوٹا پرکھنے کی آخری کسوٹی ہے، اگر کوئی مناقب وفضائل کی حدیث بیان کی جائے تو سب سے پہلے یہ دیکھ لیا کرو کہ آیا ممدوح کے سوانح حیات اس کے مطابق ہیں اور فضیلت کی پوشاک اسکے بدن پر راست بھی آتی ہے یا نہیں، دوسری کہنے والی بات یہ ہے کہ ان حالات و واقعات کے اندر حضرت علیؑ کے حق میں فضائل و مناقب کی جھوٹی حدیث وضع ہونا ناممکن تھا ان کے فضائل کی سچی احادیث ہی کو بیان کرتے ہوئے لوگ ڈرتے تھے اور سزا پاتے تھے تو جھوٹی احادیث ان کے حق میں کون مرتب کرتا۔

تدبیر چہاردہم حضرت علیؑ کے القاب خصوصی پر قبضہ کرنا

تحریر کی ترتیب کے مطابق اس کو تدبیر ہفت دہم ہونا چاہئے تھا مگر ہم تدبیروں کا نمبر شمار اس کتاب کے صفحہ ۹۶۰ پر مقرر کرچکے ہیں اور اب اس کے ہی مطابق لکھ رہے ہیں۔

جناب رسولخداؐ نے حضرت علی کے بہت سے جامع وبلیغ القاب مقرر فرمادئے تھے، جو حضرت علی کی بے شمار صفات کو ایک مختصر لفظ یا جملہ میں آشکارا کردیتے تھے اور بوجہ جامعیت وبلاغت کے لوگوں کے دلوں پر اثر بھی ہوتا تھا اور آسانی سے یاد بھی رہتے تھے، جماعت اہل حکومت کے نئے اس ہی قسم کے دیگر القاب

کارکنان حکومت کے حق میں ایجاد کرنا تو کہاں ممکن تھا۔ یہ ہی آسان طریقہ ان کے ہاتھ لگا کہ وہ ہی القاب لٹ پلٹ کر انہوں نے اپنے سرداروں کے لئے رسولؐ خدا کی طرف منسوب کرکے مشہور کردیئے۔ ہم باب ہشتم میں ثابت کرچکے ہیں کہ صدیق اکبر، فاروق امت، امیر المومنین خلیفۂ رسول جناب علی مرتضیٰؑ کے بے شمار القابوں میں سے چند القاب ہیں۔ دیکھو صفحات ۴۷۵ لغایت ۴۸۱۔ جماعت اہل حکومت نے کہا کہ ہم کیوں پیچھے رہیں۔ لئے وہ القاب اپنی حکومت کے سرداروں کو عطا کرتے تاکہ لوگ مغالطے میں پڑجائیں، کچھ مغالطے میں پڑے، کچھ خدا کے بندے اصلی مطلب کو سمجھ گئے۔

تدبیر ہفدہم جمع قرآن

قرآن مجید کے جمع کرنے سے ان بزرگواروں کا منشا یہ تھا کہ وہ اس ترتیب و متن کے ساتھ شائع ہو کہ جہاں تک ممکن ہو سکے اس میں حضرت علی کے فضائل اور صحابہ کے معائب و مثالب کا تذکرہ نہ رہے۔ یہ بہت نازک مسئلہ ہے اور اس پر ہم اپنے ذاتی خیال و عقیدہ کا اظہار نہیں کرنا چاہتے۔ صرف جماعت اہل حکومت ہی کے اقتباسات کو پیش کرکے نتائج اخذ کریں گے۔

تحریف کتاب ان ہی دو نہج پر ہوسکتی ہے ایک تو لفظی اور ایک معنوی۔ معنوی تحریف تو تاویل ہی ہوتی ہے، اور لفظی تحویل الفاظ کو اپنی جگہ سے ہٹا کر دوسری جگہ رکھنے سے اور نیز اسقاط الفاظ سے ہوتی ہے۔

جمع قرآن پر جب ہم اس زاویۂ نگاہ سے نظر ڈالتے ہیں تو مندرجہ ذیل سوالات پیدا ہوتے ہیں۔

۱۔ کیا جناب رسول خدا کے زمانہ میں قرآن جمع ہو چکا تھا۔

۲۔ اگر نہیں تو کیا آنحضرتؐ نے کسی کو قرآن شریف کے جمع کرنے کی خدمت پر مامور فرمایا تھا۔

۳۔ سب سے پہلے قرآن شریف کو کس طرح جمع کرنا شروع کیا۔

۴۔ جب آخری دفعہ جمع قرآن کا انتظام حکومت نے کیا تو یہ فرض کس کے سپرد کیا گیا۔

۵۔ اگر حضرت علیؑ کے ذمہ یہ فرض سپرد نہیں کیا گیا تو کیوں؟

۶۔ کیا قرآن شریف کی ترتیب ایسی ہی ہے جیسی کہ ہونی چاہیئے تھی۔

۷۔ کیا واقعی قرآن شریف میں کوئی تحریف کی گئی ہے یا نہیں۔

۸۔ کیا قرآن شریف میں غلطیوں کے رہ جانے کا امکان تھا یا نہیں۔

۹۔ کیا واقعی کچھ غلطیاں رہ گئی ہیں۔

۱۰۔ ہمارا عقیدہ قرآن شریف کے متعلق کیا ہونا چاہیئے؟

سوال اول

جتنے اقتباسات ہم آئندہ نقل کریں گے ان سے ثابت ہے کہ جناب رسول خداؐ کے زمانہ میں قرآن شریف جمع نہیں ہوا تھا، اس جگہ محض ایک عبارت نقل کرتے ہیں مولوی عبد السلام ندوی اپنی کتاب تاریخ فقہ اسلامی کے صفحہ ۱۵۰ پر لکھتے ہیں۔

"آیات وسور کی جو ترتیب ہوتی تھی رسول اللہؐ خود ان کو بتا دیتے تھے۔ مگر رسول اللہؐ کی وفات کے زمانہ تک قرآن مجید ایک کتاب میں جمع نہیں ہوا تھا بلکہ حفاظ قرآن کے سینوں کاتبان وحی اور دوسرے کاتبوں کے صحیفوں میں محفوظ تھا۔"

ہم اس بات کو تسلیم نہیں کرتے کہ آیات وسور کی ترتیب جناب رسول خدا نے کی، اور ہم ان ہی بزرگواروں کی کتابوں سے عبارات پیش کریں گے کہ جن سے معلوم ہو جائے گا کہ جناب عبد السلام ندوی کا یہ خیال غلط ہے۔ اگر آیات اور سورتوں کی ترتیب یعنی قرآن شریف میں ان کا محل وقوع ہی جناب رسولخداؐ مقرر کر دیتے تو پھر جمع قرآن میں باقی کیا رہ جاتا پھر تو کسی جلد ساز کو بلوا کر جلد ہی بندھوا لینی تھی، آنحضرتؐ کی حیات میں تو قرآن شریف جمع ہی نہیں ہو سکتا تھا۔

کیونکہ آپ کے آخری دم تک کسی نہ کسی آیت کے نازل ہونے کا امکان تھا، کسی آیتِ قرآنی نے یہ نہیں کہا کہ میں قرآن کی آخری آیت ہوں، اور نہ آنحضرتؐ سے کوئی حدیث ثابت ہے کہ بس آج سے قرآن نازل ہونا بند ہو گیا، اگر آنحضرتؐ کی حیات میں قرآن جمع ہو سکتا تو آپ تو ایسے بیدار مغز اور اپنی امت کے بہبودی کے سوچنے میں منہمک تھے کہ آپ ضرور اس کام کو کر جاتے۔ اوس کا انتظام کر دیا تھا جیسا کہ سوال

سوال دوئم

یہ ظاہر ہے کہ قرآن شریف کا جمع ہونا امت کے لئے نہایت ضروری شے تھی، یہ کون نہیں جانتا کہ قرآن شریف کو محض لوگوں کے حافظہ کے رحم پر چھوڑ دینا نہایت خطرناک بات تھی، بلکہ قرآن شریف کو ضائع کرنے کے مترادف تھی پھر تو ہر ایک شخص اپنے خواہش اور حافظہ کے مطابق اس میں تبدیلیاں کر سکتا تھا اور اپنے ہی قرآن کو بہترین سمجھتا، جتنے حافظ اُتنے ہی قرآن ہو جاتے، یہ گمان کرنا کہ جناب رسول خداؐ نے اس طرف توجہ نہیں کی اور حضرت عمر پہلے شخص تھے جنھوں نے حضرت ابوبکر کی اور زید ابن ثابت کی اور دیگر لوگوں کی توجہ اس ضرورت کی طرف منعطف کرائی آنحضرتؐ کے اوپر ایک الزام عظیم عائد کرنا ہو گا اور ان کے اوپر ظلم صریح ہو گا، جو ایسا کہتے ہیں وہ محض اپنے اماموں اور بزرگانِ دین کے افعال کو درست ثابت کرنا چاہتے ہیں، مگر وہ یہ نہیں جانتے کہ اس سے جناب رسول خداؐ کی توہین ہوتی ہے۔ جناب رسول خداؐ نے بار بار کہا، اپنے آخری خطبہ میں کہا کہ مکمل قرآن اور یہ علی ہمیشہ ساتھ رہیں گے۔ قیامت تک ساتھ رہیں گے، ایک دوسرے سے کبھی جدا نہ ہوں گے، میرے سارے علوم کا دروازہ علی ہے، علی کے ذریعے ہی سے اور فقط اس کے ہی ذریعے سے تم کو قرآن کا علم حاصل ہو گا، کس طرح صریح الفاظ میں آنحضرتؐ نے فرمایا ہے کہ قرآن اور اس کا علم فقط علی ہی کے پاس مل سکتا ہے اور حضرت علی کو ہدایت کر دی کہ تم قرآن شریف جمع کرنا، چنانچہ جب حضرت علی کو ابوبکر نے بلایا تو آپ نے فرمایا کہ میں نے

قسم کھائی ہے کہ جب تک قرآن جمع نہ کر لوں کہیں نہ جاؤں۔ جناب رسول خدا نے تو اپنی
طرف سے سب کچھ کر دیا۔ اگر حضرت عمر کی محبت میں لوگ چھپائیں اور کہیں کہ رسولؐ
نے تو امت کی ہدایت کی اتنی بھی پرواہ نہ کی کہ اپنے بعد کے ہادی کا نشان بتا دیتے
اور اپنا خلیفہ مقرر کر دیتے، اتنا بھی نہ کیا کہ قرآن جمع کرانے کا انتظام کر جاتے، جو کچھ کیا
حضرت عمر نے کیا تو اس کا علاج ہمارے پاس کچھ نہیں

جلال الدین سیوطی: الاتقان فی تفسیر القرآن

الجزء الاول ص ۵۷

سوال سوئم و چہارم و پنجم

صحیح بخاری میں ہے۔

حدثنا موسیٰ ابن اسمٰعیل عن
ابراهیم بن سعد حدثنا ابن
شهاب عن عبید بن السباق
ان زید ابن ثابت رضی اللہ عنہ
قال ارسل الیّ ابوبکر مقتل
اهل الیمامہ فاذا عمر بن الخطاب
عنده قال ابوبکر رضی اللہ عنہ
ان عمر اتانی فقال ان القتل
قد استحر یوم الیمامہ بقراء
القرآن وانی اخشی ان یستحر
القتل بالقراء بالمواطن فیذهب
کثیر من القرآن وانی اری ان
تامر بجمع القرآن قلت لعمر کیف

(راویوں کے نام عربی عبارت میں)
زید ابن ثابت کہتے ہیں کہ مجھے ایک دن
جنگ یمامہ کے بعد حضرت ابوبکر نے بلایا
میں پہنچا تو عمر بھی ان کے پاس تھے حضرت
ابوبکر نے مجھ سے کہا کہ عمر نے مجھ سے آ کر
بیان کیا کہ جنگ یمامہ میں بکثرت حفاظ
یمامہ قتل ہوئے ہیں، مجھے ڈر ہے کہ اگر
اسی طرح لڑائیوں میں حفاظ قتل ہوتے
گئے تو قرآن کا بہت سا حصہ ضائع ہو جائے
گا، میں چاہتا ہوں کہ تم قرآن شریف
کے جمع کرنے کا حکم دو، اس پر میں نے
عمر سے کہا کہ میں وہ بات کیونکر کرو گے
جو رسول خدا نے نہیں کی، عمر نے جواب

تفعل شيئاً لم يفعله رسول الله
صلى الله عليه وسلم قال عمر
هذا والله خير فلم يزل عمر
يراجعني حتى شرح الله صدري
لذلك ورأيت في ذلك الذي
رأى عمر قال زيد قال ابوبكر
انك رجل شاب عاقل لا نتهمك
قد كنت تكتب الوحي لرسول الله
صلى الله عليه وسلم فتتبع
القرآن فاجمعه فوالله لو كلفوني
نقل جبل من الجبال ما كان
اثقل علي مما امرني به من
جمع القرآن قلت كيف تفعلون
شيئاً لم يفعله رسول الله
صلى الله عليه وسلم قال هو
والله خير فلم يزل ابوبكر
يراجعني حتى شرح الله صدري
للذي شرح له صدر ابي بكر و
عمر رضي الله عنهما فتتبعت
القرآن اجمعه من العسب واللخاف
وصدور الرجال حتى وجدت
آخر سورة التوبة مع ابي خزيمة
الانصاري لم اجدها مع احد

دیا۔ نہیں یہ کار نیک ہے اور عمر اسی طرح بار
بار مجھ کو سمجھاتے رہے ہیں یہاں تک کہ اب
خداوند تعالٰے نے میرے سینہ کو اسکے لئے
کھول دیا ہے اور اب میں نے بھی وہی
رائے قائم کرلی ہے جو عمر کی ہے ۔ زید ابن
ثابت کہتے ہیں کہ پھر ابوبکر نے مجھ سے کہا کہ
تم نوجوان عاقل ہو۔ ہم تم میں کوئی
قابل الزام عیب نہیں پاتے اور تم رسول خدا
کے کاتب وحی رہے ہو۔ بس اب قرآن کو
ڈھونڈو، جہاں بھی ہو وہاں سے نکالو
اور جمع کرو۔ زید ابن ثابت کہتے ہیں کہ
خدا کی قسم اگر وہ لوگ مجھے پہاڑ کو
اپنی جگہ سے سرکانے کو کہتے تو وہ مجھ کو
ان کے ارشاد جمع قرآن سے گراں نہ
ہوتا میں نے کہا کہ تم لوگ وہ کام کیوں
کرتے ہو - جناب رسول خداؐ نے
نہیں کیا۔ حضرت ابوبکر نے کہا کہ نہیں یہ
کار خیر ہے ابوبکر مجھ کو بار بار سمجھاتے رہے
یہاں تک کہ خدا نے میرا سینہ بھی اس بات
کے لئے اسی طرح کھول دیا جس طرح ابوبکر
وعمر کا کھولا تھا میں نے قرآن شریف
کو تلاش کرکے کھجور کی شاخوں پتھر کے
ٹکڑوں اور لوگوں کے سینوں سے اکٹھا

غیرہ لقد جاء کم رسول من انفسکم عزیز علیہ ما عنتم حتی خاتمۃ براءۃ فکانت الصحف عند ابی بکر حتی توفاہ اللہ ثم عند عمر حیاتہ ثم عند حفصہ بنت عمر رضی اللہ عنہ۔	کر کے جمع کرنا شروع کیا، یہاں تک کہ سورۂ توبہ کا آخری حصہ مجھ کو ابو خزیمہ انصاری سے ملا، ان کے علاوہ میں نے اسکو کسی دوسرے کے یہاں نہ پایا۔ لقد جاءکم رسولٌ آخر سورۂ توبہ تک یہ صحیفے تادم وفات حضرت ابوبکر کے پاس رہے اس کے بعد حضرت عمر کے پاس ان کی زندگی تک رہے۔ پھر حضرت حفصہ کے پاس رہے

ابو عبد اللہ محمد بن اسمعیل بخاری

صحیح بخاری۔ کتاب فضائل القرآن۔ باب جمع القرآن۔ الجزء الثالث ص ۱۵۰

عبد السلام ندوی:۔ تاریخ فقہ اسلامی ص ۱۵۷ و ۱۵۸۔

جلال الدین سیوطی۔ تاریخ الخلفاء، حالات ابوبکر۔ ذکر جمع القرآن

حافظ ابو عمر یوسف المعروف ابن عبد البر:۔ کتاب الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب ترجمۂ زید بن ثابت الجزء الاول ص ۱۹۴۔

دیکھئے۔ قرآن جمع کرنے میں کتنی تکالیف کا سامنا کرنا پڑا، جب رسول خدا کے احکام سے اعراض کرکے اصلی ہادیان دین کو چھوڑ کر غلط رہنماؤں کی پیروی کی جاتی ہے تو اس کے یہی نتیجے ہوتے ہیں، اس عبارت پر غور کرنے سے مندرجۂ ذیل واقعات کا پتہ چلتا ہے۔

۱۔ نہ تو حضرت زید ابن ثابت کے پاس اور نہ ان کے پاس جنھوں نے اپنے تئیں خلیفہ و جانشین کہلانا پسند کیا تھا، اور نہ ان کے دست راست حضرت عمر کے پاس مکمل قرآن موجود تھا، زید ابن ثابت کو ہر کس و ناکس کے پیچھے دوڑنا پڑا، اور قرآن شریف کی آیات جمع کی گئیں۔ جانشین رسول کی پہلی علامت یہ ہے کہ اس کے پاس رسول کی مکمل کتاب موجود ہو لیکن ان کے پاس نہیں تھی لہذا ثابت ہوا کہ وہ اصلی جانشین رسول نہ تھے۔

۲۔ حضرت زید ابن ثابت نے قرآن شریف کی آیتوں کی تلاش میں ہر طرف چھان بین کی لیکن حضرت علی کی طرف نہ گئے، کیونکہ یہ حضرت علی کی مخالف پارٹی میں تھے۔ اس سے ظاہر ہے کہ قرآن شریف کے جمع کرنے کا شوق سیاسی مصالح پر مبنی تھا، مذہب کی محبت اس کی بنیاد نہ تھی۔

۳۔ سورۂ توبہ کا آخری حصّہ فقط ایک آدمی کے پاس ملا، کسی اور کے پاس نہ تھا، کیا ثبوت ہے کہ یہ قرآن کا حصّہ تھا، اس کی تصدیق تو کسی اور سے ہوئی نہیں صرف ابوخزیمہ انصاری نے سورۂ توبہ کو اس طرح لکھا ہوا تھا ۔ معمولی باتوں کے لئے تو حضرت ابوبکر نے حضرت فاطمہؑ وحضرت علیؑ تک کی گواہی غلط سمجھی اور مزید گواہ طلب کئے، جمع قرآن میں اتنی بے احتیاطی کہ کسی اور سے اس کی تصدیق بھی نہ کرائی۔

۴:۔ اس روایت سے قطعاً ثابت ہوا کہ جناب رسول خداؐ نے قرآن شریف جمع نہیں کیا تھا۔

۵۔ جس طریقے سے زید بن ثابت نے یہ قرآن جمع کیا اس سے غلطی و کمی بیشی کا احتمال بلکہ یقین ہو سکتا ہے لوگوں کے حافظہ کے اوپر اعتبار کیا گیا، خبر نہیں کس کس سے پوچھا، وہ کس سیاسی عقائد کے لوگ تھے چونکہ اس غرض کے لئے بنو ہاشم کی طرف رجوع نہیں کیا لہٰذا اس سے صاف عیاں ہے کہ جمع قرآن سیاسی عقائد کی بناء پر تھی، اس طرح حضرت علی کا نام نکل جانا معمولی سی بات تھی اور چونکہ یہ حکومت کے نظریۂ کے مطابق تھا لہٰذا اس کا واقع ہونا یقینی ہو گیا۔

۶۔ جمع قرآن بھی صرف حضرت عمر ہی کی تجویز تھی، نام تو یہ کیا کہ حفاظ قتل ہو جائیں گے، اصلی وجہ اور تھی، حفاظ کے مرنے کے احتمال کی وجہ سے تو ایک اور ترکیب ہو سکتی تھی وہ یہ کہ سب بچوں کو قرآن شریف حفظ کرانا شروع کر دیتے، جب سب ہی حافظ ہوتے تو پھر یہ خطرہ ہی نہ رہتا۔

۷۔ حضرت عمر نے جس سے اس کا ذکر کیا اس نے اس کو جناب رسول خدا

کے طرز عمل کے مخالف سمجھا مگر بعد میں جب حضرت عمر نے سیاسی پیچ اونچ دکھایا۔ تو شرح صدر ہوگیا۔

۸ - اس سے ثابت ہے کہ جناب رسولخدا نے کم سے کم حضرات ابوبکر و حضرت عمر و حضرت عثمان کو قرآن شریف جمع کرنے کی ہدایت نہیں فرمائی تھی اور نہ ان کے ذمّے یہ فرض لگایا تھا اور نہ ان کے پاس مکمل قرآن ہی موجود تھا۔ لہذا وہ جانشین رسول نہیں ہو سکتے تھے۔

۹ - زید ابن ثابت میں قابلیت و اہلیت قرآن جمع کرنے کی نہ تھی چنانچہ وہ اس کام کو پہاڑ کے ہٹانے سے بھی زیادہ مشکل سمجھتے تھے۔ سنہ ہجری میں ان کی عمر گیارہ سال کی تھی۔ (الاستیعاب ترجمہ زید ابن ثابت ص ۱۹۴) اور یہ جمع قرآن کا عمل سنہ ہجری میں جنگ یمامہ کے زمانہ میں ہوا۔ گویا اس وقت ۲۲ سال کے نیچے تھے۔ ان کی کمسنی کی وجہ سے آنحضرت نے ان کو جنگ بدر میں لڑائی کی اجازت نہ دی۔ ان بزرگوں کا منطق بھی کسی ایک اصول پر مبنی نہیں ہوتا، کہتے ہیں کہ جناب ابوبکر و عمر سن میں حضرت علیؑ سے بڑے تھے۔ لہذا صغر سنی کی وجہ سے حضرت علی کو نظرانداز ہی ہونا چاہیئے تھا۔ مگر اب ایک بچے کو جمع قرآن کے لئے منتخب کیا جاتا ہے۔ اور اب اس کی صغر سنی اُس کے لئے کچھ مانع نہیں ہے، زید ابن ثابت تو اپنے تئیں اس کا اہل نہیں سمجھتے تھے، اصرار کرکے ان کے ذمّے یہ فرض لگایا جاتا ہے، حضرت علی جو ببانگ دہل کہہ رہے ہیں کہ پوچھ لو جو مجھ سے پوچھنا چاہتے ہو، کتاب اللہ کے متعلق پوچھ لو، قسم بخدا کوئی آیت ایسی نہیں ہے جس کی نسبت مجھے یہ نہ معلوم ہو کہ رات کو نازل ہوئی یا دن کو۔ میدان میں نازل ہوئی یا پہاڑ پر۔ نرم زمین پر نازل ہوئی یا پتھریلی پر۔ (ص ۳۴۳ کتاب اول) جناب رسول خدا آخر وقت تک یہ ہی کہتے رہے کہ میں تم میں دو گرانقدر چیزیں چھوڑے جاتا ہوں۔ میرے اہل بیت جن کے راس و رئیس یہ علی ہیں۔ اور کتاب اللہ! یہ ایک دوسرے

سے قیامت تک جدا نہ ہوں گے، اگر تم ان دونوں سے تمسک رکھو گے تو قیامت تک گمراہ نہ ہو گے ایسے شخص کی طرف تو جمع قرآن کے لئے رجوع نہیں کیا، منتخب کس کو کیا جاتا ہے ایک بائیس برس کے نوجوان کو، بہانہ کے طور پر کہا جاتا ہے کہ یہ کاتب وحی تھا۔ کاتب وحی تو وہ شخص بھی تھا جو بعد میں مرتد ہو گیا اور جناب رسول خدا نے مدینہ سے جلا وطن کر دیا، زید ابن ثابت ایسے کاتب وحی تھے کہ خود ان کے پاس کچھ نہ تھا، دوسروں ہی سے مانگ کر پیوند سازی کی، اور کاتب وحی ہونا ہی خاص باعث فضیلت تھا، تو حضرت علیؑ بھی کاتب وحی تھے، زید ابن ثابت تو اس وقت بچوں سے گلیوں میں کھیل رہے تھے، جب قرآن شریف کا بہت بڑا حصہ نازل ہوا، اور جناب علی مرتضیٰ زیر تربیت رسولؐ علم قرآن اس وقت اخذ کر رہے تھے، قرآن کا مکی حصہ $\frac{19}{30}$ ہے اور مدنی حصہ $\frac{11}{30}$ ہے قیام مکہ میں قرآن شریف کے نازل ہونے کی مدت ۱۲ سال پانچ مہینے اور ۱۳ دن ہیں۔ مدینہ میں نزول قرآن کا زمانہ نو سال نو مہینے اور نو دن ہے (عبد السلام ندوی:۔ تاریخ فقہ اسلامی ص ۶) جب آنحضرتؐ مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ میں تشریف لائے، اس وقت زید ابن ثابت کی عمر گیارہ سال کی تھی، اور خاص ذہانت و ذکاوت کے مالک بھی نہ تھے۔ تعجب اور ہزار تعجب ہے کہ ایسے لڑکے کو اس کام پر مقرر کیا جاتا ہے اور حضرت علیؑ کی طرف رجوع نہیں کیا جاتا۔ صرف یہی ایک بات اس امر کے ثابت کرنے کے لئے کافی ہے کہ قرآن شریف کے جمع کرنے میں سیاسی تجاویز مرکوز تھیں۔ اس کا تعلق امداد و مذہب سے نہ تھا۔

۱۰۔ علامہ ابن عبد البر نے بتا دیا کہ زید ابن ثابت کو کیوں منتخب کیا گیا، وہ کہتے ہیں:۔

قال ابو عمر رحمہ اللہ کان عثمان	حضرت عثمان کو زید ابن ثابت سے
یحب (زید ابن ثابت) وکان زید	بہت محبت تھی اور زید حضرت عثمان
عثمانیا ولم یکن فیمن شہد شیئا	کی پارٹی میں تھا، اور وہ حضرت

من مشاهد علی مع الانصار ۔ علی کے ساتھ ایک لڑائی میں شامل ہوا ۔

(حافظ ابو عمر یوسف المعروف بابن عبدالبر:۔ کتاب الاستیعاب الجزء الاول ۔ ترجمہ۔ زید ابن ثابت ص ۱۹۴)

نیز ملاحظہ ہو۔ عبدالسلام ندوی :۔ تاریخ فقہ اسلامی ص ۱۹۲ ۔

جب زید ابن ثابت کو مجبوراً یہ پہاڑ اٹھانا پڑا تو انہوں نے سب سے پہلے حضرت عائشہؓ اور حضرت حفصہ سے جتنا بھی قران اون کے پاس تھا، وہ طلب کیا ۔ حضرت عائشہ اور حضرت حفصہ نے اپنے اپنے قرآن کس طرح جمع کئے تھے، وہ ہم بتاتے ہیں :۔

صحیح مسلم میں ہے :۔

حدثنا یحییٰ بن یحییٰ التمیمی قال قرأت علی مالك عن زید بن اسلم عن القعقاع بن حکیم عن ابی یونس مولی عائشة انه قال امرتنی عائشة ان اکتب لها مصحفاً وقالت اذا بلغت هذه الآیة فاذنی حافظوا علی الصلوٰة والصلوٰة الوسطیٰ قال فلما بلغتها اذنتها فاملت علی حافظوا علی الصلوٰة والصلوٰة الوسطیٰ وصلوٰة العصر وقوموا لله قانتین قالت عائشة سمعتها من رسول الله	(اسمائے رواۃ عربی عبارت میں دیکھئے) ابو یونس حضرت عائشہ کے غلام سے مروی ہے وہ کہتا ہے کہ عائشہ نے مجھے قرآن شریف لکھنے کا حکم دیا اور کہا کہ جب تو اس آیہ حافظوا الآیۃ پر پہنچے تو مجھ سے اجازت لے لینا۔ جب میں وہاں تک پہنچا تو میں نے ان سے اجازت لی، انہوں نے مجھے اس طرح لکھوایا حافظوا علی الصلوٰۃ والصلوٰۃ الوسطیٰ وصلوٰۃ العصر وقوموا الله قانتین ۔ حضرت عائشہ نے کہا کہ میں نے جناب رسول خدا سے اسی طرح سنا تھا۔

تفسیر درمنثور میں ہے :۔

واخرج عبد الرزاق والبخاری فی
تاریخہ وابن جریر وابن ابی داؤد
فی المصاحف عن ابی رافع مولی حفصۃ
قال استکتبتنی حفصۃ
مصحفا فقالت اذا اتیت علی ھذہ
الآیۃ فتعال حتی املیہا علیک
کما اقرأتہا فلما اتیت علی ھذہ
الآیۃ حافظوا علی الصلوۃ قالت
اکتب حافظوا علی الصلوۃ والصلوۃ
الوسطی وصلوۃ العصر فلقیت
ابی بن کعب فقلت ابا المنذر
ان حفصۃ قالت کذا وکذا فقال
ھو کما قالت اولیس اشغل ما
نکون عند صلاۃ الظہر فی عملنا
واخرج مالک وابو عبید
وعبد بن حمید وابو یعلی وابن
جریر وابن الانباری فی المصاحف
والبیہقی فی سننہ عن عمرو بن رافع
قال کنت اکتب مصحفا لحفصۃ
زوج النبی صلی اللہ علیہ وسلم
فقالت اذا بلغت ھذہ الآیۃ
فاذنی حافظوا علی الصلوات و
الصلاۃ الوسطی فلما بلغتہا

عبد الرزاق نے و بخاری نے اپنی تاریخ میں ابن
جریر نے اپنی تفسیر میں، ابن داؤد نے المصاحف
میں ابو رافع غلام حضرت حفصہ بنت عمر سے
روایت کی ہے، وہ کہتا ہے کہ حضرت حفصہ نے
مجھ سے ایک قرآن کا نسخہ لکھنے کو کہا اور کہا
کہ جب تو اس آیت پر پہنچے تو مجھے بتا دینا
تاکہ میں بولتی جاؤں اور تو لکھتا جائے
جس طرح کہ میں اس آیت کو پڑھا کرتی ہوں
پس جب میں اس آیت پر پہونچا یعنی آیہ
حافظوا علی الصلوۃ تو حفصہ نے کہا کہ لکھ حافظوا
علی الصلوۃ والصلاۃ الوسطی وصلوۃ العصر
پس اس کے بعد میں ابی بن کعب سے ملا۔
اور اس سے کہا کہ اے ابو المنذر مجھ سے حفصہ
نے یہ کہا اس نے کہا کہ وہ سچ کہتی ہیں
کیا نماز ظہر کے وقت ہم اپنے کاموں میں مشغول
نہیں ہو جاتے مالک و ابو عبیدہ عبد بن حمید
و ابو یعلی و ابن جریر نے اور ابن الانباری
نے المصاحف میں اور بیہقی نے اپنی سنن
میں عمرو بن نافع سے روایت کی ہے وہ کہتا
ہے کہ حضرت حفصہ زوجہ نبی کے لئے میں ایک
قرآن شریف لکھ رہا تھا، حضرت حفصہ نے
کہا کہ جب تو اس آیت پر پہنچے تو میری اجازت
لے لینا، آیۃ یہ تھی حافظوا علی الصلوۃ والصلوۃ

آذنتہا فاملت علیّ حافظوا علی
الصلوٰۃ وَالصّلاۃ الوسطی وصلاۃ
العصر وقوموا للہ قانتین و
قالت اشہد انی سمعتہا من
رسول للہ صلے اللہ علیہ وسلم
واخرج عبدالرزاق عن نافع ان
حفصہ دفعت مصحفا الیٰ مولیٰ
لہا یکتبہ وقالت اذا بلغت ھذہٖ
الاٰیۃ حافظوا علی الصّلواۃ والصّلاۃ
الوسطے فاذنی فلمّا بلغہا جاءھا
فکتبت بیدھا حافظوا علی
الصلوٰۃ والصلاۃ الوسطی وصلاۃ
العصر واخرج مالک واحمد و
عبد بن حمید ومسلم وابوداؤد
والترمذی والنسائی وابن جریر
وابن ابی داؤد وابن الانباری
فی المصاحف والبیہقی فی سننہ
عن ابی یونس مولیٰ عائشہ قال
امرتنی عائشہ ان اکتب
لہا مصحفاً وقالت اذا بلغت
ھذہ الاٰیۃ فاذنی حافظوا علی
الصلواۃ والصلاۃ الوسطی فلمّا
بلغتہا آذنتہا فاملت علی حافظوا

الوسطیٰ پس جب میں اس آیت پر پہونچا تو
ان کی اجازت چاہی تو انہوں نے آیت بول
کر اس طرح لکھوائی حافظوا علی الصلوٰۃ والصلوٰۃ
الوسطیٰ وصلاۃ العصر وقوموا للہ قانتین اور
کہا کہ میں گواہی دیتی ہوں کہ میں نے جناب
رسول خدا سے اسی طرح سنا تھا اور عبدالرزاق
نے رُواۃ کے سلسلہ سے نافع سے روایت کی
ہے کہ حفصہ نے ایک قرآن شریف اپنے غلام
کو لکھنے کے لئے دیا اور کہا کہ جب تو اس
آیت پر پہنچے حافظوا علی الصلوٰۃ والصلاۃ
الوسطے تو مجھے بتا دینا جب وہ اس آیت
پر پہنچا تو وہ غلام ان کے پاس گیا حضرت
حفصہ نے اپنے ہاتھ سے لکھ دیا حافظوا علی
الصلوٰۃ والصلاۃ الوسطیٰ وصلاۃ العصر اور
امام مالک اور امام احمد وعبد بن حمید ومسلم
وابوداؤد وترمذی ونسائی وابن جریر و
ابن ابی داؤد نے اور ابن الانباری نے المصاحف
میں اور بیہقی نے اپنے سنن میں ابو یونس غلام
حضرت عائشہ سے روایت کی ہے وہ کہتا ہے کہ
عائشہ نے مجھے حکم دیا کہ میں ایک قرآن شریف
ان کے لئے لکھوں اور کہا کہ جب تو اس آیت
پر پہنچے تو مجھے بُلا لینا حافظوا علی الصلوٰۃ والصلاۃ
الوسطیٰ پس جب میں اس آیت پر پہنچا تو میں نے

علی الصلوٰۃ والصلوٰۃ الوسطیٰ وصلوٰۃ العصر وقوموا للہ قانتین وقالت عائشہ سمعتہا من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واخرج عبد الرزاق وابن جریر وابن ابی داؤد فی المصاحف وابن المنذر عن ام حمید بنت عبد الرحمٰن انہا سألت عائشہ عن الصلوٰۃ الوسطیٰ فقالت کنا نقرؤ ھا فی الحرف الاول علی عہد النبی صلی اللہ علیہ وسلم حافظوا علی الصلوٰۃ والصلوٰۃ الوسطیٰ وصلوٰۃ العصر وقوموا للہ قانتین - جلال الدین سیوطی کتاب الدر المنثور جزو اول ص ۳۰۲

ان کو بتایا، اونہوں نے خود بول بول کر یہ آیت اس طرح لکھوائی حافظوا علی الصلوٰۃ والصلوٰۃ الوسطیٰ وصلوٰۃ العصر وقوموا للہ قانتین - عائشہ نے کہا کہ میں نے رسول خدا سے اسی طرح سنا تھا اور ابن جریر و عبد الرزاق نے و ابن ابی داؤد نے المصاحف میں اور ابن المنذر نے ام حمید بنت عبد الرحمٰن سے روایت کی ہے وہ کہتی ہے کہ میں نے حضرت عائشہ سے الصلوٰۃ الوسطیٰ کی بابت پوچھا تو اس نے کہا کہ ہم عہد جناب رسالتمآب میں اسی طرح پڑھتے تھے اور حافظوا علی الصلوٰۃ والصلوٰۃ العصر وقوموا للہ قانتین -

کتاب موطا امام مالک اور فتح الباری ابن حجر عسقلانی میں بھی یہ دونوں روایتیں حضرت عائشہ اور حضرت حفصہ کی اسی طرح درج ہیں ، غلاموں کا مبلغ علم ظاہر ہے - باب مدینۂ علم نبی کو چھوڑ کر غلاموں کی علم ولیاقت پر بھروسہ کرنا جس حکومت کی سیاسی تدبیروں کا نتیجہ ہو اس کا آخری انجام معلوم -

حضرت عثمان کے زمانہ میں قرآن شریف کو اس کی موجودہ شکل دی گئی اس کے لئے ایک کمیٹی مقرر ہوئی - یہ قصہ اس طرح ہے -

حدثنا موسی حدثنا ابراہیم حدثنا ابن شہاب ان انس بن مالک حدثہ ان حذیفہ بن

اسمائے راویان عربی عبارت میں ملاحظہ فرمائیے (انس بن مالک کہتے ہیں کہ جنگہائے آرمینیہ و آذربائیجان کے

الیمان قدم علی عثمان وکان یغازی	دوران میں حذیفہ بن الیمانی حضرت عثمان
اھل الشام فی فتح ارمینیہ واذر	کے پاس آئے کیونکہ ان کو قرآن شریف
بیجان مع اھل العراق فافزع	میں لوگوں کے اختلاف نے بہت رنج
حذیفہ اختلافھم فی القرأۃ	پہنچایا تھا اور کہا کہ اے امیرالمومنین اس
فقال حذیفہ لعثمان یا امیر	امت کی مدد کو پہونچو قبل اس کے کہ
المومنین ادرک ھذہ الامۃ	یہود ونصاریٰ کی طرح اپنی کتاب
قبل ان یختلفوا فی الکتاب	میں اختلاف پیدا کردیں۔ پس
اختلاف الیھود والنصاریٰ	عثمان نے حفصہ کے پاس آدمی بھیجا
فارسل عثمان الی حفصہ ان	کہ ہمارے پاس قرآن شریف کا
ارسلی الینا بالصحف ننسخھا	نسخہ بھیجدو تاکہ ہم نقل کرلیں۔ پھر ہم تمکو
فی المصاحف ثم نردھا الیک	واپس کردیں گے، پس حفصہ نے اپنا
فارسلت بھا حفصہ الی عثمان	قرآن شریف عثمان کے پاس بھیج دیا۔
فامر زید بن ثابت وعبد اللہ	انہوں نے زید بن ثابت وعبد اللہ بن
بن الزبیر وسعید بن العاص	زبیر وسعید بن العاص وعبد
وعبد الرحمٰن بن الحرث بن	الرحمٰن بن الحرث بن ہشام کی
ھشام فنسخوھا فی المصاحف وقال	ایک جماعت مقرر کی، اور ان سے کہا
عثمان للرھط القرشیین	کہ اس کی نقلیں کرو، اور اگر تم آپس
الثلاثۃ اذا اختلفتم انتم	میں اختلاف کرو، زید بن ثابت
وزید بن ثابت فی شئ من	سے تو قریش کی زبان میں لکھو کیونکہ
القرآن فاکتبوہ بلسان قریش	یہ قرآن شریف قریش کے لہجہ میں
فانما نزل بلسانھم ففعلوا	نازل ہوا ہے۔ پس انہوں نے ایسا
حتی اذا نسخوا الصحف فی	ہی کیا، اور نقلیں ختم کردیں۔ تو عثمان
المصاحف ردّ عثمان الصحف الی	نے حفصہ کا قرآن تو واپس کردیا اور ایک ایک نسخہ ہر ملک میں بھیجدیا

حفصہ وارسل الی کل افق بمصحف مما نسخوا وامر بما سواہ من القرآن فی کل صحیفۃ او مصحف ان یحرق قال ابن شہاب واخبرنی خارجہ بن زید بن ثابت سمع زید بن ثابت قال فقدت آیۃ من الاحزاب حین نسخنا المصحف قد کنت اسمع رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم یقرأ بہا فالتمسنا ھا فوجدنا ھا مع خزیمہ بن ثابت الانصاری من المومنین رجال صدقوا ما عاھدوا اللہ علیہ فالحقنا ھا فی سورتھا فی المصحف

اور حکم دیا کہ اس کے سوا اگر کچھ اور قرآن کا حصہ کہیں ملے تو اس کو جلادو ابن شہاب کہتے ہیں کہ مجھ کو زید بن ثابت کے لڑکے خارجہ نے بتایا کہ میں نے اپنے باپ زید کو کہتے سنا ہے کہ سورۂ احزاب کی ایک آیت نہیں ملتی تھی جب ہم قرآن لکھنے لگے جو جناب رسول خدا پڑھا کرتے تھے۔ پس ہم نے اس کو تلاش کیا۔ یہاں تک کہ خزیمہ بن ثابت کے پاس وہ مل گئی اور وہ آیۃ یہ تھی۔ مِنَ المومنین رِجَال صدقوا ما عاہدوا اللہ علیہ۔ پس ہم نے اس کو سورۂ احزاب میں داخل کر دیا۔

صحیح بخاری: کتاب فضائل القرآن باب جمع القرآن الجزء الثالث ص ۱۵۰۔

عبد السلام ندوی:۔ تاریخ فقہ اسلامی ص ۱۶۰

جلال الدین شیخ: الاتقان الجزء الاول ص ۵۹

حضرت عثمان کے زمانہ میں جمع قرآن کا کام ۲۵ھ ہجری میں انجام پایا، اس واقعہ سے مندرجۂ ذیل نتائج اخذ ہوتے ہیں۔

۱۔ حضرت عثمان کے پاس بھی مکمل قرآن نہ تھا اور نہ اس کا علم رکھتے تھے۔ انہیں زید ابن ثابت اور عبد الرحمٰن بن الحرث جیسے بچوں پر بھروسہ کرنا پڑا۔

۲۔ اب دیکھیں کہ اس کمیٹی کے ممبران کون کون تھے، زید ابن ثابت کا حال پہلے گذر گیا ہے، عبد اللہ ابن زبیر نواسے تھے حضرت ابو بکر کے۔ ۲ھ میں پیدا ہوئے، گویا جمع قرآن کے وقت ان کی عمر ۲۳ سال کی تھی۔ یہ وہ ۔ نہار نوجوان تھے جن کی نسبت حضرت علی فرمایا کرتے تھے کہ زبیر بن العوام

ہم میں سے تھے جب تک کہ ان کے بیٹے عبداللہ بڑے نہیں ہوئے تھے۔ سن تمیز کو پہنچ کر انہوں نے اپنے باپ کو حضرت علیؑ کے مخالف کر دیا۔ جنگ جمل اُن کی ہی کوششوں کا نتیجہ تھا، سعید بن العاص بنو امیہ میں سے تھے۔ ۱ سنہ ہجری میں پیدا ہوئے جمع قرآن کے وقت ان کی عمر ۲۴ سال کی تھی، ان کے والد بزرگوار کو جنگ بدر میں حضرت علیؑ نے قتل کیا تھا، (الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب الجزء الثانی ص ۵۵۵) عبدالرحمٰن بن الحارث بن ہشام بن المغیرہ مخزومی تھے۔ بنو مخزوم حضرت علی کے خاص طور سے دشمن تھے۔ جب آنحضرتؐ کا انتقال ہوا تو یہ دس سال کے تھے۔ جمع قرآن کے وقت ان کی عمر بھی ۲۴ یا ۲۵ سال کی تھی۔

۳۔ ایسے بچوں کو جمع قرآن کے لئے منتخب کیا جاتا ہے کہ جو ابھی سن تمیز کو بھی نہیں پہنچے تھے کہ نزول قرآن ختم ہو گیا تھا کوئی خاص فضیلت و بزرگی کے حامل نہ تھے، ہاں ان کا ایک مابہ الامتیاز تھا۔ کہ حضرت علیؑ سے دشمنی رکھتے تھے۔ ان کے مقابلہ میں کن کو نظر انداز کیا گیا، حضرت علی، عبداللہ ابن مسعود عبداللہ ابن عباس و عمار ابن یاسر، مقداد و ابوذر کو، یہ وہ بزرگوار تھے کہ جن کی فضائل سے خود گروہ اہل حکومت کی کتابیں بھری پڑی ہیں، عبداللہ ابن مسعود کی نسبت ان کی کتابوں میں لکھا ہے کہ جناب رسول خدا نے فرمایا کہ اگر قرآن سیکھنا ہو تو عبداللہ ابن مسعود سے سیکھو۔ مگر ان خلفاء نے آنحضرتؐ کے اس قول کی بھی تائید نہ کی۔ کیوں؟ وجہ یہ ہے کہ یہ بزرگوار قرآن شریف کو اس پالیسی کے مطابق جمع کرنا نہیں چاہتے تھے جو اس وقت حکومت کی تھی، عبداللہ ابن مسعود سے حضرت عثمان نے کہا کہ اپنا قرآن ترک کر دو، اور ہمیں دیدو تاکہ ہم اس کو جلا دیں، انہوں نے انکار کیا اس پر حضرت عبداللہ ابن مسعود کو خوب مارا گیا۔

علامہ ابن عبدالبر لکھتے ہیں:-

وروی الاعمش عن شقیق ابی — اعمش نے روایت کی ہے ابو وائل شقیق بن

وائل قال لما امر عثمان فی المصاحف	سلم سے کہ جب حضرت عثمان نے قرآن کی
بما امر قام عبداللہ بن مسعود	نسبت وہ حکم دیا جو انہوں نے دیا تو عبداللہ
خطیبًا فقال ایامرونی ان اقرء	بن مسعود نے ایک خطبہ لوگوں کے سامنے دیا۔
القرآن علی قرأۃ زید بن ثابت	جس میں کہا کہ کیا یہ مجھ کو حکم دیتے ہیں کہ میں
والذی نفسی بیدہ لقد اخذت	قرآن کو زید بن ثابت کے مطابق پڑھوں بخدا
من فی رسول اللہ صلعم سبعین	لایزال میں نے جناب رسول خدا سے ستر سورتیں
سورۃ وان زید بن ثابت	اخذ کیں اور اس وقت زید ابن ثابت
لذؤابہ یلعب بہ الغلمان۔	بچوں کے ساتھ کھیلتا تھا۔

ابن عبدالبر:۔ الاستیعاب الجزء الاول ترجمہ عبداللہ بن مسعود ص ۳۷۳۔

قال حذیفہ لقد علم المحفوظون	حذیفہ کہتے ہیں کہ اصحاب رسول میں
من اصحاب رسول اللہ صلی اللہ	سے جو حافظان قرآن تھے وہ جانتے
علیہ وسلم ان عبداللہ بن	تھے کہ عبداللہ ابن مسعود ان سب میں
مسعود کان من اقربھم وسیلۃ	آنحضرت صلعم سے نزدیک تر تھے اور زیادہ
واعلمہم بکتاب اللہ۔	علم قرآن رکھنے والے تھے۔

الاستیعاب:۔ ترجمہ عبداللہ بن مسعود ص ۳۷۲۔

۳:۔ جو قرآن حضرت ابوبکر کے زمانہ میں جمع کیا گیا تھا اور حضرت حفصہ کے پاس رکھا گیا تھا اور جس کو اب حضرت عثمان نے نقل کے لئے طلب کیا تھا وہ بھی کامل نہ تھا، اگرچہ زید ابن ثابت کا ہی جمع کیا ہوا تھا، اب ۱۴ برس کے بعد ان کو یاد آیا کہ اس میں ایک آیت رجالٌ صَدَقُوْا مَا عَاھَدُوْا الآیۃ نہیں ہے، لہذا اس کی تلاش میں نکلے۔

۴۔ تمام حفاظ اور صحابہ میں سے وہ کسی کے پاس سوائے خزیمہ بن ثابت کے نہ نکلی۔

۵۔ تو کیا احتمال نہیں ہو سکتا اور ایسی ہی آیتیں ہوں گی جو اسی طرح جمع

ہونے سے رہ گئیں کیونکہ زید ابن ثابت کے ذہن سے اتر گئیں۔

۶۔ اس جمع شدہ قرآن کو چاہیئے تھا کہ مسجد میں صحابہ کے مجمع میں پیش کرتے تاکہ اس میں اگر کوئی آیت نہ ہوتی تو دیگر لوگ اس کمی کو پورا کر دیتے۔ بلکہ بہتر تو یہ ہوتا کہ تمام سلطنت سے قرآن شریف جمع کر کے اس سے مقابلہ کرتے۔

۷۔ لیکن ایسا نہ کیا بلکہ اس کو تو حکماً قطعی کر کے کسی اور کو اس پر گفتگو کرنے کا حق بھی نہ دیا، اور جس نے اس کو قبول کرنے سے انکار کیا اسکو مارا۔

۸۔ ایسی سختی کی درآنحالیکہ خود قرآن شریف کا علم نہیں رکھتے تھے اور اپنے پاس مکمل قرآن نہ تھا، اگر اپنے پاس مکمل قرآن ہوتا تب بھی کچھ بات تھی۔

۹۔ اتنی مشکلات جمع قرآن میں پیش آئیں مگر حضرت علی کی طرف پھر بھی رجوع نہ کیا۔

۱۰۔ کیا یہ امر بذات خود ایک بہت بڑی دلیل نہیں ہے کہ حضرت علی کے ساتھ ہی تمام بنو ہاشم کو نظر انداز کر دیا، ان میں سے ایک کی طرف بھی اس کام کے لئے رجوع نہ کیا۔

ان تمام امور سے صریحاً ثابت ہے کہ جمع قرآن ایک سیاسی تدبیر تھی۔ حدیث مدینۃ العلم اور دیگر احادیث جو حضرت علی کی شان میں تھیں اور لوگوں میں جاری تھیں ان کے اثر کو دور کرنے کے لئے بھی یہ ایک تدبیر تھی، عام لوگوں کو جتانا مطلوب تھا کہ حضرت علی سے بہت اعلیٰ و بہتر و افضل لوگ موجود ہیں ان میں تو معاذ اللہ قرآن کے جمع کرنے کی بھی اہلیت نہیں ان سے تو ۲۲ برس کے چھوکرے زیادہ عالم قرآن ہیں۔

سوال ششم۔

ظاہر ہے کہ قرآن شریف کی ترتیب موجودہ ترتیب سے بہت بہتر ہو سکتی تھی اگر مطابق تنزیل کے ہوتا تو کیا اچھا تھا، بہت کچھ اس موضوع پر لکھا جا سکتا ہے لیکن یہاں اس کی ضرورت نہیں۔

سوال ہفتم و ہشتم

صحیح بخاری میں ایک خاص باب اس عنوان سے قائم کیا گیا ہے۔ بَابُ قولِ النبیّ صلّی اللہُ علیہ وسلم لتتّبِعُنّ سُنَنَ مَنْ کَانَ قَبْلَکُمْ یعنی آنحضرتؐ کا قول کہ البتہ تم چلوگے اگلے لوگوں کی چالوں پر۔ اس باب کے تحت میں ایک حدیث یہ لکھی ہے:-

حدثنا محمد بن عبد العزیز قال حدثنا ابو عمر الصنعانی من الیمن عن زید بن اسلم عن عطاء بن یسار عن ابی سعید الخدری عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال لتتبعن سنن من قبلکم شبرا شبرا و ذراعا ذراعا حتی لو دخلوا جحر ضب تبعتموھم قلنا یا رسول اللہ الیھود والنصاریٰ قال فمن۔	(اسمائے راویان عربی میں دیکھو) ابو سعید خدری کہتے ہیں کہ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ البتہ تم چلوگے اگلے لوگوں کی چالوں پر بالشت بالشت بھر اور ہاتھ ہاتھ بھر یہاں تک کہ اگر وہ سوسمار کے سوراخ میں گھسے ہونگے تو تم بھی ان کی پیروی کروگے ہم نے عرض کی کہ یا حضرت کیا یہود و نصاریٰ کی چال پر چلیں گے آنحضرتؐ نے فرمایا اگر یہی نہیں تو پھر کون یعنی یہود و نصاریٰ ہی مراد ہیں ان کی چال پر چلوگے۔

صحیح بخاری:- کتاب الاعتصام بالکتاب والسنۃ الجزء الرابع ص ۱۷۶۔

یہ حدیث دیگر کتب احادیث یعنی صحیح مسلم و کنز العمال و سنن نسائی وغیرہ میں بھی درج ہے، یہود و نصاریٰ کا اپنی اپنی آسمانی کتابوں کی تحریف کرنا۔ قرآن شریف سے ثابت ہے، یہود و نصاریٰ نے اپنی اپنی کتابوں کی ان آیات میں تحریف کی جو آنحضرتؐ کی رسالت کی تصدیق کرتی تھیں، اور ایسی آیات کو چھپانا چاہتے تھے۔ نہیں چاہتے تھے کہ ان کے مخالفین یعنی مسلمانوں کو معلوم ہوں وہ لوگ کلمات و الفاظ کو ان کی اصلی جگہ سے ہٹا کر دوسری جگہ میں رکھ دیتے تھے تاکہ سیاق و سباق کلام کی وجہ سے تاویل و معانی میں تحریف ہو سکے۔ ملاحظہ ہو پارہ ۵ ع۱

سورۂ بقرع ۵۔ سورۂ بقر ۹ و پارۂ ۳ سورۂ آل عمران ع ۷ و پارہ ۵ سورۃ النساء ع ۷۔ اس عالم الغیب والشہادۃ نے اس پر ہی اکتفاء نہ کی۔ یہود اور نصاریٰ کے اس مذموم فعل کی قلعی کھولی جائے بلکہ خود مسلمانوں کو مخاطب کرکے فرمایا:۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْتُمُوْنَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ الْكِتٰبِ وَيَشْتَرُوْنَ بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا اُولٰٓئِكَ مَا يَاْكُلُوْنَ فِيْ بُطُوْنِهِمْ اِلَّا النَّارَ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَلَا يُزَكِّيْهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ہ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الضَّلٰلَةَ بِالْهُدٰى وَالْعَذَابَ بِالْمَغْفِرَةِ ج فَمَآ اَصْبَرَهُمْ عَلَى النَّارِ ہ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ نَزَّلَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ ط وَاِنَّ الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِي الْكِتٰبِ لَفِيْ شِقَاقٍ بَعِيْدٍ ہ پارہ ۲۔ سورۃ البقرع ۲۱۔	وہ لوگ جو اس کو چھپاتے ہیں جو کچھ خدا نے کتاب میں نازل کیا ہے اور اس کو تھوڑی قیمت پر بیچتے ہیں وہ اپنے پیٹ میں انگارے بھرتے ہیں اور خداوند تعالیٰ قیامت کے دن نہ تو ان سے بات کریگا اور نہ ان کو پاک کریگا اور ان کے لئے عذاب دردناک ہے یہ وہی ہیں جنہوں نے ہدایت کے بدلے گمراہی اور بخشش کے بدلہ عذاب خرید لیا تو بس اب یہ آتش جہنم پر کیا اچھی طرح رہنے والے ہیں یہ اس لئے کہ یقیناً خدا نے کتاب کو حق کے ساتھ نازل کیا ہے اور جن لوگوں نے اس کتاب میں اختلاف کیا ہے وہ بے شک بہت بڑی نافرمانی پر ہیں۔

اِن آیات کو جن کا ذکر اوپر کیا گیا ہے، جناب رسول خدا کی اس حدیث کے ساتھ ملا کر پڑھنے سے بدیہی نتیجہ نکلا کہ امت محمدیہ بھی یہود و نصاریٰ کی طرح اپنی کتاب میں تحریف کریگی۔

تحریف دو قسم کی ہوتی ہے۔ لفظی اور معنوی۔ پھر لفظی تحریف تین طرح سے ہو سکتی ہے (۱) کسی لفظ کلمہ یا آیت کو اپنے اصلی مقام سے ہٹا کر دوسری جگہ رکھنا (۲) کمی الفاظ (۳) زیادتی الفاظ۔ زیادتی الفاظ کا کوئی فریق قائل نہیں۔ یعنی اس موجودہ قرآن شریف میں انسانی کلام نہیں ہے۔ معنوی تحریف قرآن شریف کی آیات کی غلط تاویل کرنے کو کہتے ہیں، اور اس کے سب قائل ہیں، جب ایک آیت کی

کی مختلف تاویلیں ہوئیں تو ظاہر ہے کہ صحیح تاویل کے علاوہ باقی معنوی تحریف ہے اور یہ ظاہر ہے کہ اسلام کے سب فرقے اس غلط تاویل ہی کا نتیجہ ہیں۔ بہت سے صحابہ بھی چونکہ باب مدینۂ علم نبی کی طرف رجوع نہیں کرتے تھے، قرآن شریف کی آیات کی معنی میں ایک دوسرے سے اختلاف رکھتے تھے، آیات کو ان کی اصلی جگہ سے اٹھا کر دوسری موقعہ پر رکھنا جسکو قرآن شریف میں یحرفون الکلمہ عن مواضعہ کے فقرے سے ظاہر کیا گیا ہے سو یہ بھی ظاہر ہے مثال کے طور پر آیۂ تطہیر کو لو اپنی موجود جگہ پر بے جوڑ معلوم ہوتی ہے اور یہ تو سب مانتے ہیں کہ موجودہ قرآن شریف تنزیل کی ترتیب کے مطابق نہیں ہے۔

اب صرف ایک قسم کی تحریف رہ گئی جو الفاظ یا آیات کی کمی کا نام ہے۔ یہ نہایت نازک مسئلہ ہے۔ میں اپنے تئیں اس قابل نہیں سمجھتا کہ اس اہم مسئلہ پر فتوی دوں، جو شخص اس پر فتوی لینا چاہتا ہے وہ مجتہدین کی طرف رجوع کرے اور نہ میں اپنی موجودہ بحث کے لئے اس قسم کی تحریف کے قائل ہونے کی ضرورت محسوس کرتا ہوں، جہاں تک ہم نے علماء کی کتابوں کا مطالعہ کیا ہے تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ شیعہ مجتہدین اپنی کتابوں میں لفظی تحریف کے عقیدے کے خلاف ہیں لیکن اہل سنت و الجماعت کے علماء اس تحریف کے قائل نظر آتے ہیں اب جو کچھ ہم کہیں گے وہ اہل سنت وجماعت کے علماء کی رائے ہوگی۔

امام شعرانی اپنی کتاب الکبریت الاحمر فی بیان علوم الشیخ الاکبر میں لکھتے ہیں :۔

قال ولوان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان ھوالذی تولی بجمع القرآن لوقفنا وقلنا ھذا وحدہ ھوالذی نتلوہ یوم القیامۃ وقال لولوما	کہا کہ اگر جناب رسول خدا خود جمع قرآن کی نگرانی کرتے تو ہم ضرور توقف کرتے اور کہتے کہ یہی ہے وہ قرآن جس کی ہم روز قیامت تلاوت کرینگے، اور کہا کہ اگر یہ نہ ہوتا کہ یہ ضعیف دلوں کے واسطے سبقت

يسبق للقلوب الضعيفة ووضع الحكمة في غير أهلها البينت جميع ما سقط من مصحف عثمان واما ما استقر في مصحف فلم ينازع احد فيه ص برحاشیہ الیواقیت والجواہر مطبوعہ مصر۔

کریگا (یعنی ان کو شبہات پیدا ہوں گے) اور اس کہنے سے نااہلوں میں حکمت کو ڈال دینا ہوگا (یعنی ایسا کہنے سے نااہل لوگوں کو حکمت کی بات بتا دینا ہوگا) تو ہم آئندہ ہم ان تمام آیات کو ضرور بیان کر دیتے جو مصحف عثمان سے ساقط ہیں اور کہا شیخ الاکبر نے لیکن جو کچھ اب باقی ہے مصحف عثمان میں پس کسی نے اس میں تنازعہ نہیں کیا۔

آپ نے دیکھا امام شعرانی اور ان کے شیخ کی تحقیق یہ ہے کہ اس موجودہ مصحف سے بہت سی آیات ساقط ہیں، اگر خود جناب رسالت مآب اس قرآن کے جمع کرنے کی نگرانی کرتے تو پھر ان کو کچھ عذر نہ ہوتا، اور وہ یقین کرتے کہ یہ وہی قرآن ہے، جس کی تلاوت روز قیامت ہوگی مگر اب ان کو اس میں کلام ہے، ان ساقط شدہ آیات کو امام شعرانی محض اس وجہ سے بیان نہیں فرماتے کہ لوگوں کے اعتقادات میں ضعف آجائے گا۔

کتاب الدر المنثور میں علامہ جلال الدین سیوطی تحریر کرتے ہیں :-

اخرج ابو عبيد وابن الضريس وابن الانباري في المصاحف عن ابن عمر قال لا يقولن احدكم قد اخذت القرآن كله ما يدريه ما كله قد ذهب منه قرآن كثير ولكن يقل قد اخذت ما ظهر منه -

ابوعبید و ابن الضریس اور نیز ابن الانباری المصاحف میں ابن عمر سے روایت کرتے ہیں ابن عمر نے کہا کہ کوئی تم میں سے یہ نہ کہے کہ میرے پاس مکمل قرآن ہے اُسے کیا معلوم کہ مکمل قرآن کتنا تھا۔ قرآن شریف کا بہت سا حصہ ضائع ہوگیا ہے ہاں وہ یہ کہہ سکتا ہے کہ میرے پاس اتنا قرآن ہے جتنا اب ظاہر ہے۔

سورۂ احزاب و آیۃ رجم :۔ دراصل سورۂ احزاب بہت طویل تھی ۔ سورۂ البقر سے بہت بڑی تھی اور اس میں آیۃ رجم تھی ۔

جلال الدین سیوطی کتاب الدر المنثور الجزء الخامس ص ۱۷۹ و ۱۸۰ ۔

تفسیر اتقان

امام راغب اصفہانی ۔ محاضرات ۔

حدثنا ابن ابی مریم عن ابی لہیعہ عن ابی الاسود عن عروۃ بن الزبیر عن عائشہ قالت کانت سورۃ الاحزاب تقرء فی زمان النبی مائتی آیۃ فلما کتب عثمان المصاحف لم یقدر منہا الا علی ما ھو الآن ۔	حضرت عائشہ کہتی ہیں کہ جناب رسولخدا کے زمانہ میں سورۃ الاحزاب کی دو صد آیتیں پڑھی جاتی تھیں مگر جب عثمان نے قرآن لکھوائے تو ان کو صرف اتنی ہی مل سکیں کہ جتنی اب ہیں ۔

آیت رجم قرآن شریف کا حصہ ہے مگر موجودہ قرآن میں نہیں ہے ۔

صحیح بخاری الجزء الرابع باب رجم الحبلی ص ۱۱۹ و مسند امام احمد حنبل الجزء الاول

الجزء الخامس ص ۱۳۲، ۱۸۳ ۔ ۲۳۴، ۴۰، ۵۵

در منثور الجزء الخامس ص ۱۸۰ و تفسیر اتقان الجزء الاول ص ۵۸

موطائے امام مالک و محاضرات امام راغب ، فتح الباری ابن حجر عسقلانی

سورۃ الخلع و سورۃ الحفد ۔ موجودہ قرآن شریف میں یہ دونوں سورتیں اب موجود نہیں ہیں لیکن ان بزرگواروں کا اعتقاد ہے کہ یہ دونوں سورتیں قرآن شریف کا جزو ہیں اور خداوند تعالیٰ کا کلام ہیں لیکن حضرت عثمان کو نہ مل سکیں ۔ جلال الدین سیوطی نے تو ان دونوں سورتوں کو مکمل اپنی کتاب الدر المنثور میں لکھا ہے اور ان کی تفسیر بھی کی ہے ۔

جلال الدین سیوطی :۔ کتاب الدر المنثور الجزء السادس ص ۴۲۰ و ۴۲۱

تفسیر اتقان الجزء الاول النوع التاسع فی عدد سورہ و

وآیاتہ وکلماتہ وحروفہ ص ۶۵ -

اگر طوالت کا خوف نہ ہوتا تو ہم وہ تمام حوالے اور کتابوں کے نام لکھتے۔ جن میں ان دونوں سورتوں کا قرآن عبداللہ ابن مسعود وابی بن کعب، وابن عباس میں موجود ہونا بیان کیا ہے، ابوموسیٰ اشعری بھی اِن سورتوں کی تلاوت کیا کرتے تھے، اور حضرت علیؑ نے یہ دونوں سورتیں عبداللہ عافقی کو تعلیم کی تھیں کتاب الدرالمنثور میں یہ سب درج ہیں۔

اور کئی سورتیں اور آیات غائب اور ضائع شدہ بیان کی جاتی ہیں مگر اس کی تفصیل ہمارے موضوع سے باہر ہے ہاں یہ ثابت کرنا ہمارے ذمہ ہے کہ خود اِن بزرگوں کے عقیدے کے مطابق قرآن شریف میں صحابہ کے بہت سے مثالب و معائب بیان کئے گئے تھے اور حضرت علیؑ کے بہت سے فضائل تھے جو جامع قرآن کمیٹی نے خارج کر دئے چنانچہ سورۂ توبہ کی نسبت لکھتے ہیں۔

اخرج ابن ابی شیبہ والطبرانی فی الاوسط وابوالشیخ والحاکم وابن مردودیہ عن حذیفہ رضی اللہ عنہ قال التی تسمون سورۃ التوبہ ھی سورۃ العذاب واللہ ماترکت احدا الانالت منہ ولا تقرؤن منہا مما کنا نقرأ الا ربعہا۔۔۔۔۔۔۔۔۔	ابن ابی شیبہ وہ ابوالشیخ وحاکم وابن مردویہ اور طبرانی نے اوسط میں اپنے اپنے اسناد کے ساتھ حذیفہ سے روایت کی ہے وہ کہتے ہیں کہ جسکو تم سورۃ توبہ کہتے ہو وہ تو سورۂ عذاب ہے قسم بخدا اس نے تو صحابہ میں سے کسی کو بغیر اسکے معائب بیان کئے چھوڑا ہی نہیں تم تو اس سورۃ کا چوتھائی حصہ بھی نہیں پڑھتے جو ہم پڑھا کرتے تھے۔۔۔۔۔۔۔
واخرج ابوعبید وابن المنذر وابو الشیخ وابن مردویہ عن سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ قال قلت لابن عباس رضی اللہ عنہما سورۃ	ابوعبید وابن المنذر وابوالشیخ و ابن مردویہ نے اپنی اپنی اسناد کے ساتھ سعید بن جبیر سے روایت کی ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے ابن عباسؓ سے سورۂ

التوبة قال التوبة بل هي الفاضحة ما زالت تنزل ومنهم حتى ظننا ان لن يبقى منا احد الا ذكر فيها واخرج ابو عوانة وابن المنذر وابو الشيخ وابن مردويه عن ابن عباس رضي الله عنهما ان عمر رضي الله عنه قيل له سورة التوبة قال هي الى العذاب اقرب ما اقلعت عن الناس حتى ما كادت تدع منهم احدا واخرج ابو الشيخ عن عكرمة رضي الله عنه قال قال عمر رضي الله عنه ما فرغ من تنزيل براءة حتى ظننا انه لم يبق منا احد الا سينزل فيه وكانت تسمى الفاضحة......

. . . .

واخرج ابو الشيخ عن حذيفة رضي الله عنه قال ما تقرؤن ثلثها يعني سورة التوبة۔

توبہ کا ذکر کیا، انہوں نے کہا کہ سورۂ توبہ کیا وہ سورۃ فاضحہ یعنی عیب ظاہر کرنے والا سورہ ہے وہ نازل ہوتا رہا یہاں تک کہ ہم نے سمجھا کہ ہم میں سے کسی کو بھی نہیں چھوڑیگا، اور ابو عوانہ وابن المنذر وابو الشیخ وابن مردویہ اپنے اپنے اسناد کے ساتھ ابن عباس سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمر کے سامنے سورۂ توبہ کا ذکر ہوا، انہوں نے کہا توبہ کیا یہ تو عذاب سے زیادہ قریب ہے، اس نے تو ہم میں سے کسی کو چھوڑا ہی نہیں۔ ابو الشیخ نے اپنے اسناد کے ساتھ عکرمہ سے روایت کی ہے وہ کہتا ہے کہ حضرت عمر نے کہا کہ اس سورۃ کا تو نازل ہونا ختم ہی ہوا یہاں تک کہ ہم نے خیال کیا کہ ہم میں سے کسی کو بھی بغیر عیب بیان کئے نہ چھوڑیگی اور اس کا نام ہم نے فاضحہ رکھا.....

ابو الشیخ نے اپنی اسناد کے ساتھ حذیفہ سے روایت کی ہے وہ کہتے ہیں کہ تمہارے پاس تو اصل سورۂ توبہ کا تیسرا حصہ بھی نہیں ہے

جلال الدین سیوطی:۔ کتاب الدر المنثور الجزء الثالث ص ۲۰۸

" :۔ تفسیر اتقان الجزء الاول ص ۵۴، ۵۵

دیکھئے ان روایات کو کتنے جلیل القدر علماء مثل حاکم وابو شیبہ وطبرانی و ابوالشیخ وابن مردویہ وابن المنذر وابوعوانہ وجلال الدین سیوطی نے بیان کیا ہے ان روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ سورۂ توبہ تین چوتھائی کے قریب ضائع ہوگئی اس میں صحابہ کے معائب و مثالب کھول کھول کر بیان کئے گئے تھے اور اب وہ معائب و مثالب موجودہ سورۃ میں نہیں ملتے، ثابت ہوا کہ جو حصہ سورۂ توبہ کا ساقط کردیا گیا وہ تھا جس میں یہ معائب و مثالب تھے۔

نقصان آیۂ رجم و آیۂ رضاع کبیر

قالت عائشہ لقد نزلت آیۃ الرجم و رضاع الکبیر وکانت فی رقعۃ تحت سریری و شغلنا بشکاۃ رسول اللہ فدخلت داجن للحی فاکلتہ۔

حضرت عائشہ کہتی ہیں کہ خداوند تعالیٰ نے آیۂ رجم و آیۂ رضاع کبیر نازل فرمائیں لیکن یہ دونوں آیتیں لکھی ہوئی میرے تکیہ کے نیچے رکھی ہوئی تھیں ہم تو آنحضرت صلعم کے مرض میں مشغول ہوئے اور ایک بکری آن کر کھا گئی۔

امام راغب اصفہانی :۔ محاضرات۔

فخرالدین عثمان بن علی متوفی رمضان ۷۴۳ھ ہجری : تبیان الحقائق شرح کنز الدقائق۔

حضرت عائشہ نے کیا اچھی تفسیر کی ہے آیۂ نحن نزّلنا الذکر و انّا لہٗ لحافظون کی۔ ایسے قرآن شریف لکھے ہوئے تھے جن سے زمانۂ حضرت ابوبکر میں وہ قرآن نقل کیا گیا جس سے بعد میں حضرت عثمان کے زمانہ میں جمع قرآن کی کمیٹی نے تمام ملت اسلامیہ کے لئے قرآن شریف مرتب کیا تھا کیا آپ کا خیال ہے کہ جناب رسول خدا اسی طرح لاپرواہی کے ساتھ قرآن شریف کو بکریوں کے حوالے کرکے دنیا سے رخصت ہوگئے، کیا انہوں نے اپنے وصی و جانشین و باب مدینۃ العلم کے ذمہ جمع قرآن کا فرض نہیں لگایا تھا ضرور لگایا تھا جب ہی تو حضرت علی نے اس فرض کی ادائیگی میں اس کام کو سب سے

اول کر کے حکومت کے سامنے پیش کیا، مگر حکومت نے بوجوہات چند در چند جو ظاہر ہیں، اس قرآن کو قبول و شائع کرنے سے انکار کیا، جس پر حضرت علیؑ نے فرمایا کہ اب تم قیامت تک اس قرآن کو نہیں دیکھو گے۔

قال ابو عبید حدثنا ابن ابی مریم عن نافع بن عمر الجمحی حدثنی ابن ابی ملیکہ عن المسور بن مخرمہ قال عمر لعبد الرحمٰن بن عوف الم نجد فیما انزل علینا ان جاھدوا کما جاھدتم اول مرۃ فانا لانجدھا قال اُسقطت فیما اسقط من القرآن ۔	(اسماء رواۃ عربی عبارت میں) عبد الرحمٰن بن عوف کے بھانجے مسور بن مخرمہ کہتے ہیں کہ حضرت عمر نے عبد الرحمٰن بن عوف سے کہا کہ کیا تم قرآن شریف میں جو نازل ہوا ہے اس میں آیۃ اِنَّ جَاھَدُوا الآیۃ کو نہیں پاتے ہم کو تو وہ نہیں ملتی، عبد الرحمٰن نے جواب دیا کہ یہ آیت بھی اس حصہ قرآن کیساتھ گرا دی گئی جو کہ ضائع کیا گیا ہے۔

جلال الدین سیوطی:۔ تفسیر اتقان ۔
علی المتقی:۔ کنز العمال ۔

حضرت عائشہ کی بھی یہی رائے تھی کہ حضرت عثمان نے قرآن شریف میں ناجائز تحریف کی ہے اور تغیر و تبدل کیا ہے چنانچہ اِنَّ اللّٰہَ وَمَلَآئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ الآیۃ کے نقصان کو ذکر کرنے کے بعد فرماتی ہیں کہ یہ آیت اُس وقت ایسی تھی قالت قَبْلَ اَنْ یُّغَیِّرَ عُثْمَانُ الْمَصَاحِفَ یعنی آپ فرماتی ہیں کہ قبل اس کے کہ عثمان نے قرآن شریف میں تغیر و تبدل کیا۔ **جلال الدین سیوطی:۔ تفسیر اتقان**

اب حضرت علی و آل محمدؐ کے ناموں اور الفاظ کے اخراج کی کیفیت ملاحظہ ہو۔

اخرج ابن مردویہ عن ابن مسعودؓ	ابن مردویہ نے اپنے اسناد سے ابن مسعود

قال عنا نقرء علیٰ عهد رسول الله یَا اَیُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَا اُنْزِلَ اِلَیْکَ مِنْ رَّبِّکَ اِنَّ عَلِیًّا مَوْلَی الْمُوْمِنِیْنَ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ وَاللّٰهُ یَعْصِمُکَ مِنَ النَّاسِ ط

سے روایت کی ہے وہ کہتے ہیں کہ ہم زمانہ جناب رسول خدا میں اس آیہ کو اس طرح پڑھا کرتے تھے اے رسول جو کچھ تمہارے پاس پیغام علی کی بابت تمہارے خدا سے پہنچا وہ لوگوں تک پہنچا دو کہ علی مومنین کا مولا ہے اور اگر تم نے ایسا نہ کیا تو خدا کی رسالت ہی ادا نہ کی اور خدا تمکو لوگوں کے شر سے محفوظ رکھیگا

جلال الدین سیوطی :۔ کتاب الدر المنثور الجزء الثانی ص ۲۹۸ ۔

ابونعیم :۔ حلیۃ اولیاء ۔

فخرالدین رازی :۔ تفسیر کبیر ۔

ابن مردویہ :۔ کتاب المناقب ۔

مرزا محمد بن معتمد خاں :۔ مفتاح النجا ۔

واخرج ابن ابی حاتم و ابن مردویہ و ابن عساکر عن ابن مسعود رضی الله عنہ انہ کان یقرء هٰذا الحرف و کَفَی اللّٰهُ المومنین القتال بعلیؑ بن ابی طالب ۔

ابن ابی حاتم و ابن مردویہ و ابن عساکر نے اپنے اسناد کے ساتھ ابن مسعود سے روایت کی ہے، وہ کہتے ہیں ہم اس طرح پڑھا کرتے تھے کَفَی اللّٰهُ الْمُؤْمِنِیْنَ الْقِتَالَ بِعَلِیِّ بْنِ اَبِیْ طَالِبٍ ۔

جلال الدین سیوطی :۔ کتاب الدر المنثور الجزء الخامس ص ۱۹۲

میرزا محمد بن معتمد خاں :۔ مفتاح النجا ۔

تفسیر ثعلبی میں مذکور ہے :۔

اخبرنی ابو محمد عبد الله بن محمد بن عبد الله القائینی نا ابو

(اسمائے راویان عربی کی عبارت میں ملاحظہ فرمائیے)

الحسین محمد بن عثمان بن الحسین النصیبی نا ابوبکر محمد بن الحسین بن صالح السبیعی فا احمد بن محمد بن سعید نا احمد بن ابی نعیم نا ابو جنادہ السلولی عن الاعمش عن ابی وائل قال قرءت فی مصحف عبد اللہ بن مسعود ان اللہ اصطفے آدم ونوحا وآل ابراھیم وآل عمران وآل محمد علی العالمین۔

ابو وائل سے مروی ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے عبد اللہ بن مسعود کے مصحف میں یہ آیت اس طرح دیکھی :۔ اِنَّ اللّٰہَ اصطفٰی آدَمَ وَ نُوحًا وآلَ اِبْرَاھِیْمَ وَ آلَ عِمْرَانَ وَآلَ مُحَمَّدٍ عَلَی الْعَالَمِیْنَ

خود ان بزرگوں کی اپنی کتابوں سے ثابت ہوگیا کہ جمع قرآن بھی مثل دیگر تجاویز کے ایک سیاسی ترکیب تھی جس کا مدعا یہ تھا کہ صحابہ کے معائب و مثالب اور حضرت علی کے فضائل کو پوشیدہ کیا جائے اور قرآن شریف کو اس طرح جمع کیا جائے جس سے یہ دونوں چھپ جائیں اس موقعہ پر قرآن شریف کی مندرجہ ذیل آیات تلاوت کریں جن میں مسلمانوں سے خطاب کیا گیا ہے۔

اِنَّ الَّذِیْنَ یَکْتُمُوْنَ مَا اَنْزَلَ اللّٰہُ مِنَ الْکِتَابِ وَیَشْتَرُوْنَ بِہٖ ثَمَنًا قَلِیْلًا اُولٰٓئِکَ مَا یَاْکُلُوْنَ فِیْ بُطُوْنِھِمْ اِلَّا النَّارَ وَلَا یُکَلِّمُھُمُ اللّٰہُ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ وَلَا یُزَکِّیْھِمْ وَلَھُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ۝ پارہ ۲ سورہ بقر ع ۲۱

وہ لوگ جو چھپاتے ہیں کتاب اللہ میں سے اس چیز کو جس کو خداوند تعالیٰ نے نازل کیا ہے اور اس کو چھپانے سے تھوڑا سا دنیاوی فائدہ حاصل کرتے ہیں وہ اپنے پیٹوں میں آگ بھرتے ہیں اور خداوند تعالیٰ روز قیامت ان سے کلام نہیں کریگا اور نہ ان کو پاک کریگا اور انکے لئے عذاب دردناک ہے

سوال نہم۔

ان بزرگوں کے عقیدہ کے مطابق ان کاتبوں کی جہالت کی وجہ سے مجبوں

نے حضرت عثمان کے لئے قرآن شریف نقل کیا بہت سی غلطیاں رہ گئی ہیں جن کو ان غلطیوں کی سیر کرنی مطلوب ہے ان کو چاہئیے کہ کتاب الدرالمنثور و تفسیر اتقان علامہ جلال الدین سیوطی، موطائے امام مالک و مسند امام احمد حنبل و تفسیر ابن جریر طبری وغیرہم بہت سی کتابوں کو دیکھے، یہ مضمون ہماری اس کتاب کے موضوع سے باہر ہے لہذا ہم چھوڑتے ہیں۔

سوال دہم

اوپر جو کچھ قرآن شریف کی تحریف وغیرہ کے متعلق ہم نے لکھا ہے وہ اہلسنت وجماعت کے علماء کا عقیدہ ہے، علماء شیعہ اس پر خاموش ہیں اور تحریف وغیرہ کے مسئلہ کو عام نہیں کرنا چاہتے ان کی کتابوں میں بطور عقیدہ یہ ہی لکھا ہوا پایا جاتا ہے کہ قرآن شریف میں نہ کوئی غلطی ہے اور نہ کوئی لفظی تحریف، اندریں صورت جو شخص مزید اس موضوع پر واقفیت حاصل کرنا چاہتا ہے، وہ مجتہدین کرام کی خدمت میں حاضر ہو ہم فتویٰ دینے کے مجاز نہیں ہمارا اپنا ذاتی عقیدہ تو یہ ہے کہ جتنا قرآن شریف موجود ہے، وہ سارا کلام اللہ ہے، اس میں کسی انسان کا کلام شامل نہیں، فرائض وحلال وحرام میں نہ کمی ہے نہ بیشی، اور فقط اس ہی اعتقاد کے لئے ہم مکلف ہیں، اب رہا اسقاط فقرہ جات والفاظ سو اس کی بحث ایک تاریخی حیثیت رکھتی ہے۔

تدبیر ہیزدہم انحراف از علیؑ

ان تمام تدابیر کا مقصد ومنشا یہی تھا کہ لوگوں کو حضرت علیؑ سے منحرف کیا جائے۔

تدبیر نوزدہم:- حضرت علیؑ کے مقابل دیگر اصحاب کو رکھنا اور لسبا اوقات انہیں حضرت علیؑ پر ترجیح دینی۔

ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ کارکنانِ سقیفہ بنی ساعدہ نے حضرت علیؑ اور

اہلبیت علیہم السلام کے مقابل میں صحابہ کا ایک مضبوط محاذ قائم کر لیا تھا، ان کی یہ کوشش تھی کہ یہ دو جماعتیں ایک دوسرے کے مخالف نظر آئیں اور ان دونوں کی باہمی کشمکش کے لئے ایک ایسا مستقل عنوان تیار کر دیا جائے کہ پھر یہ کبھی آپس میں مل ہی نہ سکیں، ان دونوں کی علیحدگی ہی میں حکومت سقیفہ کی زندگی تھی، اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے بہت سی ترکیبیں استعمال کی گئیں جن میں سے ایک یہ بھی تھی کہ صحابہ کے مقابلہ میں حضرت علی کی شان گھٹائی جائے، عالم دین و فقہ کا یہ فرض ہے کہ جب کوئی شخص مسئلہ پوچھے تو اس کو شرعاً جواب دیں، حضرت علی نے اس فرض کو محسوس کیا اور آنحضرتؐ کی رحلت کے بعد ہی علوم دینیہ کا نشر کرنا اپنے ذمہ لے لیا نتیجہ یہ ہوا کہ دور دور سے اپنے تنازعات و مقدمات فیصلہ کرانے اور شرعی مسائل دریافت کرنے کے لئے حضرت علی کی خدمت میں آیا کرتے تھے، جب ان لوگوں کی کثرت ہو گئی تو حضرت عمر کی دوربین آنکھ نے اس میں حکومت کے لئے خطرہ محسوس کیا، ان کو خیال پیدا ہوا کہ اس طرح حضرت علی کا رسوخ و اثر بہت بڑھ جائے گا اور خلیفہ کی ہستی ان کے سامنے حقیر نظر آنے لگے گی، اس خطرہ کو محسوس کر کے حضرت عمر نے مدینہ کے لئے قاضی و مفتی مقرر کرا دئے اور حکم دیا کہ میرے مقرر کردہ قاضی و مفتی کے علاوہ اور کوئی شخص فتویٰ نہ دے اور نہ مقدمات فیصلہ کرے۔ اس طرح محکمۂ قضا کو حکومت کے زیر اثر کر کے اس کی آزادی سلب کر لی، اس کی تفصیل باب بنجدہم میں آتی ہے، مولوی شبلی لکھتے ہیں:۔

> "پائے تخت یعنی مدینہ منورہ کے قاضی زید بن ثابت تھے، جو رسول اللہ کے زمانہ میں کاتب وحی رہے تھے، وہ سریانی و عبرانی زبان کے ماہر تھے، اور علوم فقہیہ میں سے فرائض کے فن میں تمام عرب میں ان کا جواب نہ تھا" الفاروق حصۂ دوم ص ۶۵۔

ہم حیران ہیں کہ حضرت عمر کے انتخاب اور حضرت شبلی کی صفت و مدحت طرازی کی داد دیں یا جناب رسول خداؐ کے فرمان کو صحیح مانیں کہ آپ فرمایا کرتے تھے تم سب سے زیادہ

صحیح فیصلے کرنیوالا علی بن ابی طالب ہے، غالباً اس زمانہ کا قرآن سریانی یا عبرانی زبان میں نازل ہوا ہوگا کہ علوم قرآن کی واقفیت کے لئے سریانی و عبرانی کی ضرورت ہوئی یا مسلمان قاضی کا یہ بھی فرض ہوگا کہ سریانی و عبرانی علوم کا رواج دے۔
آگے چل کر مولوی شبلی فرماتے ہیں:۔

"دوسرا امر جو اس طریقے کے لئے ضروری ہے یہ ہے کہ مفتیوں کے نام کا اعلان کر دیا جائے اسوقت گزٹ اور اخبار تو نہ تھے لیکن مجالس عامہ میں جن سے بڑھ کر اعلان عامہ کا کوئی ذریعہ نہ تھا، حضرت عمر نے بارہا اس کا اعلان کرایا، شام کے سفر میں بمقام جابیہ بے شمار آدمیوں کے سامنے جو مشہور خطبہ پڑھا اس میں یہ الفاظ بھی فرمائے من اراد القرآن فلیات ابیاً ومن اراد ان یسئل الفرائض فلیات زیداً ومن اراد ان یسئل عن الفقہ فلیات معاذ۔ یعنی جو شخص قرآن سیکھنا چاہے تو ابی ابن کعب کے پاس اور فرائض کے متعلق کچھ پوچھنا چاہے تو زید کے پاس اور فقہ کے متعلق پوچھنا چاہے تو معاذ کے پاس جائے۔"

الفاروق حصہ دوئم ص ۲۷۔

دیکھا آپ نے اس تعریفی خطبہ میں حضرت علی کا نام اپنی غیر موجودگی کی وجہ سے کس طرح نمایاں ہے جناب رسول خدا کی مخالفت جو اس جماعت کا طرۂ امتیاز تھا اور جس کا اظہار اس بھونڈے طریقے سے فقرہ انّ الرّجل لیھجر کہہ کر کیا گیا تھا۔ اب تک جاری ہی، حضرت عمر نے ارادۂ کامل کر لیا تھا کہ جناب رسول خداؐ کے مقابلہ میں ایک علیحدہ شریعت قائم کی جائے، جناب رسول خدا تو فرماتے ہیں کہ جو میرے تمام علوم جن میں علم قرآن و فقہ و فرائض وغیرہ سب شامل ہیں، سیکھنا چاہے وہ علی کے پاس آئے، صرف یہ ہی ایک ایسا مقام ہے کہ جہاں سے اس کو یہ علوم مل سکیں گے۔ اس خطبہ میں جناب رسول خدا کی مخالفت کس قدر نمایاں ہے۔ خیر۔ خدا کا شکر ہے یہ تو حضرت شبلی

نے فرمادیا کہ اس طرح خطبہ کے ذریعہ اعلان کرنے سے بڑھ کر کوئی اور ذریعہ اعلان کا نہ تھا غالباً انہیں غدیر خم کے اعلان عظیم کا جو تمام امت کے سامنے ہوا تھا خیال نہ رہا ورنہ شاید یہ نہ تسلیم کرتے کہ اس سے بڑھ کر اعلان عام کا کوئی اور ذریعہ نہ تھا۔ مولوی شبلی صاحب کو تو اس خطبہ پر بڑا ناز ہے ہم تو یہ دیکھتے ہیں کہ خلیفہ کے لئے کیسا عاجزانہ خطبہ ہے علم و فقہ حاصل کرنے کے لئے لوگ فلاں فلاں شخص کے پاس جائیں خلیفہ رسول کے پاس اتنی علمیت نہیں ہے کہ لوگ ان چیزوں کی تلاش میں اس کے پاس آئیں، پھر جانشینیٔ رسول کس بات کی ہے؟ محض حکومت کی؟ خلیفۂ رسول کی یہ شان ہے کہ وہ صلائے عام دیتا ہے کہ سَلُوْنِیْ قَبْلَ اَنْ تَفْقِدُوْنِیْ، آؤ اور مجھ سے علم حاصل کرو میں قرآن کی ہر ایک آیت کی معانی و تاویل و تفسیر سے واقف ہوں، آسمان کی راہوں کو بہ نسبت زمین کے راستوں کے زیادہ جانتا ہوں۔ حضرت علی فرمایا کرتے تھے، تم لوگ کہاں بھٹکتے پھرتے ہو، تم نے ہمارے دروازے سے ہدایت پائی ہے۔ یہیں آؤ تاکہ تم کو ہدایت ملے، یہ ہے خلیفۂ برحق کی شان۔ دیکھو صفحات ۸۳۲ ۸۳۴، ۸۴۸ البلاغ المبین۔

تدبیر ہفتم۔ حضرت علی کو فوج و حکومت سے علیحدہ رکھنا

تاریخ اسلام کا بغور مطالعہ کرنے والے جانتے ہیں کہ اول کے تین خلفائے راشدین کے طرز عمل میں جناب رسول خدا کی مخالفت مضمر ہوا کرتی تھی، اس کی بہت سی مثالیں پہلے ہم لکھ چکے ہیں یہ ایک مزید نظیر ہے، جناب رسول خداؐ ہر ایک مشکل کی حل کے لئے، ہر ایک لڑائی کی فتح کے لئے حضرت علی کو مقرر فرماتے تھے۔ جناب رسول خدا کے ہر ایک جنگ میں علم لشکر حضرت علی کے ہاتھ میں ہوا کرتا تھا۔ آنحضرت کی ہر ایک سخت لڑائی کو حضرت علیؑ نے فتح کیا ہے، ہر ایک کار عظیم یا آنحضرتؐ نے خود کیا ہے یا حضرت علی سے کرایا ہے جہاں ہم دیکھتے ہیں حضرت علی کو آنحضرتؐ کے دوش بدوش پاتے ہیں، برخلاف اسکے ان خلفاء کے زمانہ میں حضرت علی بالکل معطل نظر آتے ہیں، ان

بزرگوں نے حضرت علی کو کسی لڑائی میں باہر نہیں بھیجا اور کوئی فوج کا دستہ آنجناب کے سپرد نہیں فرمایا، کسی حکومت کے عہدہ پر آپ کو مقرر نہیں کیا، کسی صوبہ کا گورنر نہیں بنایا۔ ہر ایک کس و ناکس سپہ سالار بننے لگا، ہر ایک غیر معروف شخص صوبہ کا گورنر بن سکتا تھا، لیکن فاتح بدر و حنین، کنندۂ خیبر و کشندۂ عنتر کی ذوالفقار پر اب کچھ ایسا زنگ لگ گیا ہے کہ ان بزرگوں کے زعم میں اس کی پہلی سی تیزی نہ رہی، فدک کو جناب فاطمہ سے لینے کے لئے تو بزعم خود سنتِ رسول کا بہانہ کیا جاتا ہے مگر اس امر عظیم میں جس پر خود اسلام کا مستقبل مبنی تھا یہی نہیں کہ سنت رسول کو ترک کیا جاتا ہے بلکہ اس کے خلاف عمل کیا جاتا ہے، اس میں کسی کو کلام نہیں ہو سکتا کہ یہ صورتِ حالت ارادتاً تھی محض اتفاق کی بات نہ تھی، اب دیکھنا یہ ہے کہ ایسا کیوں ہوا؟ اس کی جو وجہ قیاس کی جا سکتی ہے وہ ان چار وجوہات میں سے ایک ہو سکتی ہے۔

۱۔ حضرت علی نے خود ان خلفا کے ماتحت کام کرنا نہیں چاہا، ان خلفا نے حضرت علی کو منصب و عہدہ دینے کی کوشش کی مگر انہوں نے قبول نہ کیا۔

۲۔ حضرت علیؑ کی ضرورت مدینہ میں بہ نسبت باہر جانے کے زیادہ تھی۔

۳۔ حضرت علی سے بہتر آدمی مل گئے لہٰذا ان کی ضرورت نہ رہی۔

۴۔ حکام وقت کو ڈر تھا کہ اگر علی کے ہاتھ میں طاقت دیدی اور فوج ان کے سپرد کر دی تو پھر ہماری خیر نہیں اور ہماری حکومت متزلزل ہو جائیگی۔

ہم ان وجوہات میں سے ہر ایک پر ایک نظر ڈالتے ہیں۔

وجہ اول

اگر جماعتِ اہل حکومت اس وجہ کو صحیح مانتی ہے تو ہم بھی اس کو تسلیم کئے لیتے ہیں، اس صورت میں ہمارا بڑا اور اصلی دعویٰ ثابت ہو گیا کہ حضرت علی جانتے تھے کہ یہ لوگ اس کے اہل نہیں ہیں جو انہوں نے سنبھال لیا ہے، اصلی حقدار او رمستحق اس منصبِ عظمٰی کا میں ہوں اور انہوں نے میرا حق غصب کر لیا ہے، اس کے بعد کسی ضمنی بحث میں جانے کی ضرورت نہیں، لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ گروہِ حکومت

کے مورخین کا دعوےٰ ہے کہ حضرت علی و خلفائے ثلاثہ میں شروع سے آخر تک اتحاد کامل رہا حضرت علی ان کی حکومت سے خوش تھے، یہی نہیں کہ خوش تھے بلکہ ان کو اس کا اہل جانتے تھے اور بعض شوقین مورخوں نے تو یہاں تک لکھ دیا ہے کہ ان کو اپنے سے افضل جانتے تھے۔ اگر یہ صورت تھی تو پھر وجہ اول ساقط ہو کر دائرہ غور سے باہر ہو جاتی ہے، پھر یہ صورت پیدا ہوتی ہے کہ حضرت علی ان کی حکومت کو جائز اور برحق بھی سمجھتے تھے اور ان لوگوں نے حضرت علی کو افسر فوج اور حاکم صوبہ مقرر کرنا چاہا لیکن حضرت علی نے انکار کر دیا۔ مگر یہ صورت دو وجوہ سے خارج از بحث ہو جاتی ہے۔ اول تو یہ کسی تاریخ یا واقعہ کی کتاب میں درج نہیں کہ ان بزرگواروں نے کبھی حضرت علی کو فوج کی افسری یا صوبہ کی حکومت پیش کی ہو اور انہوں نے انکار کیا ہو، جب واقعہ ہی ثابت نہیں تو اس پر بحث کی بنا کیسے قائم کی جا سکتی ہے، دوسرے یہ کہ اس صورت میں حضرت علی کیوں انکار کرتے صرف ایک ہی وجہ انکار ہو سکتی تھی، اور وہ یہ کہ حضرت علی جہاد سے اور صوبہ کی حکومت کی ذمہ داریوں سے جی چراتے تھے مگر حضرت علی کی طبیعت اور ان کے سوانح حیات اس قیاس کی مکمل طور سے تردید کرتے ہیں۔

وجہ دوئم

یہ وہ وجہ ہے جو جماعت حکومت کے مورخین و مبلغین اکثر بیان کرتے رہے ہیں مگر بے سود، دوران حکومت خلفائے ثلاثہ میں مدینہ کو کبھی باہر کے حملے کا اندیشہ نہیں ہوا۔ مانعین ذکوٰۃ وہ لوگ تھے جو حضرت ابوبکر کو جانشینیٔ رسول کے لائق نہ سمجھ کر ذکوٰۃ دینے سے انکار کرتے تھے، خواہ مخواہ میل کا بیل بنا دیا، اور ان کو اہل ردۃ کا نام دیکر اس بے فائدہ مہم کی عظمت بڑھانے کی کوشش کی گئی ہے انہوں نے کبھی مدینہ پر حملہ کرنے کا ارادہ نہیں کیا اور نہ جنگ کرنا ان کا مقصد تھا، بلکہ خود ان کے گھروں پر چڑھائی کر کے ان کو قتل کیا گیا ہے بہر صورت اس مہم کے لئے بھی حضرت علی کو مقرر کرنا مناسب نہیں سمجھا گیا اسی طرح کاذب نبی دو تین پیدا ہو گئے تھے لیکن ان کا ظہور تو زمانہ رسالت ہی میں ہو چکا تھا اور بہت آسانی سے ان کی سرکوبی

کر دی گئی ہے۔ بہر صورت اگر ایسی نظائر اس ضرورت کے ثبوت میں پیش کی جاتی ہیں تو ہمارا جواب ہے کہ ان صورتوں میں بھی حضرت علی کی طرف رجوع نہیں کیا گیا، لہذا یہ وجہ اس طرح ساقط ہو گئی، اگر مدینہ کا ڈر تھا تو وہاں ہی ایک فوج قائم کر کے حضرت علی کو افسر بنا دیا ہوتا۔

اب رہی مسائل علمیہ و فقہیہ کے حل کرنے کی ضرورت تو ہم ابھی ابھی حضرت عمر کا خطبہ سن چکے ہیں آپ نے رعایا کو ان امور میں چند اصحاب کی طرف رجوع کرنے کا حکم دیا، ان میں حضرت علی کا نام نہیں تھا، اور مدینہ کا قاضی ایک نوعمر بچے زید ابن ثابت کو علی کی موجودگی میں مقرر کیا گیا تھا۔

ہاں ایسا ضرور ہوا ہے بہت سے مشکل مسئلے اور اہم مقدمات پیش ہوئے ہیں اور خلیفہ وقت ان کے حل کرنے سے قاصر رہ گئے ہیں تو علی کی طرف رجوع کیا گیا، اور جب انہوں نے مشکل حل کر دی تو لولا علی لہلک عمر کے نعرے لگاتے ہوئے واپس ہوئے ہیں لیکن ایسے موقعے روز نہیں پیدا ہوتے۔ اور پھر حضرت علی کو اگر فوجی مہم پر بھیجا جاتا تو ہمیشہ ہی تو وہ باہر نہ رہتے، ہم تو یہ دیکھتے ہیں کہ بہت سے اہم موقعوں پر حضرت علیؑ نے دین کی حفاظت و حرمت کے لئے مشورے دئے ہیں لیکن چونکہ وہ موجودہ حاکم کی سیاست کے خلاف تھے تسلیم نہ کئے گئے۔ حضرت علی کی صرف اس رائے پر عمل کیا جاتا تھا جس پر عمل کرنے سے کسی سیاسی غرض یا ذاتی مفاد کو نقصان نہیں پہنچتا تھا، ہم کئی مثالیں دیتے ہیں۔ جب عبداللہ ابن عمر نے ہرمز کو اپنے والد بزرگوار کے قتل کے شبہ میں قتل کر دیا، اور پھر وہ غلط ثابت ہوا تو حضرت علی نے مشورہ دیا کہ عبداللہ ابن عمر سے قصاص خون لیا جائے اور سزا دی جائے لیکن ان کی رائے کو رد کر دیا، مغیرہ ابن شعبہ نے ام جمیل سے زنا کیا عینی شہادت گزر گئی، حضرت علیؑ نے واجب التعذیر گردانا۔ لیکن حضرت عمر نے نہ مانا ایک نہایت قیمتی مشورہ حضرت علیؑ نے حضرت عمر کو دیا کہ اسکندریہ کی لائبریری کو نہ جلایا جائے بلکہ اس کی کتابیں محفوظ کی جائیں لیکن حضرت عمر نے نہ مانا۔ اب مولانا شبلی کی کوشش

بے سود سے کیا ہوتا ہے چنانچہ علامہ السید محمد رشید رضا المصری "مدیر المنار" اپنی تصنیف میں تحریر فرماتے ہیں :۔

واعظم من ذلك كلمة الاثر الماثور المشهور عن سيدنا علي فيما اشار به على سيدنا عمر رضى الله عنه بعدم احراق خزانة الكتب بالاسكندرية قال انها ليست تخالف القرآن العزيز بل تعاضده وتفسيره حق التفسير لاسراره الخامضه الدقيقه وهو قول معروف عنه وقد اخرج الخبر به مفصلا الحكيم المورخ الاسلامي القاضي ساعد الاندلسي في طبقات الامم۔

ان سب سے زیادہ عظیم وہ مشہور قول ہے جو حضرت علی نے حضرت عمر سے کتب خانۂ اسکندریہ کو نہ جلانے کا مشورہ دیتے ہوئے فرمایا تھا، آپ نے کہا کہ یہ کتابیں قرآن کریم کے مخالف نہیں ہیں بلکہ قرآن عزیز کی تائید کرتی ہیں، اور یہ کتابیں علوم و رموز قرآن کی پوری طرح تفہیم کرتی ہیں۔ حضرت علی کا حضرت عمر کو یہ مشورہ اس قول کے ساتھ دینا بہت ہی مشہور و معروف ہے۔ اس واقعہ کا مفصل ذکر مورخ اسلام قاضی ساعد اندلسی نے اپنی تاریخ طبقات الامم کیا ہے۔

سید محمد رشید رضا المصری مدیر المنار :۔ تاریخ الاستاذ الامام الشیخ محمد عبدہ الجزء الاول ص ۵۳۵ طبع اول مطبوعہ مطبع المنار مصر سنہ ۱۳۵۰ھ مطابق سنہ ۱۹۳۱ ء ۔

فتح ایران کے وقت بھی حضرت علی کا یہ مشورہ نہ مانا گیا اور ایران قدیم کے علوم غارت ہو گئے ۔

ان المسلمين لما فتحوا بلاد فارس واصابوا من كتبهم كتب سعد بن ابى وقاص الى عمر بن الخطاب يستاذن فى شانها وتنقيلها للمسلمين فكتب اليه عمر رضى

جب مسلمانوں نے ملک ایران کو فتح کیا اور ایرانیوں کی کتابیں ان کے ہاتھ لگیں تو سعد بن ابی وقاص نے عمر بن الخطاب سے اجازت چاہی کہ ان کتابوں کو مسلمانوں کے لئے منتقل کر دیں لیکن خلیفہ عمر نے جواب دیا

اللہ عنہ ان اطرحوھا فی الماء فان	کہ ان کو دریا میں ڈالدو کیونکہ اگر ان میں ہدایت
یکن ما فیھا ھدی ھدانا اللہ	ہے تو خداوند تعالیٰ نے اس سے بہتر ہدایت ہم
باھدی منہ وان یکن	کو دی ہے، اور اگر ان میں گمراہی ہو تو اللہ
ضلالاً فقد کفانا اللہ فطرحوھا	نے ہم کو بچالیا پس ان لوگوں نے ان کتابوں
فی الماء اد فی النار و ذھبت علوم	کو دریا برد کر دیا یا جلادیا، اور اس طرح
الفرس فیھا۔	ایران کے علوم غارت ہو گئے

کشف الظنون ۱- باب الحکمۃ ص ۹۰۰۰ طبعۃ الآستانہ ص ۴۴۶ -

حضرت عمر کے اس فعل پر افسوس کرتا ہوا ابن خلدون مغربی اپنے مقدمہ تاریخ میں لکھتا ہے فاین علوم الفرس التی امر عمر رضی اللہ عنہ بمحوھا عند الفتح۔ یعنی ہائے کہاں ہیں وہ علوم ایران جن کو فتح ایران پر حضرت عمر نے مٹا دینے کا حکم دیدیا۔

جمع قرآن کا وقت آیا تو اس کمیٹی میں حضرت علیؑ کو نہ رکھا۔ آخر وہ کون سی ضرورت تھی جس کے لئے حضرت علی کو وہاں رکھا ہوا تھا۔ معلوم ہوا کہ یہ عذر بھی ایک بہانہ ہی ہے۔

وجہ سویم

اس کے لئے تو کسی طویل بحث کی ضرورت نہیں، ابوعبیدۃ بن الجراح خالد، عمرو بن العاص وسعد بن ابی وقاص صرف یہ ہی بزرگوار تھے جو اپنی زندگی میں باری باری سے خلفاء اولین کے زمانہ میں عساکر اسلامیہ کی سپہ سالاری کیا کرتے تھے اور ظاہر ہے کہ ان میں ایک بھی حضرت علی کی گرد کو نہیں پہنچتا تھا، اُن سے بہتر تو کیا ہوتا۔

وجہ چہارم

اصل وجہ یہ ہی تھی کہ حکام وقت کو ڈر تھا کہ اگر علی کے ہاتھ میں طاقت آجائے گی یا ان کا رسوخ بڑھ جائے گا تو وہ ہم سے بزور تلوار اپنا حق واپس لینے کی کوشش

کریں گے۔ المرء یقیس علی نفسہ اگر وہ علی کی جگہ ہوتے تو ایسا ہی کرتے لہذا انہیں علی کی طرف سے یہی ڈر لگا رہتا تھا۔ حضرت علی و بنو ہاشم کے مقابلہ میں بنو امیہ کے کھڑا کرنے کی جو کوشش کی گئی اس کا بھی یہی مقصد تھا۔ با رسوخ و با اثر اصحاب کو جاگیرات و آراضیات دے کر ان کی ناجائز حمایت کرکے ان کو ان کے افعال ناشائستہ کی سزا سے محفوظ رکھ کر اپنے زیر احسان رکھنے کا بھی یہی منشا تھا کہ وہ لوگ حکام وقت کی طرف مائل ہوں اور ان کی مخالفت نہ کریں۔ خلفاء اولین کی اس مشکل کا اندازہ اتنی صدیوں کے فاصلہ پر کرنا آسان نہیں ہے۔ بنو ہاشم سے خلافت چھین لینی اور بنو امیہ کی آنکھوں میں خاک ڈالنی اس وقت کے لحاظ سے نہایت مشکل امر تھا، اور اگر بنو ہاشم کی سرداری حضرت علی کے سوا کسی اور کے ہاتھ میں ہوتی اور ان میں سے کوئی اور شخص دعویدار خلافت ہوتا تو پھر وہ خلفاء ایک ایسے گرداب میں پھنس جاتے کہ جہاں سے نکلنا دشوار ہوتا۔ حضرات شیخین تو وہ کام کر بیٹھے تھے کہ اگر اس کا ترکی بہ ترکی جواب دیا جاتا تو وہ خون خرابے ہوتے اور اسلام و بانئ اسلام اس طرح بدنام ہوتے کہ پھر اسلام تو ختم ہی ہو جاتا، حضرت علی نے اپنے اس وقت کے صبر و جہاد نفس سے اسلام پر اتنا بڑا احسان کیا جو آپ کے اس احسان سے کم نہ تھا جو جہاد سیف کے ذریعے سے کیا تھا۔ مگر ارکان حکومت حضرت علی کو معمولی اپنا سا انسان سمجھ کر معمولی انسانوں کا سا قیاس کرتے تھے اور اپنے خیال کے مطابق یہ ساری تجویزیں بطور حفظ ما تقدم کرتے تھے۔

اور ان ہی پر کیا منحصر ہے اور کوئی سیاسی مدبر یا بادشاہ ان کی جگہ ہوتا تو وہ بھی ایسا ہی کرتا۔ میدان سیاست کی سب سے زیادہ عظیم الشان دانائی یہ ہے کہ حریف کی چالوں کو پہلے سے سوچ کر ان کی روک تھام کرے، اور یہ اس وقت ہی اچھی طرح ممکن ہو سکتا ہے کہ جب اپنی قوت متخیلہ اتنی تیز ہو کہ اپنے تئیں حریف کی جگہ رکھ کر اس کی طرف سے تدبیریں سوچے اور پھر ان کی مطابق اپنا انتظام کرے جیسا ہمارا اپنا طرز تخئیل و اخلاقی معیار ہوگا، ذہنی کیفیات ہوں گی بعینہ اس

کے مطابق ہم اپنے حریف کو سمجھیں گے، اس سیاسی شطرنج میں غلطی کا احتمال و امکان اسوقت ہوتا ہے کہ جب ہم اپنے حریف کے نقطۂ نظر و وسعت تخئیل و رفعت ہمت کا صحیح اندازہ نہیں کر سکتے۔ خواہ اس کے خیالات کی جولانگاہ اور ارادوں کی بلندی ہم سے کم ہو یا ہم سے زیادہ ہو دونوں حالتوں میں ہم غلطی کریں گے، صرف فرق اتنا ہوگا کہ اگر ہمارا نقطۂ نظر ارفع و اعلےٰ ہے تو ہم اپنے حریف کو سمجھ تو لیں گے لیکن اس کی سطح تک جھکنا ہمارے لئے ناممکن ہے، لہذا دنیاوی نقطۂ نگاہ سے ہم ناکامیاب رہیں گے اور اگر ہمارا تخئیل ہمارا اندین ہمارا زاویۂ نگاہ اپنے حریف سے کم ہے تو ہم اپنی تدبیروں اور تجویزوں کو ایسے مکر و فریب کے اوپر قائم کریں گے کہ جہاں تک جھکنا ہمارے حریف کے لئے ناممکن ہوگا، اور دنیاوی نقطۂ نگاہ سے ہم کامیاب ہو جائیں گے، جناب رسول خدا کی رحلت پر آپ کی جانشینی کے متعلق فوراً دو گروہ ہو گئے۔ ایک طرف حضرت علی و بنوہاشم تھے، دوسری طرف سائر مسلمین کی اکثریت تھی، جماعت اول کا نقطۂ نگاہ و مقصد اقصےٰ حمایت و حفاظت اسلام تھا۔ فریق دوئم کی نظر حکومت پر تھی حضرت علی کیلئے یہ گمان کرنا ناممکن تھا کہ کوئی مسلمان ایسا ہو سکتا ہے جو اپنے نبی و محسن کا جنازہ بے غسل و کفن چھوڑ کر حکومت و سرداری کی تلاش میں سرگردان پھریگا، لہذا آپ غسل و کفن میں مشغول رہے اور دنیاوی نقطۂ نگاہ سے فریق ثانی نے سقیفہ بنی ساعدہ میں اپنا کام بنالیا، اور دنیا والوں کی نظر میں کامیاب ہو گئے، اس فریق کے لئے یہ خیال کرنا ناممکن تھا کہ اسلام و بانئ اسلام کی محبت اس حد تک ہو سکتی ہے کہ اتنی بڑی سلطنت و حکومت کے حصول کی کوششوں میں اس کو نظر انداز نہ کیا جا سکے، لہذا جب یہ گروہ برسر حکومت آگیا، تو اس نے یقین کر لیا کہ اس حکومت کی حصول کے لئے حضرت علی کسی ممکن کوشش سے دریغ نہ کریں گے، خواہ اسلام کے لئے کچھ ہی نتیجہ ہو۔ کسی نے سچ کہا ہے کہ یک عشق و ہزار بدگمانی، ان حضرات کو اپنی معشوقہ حکومت سے جو شغف تھا وہ یہ بدگمانیاں پیدا کر رہا تھا، ورنہ حضرت علی کا روز اول ہی کا طرز عمل بتا رہا تھا کہ آپ کا نقطۂ نگاہ

صرف حفاظت و ترقئ اسلام ہے اور اگر کبھی حکومت کی خواہش بھی ظاہر کی ہے تو صرف اسی لئے کہ آپ جانتے تھے کہ بہ نسبت ان لوگوں کے جنھوں نے خلافت کا جوا اپنے کندھوں پر رکھ لیا ہے آپ خود اسلام کی کشتی کو صحیح راستہ پر طوفان اور چٹانوں سے بچا کر اچھی طرح چلا سکتے تھے، اگر آپ کو فتوحات ممالک کی طرف بھیجا جاتا اور آپ قبول بھی کر لیتے تو پھر آپ کبھی خود غرضی و نفس پرستی کو درمیان میں نہ آنے دیتے۔ اور فتوحات ممالک کو چھوڑ کر اپنے لئے حصول حکومت کی کوشش کر کے عساکر اسلامیہ میں پھوٹ نہ ڈلواتے مگر عمائد حکومت سیاسی اصول کے مطابق اپنے اوپر قیاس کر کے اس ہی نتیجہ پر پہنچے کہ اگر علی کے ماتحت عساکر اسلامیہ دیدئے تو تخت خلافت متزلزل ہو جائے گا۔ اور ایران و روم فتح کرنے کی بجائے علی مدینہ کو فتح کرنے کی کوشش کریں گے۔ سچ ہے ع فکر ہر کس بقدر ہمت اوست۔

تدبیر بست و یکم:- بنو امیہ کو بنو ہاشم کے مقابلہ میں کھڑا کرنا اور ان کو تقویت پہنچانا

حضرت ابوبکر و حضرت عمر عرب کے معزز و موقر خاندانوں میں سے نہ تھے بنو تیم و بنو عدی کا زمانہ قبل اسلام میں کچھ اثر و رسوخ نہ تھا۔ اور وہ گمنامی کی زندگی بسر کیا کرتے تھے۔ خلافت و حکومت اس نبوت کا جزو اعظم تھی۔ جو بنو ہاشم کے ایک فرد کو خداوند تعالے نے عطا فرمائی تھی اور اس شخص واحد ہی کی جد و جہد سے یہ حکومت حاصل ہوئی تھی، جناب رسول خدا نے اپنی جانشینی کے لئے بنو ہاشم ہی میں سے ایک فرد کو بحکم خداوندی منتخب کر لیا، جو ہر طرح سے اس عہدۂ جلیلہ کا مستحق تھا، اور جس کی ہی تلوار کے ذریعے سے یہ حکومت حاصل ہوئی تھی، حکومت و خلافت کو چھین کر اس پر خود قبضہ کر لینا ہی بنو تیم و بنو عدی کے لئے بہت تھا، اس قبضہ کو استوار کرنا اور بنو ہاشم سے حکومت کو ہمیشہ کے لئے لے لینا یہ دوسرا کام تھا، اسکے لئے ہر ممکن کوشش کی گئی، ان کوششوں و تدبیروں کا ذکر ہم نے اس باب میں کیا ہے، اس میں سے ایک یہ بھی تھی کہ بنو ہاشم

کے پرانے دشمنوں کو اٹھایا جائے۔ بنوامیہ کے سرگروہ ابوسفیان زمرۂ مؤلفۃ القلوب میں تھے، ان کو محض دنیاوی وجاہت کی پرواہ تھی۔ صاحب سیرۃ العلویہ لکھتے ہیں:۔

"ابوسفیان کو جب حضرت ابوبکر کی خلافت کی اطلاع ملی تو وہ جناب امیر کے پاس آکر کہنے لگے کہ یہ کیا معاملہ ہے، قریش کا ایک ادنیٰ خاندان تم پر غالب ہوگیا، ہاتھ بڑھاؤ تاکہ میں تم سے بیعت کروں خدا کی قسم اگر تم چاہو تو میں سواروں اور پیادوں سے مدینہ کی سرزمین بھردوں، جناب امیرؑ نے فرمایا۔ جائیے تشریف لے جائیے قبل اسلام بھی آپ کو خوں ریزی سے بہت ذوق رہا ہے! اب بھی آپ خوں ریزی کرانا چاہتے ہیں، اور اپنی حرکتوں سے باز نہیں آتے، ابوسفیان نادم ہوکر چلے گئے۔

سیرۃ العلویہ حیدر علی حنفی حصہ اول ص ۱۸۱

اسی واقعہ کے لئے ملاحظہ ہوں۔

تاریخ طبری:۔ الجزء الثالث ص ۲۰۳۔

ابن عبدالبر:۔ الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب الجزء الاول ص ۳۴۵۔

ابن ابی الحدید:۔ شرح نہج البلاغۃ الجزء الاول ص ۴۷

حضرت علی کا انکار اس وجہ سے نہ تھا کہ وہ خلافۃ ابی بکر سے راضی نہ تھے۔ بلکہ اس انکار کی وجوہات یہ تھیں۔

(۱) اس وقت مسلمانوں کی خانہ جنگی منافقین وکفار کے دعوے کو تقویت دیتی ان کا دعویٰ یہ تھا کہ جناب رسولخدا نے یہ سب کچھ دنیا کی حکومت حاصل کرنے کے لئے کیا ہے اگر رسول خدا کے قریب ترین رشتہ داران اس حکومت کے لئے تلوار اٹھاتے تو اس دعوے کی تائید ہوتی۔

(۲) وہ وقت ایسا تھا کہ ابھی شجر اسلام کی جڑ پختہ نہیں ہوئی تھی۔ مسلمانوں

کی خانہ جنگی اسلام کو تباہ کر دیتی ۔

(۳) ابوسفیان کی مدد سے حکومت حاصل کرنا اصلی مقصد کو فوت کرنا تھا اگر وہ حکومت دلاتا تو وہ ضرور حکومت پر حاوی ہوتا ۔ اور اس کو اپنے طرز پر چلتا ہوا دیکھنا پسند کرتا، پھر اسلام کہاں رہتا، حضرت علی ضرور انکار کرتے ۔ پھر ابوسفیان سے لڑائی ہوتی، جو شخص حکومت دلانے کی طاقت رکھتا ہے وہ حکومت چھین بھی سکتا ہے، تاریخ عالم میں ایسے بادشاہ گروں کے بہت سے قصے ملتے ہیں، اُن کا بنایا ہوا بادشاہ یا تو ان کے ہاتھ میں کٹھ پتلی ہوتا ہے ۔ یا اس کو تخت سے اُتار دیتے ہیں ۔

(۴) ابوسفیان دل سے اسلام نہیں لایا تھا، اس سے تعاون کرنا اسلام کے مخالف سے تعاون کرنا تھا ۔

حضرت علی کے پاس سے ابوسفیان اپنا سامنہ لے کر چلے گئے لیکن اُن کی سازش پسند طبیعت ایسے زرّیں موقعہ کو کب ہاتھ سے کھوتی، جب ایک فریق نے ان کی کمک لینے سے انکار کر دیا تو پھر دستِ آشتی دوسرے فریق کی طرف بڑھانا لازمی تھا، وہ دوسرا فریق بنو ہاشم کو زیر کرنے کی تدبیریں پہلے ہی سے سوچ رہا تھا ۔ یہ تو ایسا ہوا کہ بلّی کے بھاوں چھینکا ٹوٹا ۔ ابوسفیان درگاہِ خلافت پر پہنچے، اور وہاں بہت جلدی سمجھوتا ہو گیا، اگرچہ یہ سمجھوتا اسلام کے آئندہ کی تمام آفات و مصائب کا سرچشمہ تھا، وہ سمجھوتا یہ تھا کہ صوبۂ شام بنو امیہ کو دیدیا جائے اور خلافتِ جاریہ کے بعد خلافت ان کی طرف لوٹا دی جائے ۔ خلافت جاریہ سے مطلب خلافت ابوبکر و عمر سے تھا، اور بنو امیہ اس کے بدلہ کارکنان خلافت کی مخالفت چھوڑ دیں، اور بنو ہاشم سے ہر ایک ممکن موقعہ پر مقابلہ و مقاتلہ کریں دونوں فریقین کے لئے نہایت خوشگوار شرائط تھیں، اور ان پر دونوں نے سچے دل سے عمل کیا، چونکہ بقول حضرت شبلی تمام مروجہ کتابیں اہل سنت وجماعت کی لکھی ہوئی ہیں، لہٰذا ان میں اس تصفیہ باہمی کی شرائط

صریح الفاظ میں تلاش کرنا بے سود ہو گا۔ ہاں واقعات کی شہادت الفاظ سے بھی زیادہ معتبر ہوتی ہے، واقعات یہ تھے کہ ابو سفیان کے صاحبزادے یزید فوراً صوبۂ شام کے افواج کے کمانڈر اعلیٰ بنا دئے گئے اس کے بعد پھر کسی نے ابو سفیان کے منہ سے بارگاہ خلافت کے خلاف ایک لفظ بھی نہیں سنا، حضرت عمر کا دستور تھا کہ ایک حاکم کے مرنے کے بعد اس کے رشتہ دار کو اس کا جانشین نہیں کرتے تھے۔ مگر صوبۂ شام کے معاملہ میں ان کو اپنے دستور العمل سے تجاوز کرنا پڑا۔ اور جب یزید مر گیا تو اسکے بھائی معاویہ ابن ابی سفیان کو شام کا والی مقرر کر دیا، اس طرح صوبہ شام بنو امیہ کا ایک مضبوط و وسیع دار القرار بن گیا، اور پھر تدبیر شورے کے ذریعے سے خلافت بھی حضرت عثمان کو پہنچا دی گئی، اگر یہ انتظام اس سمجھوتے کے شرائط کے ماتحت نہ تھا تو کیا تھا۔ اس خاندان نے اسلام کی کوئی خدمت نہیں کی تھی بلکہ اسلام و بانیٔ اسلام کا سخت ترین دشمن یہی خاندان تھا، اسلام کی تمام بڑی بڑی لڑائیاں اس ہی خاندان کے خلاف ہوئیں، جناب رسولخدا مرتے دم تک اس خاندان سے ناراض تھے۔ آنحضرتؐ نے اپنا خواب اپنی امت کو سنا دیا تھا کہ میں نے اپنے منبر پر بندروں کو اچھلتے ہوئے دیکھا ہے جس کی تعبیر یہ ہے کہ بنو امیہ میری ملک و سلطنت پر حاوی ہو جائیں گے۔ راوی کہتا ہے کہ آنحضرت کو اس کا اتنا صدمہ تھا کہ اسکے بعد رحلت تک کسی نے آنحضرت کو ہنستے ہوئے نہیں دیکھا، اس خواب کی تعبیر کو پورا کرنے کی فضیلت کا رکنان قضا و قدر نے حکام سقیفہ کے حوالے کی، اگر یہ نہیں تو ہم پوچھتے ہیں کہ وہ کونسی خدمت اسلامی تھی، کونسی فضیلت ذاتی تھی، کونسی صفت تھی جس کے صلہ میں شام کی جاگیر کا استمراری پٹہ خاندان ابو سفیان کے نام لکھ دیا گیا، کسی معرکہ میں آنحضرت کے ساتھ شامل نہ ہوئے ہمیشہ مؤلفۃ القلوب میں رہے۔ جنگ حنین میں فرمایا کہ اب محمد کا سحر باطل ہوا، ان کی بھاگ سمندر کے درے نہیں ٹھہرتی، حضرت علی تو خیر ان کی آنکھوں میں کھٹکتے تھے، اگر خالد بن ولید کو شام کا صوبہ حوالے کر دیتے تب بھی ہم کہتے کہ سرحدی علاقہ تھا ایک اچھے جنرل کے سپرد کر دیا گیا، یزید ابن سفیان و

معاویہ ابن سفیان کو اتنا بڑا ملک کیوں دیا گیا، وکلائے حکومت ان کا کوئی تسلی بخش جواب نہیں دے سکتے، اور ہم بتاتے ہیں کہ ایسا کیوں کیا، کارکنان حکومت نے سمجھا کہ یہ ہی خاندان ایسا ہے کہ جو ہمیشہ کے لئے بنوہاشم کی جان ودل سے مخالفت کرے گا۔ اپنے پرانے کینے یاد کرکے ان سے لڑے گا، اپنے پرانے بتوں کی تباہی کا خیال کرکے اسکے آنکھوں میں خون اُتر یگا محض ہماری خاطر ہی سے نہیں بلکہ اپنی طرف سے اور اپنی وجہ سے یہ بنوہاشم کی جڑ اوکھاڑنے میں کوتاہی نہیں کریگا۔ اگر احیاناً کبھی مدینہ کی خلافت علی کو مل بھی گئی تو ہم نے ایسے خاندان کو شام میں مضبوط کرکے بٹھادیا ہے کہ وہ علی کو چین سے نہیں بیٹھنے دے گا۔ اور اب ابوسفیان ہم سے خوش ہوا جاتا ہے یہ جو خاندانی فضیلت کی بانگ بے ہنگام لگا رہا ہے اسکا بھی منہ بند ہوئے جاتا ہے، یہ امیہ نوازی یہیں ختم نہیں ہوئی۔ شوریٰ کی پیچ در پیچ ایسی تجویز تھی کہ سوائے بنی امیہ کے خلافت کہیں اور جاہی نہیں سکتی تھی۔ مکمل تجویز تو یہ تھی کہ حضرت عثمان کے بعد حضرت معاویہ خلیفہ ہوتے مگر حضرت عثمان کی ناعاقبت اندیشی نے ذرا سا موقعہ بنوہاشم کو دیدیا، پھر بھی وہ تجویز مکمل ہوکر رہی۔ آخر کار حضرت معاویہ خلیفہ ہو ہی گئے، اور خلافت بنوامیہ میں چلی ہی گئی، تجویز شوریٰ میں بھی حضرت عبداللہ ابن عمر ایک نہایت پرجوش کارکن تھے۔ بلکہ ثالث مقرر کئے گئے تھے۔ اور اس کے بعد بھی وہ اپنے والد بزرگوار کی پالیسی کے نگراں ومحافظ رہے جب شہادت امام حسین علیہ السلام کے بعد مدینہ والوں نے یزید کی بیعت توڑنی شروع کی تو حضرت عبداللہ ابن عمر بگڑ بیٹھے، اور اپنے اولاد واقارب کو جمع کرکے فرمایا کہ خبردار اگر تم نے خلع بیعت کیا تو مجھ سے برا کوئی نہیں ان کو بھی اپنے والد بزرگوار کی طرح جناب رسول خدا کی حدیث وقت پر یاد آگئی، فرمانے لگے کہ جناب رسول خدا کی حدیث ہے کہ قیامت کے دن ہر ایک باغی کے لئے ایک جھنڈا بلند کیا جائیگا اور اس پر لکھا جائے گا کہ یہ شخص فلاں شخص کا باغی ہے۔ دیکھو صفحات ۹۲۸، ۹۲۹ کتاب ہذا۔ گویا جس نے شیطان کی بیعت ایک دفعہ کرلی اس کو عمر بھر تک اس کی

ہی بیعت میں رہنا چاہیئے، جلدی میں اتنا سوچنے کا وقت کہاں تھا، گھبرا گئے، باپ
کے لگائے ہوئے درخت کے دم ریزی پھل ابھی تو گدرانے شروع ہوئے تھے
اب ہی سے لوگوں نے خلع بیعت کا ذکر چھیڑ دیا، امر واقعہ تو یہ ہے کہ بنوہاشم
کو دبا کر رکھنے کی پالیسی ہر ایک صوبہ کے گورنر مقرر کرنے کے وقت ملحوظ خاطر رہتی
تھی، عمرو بن العاص مصر میں، ابوموسیٰ اشعری بصرہ میں، مغیرہ ابن شعبہ کوفہ
میں، لیکن بنوہاشم کہیں نہیں، بنوہاشم کا محض ایک قصور تھا اور وہ یہ کہ وہ جناب
رسولخدا کے قرابتداروں میں سے تھے۔ یہ مخالفت رسول نہیں تو کیا ہے، کر تو رہے
تھے مخالفت علی، ہو گئی مخالفت رسول، اسی لئے حضرت علی کو ہم نفس رسول کہتے
تھے ایک کی مخالفت کرو تو دوسرے کی خود بخود مخالفت ہو جاتی تھی۔

تدبیر بست ودوم تقسیم انعامات واکرامات

اس میں خاص حکومت سقیفہ کا کیا قصور تھا، یہ تو ہوتی آئی ہے۔ اس
دنیائے دنی کی حکومتوں کا یہ ہی چلن ہے کہ جو فریق برسر اقتدار ہوتا ہے، وہ اپنی
جماعت کی توسیع کی کوشش کرتا ہے، اور حکومت کے قبضۂ اختیار میں جو انعامات
ہوتے ہیں ان کے ذریعے سے بااثر وصاحب رسوخ لوگوں کو اپنی طرف کھینچتا
ہے۔ چنانچہ اسی طرح حضرت عمر نے کیا۔ فتوح البلدان البلاذری میں ہے۔

عن هشام بن عروة عن ابيه	عروہ کہتے ہیں کہ حضرت عمر نے وادی عقیق
قال اقطع عمر رضي الله عنه	لوگوں کو بخشدی اور ایک ایسے قطعہ زمین
العقيق حتى انتهى الى الارض	پر پہنچے کہ فرمایا کہ ایسا قطعہ آراضی میں نے
فقال ما اقطعت مثلها قال	اس سے پہلے کسی کو نہیں دیا، خوات بن جبیر
خوات بن جبير اقطعنيها	نے کہا کہ مجھ کو دیدو۔ حضرت عمر نے ان کو
فاقطعه اياها........	وہ قطعہ زمین دیدیا۔........
خرج عمر يقطع الناس وخرج	ایک دن حضرت عمر لوگوں کو آراضیات بخشنے

معہ الزبیر فجعل عمر یقطع حتی	کے لئے نکلے انکے ساتھ زبیر تھے پس آراضیات
مر بالعقیق فقال این المستقطعون	دیتے دیتے ایک وادی عقیق پر گزرے اور حضرت
مذ الیوم ما مررت بقطعۃ اجوَد	عمر نے کہا کہ جب سے میں نے جاگیر دینی شروع کی ہے آجتک
منہا فقال الزبیر اقطعنیہا	اس سے بہتر قطعۂ آراضی میں نے کسی کو تقسیم نہیں
فاقطعہ ایاھا	کیا زبیر نے کہا کہ مجھکو دیدو پس حضرت عمر نے وہ انکو دیدیا
قال اقطع ابوبکر الزبیر ما بین	..... راوی کہتا ہے کہ حضرت ابوبکر نے بھی
الجرف الی قناۃ۔ فتوح البلدان بلاذری	زبیر کو آراضی جرف سے قناۃ تک بخشدی تھی۔

آپ نے دیکھا کہ کس فراخدلی کے ساتھ لوگوں کو بہترین آراضیات دیدی جاتی تھیں۔ یہ وہ ہی زبیر تھے جو شروع شروع میں حضرت ابوبکر کے خلاف تھے۔ اور علی کے ساتھ تھے۔ مگر آہستہ آہستہ کس طرح ان کو ادھر سے ادھر کرلیا، آخر کار ایسے پکے اور وفادار دوست بن گئے کہ بے خوف وخطر مجلس شوریٰ کے ممبر مقرر کئے جاسکتے تھے۔

باب چہاردہم

قابضان و دعویداران خلافت کے خلاف حضرت علیؑ کا احتجاج اور اپنی حقیت کا اظہار

سواد اعظم کی اکثریت کو اکثر یہ کہتے سنا گیا ہے کہ خلافت کی جو ترتیب ہوئی حضرت علی اس سے بہت مطمئن تھے اسکو جائز سمجھتے تھے نہ اس کے خلاف ان کا کچھ دعویٰ تھا، اور نہ ان کو کچھ شکایت، پھر ان کے معتقدین کے لئے یہ کب جائز ہے کہ کچھ نکتہ چینی کریں، اس باب میں ہم سواد اعظم کے اس اعتراض پر غور کرتے ہیں اول

تو ہمیں یقین ہے کہ ہمارے ناظرین جنھوں نے البلاغ المبین کا شروع سے یہاں تک مطالعہ کرلیا ہے خود ہی اس اعتراض کا جواب دے لیں گے، اور ہمیں مزید کچھ کہنے کی ضرورت نہیں اب تک جو کچھ لکھا گیا ہے اس میں ہی اس کا جواب آگیا ہے اگر اس سے بھی زیادہ تفصیل کی ضرورت ہے تو ہم بیان کرتے ہیں۔

امر واقعہ یہ ہے کہ جناب علی مرتضیٰ کا کھلم کھلا دعویٰ تھا کہ وہ اور صرف وہی جناب رسولخداؐ کے خلیفہ بلافصل ہیں اور ان کی موجودگی میں جو کوئی اور قابض ہو گیا ہے وہ نہ اس کا حق دار ہے اور نہ اس کا اہل ہے، اگر حضرت علی کے اُن تمام خطبوں اور تقریروں کو جو آپ نے وقتاً فوقتاً اپنے دعوے کے ثبوت اور اپنی احقیت کے اظہار میں مسلمانوں کے سامنے بیان کئے، اس جماعت کی کتابوں سے جمع کیا جائے جن کو موجودہ زمانہ میں شیعیان علی کہتے ہیں تو یہ باب بذات خود ایک مستقل کتاب بن جائے چنانچہ شیخ ابوجعفر محمد بن علی بن الحسین بن موسیٰ بن بابویہ القمی رح نے اپنی کتاب خصال میں اس بار بار کے احتجاج کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے۔ نیز ملاحظہ ہو شیخ ابوجعفر محمد بن الحسن بن علی الطوسی کی کتاب امالی اور علامہ مجلسی علیہ الرحمۃ کی بحارالانوار حسن بن محمد دیلمی کی کتاب ارشاد القلوب۔ کتاب ناسخ التواریخ بھی اس ضمن میں قابل ذکر ہے مگر ہم نے تو اپنے اوپر لازم کرلیا ہے کہ جو کچھ لکھیں وہ جماعت حکومت کی کتابوں سے لکھیں، ہاں ناظرین کو ہماری مشکلات کا خیال رکھنا چاہیئے، جناب امیر کے اس علانیہ احتجاج اور اس دعوے سے اراکین حکومت کا تغلب ناجائز روز روشن کی طرح ظاہر ہوجاتا ہے اور ان کے دعوے کی جڑ پر تیشہ کاری لگتا ہے لہٰذا ان کے حامیوں اور مقلدوں سے یہ امید رکھنا کہ وہ جناب امیر کے احتجاجی گفتگو اور دعوؤں کو من وعن پورا نقل کردینگے خلاف عقل ہوگا۔ ان کے لئے یہ نہایت نازک موقعہ ہے، وہ اس احتجاج کو بیان کرتے ہیں۔ لیکن چبا چبا کر حضرت علی کی گفتگو کو نقل کرتے ہیں لیکن قطع وبرید کے ساتھ جو زبردست

وصریح و زوردار الفاظ ہیں وہ نکال دیتے ہیں، اکثر تو اشارے اور کنایہ ہی باقی رہ جاتے ہیں۔ جناب امیر کی ساری بحث بھی نقل نہیں کرتے، اندریں صورت اگر ان بزرگواروں کی کتابوں میں ذرا سا بھی مل جائے تو اس کو بہت سمجھنا چاہئیے اب ناظرین واقعاتِ مندرجۂ ذیل پر غور کریں۔

اگرچہ ایک فریق تو کہتا ہے کہ حضرت علیؑ نے ان خلفائے ثلاثہ میں سے کسی کی بیعت ہی نہیں کی اور آخر عمر تک بیعت نہیں کی لیکن اتنا تو جماعتِ اہل حکومت بھی مانتی ہے کہ حضرت علیؑ نے بیعت ابوبکر سے تخلف کیا، اور ان کے ہمراہ دیگر بنو ہاشم نے بھی بیعت ابوبکر نہیں کی، اور جب ان سے بعد تجہیز و تکفین رسولؐ بیعت ابی بکر طلب کی تو انہوں نے انکار کیا اور خانہ فاطمہ میں جمع ہو گئے۔ دیکھو کتاب ہذا ص ۱۰۲۸ تمام کتب تواریخ اس امر پر متفق ہیں دیکھو۔

حبیب السیر:۔ جلد اول جزء چہارم ص ۵

تاریخ طبری۔ الجزء الثالث ص ۱۹۹، ۲۰۲۔

شمس التواریخ ص ۵۸۷۔

تاریخ ابو الفدا۔ الجزء الاول ص ۱۵۶۔

تاریخ ابن کثیر شامی الجزء الخامس ص ۲۴۶

ابن الاثیر۔ تاریخ الکامل۔

تاریخ الخمیس۔ الجزء الثانی ص ۱۸۵، ۱۸۶۔

الفاروق

جب حضرت عمر نے دیکھا کہ یہ لوگ خوشی سے بیعت نہیں کرتے تو جبراً بیعت لینے کے لئے اس طرح چلے کہ اپنے ساتھ جماعت مددگاروں کی لے لی۔ ہاتھ میں آگ لیتے گئے اور خانہ بنت رسول اللہ پر آن کر آواز لگائی کہ تم لوگ ابھی باہر چلے آؤ۔ اور بیعت ابی بکر کر لو، ورنہ میں اس گھر کو جلا دوں گا، اور جو اس کے اندر رہیں۔ سب جل جائیں گے، دروازے پر آن کر حضرت فاطمہؑ نے کہا کہ اے ابن خطاب!

کیا تم ہمارا گھر جلانے آئے ہو؛ حضرت عمرؓ خدا ان سے بہت خوش ہوا - جواب دیا کہ ہاں میں تمہارا گھر جلانے آیا ہوں ورنہ تم سب ابھی بیعت ابی بکر کرلو۔

تاریخ ابی الفداء الجزء الاول ص ۱۵۶

کتاب الامامۃ والسیاستہ مسلم ابن قتیبہ ص ۱۲ -

تاریخ طبری :- الجزء الثالث ص ۱۹۸ -

امام شہاب الدین احمد المعروف با بن عبدربہ اندلسی - عقد الفرید مطبوعہ مصر جلد ۲ ص ۱۷۹

اردو ترجمہ ازالۃ الخفاء شاہ ولی اللہ

ابن عبدالبر :- الاستیعاب مطبوعہ دائرۃ المعارف دکن الجزء الاول ص ۳۴۵

مولوی شبلی - الفاروق - حصہ اول ص ۷۱ -

حافظ عبدالرحمن امرتسری :- کتاب المرتضیٰ ص ۴۵ -

حضرت عمر کی اس دھمکی سے بہت سے بنو ہاشم باہر نکل آئے - زبیر بن العوام کو جبراً دربار خلافت میں لے گئے، اوران لوگوں نے بیعت کرلی۔ حضرت علی پھر بھی نہ گئے، حضرت عمر نے حضرت ابوبکر کو صلاح دی کہ اس متخلف (یعنی علی) کو نہ چھوڑو، اوراس سے بیعت لو، انہوں نے اپنے غلام قنفذ کو حضرت علیؑ کے پاس یہ پیغام دیکر بھیجا کہ خلیفۂ رسول اللہ آپ کو بلاتے ہیں، حضرت علی نے فرمایا کہ کیسی جلدی جناب رسولخدا پر بہتان باندھا ہے اور نہ گئے۔ قنفذ نے یہی جواب حضرت ابوبکر کو پہنچایا، وہ رونے لگے۔خیال آیا ہوگا کہ واقعی علی سچ کہتے ہیں، اور پھر یہ کہہ کر بھیجا کہ امیرالمومنین بلاتے ہیں - حضرت علی نے جواب دیا کہ اُس نے اُس شئے کا دعوےٰ کیا ہے جو نہ اس کی ہے - اور نہ وہ جس کا اہل ہے - اور نہ گئے - یہ جواب سُن کر حضرت ابوبکر دیر تک روتے رہے - اب حضرت عمر خود جماعت مسلمین کو لے کر گئے - اور حضرت علی کے لئے کوئی چارہ نہ چھوڑا کہ یا تو عمر کے ساتھ چلیں یا تلوار کے ذریعے سے ان کو دفع کریں - چونکہ

تلوار اٹھانے سے فتنہ ہوتا تھا، اور جناب رسول خدا نے وصیت کر دی تھی کہ تلوار نہ اٹھانا لہذا مجبور ہو گئے۔ مگر کہتے جاتے تھے کہ تم یہ سختی عبد خدا اور برادر رسولؐ پر کر رہے ہو۔ وہاں پہنچ کر بھی آپ نے بیعت نہ کی اگرچہ حضرت عمر نے قتل کی بھی دھمکی دی اور واپس آن کر قبر رسول پر فریاد کرنے لگے۔ دیکھو صفحات ۱۰۳۰ - ۱۰۲۹ کتاب ہذا۔ اگر بحث کی خاطر یہ مان بھی لیا جائے کہ جناب فاطمہ کی رحلت کے بعد حضرت علی نے بیعت کر لی جو کہ قطعاً غلط ہے۔ تب بھی ان واقعات سے اتنا تو اچھی طرح ثابت ہو گیا کہ جناب علی مرتضیٰ حکام سقیفہ کو اس امر عظیم کا نااہل سمجھتے تھے۔ آپ کا دعوےٰ تھا کہ یہ ہمارا حق ہے، آپ نے بتا دیا کہ تمہارا خلیفۂ رسول کہلایا جانا رسول خدا پر بہتان ہے اور تم امیرالمومنین ہونے کے حقدار نہیں ہو، اگر اس کے بعد بیعت فرض بھی کر لی جائے تو وہ جبرا ہوئی، خوشی سے نہ ہوئی، تم خود کہتے ہو کہ اس وجہ سے بیعت کی، کہ فاطمہ علیہا الصلوٰۃ والسلام کے بعد لوگوں نے آپ کا پاس خاطر کرنا چھوڑ دیا۔ حضرت علیؑ کی وہ گفتگو قابل غور ہے جو آپ نے اس وقت کی کہ جب آپ کو حضرت عمر دربار خلافت میں لائے، اس گفتگو کو ہم نے اس کتاب کے صفحہ ۱۰۲۶ - ۱۰۲۵ پر کتاب الامامتہ والسیاستہ سے نقل کیا ہے۔ تاریخ روضتہ الاحباب میں آپ کا احتجاج ان الفاظ میں درج ہے۔

جمعے از اہل تاریخ آوردہ اند کہ چوں از مہم بیعت فراغت حاصل شد ابوبکر از وجوہ مہاجران و اعیان و انصار مجمعی ساختہ علی مرتضیٰ علیہ السلام را بآں مجلس طلبید، وے اجابت فرمود و دراں مجمع حاضر شد و در محل لائق خود بنشست و از موجب طلب

(ترجمہ) مورخین کہتے ہیں کہ جب بیعت لینے کی مہم سے حضرت ابوبکر کو فراغت حاصل ہوئی تو انہوں نے اشراف مہاجرین وانصار و اعیان کی ایک مجلس تیار کی اور وہاں جناب علی مرتضیٰ کو بلایا، آنجناب اپنے مناسب مقام پر رونق افروز ہوئے اور دریافت فرمایا کہ انہیں کیوں

خویش پر سید۔ عمر گفت موجب آن ست
کہ می خواہیم چناں کہ سائر اصحاب با ابوبکر
بیعت کردہ تو نیز بیعت کنی علی علیہ السلام
فرمود من ہماں سخن کہ شما بر انصار حجت
ساختہ ایں منصب را گرفتید بر شما حجت
می گردانم راست بگوئید کہ بحضرت رسالت
پناہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم اقرب کیست؟
عمر گفت ترا نگذاریم تا بیعت نکنی علی علیہ
السلام گفت اول سخن مرا جواب باصواب
بگوئید۔ بعد ازیں از من بیعت
جوئید۔ ابوعبیدہ گفت اے ابوالحسنؑ
تو بواسطہ سبقت اسلام و فضل قرابت
قریبہ با سید الانام علیہ السلام سزاوار
خلافت و حکومتی لیکن چوں اصحاب
بر ابوبکر اجماع و اتفاق نمودہ اند
مناسب این است کہ تو نیز قدم در
دائرہ وفاق در آری علی علیہ السلام
گفت اے ابوعبیدہ تو امین امتی بقول
رسول مختار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
مقتضائے امانت راستی است در گفتار
و کردار موصبتی کہ حق سبحانہ تعالے بخاندان
نبوت کرامت کردہ در بند آں می باشید
کہ بجائے دگر کنید ہبط قرآن و وحی

بلا یا گیا تھا، حضرت عمر نے جواب دیا کہ وجہ
تھی کہ چونکہ دیگر اصحاب نے ابوبکر سے بیعت
کر لی ہے آپ بھی بیعت کریں۔ حضرت
علی نے کہا کہ میں وہی حجت تمہارے سامنے
پیش کرتا ہوں جو حجت تم نے انصار کے سامنے
پیش کر کے یہ عہدہ لے لیا ہے سچ سچ بتاؤ کہ جناب
رسولخدا سے کون نزدیک تر ہے حضرت عمر نے
کہا کہ ہم تو آپکو نہیں چھوڑینگے جب تک آپ بیعت
نہ کر لینگے حضرت علی نے کہا کہ اول میری بات کا
جواب دو اور اسکے بعد مجھ سے بیعت طلب کرو
(حضرت عمر کو کچھ جواب بن آیا، اب ابوعبیدہ بن
الجراح نے ان کا بوجھ بٹایا) ابوعبیدہ نے
کہا کہ اے ابوالحسن آپ بوجہ سبقت اسلامی و
قرابت رسول خلافت کے سب سے زیادہ مستحق
ہیں لیکن چونکہ اب لوگوں نے ابوبکر پر اجماع
کر لیا ہے بہتر ہے کہ آپ بھی موافقت کریں
حضرت علیؑ نے جواب دیا کہ اے ابا عبیدہ
تم کو بقول رسول امین امت بیان کیا
جاتا ہے امانت کے لئے گفتار و کردار میں
راستی ضروری ہے وہ عزت و شرف و درجہ
جو خداوند تعالےٰ نے خاندان نبوت کو
عطا فرمایا ہے اسکو دوسری جگہ منتقل کرنیکی کوشش
نہ کرو ہم وحی و قرآن شریف کے نازل ہونیکا

و مورد امر و نہی و منبع فضل و علم و معدن
عقل و حلم مائیم و بواسطۂ این امور خلافت
را شائستہ و امارت را سزاوار ہیم بشیر
بن سعد انصاری گفت اے ابوالحسن
این داعیہ کہ امروز ظاہر می کنی و پیش ازیں
اگر معلوم مردم شدی ہر آئینہ باتو مضائقہ
و منازعہ نمی کردند، باتو بیعت می نمودند و
لیکن چوں در خانہ نشستی و در اختلاط
بر مردم بستی ایشاں را ایں گمان شد
کہ از خلافت کنارہ می کنی و در رفع اعبائی
ایں امر را از خود می کنی اکنوں جماعتی
مسلمانان کسے دیگر را قبول کردہ اند
بہ پیشوائی از پے در می آئی و خود را
طرز دیگر می نمائی علی مرتضیٰ فرمود اے
بشیر روا می داری کہ من جسد اطہر و
قالب انور سید عالم را غسل نادادہ و
تجہیز و تکفین او نمودہ و از دفن او فراغت
حاصل نہ کردہ دم از طلب حکومت و
خلافت زدمی و با مردم در منازعت
و خصومت شدمی، ابو بکر صدیق چوں
دید کہ کلمات علی جملہ محکم و استوار و ہر یکے
ازینہا مقابلہ صد کلمہ بلکہ صد ہزار کلمہ
است از رفق و مدارا در آمد و گفت

محل ہیں اجرائی امر و نہی ہمارے لئے ہے ہم
فضل و علم کے منبع ہیں اور عقل و حلم کے معدن
ہیں اور اس وجہ سے ہم خلافت کے مستحق اور
اسکے اہل ہیں (آپ بھی خاموش ہو گئے کچھ
جواب نہ بن آیا، تو بشیر ابن سعد انصاری
اس طرح ان کی مدد کرتے ہیں) بشیر ابن سعد
نے کہا کہ اے ابا الحسن یہ دعوی جو تم آج
ظاہر کر رہے ہو، اگر سقیفہ والے دن
کرتے اور لوگوں کو معلوم ہوتا تو پھر
تمہارے سوائے وہ کسی اور کی بیعت نہ کرتے
اور تم سے بیعت کر لیتے، لیکن چونکہ تم گھر
میں بیٹھے رہے اور لوگوں میں نہ آئے تو لوگوں
نے خیال کیا کہ تم خلافت سے کنارہ کرتے
ہو، اب کہ لوگوں نے دوسرے سے بیعت
کر لی تو تم پیشوائی کے لئے آگے آئے ہو
اور دوسرا طریقہ اختیار کر لیا ہے، (اس
سے زیادہ کیا کوئی بے ڈھنگی گفتگو ہو سکتی
تھی) اس پر جناب علی مرتضیٰ نے فرمایا کہ
اے بشیر کیا تم جائز رکھتے ہو کہ میں بھی
(تمہاری طرح) جناب رسول صلعم کے جسد اطہر
کو بے غسل و کفن چھوڑ کر حکومت کے
پیچھے دوڑتا اور لوگوں سے تنازعہ کرتا
جب حضرت ابو بکر نے دیکھا کہ حضرت علی

اے ابوالحسن مرا گمان این بود کہ ترا بامن مضائقہ نہ باشد و اگر میدانستم کہ از بیعت بامن تخلف خواہی کرد۔ ہرگز آں را قبول نمی کردم، اکنوں کہ مردم بامن اتفاق نمودہ اند۔ اگر تو نیز بایشاں اتفاق نمودہ و ظن مرا مطابق واقع ساختہ باشی و اگر حالا توقف کنی و خواہی کہ تو دریں امر تامل و تفکر نمائی ہیچ حرجے نیست پس علی از مجلس برخاست و متوجہ خانۂ خویش گشت۔

کے کلمات نہایت محکم و استوار ہیں ان میں سے ہر ایک کلمہ ہزار ہزار تحفوں کے برابر ہے تو تملق و چاپلوسی پر اتر آئے اور کہا کہ اے ابا الحسن میں جانتا تھا کہ تمکو میری خلیفہ ہو جانے پر کچھ مضائقہ نہ ہوگا اور اگر مجھ کو معلوم ہوتا کہ تم میری بیعت سے تخلف کروگے تو میں ہرگز قبول نہ کرتا اب کہ لوگوں نے میری خلافت پر اتفاق کر لیا ہے مناسب ہے کہ آپ بھی اس پر اتفاق کریں اور اگر آپ بیعت نہیں کرنا چاہتے اور تامل و تفکر کرنا چاہتے ہیں تو اس میں بھی کچھ ہرج نہیں پس حضرت علی السلام بغیر بیعت کئے مجلس سے اٹھے اور بیت الشرف میں تشریف لے آئے

تاریخ حبیب السیر میں بھی یہ واقعہ اسی طرح درج ہے اس کی عبارت ہم نے اس کتاب کے صفحہ ۱۰۳۸ پر نقل کی ہے۔

جب مرتے وقت حضرت ابوبکر نے حضرت عمر کو اپنا جانشین مقرر کیا تو نہ احتجاج کا موقعہ تھا، اور نہ اس کی ضرورت، ہر ایک شخص جانتا تھا کہ سقیفہ میں حضرت عمر نے خلافت و حکومت اپنے لئے حاصل کی ہے۔ درمیان میں حضرت ابوبکر کو ذرا سی آڑ بنا کر کھڑا کر دیا ہے، جب حضرت عمر کی میعاد مدت اس دار عمل میں ختم ہونے لگی تو ان کے دماغ پر پیچ وخم نے نہایت پُر پیچ ترکیب نکالی جس نے مجلس شوریٰ کی صورت اختیار کی، جب عبدالرحمٰن بن عوف اپنے رشتہ دار حضرت عثمان کے لئے خلافت حاصل کرنے کے واسطے چالیں چلنی شروع کیں تو حضرت علی نے اپنے حقوق و افضلیت و احقیت کا اظہار بہت اچھی طرح فرمایا۔ ابوالحسن علی بن محمد بن الطیب الجلالی المعروف بابن المغازلی

المتوفی ۳۳۳ھ ہجری اپنی کتاب المناقب میں اس طرح لکھتے ہیں۔

اخبرنا ابو طالب محمد بن علی
بن محمد البیع البغدادی
انا احمد بن محمد بن سعید
المعروف بابن عقدة الحافظ
نا جعفر بن محمد بن سعید
الاحمسی نا نصر وھو ابن
مزاحم نا الحکم بن مسکین
نا ابو الجارود بن طارق عن عامر
واثلہ وابو ساسان وابو حمزہ
عن ابی اسحاق السبیعی عن
عامر بن واثلہ قال کنت
مع علی فی البیت یوم الشوریٰ
فسمعت علیاً یقول لہم لاحتجن
علیکم بما لا یستطیع عربیکم
ولا عجمیکم ان یغیر ذلک
قال انشدکم باللہ ایہا
النفر جمیعاً افیکم احد وحد
اللہ قبلی قالوا اللھم لا قال
فانشدکم باللہ ھل فیکم
احد لہ اخ مثل اخی جعفر
الطیار فی الجنة مع الملائکة
غیری قالوا اللھم لا قال

(اسماء رواۃ عربی میں ملاحظہ فرمائیے)
عامر بن واثلہ سے مروی ہے وہ کہتے ہیں کہ
شوریٰ کے دن میں وہاں موجود تھا میں نے
حضرت علی کو اصحاب شوریٰ سے کہتے ہوئے
سنا۔ آپ نے فرمایا کہ میں تمہارے اوپر اس
امر کے ساتھ حجت پکڑتا ہوں جس کو تم میں
سے کوئی خواہ عربی ہو کہ عجمی کوئی متغیر نہیں
کر سکتا، پھر آپ نے فرمایا کہ ایہا الناس میں
تم سب کو خدا کی قسم دلا کر پوچھتا ہوں
کہ کیا تم میں سے ایک بھی ایسا ہے جس نے
مجھ سے قبل خداوند تعالیٰ کی توحید کا اقرار
کیا ہو سب نے کہا کہ ہم میں کوئی ایسا نہیں
ہے پھر فرمایا میں تم کو خدا کی قسم دلا کر سوال
کرتا ہوں کہ کیا تم میں سے کسی کا بھائی
میرے بھائی جعفر طیار کی طرح ہے جو
جنت میں ملائکہ کے ساتھ پرواز کرتے
ہیں، سب نے کہا کہ نہیں، پھر آپ
نے فرمایا کہ میں تم کو خدا کی قسم دلا کر
پوچھتا ہوں کیا تم میں کوئی ایسا ہے
جس کی زوجہ میری زوجہ فاطمہ بنت
رسول اللہ کی مانند ہو، سب نے اقرار کیا
نہیں، پھر آپ نے فرمایا کہ میں تم کو خدا

فانشدکم باللہ فیکم احد لہ زوجۃ
مثل زوجتی فاطمہ بنت محمد
قالوا اللہم لا قال فانشدکم
باللہ ھل فیکم احد لہ سبطان
مثل سبطی الحسن والحسین
سیدا شباب اہل الجنۃ غیری
قالوا اللہم لا قال فانشدکم
باللہ ھل فیکم احد ناجی رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عشر
مرات یقدم بین نجواہ صدقۃ
قبلی قالوا اللہم لا قال فانشدکم
باللہ فھل فیکم احد قال لہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
من کنت مولاہ فعلی مولاہ
اللہم وال من والاہ وعاد من
عاداہ لیبلغ الشاھد منکم
الغائب غیری قالوا اللہم لا قال
فانشدکم باللہ ھل فیکم احد
قال لہ رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم اللہم ائتنی
باحب خلقک الیک والی و
اشدھم حبا لک وحبا لی یاکل
معی من ھذا الطائر فاتاہ فاکل

کی قسم دلاکر پوچھتا ہوں کیا تم
میں سے کوئی ایسا ہے جس کے بیٹے
میرے بیٹوں حسنؑ وحسینؑ کی طرح
سبطین رسول سرداران جوانان
اہل جنت ہیں۔ سب نے اقرار کیا کہ
نہیں، پھر آپ نے فرمایا کہ کیا تم میں
سے کوئی ایسا ہے جس نے مجھ سے پہلے
رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم
سے دس دفعہ صدقہ دیکر دس
دفعہ راز کی باتیں کی ہوں۔ سب
نے کہا کہ نہیں، پھر آپ نے فرمایا کہ کیا
تم میں سے میرے سوا کوئی اور ایسا
ہے جس کی نسبت رسول خدا نے کہا
ہو کہ جس کا میں مولا ہوں اس کا علی
مولا ہے خداوندا دوست رکھ اس کو
جو اسے دوست رکھے اور دشمن رکھ اس
کو جو اسے دشمن رکھے تم میں سے جو حاضر
ہے وہ غائب کو میرا یہ کلام پہنچا دے سب نے
اقرار کیا کہ نہیں پھر آپ نے فرمایا کہ میں تمکو خدا
کی قسم دیکر پوچھتا ہوں کہ کیا تم میں کوئی
سوائے میرے ایسا ہے کہ جس کی نسبت رسول خدا
نے فرمایا ہو کہ خداوندا اسوقت میری ساتھ
اس طائر کو کھانے کے لئے ایسے شخص کو بھیج

معہ غیری قالوا اللّٰھم لا قال
فانشدکم باللہ ھل فیکم احد
قال لہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم لاعطین الرایۃ رجلا
یحب اللہ ورسولہ ویحبہ اللہ
ورسولہ لایرجع حتی یفتح
اللہ علی یدیہ اذا رجع منہزما
غیری قالوا اللّٰھم لا قال فانشدکم
باللہ ھل فیکم احدٌ قال رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لبنی
لھیعۃ لتنتھن اولابعثن الیکم
رجلا کنفسی طاعتہ کطاعتی
ومعصیتہ کمعصیتی یعضکم
بالسیف غیری قالوا اللّٰھم لا
قال فانشدکم باللہ ھل فیکم
احد قال لہ رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم کذب من زعم
انہ یحبنی ویبغض ھذا غیری
قالوا اللّٰھم لا قال فانشدکم
باللہ ھل فیکم احد سلم علیہ
فی ساعۃ واحدۃ ثلاثۃ آلاف
من الملائکۃ فیھم جبرئیل و
میکائیل واسرافیل حیث

جو تمام خدائی میں سب سے زیادہ میرا اور تیرا
محبوب ہو اور سب سے زیادہ تجھ سے اور مجھ سے
وہ شخص محبت کرتا ہو پس وہ آیا ہو اور
اس نے وہ طائر آنجناب کے ساتھ تناول کیا
ہو سب نے بالقسم اقرار کیا نہیں۔ پھر آپ نے
فرمایا میں تم کو خدا کی قسم دیکر پوچھتا ہوں
کہ تم میں کیا میرے سوا کوئی اور شخص ہے
جس کی نسبت جناب رسولخدا نے یہ فرمایا ہو
کہ بتحقیق میں کل علم ایک شخص کو دونگا جو خدا
ورسول خدا کو دوست رکھتا ہو، اور
خدا ورسول خدا اس کو دوست رکھتے
ہیں وہ نہیں واپس ہوگا جب تک کہ
خداوند تعالیٰ لڑائی کو اس کے ہاتھ
پر فتح نہ کر لیگا۔ میرے سوا سب بھاگ گئے ہوئے
تھے، سب نے اقرار کیا واللہ نہیں۔
پھر آپ نے فرمایا کہ میں تم کو خداوند
تعالیٰ کی قسم دیکر پوچھتا ہوں کہ کیا
تمہارے درمیان میرے سوائے
کوئی اور شخص ہے جس کی متعلق جناب
رسولخدا نے بنی لہیعہ سے فرمایا کہ تم باز آجاؤ
ورنہ میں تمہاری طرف ایسے شخص کو بھیجونگا جو
کہ میرا ہم نفس اور میرے مانند ہے جسکی اطاعت
کرنا میری اطاعت کے مرادف ہے جس کی

جئت بالماء الی رسول اللہ صلے
اللہ علیہ وسلم من القلیب
غیری قالوا اللھم لا قال فانشدکم
باللہ ھل فیکم احد قال لہ
جبرئیل ھذہ ھی المواساۃ
فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم انہ منی وانا منہ
فقال جبرئیل وانا منکما غیری
قالوا اللھم لا قال فانشدکم
باللہ ھل فیکم احد نودی
بہ من السماء لا فتی الا علی
لا سیف الا ذو الفقار قالوا
اللھم لا قال فانشدکم باللہ
ھل فیکم احد قال لہ رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
انی قاتلت علی تنزیل القرآن
وتقاتل انت یا علی علی تاویل
القرآن غیری قالوا اللھم لا
قال فانشدکم باللہ ھل
فیکم احد ردت علیہ الشمس حتی صلی العصر
فی وقتہا غیری قالوا اللھم لا قال فانشدکم
باللہ ھل فیکم احد امرہ رسول اللہ صلی
اللہ علیہ وسلم بان یاخذ براۃ من ابی بکر

نافرمانی میری نافرمانی ہے جو تم کو تلوار سے ٹکڑے
ٹکڑے کر دیگا سب نے جواب دیا واللہ نہیں پھر آپ نے
فرمایا کہ میں تمکو خدا کی قسم دیکر پوچھتا ہوں کہ کیا
تمہارے درمیان میں میرے سوا کوئی اور شخص ہے
جس کی نسبت جناب رسولخدا نے فرمایا کہ وہ شخص
جھوٹ بولتا ہے جو دعویٰ کرتا ہے کہ وہ مجھ سے محبت
کرتا ہے درآنحالیکہ وہ اس سے یعنی علی سے بغض رکھتا
ہے سب نے جواب دیا کہ قسم بخدا نہیں پھر آپ نے فرمایا
کہ میں تمکو خداوند تعالیٰ کی قسم دیکر پوچھتا ہوں
کہ کیا تمہارے درمیان میرے سوائے کوئی
اور شخص ہے کہ جسکو ایک وقت واحد میں تین ہزار
ملائکہ نے جن میں جبرئیل و میکائیل و اسرافیل
تھے سلام کیا ہو جب کہ وہ جناب رسولخدا کے
پاس ایک کنوئیں سے پانی لایا تھا سب نے جواب
دیا کہ واللہ نہیں پھر آپ نے فرمایا کہ میں تمکو خداوند
تعالیٰ کی قسم دیکر پوچھتا ہوں کہ کیا تمہارے درمیان
میں میرے سوا کوئی اور شخص ہے کہ جس کی نسبت
جبرئیل نے کہا کہ محبت و نسبت اسکو کہتے ہیں
تو جناب رسولخدا نے فرمایا کہ علی مجھ سے ہے اور میں
علی ہوں اس پر جبرئیل نے کہا کہ میں تم دونوں
میں سے ہوں سب نے جواب دیا کہ قسم بخدا نہیں
پھر آپ نے فرمایا کہ میں تم کو خداوند تعالیٰ کی قسم
دیکر پوچھتا ہوں کہ کیا تمہارے درمیان میں

فقال لہ ابوبکر انزل فی شیٔ فقال لہ ان لا یودی
عنی الا علی غیری قالوا اللہم لا قال فانشدکم
باللہ ھل فیکم احد قال لہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ و
سلم لا یحبک الا مومن ولا
یبغضک الا منافق غیری
قالوا اللہم لا قال فانشدکم
باللہ اتعلمون انہ امر
بسد ابوابکم وفتح بابی
فقلتم فی ذلک فقال رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
ما انا سددت ابوابکم ولا انا
فتحت بابہ بل اللہ سد ابوابکم
وفتح بابہ غیری قالوا اللہم
نعم قال فانشدکم باللہ
اتعلمون انہ ناجانی یوم الطائف
دون الناس فاطال ذلک
فقلتم ناجاہ دوننا فقال
ما انا انتجیتہ بل اللہ
انتجاہ غیری قالوا اللہم نعم
قال فانشدکم اتعلمون ان
رسول اللہ صلی اللہ علیہ و
سلم قال انی تارک فیکم الثقلین

کوئی شخص ایسا ہے جس کی نسبت آسمان سے
ندا آئی ہو لا فتی الا علی لا سیف الا ذوالفقار
سب نے جواب دیا واللہ نہیں پھر آپ نے فرمایا کہ میں
تمکو خدا کی قسم دیکر پوچھتا ہوں کہ کیا تمہارے
درمیان میں کوئی ایسا شخص میرے سوا ہے جس کی
نسبت جناب رسولخدا نے فرمایا ہو کہ میں نے تنزیل
قرآن کے لئے جنگ کی ہے اور تو اے علی تاویل
قرآن کے لئے جنگ کریگا سب نے جواب دیا قسم
بخدا نہیں ہم میں کوئی ایسا نہیں ہے پھر آپ نے
فرمایا کہ میں تم کو خداوند تعالیٰ کی قسم دیکر
پوچھتا ہوں کہ کیا تمہارے درمیان میں میرے
سوائے کوئی اور شخص ہے جسکے لئے آفتاب نے رجعت
کی یہاں تک کہ اس نے نماز عصر ادا کی سب نے
جواب دیا قسم بخدا نہیں۔ پھر آپ نے فرمایا کہ میں
تمکو خداوند تعالیٰ کی قسم دیکر دریافت کرتا ہوں
کہ کیا میرے سوائے کوئی اور تمہارے درمیان
میں ہے کہ جسکو جناب رسولخدا نے حکم دیا کہ ابوبکر سے
جاکر سورۂ برأت لے لو پس ابوبکر نے واپس آنکر
جناب رسولخدا سے عرض کیا کہ میرے خلاف کچھ وحی
نازل ہوئی ہے جناب رسولخدا نے جواب دیا کہ اسکو میرے
بجائے سوائے علی کے اور کوئی ادا نہیں کر سکتا۔ سب نے
جواب دیا کہ قسم بخدا نہیں پھر آپ نے فرمایا کہ میں
تم کو خدا کی قسم دیکر دریافت کرتا ہوں کہ کیا

كتاب الله وعترتي لن تضلوا
ما ان تمسكتم بهما ولن يفترقا
حتى يردا على الحوض قالوا
اللهم نعم قال فانشدكم
بالله هل فيكم احد وقى
رسول الله صلى الله عليه و
سلم بنفسه من المشركين
فاضطجع مضجعه غيري
قالوا اللهم لا قال فانشدكم
بالله هل فيكم احد بارز عمرو
بن عبد ود حيث دعاكم
الى البراز غيري قالوا اللهم
لا قال فانشدكم بالله هل
فيكم احد انزل الله فيه
آية التطهير حيث يقول
انما يريد الله ليذهب عنكم
الرجس اهل البيت و
يطهركم تطهيرا غيري
قالوا اللهم لا قال فانشدكم
بالله هل فيكم احد قال
له رسول الله صلى الله عليه
وسلم انت سيد العرب
غيري قالوا اللهم لا قال فانشدكم

تمہارے درمیان میں میرے سوائے کوئی اور ہے
جسکی نسبت رسولخدا نے فرمایا ہو کہ تو میری ساتھ وہ
نسبت رکھتا ہے جو حضرت موسیٰ کے ساتھ ہارون
نسبت رکھتے تھے صرف اتنا فرق ہے کہ میرے بعد کوئی
نبی نہیں ہوگا سب نے جواب دیا قسم بخدا نہیں۔
پھر آپ نے فرمایا کہ میں تمکو خداوند تعالیٰ کی قسم دیکر
دریافت کرتا ہوں کہ کیا تمہارے درمیان میں میرے
سوائے کوئی اور ہے جسکی نسبت جناب رسولخدا نے
فرمایا ہو کہ نہیں تجھ کو محبوب رکھیگا لیکن مومن
اور نہیں تجھ سے عداوت رکھے گا لیکن منافق سب نے
جواب دیا قسم بخدا نہیں، پھر آپ نے فرمایا کہ میں تم
سب کو خداوند تعالیٰ کی قسم دیکر پوچھتا ہوں
کہ کیا تم جانتے ہو کہ جناب رسولخدا نے تمہارے مکان
کے دروازوں کو بند کرنے کا حکم صادر فرمایا اور
میرا دروازہ کھلا رکھا اس پر تم نے آپس میں گفتگو
شروع کر دی تو جناب رسولخدا نے فرمایا کہ میں نے
نہ تمہارے دروازے بند کرائے ہیں اور نہ علی کا دروازہ
کھولا رکھا ہے بلکہ خدا نے تمہارے دروازے بند کرائے
ہیں اور علی کا دروازہ کھولا رکھا ہے سب نے جواب دیا
قسم بخدا اسی طرح ہے پھر آپ نے فرمایا کہ میں تمکو خداوند
تعالیٰ کی قسم دیکر دریافت کرتا ہوں کیا تم نہیں جانتے
ہو کہ جناب رسولخدا نے طائف کے دن مجھ سے علیحدگی
میں راز کی باتیں بہت عرصہ تک کیں جس پر تم نے

باللہ هل فیکم احد قال له رسول الله صلی الله علیه وسلم ما سالت الله شیئاً الا سالت لك مثله غیری قالوا اللهم لا۔

اعتراض کیا کہ جناب رسولخدا نے ہمکو چھوڑ کر علی سے بہت دیر تک راز کی گفتگو کی ہے۔ تو جناب رسولخدا نے فرمایا کہ میں نے اس سے راز کی باتیں نہیں کیں بلکہ خدا نے اس سے راز کی باتیں کی ہیں سب نے جواب دیا قسم بخدا اسی طرح ہے، پھر آپ نے فرمایا کہ میں تم کو خداوند تعالیٰ کی قسم دیکر دریافت کرتا ہوں کیا تم جانتے ہو کہ جناب رسول خدا نے فرمایا کہ میں اپنے بعد دو گران قدر چیزیں چھوڑے جاتا ہوں ایک کتاب اللہ اور دوسرے میری عترت جب تک تم ان دونوں سے تمسک رکھو گے کبھی گمراہ نہیں ہوگے، اور یہ دونوں ایک دوسرے سے ہرگز جدا نہ ہوں گے یہاں تک کہ حوض کوثر پر میرے پاس وارد ہوں۔ سب نے جواب دیا قسم بخدا اسی طرح ہے، پھر آپ نے فرمایا کہ میں تم کو خداوند تعالیٰ کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کہ کیا میرے سوائے کوئی اور تمہارے درمیان میں ہے جس نے اپنی جان کو خطرہ میں ڈال کر رسول خدا کو بچایا ہو اور آپ کے بستر پر سویا ہو، سب نے جواب دیا کہ قسم بخدا نہیں، پھر آپ نے فرمایا کہ تم کو خداوند تعالیٰ کی قسم دے کر تم سے دریافت کرتا ہوں کہ کیا تمہارے درمیان میں میرے سوائے کوئی ہے جو عمرو بن عبدود کے مقابلہ میں نکلا ہو، جب اس نے جنگ کے لئے تم سے مبارز طلب کیا، سب نے جواب دیا۔ قسم بخدا نہیں، پھر آپ نے فرمایا کہ میں تم کو خداوند تعالیٰ کی قسم دیکر پوچھتا ہوں کہ کیا تمہارے درمیان میں میرے سوائے کوئی اور ہے جس کے حق میں خداوند تعالیٰ نے آیۂ تطہیر نازل فرمائی تھی سب نے جواب دیا قسم بخدا نہیں، پھر آپ نے فرمایا کہ میں تم کو خدا کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کہ کیا تمہارے درمیان میں میرے سوائے کوئی اور شخص ہے جس کیلئے جناب رسول خدا نے فرمایا ہو تو عرب کا سردار ہے، سب نے جواب دیا قسم بخدا نہیں، پھر آپ نے فرمایا کہ میں تم کو خداوند تعالیٰ کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کہ کیا تمہارے درمیان میں میرے سوائے کوئی اور ہے جس کے لئے جناب رسولخدا نے فرمایا تھا کہ میں نے کوئی چیز خدا سے اپنے لئے نہیں مانگی کہ جو میں نے تیرے لئے اے علی نہ مانگی ہو۔ سب نے کہا کہ قسم بخدا نہیں۔"

اِس بلیغ اور جامع کلام نے تمام اہل شوریٰ کی زبانوں کو بند کر دیا اور وہ اس کا کچھ جواب نہ دے سکے، اس ہی وجہ سے عبدالرحمٰن کو دقت واقع ہوئی اور وہ اپنے مقصد کے مطابق میعاد مقررہ کے اندر فیصلہ نہ لے سکے۔ پھر وہ ہی چالیں چلی گئیں جو ایسے موقعہ پر چلی جاتی ہیں یعنی کثرت کے عذر کی آڑ میں اپنا کام نکال لیا۔ جہلا کی کثرت ہی ایک ایسی سپر ہے جو ایسے موقعوں پر کام آتی ہے۔ یہ خطبہ بھی جماعتِ حکومت کے مورخین نے کتر بیونت کر کے لکھا ہے۔ اس کے ٹکڑے کہیں کہیں ملتے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک جگہ مکمل خطبہ کسی نے شایع نہیں کیا کیونکہ اس سے ان کے اعتقاد پر کاری تیشہ لگتا ہے، جناب علی مرتضیٰ نے یہ بھی فرمایا کہ تم سے پہلے ابوبکر و عمر نے بھی میرا حق لیا ہے، درآنحالیکہ وہ اس کے قابل نہ تھے۔ چنانچہ محمد بن یوسف الکنجی نے اپنی کتاب کفایت الطالب میں اس طرح لکھا ہے

روی عن عامر بن واثلہ ابی الطفیل قال کنت یوم الشوریٰ علی الباب وعلی بیاشد عثمان وطلحۃ والزبیر وسعدا وعبد الرحمٰن بعدۃ من فضائلہ منہا ردّ الشمس کما اخبرنا ابو بکر بن ابی دارم الحافظ بالکوفۃ من اصل کتابہ حدثنا منذر بن محمد بن منذر حدثنا ابی حدثنا عمی حدثنا ابی عن ابان بن تغلب عن عامر بن واثلہ قال کنت یوم الشوری علی الباب۔ وعلیؑ فی البیت فسمعتہ یقول انّ الخلف

عامر بن واثلہ ابی الطفیل سے مروی ہے وہ کہتا ہے کہ میں شوریٰ کے دن اس گھر کے دروازہ پر تھا کہ جہاں اہل شوریٰ جمع تھے اور حضرت علی کو میں نے سنا کہ عثمان و طلحہ و زبیر و سعد و عبد الرحمٰن کو حلف دلا کر اپنے چند فضائل کا ان سے اقبال کرا رہے تھے جن میں سے ایک رجعت شمس ہے جیسا کہ خبر دی ہم کو ابوبکر بن الخازن نے اور اس کو خبر دی ابوذرعہ نے انکو تا عامر بن واثلہ، مروی ہے عامر بن واثلہ سے وہ کہتا ہے کہ روز شوریٰ میں مکان کے دروازہ پر تھا۔ اور علیؑ مکان کے اندر تھے۔ میں نے

ابوبکر وانا فی نفسی احق بہا منہ
فسمعت واطعت واستخلف
عمر وانا فی نفسی احق بہا منہ
فسمعت واطعت وانتم تریدون
ان تستخلفوا عثمان اذا لا اسمع
ولا اطیع جعل عمر فی خمسة
انا سادسہم لا یعرف لہم فضل
اما واللہ لاحاجنہم بخصال لا
یستطیع عربیہم ولا عجمیہم
المعاهد منہم والمشرک ان ینکر
منہا خصلة انشدکم باللہ ایہا
الخمسة امنکم اخو رسول اللہ
صلے اللہ علیہ وسلم غیری
قالوا لا قال امنکم احد لہ عم
مثل عمی حمزة بن عبد المطلب
اسد اللہ واسد رسولہ غیری
قالوا لا قال امنکم احد لہ اخ
مثل اخی المزین بالجناحین
یطیر مع الملائکة فی الجنة
قالوا لا قال منکم احد لہ زوجة
مثل زوجتی فاطمہ سیدة
نساء الامة غیری قالوا لا قال
امنکم احد لہ سبطان مثل

نے حضرت علی کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ ابوبکر
کو خلیفہ لوگوں نے بنایا حالانکہ مجھے یقین
تھا کہ میں خلافت کے لئے ابوبکر کی نسبت
زیادہ اہل وحقدار ہوں لیکن میں خاموش
رہا اور کچھ نہ کیا، عمر کو خلیفہ بنایا گیا اس وقت
بھی مجھے یقین تھا کہ میں اس کی نسبت خلافت
کیلئے زیادہ موزوں اور حقدار ہوں لیکن پھر
بھی خاموش رہا اور کچھ نہ کیا اب تم ارادہ
رکھتے ہو کہ عثمان کو خلیفہ مقرر کرو اب میں
ہرگز اسی طرح خاموش نہ رہوں گا۔ عمر نے خلافت
کو پانچ آدمیوں میں محدود کیا اور میں ان
کا چھٹا رکھا گیا حالانکہ عمر کو علم تھا کہ ان پانچ
اشخاص کے کچھ فضائل نہیں قسم بخدا میں ان
سے احتجاج کروں گا اپنے ان فضائل کے ساتھ
جو ان میں کے عربی وعجمی کسی میں نہیں ہیں اور
وہ میرے ایک فضل سے بھی انکار نہیں
کر سکتے اے پانچ آدمیوں کی جماعت میں تم
سے خداوند تعالیٰ کی قسم دے کر دریافت
کرتا ہوں کیا تم میں میرے سوائے کوئی رسول خدا
کا بھائی ہے سب نے جواب دیا نہیں، پھر فرمایا
کیا تم میں میری سوائے ایک بھی ایسا ہے کہ جس
کا چچا مثل میرے چچا حمزہ بن عبدالمطلب کے
ہو جو شیر خدا و شیر رسول خدا تھے سب نے جواب

الحسن والحسين سبطي
هذه الامة ابني رسول الله
صلى الله عليه وسلم
غيري قالوا لا قال منكم
احد قتل مشركي قريش
قبلي قالوا لا قال امنكم
احد ردت عليه الشمس
بعد غروبها حتى صلى العصر
غيري قالوا لا قال امنكم
احد قال رسول الله صلى
الله عليه وسلم حين
اقرب اليه الطير فاعجبه
اللهم ائتني باحب
خلقك اليك ياكل معي
من هذا الطير فجئت وانا
اعلم ما كان من قول
النبي صلى الله عليه و
سلم قد خلت قال والى
يارب والى يارب غيري
قالوا لا هكذا رواه الحاكم
في كتابه بجمع طرق حديث
الطير وناهيك به راويا
انتهى -

دیا نہیں، پھر فرمایا کیا تم میں کسی کا ایسا بھائی
ہے جیسا کہ میرا بھائی جعفر طیار ہے جو جنت
میں ملائکہ کے ساتھ پرواز کرتا ہے سب نے
کہا کہ نہیں پھر فرمایا کہ کیا تم میں سے میری
سوائے کسی اور کی زوجہ میری زوجہ فاطمہ
سیدۃ نساء الامۃ کی جیسی ہے۔ سب نے کہا کہ
نہیں، پھر آپ نے فرمایا کہ کیا میرے سوائے
کسی اور کے فرزان مثل حسنؑ و حسینؑ کے ہیں
جو اس امت کے دو سرداران پسران
رسول ہیں سب نے کہا نہیں۔ پھر فرمایا
کیا تم میں کوئی اور ہے جس نے مجھ سے
پہلے مشرکین قریش کو قتل کیا ہو سب نے
جواب دیا نہیں۔ پھر فرمایا کیا تم میں میرے
سوائے کوئی اور ہے جس کے لئے رجعت
شمس ہوئی تا کہ وہ نماز عصر پڑھے سب نے
کہا کہ نہیں، پھر آپ نے فرمایا کہ کیا تم میں
کوئی اور میرے سوا ہے کہ جس کے متعلق
رسول خدا نے کہا ہو جب آپ کے پاس ایسا
طائر بھیجا گیا کہ جو آپ کو پسند آیا تو آپ نے
دعا کی کہ بار الٰہا اس وقت میرے ساتھ اس
طائر کو کھانے کے لئے وہ شخص بھیج جو تمام
مخلوق میں سب سے زیادہ تیرا محبوب ہو پس
میں آیا اور آنحالیکہ میں آپ کی اس دعا سے

خدا کی طرف سے مطلع کیا گیا تھا۔ پس جب میں داخل ہوا تو جناب رسول خدا نے بہت خوش ہوکر مجھے اپنے پاس بلایا سب نے کہا کہ نہیں اسی طرح روایت کی ہے حاکم نے اپنی اس کتاب میں جس میں حدیث طیر کے طرق اس نے جمع کئے ہیں۔

جناب امیر علیہ السلام کے روزِ شوریٰ کے اس احتجاجی خطبہ کو اخطب خوارزم نے اپنی کتاب المناقب میں اس طرح نقل کیا ہے۔

اخبرنی الشیخ الامام شہاب الدین افضل الحفاظ ابو النجیب سعد بن عبد اللہ بن الحسن الہمدانی المعروف بالمروزی فیما کتب الیّ من ہمدان اخبرنا الحافظ ابو علی الحسن بن احمد بن الحسن الحداد باصبہان فیما اذن لی فی الروایۃ عنہ قال اخبرنا الشیخ الادیب ابو یعلی عبد الرزاق بن عمر بن ابراہیم الطہرانی فی سنۃ ثلث وسبعین واربعمائۃ قال اخبرنا الامام الحافظ طراز المحدثین ابو بکر احمد بن موسی بن مردویہ الاصبہانی قال الشیخ شہاب الدین ابو النجیب سعد بن عبد اللہ الہمدانی واخبرنا بہذا الحدیث عالیا الامام الحافظ سلیمان بن ابراہیم الاصبہانی فی کتابہ الیّ من اصبہان سنۃ ثمان وثمانین واربعمائۃ عن ابی بکر احمد بن موسیٰ بن مردویہ قال حدثنا سلیمان بن احمد قال حدثنا علی بن سعید الرازی قال حدثنا محمد بن حمید حدثنا زافر بن سلیمان قال حدثنا الحارث بن محمد عن ابی الطفیل عامر بن واثلہ قال کنت علی الباب یوم الشوریٰ فارتفعت الاصوات بینہم فسمعت علیا یقول بایع الناس ابابکر وانا واللہ اولی بالامر منہ و احق فسمعت واطعت مخافۃ ان یرجع الناس کفارا یضرب بعضہم رقاب بعض بالسیف ثم بایع ابوبکر لعمر وانا واللہ

اولی بالامر منہ فسمعت واطعت مخافۃ ان یرجع الناس کفارا ثم انتم تریدون ان تبایعوا عثمان اذا لا اسمع ولا اطیع ان عمر جعلنی فی خمسۃ نفر انا سادسہم لا یعرف لی فضل فی الصلاح ولا یعرفونہ لی کما نحن فیہ شرع سواء وایم اللہ لو اشاء ان اتکلم ثم لا یستطیع عربیہم و لا عجمیہم ولا المعاھد منہم ولا المشرک رد خصلۃ منہا قال انشدکم ایتہا الخمسۃ امنکم اخو رسول اللہ غیری قالوا لا قال منکم احد لہ عم مثل عمی حمزۃ بن عبد المطلب اسد اللہ واسد رسولہ غیری قالوا لا قال امنکم احد لہ ابن عم مثل ابن عمی رسول اللہ قالوا لا قال منکم احد لہ اخ مثل اخی المزین بالجناحین یطیر مع الملائکۃ فی الجنۃ قالوا لا قال امنکم احد لہ زوجۃ مثل زوجتی فاطمۃ بنت رسول اللہ سیدۃ نساء ھذہ الامۃ قالوا لا قال منکم احد لہ سبطان مثل الحسن والحسین سبطا ھذہ الامۃ ابنا رسول اللہ غیری قالوا لا قال منکم احد قتل مشرکی قریش غیری قالوا لا قال امنکم احد وحد اللہ قبلی قالوا لا قال امنکم احد صلی القبلتین غیری قالوا لا قال منکم احد امر اللہ بمودتہ غیری قالوا لا قال امنکم احد غسل رسول اللہ قبلی قالوا لا قال امنکم احد سکن المسجد یمر فیہ جنبا غیری قالوا لا قال افیکم احد ردت لہ الشمس بعد غروبہا حتی صلی العصر غیری قالوا لا قال افیکم احد قال لہ رسول اللہ حین قرب الیہ الطیر فاعجبہ اللہم ائتنی باحب خلقک الیک یاکل معی من ھذا الطیر فجئت وانا اعلم ما کان من قولہ فدخلت قال والی یا رب والی یا رب غیری قالوا لا قال افیکم احد کان اقتل

المشرکین عند کل شدیدۃ تنزل برسول اللہ منی قالوا لا قال افیکم احد کان اعظم غناء عن رسول اللہ منی حتی اضطجعت علی فراشہ ووقیتہ بنفسی وبذلت مھجتی غیری قالوا لا قال افیکم احد کان یاخذ الخمس غیری وغیر فاطمہ قالوا لا قال افیکم احد کان لہ سہم فی الخاص وسہم فی العام غیری قالوا لا قال فیکم احد یطہرہ کتاب اللہ غیری حتی سد النبی ابواب المہاجرین جمیعاً وفتح بابی حتی قام الیہ عماہ حمزۃ والعبّاس وقالا یا رسول اللہ سددت ابوابنا وفتحت باب علی فقال النبی ما انا فتحت بابہ ولا سددت ابوابکم بل اللہ فتح بابہ وسد ابوابکم قالوا لا قال افیکم احد تمم اللہ نورہ من السماء حین قال وآت ذالقربیٰ حقہ قالوا اللہم لا قال افیکم احد ناجی رسول اللہ ست عشر مرۃ غیری حین قال یا ایھا الذین آمنوا اذا ناجیتم الرسول فقدموا بین یدی نجواکم صدقۃ قالوا اللہم لا قال افیکم احد ولی غمض رسول اللہ غیری قالوا اللہم لا قال افیکم احد اخر عہد برسول اللہ حین وضعتہ فی حضرتہ غیری قالوا لا،

اخطب خوارزم۔ کتاب المناقب۔ ابن حجر مکی: صواعق محرقہ باب حادی العشر فی فضائل اہلبیت النبوی فصل الاول الآیات الوارد فیہم الآیۃ ۹

ترجمہ: (اسمائے راویان عربی عبارت میں دیکھو) حارث بن محمد روایت کرتا ہے ابو الطفیل عامر بن واثلہ سے۔ عامر بن واثلہ کہتا ہے کہ میں شوریٰ والے دن اس مکان کے دروازہ پر تھا۔ میں اندر لوگوں کی آوازیں بلند ہوئیں میں نے حضرت علی کو کہتے ہوئے سنا آپ فرما رہے تھے کہ لوگوں نے ابوبکر کی بیعت کر لی، درانحالیکہ قسم بخدا میں ابوبکر کی نسبت خلافت کا زیادہ حق دار تھا، مگر میں خاموش رہا اس ڈر سے کہ لوگ مرتد نہ ہو جائیں اور ایک دوسرے کو قتل کرنے لگیں، پھر ابوبکر نے

عمر کی بیعت کرائی اور قسم بخدا میں عمر کی نسبت خلافت کا زیادہ حقدار اور اہل تھا۔ مگر پھر بھی میں اس ہی ڈر سے خاموش رہا کہ لوگ پھر کافر نہ ہو جائیں اب تم عثمان کی بیعت کرنے کا ارادہ رکھتے ہو، اب میں تم کو حق کی باتیں سناؤں گا، عمر نے اس امر خلافت کو پانچ آدمیوں میں ڈال دیا، اور میں ان کا چھٹا ہوں، نہ عمر نے میرے شرف و بزرگی کو سمجھا اور نہ یہ لوگ سمجھتے ہیں اور قسم بخدا اگر میں اپنی فضیلتیں بیان کرنی شروع کردوں تو ان میں سے ایک کی بھی خواہ عربی ہو یا عجمی دشمن ہو یا کافر تردید نہیں کر سکتا، پھر فرمایا اے پانچ لوگوں کی جماعت! میں تم کو خدا کی قسم دیکر پوچھتا ہوں کہ کیا تم میں میرے سوا کوئی رسول خدا کا بھائی ہے، انہوں نے جواب دیا کہ نہیں (پھر اسی طرح آپ اپنے قریبی رشتہ داروں کی نسبت دریافت کرتے گئے۔ حمزہ، جعفر، فاطمہؑ، حسنینؑ اور وہ سب جواب دیتے گئے کہ ہم میں کوئی آپ کے سوا ایسا نہیں ہے جسکے رشتہ دار قریبی ایسے ہوں) پھر آپ نے فرمایا کہ کیا تم میں کوئی ایسا ہے کہ جس نے مجھ سے پہلے مشرکین کو قتل کیا ہو، یا مجھ سے پہلے اسلام لایا ہو یا میری طرح دونوں قبلوں کی طرف نماز پڑھی ہو سب نے جواب دیا کہ ہم میں آپ کے سوا کوئی ایسا نہیں ہے، پھر آپ نے فرمایا کہ کیا تم میں میرے سوا کوئی اور ہے جس کی محبت خداوند تعالے نے امت اسلامیہ پر واجب رکھی ہو یا رسول خدا کو غسل دیا ہو۔ سب نے جواب دیا نہیں (پھر آپ نے سدّ ابواب ردّ شمس و حدیث طیر کے حوالے سے اپنی فضیلت بیان کی اور وہ لوگ جواب دیتے گئے کہ ہم میں آپ کے سوائے کوئی اور ایسا نہیں ہے) پھر آپ نے فرمایا کہ کیا تم میں کوئی ایسا ہے کہ جس نے میری طرح رسول خدا کو ہر ایک جنگ و شدت میں بچایا اور ان کی حفاظت کی۔ انہوں نے کہا کہ نہیں پھر آپ نے فرمایا کہ آیا تم میں کوئی اور ایسا ہے جس نے میری طرح اپنی جان رسولخدا

پر قربان کی ہو اور ان کے فرش پر سویا ہو انہوں نے جواب دیا کہ نہیں۔ پھر فرمایا کہ کیا تم میں کوئی میرے اور فاطمہ زوجہ ام کے سوائے ایسا ہے کہ جس کو خمس ملا ہو، سب نے کہا کہ نہیں، پھر فرمایا کہ کیا تم میں کوئی ایسا ہے میرے سوائے جس کو خاص و عام دونوں میں حصّہ ملا ہو، سب نے کہا کہ نہیں۔ پھر فرمایا کہ کیا تم میں کوئی ایسا ہے جس کی طہارت مطلق قرآن شریف سے ثابت ہو۔ سب نے جواب دیا کہ ہم میں آپ کے سوا اور کوئی ایسا نہیں (پھر سد ابواب کا ذکر فرمایا اور کہا کہ تمہاری شکایت پر رسول خدا نے فرمایا کہ میں نے نہیں بلکہ خدا نے تمہارے دروازے بند کئے اور علی کا دروازہ کھلا رکھا، سب نے تصدیق کی، پھر آپ نے آیت ذاالقربے اور جناب رسول خدا کی رازداری و رازگوئی کا ذکر کیا اور سب نے تصدیق کی) پھر آپ نے فرمایا کہ کیا تم میں کوئی ایسا ہے جو جناب رسول خدا کے ساتھ سب سے آخر تک رہا ہو، سوائے میرے اور ان کو قبر میں اتارا ہو، سب نے کہا کہ ہم میں اور کوئی ایسا نہیں ہے۔"

جناب امیر علیہ السلام کا یہ احتجاج یوم شوریٰ مسلمات تاریخیہ میں سے ہے۔

ابن حجر صواعق محرقہ میں لکھتے ہیں:-

واخرج الدارقطنی ان علیا قال للستة الذین جعل عمر الامر شوریٰ بینهم کلاما طویلاً من جملته انشدکم باللہ هل فیکم احد قال له رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم یا علی انت قسیم الجنة والنار یوم القیامة غیری قالوا اللهم لا۔	دارقطنی نے اپنے اسناد سے اخراج کیا ہے کہ حضرت علی نے یوم شوریٰ ان چھ آدمیوں کے سامنے جن کو عمر نے خلافت کے فیصلہ کا اختیار دیا تھا ایک طویل کلام کیا اس میں کا ایک فقرہ یہ تھا کہ میں تم کو خداوند تعالے کی قسم دلا کر پوچھتا ہوں کہ کیا تمہارے درمیان میرے سوا کوئی اور ہے جس کو رسول خدا نے کہا ہو کہ اے علی تم جنت و دوزخ کے تقسیم کرنے والے ہو سب نے کہا کہ بخدا نہیں ہم میں آپ کے سوا اور کوئی ایسا نہیں ہے۔

صواعق محرقہ:- الباب التاسع فصل الثانی ص ۷۵

پھر اسی کتاب کے صفحہ ۹۳ پر لکھتے ہیں:-

واخرج الدارقطنی ان علیا یوم الشوریٰ احتج علی اھلھا فقال لھم انشدکم باللّٰہ ھل فیکم احد اقرب الی رسول اللّٰہ صلے اللّٰہ علیہ وسلم فی الرحم منی ومن جعلہ صلے اللّٰہ علیہ وسلم نفسہ وابناءہ ابناءہ و نساءہ نساءہ غیری قالوا اللھم لا۔

دارقطنی نے اپنے اسناد سے روایت کی ہے کہ شوریٰ والے دن حضرت علی نے اہل شوریٰ پر حجت ختم کرنے کیلئے گفتگو کی پس فرمایا کہ میں تمکو خداوند تعالیٰ کی قسم دلاکر پوچھتا ہوں کہ تمہارے درمیان میرے سوائے کوئی دوسرا ہے جو جناب رسول خدا سے رشتہ میں مجھ سے زیادہ قریب ہو اور جس کو رسول خدا نے اپنا نفس کہا ہو اور جس کی اولاد کو آنحضرت نے اپنی اولاد جس کی عورتوں کو اپنی عورتیں کہا ہو۔

جب عبدالرحمٰن بن عوف نے حضرت عثمان کے حق میں خلافت کا فیصلہ دیا تب بھی حضرت علی نے فرمایا کہ یہ پہلا دن نہیں ہے کہ تم نے ہم پر ظلم کیا ہے، اس موقعہ پر آپ نے ایک طویل گفتگو کی جو ہم نے تاریخ طبری وغیرہ سے اس کتاب کے صفحہ ۱۱۳۲ پر نقل کی ہے اس گفتگو کی طرف اشارہ کرتے ہوئے علامہ شبلی المامون ص ۹ پر کہتے ہیں:-

"جب عبدالرحمٰن بن عوف نے جو اس نزاع کے طے کرنے کے لئے ثالث مقرر ہوئے تھے حضرت عثمان کا ہاتھ پکڑ لیا تو حضرت علی نے "صبر جمیل" کہا اور تن بہ تقدیر راضی ہوگئے"

دو الفاظ ملاحظہ ہوں "صبر جمیل" اور "تن بہ تقدیر" صبر جمیل اس صبر کو کہتے ہیں کہ جو مظلوم آدمی نہایت صریح وعظیم ظلم کے اندر اختیار کرتا ہے۔ تن بہ تقدیر راضی ہوگئے کیونکہ اور کوئی چارہ کار نہ تھا۔

جناب علی مرتضیٰ اپنے حقوق و فضائل کا اظہار ہر ایک مناسب موقعہ پر فرماتے رہے ہیں اور امت کو بار بار جتاتے رہے ہیں کہ سوائے ان کے خلیفہ بلافصل رسولؐ نہ کوئی اور ہو سکتا تھا اور نہ ہوا، یہ اظہار فضیلت از راہِ تعلّی و غرور نہ تھا بلکہ آپ اپنا فرض ادا کر رہے تھے کیونکہ امت کے لئے ضروری تھا کہ بمضمون حدیث نبوی من مات ولم یعرف امام زمانہ فقد مات میتۃ جاہلیۃ اپنے امام زمانہ کی معرفت حاصل کریں۔ شیخ سلیمان القندوزی مفتی اعظم قسطنطنیہ اپنی کتاب ینابیع المودۃ میں کہتے ہیں۔

الحموینی بسندہ عن سلیم بن قیس الہلالی قال رایت علیا فی المسجد المدینۃ فی خلافۃ عثمان ان جماعۃ المہاجرین والانصار یتذاکرون فضائلہم وعلی ساکت فقالوا یا ابا الحسن تکلم فقال یا معشر قریش والانصار اسائلکم ممن اعطاکم اللہ ہذا الفضل ابانفسکم وبغیرکم قالوا اعطانا اللہ ومن علینا بمحمد صلی اللہ علیہ وسلم قال الستم تعلمون ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال انی و اہلبیتی کنا نورا نسعی بین یدی اللہ تعالیٰ قبل ان یخلق اللہ عزوجل ادم باربعۃ عشر الف سنۃ فلما خلق اللہ آدم علیہ السلام وضع ذلک النور فی صلبہ واہبطہ الی الارض ثم حملہ فی السفینۃ فی صلب نوح علیہ السلام ثم قذف بہ فی النار فی صلب ابراہیم علیہ السلام ثم لم یزل اللہ ینقلنا من الاصلاب الکریمۃ الی الارحام الطاہرۃ من الآباد والامہات لم یکن واحد منا علی سفاح فقال اہل السابقۃ واہل بدر واحد نعم قد سمعناہ ثم قال انشدکم اللہ اتعلمون ان اللہ عزوجل فضل فی کتابہ السابق علی المسبوق فی غیر آیۃ ولم یسبقنی احد من الامۃ فی الاسلام قالوا نعم قال فانشدکم اللہ اتعلمون حیث

نزلت والسابقون السابقون اولئك المقربون سئل عنها
رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال نزلها الله عزوجلّ
فی الانبیاء واوصیائهم فانا افضل انبیاء الله ورسله وعلی
وصیی افضل الاولیاء قالوا نعم قال انشدکم الله اتعلمون
حیث نزلت یا ایها الذین آمنوا اطیعوا الله واطیعوا الرسول
واولی الامر منکم وحیث نزلت انما ولیکم الله ورسوله والذین
آمنوا الذین یقیمون الصلوٰة ویؤتون الزکوٰة وهم راکعون
وحیث نزلت لم یتخذوا من دون الله ولا رسوله ولا المؤمنین
ولیجة وامر الله عزوجل فیه ان یعلمهم ولاة امرهم
وان یفسر لهم من الولایة کما فسر لهم من صلوٰتهم و
زکوٰتهم وحجهم فنصبنی للناس بغدیر خم فقال ایها الناس
انّ الله جل جلاله ارسلنی برسالة ضاق بها صدری
فظننت ان الناس مکذبی فاوعدنی ربی ثم قال تعلمون
انّ الله عزوجل مولای وانا مولی المؤمنین وانا اولی بهم
من انفسهم قالوا بلی یا رسول الله فقال آخذ ابیدی من
کنت مولاه فعلی مولاه اللهم وال من والاه وعاد من
عاداه فقام سلمان وقال یا رسول الله ولاء علی ماذا قال
ولاء وه کولائی من کنت اولی به من نفسه فعلی اولی به من
نفسه فنزلت الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم
نعمتی ورضیت لکم الاسلام دیناً فقال صلی الله علیه
وسلم الله اکبر باکمال الدین واتمام النعمة ورضاء ربی
برسالتی وولایة علی بعدی قالوا یا رسول الله هذه الآیات
فی علی خاصة قال بلی فیه وفی اوصیائی الی یوم القیامة

قالوا بینھم لنا قال علی اخی ووارثی ووصیی وولی کل مومن بعدی ثم ابنی الحسن ثم الحسین ثم التسعۃ من ولد الحسین القرآن معھم وھم مع القرآن لا یفارقونہ ولا یفارقھم حتی یردوا علی الحوض قال بعضھم قد سمعنا ذلک وشھدنا وقال بعضھم قد حفظنا جل ما قلت ولم نحفظہ کلہ وھؤلاء الذین حفظوا اخیارنا وافاضلنا ثم قال تعلمون ان اللہ انزل انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت ویطھرکم تطھیرا فجمعنی وفاطمہ وابنی حسنا وحسینا ثم القی علینا کساء وقال اللھم ھؤلاء اھلبیتی لحمھم لحمی یولمنی ما یولمھم ویجرحنی ما یجرحھم فاذھب عنھم الرجس وطھرھم تطھیرا فقالت ام سلمۃ وانا یا رسول اللہ فقال انت الی خیر فقالوا نشھد ان ام سلمۃ حدثتنا بذلک ثم قال انشدکم اللہ اتعلمون ان اللہ انزل یا ایھا الذین آمنوا اتقوا اللہ وکونوا مع الصادقین فقال سلمان یا رسول اللہ ھذا عامۃ ام خاصۃ قال اما المامورون فعامۃ المومنین واما الصادقون فخاصۃ اخی علی واوصیائی من بعدہ الی یوم القیامۃ قالوا نعم فقال نشدکم اللہ اتعلمون انی قلت لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی غزوۃ تبوک خلفتنی علی النساء والصبیان فقال ان المدینۃ تصلح الا بی اوبک وانت منی بمنزلۃ ھارون من موسیٰ الا انہ لا نبی بعدی قالوا نعم قال انشدکم اللہ اتعلمون ان اللہ انزل فی سورۃ الحج یا ایھا الذین آمنوا ارکعوا واسجدوا واعبدوا ربکم وافعلوا الخیر الی آخر السورۃ فقام سلمان فقال یا رسول اللہ من

هؤلاء الذين انت عليهم شهيد وهم شهداء على الناس الذين
اجتباهم الله ولم يجعل عليهم فى الدين من حرج ملة ابراهيم
قال عنى بذلك ثلثة عشر رجلا قال سلمان بينهم لنا يا
رسول الله قال انا واخى على واحد عشر من ولدى قالوا نعم
قال انشدكم الله اتعلمون ان رسول الله صلى الله عليه
وسلم قال فى خطبه فى مواضع متعددة فى آخر خطبته لم
يخطب بعدها ايها الناس انى تارك فيكم الثقلين كتاب
الله وعترتى اهل بيتى فتمسكوا بهما لن تضلوا فان اللطيف
الخبير اخبرنى وعهد الى انهما لن يفترقا حتى يردا على الحوض
فقال كلهم نشهد ان رسول الله صلى الله عليه وسلم
قال ذلك۔

ترجمہ:۔ حموینی نے اپنے اسناد کے سلسلہ سے سلیم بن قیس سے روایت کی ہے
وہ کہتا ہے کہ خلافت عثمان کے زمانہ میں میں نے حضرت علی کو مسجد
مدینہ میں دیکھا وہاں انصار و مہاجرین کا گروہ اپنے اپنے فضائل
بیان کر رہا تھا اور حضرت علی خاموش تھے۔ لوگوں نے کہا کہ اے
ابوالحسن تم بھی کچھ گفتگو کرو حضرت علی نے جواب دیا کہ اے گروہ قریش
و انصار میں تم سے پوچھتا ہوں یہ بتاؤ کہ یہ فضائل جو خدا نے تم
کو عطا کئے ہیں تمہاری اپنی ذات کی بناء پر ہیں یا کسی دوسرے کی
وجہ سے ہیں انہوں نے جواب دیا کہ خداوند تعالیٰ نے جناب محمد مصطفیٰ
صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وسیلے سے ہمیں یہ فضائل عطا کئے ہیں اور
ہم پر بخشش کی ہے حضرت علی نے فرمایا کہ کیا تم نہیں جانتے ہو کہ جناب رسول خدا
نے فرمایا کہ میں اور میرے اہل بیت ایک نور تھے جو خداوند تعالے کے
سامنے حضرت آدم کی پیدائش سے ۱۴ ہزار برس پہلے سے عبادت اور

ریاضت کرتے تھے پس جب خداوند تعالیٰ نے حضرت آدم کو خلق کیا تو اس نور کو حضرت آدم کے صلب میں داخل کر دیا، اور اس کو زمین پر اتارا پھر صلب نوحؑ میں رکھا جب کہ وہ کشتی میں تھے۔ پھر حضرت ابراہیم کے صلب میں ہمارے نور کو رکھا کہ جب وہ آگ میں ڈالے گئے (گویا اس نور کی برکت سے حضرت نوحؑ کو طوفان سے اور حضرت ابراہیم کو آتش نمرود سے رہائی ملی) پھر اسکے بعد خداوند تعالیٰ ہمارے اس نور کو اصلاب کریمہ سے ارحام طاہرہ کی طرف منتقل کرتا گیا، ہمارے آبا و امہات میں سے کوئی زنا کا مرتکب نہیں ہوا۔ اس پر اہل سابقہ و اہل بدر و اہل احد نے جواب دیا کہ واقعی ہم نے جناب رسولخدا کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے پھر آپ نے فرمایا کہ میں تم کو خداوند تعالیٰ کی قسم دیکر پوچھتا ہوں کیا تم جانتے ہو، کہ قرآن شریف میں خداوند تعالیٰ نے اسلام میں سبقت کرنے والے کو اس کے بعد میں آنے والے پر فضیلت دی ہے اور امت اسلامیہ میں کسی شخص نے مجھ پر اسلام میں سبقت نہیں کی سب نے جواب دیا واقعی یہ درست ہے پھر آپ نے فرمایا کہ میں تم کو خداوند تعالیٰ کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کہ کیا تم جانتے ہو کہ جب یہ آیۂ مبارکہ وَالسَّابِقُونَ السَّابِقُونَ أُولَٰئِكَ الْمُقَرَّبُونَ نازل ہوئی تو جناب رسول خدا سے پوچھا گیا کہ سابقون سے کون لوگ مراد ہیں تو آپ نے فرمایا کہ خداوند تعالیٰ نے یہ آیت انبیاء اور ان کے اوصیاء کے حق میں نازل فرمائی ہے میں تمام انبیاء اللہ سے افضل ہوں اور علی میرا وصی تمام اوصیاء سے افضل ہے سب نے جواب دیا کہ واقعی یہ درست ہے، پھر آپ نے فرمایا کہ میں تم کو خدا کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کہ کیا تم جانتے ہو کہ جب یہ آیت يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَ

اولی الامر منکم نازل ہوئی، اور جب یہ آیت اِنَّمَا وَلِیُّکُمُ اللّٰہُ وَ رسولہ وَالَّذِیْنَ آمَنُوا الَّذِیْنَ یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ وَیُؤْتُوْنَ وَھُمْ رَاکِعُوْنَ نازل ہوئی اور جب یہ آیت لَمْ یَتَّخِذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ وَلَا رَسُوْلِہٖ وَلَا الْمُؤْمِنِیْنَ وَلِیْجَۃً نازل ہوئی اور خداوند تعالےٰ نے حکم دیا کہ لوگوں کو بتا دیا جائے کہ ان کے امور کے والی لوگ کون ہیں اور اس ولایت کی تشریح بتفصیل کر دی جائے جس طرح اُن کی نماز و زکوٰۃ و حج کی تفصیل کر دی گئی تو جناب رسول خدا نے بمقام غدیر مجھے اوپر اٹھا کے لوگوں کو دکھایا اور فرمایا، اے لوگو! خداوند تعالےٰ نے جب مجھے مبعوث برسالت فرمایا تو میرا دل گھبرایا، اور میں نے خیال کیا کہ لوگ میری تکذیب کریں گے تو خدا نے میرے ساتھ وعدہ فرمایا۔ کیا تم لوگ جانتے ہو کہ خدا میرا مولا و آقا و مالک ہے اور میں تمہارا مولا آقا و مالک ہوں، اور میں تمہاری جانوں پر تصرف رکھتا ہوں سب نے کہا کہ اے رسول خدا واقعی یہ درست ہے، پھر جناب رسول خدا نے مجھے اوپر اٹھا کر فرمایا پس جس کا میں مولا ہوں اس کا علی مولا ہے، ایخداوندا دوست رکھ اس کو جو علی کو دوست رکھے اور دشمن رکھ اس کو جو علی کو دشمن رکھے، سلمان فارسی کھڑے ہوئے اور دریافت کیا کہ اے رسولخدا علی کی ولایت کیسی ہونی چاہیئے، آپ نے فرمایا کہ علی کی ولایت ویسی ہی ہونی چاہیئے، جیسی کہ میری ولایت ہے جس کے نفس پر میں حاکم ہوں علی بھی اس کے نفس پر حاکم ہے، اس کے بعد آیۂ کریمہ اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا نازل ہوئی پس جناب رسولخدا نے فرمایا کہ خدا کا شکر ہے اکمال دین و اتمام نعمت پر اور اس امر پر کہ خداوند تعالےٰ میری رسالت اور میرے بعد علی کی ولایت سے راضی ہوا، لوگوں نے پوچھا کہ اے

رسول خدا کیا یہ آیات صرف خاص طور سے علی کے حق میں نازل ہوئی ہیں آپ نے
فرمایا کہ ہاں اور میرے ان اوصیاء کے حق میں جو قیامت تک ہوں گے سلمان
نے عرض کی کہ اس کی تشریح فرمائیے ۔اس پر جناب رسول خدا نے فرمایا کہ سب سے
پہلے میرا بھائی میرا وارث و میرا وصی علی ہے جو میرے بعد تمام مومنین کا
حاکم ہے پھر میرا بیٹا حسنؑ پھر حسینؑ کی اولاد سے نو فرزند، قرآن ان سب کے
ساتھ ہے اور وہ قرآن کے ساتھ ہیں، نہ وہ قرآن سے جدا ہوں گے، اور
نہ قرآن ان سے جدا ہوگا، یہاں تک کہ قیامت کے روز حوض کوثر پر وہ
میرے پاس اسی طرح آئیں گے، یہ سن کر مجمع انصار و مہاجرین میں سے بعض
نے کہا کہ واقعی یہ سب ہم نے خود سنا ہے اور دیکھا ہے اور بعض نے کہا کہ
جو آپ نے فرمایا اس میں سے زیادہ حصہ ہمیں یاد ہے اور تھوڑا سا یاد نہیں
ہے اور وہ لوگ جنھوں نے کہا تھا کہ ہمیں کل سارے کا سارا یاد ہے۔ وہ
ہم سب سے زیادہ علم اور شرف والے تھے۔ پھر حضرت علی نے فرمایا کہ کیا تم
جانتے ہو کہ جب آیہ کریمہ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ
اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا نازل ہوئی تو جناب رسول خدا نے
مجھے و فاطمہؑ و میرے دونوں بیٹوں حسنؑ و حسینؑ کو ایک جگہ جمع کیا، اور
ہم سب پر ایک چادر ڈال کر فرمایا کہ اے بارالہا یہ لوگ میرے اہلبیتؑ ہیں
ان کا گوشت میرا گوشت ہے وہ چیز مجھے رنج دیتی ہے جو ان کو رنج دیتی
ہے، اور وہ چیز مجھ کو مجروح کرتی ہے جو ان کو مجروح کرتی ہے۔ پس تو ان
سے ہر قسم کا رجس دور کر دے اور ان کو ایسا پاک بنا دے جیسا کہ پاک بنانے
کا حق ہے اس پر ام سلمہ نے کہا کہ اور میں یا رسول خدا۔ آپ نے فرمایا تو اپنی
جگہ خیر پر ہے ۔ان لوگوں نے جواب دیا کہ ہم گواہی دیتے ہیں۔ ام سلمہؓ
نے ہم سے اسی طرح کہا ہے پھر حضرت علیؑ نے فرمایا کہ میں تمکو خداوند تعالیٰ کی
قسم دیکر پوچھتا ہوں کہ کیا تم جانتے ہو کہ جب آیۂ کریمہ يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ

آمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ نازل ہوئی تو سلمان فارسی نے جناب رسولخدا سے دریافت کیا کہ یارسول اللہ یہ آیہ عام لوگوں کے لئے ہے یا خاص لوگوں کے لئے تو جناب رسول خدا نے فرمایا کہ جہاں تک مامورین کا تعلق ہے وہ عام ہے یعنی تمام امت کو حکم دیا گیا ہے، اور جہاں تک صادقوں کا تعلق ہے وہ خاص ہیں یعنی صادقین سے خاص آدمی مراد ہیں اور وہ میرا بھائی علی اور اس کے بعد میرے اوصیاء ہیں جو روز قیامت تک ہوں گے سب لوگوں نے جواب دیا کہ یہ درست ہے۔ پھر حضرت علی نے فرمایا کہ میں تم کو قسم دیکر پوچھتا ہوں کیا تم جانتے ہو کہ غزوۂ تبوک میں میں نے رسولخدا سے عرض کی کہ کیا آپ نے مجھ کو عورتوں اور بچوں پر حاکم مقرر فرمایا ہے تو آپ نے جواب دیا کہ مدینہ کی اصلاح ہی صرف تجھ سے ہو سکتی ہے یا مجھ سے، اور تجھ کو اے علی مجھ سے وہ ہی نسبت ہے جو ہارون کو موسیٰ کے ساتھ تھی۔ صرف اتنا فرق ہے کہ میرے بعد کوئی نبی نہ ہوگا سب نے جواب دیا کہ ہاں اسی طرح ہے، پھر حضرت علیؑ نے فرمایا کہ میں تم کو خدا کی قسم دیکر پوچھتا ہوں کہ کیا تم جانتے ہو کہ جب یہ آیہ سورہ حج میں نازل ہوئی يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوا ارْكَعُوْا وَاسْجُدُوْا وَاعْبُدُوْا رَبَّكُمْ وَافْعَلُوا الْخَيْرَ آخر سورہ تک تو سلمان فارسی کھڑے ہوئے اور دریافت کیا کہ یارسول اللہ یہ کون لوگ ہیں جن پر آپ گواہ ہیں اور جو باقی تمام امت پر گواہ ہیں جن کو خداوند تعالے نے منتخب کر لیا ہے۔ اور جن کے اوپر دین میں کچھ سختی نہیں کی ہے، ان کے باپ ابراہیم کا مذہب ان کے لئے پسند کیا، آپ نے فرمایا کہ ان سے تیرہ اشخاص مراد ہیں سلمان نے عرض کی کہ یارسول اللہ ان کا پتہ بتائیے، وہ کون ہیں ؟ آپ نے جواب دیا کہ وہ میں میرا بھائی علی اور میرے گیارہ فرزندان ہیں، سب نے جواب دیا کہ واقعی یہ درست تھا، پھر حضرت علیؑ نے فرمایا کہ میں تم کو خداوند تعالیٰ کی قسم دیکر پوچھتا ہوں

کیا تم جانتے ہو کہ جناب رسولخدا نے اپنے بہت سے خطبوں میں بہت سی جگہ اور آخری خطبہ میں جس کے بعد آپ نے اور خطبہ نہیں ادا کیا فرمایا کہ اے لوگوں میں تمہارے درمیان دو عظیم القدر گراں بہا چیزیں چھوڑے جاتا ہوں ایک کتاب اللہ اور ایک میری عترت میرے اہلبیت، پس تم کو چاہیئے کہ ان دونوں سے تمسک رکھو، اگر تم نے ایسا کیا تو پھر تم کبھی گمراہ نہ ہوگے۔ کیونکہ خداوند تعالےٰ نے مجھے خبر دی ہے اور مجھ سے وعدہ کیا ہے کہ یہ دونوں ایک دوسرے سے جدا نہ ہونگے یہاں تک کہ روز قیامت حوض کوثر پر میرے پاس وارد ہوں۔ ان سب نے یک زبان ہوکر جواب دیا۔ کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ رسولخدا نے اسی طرح فرمایا ہے۔

اس جامع اور بلیغ کلام پر غور کرنے سے حضرت علی کے فضائل و حقوق کا اچھی طرح اندازہ ہوتا ہے آپ نے اپنے حقوق و فضائل کا مختصر الفاظ میں شمار کرا دیا اور اچھی طرح جتا دیا کہ آپ ہی خلیفۂ رسول ہونے کے اہل تھے اور آپ کے غیر کے لئے خلعتِ خلافت موزوں نہ تھا۔

شیخ سلیمان بن ابراہیم البلخی مفتیٔ اعظم قسطنطنیہ اپنی کتاب **ینابیع المودۃ** میں ایک اور ایسے خطبہ کو نقل کرتے ہیں اس ہی خطبہ کو **کمال الدین ابوسالم محمد بن طلحۃ القرشی** نے بھی اپنی کتاب **الدر المنظم** میں روایت کیا ہے

استشہاد رحبہ

اس واقعہ کا اجمالی ذکر ہم نے صفحہ ۴۶ کتاب اول پر کیا ہے۔ یہاں تفصیل کی ضرورت ہے، لہٰذا تفصیلی عبارت نقل کی جاتی ہے۔

شمس الدین محمد بن عبدالرحمن بن محمد السخاوی القاہری ۹۰۲ھ اپنی کتاب **استجلاب ارتقاء الغرف بحب اقرباء الرسول ذوی الشرف** میں لکھتے ہیں:۔

واما حدیث خزیمہ فھو عند ابن	ابن عقدہ نے محمد بن کثیر کے سلسلہ سے

عقدۃ من طریق محمد بن کثیر
عن فطر وابی الجارود کلاهما
عن ابی الطفیل ان علیاً رضی
اللہ عنہ قام فحمد اللہ واثنی
علیہ ثم قال انشد اللہ من
شهد یوم غدیر خم الا قام.
ولا یقوم رجل یقول نبئت
او بلغنی الا رجل سمعت اذناہ
ووعاہ قلبہ فقام سبعۃ
عشر رجلاً منهم خزیمہ بن ثابت
وسهل بن سعد وعدی بن
حاتم وعقبہ بن عامر وابو ایوب
الانصاری وابو سعید الخدری
وابو شریح الخزاعی وابو قدامۃ
الانصاری وابو یعلیٰ وابو الهیثم
بن التیهان ورجال من قریش
قال علی رضی اللہ عنہ وعنهم
هاتوا ما سمعتم فقالوا نشهد
انا اقبلنا مع رسول اللہ صلی
اللہ علیہ وسلم من حجۃ
الوداع حتی اذا کان الظهر
خرج رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم فامر بشجرات فشذبن

فطر وابوالجارود سے روایت کی ہے اور ان دونوں
نے ابوالطفیل سے کہ ایک روز حضرت علی خطبہ
کے لئے کھڑے ہوئے، حمد وثنا الہٰی کے بعد
فرمایا کہ خداوند تعالیٰ کو درمیان ڈال کر کہتا ہوں
وہ شخص کھڑا ہو جائے جو روز غدیر خم موجود
تھا، وہ نہ کھڑا ہو جو صرف یہ کہہ سکے کہ
مجھے خبر دی گئی ہے یا مجھے خبر پہونچی ہے
بلکہ وہ کھڑا ہو جس کے کانوں نے خطبہ
رسول کو سنا ہو اور اسکے دل نے اسے
محفوظ رکھا ہو، اسپر سترہ اصحاب رسول
کھڑے ہوئے، جن میں سے خزیمہ بن ثابت
وسہل بن عدی حاتم وعقبہ بن عامر
وابو ایوب انصاری وابو سعید الخدری
وابو شریح الخزاعی وابو قدامۃ الانصاری
وابو لیلیٰ وابو الہیثم بن التیہان اور قریش
کے چند دیگر آدمی تھے۔ حضرت علیؑ نے
کہا اب تم سب بیان کرو جو تم نے اس
دن رسول خدا سے سنا تھا، انہوں
نے کہا کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ حجۃ الوداع
کی واپسی پر ہم جناب رسول خدا کے ساتھ
تھے۔ جب ظہر کا وقت ہوا تو رسولخدا
باہر تشریف لائے اور حکم دیا کہ درختوں
کی پراگندہ شاخوں کو کاٹ کر

والقی علیهن ثوب ثم نادی
بالصلاة فخرجنا فصلینا
ثم قام فحمد الله واثنی علیه
ثم قال ایها الناس ما انتم
قائلون قالوا قد بلغت
قال اللهم اشهد ثلاث مرات
قال انی اوشك ان ادعی
فاجیب وانی مسئول وانتم
مسئولون ثم قال الا ان
اموالکم ودماءکم حرام
کحرمة یومکم هذا وحرمة
شهرکم هذا اوصیکم بالنساء
اوصیکم بالجار اوصیکم
بالممالیك اوصیکم بالعدل
والاحسان ثم قال یا ایها الناس
انی تارك فیکم الثقلین
کتاب الله وعترتی اهلبیتی
فانهما لن یتفرقا حتی یردا
علی الحوض نبانی بذلك
اللطیف الخبیر وذکر الحدیث
فی قوله صلی الله علیه وسلم
من کنت مولاه فعلی مولاه
فقال علی رضی الله عنه صدقتم

ان پر کپڑا ڈال دیا جائے پھر نماز کی منادی
کرائی۔ پس ہم سب باہر آئے اور ہم نے
نماز پڑھی، پھر جناب رسول خدا خطبہ
کے لئے کھڑے ہوئے، حمد و ثناء الہٰی
کے بعد فرمایا، ایہا الناس تم کیا کہتے
ہو۔ سبنے کہا کہ آپ نے پیغام الہٰی
ہم تک پہنچا دیا، اس پر آپ نے تین
مرتبہ فرمایا۔ بارالہٰا تو گواہ رہیو۔ پھر
فرمایا کہ قریب ہے کہ میں طلب کر لیا جاؤں
اور میں لبیک کہوں، مجھ سے بھی خداوند
تعالٰے سوال کریگا اور تم سے بھی سوال کریگا
پھر فرمایا، خبردار تمہارے مال و تمہارا خون
آج کے دن اور اس مہینہ کی حرمت کی طرح
حرام ہیں میں تمہیں عورتوں ہمسایوں اور
لونڈی غلاموں کیساتھ حسن سلوک کی وصیت
کرتا ہوں اور وصیت کرتا ہوں کہ عدل و نیکی
پر عمل کیا کرو، پھر فرمایا ایہا الناس میں تمہارے
درمیان دو بزرگ و گرانقدر چیزیں چھوڑے جاتا
ہوں ایک کتاب اللہ دوسری میری عترت و
اہلبیت۔ وہ دونوں ایک دوسرے سے جدا نہ
ہونگے، یہانتک کہ حوض کوثر پر قیامت کے روز میرے
پاس وارد ہوں اس کی خبر مجھے اس لطیف و خبیر نے دی ہے
اور پھر فرمایا جس کا میں مولا ہوں اس کا یہ علی مولا ہے حضرت علی

وانا علی ذلک من الشاھدین۔ نے فرمایا کہ تم سچ کہتے ہو اور میں بھی اس پر گواہوں میں سے ایک گواہ ہوں۔

علی المتقی :۔ کنز العمال الجزء السادس ص ۴۰۳ حدیث ۶۱۱۷، ۶۱۲۱، ۶۱۲۳، ص ۴۰۰ حدیث ۶۱۴۹، ۶۱۵۰۔

شمس الدین الجزری :۔ اسنی المطالب ص ۴،۳

امام احمد حنبل :۔ مسند الجزء الاول ص ۸۴، ۱۱۸، ۱۱۹، الجزء الرابع ص ۳۷۰ الجزء الخامس ص ۳۶۶۔

محمد بن اسمعیل بن صلاح الامیر :۔ روضۃ الندیہ ص ۶۸

سبط ابن الجوزی :۔ تذکرہ خواص الامۃ الباب الثانی ص ۱۷

حسن علی محدث :۔ تفریح الاحباب ص ۳۴۹۔

ابو الحسن علی بن محمد الجلابی المعروف ابن المغازلی :۔ کتاب مناقب عن عمیر بن سعد

موفق بن احمد المعروف باخطب خوارزم۔ کتاب المناقب عن سعید بن وہب۔

علی بن محمد بن محمد عبد الکریم الجزری :۔ اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ عن یعلی بن مرۃ عبد الرحمن بن ابی لیلی۔ الاصبع بن نباتہ وسعید بن وہب وابی الطفیل وابی اسحق

ابن حجر عسقلانی :۔ الاصابہ فی معرفۃ الصحابہ عن ابی الطفیل وابی اسحق۔

ابراہیم بن عبد الیمنی الوصابی :۔ کتاب الاکتفاء عن عبد الرحمن بن ابی لیلی، زید بن ارقم وعمیر بن سعد۔

سید نور الدین علی سمہودی :۔ جواہر العقدین عن ابی الطفیل۔

نور الدین علی بن ابراہیم الحلبی۔ سیرۃ الحلبیہ الجزء الثالث ص ۳۰۸۔

عبد الرحمن جامی :۔ شواہد النبوۃ۔

احمد بن یحیٰی بن جابر البلاذری :۔ انساب الاشراف۔

ابو نعیم احمد اصفہانی :۔ حلیۃ الاولیاء۔

ابو عبد الرحمن شعیب نسائی :۔ خصائص علویہ۔

محب الدین احمد :۔ ریاض النضرہ

اسمٰعیل بن عمر المعروف با بن کثیر شامی:۔ البدایۃ والنہایۃ فی التاریخ۔ الجزء الخامس ص ۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۲۔

جلال الدین سیوطی:۔ تاریخ الخلفاء مطبوعہ مطبع مجتبائی ص ۱۱۹

محمد بن طلحۃ القرشی النصیبی:۔ مطالب السؤول فی مناقب آل الرسول۔ میرزا محمد بن معتمد خان:۔ نزل الابرار ص ۲۰۶۔ محمد صدر عالم:۔ معارج العلیٰ فی مناقب المرتضیٰ۔

مولوی ولی اللہ لکھنوی:۔ مرآۃ المومنین فی مناقب اہل بیت سید المرسلین

ان کتابوں میں سے اقتباسات نقل کرنا باعث طوالت ہوگا لیکن ایک دو کتابوں کی عبارت نقل کرنا ضروری ہے

عبداللہ احمد اپنے والد احمد حنبل کے مسند میں لکھتے ہیں:۔

حدثنا احمد بن عمر الوکیعی قال
حدثنا زید بن الحباب قال
حدثنا الولید بن عقبہ بن
نزار العنسی قال حدثنی سماك
بن عبید بن الولید العبسی
قال دخلت علی عبد الرحمٰن
بن ابی لیلی فحدثنی انه شهد
علیاً فی الرحبة قال انشد الله
رجلاً سمع رسول الله صلی الله
علیه وسلم وشهده یوم غدیر
خم الا قام ولا یقوم الا من
قد رآه فقام اثنا عشر رجلاً
فقالوا قد رأیناه وسمعناه
حیث اخذ بیده یقول
اللهم وال من والاه وعاد من

(اسماء رواۃ چھوڑکر) عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ
سے مروی ہے وہ کہتا ہے کہ میں بمقام رحبہ
موجود تھا جب علی نے خطبہ دیا۔ حضرت علی نے
لوگوں کو قسم دیکر کہا وہ لوگ کھڑے ہو جائیں
جنہوں نے یوم غدیر خم میں جناب رسولخدا
کا خطبہ سنا تھا۔ صرف وہ ہی کھڑے ہوں
جنہوں نے خود رسولخدا کو خطبہ دیتے ہوئے
دیکھا اور سنا اور اس پر ۱۲ اشخاص کھڑے
ہوئے اور شہادت دی کہ ہم نے اس روز
رسولخدا کو دیکھا اور سنا جب انہوں نے
علی کا ہاتھ پکڑ کر کہا کہ خداوندا دوست رکھ
اسکو جو علی کو دوست رکھے اور دشمن رکھ اسکو
جو علی کو دشمن رکھے مدد کر اسکی جو علی کی مدد کرے
چھوڑ دے اسکو جو علی کو چھوڑ دے وہ لوگ کھڑے ہوئے
لیکن ان میں سے تین اشخاص نہیں کھڑے ہوئے اسپر

عاداہ وانصر من نصرہ واخذل من خذلہ فقام الا ثلثۃ لم یقوموا فدعا علیہم فاصابتہم دعوتہ۔

حضرت علی نے ان پر بد دعا کی اور وہ دعا قبول ہوئی۔

ابن کثیر اپنی تاریخ میں لکھتے ہیں :-

قال عبد اللہ ابن احمد حدثنا احمد بن عمر الوکیعی ثنا زید بن الحباب ثنا الولید بن عقبہ بن نزار العنسی ثنا سماک بن عبید بن الولید العبسی قال دخلت علی عبد الرحمٰن بن ابی لیلی فحدثنی انہ شہد علیا فی الرحبۃ قال انشد اللہ رجلا سمع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و شہدہ یوم غدیر خم الا قام ولا یقوم الا من قد راٰہ فقام اثنا عشر رجلا فقالوا قد رایناہ وسمعناہ حیث اخذ بیدہ یقول اللّٰہم وال من والاہ وعاد من عاداہ وانصر من نصرہ واخذل من خذلہ فقام الا ثلثۃ لم یقوموا فدعا علیہم فاصابتہم دعوتہ ابن کثیر شامی :- البدایۃ والنہایۃ فی التاریخ الجزء الخامس ص ۲۱۱

ترجمہ :- عبارت وہی ہے جو مسند احمد حنبل میں ہے۔ اس کا ترجمہ پچھلے صفحہ پر گذر چکا ہے۔

کنز العمال علی متقی میں درج ہے :-

عن عبد الرحمٰن بن ابی لیلیٰ قال خطب علی فقال انشد اللہ امراء نشدۃ الاسلام سمع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یوم غدیر خم اخذ بیدی یقول الست اولیٰ بکم یا معشر المسلمین من انفسکم

عبد الرحمٰن بن ابی لیلی سے مروی ہے۔ وہ کہتا ہے کہ حضرت علی نے خطبہ دیا اور فرمایا کہ میں سوگند دیکر کہتا ہوں کہ وہ شخص جس نے خود اپنے کانوں سے روز غدیر جناب رسول خدا کو میرا ہاتھ پکڑ کر کہتے ہوئے سنا ہو کہ اے گروہ مسلمانان کیا میں تمہارے نفسوں کے اوپر

قالوا بلیٰ یا رسول اللہ قال من کنت مولاہ فعلی مولاہ اللھم وال من والاہ وعاد من عاداہ وانصر من نصرہ واخذل من خذلہ الا قام فشھد فقام بضعۃ عشر رجلا فشھدوا وکتم قوم فما فتوا من الدنیا حتی عموا و برصوا اقط فی الافراد۔

حاکم نہیں ہوں سب نے کہا کہ آپ ہیں پھر فرمایا کہ بس جس کا میں مولا و حاکم ہوں اس کا یہ علی حاکم ہے، بارالہا دوست رکھ اسکو جو اس کو دوست رکھے اور دشمن رکھ اسکو جو اسکو دشمن رکھے مدد کر اس کی جو اس کی مدد کرے اور چھوڑ دے اسکو جو اسکو چھوڑ دے پس اس پر بارہ صحابۂ رسول نے گواہیاں دیں چند لوگوں نے اس گواہی کو چھپایا بھی اور خاموش رہے لیکن یہ گواہی چھپانے والے لوگ دنیا سے نہیں فنا ہوئے مگر یہ کہ یا اندھے ہو گئے یا برص میں مبتلا ہو گئے، دارقطنی نے بھی اس روایت کی توثیق کی ہے۔

یہ امر بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ اس گواہی کو چھپانے والے صرف عبدالرحمٰن بن مدلج و یزید بن ودلیعہ ہی نہیں تھے، بلکہ حکومت اول و دوئم و سوئم کے خاص ارکان و عمائد بھی اس کتمانِ شہادت میں شامل تھے۔ مثلاً نورالدین علی بن ابراہیم بن احمد بن علی الحلبی اپنی کتاب انسان العیون فی سیرۃ الامین والمامون الجزء الثالث ص ۳۰۰ میں کہتے ہیں:۔

وقول بعضہم ان زیادۃ اللھم وال من والاہ الی آخرہ موضوعۃ مردود فقد ورد ذلک من طرق صحیح الذھبی کثیرا منہا وقد جاء ان علیاً رضی اللہ عنہ قام خطیبا فحمد اللہ تعالیٰ واثنی علیہ ثم قال انشد اللہ من شھد غدیر خم الا قام ولا یقوم رجل یقول نُبِّئتُ او بلغنی الا رجل سمعت اذناہ ووعی قلبہ فقام سبعۃ عشر صحابیاً او فی روایۃ ثلثون صحابیا وفی المعجم الکبیر ستۃ عشر صحابیا وفی روایۃ اثنا عشر صحابیا

فقال ھاتوا ما سمعتم فذکروا الحدیث ومن جملۃ من کنت مولاہ فعلی مولاہ وفی روایۃ فھذا مولاہ ومن زید ابن ارقم رضی اللہ عنہ وکنت ممن کتم فذھب الیہ ببصری وکان علی کرّم اللہ وجہہ دعی علی من کتم۔

ترجمہ :- بعضوں کا قول کہ یہ الفاظ اللھم وال من والاہ وعاد من عاداہ وانصر من نصرہ واخذل من خذلہ موضوع ہیں غلط و مردود ہے، بہ تحقیق کہ یہ سب الفاظ ان روایات میں پائے جاتے ہیں جن کے طرق (راویوں) کی توثیق و تصدیق ذہبی نے کی ہے بہ تحقیق کہ مروی ہے کہ ایک دن حضرت علی کھڑے ہوئے اور خطبہ میں بعد حمد و ثناء الٰہی کے فرمایا کہ میں قسم دیتا ہوں ان سب لوگوں کو جو روز غدیر خم میں رسول خدا کے ہمرکاب تھے کہ وہ کھڑے ہو جائیں لیکن وہ شخص نہ کھڑا ہو جو صرف یہ کہہ سکے کہ مجھے خبر دی گئی یا مجھ تک خبر پہونچی ہے۔ بلکہ وہ شخص کھڑا ہو جس کے دونوں کانوں نے سنا ہو اور جس کے قلب نے یاد رکھا ہو پس سترہ صحابی کھڑے ہوئے۔ ایک روایت میں ہے کہ تیس صحابی کھڑے ہوئے اور معجم الکبیر میں ہے کہ سولہ صحابی کھڑے ہوئے ایک روایت میں ہے کہ بارہ صحابی کھڑے ہوئے، پس حضرت علی نے فرمایا کہ اب تم خود بیان کرو جو تم نے سنا تھا پس انہوں نے حدیث غدیر مکمل بیان کی اور اس میں ایک جملہ تھا جس کا میں حاکم ہوں اس کا علی حاکم ہے اور ایک روایت میں ہے کہ جس کا میں حاکم ہوں اس کا یہ حاکم ہے، زید ابن ارقم کہتے ہیں کہ میں ان لوگوں میں تھا جنھوں نے اس شہادت کا اخفاء کیا تھا پس خداوند تعالےٰ نے مجھے اندھا کر دیا کیونکہ حضرت علیؑ نے اس شہادت کے چھپانے والے کو بد دعا دی تھی "

مولانا جامی اپنی کتاب شواہد النبوۃ میں جناب امیر المومنین علیہ السلام

کی کرامات کے ضمن میں تحریر کرتے ہیں:۔

"از آنجملہ آنست کہ روزی بر حاضران مجلس سوگند داد کہ ہر کہ از رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم شنیدہ است کہ گفتہ من کنت مولاہ فعلی مولاہ گواہی دہد، دوازدہ تن از انصار حاضر بودند گواہی دادند یکے دیگر کہ آں را از رسول صلے اللہ علیہ وسلم شنیدہ بود حاضر بود گواہی نداد، حضرت امیر کرم اللہ وجہ فرمود کہ اے فلاں تو چرا گواہی ندادی باآنکہ تو ہم شنیدۂ، گفت من پیر شدہ ام و فراموش کردہ ام، امیر گفت اے خداوندا اگر ایں شخص دروغ می گوید سفیدی بر بشرۂ وی ظاہر گردان کہ عمامہ آں را نپوشد، راوی گوید کہ واللہ من آں شخص را دیدم کہ سفیدی بر میان دو چشم وی پیدا آمدہ بود و از آنجملہ آنست کہ زید ابن ارقم رضی اللہ عنہ گفتہ است کہ من در ہماں مجلس یا مثل آں حاضر بودم و من نیز از آنجملہ بودم شنیدہ بودم اما گواہی ندادم و آں را پنہاں داشتم خدائے تعالیٰ روشنائی چشم مرا ببرد و گویند کہ ہمیشہ بر فوت آں شہادت اظہار ندامت می کرد و از خدائے تعالیٰ آمرزش می خواست"

کتاب اربعین میں جمال الدین عطاء اللہ بن فضل اللہ بن عبدالرحمٰن الشیرازی المحدث حدیث غدیر کے ضمن میں لکھتے ہیں کہ:۔

وروا ہ زربن جیش فقال خرج علی من القصر فاستقبلہ رکبان متقلدی السیوف علیہم العمائم حدیثی عہد بسفر فقالوا السلام علیک یا امیر المومنین ورحمۃ اللہ وبرکاتہ السلام علیک یا مولانا فقال علی بعد ما رد السلام من ھھنا من اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقام اثنا عشر رجلاً منہم خالد بن زید ابو ایوب الانصاری وخزیمہ بن ثابت ذو الشہادتین وثابت بن قیس بن شماس وعمار بن یاسر وابو الہیثم بن التیہان وہاشم بن عتبہ

بن ابی وقاص وحبیب بن بدیل بن ورقا فشهدوا انهم سمعوا رسول الله یوم غدیر خم یقول من کنت مولاه فعلی مولاه الحدیث فقال علی لانس بن مالك والبراء بن عازب ما منعكما ان تقوما فتشهدا فقد سمعتما كما سمع القوم فقال اللهم ان كانا كتماها معاندة فابلهما فاما البراء فعمی فكان يسأل عن منزله فيقول كيف يرشد من ادركته الدعوة واما انس فقد برصت قدماه وقيل لما استشهد علی علیه السلام قول النبی صلی الله علیه وسلم من كنت مولاه فعلی مولاه اعتذر بالنسيان فقال اللهم ان كان كاذبا فاضربه ببياض لا تواريه العمامة فبرص وجهه فسدل بعد ذلك برقعا على وجهه الخ۔

ترجمہ:۔ حدیث غدیر کو زر بن حبیش نے روایت کیا ہے وہ کہتا ہے کہ ایک دن حضرت علی قصر سے برآمد ہوئے اور آپ کا استقبال سواروں نے کیا جن کے گلے میں تلواریں اور سر پر عمامے تھے، انہوں نے کہا کہ السلام علیک یا امیرالمومنین اے ہمارے مولا! حضرت علی نے فرمایا کہ یہاں کون کون اصحاب رسول ہیں پس بارہ آدمی کھڑے ہوئے جن میں خالد بن زید، ابوایوب انصاری وخزیمہ بن ثابت ذوالشہادتین و ثابت بن قیس بن شماس و عمار بن یاسر و ابوالہیثم بن التیہان و ہاشم بن عتبہ بن ابی وقاص وحبیب بن بدیل بن ورقا تھے پس انہوں نے گواہی دی کہ انہوں نے غدیر خم کے دن جناب رسول خدا کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ جس کا میں مولا ہوں اس کا علی مولا ہے آخر حدیث تک، حضرت علی نے انس بن مالک اور براء ابن عازب کی طرف مخاطب ہو کر کہا کہ کس چیز نے تم کو کھڑے ہونے اور شہادت دینے سے روکا حالانکہ تم لوگوں نے بھی یہ حدیث سنی تھی جس طرح کہ ان لوگوں نے سنی اور پھر فرمایا کہ اے خداوند تعالیٰ اگر انہوں نے دل کی کھوٹ کی

وجہ سے اس شہادت کا اخفاء کیا ہو تو ان کو عذاب میں مبتلا کر پس براء بن عازب تو اندھا ہو گیا، اور اپنے گھر کا راستہ پوچھا کرتا تھا اور کہا کرتا تھا کہ وہ شخص کس طرح ہدایت پا سکتا ہے جس کو حضرت علی کی بد دعا لگی ہے، اور انس کو برص ہو گئی اور اس کے نشان نمایاں ہو گئے، کیونکہ بیان کیا جاتا ہے کہ جب حضرت علیؑ نے رسولخدا کے قول مَن کُنتُ مَولَاہُ فَعَلِیٌّ مَولَاہُ کی شہادت اس سے طلب کی تو اس نے نسیان کا عذر کیا، جس پر حضرت علی نے کہا کہ اے خدا اگر اس نے جھوٹ بولا ہے تو اس کو برص میں مبتلا کر کہ جس کا نشان اس کا عمامہ نہ چھپا سکے پس برص کے نشان اس کے چہرہ پر ظاہر ہو گئے، اور اس کے بعد وہ ہمیشہ اپنے منہ پر برقعہ ڈالے رکھتا تھا۔

حضرت علی کے اس طرح برسر منبر حدیث غدیر پر احتجاج کرنے میں اور گواہی لینے میں کئی راز مضمر تھے، اول تو اس حدیث کی عظمت اس سے ظاہر ہوتی ہے کہ جس نے اس کو چھپایا وہ عذاب الہٰی میں مبتلا ہوا، حضرت علی کا بد دعا کرنا ہی ظاہر کرتا ہے کہ یہ حدیث خاص اہمیت رکھتی تھی اور آپ کی خلافت بلا فصل پر دال تھی، اگر اس حدیث کا مقصد چوتھے درجہ پر خلیفہ ہونا تھا تو اس پر احتجاج کرنے کے کیا معنی، چوتھے خلیفہ تو آپ ہو ہی چکے تھے، دوئم اس واقعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ جو کچھ اعلان روزِ غدیر خم ہوا تھا وہ خدا کی طرف سے تھا، اگر خدا کی طرف سے نہ ہوتا تو اسکے چھپانے والوں پر عذاب الہٰی نازل نہ ہوتا، خدا کی طرف سے ان پر عذاب نازل ہوتا ہے جو خداوند تعالیٰ کے احکام کی خلاف ورزی اور اس کی آیتوں کی تحقیر کرتے ہیں ۔
سوم جو دولتہائے ثلاثہ اولین کے خوانِ یغما کے زلہ ربا تھے وہ جانتے تھے کہ یہ حدیث ان کے آقاؤں کی خلافت وحکومت کی جوازیت کے اوپر تیشہ کاری لگاتی ہے، لہذا اس کو چھپانے کی کوشش کی، چہارم یہ کہ :- اعوان وعمائد دولِ الیں حضرت علی کے خلاف تھے اور ان سے عداوت رکھتے تھے، پنجم :- اس حدیث سے ثابت ہوا کہ حدیث الصحابہ کلہم عدول وحدیث نجوم دونوں موضوع ہیں، وہ صحابی

ہی تو تھے جنہوں نے حق کو چھپانا چاہا اور ظلم کیا۔ ششم :- یہ گمان کہ صحابۂ رسول صلعم کے لئے ناممکن تھا کہ اگر کوئی نص صریح علی کی خلافت پر ہوتی تو وہ اس کو چھپاتے غلط ثابت ہوا۔

جناب امیر علیہ السلام کا دیوان۔ روجہ قطعاً آپ کا کلام ہے چنانچہ حسین میبذی حنفی المذہب اپنی کتاب فواتح میں اس دیوان کو حضرت علی کا کلام ثابت کرکے اس کی شرح کرتے اور اس کے متعلق تحریر کرتے ہیں۔

خاصة دیوان اشعار حقائق اشعار او کہ بے شائبہ تکلف و بے رائحہ تصلف آسمانیست پر از کواکب حقائق و چمنی است پر از شقائق دقائق........ مدینہ مشتمل بر ہزار بیت معمور سفینہ منطوی بر صد بحر مسجور...... کانے پر از جواہر لطائف سحری پر از لآلی معارف...... کیمیائی کہ قلب ناقص رالبصورت نوعیہ کمال رساند عین الحیوان کہ تشنہ بادیہ حجاب را زلال وصال چشاند........ در ظروف حروفش الوف اسرار مندرج و در سواد مدادش صنوف انوار مندمج آفتاب حقیقت از بروج ارقام اولامع وظاہر ومعانی ابیات او مانند اہل بیت کامل و طاہر.... و سر کلام خاتم الاولیاء آنست کہ نطق اخص خواص انسان ست وارتفاع وانحطاط نطق انسان بر حسب مرتبہ اوست در کمال ونقصان وچوں کمال صوری ومعنوی آنحضرت مانند آفتاب لامع ست کلام حقائق نظامش مطابق آں واقع است انتہی۔

اس دیوان سے ہم آپ کے مندرجہ ذیل اشعار نقل کرتے ہیں۔

(۱) تَعَلَّمْ اَبَابَكْرٍ وَلَاتَكُ جَاهِلًا بِاَنَّ عَلِيًّا خَيْرُ حَافٍ وَنَاعِلِ

(۲) وَاِنَّ رَسُوْلَ اللهِ اَوْصٰى بِحَقِّهٖ وَاَكَّدَ فِيْهِ قَوْلَهٗ فِي الْفَضَائِلِ

(۳) وَلَا تَبْخَسَنْ حَقَّهٗ وَارْدُدِ الْوَرٰى اِلَيْهِ فَاِنَّ اللهَ اَصْدَقُ قَائِلِ

ترجمہ (۱) معلوم کر اے ابو بکر اور تو جاہل نہ بن کہ علی ہر پابرہنہ اور کفش پوش سے بہتر ہے۔

(۲) یہ تحقیق کہ رسول خدا نے علی کے حق میں امت کو وصیت کی اور اس کے فضائل

۴:۔ اگر میرے لئے ان کے امور کو چھوڑ دینا روا ہوتا تو میں اپنی قوم کو چھوڑ دیتا اور اور پھر یہ امت کئی گروہوں میں منقسم ہو جاتی۔

پھر فرماتے ہیں:۔

سَبَقْتُكُمْ اِلَى الْاِسْلَامِ طُرًّا (۱) غُلَامًا مَا بَلَغْتُ اَوَانَ حُلْمِيْ
وَاَوْجَبَ لِيْ وَلَايَتَهُ عَلَيْكُمْ (۲) رَسُوْلُ اللّٰهِ يَوْمَ غَدِيْرِ خُمٍّ
وَاَوْصَانِي النَّبِيُّ عَلٰى اخْتِيَارٍ (۳) لِاُمَّتِهٖ رِضًى مِنْكُمْ بِحُكْمِيْ
اَلَا مَنْ شَاءَ فَلْيُؤْمِنْ بِهٰذَا (۴) وَاِلَّا فَلْيَمُتْ كَمَدًا بِغَمٍّ
اَنَا الْبَطَلُ الَّذِيْ لَمْ تُنْكِرُوْهُ (۵) لِيَوْمِ كَرِيْهَةٍ وَلِيَوْمِ سِلْمٍ

ترجمہ ۱:۔ اسلام قبول کرنے میں میں نے تم پر سبقت کی در آنحالیکہ میں اس وقت بچہ تھا۔ شباب کو نہیں پہونچا تھا۔

۲:۔ روز غدیر جناب رسولخدا نے اپنی حکومت جو ان کو تمہارے اوپر حاصل تھی میرے لئے واجب گردانی۔

۳:۔ اور مجھے آنحضرت نے وصیت کی کہ میں ہر حال میں ان کی امت سے راضی رہوں۔

۴:۔ خبردار! جو چاہے وہ اس پر ایمان لائے اور یقین کرے، ورنہ وہ غم کے اندر ہی فوت ہو جائے گا۔

۵:۔ میں وہ دلیر اور جنگجو جوان ہوں جس کی مدد کا انکار نہ تم روزِ جنگ کر سکتے ہو اور نہ زمانۂ امن میں۔

امام غزالی ابوہریرہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت علیؑ نے ابیاتِ مندرجۂ ذیل ایک مجلس میں پڑھیں کہ جہاں ابوبکر و عمر و عثمان و طلحہ و زبیر و فضل بن عباس و عمار و عبدالرحمٰن و ابوذر و مقداد و سلمان و عبداللہ بن مسعود موجود تھے۔ حسین میبذی شارح دیوان جناب امیر نے ان ابیات کے لئے عنوان اس طرح تحریر کیا ہے۔

مفاخرۃ بمناقب حشمت و در مجلس امیرالمومنین عمر

اَللّٰهُ اَكْرَمَنَا بِنَصْرِ نَبِيِّهٖ (۱) وَبِنَا اَقَامَ دَعَائِمَ الْاِسْلَامِ

وَبِنَا اَعَزَّ نَبِيَّهٗ وَكِتَابَهٗ (۲) وَاَعَزَّنَا بِالنَّصْرِ وَالْاِقْدَامِ

وَيَزُوْرُنَا جِبْرَئِيْلُ فِيْ اَبْيَاتِنَا (۳) لِفَرَائِضِ الْاِسْلَامِ وَالْاَحْكَامِ

فَنَكُوْنُ اَوَّلَ مُسْتَحِلٍّ حِلَّهٗ (۴) وَمُحَرِّمٍ لِلّٰهِ كُلَّ حَرَامِ

نَحْنُ الْخِيَارُ مِنَ الْبَرِيَّةِ كُلِّهَا (۵) وَنِظَامُهَا وَزِمَامُ كُلِّ زِمَامِ

الْخَائِضُوْ غَمَرَاتِ كُلِّ كَرِيْهَةٍ (۶) وَالضَّامِنُوْنَ حَوَادِثَ الْاَيَّامِ

وَالْمُبْرِمُوْنَ قُوَى الْاُمُوْرِ بِعِزَّةٍ (۷) وَالنَّاقِضُوْنَ مَرَائِرَ الْاِبْرَامِ

فِيْ كُلِّ مَعْرَكَةٍ تَطِيْرُ سُيُوْفُنَا (۸) فِيْهَا الْجَمَاجِمُ عَنْ فِرَاخِ الْهَامِ

اِنَّا لَنَمْنَعُ مَنْ اَرَدْنَا مَنْعَهٗ (۹) وَنَجُوْدُ بِالْمَعْرُوْفِ لِلْمُعْتَامِ

وَتَرُدُّ عَادِيَةَ الْخَمِيْسِ سُيُوْفُنَا (۱۰) وَنُقِيْمُ رَاسَ الْاَصْيَدِ الْقَمْقَامِ

ترجمہ ۱ :- خداوند تعالےٰ نے ہمیں اپنے پیغمبر کی نصرت کرنے کی عزت بخشی اور ہماری مدد سے اسلام کے ستونوں کو قائم کیا۔

۲ :- اور ہمارے ذریعے سے اپنے نبی اور اپنی کتاب کو معزز کیا یعنی ان کی عزت ہم نے دنیا میں قائم کی اور ہمکو نصرت نبی و سبقتِ اسلامی کی عزت بخشی۔

۳ :- جبرئیل علیہ السلام ہمارے گھروں میں آن کر ہم سے ملاقات کرتے ہیں، اور فرائض اسلام و احکام خداوندی ہمارے گھروں میں لاتے ہیں۔

۴ :- پس ہم سب سے پہلے ہیں جنھوں نے اسکے حلال کو حلال اور حرام کو حرام کیا۔

۵ :- ہم تمام خلائق سے برگزیدہ ہیں، ہم وہ تاگا ہیں جس کے ساتھ نظام عالم والبتہ ہے اور ہم ہر راہ دکھلانے والے کے ہادی ہیں۔

۶ :- ہم ہر سختی میں ابتدا کرنے والے ہیں اور حوادث روزگار کے لئے ہم ضامن ہیں۔

۷ :- ہم عزت وفتحیابی کیساتھ ہر امر عظیم کو استوار و محکم کرنے والے ہیں۔

۸ :- ہر ایک معرکہ میں ہماری تلواریں سروں کو پرندوں کی طرح اڑاتی ہیں۔

۹ :- ہم ہر ایک شخص کو جسکو ہم چاہیں کشادگی سے باز رکھتے ہیں اور ہم برگزیدہ آدمیوں پر بخشش کرنے والے ہیں۔

۱۰:۔ ہماری تلواریں ہر ایک مغرور لشکر کو کوٹا دینے والی ہیں۔ ہم ہر ایک ٹیڑھے سر والے مغرور کے سر کو سیدھا کرنے والے ہیں۔

کتاب نہج البلاغۃ جناب امیر کے مستند کلام کا مجموعہ ہے جس کو علامہ سید رضی علیہ الرحمۃ نے جمع کیا تھا چونکہ اس میں بعض جگہ ایسی عبارات ہیں جو سوادِ اعظم کے اعتقادات کے منافی ہیں لہذا اس کے کلام امیر علیہ السلام ہونے پر شبہ پیدا کرنا ان کا فرض اولین ہوا۔ لیکن الفضل ما شہدت بہ الاعداء خود ہی اس جماعت کے بہت سے وسیع النظر علماء نے نہج البلاغہ کو جناب امیر المومنین علیہ السلام کا کلام تسلیم کیا ہے۔

ہمارا ارادہ ہے کہ نہج البلاغہ سے خطبۂ شقشقیہ نقل کریں کیونکہ وہ خطبہ ہمارے موضوع پر نہایت صاف و صریح روشنی ڈالتا ہے اگرچہ ساری کتاب ہی میں اکثر ایسے خطبے ملتے ہیں کہ جن میں صریحاً اور کنایتہً امت کو بتایا گیا ہے کہ خلیفۂ برحق و منصوص من اللہ کون ہے لیکن خطبہ شقشقیہ میں یہ بیان واضح تر ہے۔

پہلا سوال یہ ہے کہ کتاب نہج البلاغہ کلام جناب امیر ہے یا نہیں ہے، امورِ مندرجۂ ذیل اس ضمن میں غور طلب ہیں۔

ا:۔ اکثر علمائے اہل سنت نے تصدیق و توثیق کی ہے کہ ساری کتاب نہج البلاغہ کلام جناب امیر ہے۔

ب:۔ اکثر علماء اہل سنت و جماعت نے اعتراف کیا ہے کہ خطبۂ شقشقیہ کلامِ علی بن ابی طالب ہے۔

ج:۔ یہ طرز مرصع و مرصوص خاص جناب امیر علیہ السلام کا لب و لہجہ ہے جس کا کوئی نظیر و عدیل نہیں ہے۔

د:۔ ایسا بلیغ و فصیح کلام کسی غیر کی طرف منسوب نہیں کیا جا سکتا۔

ہ:۔ سید رضی رح کی شان اس سے رفیع و بالاتر ہے کہ جناب امیر پر بہتان باندھیں اور خود اپنے کلام کو امام الانس والجان کی طرف منسوب کریں۔

و:۔ ایسے الزام و بہتان باندھنے کی ضرورت نہ تھی کیونکہ صدہا کتب شیعہ بزرگوں

کی ہیں جن میں زیادہ صریح تر الفاظ میں اس موضوع پر بحث کرکے فریق مخالف کو ساکت ولاجواب کیا گیا ہے۔

ز:۔ اگر یہ دعوکہ کیا بھی جاتا تو کامیاب نہ ہوتا۔

اب ہم ہر ایک وجہ پر ذرا تفصیل کے ساتھ گفتگو کرتے ہیں۔

وجہ الف:۔ علامہ ابو حامد عبد الحمید بن ہبۃ اللہ معروف بہ ابن ابی الحدید مدائنی بغدادی نے اس کی ایک مبسوط شرح لکھی ہے۔ یہ شخص اہل سنت وجماعت کے ایک فرقہ کا بہت بڑا عالم تھا، اس کا اعتراف کہ یہ ساری کتاب نہج البلاغۃ کلام جناب امیر ہے اور پھر اس کی شرح لکھنا صاف وبین ثبوت اس امر کا ہے کہ یہ کلام علی ابن ابی طالبؑ، جناب امیر کی فصاحت کے متعلق شارح مذکور لکھتا ہے:۔

اما الفصاحۃ فهو امام الفصحاء وسید البلغاء وعن کلامه قیل دون کلام الخالق وفوق کلام المخلوقین ومنه تعلّم الناس الخطابۃ والکتابۃ قال عبد الحمید بن یحییٰ حفظت سبعین خطبۃ من خطب الاصلع ففاظت ثمّ فاضت وقال ابن نباته حفظت من الخطابۃ کنزا لایزید الا نفاق الاسعۃ وکثرۃ حفظت مائۃ فصل من مواعظ علی بن ابی طالبؑ ولما قال محقن ابن ابی محقن بمعاویۃ جئتك من عند اعیی الناس قال له ویحك کیف یکون اعیی الناس فوالله ما سن الفصاحۃ لقریش غیره ویکفی هذا الکتاب نحن شارحوه دلالۃ علی انه لایجاری فی الفصاحۃ ولایباری فی البلاغۃ

ابن ابی الحدید:۔ شرح نہج البلاغۃ الجزء الاول ص ۸۔

ترجمہ:۔ فصاحت کی یہ حالت ہے کہ آپ فصیح لوگوں کے امام اور بلیغ گفتگو کرنے والوں کے سردار ہیں، آپ ہی کے کلام کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ خالق کے کلام سے نیچے اور تمام مخلوقین کے کلام سے بالاتر ہے لوگوں

عور۔ وغم۔ قرب۔ شکل۔ حنذج۔ مصر۔ نقب۔ ظلع۔ نطف۔
حنن۔ عدا۔ افن۔ کلب۔ زلل۔ ضحیٰ۔ فلل۔ وثمل۔ نوطی
جدث۔ دفر۔ لبطن۔ عزث۔ غبا۔ محلت۔ بلل۔ عرر۔ شذ
تبر۔ افق۔ حمل۔ رب۔ ھا۔ باس۔

ان الفاظ کو ہم نے جناب مولانا مولوی سید علی نقی صاحب لکھنوی کے رسالہ استناد سے لیا ہے۔ یہ الفاظ ان کے علاوہ ہیں جو وجر ب کے تحت میں ہم خطبۂ شقشقیہ سے لے کر لکھیں گے، اسی طرح جمال لدین ابو الفضل محمد بن مکرم بن علی افریقی مصری متوفی سنہ ۷۱۱ نے اپنی کتاب لسان العرب میں بھی ان متذکرۂ بالا الفاظ کو جناب امیر علیہ السلام کا کلام تسلیم کرتے ہوئے حل کیا ہے۔

ملا علی قوشجی نے اپنی کتاب شرح تجرید میں بذیل شرح کلام محقق افصحہم لسانا یعنی حضرت علی تمام صحابہ میں فصاحت کے اعتبار سے بڑھے ہوئے تھے تحریر کرتے ہیں۔

علی ما یشہد بہ کتاب نہج البلاغۃ وقال البلغاء ان کلامہ دون کلام خالق وفوق کلام المخلوق۔ یعنی جیسا کہ اس پر شاہد ہے کتاب نہج البلاغہ اور فصحاء عرب کا مقولہ ہے کہ آپ کا کلام خالق کے کلام سے نیچے اور تمام مخلوق کے کلام سے بالاتر ہے۔

محمد بن علی بن طباطبا معروف با بن طقطقی اپنی کتاب تاریخ الفخری فی الآداب السلطانیہ والدول الاسلامیہ مطبوعہ مصر المطبعۃ الرحمانیہ ص ۱۱ پر دیگر کتب ادبیہ مثلاً مقامات حریری ومقامات بدیع کے چند نقائص بیان کرنے کے بعد لکھتے ہیں۔

وبعض الناس تنبھوا علیٰ	بعض آدمیوں نے مقامات حریری
ھذا من المقامات الحریریہ	ومقامات بدیع کے ان نقائص

والبد یعتہ تخذل الناس الیٰ	کو محسوس کیا تو انہوں نے کتاب نہج البلاغۃ
نہج البلاغۃ من کلام امیر	کی طرف توجہ کی جو جناب امیر علیہ
المومنین علی بن ابی طالبؑ	السلام کا کلام ہے کیونکہ یہی وہ
فانہ الکتاب الذی یتعلم	کتاب ہے جس سے حکمت و مواعظ و
منہ الحکم والمواعظ والخطب	توحید و شجاعت، وزہد و علو
والتوحید والشجاعۃ والزھد	ہمت کی تعلیم حاصل ہوتی ہے اور
وعلو الھمۃ وادنی فوائدہ	اس کا ایک ادنیٰ فائدہ فصاحت
الفصاحۃ والبلاغۃ۔	وبلاغت ہے۔

علامہ مصلح شیخ محمد عبدہ متوفی سنہ ۱۳۲۳ ہجری جنہوں نے

نہج البلاغۃ کے تفسیری نوٹ اور حواشی تحریر کرکے اس کو اہتمام بلیغ کے ساتھ مصر میں چھپوایا ہے اپنے مقدمہ میں جو شروع کتاب میں درج کیا ہے لکھتے ہیں:۔

کان یخیل لی فی کل مقام ان حروبا شبت وغارات شنت وان للبلاغۃ دولۃ وللفصاحۃ صولۃ وان للاوھام عرامۃ وللریب دعارۃ وان جحافل الخطابۃ وکتائب الذرابۃ فی عقود النظام و صفوف الانتظام تنافح بالصفیح الابلج والقویم الاملج وتمتلج المھج واضع الحجج فتفل دعارۃ الوساوس وتصیب مقاتل الخوانس فما انا الا والحق منتصر والباطل منکسر ومرج الشک فی خمود وھرج الریب فی رکود وان مدبر تلک الدولۃ وباسل تلک الصولۃ ھو حامل لوائھا الغالب امیر المومنین علی ابن ابی طالب بل کنت کلما انتقلت من موضع الی موضع احس بتغیر المشاھد وتحول المعاھد فتارۃ کنت اجدنی فی عالم یعمرہ من المعانی ارواح عالیۃ فی حلل من العبارات الزاھیۃ تطوف علی النفوس الزاکیۃ وتدنو من القلوب الصافیۃ توحی الیھا رشادھا وتقوم منھا مرادھا وتنفر بھا عن

من احسن المزال الی جواد الفضل والکمال وطوراً کانت تنکشف فی الجمل عن وجوہ باسرۃ وانیاب کاشرۃ وارواح فی اشباح النمور ومخالب النسور قد تحضرت للوثاب ثم انقضت للاختلاب فخلیت القلوب عن ھواھا واخذت الخواطر دون مرماھا واغتالت فاسد الاھواء و باطل الآراء واحیانا کنت اشھد ان عقلا نورانیا لایشبہ خلقاً جسدانیا فصل عن الموکب الالھی واتصل بالروح الانسانی فخلعہ عن غاشیات الطبیعۃ وسما بہ الی الملکوت الاعلیٰ وغابہ الی مشھد النور الاجلیٰ و سکن بہ الی عمار جانب التقدیس بعد استخلاصہ من شوائب التلبیس وآنات کانی اسمع خطیب الحکمۃ باعلیاء الکلمۃ واولیاء امر الامۃ یعرفھم مواقع الصواب ویبصرھم مواضع الارتیاب ویحذرھم مزالق الاضطراب ویرشدھم الی دقائق السیاسۃ ویھدیھم طرق الکیاسۃ ویرتفع بھم الی منصات الریاسۃ ویصعدھم شرف التدبیر ویشرف بھم علی حسن المصیر۔

(ترجمہ جو رسالہ استناد سے لیا گیا) اثناء مطالعہ میں مجھے ہر مقام پر معلوم ہوتا تھا کہ لڑائیاں شعلہ ور ہیں اور گیر و دار بشدت پر ہے اور بلاغت کی فتح ہے اور فصاحت کا حملہ ہے اور توہمات کی شکست ہے اور شکوک کی رسوائی ہوا اور یہ کہ خطابت کے افواج اور طلاقت لسان کے لشکر نظام کلام کی لڑیوں اور سلسلہ کی صفوں میں چمکتی ہوئی تلواروں اور بل کھاتے ہوئے نیزوں کے ساتھ مصروف پیکار ہیں اور نتیجہ خیز دلائل کے ساتھ دلوں کی تسکین کا باعث ہو کر وسوسہ انگیزیوں کو شکست دیتے اور باطل پرستیوں کی جان لیتے ہیں۔ مجھے تو کچھ نظر نہیں آتا تھا، سوائے اسکے کہ حق کی فتح ہو رہی ہے اور باطل شکست اٹھا رہا ہے اور شک و شبہ کی آگ خاموش اور توہمات کی چپقلش سکون پذیر ہو رہی ہے اور اس غلبہ و اقتدار کی مدبر اور اس حملہ

شہسوار وہ غالب و قاہر علم بردار ہستی ہے جس کا نام امیرالمومنین
علی ابن ابی طالبؑ ہے بلکہ میں (اس کتاب میں) جب ایک جگہ سے دوسری
جگہ منتقل ہوتا تھا تو احساس کرتا تھا کہ کس طرح مناظر میں تبدیلی ہو رہی ہے۔
اور نقشوں میں انقلاب ہے۔ کبھی تو میں اپنے کو ایک دنیا میں پاتا تھا جس
میں معانی کے بلند پایہ ارواح عبارات کے خوش نما حلوں میں آباد ہیں
جو پاکیزہ نفوس کے اوپر گردش کرتے اور صاف و نورانی قلوب کے پاس
جا کر ان پر ہدایت وارشاد کی وحی اتارتے ہیں اور ان کو ان کے مقصود
سے ملاتے اور ان کو لغزش و خطا کی چوک سے ہٹا کر فضل و کمال کے
راستوں پر لگاتے ہیں اور کبھی میرے سامنے ایسے چلے آتے تھے
جو معلوم ہوتا تھا کہ تیوریاں چڑھائے ہوئے ڈراؤنی صورتوں میں
دانت نکالے ہوئے ہیں، وہ روحیں ہیں شیروں کے پیکر میں اور
شکاری پرندوں کے پنجوں کے ساتھ جو آمادہ ہیں حملہ کے اوپر اور پھر
ٹوٹ پڑتے ہیں شکار پر، وہ دلوں کو اپنی محبت سے تسخیر کر لیتے ہیں۔
اور ضمیر پر قبضہ کر لیتے ہیں اور غلط خواہشاتِ نفسانی اور باطل عقائد
کو اچانک طور سے مار ڈالتے ہیں، اور اکثر مجھے معلوم ہوتا تھا کہ ایک نورانی
عقل جو جسمانی مخلوق سے کسی طرح مشابہ نہیں ہے وہ جدا ہوئی الٰہی جلوس
شاہی سے متصل ہوئی انسانی رُوح کے ساتھ اور جدا کر دیا اس کو مادی
حجابوں سے اور بلند کر دیا اس کو عالمِ بالا کے ملکوت کی طرف اور پہنچا
دیا اس کو دنیائے نور میں۔ اور ساکن کر دیا اس کو جوار قدس کا بعد
اس کے خالص کر دیا اس کو شکوک کی آمیزش سے، اور بعض اوقات
سنتا تھا میں حکمت و دانش کے خطیب کو کہ وہ آواز دیتا ہے مسموع الکلمہ
مقتدر اشخاص اور امت اسلامیہ کے حکام اور ذمہ داروں کو اور
انہیں بتلاتا ہے صحیح راستے اور پتہ دیتا ہے خطرناک مقامات کا اور

خوف دلاتا ہے تزلزل اور لغزش کی جگہوں سے اور رہنمائی کرتا ہے سیاست کے رموز اور دانش کے راستوں کی طرف اور بلند کرتا ہے ریاست کے تخت اور اصابت رائے اور حسن تدبیر کی شرف منزلت کے اوپر اور انہیں انجام بخیر ہونے کا طریقہ بتاتا ہے۔"

اس کتاب نہج البلاغۃ کے متعلق جو اعتقاد علامہ موصوف کو تھا وہ ان کے مندرجہ ذیل کلمات سے ظاہر ہوتا ہے چنانچہ وہ لکھتے ہیں:۔

لیس فی اھل ھذہ اللغۃ الا قائل بان کلام الامام علی بن ابی طالب ھو اشرف الکلام وابلغہ بعد کلام اللہ تعالیٰ و کلام نبیہ واغزرہ مادۃ وارفعہ اسلوبا واجمعہ لجلائل المعانی فاجدر بالطالبین لنفائس اللغۃ والطامعین فی التدرج لمراقیھا ان یجعلوا ھذا الکتاب اھم محفوظھم وافضل ماثورھم مع تفھم معانیہ فی الاغراض التی جاء لاجلھا وتامل الفاظہ فی المعانی التی صیغت للدلالۃ علیھا لیصیبوا بذلک افضل غایۃ وینتھوا الی خیر نھایۃ۔

ترجمہ:۔ عربی زبان والوں میں ہر شخص اس بات کا قائل ہے کہ حضرت علی ابن ابی طالب کا کلام خدا اور رسول کے کلام کے بعد ہر ایک کلام سے شرف و بلاغت میں زیادہ معنی خیز اور انداز بیان میں بلند اور بزرگ ترین معانی کے لحاظ سے زیادہ جامع ہے لہٰذا عربی علم ادب کے نفیس ذخیروں کے طلبگاروں اور اس کے بلند ترین مرتبوں میں تدریجی ترقی کے آرزومندوں کے لئے بہترین ذریعہ یہ ہے کہ وہ اس کتاب نہج البلاغہ کو اپنے محفوظات اور منقولات میں اہم اور بہترین درجہ دیویں، اس کے ساتھ اس کے معانی کو سمجھنے کی کوشش بھی کریں ان مقاصد کے لحاظ سے جن کے لئے وہ معانی لائے گئے ہیں اور الفاظ میں غور کریں ان معانی کے لحاظ سے جن کے ادا کرنے کے لئے وہ الفاظ وضع کئے گئے ہیں تاکہ اس کے ذریعہ سے اس کا بہترین مقصد حاصل ہو۔

جریدۂ الہلال مصر کی جلد ۳۵ جزء اول بابت ماہ نومبر ۱۹۲۶ء کے صفحہ ۷۸ پر چار سوالات علمی طبقہ کی توجہ کے لئے شایع کئے گئے تھے۔ ان میں پہلا سوال یہ تھا ما ھو الکتاب او الکتب التی طالعتموھا فی شبابکم فافادتکم وکان لھا اثر فی حیاتکم یعنی وہ کون سی کتاب یا کتابیں ہیں جنکا آپ نے اپنے شباب میں مطالعہ کیا تو انہوں نے آپ کو فائدہ پہنچایا، اور آپ کی زندگی پر ان کا اثر پڑا۔

اس سوال کا جواب جو استاد شیخ مصطفےٰ عبدالرزاق نے دیا ہے۔ وہ شمارۂ دوم بابت دسمبر ۱۹۲۶ء صفحہ ۱۵۰ میں ہے اس میں وہ لکھتے ہیں طالعت بارشاد الاستاذ المرحوم الشیخ محمد عبدہ دیوان الحماسہ و نہج البلاغہ یعنی میں نے استاد مرحوم شیخ محمد عبدہ کی ہدایت سے دیوان حماسہ اور نہج البلاغہ کا مطالعہ کیا۔

علامہ شیخ محمد عبدہ کا یہ عقیدہ نہج البلاغہ کے متعلق کہ وہ تمام و کمال امیر المومنین علی بن ابی طالب کا کلام ہے اتنا واضح ہے کہ ان کے تمام شاگرد جو اس وقت مصر کے بلند پایہ اساتذہ ہیں اس حقیقت سے واقف ہیں اور خود ان کا مقدمہ مذکرۂ بالا اور نیز ان کے اکثر حواشی اس حقیقت کو بالکل واضح کر دیتے ہیں چنانچہ استاد محمد محی الدین عبدالحمید مدرس کلیہ لغۃ عربیہ جامع ازہر کتاب کے مقدمہ میں لکھتے ہیں:۔

عسیت ان تسأل من رای الاستاذ الامام الشیخ محمد عبدہ فی ذلک وھو الذی بعث من مرقدہ ولم یکن احد اوسع منہ اطلاعاً ولا ارق تفکیرا والجواب علی ھذا التساؤل انا نعتقد انہ رحمہ اللہ کان مقتنعاً بان الکتاب کلہ کلام علی رحمہ اللہ وان لم یصرح بذلک والدلیل علی ھذہ العقیدۃ منہ انہ یقول فی مقدمہ یصف الکتاب " وان مدبر تلک الدولۃ وباسل تلک الصولۃ

هو حامل لو ائها الغالب امیر المومنین علی بن ابی طالب" بل هو یتجاوز هٰذا المقدار الی الاعتراف بان جمیع الالفاظ صادرة عن الامام علی حتی انه یجعل ما فی الکتاب حجة علی معاجم اللغة اسمع الیه وهو یقول (جلد ۲ ص ۱۹۷ من هذه المطبوعة) المواساة بالشئ" الاشتراک فیه...... ۱؎ واعاد هذه الکلمة بنفسها (جلد ۳ ص ۲۷ الحاشیة ۴ من هذه المطبوعة)

ترجمہ:۔ ممکن ہے تم اس مسئلہ میں استاد امام شیخ محمد عبدہ کی رائے دریافت کرو جنھوں نے اس کتاب کو خواب گمنامی سے بیدار کیا اور وسعت اطلاع اور باریک نگاہی میں کوئی شخص ان سے زیادہ موجود نہ تھا، اس سوال کا جواب یہ ہے کہ ہم یقین کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ وہ اس کتاب کو تمام وکمال حضرت علی کا کلام سمجھتے تھے اگرچہ انہوں نے اس کی تصریح نہ کی ہو اور اس کا ثبوت یہ ہے کہ وہ اپنے مقدمہ میں کتاب کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اس (دنیائے ادب کی) سلطنت کی فرمانروا اور اس حملہ کی شہسوار وہ غالب وقاہر علمبردار ہستی ہے جس کا نام امیر المومنین علی ابن ابی طالبؑ ہے صرف اتنا ہی نہیں بلکہ وہ خصوصیات الفاظ کو بھی حضرت علی کی زبان سے نکلا ہوا سمجھتے ہیں یہاں تک کہ وہ کتاب کے مندرجہ الفاظ کو لغت کی عام کتابوں کے مقابلہ میں سند قرار دیتے ہیں ملاحظہ ہو جلد ۲ ص ۱۹۷ اس اڈیشن کا۔ وہ فرماتے ہیں "مواساۃ" کسی چیز میں دوسرے کو شریک کرنا اہل لغت کہتے ہیں کہ اس فعل میں فصیح آسیہ کا لفظ ہے مگر امام کا تلفظ حجت ہے اس طرح کا استنادا انہوں نے جلد ۳ ص ۲۷، حاشیہ ۴ میں بھی کیا ہے۔

ملک عرب کے مشہور مصنف وخطیب وانشا پرداز وعالم شیخ مصطفےٰ استاذ التفسیر واللغۃ والآداب العربیہ فی الکلیۃ الاسلامیہ (بیروت) اپنی کتاب ارتیح الزہرین پر

۱؎ قالوا:۔ والفصیح فی الفعل آسیة ولکن نطق الامام حجة "

عنوان نہج البلاغۃ واسالیب الکلام العربی ایک مبسوط مقالہ کے دوران میں تحریر کرتے ہیں:۔

من احسن ماینبغی مطالعہ لمن یتطلب الاسلوب العالی کتاب نہج البلاغۃ للامام علی رضی اللہ عنہ وھوالکتاب الذی انشأت ھذا المقال لاجلہ۔ فان فیہ من بلیغ الکلام والاسالیب الدھشۃ والمعانی الرائقۃ ومناحی الموضوعات الجلیلۃ ما یجعل مطالعہ اذا زاد لہ مزاولۃ صحیحۃ بلیغا فی کتابۃ وخطابۃ ومعانیہ کان ھذا الکتاب درۃ فی صدف بعض المکتبات حتی اتیح لشیخنا المرحوم الاستاذ الامام الشیخ محمد عبدہ مفتی الدیار المصریہ رضی اللہ عنہ ان یطلع علیہ وھیرزہ الی عالم المطبوعات لیکون استاذ المنشئین ورائد البلغاء وقد علق علیہ شرحا جزیل الفائدۃ کبیر المغزی وقد طبع الکتاب بضع مرات مشروحا بقلم الاستاذ علیہ الرحمۃ فاستفاذ منہ اقوام کثیرون منہم کاتب ھذہ السطور فابی اقتناء ھذا الاثر العظیم باطراب الاسلوب العالی ورواد الکلام البلیغ فان فیہ ما ترغبون۔

ترجمہ:۔ بہترین شے جس کا مطالعہ اس شخص کو لازم ہے جو زبان عربی کے بلند معیار کو حاصل کرنا چاہتا ہے کتاب نہج البلاغہ ہے جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کا کلام ہے اور یہ وہ کتاب ہے جس کے لئے خاص طور سے میں نے اس مضمون کی بنیاد ڈالی ہے کیونکہ اس کتاب میں بلیغ کلام اور حیرت انگیز تحریر اور جاذب نظر معانی اور مختلف عظیم الشان موضوعات ومقاصد کے خصوصیات ایسے ہیں جو مطالعہ کرنیوالے کو اگر وہ صحیح ذوق رکھتا ہے اور پوری طور سے اس کی مزاولت رکھے تو فصیح و بلیغ انشا پرداز ومقرر بنا سکتی ہیں۔ یہ کتاب بعض کتب خانوں میں مثل اس موتی کے جو صدف کے اندر پوشیدہ ہے مضمر اور پنہاں تھی۔ یہاں تک کہ ہمارے استاد مرحوم امام شیخ محمد عبدہ

مفتی ملک مصر کو توفیق شامل حال ہوئی اور انہوں نے اس کتاب پر مطلع ہو کر اس کو عالم مطبوعات میں نمایاں کیا تاکہ یہ ارباب انشاء اور فصحاء و بلغا کی اسناد قرار پائے، اور انہوں نے اس کتاب پر ایک مفید شرح بھی بطور فٹ نوٹ حاشیہ کے تحریر کی ہے اور یہ کتاب استاد مرحوم علیہ الرحمہ کی شرح کے ساتھ چند مرتبہ طبع ہو چکی ہے اور اس سے بہت لوگوں کو فائدہ پہنچا ہے جس میں کاتب الحروف بھی ہے۔ میں اس عظیم الشان یادگار کی طرف ان لوگوں کو بلاتا ہوں جو عربی کے بلند اسلوب تحریر کے طالب اور کلام بلیغ کے مشتاق ہیں، وہ اس کتاب میں اپنے مقصد کو پورے طور سے موجود پائیں گے۔

استاد محمد محی الدین عبد الحمید نے جو جامع ازہر میں کلیۃ اللغۃ العربیہ کے مدرس ہیں نہج البلاغۃ کے اوپر تعلیقی حواشی تحریر کئے ہیں اور علامہ شیخ محمد عبدہ کے حواشی کو برقرار رکھتے ہوئے خود بہت سی تحقیقات و شروح کا اضافہ کیا ہے اور ان حواشی کے ساتھ یہ کتاب مطبع استقامۃ مصر میں طبع ہوئی ہے۔ انہوں نے اس اڈیشن کے شروع میں اپنی جانب سے ایک مقدمہ بھی تحریر کیا ہے جس میں نہج البلاغۃ کے استناد پر عمدہ بحث کی ہے ہم اسکے چند اقتباسات یہاں نقل کرتے ہیں۔

وبعد فهذا كتاب نهج البلاغة وهو ما اختاره الشريف الرضي ابو الحسن محمد بن الحسن الموسوي من كلام امير المومنين علي بن ابي طالب وهو الكتاب الذي بين دفتيه عيون البلاغة وفنونها وتهيئات به للناظر فيه اسباب الفصاحة ودنا منه قطافها اذ كان من كلام افصح الخلق بعد الرسول صلى الله عليه وسلم منطقا واشدهم اقتدارا وابرعهم حجة واملكهم للغة يديرها كيف شاء الحكيم الذي تصدر الحكمة عن بيانه والخطيب الذي يملاء القلب سحر لسانه العالم الذي تهيأ له من خلاط الرسول وكتابة الوحي

والکفاح عن الدین بسیفہ ولسانہ منذ حداثتہ ما لم یتہیا لاحد سواہ

ھذا کتاب نہج البلاغۃ وانا بہ حفی منذ طراءۃ السن و میعۃ

الشباب فلقد کنت اجد والدی کثیر القرأۃ فیہ وکنت اجد عمی الاکبر

یقضی معہ طویل الساعۃ یردد عباراتہ ویستخرج معانیھا و یتقبل

اسلوبہ وکان لھما من عظیم التاثیر علی نفسی ما جعلنی اقفوا آثرھما

فاحلہ من قلبی المحل الاول واجعلہ سمیری الذی لا یمل وانیسی

الذی اخلوالیہ اذا عزالانیس ...... ولیس من شک عند احد من

ادباء ھذا العصر ولا عند احد ممن تقدمہم فی ان اکثر ما تضمنہ

نہج البلاغۃ من کلام امیرالمومنین علیہ السلام نعم لیس من

شک عند احد فی ذلک ولیس من شک عند احد فی ان ما تضمنہ

الکتاب جاء علی نہج المعروف عن امیرالمومنین موافق الاسلوب

الذی یحفظہ الادباء والعلماء من کلامہ الموثوق بنسبۃ

الیہ ولکن بعض المعروفین من ادباء عصرنا یمیلون الی ان

بعض ما فی الکتاب من خطب ورسائل لم یصدر عن غیر

الشریف الرضی جامع الکتاب ھو منشئہ وھو مدعی نسبتہ

الی الامام........ واھم ما یجدہ باحثوا الآداب العربیہ فی

ھذا العصر من اسباب یدعمون بھا القول بان الکتاب من ضع

جامعہ وتالیفہ ذلک الذی توجزہ لک فی الاسباب الاربعۃ الآتیۃ

الاول ان فی الکتاب من التعریض بصحابۃ رسول اللہ صلی

اللہ علیہ وآلہ وسلم ما لا یصح ان یسلم صدورہ عن مثل الامام

علی کما تراہ فی ثنایا الکتاب من سباب معاویۃ و طلحۃ والزبیر

وعمرو بن العاص ومن ذھب الی تائیدھم والدفاع عن سیئاتھم۔

الثانی ان فیہ التسجع والتمتق اللفظی وآثار الصنعۃ

مالم یعهده عصر علی ولا عرفه وانما ذلک شئ طرا علی العربیة بعد العصر الجاهلی وصدر الاسلام وافتتن به ادباء العصر العباسی وَ الشریف الرضی جاء من بعد ذلک علی ما الفوه فصنف الکتاب علیٰ نهجهم وطریقتهم۔

الثالث :۔ ان فیه من دقة الوصف واستفراغ صفات الموصوف واحکام الفکرة وبلوغ النّهایة فی التدقیق کما تراه فی وصف (۱) الخفاش (۲) والطاؤس (۳) والنمله (۴) والجرادة وکلّ ذلک لم یلتفت الیه علماء العهد الاول ولا ادباؤه وشعراؤه وانما عرفه العرب بعد تعریب کتب الیونان والفرس الادبیة والحکمیة ویدخل فی هذا السبب استعمال الالفاظ الاصطلاحیة التی عرفت فی علوم الحکمة من بعد کالاین والکیف ونحوهما ولذلک استعمال لطریقة الحدویة فی شرح المسائل وفی تقسیمات الفضائل والرذائل مثل قوله الاستغفار سته معان (۵) ...... الایمان علیٰ اربع عائم (۶) الیقین والعدل والجهاد والصّبر منها علیٰ اربع شعب الخ الرّابع انّ فی عبارات الکتاب ما یشم منه ریح ادّعا صاحب علم الغیب وهذا امر یجل عن مثله مقام علی وَ من کان علی شاکلته علی ممن حضر عهد الرّسالة ورای نور النبوة

ترجمہ :۔ اما بعد۔ یہ کتاب نہج البلاغہ وہ ہے جس کو علامہ رضی ابوالحسن محمد بن الحسن الموسوی نے جناب امیرالمومنین علی بن ابی طالب کے کلام میں سے جمع کرکے مرتب کیاہے ، یہ وہ کتاب ہے جس کے دونوں دفتوں کے درمیان بلاغت کے چشمے اور اس کے فنون موجود ہیں اور اس میں دیکھنے والے کے لئے فصاحت کے اسلوب واسباب نزدیک پائے جاتے ہیں کیونکہ یہ اس کا کلام ہے جو جناب رسول خدا کے بعد تمام مخلوق سے زیادہ فصیح تھا کلام

([illegible])

میں قوی تھا اقتدار میں، اور مسکت کرنے والا دلائل وحجت میں تھا سب کو
پھیرتا تھا جس طرح چاہتا تھا، وہ شخص اور وہ صاحبِ حکمت بزرگ،
جس کے بیان سے حکمت جاری ہوتی تھی، وہ خطیب جس کے زبان کا جادو
دلوں کو مسخر کرلیتا تھا، وہ عالم جس کے ساتھ فراوانیٔ علم میں صحبتِ
رسول وکتابت وحی نے سازگاری کی اور جس کی تلوار وزبان سے اس
کے زمانۂ طفولیت ہی سے دین کو تقویت وکثرت حاصل ہوتی گئی، یہ وہ
امور اور یہ وہ صفات ہیں جو اس کے سوا کسی اور کو حاصل نہیں ہوئے۔

اس کتاب نہج البلاغۃ سے میں اپنے زمانۂ طفولیت وعنفوان
شباب ہی سے فیض حاصل کرتا رہا ہوں۔ میں دیکھتا تھا کہ میرے والد
اس کثرت سے پڑھا کرتے تھے اور میرے بڑے چچا بار بار دیر تک
اس کی عبارت کو تکرار کے ساتھ پڑھتے تھے اور ان دونوں کے
لئے اس کتاب نے بہت فوائد وتاثیرات پیدا کئے، اور میرے اوپر
ان کا بہت بڑا اثر پڑا پس میں نے بھی اس کو اپنا دوست ومونس بنالیا
......اس زمانہ حال اور نیز زمانۂ ماضی کے علماء وادباء کو اس میں ذرا
بھی شک نہ تھا کہ یہ ساری کتاب نہج البلاغۃ جناب امیرالمومنین علی بن ابی
طالبؑ کا کلام ہے۔ ہاں ہاں۔ واقعی کسی کو اس میں شک نہیں کہ یہ کلام
امیرالمومنین علی ابن ابی طالبؑ ہمارے موجودہ زمانہ کے معدودے
چند علما اس طرف راغب ہیں کہ اس کتاب نہج البلاغۃ کے چند خطبے
ورسائل شریف الرضی کا کلام ہیں۔

سب سے بڑے وجوہات جو اس خیال کی تائید میں پیش کئے جاتے ہیں وہ
صرف چار ہیں جن کو ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔

اول:۔ یہ کہ اس کتاب میں اصحاب رسول کی نسبت ایسی تعریضات
ہیں جن کا کسی طرح حضرت علی سے صادر ہونا تسلیم نہیں کیا جاسکتا۔

خصوصاً معاویہ طلحہ زبیر و عمر بن العاص اور ان کے اتباع کے بارے میں تو سب و شتم تک موجود ہے۔

دوئم:۔ اس میں لفظی آرائش و عبارت میں صنعت آرائی اس حد تک ہے جو حضرت علی کے زمانہ میں نایاب تھی۔

سوئم:۔ اس میں تشبیہات و استعارات اور واقعات و اوصاف کی صورت کشی اتنی مکمل ہے جس کا صدر اول اسلام میں بالکل پتہ نہ تھا اس کے ساتھ حکمت اور فلسفہ کی اصطلاحی لفظیں نیز مسائل کے بیان میں حساب کا طریقہ یہ تمام باتیں اس زمانہ میں رائج نہ تھیں۔

چہارم:۔ اس کتاب کی اکثر عبارتوں سے علم غیب کے ادعا کا پتہ چلتا ہے جو حضرت علی جیسے پاکباز انسان کی شان سے بعید ہے۔

ان وجوہات اور خیالات کی تردید کرتے ہوئے علاموصوف لکھتے ہیں:۔ لسنا علم الله ممن یری فی هذه الاسباب مجتمعة او منفردة دلیلا او شبهة دلیل علی ماذهب الیه انصار هذه الفکرة و قد تعالیٰ اذا انخزاعتبرناها شبهاً نعترض للبحث و نتکلف الباعث ردها۔ ترجمہ:۔ خدا گواہ ہے کہ ہمیں ان اسباب میں مجموعی طور پر یا ایک ایک میں انفرادی حیثیت سے کوئی حقیقی دلیل یا دلیل کا شبہ بھی اس دعوے کے ثبوت میں نظر نہیں آتا جسے ان لوگوں نے ثابت کرنا چاہا ہے بلکہ یہ بھی زیادتی ہو گی کہ ہم انہیں ایسے شبہات کا درجہ عطا کریں جو بحث وتحقیق میں سد راہ ہوتے ہیں اور جن کے جواب کی ضرورت ہوتی ہے۔

لیکن اس کے بعد انہوں نے ایک ایک کر کے ہر دلیل کو رد بھی کیا ہے۔ پہلی دلیل کے متعلق وہ لکھتے ہیں کہ تاریخ کا ہر طالب علم اس بات سے واقف ہے کہ حضرت علی کو اپنے سرپرست چچازاد بھائی و خسر کا صدمہ اٹھانا پڑا اس وقت کہ جب آپ کی عمر تیس برس یا اس سے کچھ زائد تھی، وہ جوانی کا زمانہ تھا اور جوانی کی امنگیں معلوم ہیں اس کے ساتھ میں اصابت رائے تبحر علمی باریک نظری اور حسن عمل کے وہ تمام

خصوصیات موجود تھے جو دوسرے سن رسیدہ اور بزرگ صحابہ میں سمجھے جا سکتے تھے اور پھر نصرت دین میں آپ کے وہ کارنامے خاص طور سے سرمایۂ ناز تھے جو آپ نے حضرت رسالت مآب کی زندگی میں انجام دے تھے، اس صورت میں کم ازکم اتنا ضرور مسلمانوں کو لازم تھا کہ مسلمانوں کی قسمت کے فیصلے میں آپ کو شریک کر لیا جائے لیکن حالات ایسے فراہم ہوئے کہ آپ رسول کی تجہیز و تکفین میں مصروف رہے اور وہاں آپ کی عدم موجودگی میں فیصلہ کر لیا گیا، اس صورت میں باہمی ایک طرح کی رنجش کا پیدا ہو جانا قدرتی حیثیت سے ایک ضروری امر ہے۔

اس کے بعد معاویہ نے آپ سے کھلم کھلا مقابلہ کیا، اور جنگ کی۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ ہمارے ادبا جب ان لوگوں کے مقابلہ میں حضرت علی کی شمشیر کشی کو تسلیم کرتے ہیں تو پھر ان کو اس لفظی سخت کلامی سے جو ان لوگوں کی نسبت نظر آتی ہے تسلیم کرنے میں کیوں عذر ہوتا ہے اسی لئے آپ کے کلام میں جو اشارے پہلی صورت (خلفاء ثلاثہ کے حالات) سے متعلق ہیں وہ نسبتاً نرم و ملائم ہیں اور دوسرے موقعہ پر آپ کی تصریحات بہت سخت ہیں۔

دوسری دلیل کا جواب یہ ہے کہ کتاب میں سجع اور قافیہ کی پابندی اس حد تک ہرگز نہیں ہے کہ معنوی محاسن کو نظر انداز کر دیا گیا ہو، بلکہ جہاں تک دیکھا جاتا ہے اس کے سجع و قافیہ میں آمد کی صورت نظر آتی ہے اور وہ آورد نہیں ہے، اس طرح کی صورت اس زمانہ میں بھی موجود تھی، اور جو شخص جانتا ہے کہ علی ابن ابی طالب کا فصاحت و بلاغت میں کیا درجہ تھا اسے اس کے تسلیم کرنے میں کوئی عذر نہیں ہو سکتا۔

اس سے تیسری دلیل کی کمزوری بھی ظاہر ہو جاتی ہے، یہ کون کہتا ہے کہ باریک خیالی اور خوش بیانی اور وصف و تشبیہ کا حسن کسی قوم کا مخصوص حصہ ہے اور اگر ایک عرب وہ بھی قریش کا انسان اور وہ جس نے قرآن کی فصاحت کو دیکھا ہو اور افصح العرب رسول کے ساتھ ابتدائی عمر سے رہا ہو وہ اس کمال کا مظاہرہ کرے تو کیا

قابل تسلیم نہیں ہے۔

چوتھی دلیل کا جواب یہ ہے کہ جسے علم غیب سے تعبیر کیا جاتا ہے اسے ہم فراست اور زمانہ کی نبض شناسی کا نتیجہ سمجھتے ہیں جو علی جیسے حکیم اسلام سے بعید نہیں۔

(منقول از رسالہ استناد)

علامہ احمد بن منصور گازرونی مفتاح الفتوح میں بذیل ذکر جناب امیر لکھتے ہیں :۔

ومن تامل فی کلامہ وکتبہ وخطبہ ورسالاتہ علم ان علمہ لا یوازی علم احد وفضائلہ لا یشاکل فضائل احد بعد محمد صلی اللہ علیہ وسلم ومن جملتها کتاب نہج البلاغۃ دایم اللہ لقد وقف دونہ فصاحۃ الفصحاء وبلاغۃ البلغاء وحکمۃ الحکماء۔

جس شخص نے حضرت علی کے کلام و خطوط و خطبوں اور پیاموں پر غور کیا ہے تو اس کو معلوم ہو گیا کہ آپ کا علم جناب رسولخدا کے بعد سب کے علم سے زیادہ ہے اور آپ کے فضائل کے مشابہ کسی اور کے فضائل نہیں ہیں اور آپکے کلام میں سے کتاب نہج البلاغہ ہے خدا کی قسم سب فصیحوں کی فصاحت اس سے پست تر ٹھہر گئی اور سب بلیغوں کی بلاغت اس سے نیچے ہے اور اس کی حکمت سے کمتر سب کی حکمت ہے۔

ملا یعقوب لاہوری شرح تہذیب الکلام میں لکھتے ہیں :۔

وافصح ومن اراد مشاهدة بلاغتہ ومسامعۃ فصاحتہ فلینظر الی نہج البلاغۃ ولا ینبغی ان ینسب هذا الکلام البلیغ الی رجل شیعی وما ذکر فیہ من بعض الالفاظ الموهم بخلاف

حضرت علی سب سے زیادہ فصیح تھے اور جو شخص چاہتا ہے کہ آپ کی بلاغت کا مشاہدہ کرے اور ان کی فصاحت کو سنے تو اسے چاہئے کہ نہج البلاغہ کو دیکھے اور یہ کسی طرح مناسب نہیں ہے کہ ایسے بلیغ کلام کی نسبت ایک مرد شیعی کی طرف کی جائے رہا یہ امر کہ کتاب نہج

ما عليه اهل السنة فعلى
تقدير ثبوته منه له محامل
وتاويلات وقال البلغاء
ان كلامه دون الخالق
وفوق كلام المخلوق۔

البلاغۃ میں بعض الفاظ ایسے ہیں کہ ان سے
مذہب اہلسنت کی مخالفت کا وہم پیدا ہوتا
ہے تو اسکے لئے تاویلات ہیں اور بلیغ علمأ
کا قول ہے کہ حضرت علی کا یہ کلام خالق کے
کلام سے نیچے اور تمام مخلوق کے کلام سے بالاتر

شیخ احمد بن مصطفےٰ المعروف بہ طاشکبری زادہ کتاب شقائق نعمانیہ فی علماء الدولۃ العثمانیہ میں لکھتے ہیں:۔ (ملاحظہ ہو حاشیہ وفیات الاعیان)۔

منهم العالم الفاضل الكامل
المولى قوام الدين يوسف
المشتهر بقاضي بغداد
وكان بلاد العجم من مدينة
شيراز وكان قاضياً ببغداد
مدة فلما حدثت فتنة
ابن اردبيل ارتحل الى ماردين
وسكن هناك مدة ثم ارتحل
الى بلاد الروم واعطاه السلطان
بايزيد خان بروسه ثم
اعطاه احدى المدارس الثمان
ثم ارتحل الى جوار الرحمن في
اوائل سلطنة السلطان
سليم خان ادخله الله تعالى
شريفا عالما صالحا متشرعا

ان لوگوں میں سے ایک عالم فاضل
کامل قوام الدین یوسف قاضی بغداد
ہیں، یہ بلاد عجم کے شہر شیراز کے
رہنے والے تھے اور ایک عرصہ
تک بغداد میں قاضی رہے جب
فتنہ ابن اردبیل ہوا، تو انہوں نے
ماردین کی طرف ہجرت کی، اور وہاں
عرصہ تک رہے۔ پھر بلاد روم کی
طرف آگئے۔ سلطان بایزید نے آپ
کو بھروسہ دیدیا، پھر ایک مدرسہ
میں مقرر کر دیا، اوائل سلطنت سلطان
سلیم خان میں ان کا انتقال ہو گیا۔
وہ شریف تھے عالم صالح متشرع زاہد
صاحب ہیبت و وقار انہوں نے تجرید
کی شرح لکھی ہے جو جامع فوائد ہے

زاھدا ذا ھیبۃ ووقار صنف شرحا	اور کتاب نہج البلاغۃ کی شرح لکھی
جامعا للفوائد للتجرید وشرح نہج	ہے جو کلام امام ہمام علی ابن ابی
البلاغۃ للامام الھمام علی بن ابی	طالب ہے۔ اور ایک اور کتاب
طالب کرم اللہ تعالیٰ وجھہ وصنف	لکھی ہے جو جامع مقدمات تفسیر ہے
کتابا جامعا لمقدمات التفسیر ولہ	اوراسکے علاوہ اور بھی رسائل وحواشی
رسائل وحواشی و غیر ذلک الا	وغیرہ ہیں۔ مگر بسبب صغر سنی
انہا ضاعت بعد وفاتہ لصغر	ان کی اولاد کے ان کی کتابیں
اولادہ طیب اللہ تعالیٰ مضجعہ	ضائع ہوگئیں۔
وبرد مضجعہ۔	

علامہ تفتازانی شرح مقاصد میں لکھتے ہیں وایضاً ھو افصحہم لسانا علی مایشھد بہ کتاب نہج البلاغۃ یعنی جناب امیرؑ سب سے زیادہ فصیح تھے جس کی شہادت کتاب نہج البلاغۃ دے رہی ہے۔

یہ تصریحات اکابر علمائے اہل سنت کی ہیں جنھوں نے نہج البلاغۃ کو کلام امیر المومنینؑ تسلیم کیا ہے، غیر مسلم مصنفین میں سے بھی دو شخصوں کی تحریر اسوقت ہمارے پیش نظر ہے جنھوں نے اس حقیقت کا اعتراف کیا ہے۔ اور نہج البلاغۃ کی صحت اسناد کی گواہی دی ہے۔

(۱) عبد المسیح انطاکی صاحب جریدۃ العمران مصر جس نے امیر المومنینؑ کی سیرت میں اپنی مشہور کتاب شرح قصیدہ علویہ تحریر کی ہے اور وہ مصر میں شائع ہو چکی ہے، وہ اپنی اس کتاب کے ص ۵۳۹ پر تحریر کرتے ہیں:۔

لاجدال ان سیدنا علیاً امیر المومنین ھوامام الفصحاء واستاذ البلغاء واعظم من خطب و کتب فی عرف اھل ھذہ الصناعۃ الالباء وھذا کلام قد قیل فیہ بحق انہ فوق کلام الخلق وتحت کلام الخالق قال ھذا کل من عرف فنون الکتابۃ واشتغل فی صناعۃ

التحبیر والتحریر بل ھو استاذ الکتاب العرب و معلمہم بلا مراء فما
من ادیب السبب حاول اتقان صناعۃ التحریر الا و بین یدیہ القرآن
و نہج البلاغۃ ذاک کلام الخالق ھذا کلام اشرف المخلوقین و علیہما
یعول فی التحریر والتحبیر اذا اراد ان یکون فی معاشر الکتبۃ المجیدین
ولعل افضل من حذم لغۃ قریش الشریف الرضی الذی جمع خطب
واقوال وحکم و رسائل سیدنا امیرالمومنین من افواہ الناس
و امالیہم و اصاب کل الاصابۃ باطلاقہ علیہ اسم نہج البلاغۃ و
و ما ھذا الکتاب الا صراطہا المستقیم لمن یحاول الوصول الیہا
من معاشر المتادبین ولعل احسن وصف قرأتہ نہج البلاغۃ قول
الاستاذ الکبیر الفیلسوف الشیخ محمد عبدہ المصری رحمۃ اللہ فقد
وصف ما کان یشعر بہ وھو بین یدی تلک الدرر الحسان المزینہ
بعقود الجمان۔ ترجمہ:۔ اس امر میں اختلاف کی کوئی گنجائش نہیں ہے کہ حضرت
امیرالمومنین علیؑ فصیح لوگوں کے امام اور بلغاء کے استاد ہیں اور وہ تمام
ان لوگوں میں کہ جنھوں نے عربی زبان میں تقریر یا تحریر میں کمال
دکھایا، سب سے زیادہ جلیل المرتبہ ہیں اور بڑا درجہ رکھتے ہیں، ان کا کلام
ہمارے سامنے ہے جس کے متعلق سچی اور حق بات یہ کہی گئی ہے کہ وہ تمام خلق
خدا کے کلام سے بالا تر اور صرف خالق کے کلام سے نیچے ہے۔ یہ بات
ہر وہ شخص کہتا ہے کہ جو انشا پردازی کے فنون سے واقف اور تقریر
و تحریر کے فن میں ماہر ہے۔ حضرت علیؑ تمام عرب انشا پردازوں کے
استاد اور معلم ہیں کوئی باخبر ادیب جو انشا پردازی کے فن میں مہارت
حاصل کرنا چاہتا ہو ایسا نہ ہو گا جس کے سامنے قرآن اور نہج البلاغہ موجود
نہ ہوں، وہ خالق کا کلام اور یہ اشرف المخلوقین کا کلام ہے اور وہ ان ہی
دونوں کتابوں کا سہارا لینے پر مجبور ہے، اگر وہ اچھا انشا پرداز اور ادیب

بننا چاہتا ہے - ان لوگوں میں کہ جنہوں نے قریش کی زبان (عربی) کی خدمت کی ہے سب سے بڑا درجہ شریف رضی کو حاصل ہے جنہوں نے حضرت علی کے خطبے اقوال اور خطوط کو جمع کیا ہے، لوگوں کے محفوظات اور تحریرات سے، اور بے شک انہوں نے بہت ٹھیک اس کا نام نہج البلاغۃ رکھا ہے، یہ کتاب حقیقتاً صحیح راستہ ہے اس شخص کے لئے جو بلاغت کی منزل تک پہنچنا چاہتا ہو اور غالبًا بہترین توصیف نہج البلاغۃ جو میری نظر سے گذری ہے وہ قول ہے استاد کبیر فیلسوف شیخ محمد عبدہ کا جنہوں نے اپنے احساسات وتاثرات کا اظہار کیا ہے اس موقعہ پر جب وہ ان نایاب بیش بہا موتیوں کے سامنے تھے جو زر وجواہر سے زیادہ قیمت رکھتے ہیں۔

اس کے بعد علامہ عبدالمسیح نے شیخ ابن عبدہ کی وہ عبارت نقل کی ہے، جو ہم اوپر ہدیۂ ناظرین کر چکے ہیں اس عبارت کے نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:-

هذا ما رأه الاستاذ الامام رحمة الله وما شعر به وهو مجد فی درس نهج البلاغة سائر الیها فلا عجب اذا فاز منها بالنصیب الاعلیٰ فکان افصح من کتب فی المتاخرین وقد قال لی رحمه الله مرة اذا رمت ان تکون کاتبا فخذ الامام امیر المومنین علیه صلوٰة الله استاذاً واتخذ اقواله الدریه فی ظلمات لیلات نیراساء وذکر مرة الی المرحوم الشیخ ابراهیم الیازجی اکتاب کتاب العرب وامام اساتذ اللغة فهیم فی العهد الاخیر بالاجماع قال ما انفنت الکتابة الابدرس القرآن العظیم ونهج البلاغة القویم فهما کنز العربیة الذی لاینفذ ذخیرتها للمتادب وهیهات ان یظفرادیب بحاجته من هذه اللغة الشریفة ان لم یحیی لیالیه سهرا فی مطالعتهما والتبحر فی عالی مطالبها۔

ترجمہ :- یہ رائے جس کا اظہار استاذ امام ابن عبدہ رحمۃ اللہ علیہ نے کیا ہے
اور جو تاثرات انہیں پیدا ہوئے ہیں اس موقعہ پر جب وہ نہج البلاغہ کے
درس میں منہمک اور بلاغت کی منزل کے سالک تھے اس کے بعد کوئی
تعجب کی بات نہیں ہے اگر خود شیخ ابن عبدہ بلاغت میں اعلیٰ درجہ پر فائز
ہوگئے ہوں اور حقیقت یہ ہے کہ متاخرین میں فصاحت و بلاغت کے اعتبا
سے موصوف ہی بہترین انشا پرداز تھے، اور خود انہوں نے ایک مرتبہ
مجھ سے فرمایا کہ اگر تم انشا پرداز بننا چاہتے ہو تو امیر المومنین علی کو اپنا
استاد بناؤ اور ان کے روشن کلمات کو اپنے لئے چراغ ہدایت قرار دو اور
ایک مرتبہ مجھ سے شیخ ابراہیم سازجی نے جو اس دور آخر میں متفقہ طور
پر کامل انشا پرداز عربی کے اور امام اساتذۂ لغت مانے گئے ہیں فرمایا
کہ مجھے اس فن میں جو اتنا کمال حاصل ہوا وہ صرف قرآن مجید اور
نہج البلاغہ کے مطالعہ سے ہوا، یہ دونوں عربی زبان کے وہ خزانۂ
عامرہ ہیں جو کبھی ختم نہیں ہو سکتے۔ اور طالبان علم ادب کے لئے سرمایہ
ہیں اور کیا ممکن ہے کہ بھلا کوئی ادیب اپنے مقصد کو اس زبان کے
کمالات میں حاصل کر سکے، جب تک وہ ان دونوں کتابوں کے
مطالعہ میں رات رات بھر بیدار نہ رہا ہو،

(۲) دوسرے عیسائی علامہ فوادا فرام بستانی استاذ الادب العربیہ فی
کلیتہ القدیس یوسف (بیروت) ہیں جنھوں نے نہج البلاغہ کے متعلق اچھی تحقیق
کی ہے۔ یہ بڑے درجے کے عیسائی ادیب و محقق مورخ ہیں انہوں نے ایک سلسلہ
تعلیمی کتابوں کا "روائع" کے نام سے شایع کیا ہے جس میں مختلف جلیل المرتبہ مصنفین
کے آثار قلمی اور تصانیف سے مختصر انتخابات مصنف کے حالات و کمالات اور کتاب کی
تاریخی تحقیقات وغیرہ کے ساتھ چھوٹے چھوٹے مجموعوں کی صورت میں ترتیب دئے
ہیں اور وہ کیتھولک عیسائی پریس بیروت میں شایع ہوئے ہیں، اس سلسلہ کا مجموعہ

امیرالمومنین اور نہج البلاغۃ سے تعلق رکھتا ہے جس کے متعلق تمہیدی مقدمہ میں جو مؤلف کے قلم سے ہے یہ تحریر کیا ہے۔ اننا بعندا الیوم بنشر منتخبات من نہج البلاغۃ للامام علی بن ابی طالب اول مفکر فی الاسلام یعنی سب سے پہلے ہم اس سلسلہ کی ابتدا نہج البلاغۃ کے چند انتخابات کے ساتھ کرتے ہیں جو نہج البلاغۃ کہ اسلام کے سب سے پہلے مفکر علی بن ابی طالبؑ کی کتاب ہے۔

اس کے بعد وہ سلسلہ شروع ہوا ہے جو سلسلہ روائع کی پہلی قسط ہے اس کے ٹائیٹل پیج یعنی سرورق کا نمونہ حسب ذیل ہے۔

علی بن ابی طالب

نہج البلاغۃ

درس و منتخبات

بقلم

فواد احترام البستانی

استاذ الادب العربیۃ فی کلیۃ القدیس یوسف

جمیع الحقوق محفوظۃ للمطبعۃ

المطبعۃ الکاثولیکیہ - بیروت

سنہ ۱۹۲۷ء

اس کے بعد کتاب شروع ہوتی ہے جس کی تمہیدی چند سطریں یہ ہیں۔

علیؑ بن ابی طالبؑ ۶۰۰ - ۶۶۱

لعلی بن ابی طالبؑ شخصیۃ جذابۃ حامت حولها اقلام الرواۃ والمورخین واجتهدت فی فهمها عقول النقاد والمفکرین واهتدت بهدیها میول الزهاد والسالکین وسار

تحت لوائہا الجم الغفیر من النقاد بین و لم تکن الآراء المختلفہ والنظریات المتانیہ والجادلات العدیدۃ بین السنیین والشیعیین علی کرور الایام الا لتزید الرجل سمرا وعقلیۃ بروزا من خلال غشاء المنازعات المتکاثف حینا والشاف احیانا فمن ھو ھذا الرجل لعظیم وما ھی قیمۃ رجل الادب۔

ترجمہ :- علی بن ابی طالب کی شخصیت ایک خاص کشش والی شخصیت ہے جس کے گرد رواۃ حدیث اور مورخین کے قلم ہمیشہ گردش کرتے رہے ہیں اور ناقدین و مفکرین کے عقول اس شخصیت کے سمجھنے میں کوشاں رہے ہیں اور زہاد اور ارباب سلوک کی توجہات ان کی سیرت اور طرز زندگی کی طرف متوجہ رہے ہیں اور ان کے علم کے سایہ میں ارباب ادب کی بڑی جماعت چلتی رہی ہے مختلف اور جداگانہ نظریات اور کثیر التعداد مناظرات جو با متداد زمانہ سنی اور شیعی فرقوں میں رہ گئے ہیں وہ اس عظیم الشان انسان کی بلندی اور رفعت میں اضافہ ہی کرتے رہے ہیں اور اس کے کمالات عقلیہ کی نمائش ان منازعات کے پردوں سے جو کبھی گہرے اور اکثر اوقات ہلکے رہے ہیں زیادہ ہی ہوتی رہی ہے، ہم کو یہ دیکھنا ہے کہ یہ اعلےٰ مرتبہ والا انسان کیسا ہے اور علم ادب کا یہ مخصوص بزرگ کیا قدر و قیمت رکھتا ہے

اس کے بعد مختلف عنوانوں کے تحت میں امیرالمومنین کی سیرت اور آپ کے خصوصیات زندگی پر روشنی ڈالی ہے، ان عنوانوں پر بحث کرنے کے بعد فاضل مؤلف نہج البلاغۃ اور دوسرے عنوان جمعہ یعنی اس کتاب کی جمع و تالیف کے تحت میں رقم طراز ہیں۔

قال المسعودی عن خطب علی بن ابی طالبؑ انہا فی سائر مقاماتہ اربعمائۃ خطبۃ ونیف و ثمانون یوردھا علی البدیھۃ

تداول الناس یتداولون ذلک حتیٰ قام الشریف الرضی فجمع علی ما نقل عن الامام من خطب و رسائل و مواعظ فضمنہا کتابا واحدا اسماہ نہج البلاغۃ انتھیٰ من تالیفہ فی رجب سنۃ ۴۰۰ھ ہجری بعد ان ترک اوراقا بیضا فی آخر کل باب رجاء ان یقف علی شئ بعد الجمع فیدرجہ فی المحل الذی یناسبہ والشریف الرضی من سلالۃ علی اسمہ محمد بن طاہر بن الحسین بن موسیٰ بن ابراھیم المرتضیٰ بن موسی الکاظم ولد سنۃ ۹۶۹ء وتوفی سنۃ ۱۰۱۵ء ویعرف ایضا بالمرتضیٰ لقب احد اجدادہ الموسوی کان اشھر ادباء عصرہ و لہ دیوان شعر معروف۔

ترجمہ:۔ مسعودی نے حضرت علی کے خطبوں کی نسبت کہا ہے کہ وہ آپ کے تمام مواقع زندگی میں کچھ اوپر چار سو اسی خطبے ہیں جن کو حضرت علیؑ نے فی البدیہ ارشاد کیا تھا اور لوگوں نے آپ سے سینہ بسینہ ان کو نقل کیا ہے یہ خطبے برابر لوگوں میں شایع رہے یہاں تک کہ شریف رضی کا زمانہ آیا، اور انہوں نے جو کچھ امام کے خطبے اور خطوط اور مواعظ راویوں کی زبان سے نقل ہوئے تھے سب کو ایک جگہ جمع کر کے ایک کتاب میں محفوظ کر دیا، اور اس کا نام نہج البلاغۃ رکھا، جس کی تالیف سے وہ رجب ۴۰۰ھ ہجری میں فارغ ہوئے، اور انہوں نے ہر باب کے آخر میں کچھ اوراق سادہ رکھے، اس امید میں کہ جمع و تالیف کے بعد شاید کچھ اور دستیاب ہو تو وہ اس کی مناسب جگہ پر درج کیا جا سکے اور شریف رضی مذکور حضرت علی کی اولاد میں سے تھے ان کا نام تھا، محمد بن طاہر بن حسین بن موسیٰ بن ابراہیم مرتضیٰ بن امام موسی کاظم، ولادت ان کی ۹۶۹ء میں اور وفات ۱۰۱۵ء میں واقع ہوئی تھی ان کے دادا ابراہیم مرتضیٰ کے نام پر کبھی ان کو مرتضیٰ بھی کہا جاتا

تھا، اور شریف موسوی سے بھی یاد کئے جاتے تھے، یہ اپنے زمانہ کے بڑے مشہور ادیب تھے اور ان کا دیوان مشہور و معروف ہے۔"

اس کے بعد ایک عنوان صحۃ نسبتہ قائم کیا ہے یعنی اس کتاب کی صحت سند۔ اس عنوان کے تحت میں لکھتے ہیں:-

لم یمر زمن علی جمع الکتاب حتی شك قوم من النقاد والمورخین فی صحۃ نسبتہ وکان فی مقدمتهم ابن خلکان فنسبہ الی جامعہ وتبعہ علی هذا القول الصفدی وغیرہ فتغلغل الشك بین القوم الی الیوم وکان تسمیۃ الشریف الرضی بلقب جدہ المرتضیٰ لیست علی بعض المورخین التمیز بینہ وبین اخیہ علی بن طاهر المعروف بالمرتضیٰ (۹۶۶-۱۰۴۴ن) فنسبوا الی هذا الاخیر جمع نهج البلاغۃ کما فعل جرجی زیدان وزاد غیرهم کالمستشرق کلیمان فجعل المرتضیٰ مؤلف الکتاب ونحن اذا تدبرنا اسباب الشك نراها ترجع الی خمسۃ امور۔

۱۔ ان فی نهج البلاغۃ من الافکار السامیہ والحکم الدقیقہ مالا یصح نسبتہ الی عصر علی

۲۔ ان فیہ من التعریض بالصحابہ مالا یصدر عن رجل فاضل کعلی۔

۳۔ ادعا علم المغیبات وهو لا یکون فعل رجل عاقل۔

۴۔ الوصف الدقیق۔

۵۔ ضاعۃ السجع والتمیق التی لم یتعودها اهل ذلك العصر

ولیس فی اکثر هذہ الاسباب مایقف عثرۃ فی سبیل صحۃ نسبتہ الکتاب فاما سمو الافکار ودقۃ الحکم واصابۃ المعنی فانها فی کل عصر اذ هی ناتجۃ عن الاختبار البشری

مرافقه لهذه الحيٰوة فی تجاربیها وقد رأئینا فی حیٰوة المؤلف واحزانه الکثیرة وخیبة آماله موادوافرة للتاملات العدیدة والنظریات العمیقه فضلاعن ان علیا حفظ القرآن بما فیه من الآیات وکان عالما کاکثر رجال عصره بکثیر من الحکم البلیغة الموجودة فی التوراة والانجیل فامکنه الاستفاد منها وانما التعریض بالصحابة فانه لشئ طبیعی فی ابن آدم ان یتافف ویتالم اذیری نفسه ممنوعاً من نیل مراده مصروفاً عن حقه والانسان مهما تقدم فی الصلاح یظل انسانا ضعیفا عرضة لعوامل الطبیعة البشریه -

واما علم المغیبات فلا نتعرض له وهولیس ماحسن ما فی نهج البلاغة

واذا وقفنا فی الوصف وکماله واجل مظهرله فی نهج البلاغة خطبة الخفاش والطاؤس نحکم انه سبب فاسد لان من اخص صفات الشعر الجاهلی والمخضرم اتمام الوصف وتتبع هیئات الموصوف الی آخرها -

نری ذلک فی شعر الشنفری وامرئی القیس وعنترة وبشیر بن هوانه من الجاهلین وعمر بن ابی ربیعه وامثاله من صدر الاسلام وکلهم یجارون علیاً زمانا ومکاناً -

ونکاد نقول لقول نفسه عن السجع لولا الخطبة المعروفة بالشقشقیه وهی من اسباب الشک عند الکثیرین علی انه یروی ابن ابی الحدید اشهر شارحی نهج البلاغة عن بعض مشائخه ان الشقشقیه کانت معروفة قبل مولد الرضی.

هذا وانه لمن الفضول الافاضة بذکر بلاغة هذا التالیف

والفائدۃ الجمۃ النّاتجۃ عن دراستہ فہو کما قال الشیخ محمد عبدہ حاو جمیع ما یمکن ان یعرض للکاتب والخاطب من اغراض الکلام فقد تعرض للمدح والذم الاولی والترغیب فی الفضائل والتنفیر من الرذائل والمحاورات السیاسیۃ والمخاصمات الجدلیۃ وبیان حقوق الراعی والاتی علی الکلام فی اصول المدنیۃ وقواعد العدالۃ وفی النصائح الشخصیۃ والمواعظ العمومیۃ او کما قیل تبعیرا وجزوتاثیرا وفرھو تحت کلام الخالق وفوق کلام المخلوق۔

ترجمہ :- نہج البلاغہ کی جمع وترتیب کو زیادہ زمانہ نہیں گزرا تھا کہ بعض ارباب نظر و مورخین نے اس کتاب کی صحت سند میں شک کرنا شروع کر دیا۔ ان میں سب کا پیش رو ابن خلکان ہے جس نے اس کتاب کو اس کے جامع کی طرف منسوب کیا، اور پھر صفدی وغیرہ نے اس کی پیروی کی شریف رضی کے لیسا اوقات مرتضےٰ کہے جانے نے جوان کے دادا کے لقب کی مناسبت سے تھا۔ بعض لوگوں کو دھوکہ میں مبتلا کر دیا، اور وہ ان میں اوران کے بھائی علی بن طاہر معروف سید مرتضیٰ (متولد ۹۶۶ء متوفی ۱۰۴۴ء) میں فرق نہ کر سکے اور انہوں نے نہج البلاغۃ کے جمع کو ثانی الذکر کی طرف منسوب کر دیا جیسا کہ جرجی زیدان نے کیا ہے اور بعض لوگوں نے مثل مستشرق کلیمان کے مزید یہ کیا کہ کتاب کا اصل مؤلف سید مرتضیٰ کو قرار دیا۔ ہم جب اس شک کے وجوہ واسباب پر غور کرتے ہیں تو وہ ہیر پھیر کے پانچ پائے جاتے ہیں۔

۱۔ یہ کہ نہج البلاغہ میں ایسے بلند مطالب اور دقیق فلسفی رموز ہیں جو حضرت علی کے زمانہ کی طرف منسوب نہیں ہو سکتے

۲۔ اس میں صحابہ کے متعلق ایسے طعن وتعریضات ہیں جو حضرت علی جیسے بلند مرتبہ انسان کی طرف منسوب نہیں ہو سکتے۔

۳۔ غیب کی باتوں کے علم کا دعویٰ کسی عقلمند کا کام نہیں۔
۴۔ کسی بات کے وصف بیان کرنے میں دقتِ نظر و باریکی۔
۵۔ سجع و قافیہ اور عبارت آرائی جس کی اس زمانہ والوں کو عادت نہ تھی۔

مگر یہ تمام اسباب ایسے ہیں جو اس کتاب کی صحت سند میں سدّ راہ نہیں ہو سکتے۔ پہلی بات یعنی خیالات کی بلندی اور فلسفی نکتہ پردازی اور مطالب کی صحت اور مضبوطی یہ باتیں ہر زمانہ میں پیدا ہو سکتی ہیں، کیونکہ یہ انسان کے غور و فکر اور زمانہ کے حالات سے تجربہ کے ساتھ سبق آموزی پر مبنی ہیں اور مصنف (یعنی حضرت علی) کی زندگی اور حضرت کے مختلف مصائب اور رنج و غم کے واقعات میں ایسے کافی اسباب اور مواد فراہم ہیں کہ جن کی وجہ سے آپ کے غور و فکر کی قوت زیادہ ہو جائے، اور آپ حالات زمانہ میں تامل اور گہرے فکر سے کام لیں اس کے علاوہ آپ قرآن مجید اور اس کی تمام آیتوں کے حافظ تھے اور پھر اپنے زمانے کے بہت سے لوگوں کی طرح آپ ان فلسفی اور حکمت کی باتوں سے بھی مطلع تھے جو توریت و انجیل میں مذکور ہیں اور اس لئے آپ کو ان سے اقتباس کا موقع بھی حاصل تھا (اس عبارت میں تبصرہ نگار کی عیسائیت جلوہ نما ہے)، دوسری بات یعنی صحابہ کے اوپر تعریض۔ یہ تو انسان کا فطری خاصہ ہے کہ وہ اُف کہے اور رنجیدہ ہو جب وہ اپنے تئیں مقصد سے علیحدہ اور اپنے حق سے محروم ہوتے دیکھے اور انسان کتنا ہی بلند مرتبہ ہو آخر انسان ہے اور ان خصوصیات سے علیحدہ نہیں ہو سکتا۔

رہ گیا علم مغیبات۔ اس کے متعلق ہم کچھ نہیں کہنا چاہتے (کیونکہ ایک عیسائی کو یہاں سکوت ہی لازم ہے) اور یہ حصہ یعنی غیب کی چیزوں کا باب نہج البلاغہ میں کوئی اہم درجہ نہیں رکھتا کہ اس کی نسبت خاص

طور سے بحث کی جاوے ۔

اس کے بعد آخری وجہ یعنی وصف میں دقت نظر اور موشگافی اور اس میں آپ کا کمال اور اس کا نمایاں نمونہ خطبہ خفاشیہ اور طاؤسیہ ہے اس کے متعلق بھی ہمارا فیصلہ ہے کہ یہ سبب شک کا بالکل غلط ہے ، اس لئے کہ زمانۂ جاہلیت اور پھر درمیانی دَور کے اشعار کی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں ہر چیز کا وصف حد کمال پر ہوتا ہے اور موصوف کی ہیئت اور اس کی شکل کی تمام خصوصیات کو پورے طور پر پیش کیا جاتا ہے۔ یہ بات ہم کو شنفری اور امراء القیس اور عنترہ اور بشیر بن عوانہ کے اشعار میں نظر آتی ہے جو زمانہ جاہلیت کے شعراء ہیں اور عمر بن ابی ربیعہ کے اشعار میں بھی کہ جو صدر اسلام کا شاعر ہے یہ بات پائی جاتی ہے، اور یہ سب زمانہ و مکان کے اعتبار سے حضرت علیؑ سے قرب رکھتے تھے ۔

آخری وجہ یعنی سجع و قافیہ و عبارت آرائی کے متعلق بھی ہمارا یہی فیصلہ ہے بے شک سب سے بڑا سبب بہت سے لوگوں کے شک کا خطبہ شقشقیہ ہے ، حالانکہ ابن ابی الحدید جو نہج البلاغۃ کا سب سے مشہور شارح ہے اس کا بیان ہے اپنے بعض اساتذہ کی زبانی کہ خطبہ شقشقیہ سید رضی کی ولادت کے بہت پہلے سے مشہور تھا ۔

اس کتاب کی فصاحت و بلاغت اور اس کے درس و تدریس میں جو عظیم فائدہ ہے اس کا تذکرہ کرنا فضول ہے اسلئے کہ حقیقتاً جیسا کہ شیخ محمد ہ بن عبدہ نے کہا ہے یہ کتاب حاوی اور جامع ہے تمام ان اغراض و مقاصد کی جو کسی انشا پرداز یا مقرر کو اپنی تحریر و تقریر میں پیش نظر ہو سکتے ہیں اس لئے کہ اس میں طرح طرح جدا جدا نہ مذمت فضائل و محاسن کی ترغیب بُری باتوں سے اظہار نفرت و سیاسی خیالات و مجادلانہ مکالمات حاکم کے حقوق بذمہ رعیت ، رعیت کے حقوق بذمہ حاکم

سب کچھ موجود ہیں، پھر تمدن کے اصول عدالت کے قواعد انفرادی
نصائح اور عمومی مواعظ سب کچھ مندرج پائے جاتے ہیں۔ مختصر
اور موثر لفظوں میں وہی ہے جو کچھ کہا گیا ہے۔ کہ خالق کے کلام سے نیچے
اور مخلوق کے کلام سے بلند ہے۔

ماخوذ از رسالہ استناد نہج البلاغہ تالیف حضرت
فخر المحققین سید العلما مولوی سید علی نقی صاحب

ناظرین نے سنی و عیسائی مصنفین و محققین کی رائے نہج البلاغہ کے متعلق ملاحظہ فرمائی اور اس کے کلام امیر المومنین ہونے کی بابت جو شکوک پیدا کئے جاتے ہیں وہ بھی دیکھے اور ان شکوک کا جواب جو عام نقطۂ نگاہ سے ہوسکتا ہے وہ بھی ملاحظہ کیا وہ ہی جواب ایسے مسکت و باطل شکن ہیں کہ مزید بحث کی گنجائش نہیں رہتی، مگر ان لوگوں کے لئے جو جناب محمد مصطفےٰ کو رسول برحق اور ان کے کلام کو سچا جانتے ہیں۔ دیگر دلائل بھی ہیں اس کتاب کے مصنف کے متعلق وہ رسول برحق فرماتا ہے کہ میں علم کا شہر ہوں اور یہ علی اس شہر علم کا دروازہ ہے جو علم کے شہر میں آنا چاہتا ہے وہ صرف اس دروازہ ہی کے ذریعے سے داخل ہو سکتا ہے، جس قسم کا رسول کا علم تھا۔ ویسا ہی علی کا علم تھا، اور رسول کے علم میں علم لدنی بھی شامل ہے، ایسے شخص کے لئے وصف اشیاء میں موشگافی اور دقت نظری کون سی بڑی بات ہے جس کی وجہ سے اس کے کلام میں شک کیا جائے اور اس کے آگے چند سال آئندہ کی زباں دانی کے سجع و قافیہ کیا حقیقت رکھتے ہیں جن کی بناء پر نہج البلاغہ کو رد کیا جائے۔ رہا علم غیب تو عیسائی مورخ تو اس کے متعلق اتنا ہی کہہ سکتے ہیں جتنا انہوں نے کہا اور اگر مسلمان جناب رسول خدا کے علم میں اتنا علم غیب سمجھتے ہیں کہ جتنا نہج البلاغہ میں ہے۔ اور رسول کو اس کا حامل مان سکتے ہیں تو پھر علی میں اتنا علم غیب کون سی بڑی بات ہے بلکہ یہی امور تو حضرت علی کے خلیفہ برحق بلافصل رسول ہونے کے دلائل ہیں جس طرح قرآن شریف جناب رسول خدا کی صداقت

رسالت کی ایک دلیل ہے اسی طرح نہج البلاغۃ حضرت علی کی صداقت امامت وخلافت کے لئے ایک بین ثبوت ہے، جناب محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا خداوند تعالیٰ سے براہ راست رابطہ و واسطہ صداقت رسالت کے لئے ثابت کرنا ضروری تھا۔ لہذا قرآن شریف کو کلام الٰہی ہونا چاہئے تھا۔ جناب علی مرتضیٰ قوم کی جہالت کی وجہ سے اپنے تئیں ایسے حالات و واقعات کے اندر پاتے تھے کہ وہاں اپنے کمالات وصفات وفضائل کا اظہار ضروری تھا لہٰذا اس قسم کے خطبوں کی ضرورت ہوئی اور وہ نہج البلاغۃ میں پائے جاتے ہیں، اودہر تو صرف نفی رسالت کے طوفان کا مقابلہ کرنا تھا کوئی دوسرا شخص مدعی نبوت نہ تھا، ادہر مدعیان خلافت اور بھی پیدا ہو گئے لہذا امت کو جتانا ضروری ہوا کہ ہمارے سواء اور سب کے دعاوی باطل ہیں قرآن شریف کا کوئی جواب نہیں اسی طرح قرآن شریف کے بعد نہج البلاغۃ نے مدعیان خلافت کی زبان بند کر دی، کھسیانہ ہو کر کافروں کو قرآن شریف کے کلام الٰہی ہونے سے انکار کرنا پڑا، اسی طرح مدعیان خلافت کے ہواخواہوں نے کوئی اور چارہ ہی نہ دیکھا سوائے اسکے کہ نہج البلاغہ کو کلام علی ہونے سے انکار کریں۔ دونوں حالتوں میں دل قائل ہے، زبان سے انکار کرنا پڑتا ہے مگر کفار قرآن مجید کا جواب پیدا نہ کر سکے، اور مدعیان خلافت کے وکلاء نہج البلاغۃ کا ثانی نہ دکھا سکے اور یہ دونوں کتابیں بوجہ لاجواب لاثانی ہونے کے اپنی صداقت کا آپ ہی ثبوت بن گئیں، اور ثابت ہوا کہ ع آفتاب آمد دلیل آفتاب۔

یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ مختلف کتب تاریخ وسیر میں نہج البلاغۃ کے مندرجہ خطبات ورسائل کے جستہ جستہ اقتباسات دوسری کتابوں میں اتنی کثرت سے پائے جاتے ہیں کہ ان کے مطالعے کے بعد علامہ سید رضی کی طرف کسی بدگمانی کا وہم بھی پیدا نہیں ہو سکتا۔

وجہ ب۔ خطبۂ شقشقیہ۔

خطبہ شقشقیہ کے متعلق علامہ ابن ابی الحدید نے اپنے استاد ابوالخیر مصدق

بن شیب کا ایک واقعہ نقل کیا ہے۔

واما قول ابن عباس "ما اسفت علی کلام" الی آخرہ فحدثنی شیخی ابو الخیر مصدق بن شبیب الواسطی فی سنۃ ثلاث وستمائۃ قال قرأت علی الشیخ ابی محمد عبد اللہ بن احمد المعروف بابن الخشاب ھذہ الخطبۃ فلما انتھیت الیٰ ھذا الموضوع قال لی لو سمعت ابن عباس یقول ھذا القلت لہ وھل بقی فی نفس ابن عمک امر لم یبلغہ فی ھذہ الخطبۃ لتتاسف ان لا یکون بلغ من کلامہ ما اراد واللہ ما رجع عن الاولین ولا عن الآخرین ولا بقی فی نفسہ احد لم یذکرہ الا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ قال مصدق وکان ابن الخشاب صاحب دعابۃ وھزل قال فقلت لہ اتقول انھا منحولۃ فقال لا واللہ وانی لاعلم انھا کلامہ کما اعلم انک مصدق قال فقلت لہ ان کثیرا من الناس یقولون انھا من کلام الرضی رحمہ اللہ تعالیٰ فقال انی للرضی ولغیر الرضی ھذا النفس وھذا الاسلوب قد وقفنا علی رسائل الرضی وعرفنا طریقتہ وفنہ فی الکلام المنثور ومایقع مع ھذا الکلام فی خل ولا خمر ثم قال واللہ لقد وقفت علی ھذہ الخطبۃ فی کتب صنفت قبل ان یخلق الرضی بمائتی سنۃ ولقد وجدتھا مسطورۃ بخطوط اعرفھا واعرف خطوط من ھو من العلماء واھل الادب قبل ان یخلق النقیب ابو احمد والد الرضی قلت وقد وجدت انا کثیرا من ھذہ الخطبۃ فی تصانیف شیخنا ابی القاسم البلخی امام البغدادیین من المعتزلۃ وکان فی دولۃ المقتدر قبل ان یخلق الرضی بمدۃ طویلۃ ووجدت ایضاً کثیرا منھا فی کتاب ابی جعفر بن قبہ احد متکلمی الامامیۃ وھو الکتاب المشھور المعروف

بکتاب الانصاف وکان ابو جعفر ھذا من تلامذۃ الشیخ ابی القاسم البلخی رحمہ اللہ تعالیٰ ومات فی ذالک العصر قبل ان یکون الرضی رحمہ اللہ تعالیٰ موجوداً۔

ابن ابی الحدید، شرح نہج البلاغۃ المجلد الاول ص ۶۹۔

ترجمہ:۔ اور ابن عباس کا قول کہ میں نے کسی کلام پر اتنا افسوس نہیں کیا جتنا اس خطبہ کے نا تمام رہ جانے پر، مجھ سے میرے استاد ابو الخیر مصدق بن شبیب الواسطی نے ۶۰۳ھ ہجری میں بیان کیا، وہ کہتے ہیں کہ میں نے اپنے استاد شیخ ابو محمد عبد اللہ بن احمد المعروف بہ ابن الخشاب کے سامنے خطبۂ شقشقیہ پڑھا، جب میں اس مقام تک پہنچا تو ابن الخشاب نے کہا کہ اگر میں ابن عباس کو یہ کہتے ہوئے سنتا تو میں ان سے کہتا کہ تمہارے ابن عم یعنی علی ابن ابی طالب ؑ نے کون سی بات اس خطبہ میں نہیں کہی جس کی وجہ سے تم کو افسوس ہے کہ انہوں نے اس خطبہ کو وہاں تک کیوں نہ پہنچایا جہاں تک ارادہ کیا تھا، قسم بخدا انہوں نے اولین و آخرین میں سے سوائے محمد مصطفٰے صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم کے کسی کو نہ چھوڑا جس کا ذکر نہ کیا ہو، مصدق کہتے ہیں کہ ابن الخشاب کو ذرا مزاح کی عادت تھی۔ مصدق کہتے ہیں کہ میں نے ان سے دریافت کیا کہ تمہاری رائے میں یہ خطبہ موضوعہ ہے۔ ابن الخشاب نے کہا قسم بخدا ہرگز نہیں بلکہ مجھے اس کے کلام علی ہونے کا اتنا ہی یقین ہے جتنا اس بات کا کہ تم مصدق ہو، مصدق نے کہا کہ بعض لوگ خیال کرتے ہیں کہ یہ سید رضی کا کلام ہے۔ ابن الخشاب نے کہا کہ رضی یا رضی کے علاوہ کسی اور میں یہ قدرت اور یہ طرزِ بیان کہاں۔ ہم نے سید رضی کے خطوط دیکھے ہیں اور ان کے طرز نگارش کو پہچانتے ہیں، اس کو اس کلام سے کچھ تعلق ہی نہیں، خدا کی قسم میں نے اس خطبہ کو ان کتابوں

میں دیکھا ہے جو رضی کی پیدائش کے دو سو سال پہلے تصنیف ہوئی تھیں۔
اور میں نے اسکو ایسا علماء وادبا کے خطوط سے لکھا پایا ہے جن کی تحریر کو میں
پہچانتا ہوں اور وہ ابو احمد نقیب والد رضی کی پیدائش سے بہت
پہلے کے تھے، علامہ ابن ابی الحدید کہتے ہیں کہ میں نے کہا کہ میں نے اس
خطبہ کا بہت بڑا حصہ شیخ ابو القاسم بلخی بغدادی کی تصانیف میں دیکھا ہے۔
جو سید رضی کی پیدائش سے پہلے مقتدر باللہ عباسی کے زمانہ میں تھے۔
نیز اکثر اجزاء اسکے ابو جعفر بن قبہ کی کتاب الانصاف میں دیکھے ہیں۔ یہ
فرقۂ امامیہ کے متکلم تھے اور شیخ ابو القاسم بلخی کے تلامذہ میں سے تھے اور
اس ہی زمانہ میں ان کا انتقال ہو گیا، قبل اس کے کہ سید رضی عالم وجود
میں آئے۔

ابو السعادات مبارک مجد الدین ابن اثیر جزری متوفی سنہ ۶۰۶ھ نے اپنی
کتاب نہایۃ فی غریب الحدیث والاثیر میں اس خطبۂ شقشقیہ کے ہندرہ
الفاظ کو اس خطبے سے لے کر ان کی تفسیر کی ہے، دونوں کی عبارتیں ایک دوسرے
کے سامنے رکھنے سے یہ بات اچھی طرح ظاہر ہوتی ہے۔

خطبہ شقشقیہ:- طَفِقْتُ اَرْتَاِئْی مَبَیْنَ اَنْ اَصُوْلَ بِیَدٍ جَذَّآءَ اَوْ
اَصْبِرَ عَلٰی طَخْیَۃٍ عَمْیَاءَ

نہایت ۔ لغت (جذ) منہ حدیث علی اصول بید جذا او یروی
بالحاء المہملہ

(حذ ذ) و حدیث علی اصول بید جذاء - یروی بالجیم و
کانہا بالجیم اشبہ۔

خطبہ شقشقیہ:- فَصَاحِبُہَا کَرَاکِبِ الصَّعْبَۃِ اِنْ اَشْنَقَ لَہَا خَرَمَ وَ
اِنْ اَسْلَسَ لَہَا تَقَحَّمَ۔

نہایتہ ۔ لغت - (اشنق) فی حدیث علی ان اشنق لہا خرم

خطبہ شقشقیہ۔ لٰکِنِّی اَسْفَفْتُ اِذَا اَسَفُّوا وَطِرْتُ اِذْ طَارُوْا۔

نہایت۔ لغت۔ (سفف) فی حدیث علی لکنی اسففت اذا اسفوا۔

خطبہ شقشقیہ۔ اِلیٰ اَنْ قَامَ ثَالِثُ الْقَوْمِ نَافِجًا حِضْنَیْہِ۔ بَیْنَ نَثِیلِہٖ وَمُعْتَلَفِہٖ۔

نہایتہ۔ لغت (نفج) منہ حدیث علی نافجا حضنیہ ایضا لغت (نثل) فی حدیث علی بین نثیلہ ومعتلفہ۔

خطبہ شقشقیہ۔ قَامَ مَعَہٗ بَنُوْا اَبِیْہِ یَخْضِمُوْنَ مَالَ اللّٰہِ خَضْمَۃَ الْاِبِلِ نِبْتَۃَ الرَّبِیْعِ۔

نہایتہ۔ لغت (خضم) فی حدیث علی فقام الیہ بنوا بیہ یخضمون مال اللہ خضمۃ الابل نبتۃ الربیع۔

خطبہ شقشقیہ۔ مُجْتَمِعِیْنَ حَوْلِیْ کَرَبِیْضَۃِ الْغَنَمِ۔

نہایتہ لغت۔ (ربض) منہ حدیث علی والناس حولی کربیضۃ الغنم۔

خطبہ شقشقیہ۔ وَلٰکِنَّہُمْ حَلِیَتِ الدُّنْیَا فِیْ اَعْیُنِہِمْ وَرَاقَہُمْ زِبْرِجُہَا۔

نہایتہ۔ لغت۔ (حلا) فی حدیث علی لکنہم حلیت الدنیا فی اعینہم (زبرج) فی حدیث علی حلیت الدنیا فی اعینہم وراقہم زبرجہا۔

خطبہ شقشقیہ۔ اَمَا وَالَّذِیْ فَلَقَ الْحَبَّۃَ وَبَرَاءَ النَّسَمَۃَ۔

نہایتہ لغت۔ (فلق) منہ حدیث علی الذی فلق الحبۃ وبرأ النسمۃ (نسم) منہ حدیث والذی فلق الحبۃ وبراء النسمۃ۔

خطبہ شقشقیہ۔ لَاَلْفَیْتُمْ دُنْیَاکُمْ ھٰذِہٖ اَزْھَدَ عِنْدِیْ مِنْ عَفْطَۃِ عَنْزٍ۔

نہایتہ۔ لغت (عفط) فی حدیث علی ولکانت دنیاکم ھٰذہ اھون علی من عفطۃ عنز۔

(عطف) فی حدیث علی ولکانت دنیاکم ھٰذہ اھون علی عطفۃ عنز

خطبہ شقشقیہ۔ تِلْکَ شِقْشِقَۃٌ ھَدَرَتْ ثُمَّ قَرَّتْ۔

نہایت لغت۔ (شقشق) منہ حدیث علی فی خطبۃ لہ تلک شقشقۃ ھدرت ثم قرت۔

مجدالدین فیروز آبادی نے کتاب قاموس میں لغت شقشقیہ میں اعتراف کیا ہے کہ خطبۂ علویہ میں حضرت علی علیہ السلام نے ابن عباس کے جواب میں فرمایا :-

هیهات هیهات یابن عباس تلك شقشقة هدرت ثم قرت چنانچہ وہ لکھتا ہے لشقشقیہ بالکسر شئی کالریہ یخرجہ البعیر من فیہ اذا هاج والخطبۃ الشقشقیۃ العلویہ لقولہ لابن عباس رضی اللہ عنہ لما قال لہ لواطردت مقالتك من حیث افضیت یا ابن عباس هیهات تلك شقشقة هدرت ثم قرت ۔

ترجمہ:۔ شقشقہ بکسر شین ایک چیز ہے جو اونٹ کے منہ سے غصہ اور ہیجان کے وقت باہر آتی ہے اور حضرت علی کا خطبہ شقشقہ اس لئے کہا جاتا ہے کہ جب ابن عباس نے آپ سے خواہش کی کہ آپ اپنے کلام کو جاری کیجئے ۔اس مقام سے کہ جہاں تک پہونچا تھا تو آپ نے فرمایا اب کہاں اے ۔ابن عباس وہ ایک شقشقہ یعنی جوش کا نتیجہ تھا جو بلند ہوا، اور پھر ختم ہو گیا۔

ابو الفضل احمد بن محمد ابراہیم نیشاپوری نے کتاب مجمع الامثال میں اعتراف کیا ہے کہ خطبہ شقشقیہ جناب امیر کا کلام ہے اور ملا محمد طاہر فتنی گجراتی نے اپنی کتاب مجمع بحار الانوار میں جو مطبع نولکشور لکھنؤ سے شائع ہو چکی ہے خطبہ شقشقیہ کے الفاظ نقل کرتے ہوئے اعتراف کیا ہے کہ یہ کلام جناب امیر ہے حسن بن عبداللہ ابن مسعود عسکری عالم اہل سنت صاحب کتاب مواعظ وزواجر نے اس خطبہ کی شرح لکھی ہے ۔

(منقول از التوضیحات التحقیقیہ فی شرح خطبہ شقشقیہ تالیف مولوی سید علی اکبر ابن علامہ سلطان العلماء رضوان مآب جناب سید محمد صاحب ص ۱۷)

شیخ الموحدین ابن میثم علیہ الرحمہ نے شرح نہج البلاغۃ میں لکھا ہے کہ میں نے خطبہ شقشقیہ کو ایسے نسخہ میں دیکھا جس پر خط ابن الفرات وزیر مقتدر باللہ تھا جو کچھ اوپر ساٹھ برس قبل سید رضی کے تھا ۔سبط ابن الجوزی نے یہ خطبہ شقشقیہ اپنی

کتاب تذکرہ خواص الامۃ میں ابوالقاسم انباری سے اور اس نے باسناد خود عکرمہ سے نقل کیا ہے، علاء الدولہ سمنانی نے کتاب عروۃ الوثقیٰ میں اعتراف کیا ہے کہ خطبہ شقشقیہ کلام جناب امیر علیہ السلام ہے۔

وجہ ج و د۔ ضمناً ان وجوہ پر اوپر بھی گفتگو ہو چکی ہے کسی اور عالم یا مصنف کی طرز گفتگو اور اسلوب تحریر نہج البلاغۃ کی عبارت سے نہیں ملتا۔ اس کتاب کو چند لوگوں نے سید رضی کی طرف منسوب کیا ہے، ان کی اور بھی تو کتابیں ہیں مثلاً مجازات النبی وخصائص الائمہ، حقائق التنزیل وغیرہ موجود ہیں، ان کی طرز تحریر و اسلوب زبان کا مقابلہ نہج البلاغۃ سے کرلو، زمین و آسمان کا فرق پاؤ گے۔

وجہ ہ۔ علامہ سید رضی کی جلالت و رفعت و امانت و دیانت و صداقت و حقانیت کے سب دوست و دشمن قائل ہیں، اور ان کے زمانہ کے بعد کے علماء اہلسنت ان کی تعریف میں رطب اللسان نظر آتے ہیں، ان کا دار السلام بغداد میں جو اس زمانہ میں سنیت کے فقہ و حدیث کا مرکز تھا اس عزت کے ساتھ رہنا اور خلیفہ کی طرف سے نقابت اشراف کا جلیل القدر منصب ملنا ان کی مسلمہ رفعت شان کی کافی دلیل ہے، ان کی نسبت یہ خیال کس قدر حقیقت سے دور اور تنگ نظری کا نتیجہ ہے کہ انہوں نے ایک پوری کتاب تصنیف کرکے ایک تاریخی و مذہبی اعلیٰ ہستی یعنی حضرت علی کی طرف کذباً منسوب کردی، گویا حضرت علی پر بہتان و افترا باندھا، کسی شیعہ عالم سے یہ بعید ہے کہ حضرت علی پر کسی قسم کا بہتان باندھے، کیونکر ہو سکتا ہے کہ حضرت علی تو حضرات شیخین کی خلافت کو خلافت حقہ سمجھیں اور اپنی موجودگی میں ان کو اپنے سے بہتر خلافت کا حقدار قرار دیں اور ایک جید شیعہ عالم ہی نہیں کہ اس کے خلاف اعتقاد رکھے بلکہ ایسے کلمات خود تصنیف کرکے حضرت علی کی طرف منسوب کردے جو ان کا کلام نہ ہو اور ان کے اعتقاد کے خلاف ہو، حضرت علی تو طلحہ و زبیر کو اچھا سمجھیں، اور شیعہ علی ان کی طرف سوءظن رکھے یہ کیونکر ہو سکتا ہے۔ شیعوں کو ان حضرات سے کوئی ذاتی بغض و عناد و وجہ تنازعہ نہیں ہے اور نہ

ہوسکتی ہے؟ ان کی محبت و نفرت تو حضرت علی کی محبت و نفرت کے تابع ہے ۔ سید رضی جیسا عالم ایسی جعل سازی نہیں کر سکتا، چنانچہ ابو منصور عبد الملک بن محمد الثعالبی جو کہ سید رضی کا معاصر تھا، (ولادت سنہ ۳۵۰ ہجری وفات سنہ ۴۲۹ ہجری) اپنی کتاب **یتیمۃ الدہر فی محاسن اہل العصر** میں لکھتا ہے ۔

الباب العاشر فی ذکر الشریف ابی الحسن الموسوی النقیب وعزر من شعرہ هو محمد بن الحسین بن موسیٰ بن محمد بن موسی بن ابراهیم بن موسیٰ بن جعفر بن محمد بن علی بن الحسین بن علی بن ابی طالب کرم الله وجوههم ومولدہ ببغداد سنة تسع وخمسین ثلثمائة وابتداء یقول لشعر بعد ان جاوز العشر سنین بقلیل وهو ابرع انشاء الزمان وانجب سادة العراق یتحلی مع محتدہ الشریف ومفخرة المنیف باد ب ظاهر وفضل باهر وحظ من جمیع المحاسن وافر ثم هو اشعر الطالبین من مضی منهم ومن غبر علی کثرة شعرائهم المفلقین کالحمانی وابن طباطبا وابن الناصر وغیرهم ولو قلت انه اشعر قریش لم ابعد عن الصدق وسیشهد بما اجریه من ذکرہ شاهد عدل من شعرہ العالی القدح الممتنع عن القدح الذی یجمع الی السلاسة متانة والی السهولة رصانة ویشتمل علی معان یقرب جناها ویبعد مداها۔

ترجمہ:۔ دسواں باب در ذکر شریف ابو الحسن الموسوی نقیب اشراف و در ذکر اشعار آنجناب، ان کا نسب یہ ہے محمد بن حسین بن موسیٰ بن محمد بن موسیٰ بن ابراہیم بن موسیٰ بن جعفر بن محمد بن علی بن الحسین بن علی بن ابی طالب خداوند تعالے ان کے چہروں کو مکرم کرے، یہ بغداد میں سنہ ۳۵۹ ہجری میں پیدا ہوئے تھے، ابھی آپ کا سن دس برس سے کچھ ہی متجاوز ہوا ہوگا کہ آپ نے شعر کہنے شروع کر دئے، علم و فضل میں اپنے تمام اہل زمانہ سے بڑھے ہوئے اور عراق کے سادات میں سب سے زیادہ شریف و نجیب تھے

آپ ادب کامل اور ظاہر سے آراستہ تھے اور نیز فضائل درخشندہ سے، تمام
نیکیوں میں سے آپ کو بڑا حصہ ملا ہوا تھا، علویوں میں سے سب سے زیادہ
شاعر تھے مثل حمانی و ابن طباطبا و ابن الناصر وغیرہم کے، اور اگر میں
یہ کہوں کہ تمام قریش سے بہتر شعر کہنے والے تھے تو یہ سچائی سے بعید نہ ہوگا
اور جو میں کہتا ہوں اس پر گواہی دیتے ہیں ان کے تر و تازہ اشعار جن پر
کوئی نکتہ چینی نہیں ہو سکتی، جو اپنے میں سلاست و متانت لئے ہوئے
ہیں اور جو اپنے میں معانی کثیرہ پنہاں رکھتے ہیں۔

ایسا شخص کذب و بہتان و افترا اور وہ بھی جناب امیر پر کس طرح کر سکتا ہے۔ ہمعصر
لوگ اکثر ایک دوسرے سے حسد کرتے ہیں اور جب ہمعصر عالم دوسرے عالم کی اس
قدر تعریف کرے تو پھر قیاس کیا جا سکتا ہے کہ ممدوح کا درجہ کتنا بلند ہوگا۔
ہم عصر سے زیادہ کون سید رضی کو جان سکتا تھا۔ علامہ شمس الدین ابو العباس
احمد بن محمد المعروف ابن خلکان اپنی کتاب **وفیات الاعیان فی**
ابناء الزمان میں اس سے بھی زیادہ سید رضی کی تعریف لکھتا ہے اور نیز علامہ
ابو محمد عبد اللہ بن اسعد الیافعی الیمینی نے اپنی کتاب **مرآۃ الجنان وعبرۃ**
الیقظان میں درذکر سنہ ۴۰۶ ہجری آپ کو مدح بلیغ سے یاد کیا ہے ان سب میں
فقرہ حظ من جمیع المحاسن موجود ہے۔ **ابو الحسن باخرزی متوفی ۴۶۷ھ**
کی کتاب **دمیۃ القصر وعصرۃ اہل العصر** میں سید رضی کی بہت تعریف لکھی ہوئی
ہے جس شخص کی تعریف اس کے زمانہ کے لوگ اس طرح کریں اس پر تین سو برس
کے بعد افتراء و کذب بہتان کا شبہ پیدا کرنا ابن خلکان کے لئے جائز نہ تھا۔
خصوصاً جب کہ وہ خود ان کے محاسن و فضائل کا معترف ہے۔

وجہ ۹۔ نہج البلاغہ میں تو صرف اشارے و کنایہ ہی ہیں، اگرچہ وہ اشارے
و کنایہ نہایت فصیح و بلیغ ہیں کتب شیعہ اور بہت سی ہیں جن میں ان امور کو نہایت
صراحت کے ساتھ عمدہ دلائل و منطق کی بناء پر بیان کیا ہے، ان کی موجودگی

میں ان اشاروں کی ضرورت نہ تھی اور حضرت علی پر الزام وبہتان باندھنا بالکل غیر ضروری تھا۔

وجہ ز:- سید رضی علیہ الرحمۃ کا سال پیدائش سنہ ۳۵۹ ہجری وسال وفات ۴۰۶ ہجری تھا، ان کے زمانہ میں بے شمار علما وفقہاء ومحققین اہل سنت کے بغداد میں موجود تھے، مورخین ومحققین نے بہت سی کتابیں صرف اس زمانہ کے لوگوں کے حالات میں لکھی ہیں اگر نہج البلاغہ جعلی دستاویز ہوتی تو اسی وقت فوراً اہل علم میں شور پڑ جاتا اور پھر سید رضی کو علماء میں منہ دکھانا دشوار ہو جاتا، ان کے معاصر ان کی وہ تعریف نہ کرتے جو انہوں نے کی ہے، بلکہ سب سے پہلے یہ لکھتے کہ انہوں نے ایک جعلی دستاویز یا کتاب بنائی ہے۔ برعکس اس کے ہم دیکھتے ہیں کہ ان کے ہمعصر محققین ومورخین ان کی تعریف میں رطب اللسان ہیں اور ایک فقرہ ان کے خلاف نہیں کہا جاتا یہاں تک کہ ان کا تشیع بھی ان کے زہد وورع وصداقت ومحاسن کے منافی نہیں سمجھا گیا، سب سے پہلے ابن خلکان (سن پیدائش ۶۰۸ ہجری سنہ وفات ۶۸۱ ہجری) نے اس اعتراض کے امکان کو بیان کیا ہے، اس کی تحریرات سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ وہ خود تو نہج البلاغۃ کو کلام جناب امیر علیہ مانتا ہے۔ صرف دیگر لوگوں کا امکانی اعتراض نقل کر دیتا ہے، اور وہ بھی محض اس بناء پر کہ اس میں حضرات ثلاثہ وطلحہ وزبیر وغیرہ پر نکتہ چینی کی گئی ہے۔

اب جب کہ اچھی طرح ثابت ہو گیا کہ کتاب نہج البلاغہ ساری کی ساری کلام جناب امیر المومنین ہے اور نیز یہ کہ خطبہ شقشقیہ بھی جو اس میں درج ہے وہ بھی کلام جناب امیر ہے تو اب ہم اس خطبہ کو یہاں نقل کرتے ہیں تاکہ واضح ہو جائے کہ جناب امیر علیہ السلام اپنے تئیں خلیفہ بلا فصل رسول اللہ منصوص من اللہ ورسولہ سمجھتے تھے اور جن لوگوں نے خلافت پر آپ کی موجودگی میں قبضہ کر لیا تھا ان کو خاطی وظالم جانتے تھے۔

خُطْبَۂ شِقشِقِیّہ

اَمَا وَاللّٰهِ لَقَدْ تَقَمَّصَهَا ابْنُ اَبِیْ قُحَافَةَ وَاِنَّهٗ لَيَعْلَمُ اَنَّ مَحَلِّیْ مِنْهَا مَحَلُّ الْقُطْبِ مِنَ الرَّحٰى يَنْحَدِرُ عَنِّی السَّيْلُ وَلَا يَرْقٰى اِلَیَّ الطَّيْرُ فَسَدَلْتُ دُوْنَهَا ثَوْبًا وَطَوَيْتُ عَنْهَا كَشْحًا وَطَفِقْتُ اَرْتَئِیْ بَيْنَ اَنْ اَصُوْلَ بِيَدٍ جَذَّاءَ اَوْ اَصْبِرَ عَلٰى طَخْيَةٍ عَمْيَاءَ۔ يَهْرَمُ فِيْهَا الْكَبِيْرُ وَيَشِيْبُ فِيْهَا الصَّغِيْرُ وَيَكْدَحُ فِيْهَا مُؤْمِنٌ حَتّٰى يَلْقٰى رَبَّهٗ۔ فَرَاَيْتُ اَنَّ الصَّبْرَ عَلٰى هَاتَا اَحْجٰى فَصَبَرْتُ وَفِی الْعَيْنِ قَذًى وَفِی الْحَلْقِ شَجًا اَرٰى تُرَاثِیْ نَهْبًا حَتّٰى مَضَى الْاَوَّلُ لِسَبِيْلِهٖ فَاَدْلٰى بِهَا اِلَى ابْنِ الْخَطَّابِ بَعْدَهٗ ثُمَّ تَمَثَّلَ بِقَوْلِ الْاَعْشٰى۔

شَتَّانَ مَا يَوْمِیْ عَلٰى كُوْرِهَا وَيَوْمُ حَيَّانَ اَخِیْ جَابِرِ

فَيَا عَجَبًا بَيْنَا هُوَ يَسْتَقِيْلُهَا فِیْ حَيَاتِهٖ۔ اِذْ عَقَدَهَا لِاٰخَرَ بَعْدَ وَفَاتِهٖ لَشَدَّ مَا تَشَطَّرَا ضَرْعَيْهَا۔ فَصَيَّرَهَا فِیْ حَوْزَةٍ خَشْنَاءَ يَغْلُظُ كَلْمُهَا وَيَخْشُنُ مَسُّهَا۔ وَيَكْثُرُ الْعِثَارُ فِيْهَا وَالْاِعْتِذَارُ مِنْهَا۔ فَصَاحِبُهَا كَرَاكِبِ الصَّعْبَةِ۔ اِنْ اَشْنَقَ لَهَا خَرَمَ وَاِنْ اَسْلَسَ لَهَا تَقَحَّمَ۔ فَمُنِیَ النَّاسُ لَعَمْرُ اللّٰهِ بِخَبْطٍ وَشِمَاسٍ وَتَلَوُّنٍ وَاعْتِرَاضٍ فَصَبَرْتُ عَلٰى طُوْلِ الْمُدَّةِ وَشِدَّةِ الْمِحْنَةِ حَتّٰى اِذَا مَضٰى لِسَبِيْلِهٖ جَعَلَهَا فِیْ جَمَاعَةٍ زَعَمَ اَنِّیْ اَحَدُهُمْ فَيَا لَلّٰهِ وَلِلشُّوْرٰى مَتَى اعْتَرَضَ الرَّيْبُ فِیَّ مَعَ الْاَوَّلِ مِنْهُمْ حَتّٰى صِرْتُ اُقْرَنُ اِلٰى هٰذِهِ النَّظَائِرِ لٰكِنِّیْ اَسْفَفْتُ اِذْ اَسَفُّوْا وَطِرْتُ اِذْ طَارُوْا۔ فَصَغٰى رَجُلٌ مِّنْهُمْ لِضِغْنِهٖ وَمَالَ الْاٰخَرُ لِصِهْرِهٖ مَعَ هَنٍ وَهَنٍ اِلٰى اَنْ قَامَ ثَالِثُ الْقَوْمِ نَافِجًا حِضْنَيْهِ

بَيْنَ نَثِيْلِهِ وَ مُعْتَلَفِهِ وَ قَامَ مَعَهُ بَنُوْ اَبِيْهِ يَخْضِمُوْنَ مَالَ اللّٰهِ
خِضْمَةَ الْاِبِلِ نِبْتَةَ الرَّبِيْعِ اِلٰى اَنِ انْتَكَثَ فَتْلُهُ وَ اَجْهَزَ
عَلَيْهِ عَمَلُهُ وَ كَبَتْ بِهِ بِطْنَتُهُ فَمَا رَاعَنِىْ اِلَّا وَ النَّاسُ كَعُرْفِ
الضَّبُعِ اِلَىَّ - يَنْثَالُوْنَ عَلَىَّ مِنْ كُلِّ جَانِبٍ - حَتّٰى لَقَدْ وُطِئَ الْحَسَنَانِ
وَ شُقَّ عِطْفَاىَ مُجْتَمِعِيْنَ حَوْلِىْ كَرَبِيْضَةِ الْغَنَمِ - فَلَمَّا نَهَضْتُ
بِالْاَمْرِ نَكَثَتْ طَائِفَةٌ وَ مَرَقَتْ اُخْرٰى وَ قَسَطَ آخَرُوْنَ كَاَنَّهُمْ
لَمْ يَسْمَعُوْا كَلَامَ اللّٰهِ حَيْثُ يَقُوْلُ تِلْكَ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ نَجْعَلُهَا
لِلَّذِيْنَ لَا يُرِيْدُوْنَ عُلُوًّا فِى الْاَرْضِ وَ لَا فَسَادًا وَ الْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ
بَلٰى وَ اللّٰهِ لَقَدْ سَمِعُوْهَا وَ وَعَوْهَا وَ لٰكِنَّهُمْ حَلِيَتِ الدُّنْيَا فِىْ
اَعْيُنِهِمْ وَ رَاقَهُمْ زِبْرِجُهَا اَمَا وَ الَّذِىْ فَلَقَ الْحَبَّةَ وَ بَرَأَ النَّسَمَةَ
لَوْ لَا حُضُوْرُ الْحَاضِرِ وَ قِيَامُ الْحُجَّةِ بِوُجُوْدِ النَّاصِرِ وَ مَا اَخَذَ اللّٰهُ
عَلَى الْعُلَمَاءِ اَنْ لَّا يُقَارُّوْا عَلٰى كِظَّةِ ظَالِمٍ وَ لَا سَغَبِ مَظْلُوْمٍ
لَاَلْقَيْتُ حَبْلَهَا عَلٰى غَارِبِهَا وَ لَسَقَيْتُ آخِرَهَا بِكَاسِ اَوَّلِهَا
وَ لَاَلْفَيْتُمْ دُنْيَاكُمْ هٰذِهٖ اَزْهَدَ عِنْدِىْ مِنْ عَطْفَةِ عَنْزٍ قَالُوْا وَ
قَامَ اِلَيْهِ رَجُلٌ مِنْ اَهْلِ السَّوَادِ عِنْدَ بُلُوْغِهٖ اِلٰى هٰذَا الْمَوْضِعِ
مِنْ خُطْبَتِهٖ فَنَاوَلَهُ كِتَابًا فَاَقْبَلَ يَنْظُرُ فِيْهِ قَالَ لَهُ ابْنُ عَبَّاسٍ
رَضِىَ اللّٰهُ عَنْهُمَا يَا اَمِيْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ لَوِ اطَّرَدَتْ خُطْبَتُكَ مِنْ حَيْثُ
اَفْضَيْتَ فَقَالَ هَيْهَاتَ يَا ابْنَ عَبَّاسٍ تِلْكَ شِقْشِقَةٌ هَدَرَتْ
ثُمَّ قَرَّتْ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ فَوَاللّٰهِ مَا اَسِفْتُ عَلٰى كَلَامٍ قَطُّ
كَاَسَفِىْ عَلٰى هٰذَا الْكَلَامِ اَنْ لَّا يَكُوْنَ اَمِيْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ
عَلَيْهِ السَّلَامُ بَلَغَ مِنْهُ حَيْثُ اَرَادَ -

ترجمہ :- خدا کی قسم خلافت کو ابوبکر نے (تنگ) کرتہ کی طرح کھینچ تان کر پہن لیا
حالانکہ وہ جانتے تھے کہ میرا مرتبہ اس میں ایسا ہے جیسا کیلی کا چکی

میں (کہ بغیر اسکے چکی چل نہیں سکتی) سیل (حکمت وعلم وہدایت) مجھ ہی سے گر گر نیچے آتا ہے اور میرے مرتبہ کی بلندی تک پرندہ بھی پر نہیں مار سکتا (باوجود ان سب باتوں کے) میں نے پردۂ صبر گرا لیا اس سے پہلو تہی کرلی، اور سوچنے لگا کہ آیا (اپنے) دست بریدہ سے حملہ کر بیٹھوں یا اس اندھیر پر صبر کر لوں جس کے صدمہ میں بڑے تو ضعیف اور چھوٹے بوڑھے ہو جائیں اور مومن رنج وصدمہ اٹھاتا رہے یہاں تک کہ اپنے رب سے ملاقات کرے تو مجھے اس (مصیبت) پر صبر ہی مناسب معلوم ہوا لہذا میں نے صبر کیا، (مگر) اس طرح کہ اس صدمہ سے گویا میری آنکھ میں خس وخاشاک پڑا تھا اور حلق میں ہڈی پھنسی تھی۔ میں اپنی میراث (خلافت کو) لٹتی ہوئی دیکھ رہا تھا یہاں تک کہ پہلے صاحب نے تو اپنی راہ لی اور اپنے بعد اس خلافت کو عمر ابن الخطاب کی طرف جھونکتے گئے (پھر مثالاً اعشی کا یہ شعر پڑھا) کہاں میرا یہ دن کہ اپنے ناقہ کی پشت پر مارا مارا پھرتا ہوں اور کہاں وہ دن کہ حیان برادر جابر کے ساتھ بسر ہوا۔ پس عجب یا تو وہ (ابوبکر) اپنی زندگی ہی میں اس سے استعفا دیتے تھے یا مرنے کے بعد بھی نہ چھوڑا، دوسرے صاحب سے جکڑتے گئے۔

اف (ناقہ) خلافت کی دونوں پستانوں کا ہر دو نے کس شدت سے دودھ دوہ لیا غرض (ابوبکر نے) اس (خلافت) کو ایک درشت مزاج کے حوالے کر دیا، جس کا زخم گہرا اور جس کا چھونا تک ناگوار ہوتا تھا۔ جس میں لغزشیں بہت تھیں، اور (پھر) عذر (گناہ) بھی بکثرت تھا۔ بس ایسا آدمی اس شخص کی مثل ہے جو سرکش ناقہ پر سوار ہو کہ اگر مہار کھینچتا ہے تو نکیل نکل آتی ہے اور اگر مہار ڈھیلی کرتا ہے تو منہ کے بل گر پڑتا ہے، بس بخدا (یہاں بھی) لوگ (اونٹ کے) بھٹکنے سرکشی کرنے رنگ بدلنے اور ٹیڑھے ہونے (کی طرح برے اوصاف) میں مبتلا ہو گئے تھے۔ لہذا (پھر) میں نے اس طویل مدت اور شدید محنت پر صبر کیا۔ یہاں تک کہ جب (دوسرے صاحب بھی دنیا سے سدھارے تو اس (خلافت) کو ایک ایسی جماعت کے حوالے کر دیا جنمیں اسکے خیال کے بموجب میں بھی شامل تھا۔ (حالانکہ اصلی اثر

واقتدار دوسروں کو دیدیا) بس بار الہا شوری کو کیا ربط۔ میری حق خلافت خلیفہ اول کے مقابلہ میں بھی کب شک ہوا تھا جو اب میں ان میں شامل کیا گیا جانے لگا، مگر خیرا میں ان کے ساتھ رہا) یہ نیچے ہوئے تو میں بھی نیچے ہوگیا، یہ اوپر اُڑے تو میں بھی اوپر اُڑا۔ پس جب شوریٰ ہوا تو ان کا ایک شخص (سعد) تو اپنے قدیم کینہ کے سبب سے (مجھ سے) منحرف ہوگیا اور دوسرا (عبدالرحمٰن) اپنے سسرالی رشتہ (عثمان) اور چند دوسرے لغو اور بیہودہ وجوہ کے سبب سے پھر گیا، تا ایں کہ تیسرے صاحب دونوں پہلوؤں کو آنتوں اور معدہ کے درمیان پھلائے ہوئے قائم ہوئے اور ان کے ساتھ ان کے خاندانی رشتہ دار اٹھ کھڑے ہوئے جو مال خدا کو اس طرح کھائے جاتے تھے جس طرح اونٹ فصل بہار کی ہری دوب کھاتا ہے، تا اینکہ (جب) ان کا بھی تار پود ٹوٹ گیا، ان کے عمل (ناشائستہ) نے ان کا کام تمام کردیا اور ان کی بے جا شکم پوری نے ان کو لے ڈالا تو مجھے اس سے نہایت حیرت ہوئی کہ لوگ مجھ پر بجو کے بال کی طرح اژدحام کرنے لگے، اور ہر طرف سے مجھ پر ٹوٹے پڑتے تھے، یہاں تک کہ (اسی ہجوم میں) حسن و حسین کچلے گئے، اور میرے دونوں پہلو شکستہ ہوگئے، گلہ گوسفند کی طرح سب میرے گرد جمع ہوئے تھے، پس جب (مجبور ہوکر) میں حکومت پر قائم ہوا تو ایک جماعت نے عہد شکنی کرلی اور دوسری دین سے خارج ہوگئی اور کچھ اور لوگ نافرمان ہو بیٹھے گویا ان لوگوں نے کلام خدا سنا ہی نہ تھا جو فرماتا ہے کہ "اس آخرت کے گھر کو ہم نے ان کے لئے مہیا کیا ہے جو زمین میں نہ سرکشی کرنی چاہتے ہیں اور نہ فساد کیونکہ عاقبت (کی بھلائی) صرف پرہیزگاروں ہی کے لئے ہے" مگر نہیں اس آیت کو انہوں نے بخدا سنا ہے اور انہیں یاد بھی ہے مگر دنیا ان کی آنکھوں میں بھلی معلوم ہوئی اور اس کی زینت نے انہیں لبھالیا، (رہا میرے متعلق تو) آگاہ ہو قسم ہے اس ذات کی جس نے دانہ کو شگافتہ اور روح کو پیدا کیا، اگر حاضر

مجھے نہ گھیرتے اور مددگاروں کے ظاہرا موجود رہنے سے حجتِ خدا (مجھ پر) نہ قائم ہو جاتی اور خدا نے علماء سے یہ عہد نہ لیا ہوتا کہ ظالم کی سیری اور مظلوم کی بھوک پر (کسی طرح) قرار نہ لیں تو میں اس ناقۂ خلافت کی مہار اس کے کوہان پر چھوڑ دیتا، اور اس خلافت کے آخری حصہ کو بھی اس کے اول کے حصہ ہی کی طرح کاسۂ نفرت و علیحدگی سے سیراب کرتا اور تم لوگ اپنی اس دنیا کو میری نظروں میں بکرے کی ناک کے پانی سے بھی زیادہ بے حقیقت پاتے ۔ لوگوں کا بیان ہے کہ حضرت خطبہ میں اس مقام تک پہونچے تو اہل عراق میں سے ایک شخص کھڑا ہوا اور آپکی خدمت میں ایک خط پیش کیا، جس کے دیکھنے میں آپ مشغول ہو گئے، (جب فارغ ہو گئے تو عبداللہ) ابن عباس نے آپ سے کہا کہ اے امیرالمومنین آپنے جہاں سے اپنا خطبہ چھوڑا تھا، کاش وہاں سے پھر بیان فرماتے تو ارشاد فرمایا، افسوس ۔ ابن عباس یہ اونٹ کا ہیجان تھا جو جوش میں اٹھا اور پھر فرو ہو گیا ۔ ابن عباس کہتے ہیں کہ خدا کی قسم مجھ کو کبھی کسی کلام پر اتنا افسوس نہیں ہوا، جتنا اس کلام پر ہوا کہ امیرالمومنین نے اپنے کلام کو وہاں تک کیوں نہ پہنچایا جہاں تک مقصود تھا ۔

اِس خطبے میں بہت سے اہم امور مضمر ہیں، جتنا انسان اس خطبہ پر غور کرتا ہے اُس سے رازہائے سربستہ کھلتے جاتے ہیں جناب امیر نے بہت سے حالات کے نقشے اس میں کھینچے ہیں ایک ان میں سے یہ ہے کہ آپنے کن حالات کے اندر بیعت لینی منظور کی اور لوگوں کو آپ سے بیعت کرنے کا کتنا شوق تھا، آپنے کسی مبالغے سے کام نہیں لیا ہے ۔ یہ تاریخی واقعہ ہے اور تاریخ کی کتابوں میں درج ہے ۔

علامہ ابن اثیر جزری اپنی تاریخ الکامل میں لکھتے ہیں ۔

فغشي الناس عليا فقالوا نبايعك	پس سب نے جناب امیر کو گھیر لیا اور کہا کہ ہم آپ ہی کی بیعت کریں گے
فقد ترى ما نزل بالاسلام و	آپ دیکھ رہے ہیں جو مصیبت ہم پر اور اسلام پر پڑی ہے آپ نے فرمایا ہم کو چھوڑ دو
ما ابتلينا به من بين القرى	و سب کو تلاش کرو کیونکہ مجھ کو ایسے آگے

فقال علی دعونی والتمسو غیری	آنے والے امور نظر آتے ہیں جن کے بہت سے رخ
فانا مستقبلون امراله وجوه و	اور بہت سے رنگ ہیں کہ نہ کوئی دل ان کا متحمل
له الوان لا تقوم به القلوب	ہوسکتا ہے اور نہ عقلیں ان میں سلیم رہ سکتی ہیں
ولا تثبت علیه العقول فقالوا	سب نے کہا کہ ہم آپ کو خدا کی قسم دیتے ہیں، کیا آپ
ننشدك الله الا ترى ما	اس آفت کو نہیں دیکھتے جس میں ہم مبتلا ہیں
نحن فیه الا ترى الاسلام الا	کیا آپ کو اسلام پر رحم نہیں آتا کیا آپ اس فتنہ عظیم
ترى الفتنة الا تخاف الله فقا	کا خیال نہیں کرتے، کیا خدا سے نہیں ڈرتے، تب جناب
قد اجبتكم واعلموا انى ان	امیر نے فرمایا اچھا میں قبول کر لیتا ہوں لیکن یہ سمجھ
اجبتكم ركبت بكم ما اعلم و	رکھو کہ میں اس کو قبول کرکے اپنے علم کے مطابق کام
ان تركتمونى فانما انا كاحدكم	کروں گا اور اگر مجھ کو چھوڑ دو گے تو میں بھی مثل تمہارے
الا انى من اسمعكم واطوعكم	ہوں گا جسکو تم خلیفہ بناؤ گے میں اس کا سب سے زیادہ
لمن ولیتموه - ابن الاثیر جزری	اطاعت کروں گا۔

تاریخ الکامل - الجزء الثالث - ص ۷۵

حسین دیار بکری :- تاریخ الخمیس الجزء الثانی ص ۳۰۸ -

مورخ طبری لکھتا ہے۔

فاختلفوا الیه بعد ما قتل	لوگ برابر قتل عثمان کے بعد حضرت علی کو
عثمان رضی الله عنه مرارا ثم	آن کر گھیرا کرتے تھے۔ پھر سب اکٹھے ہو کر
اتوه فی آخر ذلك فقالوا له انه	آخری مرتبہ آئے تو کہا کہ بغیر خلافت کے لوگوں
لا یصلح الناس الا بامرة و	کی حالت درست نہیں رہ سکتی اور اب بہت
قد طال الامر فقال لهم انكم	دیر ہو گئی ہے پس حضرت علی نے فرمایا کہ تم لوگ
قد اختلفتم الیّ واتیتم وانی	بار بار میرے پاس آتے رہے، اب میں ایک بات
قائل لكم قولا ان قبلتموه قبلت	کہتا ہوں اگر تم نے مان لی تو میں خلافت قبول
امركم والا فلا حاجة لی فیه	کروں گا ورنہ مجھے ضرورت نہیں۔

قالوا ما قلت من شی فقبلناہ	لوگوں نے کہا کہ آپ جو بھی فرمائیں گے ہم مان
انشاء اللہ فجاء فصعد المنبر	لیں گے۔ پس حضرت منبر پر تشریف لیگئے اور
فاجتمع الناس الیہ فقال	لوگوں نے آپ کو گھیر لیا پھر حضرت نے فرمایا کہ لوگو!
انی قد کنت کارھا لامرکم	میں تمہاری خلافت و حکومت سے متنفر تھا مگر تم لوگ
فابیتم الا ان اکون علیکم	نہ مانے۔ اب میں حاکم ہو کر تم سے زیادہ کوئی حق نہیں حاصل
الا وانہ لیس لی امر دونکم	کرونگا سوائے اسکے کہ بیت المال کی کنجیاں تو میرے
الا ان مفاتیح مالکم معی الا و	پاس رہیں گی اور اس میں سے ایک درہم بھی تم لوگوں کے
انہ لیس لی ان اخذ منہ درھما	حصے سے زیادہ نہ لونگا، نہ تم میں سے ایک کو دوسرے پر
دونکم رضیتم قالوا نعم قال	ترجیح دونگا پس کیا تم لوگ اس کو پسند کرتے ہو سب نے
اللھم اشھد علیھم ثم بایعھم	کہا کہ ہاں۔ تب علی نے فرمایا خدا وندا گواہ رہنا۔
علیٰ ذالک۔ محمد بن جریر الطبری تاریخ	پھر لوگوں سے ان ہی شرائط پر بیعت لی۔

(تاریخ الامم والملوک جز ۵ ص ۱۵۲)

حضرت علیؑ نے بہت پس و پیش کے بعد خلافت کو قبول کرنا اس شرط پر منظور کیا کہ لوگ آپ کی شرائط کو مان لیں اس سے ان شرائط کی اہمیت معلوم ہوتی ہے جو آپ منوانا چاہتے تھے۔ وہ کیا شرائط تھیں۔ صرف یہ کہ میں تم سب کے ساتھ یکساں سلوک کروں گا، ایک کو دوسرے پر ترجیح نہ دوں گا، اور خود بھی اپنے لئے کوئی ترجیح پسند نہ کروں گا، اس سے دو اور دو چار کی طرح ثابت ہو گیا۔ کہ آپ سے پہلے کے خلفاء کی حکومت میں کیا حالت تھی، اور لوگ کس قسم کے ترجیحی سلوک کے عادی ہو چکے تھے، مساوات نہیں رہی تھی، جو لوگ خلیفہ کے منہ چڑھے ہوئے تھے اور صاحب رسوخ تھے، ان کے ساتھ ترجیحی سلوک کیا جاتا تھا، جب ہی تو حضرت علی کو یہ شرط لینے کی ضرورت محسوس ہوئی کہ تم کو اپنی پرانی عادت چھوڑنی ہوگی، جب انہوں نے مان لیا تو آپ نے اس پر خدا کو گواہ کیا کیونکہ آپ جانتے تھے کہ یہ لوگ اپنے اس وعدہ پر قائم نہیں رہیں گے۔ بعد کے آنے والے واقعات نے بتایا کہ واقعی لوگ اپنے وعدہ پر قائم نہ رہے۔

علامہ ابن حجر مکی اپنی کتاب صواعق محرقہ میں لکھتے ہیں:-

واخرج الحاکم وصححہ عن قیس	روایت کرد حاکم وصحیح نمود آں را از قیس
بن عبادہ قال سمعت علیاً	ابن عبادہ کہ گفت در روز جمل از علی شنیدم
یوم الجمل یقول اللّٰہم انی ابراء	کہ گفت بار خدایا من بری ام و پاک ام
الیک من دم عثمان......	از خون عثمان............
وجاؤنی للبیعۃ فقلت واللہ انی	وچوں جہت بیعت نزد من آمدند گفتم
لاستحی ان ابائع قوماً قتلوا	بار خدایا بدرستے کہ من شرم دارم
عثمان وانی لاستحی من اللہ	از آں کہ بیعت اخذ کنم از قومے کہ
ان ابائع وعثمان لم یدفن	عثمان را کشتہ اند وشرم می دارم از
بعد فانصرفوا فلما رجع الناس	خدا کہ با من بیعت کنند وحال آنکہ ہنوز
فسئالونی البیعۃ قلت اللہم انی	عثمان مدفون نشدہ وچوں عثمان را
مشفق مما اقدم علیہ ثم	دفن کردند ومراجعت نمودند باز آمدند
جاءت عزیمۃ فبایعت۔	طلب بیعت کردند۔
ابن حجر مکی: صواعق محرقہ۔ باب السابع	کمال الدین بن فخر الدین، براہین قاطعہ

دیکھا آپ نے۔ جناب امیر علیہ السلام نے بیعت لینے میں کتنی تاخیر کی، اور لوگوں کو سوچنے اور غور کرنے کا کتنا وقت دیا۔ تاکہ نکث بیعت کے لئے کوئی حجت نہ باقی رہے اور وہ لوگ یہ نہ کہہ سکیں کہ ہم نے تو جلدی میں بغیر سوچے سمجھے بیعت کرلی، آپ کے اخذ بیعت میں وقار، متانت علو ہمت ورفعت خیالات پائی جاتی ہے لوگ بیعت کرنے کے لئے آپ پر ٹوٹے پڑتے ہیں اور آپ ہاتھ کھینچ لیتے ہیں کہتے ہیں نہیں مجھے تمہاری بیعت کی ضرورت نہیں۔ بہت اصرار کے بعد بیعت لی۔

غرضکہ اس ساری بحث سے امور مندرجۂ ذیل بہت اچھی طرح ثابت ہوگئے۔

(۱) حضرت علی کے حق میں جو احادیث فضائل منقول از رسول خدا ہیں وہ سب درست ہیں کیونکہ شروع ہی سے ان کی بنا پر استدلال ہونے لگا اور حضرت علیؑ نے

ان کو مقام احتجاج پر پیش کیا۔

(۲) حکام سقیفۂ بنی ساعدہ کے حق میں جواب احادیث بیان کی جاتی ہیں وہ بعد کی پیدائش ہیں، اگر اُس زمانہ میں ان کا وجود ہوتا تو ضرور معرض بحث میں آتیں، اور پھر حضرت علی کے منہ سے کیونکر نکلتا کہ میں بقول رسول دروازۂ شہر علم نبی ہوں جب کہ وہ دیکھتے کہ اس ہی رسول کے قول کے بموجب اس شہر کی دیواریں وچھت بھی موجود ہیں وہ کیونکر کہہ سکتے تھے کہ ہدایت تم کو صرف اہل بیت رسولؐ ہی کے گھرانے سے مل سکتی ہے جب کہ ان کو یہ بھی علم ہوتا کہ جناب رسول خداؐ نے فرمایا ہے کہ جس صحابی سے چاہو ہدایت حاصل کر سکتے ہو۔ اور ہم تو کہتے ہیں کہ جناب رسولِ خدا ایسی متضاد باتیں کیوں کہتے۔

(۳) جناب علی مرتضیٰ کا دعویٰ تھا کہ جناب رسول خدا نے ان کو اپنا خلیفہ بلا فصل مقرر فرما دیا تھا۔

(۴) اپنے سے پہلے کے خلفاء کو وہ ناحق پر سمجھتے تھے، اور دعوے کرتے تھے کہ انہوں نے آپ کا حق لے لیا ہے اور ایسی اہم ذمہ داری اٹھائی ہے کہ جس کے وہ اہل نہ تھے۔

(۵) حضرت علی اپنے سے پہلے خلفاء کی خلافت پر راضی نہ تھے۔

لہٰذا

سوادِ اعظم کا یہ ادعا کہ حضرت علی اپنے سے پہلے حکام کو برحق وجائز خلیفہ رسول سمجھتے تھے اور ان کی خلافت سے راضی تھے غلط ثابت ہوا۔

باب پنجدہم

کارروائی سقیفہ بنی ساعدہ کے مُضر نتائج و عواقب اور حکامِ سقیفہ کی ترمیم شدہ اسلام کی پریشاں حالی

ہمارا دعویٰ ہے کہ اصلی دین الٰہیہ اسلام کا بالکل مسخ ہو جانا کارروائی سقیفہ بنی ساعدہ کا براہ راست نتیجہ تھا، اور یہ ہی سبب تھا مسلمانوں کی موجودہ ذلت و نکبت و پراگندگی کا، اس دعوے کو دو اور دو چار کی طرح ثابت کرنا ہمارا فرض اولین ہے۔

جس طرح مسلمانوں کی دنیاوی دولت کی فراوانی کی پیشین گوئی آنحضرتؐ کی تصدیق نبوت کے لئے معجزہ تھی اسی طرح ان کا صراطِ مستقیم کو چھوڑ کر قعر مذلت و نکبت میں گرنا آنحضرتؐ کی تصدیق نبوت کے لئے ایک دلیل ہے، کیونکہ آپ نے پہلے ہی فرما دیا تھا کہ دیکھو میری عترت کو نہ چھوڑنا اور نہ ان پر سبقت کرنا ورنہ گمراہ ہو جاؤ گے، مگر سقیفہ بنی ساعدہ میں امت نے عترتِ رسول کو چھوڑ دیا۔ اور ان پر سبقت کی، اس کا جو نتیجہ ہونا تھا سو ہوا۔ اور جناب رسول خدا کی پیشین گوئی سچی ہوئی، ان مسلمانوں کے لئے جو جناب رسولِ خدا کو سچا رسول مانتے ہیں۔ اتنی ہی بحث کافی ہے مگر آج کل لوگوں کی تسلی بغیر دلیل اور منطق کے نہیں ہوتی۔ علاوہ اسکے مورخ کا بھی فرض ہے کہ واقعات کے اسباب و عواقب بیان کرے، اور ان کو دلائل صحیحہ سے ثابت کرے، سقیفہ بنی ساعدہ کا اجتماع ایک نہایت اہم تاریخی واقعہ تھا، اس کے اسباب و علل پر ہم غور کر چکے ہیں، اب اس کے نتائج پر نظر

ڈالتے ہیں، کچھ پہلی کہی ہوئی باتوں کا اختصار کے ساتھ دوہرایا جانا ضروری ہے۔ ناظرین معاف کریں

یہ امر واقعہ کہ کارروائی سقیفہ بنی ساعدہ نہایت خطرناک معیوب، مضر اور بُرا فعل تھا، اور حضرت ابوبکر کی بیعت ایک ناگہانی آفت تھی جو خود حضرت عمر کے اقبال سے ثابت ہے، دیکھو صفحات ۲۷۹ تا ۴۴۰ کتاب ہذا، وہ ایسا بُرا فعل تھا کہ اگر کوئی اس کو دوبارہ کرتا تو وہ بھی اور جس کو وہ خلیفہ مقرر کرتا وہ بھی گردن زدنی ہوتے۔ لہٰذا ہم کہیں کہ سقیفہ بنی ساعدہ کے نتائج و عواقب اسلام کے لئے بُری ہوئے تو بالکل ایک امر واقعہ ہوگا۔ کیونکہ ظاہر ہے کہ بُرے کام کے بُری ہی نتیجے ہوا کرتے ہیں۔

جب کارکنانِ سقیفہ بنی ساعدہ کو ایک فوری کامیابی حاصل ہوگئی تو قدرتاً اُن کی توجہ اسکے استقلال و استحکام کی طرف گئی۔ اس مقصد کے حاصل کرنے کے لئے انہوں نے بہت سی ترکیبیں اور تجویزیں کیں جن کا ذکر ہم باب سیزدہم میں کر چکے ہیں۔ مذہب کے دو ارکان ہوتے ہیں۔ اعتقاد اور عمل، اور ان ترکیبوں و تجویزوں نے دونوں پر اپنا اثر ڈال کر اسلام کو متغیر کر دیا، وہ تغیر ایسا تھا جو تنسیخ کے ہی مرادف ہو گیا، ہم بتاتے ہیں کہ یہ کس طرح ہوا، اور اعتقاد و عمل پر کارروائی سقیفہ نے کس طرح اثر ڈالا۔

سقیفہ سازی کا اثر اعتقاد پر

کارکنان سقیفہ سازی اپنے فعل کو لوگوں کے سامنے حق بجانب ظاہر کرنے کے لئے مجبور تھے، کہ مندرجۂ ذیل دو اصول موضوعہ قائم کریں۔ چنانچہ وہ دونوں اُنہوں نے قائم کر لئے۔

(۱) جناب رسولخداؐ نے کسی کو اپنا جانشین مقرر نہیں کیا۔

(۲) اور اگر جناب رسولخداؐ نے حضرت علی کو اپنا جانشین مقرر کر دیا تھا۔ تو آنحضرتؐ کا وہ حکم امورِ دین کے متعلق نہ تھا امورِ حکومت کے متعلق تھا۔ حکومت

آنحضرتؐ کی دائرۂ نبوت میں شامل نہیں تھی، لہٰذا اس حکم کی اطاعت نہ کرنے سے ہم دائرۂ اسلام سے خارج نہیں ہوتے ۔

باب اول البلاغ المبین میں ہم نے ثابت کیا ہے کہ جماعتِ حامیان سقیفہ نے یہ اصول موضوعہ ۱ قائم کر کے امتِ اسلامیہ میں پھیلا دیا۔ اب ہم ثابت کرتے ہیں کہ اصول موضوعہ ۲ بھی کارکنان سقیفہ ہی کی ایجاد ہے، اور اس کی بھی غرض وغایت یہی ہے ہم یہ بھی ثابت کریں گے کہ انہوں نے محض حکومت ہی کو دائرہ نبوت سے نہیں نکالا۔ بلکہ رفتہ رفتہ نماز و حج کو بھی دائرۂ نبوت سے نکال کر اس کو بہت کوتاہ کرنے کی کوشش کی ہے، مدعا یہ تھا کہ ہماری سرداری دین پر ایسی ہی مکمل ہو جائے جیسی کہ وہ حکومت پر ہو گئی ہے، اس اصول موضوعہ پر ہم اس کتاب کے صفحات ۹۷۸ لغایت صفحہ ۹۹۴ پر بحث کر چکے ہیں اس جگہ ہم ظاہر کریں گے کہ دائرۂ نبوت کو کس طرح بتدریج کوتاہ کیا گیا ہے اور اس کا اثر اسلام پر کیسا پڑا۔

اس کتاب کے ص ۹۸۱ پر ہم نے مولوی شبلی کی عبارت نقل کی ہے مگر ہمارے مہربان کاتب نے اس کو اتنا غلط نقل کیا ہے کہ وہ عبارت بے معنی ہو گئی۔ اب یہاں اُسے دوبارہ نقل کرنے کی ضرورت پڑی، مولوی شبلی صاحب فرماتے ہیں :-

"نبوت کی حقیقت کی نسبت عموماً لوگ غلطی کرتے آئے ہیں اور اسلام کے زمانہ میں بھی یہ سلسلہ بند نہیں ہوا۔ اکثروں کا خیال ہے کہ نبی کا ہر قول و فعل خدا کی طرف سے ہوتا ہے، بعضوں نے زیادہ ہمت کی تو صرف معاشرت کی باتوں کو مستثنیٰ کیا، مگر حقیقت یہ ہے کہ نبی جو حکم منصب نبوت کی حیثیت سے دیتا ہے وہ بے شبہ خدا کی طرف سے ہوتا ہے باقی امور وقتاً ورضرورت کے لحاظ سے ہوتے ہیں تشریعی و مذہبی نہیں ہوتے۔ اس مسئلہ کو جس قدر حضرت عمر نے صاف اور واضح کر دیا کسی نے نہیں کیا، خراج کی تشخیص جزیہ کی تعیین، ام ولد کی خرید و فروخت وغیرہ وغیرہ مسائل کے متعلق امام شافعی نے اپنی کتابوں میں نہایت ادعا کے ساتھ احادیث سے

استدلال کیا ہے اور ان مسائل میں جہاں حضرت عمر کا طریق عمل مختلف ہے
بڑی دلیری سے ان پر قدح کی ہے، مگر امام شافعی نے یہ نکتہ نظر انداز کیا کہ
یہ امور منصب بنوت سے تعلق نہیں رکھتے۔

الفاروق حصہ دوئم ص ۲۰۸ و ۲۰۹

آگے چل کر اس ہی مبحث پر مولوی شبلی فرماتے ہیں :۔

سب سے پہلا مرحلہ یہ تھا کہ آنحضرت ؐ سے جو اقوال و افعال منقول ہیں
وکلیتہً مسائل کا ماخذ ہو سکتے ہیں یا ان میں کوئی تفریق ہے۔ شاہ
ولی اللہ صاحب نے اس بحث پر حجت اللہ البالغہ میں ایک نہایت مفید
مضمون لکھا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ آنحضرت سے جو افعال اور اقوال
مروی ہیں ان کی دو قسمیں ہیں۔ ایک وہ جو منصب بنوت سے تعلق
رکھتے ہیں ان کی نسبت خدا کا ارشاد ہے کہ مآاتاکم الرّسول
فخذوہ ومانھاکم عنہ فانتھوا یعنی پیغمبر جو چیز تم کو دے
وہ لے لو اور جس چیز سے روکے اس سے باز رہو، دوسرے وہ جن کو
رسالت سے تعلق نہیں ...... شاہ ولی اللہ صاحب نے احادیث کے
مراتب میں جو فرق بتایا اور جس سے کوئی صاحب نظر انکار نہیں کر سکتا۔
اس تفریق کے موجد در اصل حضرت عمر ہیں .... اسی فرق مراتب
کے اصول پر بہت سی باتوں میں جو مذہب سے تعلق نہیں رکھتی تھیں۔
(حضرت عمر نے) اپنی رایوں پر عمل کیا، مثلاً حضرت ابو بکر کے زمانہ تک
امہات اولاد یعنی وہ لونڈیاں جن سے اولاد پیدا ہو جائے برابر خریدی
اور بیچی جاتی تھیں۔ حضرت عمر نے اس کو بالکل روک دیا، آنحضرت
نے جنگ تبوک میں جزیہ کی تعداد فی کس ایک دینار مقرر کی تھی حضرت
عمر نے مختلف ملکوں میں مختلف شرحیں مقرر کیں، آنحضرت ؐ کے عہد
میں شراب کی کوئی خاص حد مقرر نہ تھی، حضرت عمر نے اسی کوڑے مقرر

مقرر کئے، یہ ظاہر ہے کہ ان معاملات میں آنحضرت کے اقوال و افعال اگر تشریعی حیثیت سے ہوتے تو حضرت عمر کی کیا مجال تھی کہ ان میں کمی بیشی کر سکتے۔

الفاروق حصۂ دوم ص ۲۳۶ لغایت ۲۳۸

الفاروق حصۂ دوم کے صفحہ ۲۳۷ پر عبداللہ بن ابی کی نماز جنازہ، قیدیان بدر، اور صلح حدیبیہ کے معاملوں میں حضرت عمر کی مداخلت اور نکتہ چینی کا ذکر کر کے مولوی شبلی اس طرح گوہر فشاں ہیں۔

ان تمام مثالوں سے تم خود اندازہ کر سکتے ہو کہ حضرت عمر ان باتوں کو منصب نبوت سے الگ سمجھتے تھے ورنہ اگر باوجود اس امر کے علم کے کہ وہ باتیں منصب رسالت سے تعلق رکھتی تھیں ان میں دخل دیتے تو بزرگ ماننا درکنار ہم ان کو اسلام کے دائرہ سے بھی باہر سمجھتے۔

خدا کا شکر ہے ایک گر تو قائم کیا خدا کرے کہ اس پر قائم رہیں، اقتباسات مندرجہ بالا سے قطعی طور پر ثابت ہوا کہ نبوت کا تجزیہ اور آنحضرتؐ کے احکام کی تفریق یا تقسیم حضرت عمر کی ایجاد ہے، بحث کا راستہ بہت صاف ہو جاتا اگر حضرت عمر یا مولوی شبلی یہ بھی تصریح فرما دیتے کہ جناب ختم المرسلینؐ کی نبوت میں کیا کیا امور شامل ہیں ہاں ایسے امور تو بہت بتائے ہیں جو آنحضرتؐ کے عہدۂ نبوت میں نہیں آتے یہ آسان تھا جن جن امور میں حضرت عمر مداخلت کرتے گئے وہ امور دائرہ نبوت سے باہر آتے گئے، حضرت عمر کا وہ مکالمہ جو ہم نے اس کتاب کے صفحات ۹۱۹، ۹۲۰ پر نقل کیا ہے اس میں حضرت عمر تسلیم کرتے ہیں کہ مرض الموت میں جناب رسولخداؐ علی کے حق میں جانشینی کی وصیت لکھنا چاہتے تھے۔ مگر میں نے اسلام کی ہمدردی کی وجہ سے نہ لکھنے دی، وہ مکالمہ بھی ملاحظہ ہو جو اس کتاب کے صفحہ ۹۲۰ و ۹۲۱ پر نقل ہے، جناب رسولخدا نے چاہا کہ علیؑ ان کے جانشین ہوں، خدا نے چاہا کہ علی جانشین رسول نہ ہوں، وہ ہوا جو خدا نے چاہا تھا۔ اگر تقرر ہادی یا جانشینِ رسول نبوت کے دائرہ کے اندر منصوص من اللہ ہوتا تو نہ حضرت عمر

مداخلت کرتے اور نہ خدا و رسول خدا کے درمیان یہ اختلاف رائے یا اختلاف خواہش ہوتا، ان عبارات سے معلوم ہوا کہ امور معاشرت، خراج جزیہ، ام ولد کی خرید و فروخت، جانشینیٔ رسول، نماز جنازہ، قیدیان جنگ کے متعلق احکام صادر کرنا، گناہان کی حد مقرر کرنا، صلح و جنگ کا فیصلہ کرنا یہ سب امور آنحضرتؐ کی دائرہ نبوت سے باہر تھے، اب ذرا ہم اور آگے چلتے ہیں۔ مولوی شبلی فرماتے ہیں:-

اِس تفریق اور امتیاز کی وجہ سے فقہ کے مسائل پر بہت اثر پڑا کیونکہ جن چیزوں میں آنحضرتؐ کے ارشادات منصب رسالت کی حیثیت سے نہ تھے ان میں اس بات کا موقعہ باقی رہا کہ زمانے اور حالات موجودہ کے لحاظ سے نئے قوانین وضع کئے جائیں، چنانچہ معاملات میں حضرت عمر نے زمانہ اور حالات کی ضرورتوں سے بہت سے نئے نئے قاعدے وضع کئے، جو آج حنفی فقہ میں بکثرت موجود ہیں۔

الفاروق حصۂ دوئم ص ۲۳۸

نبوت کے تجزیے کے بعد اب فقہ اسلامی کی بھی تفریق ہوتی ہے۔ فقہ اسلام کو دو اقسام پر منقسم کیا، ایک وہ جو منصب نبوت والے احکام سے مرتب ہوا ہے اور دوسرا وہ جو آنحضرتؐ کے ان احکام سے مرتب ہوا ہے جو منصب نبوت میں داخل نہ تھے، اس مؤخر الذکر قسم کے فقہ میں حضرت عمر کی دستبرد جائز تھی، اس کی مثال بعینہٖ ہندوستان کے موجودہ ضابطۂ دیوانی کی ہوئی جس کا نہایت قلیل حصّہ، کل کے بیسویں حصّے سے بھی کم مستقل دفعات پر مشتمل ہے۔ ان کے تغیر و تبدل کا حق کسی کو حاصل نہیں، باقی حصّہ قواعد کا ہے، اس میں ہائی کورٹ ایک رول کمیٹی بنا کر تغیر و تبدل کر سکتی ہے۔ مگر آگے چلئے، یہ تفریق بھی قائم نہیں رہے گی۔ مولوی شبلی فرماتے ہیں:-

حضرت عمر مسائل شریعت کی نسبت ہمیشہ مصالح اور وجوہ پر غور کرتے

تھے، اور اگر ان کے خیال میں کوئی مسئلہ خلاف عقل ہوتا تھا تو رسول اللہ سے دریافت کرتے تھے (مولوی شبلی نے فقرہ نرم کر دیا، دریافت نہیں کرتے تھے بلکہ اعتراض کرتے تھے) سفر میں جو قصر نماز کا حکم دیا گیا تھا وہ اس بناء پر تھا کہ ابتدائی اسلام میں راستہ محفوظ نہ تھے، اور کافروں کی طرف سے ہمیشہ خوف کا سامنا رہتا تھا، چنانچہ قرآن مجید میں خود اس کا اشارہ ہے۔ لیس علیکم جناح ان تقصروا من الصلوٰۃ و ان خفتم ان یفتنکم الذین کفروا لیکن جب راستے راستے مامون ہو گئے، تب بھی قصر کا حکم باقی رہا، حضرت عمر کو اس پر استعجاب ہوا اور آنحضرت سے دریافت کیا کہ اب سفر میں کیوں قصر کیا جاتا ہے، آنحضرت ص نے فرمایا کہ یہ خدا کا انعام ہے۔

الفاروق حصہ دوئم ص ۲۱۰

مگر رفتہ رفتہ یہ تفریق بھی مٹ جاتی ہے، اور ساری شریعت اسلامی پر حضرت عمر کا تسلط ہو جاتا ہے، حج کے ارکان میں سے رمل ایک رکن اہم ہے۔ حضرت عمر نے اس کو غیر ضروری سمجھ کر بالکل ہی بند کرا دیا، ملاحظہ ہوں ص ۹۸۹ و ۹۹۰ کتاب ہذا۔ اب مولوی شبلی فرماتے ہیں،

"شریعت کے احکام کے متعلق بہت بڑا اصول جو حضرت عمر نے قائم کیا یہ تھا کہ شریعت کے تمام احکام مصالح عقلی پر مبنی ہیں۔

مذہبی احکام کے متعلق شروع سے دو خیال چلے آتے ہیں۔ ایک یہ کہ ان میں عقل کو دخل نہیں، دوسرا یہ کہ اس کے تمام احکام اصول عقل پر مبنی ہیں یہی دوسرا خیال علم اسرار الدین کی بنیاد ہے ......

مگر حضرت عمر اسی دوسرے اصول کے قائل تھے، اور وہ سب سے پہلے شخص ہیں جس نے علم اسرار الدین کی گویا بنیاد ڈالی۔

الفاروق حصہ دوم ص ۲۰۹، ۲۱۰۔

لیجئے سارا قصہ تمام ہوا یکمل مذہب اسلام پر حضرت عمر کا قبضہ ہو گیا. اب شریعت کا جو حکم حضرت عمر کی عقل کے مطابق ہوگا وہ تو قائم رہے گا باقی سب بدل دیا جائے گا، جناب رسولخدا کی جگہ تو انہوں نے لی جس شریعت کو وہ چاہیں گے قایم رکھیں گے جس کو چاہیں گے بدل دیں گے، مگر معاملہ یہیں ختم نہیں ہوتا۔ جناب رسولخدا سے بھی ایک درجہ آگے نکلتے ہیں. جناب رسول خدا کی شریعت کو چھوڑ کر ایک اور شریعت قائم کی جاتی ہے، اس کا نام اسرار الدین ہے۔ مولوی شبلی کی شہادت ملاحظہ ہو، حضرت عمر پہلے شخص ہیں جنھوں نے علم اسرار الدین ایجاد کیا اس میں صرف وہی اصول و قواعد ہوں گے. جو مطابق عقل کے ہوں گے جناب رسولخدا کی شریعت میں تو بہت سے ایسے احکام تھے جو مطابق عقل نہ تھے، زمانہ کی رفتار کے ساتھ مذہب کو قائم نہیں رکھ سکتے تھے۔ شریعت اسرار الدین ایسی ہوگی کہ اسکے تمام اصول و قواعد مطابق عقل کے ہوں گے کوئی یہ نہ سمجھے کہ حضرت عمر نے محض زبان ہی سے کہہ دیا ہوگا، بھلا وہ شریعت محمدی کو کیوں بدلنے لگے تھے۔ پھر ہم مولوی شبلی کو شہادت میں پیش کرتے ہیں۔

"حضرت عمر نے فقہ کے مسائل اس کثرت سے بیان کئے ہیں کہ ایک مستقل رسالہ طیار ہو سکتا ہے، ان تمام مسائل میں یہ خصوصیت صاف نظر آتی ہے کہ وہ مصالح عقل کے موافق ہیں"۔

الفاروق حصہ دوئم ص ۲۱۱

حضرت عمر کے اسرار الدین کی ایک ضخیم کتاب بن سکتی ہے، کوئی یہ نہ سمجھے کہ یہ شریعتِ محمدی کے مطابق ہوں گے، نہیں ان میں ایک خصوصیت ہے"، اور وہ یہ کہ وہ مصالح عقل کے موافق ہیں اگر شریعت محمدی بھی موافق عقل کے ہوتی تو پھر یہ خصوصیت کہاں تھی، معلوم ہوا کہ یہ ایک مخصوص علیحدہ شے ہے۔ اور اگر شریعت محمدی مطابق عقل وزمانہ کے ہوتی تو پھر حضرت عمر کو فقہ کی ایسی خصوصیت

رکھنے والے مسائل اس کثرت سے بیان کرنے کی ضرورت ہی کیا ہوتی۔ یہ ایک فوقیت ہے حضرت عمر کو جناب رسول خدا کے اوپر، اور یہ حضرت عمر کا خاص احسان ہے اسلام کے اوپر کہ انہوں نے اسلام کے محدود، وقتی، فقہ کو اپنی خداداد عقل وذہانت و ہمہ گیر قیاس کی وجہ سے ایک عالم گیر مستقل اور مدامی فقہ میں تبدیل کر دیا، ہم ابھی اس پر بحث کرتے ہیں، ذرا مولوی شبلی کی گواہی ختم کر لیں، حضرت عمر کی مداخلت امورِ فقہ میں کس حد تک تھی، مولوی شبلی فرماتے ہیں :۔

"فقہ کا فن تمامتر حضرت عمر کا ساختہ پرداختہ ہے ..... فقہ کی توسیع اور تمام ضروریات کے لئے اس کا کافی ہونا قیاس پر موقوف ہے، یہ ظاہر ہے کہ قرآن مجید اور احادیث میں تمام جزئیات مذکور نہیں ہیں اس لئے ضرور ہے کہ ان جزئیات کے فیصلہ کرنے کے لئے قیاس شرعی سے کام لیا جائے اسی ضرورت سے ائمہ اربعہ یعنی امام ابوحنیفہ امام مالک، امام شافعی امام احمد حنبل سب قیاس کے قائل ہوئے ہیں اور ان کے مسائل کا ایک بڑا ماخذ قیاس ہے، مگر قیاس کی بنیاد اول جسنے ڈالی وہ حضرت عمر فاروق ہیں ..... حضرت ابوبکر کے زمانہ تک مسائل کے جواب میں قرآن مجید، حدیث، اور اجماع سے کام لیا جاتا تھا۔ قیاس کا وجود نہ تھا۔

الفاروق حصۂ دوم ص ۲۰۴۔

جناب رسولخدا کے مقرر کردہ فقہ پر قبضہ کرنے کے لئے حضرت عمر نے دو ہتھیار اختیار کئے تھے، یعنی عقل و قیاس، ان دونوں کی جولانی اتنی وسیع ہے کہ تمام فقہ کو بآسانی اپنے زیر نگین کر سکتے ہیں اصولِ فقہ مقرر کردہ رسولخدا تمام ضروریات کے لئے ناکافی تھے، ان کی وسعت اور ہمہ گیری اور ان کا تمام ضروریات کے لئے کافی ہونا محض قیاس پر مبنی ہے، آنحضرت کے زمانہ میں قیاس کا وجود نہ تھا۔ قیاس کی بنیاد ڈالنے والے حضرت عمر ہیں لہٰذا صریح نتیجہ نکلا کہ جناب رسول خدا کا مقرر کردہ فقہ بالکل ناکافی تھا اور ناکامیاب ہو جاتا اگر حضرت عمر اس کو اپنے قیاس سے وسیع و ہمہ گیر نہ بنا دیتے۔ حضرت

شبلی کہتے ہیں کہ قرآن مجید میں تمام جزئیات موجود نہیں ہیں اس وجہ سے قیاسات کی ضرورت ہوئی، اس موقعہ پر احادیث کا ذکر بھی کرتے ہیں لیکن وہ محض دکھاوے کی خاطر ابھی تو کہہ چکے ہیں کہ آنحضرت کے وہ ارشادات جو منصب رسالت کی حیثیت سے نہ تھے ان میں حالات موجودہ کے لئے نئے قوانین بنانے کا موقعہ باقی رہا، اس سے ظاہر ہے کہ آنحضرت ص کے ارشادات (احادیث) ان امور پر موجود تو تھے، مگر چونکہ وہ رفتار زمانہ کے ساتھ ساتھ چلنے کی قابلیت نہیں رکھتے تھے، لہذا اس تعزیق کی وجہ سے موقعہ باقی رہا کہ حضرت عمر اپنے قیاس سے اس نقص کو دور کردیں۔ ہاں قرآن مجید میں جزئیات موجود نہیں ہیں مثلاً ارکان نماز، نصاب زکوٰۃ، دیگر جزئیات، سوان کے لئے حضرت عمر کی عقل و قیاس کافی ہیں، دیکھئے کس خوبصورتی کے ساتھ قرآن مجید و حضرت عمر کے درمیان میں سے جناب رسولخدا کو نکال دیا، ہو نہ ہو یہ تو وہی حَسْبُنَا کتاب اللہ والا فلسفہ ہے۔ حضرت عمر کی زندگی کا یہ ہی اصول تھا، اس پر عمل بھی کرکے دکھا دیا۔ قرآن مجید اور حضرت عمر کا قیاس امت اسلامیہ کے لئے یہ ہی دونوں چیزیں کافی ہیں۔ رسول یا آل رسول کی ضرورت نہیں۔ مولوی شبلی صاحب کی رائے ہے کہ امور فقہ میں سب سے پہلے قیاس کرنے والے حضرت عمر ہیں لیکن علماء اسلام کہتے ہیں کہ اوّلُ مَن قَاسَ ابلیسؑ اگر خداوند تعالیٰ کا فرشتوں کو سجدۂ آدم کے لئے حکم دینا منصب الہیت میں داخل نہ تھا۔ بلکہ حکومت سے تعلق رکھتا تھا تو ابلیس کا قیاس تو امور حکومت میں ہوا۔ اور ورنہ امور شریعت میں قیاس کی اولیت کا سہرا جناب عمر ہی کے سر پر رہا۔ حضرت عمر کی امور شریعت میں مداخلت کی دو چار مثالیں ہم اور دے لیں تو پھر غور کریں گے کہ دائرۂ نبوت کے اندر کیا باقی رہا اور باہر کتنا آگیا۔ مولوی شبلی فرماتے ہیں:۔

> کتب سیر اور احادیث میں تم نے اکثر پڑھا ہوگا کہ بہت سے ایسے موقعے پیش آئے کہ جناب رسول اللہ ص نے کوئی کام کرنا چاہا یا کوئی بات ارشاد فرمائی تو حضرت عمر نے اس کے خلاف رائے

ظاہر کی مثلاً صحیح بخاری میں ہے کہ جب آنحضرتؐ نے عبداللہ بن ابی کے جنازہ پر نماز پڑھنی چاہی تو حضرت عمر نے کہا کہ آپ منافق کے جنازہ پر نماز پڑھتے ہیں، قیدیانِ بدر کے معاملہ میں ان کی رائے بالکل آنحضرتؐ کی تجویز سے الگ تھی۔ صلح حدیبیہ میں انہوں نے آنحضرت کی خدمت میں عرض کیا کہ اس طرح دب کر صلح کیوں کی جائے۔۔۔۔

حضرت عمر کو اس امتیاز مراتب کی جرأت اس وجہ سے ہوئی کہ آنحضرت کے متعدد احکام میں جب انہوں نے دخل دیا تو آنحضرتؐ نے اس پر ناپسندیدگی نہیں ظاہر کی۔ بلکہ متعدد معاملات میں حضرت عمرؓ کی رائے کو اختیار فرمایا اور بعض موقعوں پر تو خود وحی الٰہی نے حضرت عمر کی رائے کی تائید کی، قیدیان بدر، حجاب ازواج مطہرات، نماز جنازۂ منافق ان تمام معاملات میں وحی جو آئی وہ حضرت عمر کی رائے کے موافق آئی۔ (الفاروق حصہ دوم ص ۲۳۷، ۲۳۸)

غور سے اس عبارت کو پڑھیں، اول تو اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت عمر آنحضرت کے متعدد احکام میں دخل دیتے تھے۔ بہت سے ایسے مواقع پیش آئے کہ جناب رسولخداؐ نے کوئی کام کرنا چاہا یا کوئی بات ارشاد فرمائی تو حضرت عمر نے اُس کے خلاف رائے ظاہر کی، دوسری بات جو اس سے ظاہر ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ جب کبھی آنحضرتؐ و حضرت عمر میں اختلاف ہوتا تھا تو غلطی پر ہمیشہ جناب رسولخداؐ ہی ہوا کرتے تھے، کبھی تو وہ خود ہی اپنی غلطی معلوم کر کے حضرت عمر کی رائے کو اختیار کر لیتے تھے اور اگر کبھی آنحضرت اپنی رائے پر اصرار کرتے تھے اور حضرت عمر کی رائے نامنظور کرتے تھے تو بذریعہ وحی آپ کو تہدید ہو جاتی تھی اور اپنی غلطی اور حضرت عمر کی اصابت رائے سے متنبہ کئے جاتے تھے۔ اگر یہ جناب رسولخداؐ کی توہین نہیں ہے تو کیا ہے، اور کیا یہ حضرت عمر کو جناب رسول خدا پر ناجائز فوقیت دینا نہیں ہے۔ ایک اور بات بھی ملاحظہ کیجئے، اب رفتہ رفتہ وہ سارا امتیاز جاتا

رہا منصب نبوت کے اندر و باہر کا کچھ فرق نہیں رہا۔ یا یہ کہو کہ یہ سارے امور منصب نبوت سے باہر ہیں۔ اس پر ہم ابھی غور کریں گے۔ ذرا مولوی شبلی صاحب کا مزید بیان لے لیں آپ فرماتے ہیں :-

"اس سے زیادہ اصابت رائے کی کیا دلیل ہو گی کہ ان کی بہت سی رائیں مذہبی احکام بن گئیں اور آج تک قائم ہیں، نماز کے اعلان کے لئے جب ایک معین طریقہ کی تجویز پیش ہوئی تو لوگوں نے مختلف رائیں پیش کیں کسی نے ناقوس کا نام لیا، کسی نے نرسی کی رائے دی۔ حضرت عمرؓ نے کہا کہ ایک آدمی کیوں نہ مقرر کیا جائے جو نماز کی منادی کیا کرے۔ آنحضرتؐ نے اسی وقت بلال کو حکم دیا، کہ اذان دیں، چنانچہ یہ پہلا دن تھا کہ اذان کا طریقہ قائم ہوا۔

الفاروق حصۂ دوم۔ ص ۲۷۶۔

اس سے ہمیں غرض نہیں کہ اذان کے جاری ہونے کا سبب یہی تھا۔ جو بیان ہوا یا کوئی اور، بہر صورت مولوی شبلی تو اس کو صحیح مانتے ہیں، اذان تو امر شریعت ہے بلکہ شریعت کا جزو ہے، اسی طرح صلح حدیبیہ میں حضرت عمر نے اعتراض کیا تھا، فقرہ ملاحظہ ہو "ان کی بہت سی رائیں مذہبی احکام بن گئیں" مذہبی امور میں دخل دیا ہو گا جب ہی تو مذہبی احکام بن گئے۔ صحیح مسلم سے ایک اور واقعہ اس ہی قسم کا نقل کرتے ہیں، حضرت ابو ہریرہ کہتے ہیں کہ جناب رسولخداؐ نے اپنی دونوں جوتیاں دے کر ارشاد فرمایا کہ میری ان دونوں جوتیوں کو لے جاؤ، اور اس باغ کے پیچھے جس شخص کو بھی دیکھو کہ لا الہ الا اللہ کی گواہی زبان سے دیتا ہے، اور اس کا دل بھی اس بات کا یقین رکھتا ہے تو اس کو بہشت کی خوشخبری دے دو، میں وہ جوتیاں لئے ہوئے وہاں سے نکلا تو سب سے پہلے حضرت عمر کو دیکھا انہوں نے خود ہی مجھ سے پوچھا کہ اے ابو ہریرہ یہ دونوں جوتیاں کیسی ہیں؟ میں نے کہا کہ یہ دونوں جوتیاں جناب رسول خدا کی ہیں اور انہوں نے مجھے یہ

دے کر اس غرض سے بھیجا ہے کہ جس شخص سے ملوں اور دیکھوں کہ وہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کی گواہی زبان اور دلی یقین کے ساتھ دیتا ہے تو اس کو بہشت کی خوشخبری دیدوں۔ یہ سننا تھا کہ حضرت عمر نے میری چھاتی پر اس زور سے گھونسا مارا کہ میں گرتے گرتے بچا اور کہا کہ ای ابوہریرہ واپس ان ہی کے پاس چلے جاؤ جنھوں نے تم کو بھیجا ہے۔ میں واپس آیا اور چیخ چیخ کر رونے لگا، حضرت عمر بھی میرے پیچھے لپکے ہوئے آئے آنحضرت صلعم نے مجھ سے پوچھا کہ کیا واقعہ ہے میں نے عرض کی کہ میں آپ کا پیغام لے کر چلا تو راستہ میں عمر ملے اور میں نے آپ کا پیغام ان کو پہنچایا، انہوں نے تو یہ سنتے ہی میرے سینے میں زور سے گھونسا مارا کہ میں گرتے گرتے بچا اور مجھے واپس کر دیا۔ آنحضرت نے فرمایا اے عمر تم نے ایسا کیوں کیا، انہوں نے جواب دیا کہ اے رسول خدا بِاَبِیْ اَنْتَ وَاُمِّیْ کیا آپ نے واقعی ابوہریرہ کو اپنی جوتیوں کے ساتھ یہ پیغام دیکر بھیجا تھا کہ جو شخص ایک خدا کی گواہی دے اور اس کا دل بھی یقین رکھتا ہو تو اس کو بہشت کی خوشخبری دیدیں، آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ ہاں اس پر حضرت عمر نے آنحضرت صلعم سے کہا کہ آپ ایسا نہ کیجئے، کیونکہ میں ڈرتا ہوں کہ لوگ اس بات پر بھروسہ کرلیں گے ان کو چھوڑ دیجئے کہ کلمۂ شہادت پڑھنے کے بعد اچھے عمل بھی کریں پس آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ اچھا ان کو چھوڑ دو۔

صحیح مسلم مطبوعہ مصر الجزء الاول۔ کتاب الایمان ص ۴۴، ۴۵۔

اس روایت کی صحت کے تو ہم ذمہ دار نہیں، لیکن ہم اپنی بحث کو اس کی بناء پر قائم کرسکتے ہیں کیونکہ جماعتِ اہل حکومت کی صحاح ستہ میں پائی جاتی ہے، بہرصورت کسی رسولؐ کی توہین اس کے امتی کے ہاتھ سے اس سے زیادہ اور کیا ہوسکتی ہے۔ نعلین مبارک کے ساتھ کرنے کا یہ ہی مقصد تھا کہ قاصد و پیغام کی تصدیق ہو جائے، حضرت عمر نے یہ ہی نہیں کہ اس کو نرمی کے ساتھ اپنے ہمراہ واپس لے آتے بلکہ اس کے سینہ پر گھونسا مار کر عدل فاروقی کی نظیر قائم کی، بھلا اس بیچارے کا اس سے زیادہ کیا قصور تھا، کہ اس نے جناب رسول خدا کے حکم کی تعمیل کی تھی، یہ حکم تو براہ راست عہدۂ نبوت سے تعلق

رکھتا تھا، اور دائرۂ رسالت کے اندر تھا، کیا ایسے احکام جناب رسول خدا بغیر وحی کے صادر فرمایا کرتے تھے، اور اللہ میاں کی جنت کو بغیر اس کی مرضی ہی کے لوگوں میں بانٹ دیتے تھے، ضرور خداوند تعالٰے نے فرمایا ہوگا کہ کلمۂ طیّبہ کی یہ عظمت ہمارے نزدیک ہے کہ ہم اس کے کہنے اور یقین و عمل کرنے والوں کو جنت دونگا۔ مگر جو اس میں خرابی تھی وہاں تک خدا اور رسول دونوں میں سے کسی کا خیال نہ گیا، حضرت عمر کا کیا کہنا ہے فوراً انہوں نے اصلی خرابی کو دیکھ کر منع فرمایا اور رسول خدا کو ہدایت کی کہ اپنا حکم واپس لیں، رسول خدا کی مجبوری بھی ملاحظہ ہو، کس مجبوری سے فرماتے ہیں کہ اچھا جانے دو۔ پھر بھی خیر ہوگئی، کہ سب سے پہلے حضرت عمر ہی مل گئے، اگر دس بارہ آدمیوں کے پاس یہ پیغام پہنچنے کے بعد حضرت عمر ملتے تو بڑی پیچیدگیاں پیدا ہوتیں، لیکن حضرت عمر نے اس میں خرابی کیا دیکھی، معلوم ہوتا ہے کہ خلافت کے امور کے علاوہ باقی امور پر حضرت عمر سطحی نظر ہی ڈالا کرتے تھے، اس میں ایک شرط تھی کہ لا الٰہ الا اللہ کا عین الیقین ہوگا، اس شرط کے پورا ہونے سے جنت کے حصول کی ساری شرطیں پوری ہوجاتی ہیں، صرف خدا ہی کو اپنا مالک و آقا و خدا سمجھنے کا یہ مطلب ہے کہ سوائے اس کے کسی اور کی عبادت نہ کریں گے، صرف اس سے ہی دنیا و آخرت کی مدد چاہیں گے، اپنی امیدوں اور خواہشوں کے پورا کرنے کے لئے صرف خداوند تعالٰے ہی سے مدد کے طالب ہوں گے، خرابی تو یہی ہے کہ آج کل لوگ زبان سے خداوند تعالٰے کو ایک ہی کہتے ہیں لیکن در اصل دل سے مال و دولت و اولاد و خواہشات و حکام کو اپنا خدا سمجھتے ہیں ان چیزوں کی تلاش میں خدا کی عبادت کو بھول گئے، اس کی اطاعت سے منہ موڑ لیا، جہاں ان کا اور خدا کا تصادم ہوا وہیں خدا کی اطاعت کو چھوڑ دیتے ہیں، اپنی خواہشات و امیدوں کی حصول کے لئے حکام کی خوشامد کرتے ہیں حکام کی خوشی کو خدا کی خوشی پر ترجیح دیتے ہیں غرضکہ مسلمانوں نے اپنے اتنے خدا بنا لئے ہیں کہ کلمۂ توحید تو زبان کی نوک سے آگے نہیں بڑھتا، اگر ان باتوں کو چھوڑ دیں اور خداوند تعالٰے کو خدا اور ایک خدا سمجھ کر عمل کریں تو جنت کے حصول کی کوئی شرط ہی

نہیں ہے جو پوری نہ ہو، خدا کو خدا سمجھنے کا مطلب ہے کہ اس کی ہر صفت کا عین الیقین ہو، اس کو اسی طرح حاضر و ناظر سمجھیں جتنا اپنے حاکم کو موجود سمجھتے ہیں، تو پھر ایک گناہ بھی نہ ہو، بات کی تہ کو تو خود نہ پہنچے گھونسا مار دیا، میاں ابوہریرہ کو، رسول خدا نے دیکھا کہ ان لوگوں کی عقل کا معیار باوجود میری صحبت میں رہنے کے اتنا ہی ہے فرمایا کہ اچھا جانے دو، اس سے تو تم بجائے راہ راست پانے کے گمراہی پھیلا دوگے، یہ ہماری بحث تو اس روایت کے صحیح ہونے کی بناء پر ہے، ورنہ شیعہ حضرات تو اس روایت کی صحت کے شروع سے قائل ہی نہیں۔ کیونکہ اس سے توہین رسالتمآب بہت ہوتی ہی، دیکھو سوانح عمری حضرت عمر مطبوعہ مطبع اصلاح۔ حصہ اول ص ۱۱۸۔ اور ہمارا خیال ہے کہ اب تو ہماری بحث سُن کر سنی حضرات بھی اس روایت کی صحت سے انکار کرنے لگیں گے، ایک اور ایسا ہی واقعہ ہم آپ کو سناتے ہیں۔

حدثنا عبد اللہ حدثنی ابی ثنا یونس وعفان ثنا حماد یعنی بن سلمہ عن علی بن زید قال عفان انا علی بن زید عن یوسف بن مھران عن ابن عباس ان رجلا اتی عمر فقال امراۃ جأت تبایعہ فادخلتھا الدولج فاصبت منھا مادون الجماع فقال ویحك لعلھا مغیب فی سبیل اللہ قال اجل قال فائت ابا بکر فاسالہ قال فاتاہ فسألہ فقال لعلھا مغیب فی سبیل اللہ قال فقال مثل قول عمر

(اسماء راویان عربی میں ملاحظہ ہوں) ابن عباس سے مروی ہے کہ ایک آدمی حضرت عمر کے پاس آیا اور کہا کہ ایک عورت میرے پاس آئی جو میرے پیچھے لگ گئی میں اس کو ایک وحشی جانور کے بھٹ میں لے گیا اور وہاں اس سے سوائے جماع کے اور سب حظ حاصل کر لیا، عمر نے کہا تیرا برا ہو شاید اس عورت کا مرد خدا کی راہ میں چلا گیا ہی اس شخص نے کہا جی ہاں ایسا ہی ہے حضرت عمر نے کہا کہ ابوبکر کے پاس جاؤ اور ان سے پوچھو، ابن عباس کہتے ہیں کہ وہ شخص ابوبکر کے پاس آیا اور ان سے پوچھا، حضرت ابوبکر نے بھی وہی کہا کہ جو عمر نے کہا تھا، پس وہ شخص

ثم اتی النبی صلی اللہ علیہ و	جناب رسول خدا کی خدمت میں آیا اور وہی
سلم فقال لہ مثل ذلک قال	بات آنحضرتؐ سے کہی آنحضرت نے بھی یہی جواب
فلعلہا مغیب فی سبیل اللہ	میں کہا کہ شاید اس عورت کا خاوند راہ خدا
و تنزل لقرآن واقم الصلوٰۃ	میں چلا گیا ہے اور آیت قرآن نازل ہوئی اقم الصلوٰۃ
طرفی النہار وزلفاً من اللیل ان	طرفی النہار الآیہ یعنی نماز قائم کرو آفتاب کے ڈھلنے
الحسنات یذھبن السیات	کے وقت اور اول شب تحقیق نیکیاں برائیوں کو
الی آخر الآیۃ فقال یا رسول	دور کر دیتی ہیں اس شخص نے کہا کہ یا رسول اللہ
اللہ الی خاصۃ ام للناس عامۃ	یہ آیت خاص میرے لئے نازل ہوئی ہے یا عام مسلمانوں
فضرب عمر صدرہ بیدہ فقال	کیلئے (آنحضرتؐ نے تو ابھی جواب بھی نہ دیا تھا کہ)
لا ولا نعمۃ عین بل للناس	حضرت عمر نے اس شخص کے سینہ پر تھپڑ مار کر کہا کہ
عامۃ فقال رسول اللہ صلے اللہ	نہیں نہیں کوئی نعمت خاص آدمی کے لئے مخصوص
علیہ و سلم صدق عمر۔	نہیں ہے بلکہ عام ہے، آنحضرت نے فرمایا کہ عمر سچ کہتے ہیں

مسند امام احمد حنبل الجزء الاول ص ۲۴۵۔

یہ ایک اور مثال ہے حضرت عمر کے احسانات کی جو انہوں نے اسلام پر وقتاً فوقتاً کئے۔ حضرت عمر ڈرے کہ کہیں آنحضرت کچھ ایسی ویسی بات نہ بول اٹھیں جو اسلام کے مفاد کے خلاف ہو، لہذا خود پیشدستی کر کے اس بے چارے کے سینہ پر مکہ مار کر کہا کہ ہر ایک نعمت جو ہے وہ سب کے لئے عام ہے، کوئی کہتا ہے کہ یہ حضرت عمر کے احسانات کی مثالیں ہیں، ہم کہتے ہیں کہ یہ رسولخداؐ کی توہین کی مثالیں ہیں اور ان روایات کو حضرت عمر کا درجہ بڑھانے کے لئے وضع کیا گیا ہے، بہرصورت چونکہ ائمہ اربعہ میں سے ایک امام کے مسند میں یہ ہے ہم تو اس کو سچا ہی سمجھ کر بحث کرتے ہیں، اور حضرت شبلی کو ان کے بنا کردۂ دائرۂ نبوت کے محیط کی طرف توجہ دلاتے ہیں کہ اتنا سکڑا کہ فقط نقطہ رہ گیا، اور وہ بھی اقلیدس کا نقطہ کہ جسکی اصلیت محض فرض کرنی پڑتی ہے

اب موقع ہے کہ ہم غور کریں کہ دائرۂ نبوت کے اندر کیا رہا اور اس کے باہر کیا آ گیا۔ معیار یہ ہوگا کہ جن اُمور میں اپنی رائے عقل و قیاس سے حضرت عمر نے دخل دیا ہوگا وہ امور تو دائرہ نبوت کے باہر ہوں گے، اور جن میں انہوں نے دخل نہ دیا ہوگا وہ دائرۂ نبوت کے اندر رہوں گے، عبارات سابقہ پر جو مولوی شبلی کے الفاروق اور شاہ ولی اللہ کی حجۃ اللہ البالغہ سے لی گئی ہیں۔ نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمر نے مندرجۂ ذیل امور میں دخل دیا ہے۔

(۱) رمل جو رکن حج ہے۔

(۲) اذان کی ایجاد

(۳) نماز بر جنازۂ منافق۔

(۴) قصر نماز

(۵) لا الٰہ الا اللہ کی برکت اور اس کا اثر۔

(۶) تراویح۔ یہ اگرچہ عبارات سابقہ میں نہیں ہے۔ مگر مسلمہ طور سے حضرت عمر کی ایجاد ہے۔

(۷) قیدیانِ بدر

(۸) صلح حدیبیہ

(۹) حضرت عمر کی بہت سی رائیں مذہبی احکام بن گئی ہیں۔

(۱۰) فقۂ اسلام تمامتر حضرت عمر کا ساختہ و پرداختہ ہے۔

(۱۱) امور معاشرت۔

(۱۲) خراج کی تشخیص۔

(۱۳) جزیہ کی تعیین۔

(۱۴) امّ ولد کی خرید و فروخت۔

(۱۵) امور متعلق جانشینیٔ رسول (۱۶) تیمم جنابت (۱۷) منع تمتع حج۔

(۱۸) طلقات ثلث۔

ذرا غور تو کیجئے، اب کون سا امر باقی رہا جو دائرۂ نبوت کے اندر ہو سکتا ہے حج، نماز، یہاں تک کہ کلمۂ شہادت جو بنائے اسلام ہے سب تو حضرت عمر کی عقل کے دستبرد کے اندر آگئے، دائرہ نبوت کی کوتاہی ملاحظہ کیجئے، اس کے اندر کچھ بھی باقی نہ رہا، اور حضرت عمر کا قبضہ مذہب اسلام اور سلطنت اسلام پر مکمل ہو گیا۔ حضرت عمر کی رائیں مذہبی احکام بن گئے ہیں، سارا فقہ حضرت عمر کا بنایا ہوا ہے یا تو دائرۂ نبوت کو کوتاہ کرو لیکن کہاں تک وہ کوتاہ ہوگا، اسکے اندر تو کچھ باقی نہ رہا، یا یہ سمجھو جو امر واقعہ ہے کہ حضرت عمر نے ان امور میں بھی دخل دیا، جو منصب نبوت کے اندر تھے، اِس موقعہ پر مولوی شبلی کا کلمہ حق قابل غور ہے۔ کہ اگر حضرت عمر امور دین میں دخل دیں تو خارج از اسلام سمجھے جائیں گے، اُن کا امور دین میں دخل دینا تو ثابت ہو گیا، آپ اپنے قاعدہ پر عمل کریں یا نہ کریں یہ آپ کو اختیار ہے۔

حضرت عمر و مولوی شبلی و ولی اللہ شاہ نے جو جناب رسولخدا کے اوامر ونواہی میں تقسیم کی ہے، اس میں ایک اور مشکل پڑتی ہے، یہ تو ظاہر ہے کہ قرآن شریف آنحضرت پر ان کے عہدۂ نبوت ورسالت کی وجہ سے نازل ہوا، اور مسلمہ طور سے وہ مذہبی کتاب ہے، امور معاشرت وحکومت تو بقول آپکے دائرہ نبوت سے باہر ہیں، نکاح، طلاق، کھانا پینا، تہذیب اخلاق یہ سب معاشرت سے تعلق رکھتے ہیں، جزیہ، خراج، جہاد وغیرہ یہ سب حکومت سے تعلق رکھتے ہیں۔ ہم حیران ہیں کہ قرآن شریف میں کس کی غلطی سے ان امور کا تذکرہ آ گیا، اور ان کے احکام بیان کئے گئے، بعض دفعہ تیزی فہم بھی حافظ کو باطل کر دیتی ہے۔ ابھی الفاروق کے صفحہ ۲۰۸ پر تو حضرت شبلی فرما چکے ہیں کہ امور معاشرت دائرہ نبوت سے باہر ہیں لیکن صفحہ ۲۱۲ پر لکھتے ہیں کہ جناب رسول خدا نے ارشاد فرمایا کہ لعبثت لاتمم مکارم الاخلاق، امور اخلاقیہ معاشرت سے تعلق رکھتے ہیں جب آنحضرت کی بعثت کی غرض ونہایت ہی یہ ہے کہ اخلاق انسانی کو درست کیا جائے تو پھر

کیسے کہہ سکتے ہیں کہ امور معاشرت آنحضرتؐ کی بنوت سے باہر تھے حکومت حاصل ہی جہاد کے ذریعہ سے ہوئی، جہاد کے متعلق کیسے صریح احکام قرآن شریف میں ہیں پھر کیسے کہا جاسکتا ہے کہ حکومت آنحضرتؐ کی بنوت سے باہر تھی، کتاب اول کے صفحات ۵۳ تا ۹ قابل ملاحظہ ہیں، ہم اچھی طرح ثابت کر چکے ہیں کہ حکومت آنحضرت کی بنوت کا ایک جزو تھی، عہدۂ بنوت کا تجزیہ اور آنحضرتؐ کے احکام کی تفریق محض مصنوعی چیزیں ہیں جنکو سیاسی ضرورت کی وجہ سے حضرت عمر قائم کرنے پر مجبور ہوئے۔ اس کا ثبوت اس سے زیادہ اور کیا ہوسکتا ہے کہ کہنے کو تو کہہ دیا کہ آنحضرتؐ کی بنوت میں حکومت شامل نہیں، مگر کوئی معیار نہ قائم کرسکے کہ جس کی وجہ سے بنوت کے اندر کے امور کو اس کے باہر کے امور سے ممیز کرسکیں، اس کا کیا جواب ہے کہ جہاد جو بناء اور موجب ہے حکومت کا اس کے متعلق بنوت کی کتاب یعنی قرآن شریف میں اتنے صریح احکام کیوں ہیں اگر حکومت دائرہ بنوت میں شامل نہیں، اگر امور معاشرت و حکومت آپ کی بنوت سے باہر ہوگئے تو اسلام کا کمال کہاں رہا۔ اور آیۂ اکمال بے معنی ہوگئی، اسلام کی اہلیت تو یہی ہے کہ انسان کی زندگی کے ہر ایک شعبہ کو اپنے ظل عاطفت میں لے کر اسکو اپنے رنگ میں رنگ دیتا ہے۔

ان اعتقادات کے ایجاد کی اصلی غرض و غایت تو یہ ہی تھی کہ کسی طرح جناب رسول خدا کی حاصل کردہ حکومت پر قبضہ کیا جائے، ایک خیال و اعتقاد سے بذریعہ استقراء و استنباط بہت سے ضمنی خیالات و اعتقادات مترتب ہوتے ہیں، اور یہ سلسلہ وسیع ہوتا جاتا ہی چنانچہ آپنے اوپر دیکھا کہ شروع تو فقط حکومت سے کیا تھا کہ یہ بنوت میں شامل نہیں رفتہ رفتہ تمام فقۂ اسلام پر قبضہ ہوگیا۔ اس سے جو توہین و تحقیر بنوت اور نبی کی ہوئی وہ دور بین آنکھوں سے پوشیدہ نہیں، بنوت کے دائرہ کو کوتاہ کرنے کے یہ معنی ہیں کہ بنوت کے اختیارات میں کمی ہوتی جائے اور اس کی ہمہ گیری باقی نہ رہے، یہ اس عہدہ کی بڑی توہین ہے، جناب رسالت مآب کی توہین تو جناب عمر کی ہر ایک مداخلت سے ٹپکتی ہے سب سے

پہلی اور سب سے بڑی غلطی یہ تھی کہ اس مذہب کو عقلِ انسانی کا تختۂ مشق بنایا جائے جس کا دعوٰے یہ ہے کہ میں خداوند تعالیٰ کا کامل کیا ہوا مذہب ہوں جو بذریعہ وحی و الہام پیغمبرِ اسلام پر نازل کیا گیا، مولوی شبلی کے تخیل پر غالباً یورپ کے مصنفین اور عیسائی معترضین کی تحریروں نے اثر کیا ہوا ہی جو اعتراض کرتے ہیں کہ فقہ اسلامی ایسا محدود اور ناقابلِ ترمیم مجموعۂ قوانین ہے جو زمانہ کی ترقیوں اور معاملات کی پیچیدگیوں کا مقابلہ نہیں کرسکتا، مولوی شبلی کی طرزِ تحریر سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اس اعتراض کو تسلیم کرتے ہیں لیکن اس عیب کی ذمہ داری صرف پیغمبرِ اسلام تک محدود رکھ کر یہ دکھانا چاہتے ہیں کہ حضرت عمر نے پہلے ہی سے اس عیب کو اپنی عقل کی مداخلت و قیاس کی مدد سے دور کردیا، مندرجہ ذیل عبارت اس مطلب پر ایسی براہِ راست حاوی ہے کہ ہم اس کو دوہرانے کی ذمہ داری لیتے ہیں:

> اِس تفریق اور امتیاز کی وجہ سے فقہ کے مسائل پر بہت اثر پڑا۔ کیونکہ جن چیزوں میں آنحضرت صلعم کے ارشادات منصبِ رسالت کی حیثیت سے نہ تھے ان میں اس بات کا موقعہ باقی رہا کہ زمانے اور حالاتِ موجودہ کے لحاظ سے نئے قوانین وضع کئے جائیں چنانچہ معاملات میں حضرت عمر نے زمانہ اور حالات کی ضرورتوں سے بہت نئے نئے قاعدے وضع کئے جو آج حنفی فقہ میں بکثرت موجود ہیں"
>
> الفاروق حصۂ دوم ص ۲۳۸۔

دیکھا آپ نے منصبِ رسالت کو کوتاہ کرنے کی یہ مصلحت تھی کہ حضرت عمر کی قیاس آرائیوں کی جولانگاہ کشادہ ہو، اس عبارت سے صاف ٹپکتا ہے کہ جنابِ رسالت مآب صلعم کے ارشادات واقعی زمانہ کی رفتار ترقی کے مطابق نہ تھے، لیکن چونکہ خوش قسمتی سے اسلام میں حضرت عمر موجود تھے۔ جنھوں نے اپنی ذہانتِ طبع و ذکاوتِ فہم سے سمجھ لیا کہ آنحضرت صلعم کے احکام منصب

بنوت سے علیحدہ ہیں، اس وجہ سے ان کو موقعہ مل گیا کہ ضرورت زمانہ اور حالات کے لحاظ سے نئے نئے قاعدے وضع کریں، جناب رسول خدا وحضرت عمر کے زمانہ میں صرف دو تین ہی سال کا تو وقفہ تھا، اتنے سے قلیل عرصہ میں حالاتِ معاشرت امور تمدن اور مہماتِ شریعت میں اتنا تغیر وتبدل ہو گیا، کہ جناب عمر کو اپنی عقل وقیاس سے مدد لے کر امور شرع کو ترمیم و تنسیخ کرنے کی ضرورت پڑی کیونکہ جناب رسالت مآب کے قائم کردہ اصول وقواعد ایسے محدود اور کم نظر تھے کہ وہ ان بدلتے ہوئے واقعات پر حاوی نہیں ہو سکتے تھے، یہ اس شریعت کے نقائص نکالے جا رہے ہیں، جس کی نسبت اعتقاد ہے کہ خدا وند تعالیٰ کی مرتب کردہ ہے اور ختم المرسلین کی پیش کردہ ہے آئندہ کوئی اور نبی آنکر اس شریعت کو منسوخ ہی نہیں کریگا، اسکو قیامت تک باقی رہنا ہے، لیکن حالت یہ ہے کہ وہ تو پورے تین سال بھی نہ چلی کہ نا موزوں ہو گئی اور حضرت عمر نے اپنی عقل وقیاس کے پیوند لگا کر بنی نوع انسان کے بڑھتے ہوئے جسم کے لئے اُسے درست کیا لیکن یہ معاملہ یہیں نہیں ختم ہوتا، جناب محمد مصطفےٰ کی مقرر کردہ شریعت تو ایسی تھی کہ دو ہی سال میں پرانی ہو گئی، مگر حضرت عمر کے نئے نئے قائم کردہ اصول وقواعد اب تک پرانے نہیں ہوئے اور حنفی فقہ میں اب بھی موجود ہیں کیوں کہ ان کو ایک ایسی عقل کامل نے مرتب کیا تھا کہ ان میں قیامت تک کے واقعات پر مطابق آنے کی اہلیت موجود ہے سلطنتیں گزر گئیں تمدن بدل گئے تمدن انسانی کی پیچیدگیاں کہاں سے کہاں پہنچ گئیں لیکن وہ اسی طرح قابلِ پابندی ہیں رفتہ رفتہ منصب بنوت کے اندر و باہر کا بھی سوال باقی نہ رہا۔ فقہ کا فن تمام تر حضرت عمر کا ساختہ پرداختہ ہے حضرت عمر کی رائیں مذہبی اصول بن گئے۔

حضرت عمر نے بہت سے نئے نئے قاعدے وضع کئے جو آج تک حنفی فقہ میں بکثرت موجود ہیں، تمام مسائل شریعت و فقہ میں حضرت عمر اپنی عقل کو دخل دیتے تھے کیونکہ ان کی رائے تھی کہ وہ سب عقل پر مبنی ہیں لہٰذا قابل دست اندازی عقل

ہیں، حضرت عمر نے اپنی عقل کو ان میں خوب دخل دیا، نماز، حج، روزہ، تیمم جنابت تمتع حج و طلاقات ثلث کو بدل دیا، یہ تو اب کیونکر کہہ سکتے ہیں کہ یہ سب امور منصب رسالت سے باہر ہیں۔ یہ ہی نتیجہ نکلتا ہے کہ حضرت عمر کو مذہب اسلام میں دخل دینے اور شریعت کے تبدیل کرنے کا پورا حق حاصل تھا، اور انہوں نے اپنا حق استعمال کیا۔ یہ مورخ اعظم جناب شبلی کی تحقیقات کا نتیجہ ہے اور بالکل صحیح ہے ناظرین ہماری سی نہ کہنا، خدا لگتی کہو۔ اب تو ہمارا دعویٰ ثابت ہو گیا، کہ سواد اعظم میں وہ اسلام نہیں پھیلا جو جناب محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پیش کیا تھا بلکہ وہ اسلام پھیلا اور ان میں آج وہ ہی اسلام پایا جاتا ہے جو کارکنان سقیفہ بنی ساعدہ نے مرتب کیا تھا ہی نہیں کہ حضرت عمر نے خود بہت سی ترمیمات و تنسیخات کیں بلکہ آئندہ کے لئے بھی عقل و قیاس کو دخل دے کر راستہ صاف کر گئے، نماز تک کو مسخ کر دیا، جب حضرت علی نے اپنے زمانہ میں نماز پڑھائی تو لوگ کہتے تھے کہ علی نے رسول خدا کی سی نماز پڑھا دی یا راوی نے یہ کہا کہ علیؑ نے رسول خدا کی نماز یاد دلا دی دیکھو صحیح بخاری کتاب الصلوٰۃ باب بکبر۔ شاہ ولی اللہ حجۃ اللہ البالغہ میں حضرت عمر کے فتاوے کی نسبت تحریر فرماتے ہیں فصار غالب فتیاہ و فتاواہ متبعۃ فی مشارق الارض و مغاربھا۔ یعنی حضرت عمر کے فتوے مملکت اسلامی کے مشرق و مغرب میں پھیل گئے اور ان کی پیروی کی گئی، اس سے قطعاً ثابت ہو گیا کہ دنیا میں وہ اسلام رائج ہوا جس کو حضرت عمر نے اپنی عقل کا پیوند لگا کر مسخ کر دیا تھا۔

شریعت کی تو یہ گت بنی اب شارع علیہ السلام کو لیجئے، ان بزرگوار کے اعتقادات اور خیالات ملاحظہ ہوں، حضرت ابوبکر کو مرتے وقت اپنی تکلیف کا اتنا خیال نہیں تھا جتنا کہ اسلام کا، وہ جانتے تھے کہ خدا کے یہاں بازپرس ہوگی کہ تم نے اپنے بعد امت محمدیہ کی ہدایت کا کیا انتظام کیا اور اس کی باگ ڈور

کس کے ہاتھ میں دی، لہٰذا انہوں نے اسلام کے بہترین شخص حضرت عمر کو اپنا جانشین مقرر کیا، حضرت عمر تو ہمیشہ اس فکر میں غلطان و پیچاں ہی رہا کرتے تھے اور آہیں بھرا کرتے تھے کہ ان کے بعد اس امت کو راہِ راست پر چلانے والا کوئی نہیں حضرت عائشہ نے بھی تاکیدی پیغام بھیجا کہ دیکھو امت محمدیہ کو بغیر ملاح و قائد کے نہ چھوڑ کر جانا، کسی کو اپنا جانشین مقرر کر جانا، چنانچہ بہت سوچ سمجھ کر انہوں نے شوریٰ کی ترکیب نکالی، اگر اس بات کا خیال نہیں تھا تو فقط بانیٔ اسلام ہی کو نہیں تھا، انہوں نے اپنا کوئی جانشین مقرر نہ کیا، اس وقت بھی اگر حضرت عمر ہی وقت پر پہنچ کر اس طوفان کو نہ سنبھالتے تو معلوم نہیں اسلام کا کیا حشر ہوتا۔ یہ اسلام کی ہمدردی ہی تو تھی کہ جس نے حضرت عمر کو جسدِ اطہر رسول کو بے غسل و کفن چھوڑ کر سقیفہ میں جانے پر مجبور کیا، اسلام کی طرف سے جو رسولخدا کی غفلت و لاپرواہی کا نقشہ کھینچا گیا ہے اس کو آپ نے ملاحظہ کیا، اب اپنی ہمدردی کا قصہ خود حضرت عمر کی زبانی سنئے۔ آپ فرماتے ہیں کہ "رسولخدا نے یہ چاہا تھا کہ مرض موت میں خلافت کی وصیت علیؑ کے نام کر دیں لیکن میں نے فتنہ و امر اسلام کی پراگندگی کے خوف سے روک دیا۔" ص ۱۲۹۔ کتاب ہذا۔ دیکھا آپ نے یا تو جناب رسول خدا کی معاذ اللہ عقل کی کمی تھی کہ اس فتنہ و پراگندگیٔ امرِ اسلام کو نہ سمجھ سکے جو حضرت علیؑ کے خلیفہ ہونے سے ہوتی یا حضرت علی و خاندان کی محبت آپ پر اتنی غالب ہو گئی تھی کہ اسلام کا کچھ خیال نہ رہا یہاں بھی آنکر بچایا تو حضرت عمر نے، آنحضرتؐ کے احکام ایسے ہوا کرتے تھے کہ حضرت عمر کو اکثر مداخلت کرنے کی ضرورت پڑتی تھی اور وہ مداخلت کر کے ان کو عقل سلیم کے مطابق کرتے تھے، جو اصول اور قواعد آنحضرتؐ نے شرع میں مقرر کئے وہ رفتار زمانہ و ترقی تمدن کے مطابق نہ تھے لہٰذا حضرت عمر نے ان میں ترمیم کی یا تنسیخ کی، حضرت عمر آنحضرت کے بہت سے احکام میں مداخلت فرمایا کرتے تھے، اکثر تو جناب رسولخدا اپنی غلطی کو محسوس کر کے حضرت عمر کی رائے اختیار کر لیتے تھے، اگر کبھی اپنی رائے پر آنحضرت اصرار فرماتے

تھے تو وحی کے ذریعے سے خداوند تعالےٰ آپ کو تنبیہ کر دیا کرتا تھا کہ تمہاری رائے غلط ہے، حضرت عمر کی رائے درست ہے، یہاں تک کہ قرآن شریف میں بھی فقط اجمال ہی ہے، جزئیات مفقود ہیں لہٰذا اس کمی کا پورا کرنا بھی حضرت عمر کے ذمہ ہوا، اور وہ اُنہوں نے پوری کی ہے، غور تو کیجئے، یہ وہ رسول ہے جس کی نسبت حدیث قدسی ہے، لولاک لما خلقت الافلاک جس رسول کی بے چون و چرا اطاعت جزو اسلام اور احکام قرآنی کا خاصہ تھی، اس کی نافرمانی کرنے کی عادت مسلمانوں میں پیدا کی گئی، رسول خدا کی گفتگو کو ہذیان سے تعبیر کیا جاتا ہے، اس سے پہلے بھی رسولوں اور نبیوں کی توہین و تذلیل ہوئی ہے، مگر کافروں اور مخالفوں کے ہاتھ سے۔ اپنی اُمت کے ہاتھ سے نبی کی توہین اس ہی اسلام میں نظر آتی ہے سو سقیفہ بنی ساعدہ کی فیکٹری میں تیار ہوا تھا جس رسول کی اتنی توہین و تذلیل خود اس کے اصحاب کریں اگر آئندہ آنے والی نسلوں کے دلوں میں اس کے اوامر و نواہی کی طاقت اتنی کمزور ہو کہ وہ ان کے عمل پر اثر پذیر نہ ہو سکے تو کون سی بڑی بات ہے، ہم یہ کہنے میں حق بجانب ہیں کہ آج کل جو اوامر و نواہی اسلام کی طرف سے بے توجہی نظر آتی ہے، وہ اس سقیفہ ساری کی ... نتیجہ ہے، دوسرا نتیجہ اس کا یہ ہے کہ جناب رسول خدا کو ان کے عہدہ سے معطل کر کے حضرت عمر کو ان کی جگہ بٹھا دیا گیا۔ رہ کے باتیں یاد آتی ہیں جمع قرآن کی نسبت ان بزرگواروں کا خیال ہے کہ جناب رسول خدا نے کچھ انتظام ہی نہ کیا، یہاں بھی جب جنگ یمامہ میں حفاظ قرآن قتل ہوئے تو حضرت عمر ہی نے ادھر بھی توجہ کی، دیکھو صفحہ ۳۸۵ اکتاب ہذا۔ غرضکہ کوئی شعبہ ثبوت نہیں ہے جس میں آنحضرتؐ نے کوتاہی نہ کی ہو، اور جناب عمر نے اس کو پورا نہ کیا ہو، ایک اور قصہ ہم سناتے ہیں جس میں حضرت عمر کی خاطر جناب رسول خدا کی توہین کی گئی ہے، حضرت عمر اکثر نبیذ پی لیا کرتے تھے اور جب آپ کو زخم کاری لگا سو وقت بھی نبیذ ہی پلائی گئی تھی، لہٰذا ضروری ہوا

کہ حضرت عمر کی اس کمزوری کو ڈہانکا جائے، اس غرض کے لئے روایت مندرجۂ ذیل بنائی گئی :-

حدثنا عبد اللہ حدثنی ابی
ثنا محمد بن بکر انا ابن جریج
قال حدثنی حسین بن عبد اللہ
بن عبید اللہ بن عباس وداؤد
بن علی ان رجلا نادی ابن عباس
والناس حولہ فقال سنۃ
تبتغون بھذا النبیذ او ھو اھون
علیکم من العسل واللبن فقال
ابن عباس جاء النبی صلی اللہ
علیہ وسلم عباسا فقال اسقونا
فقال ان ھذا النبیذ شراب
قد مغث ومرث افلا نسقیک
لبنا وعسلا فقال اسقونی مما
تسقون منہ الناس قال فاتی
النبی صلی اللہ علیہ وسلم ومعہ
اصحابہ من المہاجرین والانصار
بعساس فیھا النبیذ فلما شرب النبی
صلی اللہ علیہ وسلم عجل قبل
ان یروی فرفع راسہ فقال احسنتم
ھکذا فاصنعوا قال ابن عباس
فرضا رسول اللہ صلی اللہ علیہ

(اسمائے راویان عربی میں دیکھو) حسین
بن عبد اللہ اور داؤد ابن علی سے مروی
ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ
ایک شخص نے عبد اللہ ابن عباس کو آواز
دی درآنحالیکہ لوگ ان کو گھیرے ہوئے
تھے اور اس نے کہا کہ تم اس نبیذ سے
غنودگی چاہتے ہو یا یہ تمہارے لئے شہد
و دودھ سے بھی (اس اثر) میں کمزور ہے۔
ابن عباس نے جواب دیا کہ ایک دفعہ جناب
رسولخدا عباس کے پاس گئے، اور کہا کہ ہمکو بھی
پلاؤ، عباس نے کہا کہ نبیذ تو شراب ہے کیا ہم آپ
کو دودھ اور شہد نہ پلائیں، آنحضرت ص نے کہا
کہ نہیں مجھ کو وہی پلاؤ جو لوگ پی رہے ہیں پس
ایک بڑا کاسہ نبیذ سے بھرا ہوا آنحضرت کو دیا
گیا، آنحضرت ص کے اصحاب و مہاجر و انصار وہیں
تھے، ان کو بھی دیا گیا، آنحضرت ص نے بہت
جلدی جلدی کر کے پی لیا قبل اس کے
کہ اور لوگ آپ کو دیکھیں یا قبل اس
کے کہ آپ سیراب ہوں پس آپ نے سر اٹھایا
اور کہا کہ تم نے بہت اچھا بنایا ہے، بس
بناتے رہو، ابن عباس کہتے ہیں کہ جناب رسولخدا ہو

وسلم ذلك اعجب إلىّ من ان تسيل شعابها علينا لبنا وعسلاً۔ — اس سے خوش ہوئے اور یہ میرے لئے زیادہ تعجب کی چیز ہے اس بات سے کہ ہمارے اوپر دودھ اور شہد کے چشمے بہا دئے جائے۔

مسند امام احمد حنبل الجزء الاول ص ۳۳۶۔

ایسی ہی باتوں سے ان بزرگواروں کی احادیث کی کتابیں بھری ہوئی ہیں جناب رسول خدا کی توہین وتذلیل کا اس سے بدتر نمونہ قیاس میں نہیں آسکتا، صرف لفظی ترجمہ ہی کافی ہے ہم کیا اس کی تفصیل وتشریح کریں۔ اور یہ تحریم خمر کے بعد کا واقعہ ہے جب ہی تو ابن عباس نے آنحضرت کو اول مرتبہ دینے سے انکار کیا، اور کہا کہ یہ تو خمر ہے، ہم آپ کو شہد اور دودھ کیوں نہ دیدیں، مگر آنحضرت صؐ نے اصرار کیا کہ نہیں نبیذ ہی دیدو، اور پھر جلدی جلدی دوسروں کی نگاہ سے چھپا کر پینا بھی یہی ظاہر کرتا ہے کہ یہ حرمت شراب کے بعد کا واقعہ ہے، یہ کوئی نہ سمجھے کہ نبیذ حرام نہیں، اول تو خود عباس نے کہہ دیا تھا کہ یہ شراب ہے، علاوہ اس کے جناب رسولخدا نے خود صاف تصریح کردی ہے نبیذ پر حکم شراب ہے اور حرام ہے دیکھو مسند امام احمد حنبل الجزء الثانی ص ۲۷، ۷۴، ۱۰۴، ۱۰۴۔ الجزء الرابع ص ۳۵۶، ۳۴۶ الجزء السادس ص ۹۶، ۹۹، ۱۱۲۔

یہاں ایک اعتراض کا امکان ہے، مان لیا کہ غلط یا صحیح حضرت عمر نے ایک رائے قائم کرلی کہ آنحضرت کے احکام دو قسم کے تھے، یہ بھی مان لیا کہ حضرت عمر نے اپنی عقل وقیاس کے دامن میں لے کر مکمل مذہب اسلام پر قبضہ کرلیا، اس کا کیا ثبوت ہے کہ یہ رائے حضرت علی کو خلافت سے محروم کرنے کے لئے قائم ومشتہر کی گئی تھی، اور یہ طرز عمل حکومت پر قبضہ حاصل کرنے کے لئے تھا، اس کا جواب آسان ہے جس موقعہ پر سب سے پہلے اس رائے پر عمل ہوا، اس موقعہ ہی کے لئے ہم کہہ سکتے ہیں کہ یہ رائے قائم کی گئی تھی خود حسب اقبال حضرت عمر سب سے پہلے آپ نے اس رائے کو جناب رسولخدا کو حضرت علیؑ کے حق میں وصیت خلافت لکھنے سے منع

کرنے میں استعمال کیا، جیش اسامہ میں شامل ہونے کے حکم سے اس کی ہی بناء پر
سرتابی کی گئی، غدیر خم کے اعلان کو نظر انداز کرنا بھی اس ہی خیال پر مبنی تھا۔ فدک
کے قبضئے میں بھی عہدہ نبوت ہی ان کے زیر مشق رہا، ذوی القربیٰ کے حقوق کو نظر انداز
کرنا بھی اس ہی خیال کی بناء پر تھا۔ بنوہاشم اور اہل بیت رسالت سے ان کے حصہ
کے خمس کو روکنے میں بھی یہی اصول کار فرما ہے۔ بنو امیہ کو شام کی جاگیر دائمی عطا
کرنے میں بھی اس ہی خیال سے مدد لی گئی، کیونکہ جناب رسول خدا کی ذاتی و ملکی دشمنیاں
اور دوستیاں عہدۂ نبوت میں تھوڑی داخل سمجھی جا سکتی ہیں، یہ تو معاملات ملکی
ہیں ان کو نبوت سے کیا سروکار، دیکھا آپ نے ہر وہ تدبیر جو حضرت علی کو خلافت
سے دور رکھ سکتی تھی اس ہی خیال کے سرچشمہ سے سیراب ہو رہی ہے، یہ امر بھی قابل
غور ہے کہ نہ تو حضرت عمر اور نہ ان کے وکلاء مولوی شبلی و شاہ ولی اللہ ایک اصول
قائم کر سکے جس سے یہ معلوم کیا جا سکے کہ کون کون سے امور عہدۂ نبوت میں شامل
ہیں جن میں دست اندازی نہیں ہو سکتی اصول مقرر کرنا تو درکنار ایک بات بھی نہ
بتائی جو عہدۂ نبوت میں شامل ہو، نماز و حج و قرآن تک کو تو ہم اس مداخلت سے
محفوظ نہیں دیکھتے، پھر کیا رہ گیا، کلمہ شہادت تک تو اس دستبرد سے بچا نہیں، صاف
ظاہر ہے کہ یہ خیال کسی صحیح اعتقاد یا اصول پر مبنی نہ تھا، اس سے تو فقط ایک ہی
کام نکالنا مقصود تھا، اور وہ یہ کہ جناب رسول خداؐ کے تقرر جانشین کے احکام
کی پابندی سے بچ نکلیں۔

جتنا زیادہ ہم مولوی شبلی اور حضرت عمر کے اس تقسیم احکام نبوی پر غور
کرتے ہیں اتنا ہی ہمکو اس کا نقصان و ضرر زیادہ نمایاں ہوتا ہے، جو احکام
شریعت و مذہب و نبوت سے باہر ہیں، ان کی خلاف ورزی کرنے سے عصیان
خدا و رسول عائد نہیں ہوتا اور نہ ہم کسی مذہبی سزا کے مستوجب ہوتے ہیں، ہاں اگر
وہ تعزیرات ملکی میں آتے ہیں تو ہم کو حکومت کی مقرر کردہ سزا مل جائے گی لیکن
ہمارے ایمان و اسلام پر ذرہ برابر اس کا اثر نہیں پڑیگا، امور معاشرت و حکومت

دائرہ نبوت و احاطہ شریعت سے باہر ہیں، لہٰذا نتیجہ نکلا کہ ہم کوئی مذہبی گناہ نہیں کر رہے ہیں اور نہ خداوند تعالیٰ ہمارے ان افعال سے ناراض ہوگا، اگر ہم خوب زنا کریں چوری کریں ڈاکہ ڈالیں قتل کریں، بغاوت کریں جہاد سے بھاگیں، امانتوں کو واپس نہ کریں، جھوٹ بولیں، ہاں اگر پکڑے جائیں گے تو اس دنیا میں سزا مل جائے گی نہ پکڑے گئے، کسی نے نہ دیکھا، یا جرم ثابت نہ ہوا تو بچ گئے۔ خدا کا حاضر و ناظر ہونا بیکار ہے، ان امور کے لئے آخرت میں تو ہم کو کوئی سزا ملے ہی گی نہیں، کیونکہ یہ مذہب کے اندر تو داخل ہی نہیں۔ غالباً اس ہی عقیدہ پر جناب یزید نے عمل کیا تھا، واقعہ کربلا اس اور ایسے ہی چند دیگر عقائد کا برا نتیجہ ہے جس پر ہم ابھی غور کریں گے۔

حضرت عمر نے اپنے افعال کو حق بجانب ثابت کرنے کے لئے مذہب میں ایسے ایسے اصول مقرر کر دئے جو صریحاً ضرر رساں اور خلاف فقہ اسلامی ہیں ایک ایسے اصول کا ذکر ہم نے اس کتاب کے ص ۲۰۱-۹۲۰ پر کیا ہے، جہاں حضرت عمر اپنے فعل کو صحیح ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اور عبداللہ ابن عباس کو قائل کرنا چاہتے ہیں آپ فرماتے ہیں کہ رسول خدا نے چاہا کہ خلافت علی کو ملے، خدا نے اس کے خلاف چاہا، خدا کی مراد جاری ہو گئی اور رسول خدا کی خواہش پوری نہ ہوئی۔ جس طرح رسول خدا نے چاہا کہ ان کا چچا ایمان لائے لیکن وہ ایمان نہ لایا، اور اللہ نے جو مقدر کیا تھا وہ ہوا۔ ایک اور مکالمہ میں جو اس سے پہلے صفحہ ۹۲۰ کے شروع میں رکھا ہوا ہے، حضرت عمر اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ جناب رسول خدا حضرت علی کے حق میں خلافت کی وصیت لکھنی چاہتے تھے لیکن میں نے روک دیا، ان دونوں مکالموں کو ملا کر پڑھنے سے نتیجہ نکلا کہ جناب رسول خدا نے چاہا کہ خلافت علی کو ملے۔ خدا نے چاہا کہ خلافت علی کو نہ ملے، خدا کی مراد حضرت عمر کے ذریعے سے جاری ہو گئی۔ لہٰذا حضرت عمر اس امر میں قابل مواخذہ نہیں ہیں اللہ تعالیٰ نے جو مقدر کیا تھا وہ ہوا، دیکھا آپ نے، کیسا گمراہ کن عقیدہ ہے، اور محض اپنی حکومت کی جواز یت

قائم رکھنے کے لئے اس کو پھیلایا جا رہا ہے اسکے تو کہنے کی ضرورت نہیں کہ جو حضرت عمر کے عقائد تھے وہی حضرت ابو بکر کے تھے۔ تاریخ الخلفا سیوطی میں ہے۔

عن ابن عمر قال جاء رجل الی ابی بکر فقال ارأیت الزنا بقدر قال نعم قال فان اللہ قدرہ علی ثم یعذبنی قال نعم یا ابن اللخناء اما واللہ لو کان عندی انسان امرت ان یجاء انفک	ابن عمر کہتے ہیں کہ حضرت ابوبکر کے پاس ایک آدمی آیا اور پوچھا کہ کیا زنا بھی خدا کے حکم سے ہوتا ہے ابوبکر نے فرمایا کہ ہاں اس نے کہا کہ کیا وہ مجھے عذاب بھی کریگا حالانکہ زنا اس کے ہی حکم سے ہوا، ابوبکر نے کہا کہ ہاں واللہ اگر اس وقت کوئی آدمی میرے پاس ہوتا تو حکم دیتا کہ تیری ناک کاٹ ڈالے۔

تاریخ الخلفاء ص ۶۹ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی۔

علم دین سکھانے کا کیسا اچھا طریقہ معلوم ہوا، بجائے سمجھانے کے ناک کاٹ ڈالنی چاہیئے۔ یہ اور ایسے عقیدے سقیفہ بنی ساعدہ کی کارروائی کے براہ راست نتیجے ہیں، اس عقیدہ کا منشا رہے کہ جو سانحہ یا فعل واقع ہو جاتا ہے وہ خدا کی طرف سے ہوتا ہے جس کا نتیجہ نکلا کہ کرنے والا ملزم نہیں بلکہ وہ خداوند تعالی کی مشیت کی اجرا کے لئے ایجنٹ ہے۔ مثلاً زید اپنے دوست خالد کی بیوی پر عاشق ہو گیا۔ ایک رات کو چھپ کر جاتا ہے، خالد اور اس کے بچوں کو سوتا ہوا قتل کر دیتا ہے اور اس کی بیوی کو لے آتا ہے اس عقیدہ کے مطابق زید مجرم نہیں ہے۔ جو کچھ ہوا خدا نے کیا، زید کو تو ثواب ملنا چاہیئے کہ اس نے مشیت ایزدی کو پورا کیا، اب تو کوئی رکاوٹ ہی نہیں ہے، خوب عیش کرو، زنا کرو، لوٹ مار کرو۔ سب جائز، صرف اتنی کوشش کرو کہ تم کامیاب ہو جاؤ، اگر زنا کرنے میں ناکامیاب رہے تو گنہ گار کیونکہ معلوم ہوا کہ وہ خدا کی طرف سے مقدر نہ تھا، اور اگر واقعی زنا کر لیا تو بے گناہ کیونکہ وہ خدا کی طرف سے مقدر تھا۔

مسجد نشیناں رخصتے خواہد بہ دیرم لعبتے ۔۔۔ در دست رنگیں شیشۂ در شیشہ موج کوثرے

اگر اس فعل میں کچھ برائی ہو تو الزام خدا کی طرف عائد ہوگا۔ سزا و جزا ہی نہ رہی جنت و دوزخ کی کیا ضرورت ہے۔ میزان عدل کیوں قائم ہو، اور میدان حشر کا ہی ہنگامہ کیوں ہو۔ اس سے زیادہ غلط عقیدہ کوئی اور نہیں ہو سکتا لیکن چونکہ حضرت عمر نے ایجاد کیا ہوا ہے اسلام میں بہت سے اس کے پیرو ہو گئے اور حضرت عمر کے عاشق صادق جناب مولوی شبلی کو تو ضرور اس عقیدہ کی حمایت کرنی لازم تھی آپ فرماتے ہیں:۔

"دوسرا اختلاف (قدر و جبر) کا منشاء یہ تھا کہ انسان کے افعال کو اگر زیادہ غور سے دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ ایک چیز بھی ہمارے بس کی نہیں یہاں تک کہ ہمارا ارادہ اور خواہش بھی ہمارا اختیاری نہیں لیکن مشکل یہ ہے کہ اگر ہم اپنے افعال میں مجبور ہیں تو ثواب و عقاب جو مذہب کی جان ہے اس کی بنیاد اکھڑ جاتی ہے۔ قرآن مجید میں دونوں قسم کی آیتیں ہیں بعض میں صاف تصریح ہے کہ انسان جو کچھ کرتا ہے خدا ہی کراتا ہے۔ قُل کُلٌّ مِن عِندِ اللہ بعض کا یہ مطلب ہے کہ انسان اپنے افعال کا آپ ذمہ دار ہے" مَا اَصَابَکَ مِن سَیِّئَۃٍ فَمِن نَّفسِکَ۔ اس بناء پر اسلام میں دو رائیں قائم ہو گئیں۔ جو لوگ زیادہ آزاد تھے، انہوں نے صاف صاف جبر کو مانا اور جبریہ کہلائے۔ جو اس لفظ سے جھجکتے تھے انہوں نے کسب اور ارادہ کا پردہ رکھا۔ یہ پردہ بھی ابوالحسن اشعری نے ایجاد کیا، ورنہ قدما اس کا بھی نام نہیں لیتے۔

مولوی شبلی:۔ علم الکلام حصہ اول ص ۲۱۔

مولوی شبلی کی رائے میں یہ عقیدہ زیادہ غور کا نتیجہ ہے۔ اس کے مخالف عقیدہ اگر کوئی ہو تو وہ سطحی خیال پر مبنی ہے۔ لیکن اس میں کچھ قرآن شریف نے رکاوٹ پیدا کر دی ہے مجبور ہیں دل سے تو ایمان اس عقیدہ پر ہے۔ لیکن زبان

سے قرآن شریف کو غلط نہیں کہہ سکتے ۔ عجیب مخمصہ میں پھنس گئے ہیں، آخر کار
قرآن شریف کی غلطی اور اس کے متضاد ہونے کی طرف اشارہ کرکے خاموش ہوجاتے
ہیں تصوف کی زبان میں شبلی صاحب کہہ سکتے ہیں ؂

دیر و حرم بھی منزلِ جاناں میں آئے تھے ؎ پر شکر ہے کہ بڑھ گئے دامن بچا کے ہم

ان کے الفاظ پر غور فرمائیے "قرآن شریف میں دونوں قسم کی آیتیں موجود ہیں"...
جو لوگ زیادہ آزاد تھے انہوں نے صاف صاف جبر کو مانا اور جبریہ کہلائے، جو اس
لفظ سے جھجکتے تھے، انہوں نے ایک کمزور سا پردہ ڈال لیا اور پھر وہ بھی چاک چاک
ہوگیا آزاد تھے، یعنی حق بات کہنے سے نہیں ڈرتے تھے، اور مذہب کی بے جا
قیود کو نظر انداز کر سکتے تھے۔ لیکن خود مولوی شبلی مجبور ہیں جو دل چاہتا ہے وہ
زبان صاف صاف ادا نہیں کر سکتی ۔ صرف اشارہ کر رہی ہے ۔ یہ قرآن شریف کا تضاد نہیں
ہے بلکہ اپنی سمجھ کا پھیر ہے ۔ یہاں اتنی گنجائش نہیں کہ ہم اس مضمون پر تفصیل سے
بحث کر سکیں ۔ قرآن شریف کی ہر ایک آیت کے معنی اس کے سیاق و سباق سے
نکالنے چاہیں، جب اظہارِ قدرت مطلوب ہوتا ہے، تو کل من عند اللہ کہا جاتا ہے،
اور یہ بھی درست خدا چاہے تو تم میں برائی کرنے کا ارادہ ہی نہ پیدا ہو، خدا چاہے
تو کوئی کافر ہی نہ ہو لیکن قدرت و علم اور ہے سبب اور ہے، اس کا مطلب یہ نہیں
کہ چونکہ دنیا میں کفر باقی ہے اور خدا میں قدرت تھی کہ کفر باقی نہ رہے۔ لہذا کفر کا سبب
خدا ہوا، ہم مثال دے کر سمجھاتے ہیں ایک سونے کے پیالے کے نیچے کالا زہریلا سانپ
بند ہے ۔ مجھے اس کا علم ہے ایک شخص آتا ہے وہ پیالہ کو لینا چاہتا ہے۔ میں بتا دیتا ہوں
کہ اس میں سانپ ہے لیکن پھر بھی وہ پیالہ اٹھاتا ہے، سانپ کاٹتا ہے، وہ آدمی
مرجاتا ہے، یہ کون کہیگا کہ اس آدمی کی موت کا سبب میں ہوں، اگرچہ مجھ میں طاقت
و قدرت تھی، میرے پاس بندوق تھی جیسے ہی سانپ نکلا تھا میں اس کو بندوق سے
مار دیتا[۴۴] لیکن میں نے نہیں کیا باوجود اس کے میں اس آدمی کی موت کا سبب تو نہ
ہوا ۔ خداوند تعالیٰ فرماتا ہے لَن تَجِدَ لِسُنَّةِ اللَّهِ تَبْدِيلًا ۔ یعنی قوانین

قدرت میں تبدیلی نہیں ہوتی، ان قوانین میں سے ایک قانون یہ ہے کہ ہر ایک فعل ایک اثر پیدا کرتا ہے اور اثر کی نوعیت فعل کی نوعیت پر مبنی ہوتی ہے، لہٰذا بُرے افعال کا نتیجہ مصائب و تکالیف کی صورت میں ظاہر ہونا لازمی ہوا، مصیبتیں بھی دو قسم کی ہوتی ہیں، ایک امتحان کی صورت میں نازل ہوتی ہیں، دوسری عذاب کی صورت میں، دونوں حالتوں میں صبر کرنا باعث اجر ہوتا ہے۔ پہلی صورت میں صبر باعثِ حصولِ درجات عالیہ ہوتا ہے، دوسری صورت میں وہ کفارۂ گناہان ہو جاتا ہے۔ پہلی صورت میں بلایا امتحان ارادۂ خداوندی سے آتا ہے۔ دوسری صورت میں وہ مصائب انسان کے اپنے ہی افعال کا نتیجہ ہوتے ہیں۔ قرآن شریف میں دونوں حالتوں کا ذکر ہے۔ جو لوگ صاحب فہم ہوتے ہیں وہ اس نکتہ کو سمجھتے ہیں جن کو سقیفہ سازی کی حمایت مطلوب ہوتی ہے، وہ قرآن شریف پر تضاد کا اعتراض عائد کرتے ہیں، زیادہ طوالت کی ضرورت نہیں، ہماری بحث کے لئے اتنا کافی ہے کہ خود مولوی شبلی مانتے ہیں کہ اس اعتقاد کی وجہ سے سزا جزا، عقاب ثواب کی بنیاد اُکھڑ جاتی ہے، یہ بات ثابت کرنے کے لئے کہ یہ عقیدہ محض ملکی ضرورت کی وجہ سے قائم کیا گیا تھا ہم خود مولوی شبلی کی گواہی پیش کرتے ہیں ہیں۔ آپ فرماتے ہیں :-

> اختلاف عقائد کے اگرچہ یہ سب اسباب فراہم تھے لیکن ابتداء پالٹیکس یعنی ملکی ضرورت سے ہوئی، بنوامیہ کے زمانہ میں چونکہ سفاکی کا بازار گرم رہتا تھا، طبیعتوں میں شورش پیدا ہوئی لیکن جب کبھی شکایت کا لفظ کسی کی زبان پر آتا تھا تو طرفداران حکومت یہ کہہ کر اس کو چپ کر دیتے تھے کہ جو کچھ ہوتا ہے خدا کی مرضی سے ہوتا ہے۔ ہم کو دم نہیں مارنا چاہئے۔ آمنّا بالقدر خیرہ شرہ"

مولوی شبلی۔ علم الکلام حصہ اول ص ۱۷

اس عبارت کے حاشیہ پر لکھا ہوا ہے :- "اختلاف عقائد کی بنیاد پالٹیکس سے ہوئی"

دیکھئے حق کس طرح سر چڑھ کر بولتا ہے مولوی شبلی کہتے ہیں کہ یہ عقیدہ محض غلط ہے محض ملکی ضرورت کے لئے اختراع کیا گیا تھا اور وہ ضرورت یہ تھی کہ حکومت کے ظلم وجور پر پردہ پڑ جائے۔ لیکن اُلٹا اُلٹا ہر گردن مُلّا سمجھے کہ بنو امیہ ظلم وجور میں بدنام ہیں ان کے سر چپک دو، سب کھپ جائے گا۔ مگر ہم نے ثابت کر دیا ہے کہ یہ عقیدہ حضرت عمر نے ایجاد کیا تھا اور اہل بیت رسولؐ پر جو ظلم ہوا تھا اس کی پردہ پوشی کے لئے ایجاد کیا تھا۔ اس سے ہمارا وہ بڑا دعویٰ بھی ثابت ہو گیا کہ بنو امیہ تو محض شاگرد تھے پالیسی وسیاست تو وہ ہی حضرت عمر کی تھی جو بنو امیہ کے زمانہ میں بھی کارفرما تھی اور بنو عباس کے زمانہ میں بھی زیر عمل رہی۔ ایک اور دعویٰ ثابت ہوا کہ اسلام میں اختلاف کی باعث ان بزرگواروں کی سیاست تھی جس نے ایسے ایسے عقائد کی بنا ڈال کر اسلام کا ستیاناس کر دیا۔

اِن بزرگواروں نے اپنی کتابوں میں جو روایات دیکھیں ان سے یہ صحیح نتیجہ نکالا کہ دراصل نبوت کا کام آنحضرتؐ کی زندگی میں بھی حضرت عمر ہی کرتے تھے اور جو جو عقائد انہوں نے قائم کئے ان کی ہی پر اکثریت امت کے اسلام کی بناء پڑی۔ بسا اوقات حضرت عمر نے آنحضرت کی غلطیوں کو درست کیا ہے۔ بسا اوقات اسلام کی ہمدردی میں انہوں نے آنحضرت کے حق میں انَّ الرّجل لیھجر فرمایا ہے۔ اور ساتھ ہی اس کے ان بزرگوں نے کارکنان سقیفۂ بنی ساعدہ کے افعال و اعمال پر بھی نظر ڈالی، کہہ کچھ رہے ہیں، کر کچھ رہے ہیں، کہتے ہیں کہ حَسْبُنَا کِتَابُ اللہ۔ لیکن جب عمل کا موقعہ آتا ہے تو کتاب اللہ کی طرف نظر اٹھا کر بھی نہیں دیکھتے جناب فاطمہؑ سے نصاب شہادت طلب کرنے میں سختی کرتے ہیں۔ ہمنفس رسول پیش ہوتا ہے اس کی گواہی رد کرتے ہیں۔ کبھی ایک صحابی کے بیان پر جو اس کے اپنے حق میں ہوتا ہے لپیں بھر بھر کر زر وجواہرات کی دیتے ہیں۔ کبھی کہتے ہیں کہ ہم یک سر مو سنت رسول سے تجاوز نہیں کریں گے، کبھی اس سنت کی مخالفت ایسی کرتے ہیں کہ خمس تک ذوی القربیٰ کو نہیں دیتے۔ کہتے ہیں کہ رسول خدا نے اپنا کوئی جانشین مقرر نہیں کیا، کیونکہ اُمت کا

حق تھا کہ خلیفہ وحاکم مقرر کرے۔ کبھی اس سنت کو ترک کرکے خود اپنا جانشین مقرر کرنے لگتے ہیں، اپنی حکومت استوار کرنے کے لئے عورتوں تک کو رشوت دیتے ہیں، حضرت عباس تک کو رشوت کی تجویز سے اپنی طرف کرنا چاہتے ہیں، بنت رسولؐ کا گھر جلانے تشریف لے جاتے ہیں، رسول کے احکام کی خلاف ورزی کرنے کے لئے نبوت تک کی تقسیم کر ڈالی، لیکن اپنے احکام کی امت سے یہ کہہ کر اطاعت کراتے ہیں کہ ہر ایک صحابی رسول ہدایت کا ستارہ ہے جس کی چاہے اس کی اطاعت کرو، اور اگر اس سے اختلاف پیدا ہو تو یہ بھی رحمت ہے رسول کی اطاعت سے بچنے کے لئے تو نبوت تک کے ٹکڑے کر ڈالے لیکن صحابی کی اطاعت ایسی لازمی ہو گئی کہ اگر اسلام میں تفرقہ بھی پڑ جائے تو وہ رحمت ہے، اور اگر کتاب اللہ وَلَا تَفَرَّقُوا کہتی ہے تو کہا کرے وہ ہماری عقل کے تابع ہے نہ کہ ہم اس کے ہم اپنے قیاس سے اس کی تاویل کریں گے، وہ اپنے صریح الفاظ سے ہم پر حکومت نہیں کر سکتی غرضکہ اور ایسے ہی ہزاروں اعمال اور افعال ہیں۔ جب جماعت اہل حکومت نے یہ دیکھا تو اپنے تئیں بہت مشکل میں پایا۔ اور ان کارکنان سقیفہ کو جنتی ثابت کرنا بھی ضروری تھا۔ مشکل تو بڑی تھی لیکن اس سے بڑی بڑی مشکلیں صاحبان حل و عقد پہلے حل کر چکے تھے اور طریقے بھی بتا گئے تھے، لہذا وہی طریقہ استعمال ہوتا ہے اور ایک عقیدہ قائم کیا جاتا ہے۔ ہم پھر مولوی شبلی کو شہادت میں پیش کرتے ہیں۔

تیسرا اختلاف اس بناء پر تھا کہ ایمان کی حقیقت میں اعمال بھی داخل ہیں، یا نہیں؟ چونکہ اکثر حاشیوں میں حیا وغیرہ کی نسبت یہ الفاظ ہیں کہ انہ من الایمان اس لئے محدثین نے سمجھا کہ ایمان کی حقیقت میں اعمال بھی داخل ہیں لیکن اہل نظر نے جن میں امام ابو حنیفہ سب سے پیش رو تھے، اس سے اختلاف کیا، اور اعتقاد و عمل میں تفریق کی، محدثین نے ان لوگوں کا نام مرجیہ رکھا چنانچہ امام ابو حنیفہ کو بھی بہت سے محدثین

مرجیہ ہی کے نام سے یاد کرتے ہیں۔"

مولوی شبلی :- الکلام حصہ اول ص ۲۲

دیکھئے کیسا مفید عقیدہ ہے ع رند کے رند رہے ہاتھ سے جنت نہ گئی۔ مومن کامل بھی کہلاؤ، جنت بھی مل جائے کیونکہ جنت ہے ہی مومنوں کے لئے اور خوب عیش وعشرت بھی کر لو، غرضکہ حصول دُنیا ہی کو مقصد زندگی سمجھ کر اس کے لئے ہر طرح سے راستہ صاف ہو رہا ہے، پہلے تو ایک عقیدہ قائم ہوا کہ جو ہوتا ہے خدا کی طرف سے ہوتا ہے ہم بری الذمہ ہیں، خوب آزادی ملی، اب یہ نہلے پر دہلا آیا اعمال کی ضرورت ہی نہیں ایمان کے لئے، اور ان سب کا مخرج ہے وہ ہی سقیفہ بنی ساعدہ اور یہ سب حضرت عمر کے ایجاد کردہ قیاس کی نیرنگیاں ہیں جیسی جیسی ضرورت درپیش آتی ہے، عقائد مرتب ہوتے جاتے ہیں، قیاس کئے جاؤ اور مذہب کو اپنے خواہشات کے سانچے میں ڈھالتے جاؤ، حسبنا کتاب اللہ کہنے والوں نے پھر کتاب اللہ کو نظر انداز کر دیا، قرآن شریف میں جہاں جہاں جنت کا وعدہ کیا گیا ہے، وہاں یہ بھی ہے کہ یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ یہاں واؤ بدل کا ہے اور معنی یہ ہیں کہ اے مسلمانوں عمل نیک کرنے والو۔ تمہارے لئے جنت ہے۔ ایک جگہ بھی ایمان کو عمل سے جدا کر کے جنت کے حصول کے لئے کافی نہیں قرار دیا، لیکن کارکنان سقیفہ کی محبت نے مجبور کر دیا کہ ایمان کو عمل سے جدا کر کے ضرور اسلام کو مسخ کریں، زبانی اعتقاد ہی کو جنت کے حصول کے لئے کافی سمجھا گیا۔ حالانکہ قرآن شریف کا ارشاد ہے۔

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا۔ پارہ ۵ سورۃ النساء ع ۹ یعنی قسم ہے تیرے پروردگار کی جب تک اپنے تنازعات میں تجھیں حاکم نہ بنائیں اور جو فیصلہ تم کرو اس سے اپنے دل میں تنگ نہ ہوں بلکہ اس کو خوشی سے تسلیم کر لیں۔ تب تک یہ مومن نہ ہوں گے۔

دیکھئے کتنی عظیم الشان قسم کے ساتھ کہ جسکے آگے کوئی اور قسم ہی نہیں ہے ارشاد ہوتا ہے کہ جب تک یہ لوگ اپنے تنازعات میں تم کو حاکم نہ بنائیں یہ مومن ہی نہیں، ایمان کی شرط ہی یہ ہے، امت کہتی ہے کہ نہیں، حکومت تو نبوت میں شامل ہی نہیں یہ معلوم ہوا کہ یہ کہنے والے مومن ہی نہیں، اس سے یہ بھی ظاہر ہے کہ اطاعت عمل ہے، اس آیت سے ظاہر ہوا کہ عمل جزو ایمان ہے۔ نتیجہ نکلا کہ یہ عقیدہ قطعاً غلط ہے اور حسبنا کتاب اللہ کہنے والے کتاب اللہ سے روگردانی کر رہے ہیں۔

اکثریت امت کا اسلام حضرت عمر کی ایجاد ہمارا یہ دعوے کہ امت اسلامیہ کی اکثریت میں جو اسلام رائج ہوا وہ حضرت عمر کا ایجاد کردہ تھا اور یہی وہ اسلام ہے جو آج کل اس ذلت و نکبت کی حالت میں دیکھا جاتا ہے۔ بہت سے کانوں کو عجیب معلوم ہوگا اور بہت سے دلوں کو بعید از عقل نظر آئیگا لہذا ہر ایک پہلو سے اس کی تشریح و تفصیل کرنی ہمارا فرض ہوا، اس میں اگر کوئی مضمون دوہرایا جائے گا تو وہ بھی بغیر فائدہ کے نہ ہوگا، کیونکہ جس طرح پرانے زنگ کو دور کرنے کے لئے بار بار کے صیقل کی ضرورت ہے اسی طرح پیدائشی تعصب کو مٹانے کے لئے آوازِ حق کو تیز و مکرر کرنا ہوگا۔ شاعر نے خوب کہا ہے ؎

نوا را تلخ تر میزن چو ذوق نغمہ کم یابی
حدی را تیز تر میخواں چو محمل را گراں بینی

اپنے اس دعوے کے ثبوت میں ہم نے بہت کچھ کہہ دیا ہے، اب تو اس پھیلی ہوئی گفتگو کو ایک جگہ جمع کرتے ہیں۔ مندرجہ ذیل امور پر ناظرین غور کریں۔

(۱) شروع تو اس طرح کیا کہ نبوت کے باہر کے احکام ہر وقت قابلِ پابندی نہیں، ان کے ماننے یا نہ ماننے سے اسلام یا ایمان میں فرق نہیں آتا۔ ان کی ترمیم و تنسیخ ہم کر سکتے ہیں۔

(۲) حکومت دائرۂ نبوت میں شامل نہیں لہذا اس کے متعلق جتنے احکام ہوں گے ہم ان کو نظر انداز کر سکتے ہیں۔

(۳) ہمیں رسول خدا کی ہدایت کی ضرورت نہیں حسبنا کتاب اللہ۔

(۴) جناب رسول خدا کے قائم کردہ شرائع اسلام بہت محدود ہیں، زمانہ کی ترقی و تمدن کی پیچیدگیوں کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔

(۵) لہذا ہمارے لئے جائز ہے کہ ہم ان امور میں اپنی عقل و قیاس سے مداخلت کر کے ان کو ترمیم و تنسیخ کریں۔

(۶) اول اول تو قاعدہ قائم کیا کہ عقل و قیاس کی مداخلت اس جگہ ہونی چاہئے، جہاں کتاب اللہ و سنت رسول خاموش ہیں لیکن یہ ہدایت اوروں کے لئے ہی تھی، خود اپنے لئے تو حضرت عمر نے اس حد کو کبھی قابل پابندی نہ پایا۔

(۷) لیکن بہت جلد اندرون و بیرون نبوت کا امتیاز جاتا رہا۔ حضرت عمر کے عقل و قیاس کی مداخلت آنحضرت صلعم کے ہر ایک حکم میں ہو گئی اور نبوت کا دائرہ اتنا سکڑا کہ بالکل معدوم ہو گیا، نمازیں، حج میں، جہاد میں غرض ہر جگہ حضرت عمر کی ترمیم تنسیخ نظر آتی ہے۔

(۸) مولوی شبلی کہتے ہیں کہ فقہ کا فن تمام تر حضرت عمر کا ساختہ و پرداختہ ہے اور انہوں نے بہت کثرت سے فقہ میں نئے نئے قواعد جاری کئے، جو آج تک حنفی فقہ میں موجود ہیں۔ مولوی شاہ ولی اللہ دہلوی نے ازالۃ الخفاء میں ایک رسالہ ہی حضرت عمر کے مذہب کے متعلق لکھا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔

"یہ رسالہ جس کے مدون و جمع کرنے کی اللہ عزوجل نے مجھے توفیق دی حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ وارضاہ کے مذہب کے متعلق ہے، مذاہب ائمہ اربعہ اس کی بمنزلہ شروح کے ہیں اور مجتہدین مذاہب اربعہ بمنزلہ مجتہدین منتسبین کے جو مجتہد مستقل کے تابع ہوتے ہیں۔

اردو ترجمہ ازالۃ الخفاء حصہ دوم ص ۳۳۱

اس سے صاف ظاہر ہے کہ سواد اعظم یعنی اہل سنت و جماعت کا مذہب وہی ہے جو حضرت عمر کا مذہب تھا، اور حضرت عمر کا مذہب وہ تھا جو انہوں نے اپنی عقل و قیاس کی مداخلت سے اسلام کی ترمیم و تنسیخ کر کے قائم کیا تھا اور

اس میں ایسے ایسے خطرناک اصول داخل کر دئے تھے، جنہوں نے اسلام میں ہزاروں
خرابیاں پیدا کر دیں یہ امر واقعہ کہ حضرت عمر کی وفات تک ان کا ایک مستقل مذہب
قائم ہو چکا تھا، جو آنحضرت کے مذہب کے بالکل مخالف ایک علیحدہ شے تھی۔
اس سے ظاہر ہے کہ عبد الرحمٰن بن عوف کو حصولِ خلافت کے لئے آنحضرتؐ کی
سنت کے مقابلہ میں علیحدہ شیخین کی سنت کی پیروی کرنے کی شرط قائم کرنی
پڑی اگر یہ دونوں مذہب ایک ہوتے تو حضرت علی کا اقرار کہ میں سنتِ رسولؐ
کی پیروی کروں گا کافی سمجھا جاتا لیکن وہ کافی نہ سمجھا گیا جس کے یہ معنی ہیں کہ سنتِ
رسول ایک علیحدہ شے تھی اور اسکے مقابلہ میں سنت شیخین ایک علیحدہ شے تھی۔ اور
ایک کی پیروی دوسرے کی پیروی نہیں سمجھی جاتی تھی ممکن ہے کہ کوئی اعتراض کرے
کہ دین اور شے ہے اور فقہ اور، اگر حضرت عمر نے فقہ میں اختلاف پیدا کیا تو
دین کو نہیں چھیڑا، لہذا یہ کہنا کہ انہوں نے اسلام کے علاوہ دوسرا مذہب
یا دین پیدا کیا درست نہ ہوگا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ جس کو آپ دین کہتے ہیں
وہ تو فقط ایک اعتقادی اصول سے مرکب ہے۔ فرد یا قوم کے عمل کا انحصار تو ان تمام
جزئیات پر ہے جس کو آپ فقہ کہتے ہیں۔ علاوہ اسکے اصولِ دین آپکے یہاں
یہ ہیں (۱) وحدانیت (۲) رسالت (۳) ایمان بالملائکہ (۴) قرآن شریف
(۵) ایمان بانبیائے سالقہ (۶) قیامت۔ دیکھو عقائد الاسلام تالیف
مولوی عبد الحق محدث دہلوی ص ۸، ۹۔ خداوند تعالےٰ کی ایک ہی صفت
وحدانیت تو نہیں ہے اگر متعدد صفات میں سے ایک میں بھی آپ نے ردوبدل
کیا تو گویا دین میں تبدیلی کی، اسی طرح نبوت کا جب آپ نے دائرہ اتنا تنگ
کیا کہ جتنا حضرت عمر نے کر دیا تو گویا انہوں نے اصلی دین میں تغیر پیدا کیا، قرآن
شریف کی غلط تاویل و تفسیر محض اپنی عقل و قیاس کی بناء پر کرنی جس کی بنیاد حضرت
عمر نے ڈالی وہ بھی تو دین کو متغیر کرنا ہوا۔ جناب محمد مصطفےٰؐ کو آپ نے رسولؐ تو مانا
لیکن ایسا معطل و بیکار رسول مانا کہ ان کے ہر ایک کام کو حضرت عمر ترمیم و

ومنسوخ کر سکتے تھے اور ان کی نبوت و رسالت کے دائرہ کو ایسا تنگ کیا کہ ان کے اختیارات اعظم گڑھ کی کسی چھوٹی سی مسجد کے مُلّا کے برابر رہ گئے تو آپ نے کیا مانا۔ غرضکہ اس بحث کو بھی آپ لیں تو کچھ کام نہیں بنتا۔

حضرت عمر کی ترمیم و تنسیخ مذہب و ایجاد عقائد کا مقصد

حضرت عمر کی ترمیم و تنسیخ مذہب و ایجاد

عقائد کا مقصد اس کتاب کے شروع سے ہم ظاہر کرتے آئے ہیں اب صرف سلسلۂ کلام قائم رکھنے کے لئے اختصار کے ساتھ اس کا ذکر کرتے ہیں، ایک ایسی حکومت پر قبضہ کرنا مقصود تھا جس کی پیدائش ہی مذہب سے ہوئی تھی اور جس کی طاقت اور آئندہ کی ہستی مذہب اور محض مذہب پر مبنی تھی لہٰذا ضروری ہوا کہ اس سرچشمہ ہی پر قبضہ کر لیا جائے تاکہ اقتدار مکمل ہو جائے اس اعتقاد کی ایجاد و اشاعت کہ حکومت جزو نبوت نہیں ہے، صرف اس قدر ہی مفید ہو سکتی تھی کہ آنحضرت کے احکام کی خلاف ورزی کرنے کے باوجود وہ لوگ اپنے تئیں مسلمان کہہ سکتے تھے، بہت کوشش کی کہ بطور امر واقعہ حکومت نبوت و مذہب سے علیحدہ ہو جائے لیکن ایسا نہ ہوا، باوجود اس اعتقاد کے حکومت اسی طرح مذہب سے وابستہ و پیوستہ رہی، اس حکومت کا خمیر ہی مذہب سے بنا تھا، لہٰذا مذہب کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا تھا، یہ بھی بیّن ثبوت ہے اس امر کا کہ حکومت نبوت کا جزو اعظم تھی، اس جماعت نے اچھی طرح معلوم کر لیا کہ ان کی سیاست مکمل طور سے اسوقت ہی کامیاب ہو سکتی ہے کہ جب یہ مذہب پر بھی قبضہ کریں۔ اس وجہ سے ان کے سردار حضرت عمر نے اس کی ابتدا زمانۂ رسول ہی سے کردی اور مذہب کے امور میں مداخلت شروع کردی تاکہ لوگوں کی آنکھوں میں اسلام کی تشکیل کرنے والوں میں یہ بھی ایک سمجھے جائیں ورنہ غور کیجئے کہ جناب رسولخدا کی حیات میں ان کو قیاس و استعمال عقل کی امور مذہبی میں کیا ضرورت تھی، ان کی عقل ان کا قیاس جناب رسولخدا کے عقل و قیاس سے زیادہ صحیح نہیں ہو سکتا تھا آنحضرت

خود ہی اُمورِ اسلام کا بہترین طریقے سے اہتمام کر سکتے تھے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ جناب رسول خدا کی حیات ہی میں تجویز یہ عمل آچکی تھی اور امور مذہب میں مداخلت شروع ہو چکی تھی

کارکنان سقیفہ بنی ساعدہ کے طرزِ عمل کے بُرے نتائج

داکنم زخم دل ار طاقت دیدن داری
سر کنم نالہ اگر تابِ شنیدن داری

اپنے اور غیر سب کو تعجب ہے کہ وہ دین جو دعویٰ اکملیت لے کر دنیا میں آیا تھا، وہ دین جس نے اتمامِ نعمت کا وعدہ کیا تھا، اس حالت میں ہو جائے جس حالت میں ہم اس کو آج دیکھتے ہیں، اگر نقص کی طرف چلے جانے کی قابلیت باقی رہ جائے تو وہ اکملیت کیا، اور جس اتمامِ نعمت کا وعدہ کیا تھا وہ تو مطلقاً اس حکومت میں نظر نہیں آتی جو آنحضرتؐ کے انتقال کے بعد قائم ہوئی، اس نعمت سے مطلب عیش و عشرت و توسیع مملکت نہیں ہو سکتا کیونکہ یہ تو علیسائیت کو بہ نسبت اسلام کے بہت زیادہ حاصل رہی ہے اور اب تک ہے آخر ایسا کیوں ہوا؟ مسلمان اور اسلام ایسے کیوں پست و ذلیل ہو گئے، ہر ایک مسلمان کا فرض ہے کہ وہ ان اسباب پر غور کریں جو اسکے تنزل کے باعث ہوئے تاکہ اُن کو دور کیا جائے۔ ہم نے بھی غور کیا اور جس نتیجہ پر ہم پہنچے وہ ناظرین کی خدمت میں پیش ہے۔ مسلمانوں کے ملکی زوال و مذہبی تنزل کی داستان اتنی طویل ہے کہ بڑے بڑے حکمائے و دانشوران اس کو عرصے سے کہتے آئے ہیں اور اب تک ختم نہیں ہوئی، لیکن افسوس ہے کہ معاملہ داستان گوئی سے آگے نہ بڑھا، کبھی داستان سننے والے سنتے سنتے سو گئے کبھی کہنے والے کہتے کہتے اونگھنے لگے، اس کے اصلی اسباب کی طرف غور کرنے میں بیدائشی مذہب مانع رہا، لہٰذا علاج نہ ہو سکا یہاں تک کہ اب تنزل و انحطاط اپنی آخری حد کو پہونچ گیا، شاید یہی باعث بحالی صحت ہو جائے، ع مرض کا حد سے گزرنا ہے دوا ہو جانا۔ اب تو اصلی اسباب کے سوچنے پر لوگ مجبور ہو جائیں گے، غرضکہ داستان کہنے والے یکے بعد

دیگرے کہتے گئے، جب رات اخیر ہونے کو آئی تو شمع اس حقیر تک پہونچی، اس دانائے راز کو گواہ کرکے کہتا ہوں کہ جو دلوں کے بھیدوں سے قبل ان کے دل میں آنے کے واقف ہوجاتا ہے کہ میرا مدعا کسی کا دل دکھانا نہیں ہے، لیکن کیا کروں کہ جب تاریخی واقعات بھی مذہبی لباس پہن لیں اور پھر جائز تنقید کو نہ برداشت کرسکیں۔ بہرصورت مضمون تلخ ضرور ہے جب سارے ہی جسم میں سمیت اثر کرجاتی ہے تو تلخ دواؤں کے بغیر چارہ نہیں، چرائتہ او رشاہترہ میں عناب ڈالے جائیں پھر تو کڑوا ہی رہے گا۔

ہماری تحقیقات کا نتیجہ ہے کہ مسلمانوں کی اکثریت نے اس اسلام کو نہ سمجھا اور نہ قبول کیا جو رسول خدا لے کر آئے تھے اور یہ تو قطعی ہے کہ اگر آنحضرت کی حیات میں قبول بھی کرلیا تھا تو آنحضرت کی وفات پر جب اس کا تصادم دنیاوی حکومت و وجاہت سے ہوا تو دنیا کے مقابلہ میں اس دین کو چھوڑ دیا۔ اور اپنے دل کی تسلی کے لئے اس کی بجائے وہ اسلام قبول کرلیا جو ان کے رہنماؤں نے مرتب کیا تھا، یہ ہی وہ اسلام ہے جو آج کل نکبت و ذلت کی حالت میں پایا جاتا ہے، اس اسلام نے کبھی دعوائے اکملیت کیا ہی نہیں لہٰذا اس کا نقص پذیر ہونا باعث تعجب نہیں اس اسلام کے پاس کوئی نعمت ہی نہ تھی۔ یہ مسلمانوں کو کیا دیتا اور جو کچھ اس نے مسلمانوں کو دیا، یعنی دنیاوی عیش وعشرت وہی رسی بن کر اس کے گلے میں ایسی پڑی کہ نہ جان ہی نکلے اور نہ رسی ٹوٹے، لا یموت ولا یحییٰ کا منظر ہے، آنکھیں نکلی ہوئی زبان باہر، نیم مردہ حالت میں یہ اسلام پڑا ابھرتا ہے، اور منتظر ہے اس وقت کا جس کا وعدہ جناب رسولخدا نے کیا تھا کہ اس ہی آل عبا آل کو انہوں نے اس دنیا کے مقابلہ میں چھوڑ دیا تھا، مردے از غیب بروں آید و کارے بکند۔

مندرجہ ذیل امور بہت اچھی طرح ثابت ہو چکے ہیں۔

(۱) حضرت ابوبکر کی خلافت دراصل حضرت عمر کی خلافت تھی۔

(۲) حضرت عمر نے عمداً کوشش بلیغ کے ساتھ حضرت عثمان کو خلافت دلائی، اور وہ چاہتے تھے کہ خلافت بنو امیہ میں جائے ص ۹۷۵ تا ۹۷۷ و ۱۳۶۱ ص ۱۱۵۶ - کتاب ہذا۔

(۳) بنو امیہ نے اُمور سلطنت و اصول سیاست میں قدم بقدم حضرت عمر کی تقلید کی، اور ان دونوں حکومتوں کی سیاست و سیاسی مقاصد ایک ہی تھے ص ۱۲۳۸ لغایت ۱۲۴۲ کتاب ہذا۔

(۴) "عباسی سلطنت اموی سلطنت کی پوری جانشین تھی، حکومت کی روح اور دستور میں اس سے متفق، تمدن کے مظاہر نیز اس سے ترقی یافتہ صرف عربیت کی جگہ عجمیت تھی، قومی زندگی کے شعبے (سیاست کے علاوہ) حکومت سے کلیتاً آزاد تھے، اخلاقی ابتری پہلے سے بڑھ گئی بغداد اور اسلامی سلطنت کے اہم مرکز عیش و عشرت کا گہوارہ بن گئے، تفصیلات کے لئے اغانی اور کتاب الحیوان کا مطالعہ کیجئے"

سیرۃ سید احمد شہید مؤلفہ ابوالحسن علی ندوی ص ۳۶ ۔

لہذا ظاہر ہوا کہ جو سیاسی اصول و مذہبی عقائد کارکنانِ سقیفہ بنی ساعدہ نے مرتب کئے، اور جس طرح اسلام کو ترمیم و تنسیخ کیا وہ ہی اصول و عقائد و ترمیم شدہ اسلام سارے دنیا میں پھیلا اور اب تک اکثریت میں وہ ہی اسلام رائج ہے اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ اُن اصول و عقائد پر عمل کرنے سے جو جو نتائج سلطنت بنی امیہ و حکومتِ بنی عباس میں برآمد ہوتے رہے ان سب کے سبب اول یہی حضرات تھے اور ان سب امور کی ذمہ داری ان پر عائد ہوتی ہے

کارکنان سقیفہ بنی ساعدہ کے طرز عمل اور ان کے ان اعتقادات نے جو وہ اس کشمکش حکومت میں کامیابی حاصل کرنے اور اس کو قائم رکھنے کے لئے ایجاد کرنے پر مجبور ہوئے اسلام پر ہمیشہ کے لئے نہایت خراب اثر ڈالا اور اُس سے مندرجہ ذیل نتائج برآمد ہوئے ۔

(۱) توہین رسالت۔
(۲) توہین رسول
(۳) توہین وتحقیر آل رسول
(۴) تغییر، ترمیم، اور مسخ اسلام

ان کے نمونے اور مثالیں ہم دے چکے ہیں۔

(۵) حکومتِ الٰہیہ کا انکار۔ خداوند تعالیٰ نے مسلمانوں کو ایک ایسی حکومت الٰہیہ مبنی بر عدلِ کامل عطا فرمائی تھی کہ اگر اس کو قبول کر لیتے تو بقول رسول قیامت تک گمراہ نہ ہوتے (صفحات ۳۹ تا ۱۵ کتاب اول) لیکن سقیفہ سازی نے مسلمانوں کو اس حکومت کے قبول کرنے سے باز رکھا۔

(۶) نعمت عدل۔ کامل انسانوں کے سلسلہ کی نعمت جو اس حکومتِ الٰہیہ کے لئے مقرر ہوئی تھی اور جو دنیا میں وہ نعمت پھیلاتے جو اب تک بنی نوع انسان کو نہیں ملی تھی یعنی عدل کامل اس نعمت سے اعراض کیا جو کہ ناشکرگذاری کا آخری درجہ ہے (صفحات ۱۰۱ لغایت ۱۰۶ کتاب اول)

(۷) کفرانِ نعمت۔ اس کفرانِ نعمت کا نتیجہ فقدانِ نعمت ہوا۔ اِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ اِنَّ عَذَابِيْ لَشَدِيْدٌ۔

(۸) حکومت فرعونیہ کا رواج۔ لہٰذا حکومت الٰہیہ نہ رہی اور اسلام میں بھی وہی فرعونیہ حکومت کا رواج ہوا جو دیگر مذاہب میں تھا۔

(۹) اسلام میں تفرقہ۔ اسلام میں افتراق اور فرقہ بندی سقیفہ سازی کا براہِ راست نتیجہ ہے۔ ہر ایک فرقہ یہی کہتا ہے کہ ہم نے اسلام میں تفرقہ پیدا نہیں کیا۔ بلکہ ہمارے مخالفین نے کیا ہے، اکثریت نے ایک نہایت عیارانہ بحث پیدا کی ہے، وہ کہتے ہیں کہ چونکہ ہم اکثریت ہیں اصلی جماعت ہماری تصور ہونی چاہیئے، اور جو جماعت سے علیحدہ ہوا وہ بھولائے فلاں فلاں حدیثِ رسول دوزخی ہے۔ کیا ان لوگوں میں صحیح غور و فکر کی قابلیت ہی نہیں یا عمداً دوسروں کی آنکھ میں خاک ڈالنا کچھ ہنر سمجھتے ہیں، جماعت تو طاغوتی جماعت بھی ہوتی ہے رحمانی

جماعت بھی ہوتی ہے، اور افراد کی تعداد کبھی حقیقت کا فیصلہ نہیں کیا کرتی، خود اپنی ہی جماعت کو لو، اس میں اقلیت علماء کی ہے، اکثریت جہلاء کی ہے جو توہمات، رسومات، رواجات، گنڈہ پرستی، جادو پرستی، پیر پرستی اور قبر پرستی کو صحیح اجزاء مذہب سمجھے ہوئے ہیں، اب اس اصول کو تو اس پر آزمائیے، اکثریت کو جماعت کہتے ہیں، اس جماعت سے انحراف باعثِ عذاب ہے، اکثریت جہلاء کی ہے، اس کے مذہب سے علمائے نے انحراف کیا ہے، لہٰذا علماء مستوجب عذاب ہوئے۔

اصلی جماعت کون ہے؟ صحیح غور و فکر یہ ہے جو ہم بتاتے ہیں، اس معمہ کے حل کرنے کے لئے سب سے پہلے یہ بات دیکھنی چاہیئے کہ اختلاف کس سے ہے۔ ایک مذہب یا فرقہ کی دو جماعتوں کا آپس میں اختلاف ہے یا ان میں ایک گروہ خود بانیٔ مذہب سے اختلاف کر رہا ہے، اگر دو جماعتوں میں آپس میں اختلاف ہے، تب تو اس تحقیقات میں آگے جانے کی ضرورت ہوگی لیکن اگر بانیٔ مذہب اور اسکے مقلدین میں اختلاف ہے تو اسکو اختلاف نہیں بلکہ ارتداد کہیں گے، اصلی جماعت جسکو واقعی جماعت کہتے ہیں کہ جس سے انحراف کرنا موجب عذاب الٰہی ہوتا ہے بانی مذہب اور اسکے ہمخیال مقلدوں کی جماعت ہوتی ہے خواہ وہ تعداد میں کم ہی کیوں نہ ہو، جماعتِ اہل حکومت نے جناب رسول خدا کی حدیث کو اس طرح بیان کیا ہے۔

> نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے، عنقریب میری امت میں بہتر فرقے ہو جائیں گے اور وہ سب کے سب دوزخی ہوں گے مگر ایک فرقہ نہ ہوگا، اصحاب نے عرض کیا کہ یارسول اللہ وہ کون سا فرقہ ہے۔ فرمایا جو میرے طریقے اور میرے اصحاب کے طریقہ پر ہوگا۔

عقائد الاسلام مصنفہ مولوی عبدالحق محدث دہلوی ص ۱۲۸

جو ہم کہہ رہے تھے وہی بات نکلی اصلی جماعت وہ ہی ہے جس میں جناب رسول خدا

اور ان کے ہمخیال اصحاب تھے، اور جو ان سے اختلاف کریگا وہ ناری ہے، اس ہی اصول پر عمل کر کے اب ہم دیکھتے ہیں کہ اسلام میں اختلاف (۱) کب سے ہوا، (۲) کس نے کیا اور (۳) کس سے کیا۔

آغاز تفرقہ۔ اس تحقیقات کے لئے ہم سوادِ اعظم ہی کی کتابوں کی طرف رجوع کرتے ہیں ملل و نحل شہرستانی اور شرح مواقف میں جہاں ملت اسلامیہ کے افتراق و اختلاف کا ذکر ہے لکھتے ہیں کہ امت اسلامیہ میں پہلے دو اختلافات تجہیز جیش اسامہ اور قضیۂ قرطاس کے ہیں دیکھو صفحات ۱۰۲، ۱۰۳ کتاب اول یہ دونوں اختلافات آنحضرت ص کے زمانہ میں ہوئے تھے۔ لہٰذا پہلے سوال کا جواب تو یہ ہے کہ امت اسلامیہ کا وہ افتراق عظیم جو مابعد کے تمام اختلاف و افتراق کا موجب ہے آنحضرت ص کی حیات ہی میں واقع ہو گیا، یہ تو ظاہر ہے کہ یہ افتراق یا اختلاف عظیم خود آنحضرت ص سے تھا، دیکھو صفحات ۲۰۱ لغایت ۲۰۴ کتاب اول اور مذاہب اسلام مؤلفہ مولوی عبد الغنی ص ۲۱، اور یہ اختلاف مسئلہ امامت کے متعلق تھا، جیسا کہ ہم ثابت کر چکے ہیں، اور جیسا خود حضرت عمر تسلیم کرتے ہیں کہ آنحضرت حضرت علی کو اپنا خلیفہ مقرر فرمانا چاہتے تھے اور ان کے حق میں خلافت کی وصیت تحریر کرنا چاہتے تھے لیکن میں نے اسلام کی محبت و شفقت کی وجہ سے آنحضرت کو اس سے باز رکھا اور وہ وصیت نہ لکھ سکے۔ دیکھو صفحات ۹۱۹، ۹۲۰ کتاب ہذا۔ آنحضرت اس قدر ناراض ہوئے کہ فرمایا قُوْمُوْا عَنِّیْ مجھ سے دور ہو جس حالت میں میں ہوں وہ بہتر ہے بہ نسبت اس کے جس کی طرف تم مجھ کو بلاتے ہو۔ مسلمان خود فیصلہ کر لیں کہ ان دونوں میں سے کون ہستی برحق تھی حضرت عمر یا جناب رسولِ خدا

ہمارا مدعا بہر صورت ثابت ہے کہ یہ اختلاف آنحضرت ص سے تھا، اب اس کو توڑ مروڑ کر یہ کہنا کہ وہاں اصحاب کی دو جماعتیں ہو گئیں یہ اختلاف ان دونوں جماعتوں کا آپس کا اختلاف تھا، اجتہادی اختلاف تھا، اسلام کے فائدہ کے لئے تھا محض لیپا پوتی ہے اور اس سے اصلیت کو چھپانا مقصود ہے، در اصل اختلاف

تو براہ راست آنحضرتؐ سے تھا، کچھ لوگ آنحضرتؐ کے ہمخیال ہوگئے کچھ حضرت عمرؓ کے۔

لہٰذا نتیجہ نکلا کہ

اسلام کا پہلا اور دائمی اختلاف و افتراق جو آئندہ کی ساری فرقہ بندی کی جڑ تھا، آنحضرتؐ کے خلاف تھا، قضیۂ امامت وخلافت کے متعلق تھا۔ آنحضرت اور آپ کے ساتھی چاہتے تھے کہ آپ کے بعد حضرت علی خلیفۂ بلافصل ہوں آپ کے مخالفین اصحاب چاہتے تھے کہ علی خلیفہ نہ ہوں یہ اختلاف مخزن و منبع تھا، آئندہ کے تمام افتراق واختلافا کا، اس افتراق کے بانی خود حضرت عمر تھے۔

شیعہ وسنی تنازعہ کی ابتدا۔ آپ فرمائیے اصلی جماعت کون سی تھی اور کون اس جماعت سے علیحدہ ہوکر بفحوائے حدیث رسول مستوجب عذاب ہوا، یہ بالکل غیر متعلق ہے کہ کس نے آگے چل کر متعدد ترکیبوں سے اپنی جماعت کو بڑھا لیا، اور اپنا مقصد حاصل کرلیا، یہ ہے شیعہ وسنی اختلاف کی ابتداء اہل سنت وجماعت کے فرقے کے اندر بہت سے فرقے بن گئے لیکن وہ سب ایک اعتقاد پر متفق ہیں یعنی یہ کہ آنحضرت کے جائز خلیفۂ بلافصل حضرت ابوبکر ہیں اسی طرح شیعوں میں بھی چند فرقے ہوئے لیکن وہ سب اس امر پر متفق ہیں کہ جناب رسول خداؐ کے خلیفۂ بلافصل حضرت علی تھے۔ اگر ابھی یقین نہیں آیا تو اور غور کرو، قادیانی دیکھو اہل سنت وجماعت سے کسقدر بعید ہیں، اہل قرآن و اہل حدیث کو لو، یہ سب مسئلہ خلافت میں متفق ہیں، یہاں تک کہ خارجیوں کو تو اہل سنت وجماعت بالکل ہی گمراہ سمجھتے ہیں۔ وہ بھی حضرت ابوبکر کو جائز خلیفہ رسول برخلاف حضرت علی کے سمجھتے ہیں، عبدالحق دہلوی اپنی کتاب عقائد الاسلام میں کہتے ہیں کہ ابومنصور ماتریدی اور ابوالحسن اشعری اہل سنت و الجماعت کے علم عقائد میں امام ہیں ۱اہل سنت شافعی، حنبلی، مالکی حنفی ہیں

اور اہل حدیث بھی ان میں ہی داخل ہیں عقائد الاسلام ص ۳۔ اور محمد نجم الغنی اپنی کتاب مذاہب الاسلام میں ص ۲۳ پر تحریر کرتے ہیں کہ غنیۃ الطالبین میں مذکور ہے کہ تہتر فرقوں کی اصل یہ دس فرقے ہیں۔ اہل سنت و جماعت خوارج، شیعہ، معتزلہ، مرجیہ، مشبہ، جہمیہ، ضراریہ، بخاریہ، کلابیہ، اس ہی کتاب کے ص ۱۳۱ پر درج ہے کہ ابن حزم نے ملل و نحل میں کہا ہے کہ اہل اسلام کے پانچ فرقے اصلی ہیں، ایک اہل سنت دوسرے معتزلہ اور ان ہی میں قدریہ داخل ہیں تیسرے مرجیہ اور ان ہی میں جہمیہ و کرامیہ کا شمار ہے چوتھے شیعہ پانچویں خوارج جن میں ازارقہ و اباضیہ ہیں۔ ہم مولوی شبلی کی شہادت سے ثابت کر چکے ہیں کہ امام ابوحنیفہ مرجیہ تھے۔ اور معتزلہ کا مسئلہ خلافت میں اہل سنت وجماعت کے متفق ہونا ابن ابی الحدید معتزلی کی شرح نہج البلاغۃ سے ثابت ہے جا بجا اس نے حضرات ثلاثہ کی خلافت کی جوازیت کے ثابت کرنے میں اپنا زور لگا دیا ہے دیکھو ابن ابی الحدید شرح نہجہ البلاغہ الجزء الاول ص ۱۳۵۔ الجزء الرابع ص ۱۷۱، ۱۷۲، ۱۷۵، ۱۷۶، ۱۸۲، ۱۸۵ اسی وجہ سے دونوں میں عصمت شرطِ امامت و خلافت نہیں رکھی گئی، دیکھو شرح نہج البلاغۃ الجزء الرابع ص ۶۸ اور اربعین امام رازی۔ چنانچہ نجم الغنی اپنی کتاب مذاہب الاسلام کے ص ۱۰۴ پر کہتے ہیں کہ اربعین میں تو امام صاحب نے صاف الفاظ میں کہہ دیا ہے کہ اہل سنت اور معتزلہ اور زیدیہ اور خوارج کے نزدیک امام کا معصوم ہونا واجب نہیں، اب ہمارا قول ثابت ہو گیا کہ اسلام میں اصلی تفریق ایک ہی ہے اور وہ مسئلہ خلافت پر ہے باقی جو اور فرقے بنے، خواہ سنیوں میں سے بنے یا شیعوں میں سے نکلے وہ بھی حضرت عمر کے غیر محدود اور غیر مشروط عقل و قیاس کو آزادی دینے کی وجہ سے ہوئے، اس کا یہ جواب درست نہ ہوگا کہ شیعہ کیوں حضرت عمر کے اصول کو مانتے، دنیاوی وجاہت و ثروت کی چمک اور جاذبیت فقط سنیوں ہی کے لئے نہیں ہے

جو اسکے پیچھے جائے گا اسے ایک سے اصول ہی پر چلنا پڑیگا، خواہ شیعہ ہو، خواہ سنی، جب تک غیر محدود عقل و غیر مشروط قیاس کو آزادی نہ دیتے وہ اپنی اصل جماعت سے علیحدہ کس بناء پر ہوتے۔

خوارج کی نسبت نجم الغنی صاحب مذاہب الاسلام کے ص ۴۸۹ پر لکھتے ہیں کہ یہ سب کے سب حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کی محبت اور حضرت علی ابن ابی طالب کے بغض میں غالی ہیں۔ ان کا عقیدہ یہ ہے کہ مسلمان وہ ہے جو نبی علیہ السلام و حضرت ابوبکر و حضرت عمر کے مذہب پر ہو ... گویا اسلام کی تفریق اصلی یہ امامت ہی کا قضیہ ہے۔ اور اس اعتقاد کا ظہور قطعی طور سے بستر مرگ رسول پر ہوا، جب آنحضرت صلعم نے خلافت کی وصیت حضرت علیؑ کے حق میں لکھنی چاہی اور حضرت عمر مانع ہوئے لہذا دو اور دو چار کی طرح سے ثابت ہوا کہ شیعہ و سنی کی ابتداء اگر ان سے پہلے نہیں تو تجہیز جیش اسامہ و قضیۂ قرطاس کے وقت تو ضرور ہو گئی، شیعہ وہ اصحاب تھے جو آنحضرت صلعم کے موافق تھے اور چاہتے تھے کہ حضرت علی خلیفہ بلا فصل ہوں سنی وہ تھے جو آنحضرت کے مخالف تھے اور چاہتے تھے کہ حضرت علی آنحضرت کے خلیفہ بلا فصل نہ ہوں لیکن چونکہ یہ صاف گوئی اصلی صورت حالت کو عریاں کر کے پیدائشی اعتقاد کے ساتھ تصادم پیدا کرتی ہے لہذا اسکو مکدر کرنے کی کوشش کی گئی اور کہا گیا کہ شیعہ و سنی کی ابتداء امیر معاویہ کے وقت میں ہوئی، جب امام حسنؑ نے صلح خلافت کر کے حکومت معاویہ کے سپرد کی اس سال کو سنۃ الجماعت کہنے لگے جو عرف عام میں سنت و جماعت ہو گیا، جو ان کے مخالف رہے وہ شیعہ کہلائے۔

لیکن یہ صریحاً غلط ہے شیعہ و سنی کے اختلاف کی بناء حسنؑ و معاویہ کی خلافت نہیں ہے، بلکہ ان کے اختلاف کی بناء حضرت ابوبکر و علی کی خلافت ہے ایک لفظ کو درمیان میں لاکر مغالطہ پیدا کرنا چاہتے ہیں شیعیان علی و شیعیان معاویہ تو اس زمانہ میں اپنے لغوی معنی میں استعمال ہوتے تھے یعنی حضرت علی کا لشکر یا ان کی جماعت اور معاویہ کا لشکر یا ان کی جماعت شیعیان علی یا اس زمانہ میں بہت لوگ سے سمجھے

خلافت کی ترتیب ظاہری کو جائز سمجھتے تھے۔ علی کے مقابلہ میں محض معاویہ کو رد کرتے تھے یہ وہ فرقہ نہیں ہے جو اصطلاحی معنی میں شیعہ کہلاتا ہے اس ہی نکتہ کو نہ سمجھنے کی وجہ سے یا جان بوجھ کر مغالطہ پیدا کرنے کی غرض سے کہتے ہیں کہ امام حسینؑ کو شیعیان کوفہ نے قتل کیا۔

کارروائی سقیفہ کی بنیاد تفرقہ پر۔ سقیفہ سازی کی بنیاد ہی افتراق واختلاف پر تھی اور جس طریقے سے انتخاب خلیفہ کی بحث شروع ہوئی، وہ آئندہ کے فتنہ وفساد کا تخم اپنے میں مضمر رکھتی تھی جو لوگ وہاں موجود تھے ان سب نے اسباب کو سنگ طور سے بغیر حجت وبحث کے تسلیم کر لیا کہ امت اسلامیہ دو فرقوں میں منقسم ہے، مہاجر وانصار، ایک فریق نے کہا کہ مہاجرین میں سے خلیفہ ہو، دوسرے فریق نے کہا کہ انصار میں سے ہو، یہ ہی بنیادی غلطی تھی، اگر حضرت ابوبکر اور حضرت عمر اسلام کی محبت کی وجہ سے اور اسکو تفرقہ سے بچانے کے لئے وہاں گئے تھے تو ان کی کیسا اچھی معقول مدلل اور مفید بحث ہوتی اگر وہ کہتے کہ امت اسلامیہ ملت واحدہ ہے اس میں تفریق نہ پیدا کرو اس کو ایک واحد جماعت تصور کر کے اس میں کا بہترین شخص خلافت کے لئے مقرر کر لو، بات تو معقول تھی لیکن انہوں نے ایسا نہیں کیا کیونکہ اس طرح کرنے سے ان کے دل کا مقصد پورا نہ ہوتا، اور فضیلت کی بحث خلافت کا رُخ ادھر کر دیتی جدھر لے جانا ان کا منشا نہ تھا، لہٰذا انہوں نے بھی قبیلہ کی تفریق ہی پر زور دیا، اور جس فتنہ قبیلہ بندی کو اسلام نے دور کیا تھا سقیفہ سازی نے ازسرنو اُس کو تازہ کر دیا۔

(۱۰) عقل عام و قیاس غیر مشروط۔ کارکنان سقیفہ نے اصلی اسلام کو اس طرح متغیر اور مسخ کرنے کی کوشش کی کہ وہ ان کے اصول حکومت اور سیاست ملکی کے مطابق ہو جائے اور دین کے محکوم رہنے کی بجائے وہ دین کے بھی حاکم ہو جائیں۔

یہ معاملہ یہیں ختم نہیں ہوا بلکہ جو حکومت سقیفہ میں حاصل ہو گئی تھی اس کو مستحکم اور محفوظ بنانے کے لئے وہ وہ عقیدے قائم کئے گئے اور طریقے استعمال

گئے گئے کہ جو اس تفرقہ کو بڑھاتے ہی گئے، ایسا کیوں کیا گیا، دیکھو صفحات ۱۵۶۶، ۱۵۶۷ کتاب ہذا۔ ان میں سے ایک طریقہ یہ تھا کہ غیر محدود عقل انسانی اور غیر مشروط قیاس کو امور مذہبی میں دخل دیدیا۔ ہمارا یہ دعوی ہے کہ جس آزاد، غیر مشروط اور غیر محدود طریقہ سے حضرت عمر نے امور دین میں خود بھی اپنی عقل و قیاس کے ذریعہ سے مداخلت کی اور اپنے عاملوں اور عام لوگوں کو انکے اپنے عقل و قیاس کے ذریعہ سے مداخلت کرنیکی اجازت دی اس نے اسلام میں بہت سے گمراہ فرقے پیدا کردئے جنکا پیدا ہونا اب تک بند نہیں ہوا اور جب تک یہ اسلام قائم ہے بند نہوگا اور اسلام کو بالکل متغیر کر دیا۔

حضرت عمر کی مداخلت فی امور الدین کی بہت سی مثالیں پہلے گذریں، امر واقعہ یہ ہے کہ خود اپنے علم پر اعتماد و بھروسہ نہ کر کے ہر ایک صحابی رسول کو جو امور فقہ میں مداخلت کی اجازت حضرت عمر نے دی اس نے اسلام میں بہت سی خرابیاں پیدا کردیں حکومت کی جمہوریت تو ہم سنتے آئے تھے۔ مگر دین الہامی کی جمہوریت نئی ہے۔ ہر ایک صحابی اپنی علیحدہ رائے رکھتا ہے اور کوئی کچھ نہیں کہتا کہ جانشین رسول پھر کس مرض کی دوا ہے، اس کو کیوں نہ ایسا عالم و عاقل ہونا چاہیئے کہ تمام مشکل مسائل پر اپنا قطعی فیصلہ دے اور دیگر صحابہ کو اس خطرناک کھیل سے باز رکھے۔ اس اختلاف صحابہ کی بہت سی مثالیں ہیں ان میں سے چند مولوی عبد السلام کی کتاب تاریخ فقہ اسلامی کے صفحات ۲۰ لغایت ۱۸۸ پر درج ہیں ان میں سے ایک دو ہم اپنے مطلب کی تشریح میں نقل کرتے ہیں۔

جس حاملہ عورت کا شوہر مرجائے اس کی عدت حضرت عمر نے زمانہ وضع حمل مقرر کی ہی، مگر حضرت علی کی رائے اس کے برخلاف ہے، وہ فرماتے ہیں کہ وضع حمل اور چار مہینہ دس دن کی مدت میں جو زمانہ زیادہ طویل ہوگا وہی اس کی عدت کا زمانہ ہوگا، حضرت علی کی رائے نص قرآنی پر مبنی ہی، اگر کسی حاملہ عورت کو طلاق دی جائے تو خداوند تعالے نے زمانہ وضع حمل کو اس کی عدت قرار دیا ہے اور جس عورت کا شوہر قضا کر جائے تو اس کی عدت کا زمانہ چار مہینے دس دن قرار دیا ہی

اور اس میں حاملہ اور غیر حاملہ کی تفصیل نہیں ہے۔ حضرت علی کی رائے دونوں آیتوں کی پیروی کرتی ہے لیکن حضرت عمر نے نص قرآنی ہوتے ہوئے اپنی رائے کی مداخلت کی ص ۱۷۶۔

امام مسلم اور امام احمد حنبل نے حضرت عبداللہ ابن عباس سے روایت کی ہے۔ کہ رسول اللہ صلعم اور حضرت ابوبکر کے زمانہ میں اور حضرت عمر کی خلافت کے دو سال تک اگر ایک ساتھ تین طلاقیں دی جاتی تھیں تو وہ ایک ہی شمار کی جاتی تھیں۔ لیکن حضرت عمر نے حکم جاری کیا کہ ان کو تین طلاقیں سمجھ کر قطعی طلاق تصور کرنی چاہیئے یہ ایک اور مخالفت ہے سنت و عملِ رسول کی ص ۱۷۶۔

اگر ایک عورت کو جس کو معمولاً حیض آتا ہے طلاق دی جائے اور طلاق دینے کے بعد اس کا حیض بند ہو جائے تو اس کی نسبت قرآن شریف کا تو یہ حکم ہے کہ اُس کی عدت کا زمانہ تین حیض ہے کیونکہ طلاق کے وقت تک وہ آئسہ نہ تھی۔ کہ اس کو مہینوں کے حساب سے عدت شمار کرنی پڑے۔ لیکن حضرت عمر نے اس حکم قرآنی کو بدل کر حکم دیا کہ اسے نو مہینہ تک انتظار کرنا چاہیئے، اور اگر اس زمانہ انتظار میں اس کو معلوم ہو گیا کہ وہ حاملہ ہے تو یہی اس کی عدت کا زمانہ ہوگا ورنہ نو مہینے کے بعد اس کو تین مہینہ تک عدت میں رہنا ہوگا، دیکھئے حضرت عمر نے اپنی عقل سے عدت کی مدت کتنی طویل کر دی کیونکہ قرآن شریف کی حکمت وہاں تک نہیں پہنچی تھی جہاں تک حضرت عمر کی عقل پہنچی،

دادا کی موجودگی میں حضرت ابوبکر بھائیوں کو وراثت نہیں دلواتے تھے۔ لیکن حضرت عمر نے دادا کی موجودگی میں بھی بھائیوں کو وراثت دلوائی، حضرت ابوبکر نے دادا کو باپ تسلیم کیا ہے اور باپ کی موجودگی میں بنص قرآن بھائیوں کو وراثت نہیں ملتی لیکن حضرت عمر نے اس کو باپ تسلیم نہیں کیا، اور حضرت زید بن ثابت بھی ان کے ساتھ متفق الرائے ہیں۔

ایسی بہت سی مثالیں ہیں، کہاں تک ہم بیان کریں۔ صرف ایک اور

مثال ہم بیان کرتے ہیں جس نے اسلام کو بہت نقصان پہنچایا، جناب رسولخدا نے بحکم خدا متعہ نساء کو جاری کیا، حضرت عمر کی عقل نے بتایا کہ وہ زنا کے مرادف ہے۔ لہذا منسوخ کردیا، اس کے متعلق ہم کچھ ذکر کرتے ہیں

متعۃ النساء

پہلے ہم یہ ثابت کرتے ہیں کہ جناب رسولخدا نے بحکم خداوندی متعہ نساء کا حکم دیا اور آنحضرت کے زمانہ تک بلکہ حضرت عمر کے اخیر زمانہ تک برابر جاری رہا۔ لیکن حضرت عمر نے اس کو منع کردیا۔

حلت متعۃ النساء قرآن شریف کی آیت سے ثابت ہے چنانچہ امام فخرالدین رازی تفسیر کبیر میں درذیل قولہ تعالیٰ فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهِ مِنْهُنَّ فَآتُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ فَرِيضَةً (پارۂ ۵ سورۃ النساء ع ۴) لکھتے ہیں

واتفقوا علے انہا کانت مباحۃ فی ابتداء الاسلام وروی ان النبی صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم لما قدم مکۃ فی عمرتہ فشکی اصحاب الرسول طول العزوبۃ فقال استمتعوا من ھذہ النسا	جمیع امت کا اس امر پر اتفاق ہے کہ ابتدائے اسلام میں متعۃ النساء جائز و مباح تھا، روایت ہے کہ جب جناب رسول خدا مکۂ معظمہ تشریف لائے تو اصحاب رسول نے آپ سے عورت کی جدائی کی شکایت کی تو آپ نے فرمایا کہ یہاں کی عورتوں سے متعہ کرلو۔

اس ہی آیت کی تفسیر میں علامہ جاراللہ محمود بن عمر الزمخشری تفسیر کشاف میں لکھتے ہیں :-

نزلت فے المتعۃ التی کانت ثلاثۃ ایام حین فتح اللہ مکۃ علے رسولہ علیہ الصلوٰۃ والسلام ثم نسخت...... وعن ابن عباس ھی محکمۃ یعنی لم تنسخ	یہ آیت متعہ کے متعلق نازل ہوئی تھی جو تین دن تک جاری رہا۔ جب خداوندتعالےٰ نے اپنے رسول کو فتح نصیب کی۔ پھر منسوخ ہو گئی۔........ لیکن ابن عباس کہتے ہیں کہ یہ آیت محکمات میں سے ہے

كان يقراء فما استمتعتم به منهن الى اجل مسمى.	یعنی منسوخ نہیں ہوئی اور وہ اس آیت کو الفاظ الی اجل مسمی کے ساتھ پڑھا کرتے تھے
تفسیر کشاف۔ الجزء الاول ص ۳۶۰ تفسیر بیضاوی در ذیل آیت فما استمتعتم تفسیر معالم التنزیل تفسیر ثعلبی	یعنی آیت میں الفاظ الی اجل مسمی موجود تھے جس کے معنی ہیں کہ مدت مقررہ تک کے لئے متعہ کرلو

ابن جریر اس آیت کے متعلق اپنی تفسیر میں سدی سے یہ روایت بیان کرتے ہیں۔

قال هذه المتعة الرجل ينكح المرءة بشرط الى اجل مسمى فاذا انقضت المدة فليس له عليها سبيل وهي منه بريته وعليها ان تستبرأ ما في رحمها و ليس بينهما ميراث وليس يرث واحد منهما صاحبه۔	کہا کہ یہ آیت متعہ کے متعلق نازل ہوئی ہے، متعہ یہ ہے کہ مرد عورت کے ساتھ وقت معین کے لئے مقرر شدہ اجرت پر نکاح کرے پس جب وہ مدت تمام ہوجائے تو اس مرد کو اس عورت سے کچھ سروکار نہیں رہتا اور وہ عورت اس سے آزاد ہے اور عورت پر لازم ہے کہ بطریق مروج دیکھے کہ وہ حاملہ ہے یا نہیں اس مرد و زن کے درمیان

میراث نہیں ہے، اور ایک دوسرے کا وارث نہیں ہوتا۔

ثعلبی نے اپنی تفسیر میں حبیب ابن ثابت سے روایت کی ہے۔

قال عطانى عبد الله بن عباس مصحفا فقال هذا على قراءة ابى بن كعب فرايت فى المصحف فما استمتعتم به منهن الى اجل مسمى۔	راوی کہتا ہے کہ عبداللہ ابن عباس نے مجھے ایک نسخہ قرآن دیا اور کہا کہ ابی بن کعب کی قرأت کے مطابق ہے بس میں نے اس قرآن میں آیہ فما استمتعتم الآیہ کے الفاظ الی اجل مسمی دیکھے یعنی وقت مقررہ کے لئے متعہ کرلو۔

نیز ثعلبی نے ابونضرہ سے روایت کی ہے۔

قال سألت ابن عباس عن المتعة	راوی کہتا ہے کہ میں نے ابن عباس سے متعہ

قال اما تقرء سورة النسآء قلت بلىٰ قال افما تقرء فما استمتعتم به منهن الى اجل مسمى قلت لا اقرؤها هكذا قال ابن عباس والله هكذا انزلها الله ثلاث مرات۔

کی نسبت دریافت کیا انہوں نے جواب دیا کہ کیا تم نے سورۃ النساء نہیں پڑھی میں نے کہا کہ پڑھی ہے اس پر ابن عباس نے کہا کہ کیا تم اس میں نہیں پڑھتے کہ عورتوں سے مقررہ وقت تک متعہ کر لیا کرو میں نے کہا کہ اس آیت میں الفاظ الی اجل مسمی (وقت مقررہ تک) نہیں ہیں ابن عباس نے تین دفعہ کہا کہ واللہ یہ آیت ان الفاظ کے ساتھ نازل ہوئی

جلال الدین سیوطی تفسیر در المنثور میں در ذیل آیہ فما استمتعتم به منهن الآیہ لکھتے ہیں۔

اخرج عبد الرزاق وابو داؤد فی ناسخه وابن جرير عن الحكم انه سئل عن هذه الآية امنسوخة قال لا وقال علی لولا ان عمر نهى عن المتعة ما زنى الا شقى واخرج عبد الرزاق وابن المنذر من طريق عطاء عن ابن عباس قال يرحم الله عمر ما كانت المتعة الا رحمة من الله رحم الله بها امة محمد ولولا نهيه عنها ما احتاج الى الزنا الا شقى قال وهي التي فی سورة النساء فما استمتعتم به منهن الى كذا وكذا من الاجل على كذا وكذا قال وليس بينهما وراثة

عبد الرزاق نے اور ابو داؤد نے اپنی ناسخ میں اور ابن جریر نے حکم سے روایت کی ہے حکم سے پوچھا گیا کہ کیا آیۂ متعہ منسوخ ہو گئی ہے اس نے کہا کہ ہرگز نہیں اور حضرت علی نے کہا اگر عمر متعہ سے منع نہ کیا ہوتا تو پھر کوئی شقی ہی ہوتا جو زنا کرتا۔ عبد الرزاق و ابن المنذر نے عطا کے سلسلے سے ابن عباس سے روایت کی ہے ابن عباس کہا کرتے تھے کہ خدا عمر پر رحمت کرے متعہ تو ایک رحمت تھی خدا کی طرف سے امت محمدیہ کے لئے اور اگر عمر اس سے منع نہ کرتے تو پھر کوئی شقی ہی ہوتا جو زنا کرتا۔ ابن عباس کہتے ہیں وہ حکم خداوندی سورۃ النساء میں ہے کہ عورتوں سے وقت مقررہ کیلئے رقم مقررہ کیلئے متعہ کر لو۔ فریقین ایک دوسرے کے وارث نہیں ہوتے

جب یہ ثابت ہو گیا کہ حکم خداوندی سے متعۃ النسا جاری ہوا تھا تو اب ہم بتاتے ہیں کہ جناب رسول خدا نے اس کو جاری کیا، اصحاب نے اس پر عمل کیا اور زمانہ حضرت عمر تک برابر عمل ہوتا رہا یہاں تک کہ حضرت عمر نے منع کر دیا۔

حدثنا عبد الله حدثني ابي ثنا محمد بن جعفر ثنا شعبة عن عمرو بن دينار قال سمعت الحسن بن محمد يحدث عن جابر بن عبد الله وسلمة بن الاكوع قالا خرج علينا منادي رسول الله صلى الله عليه وسلم فنادى ان رسول الله صلى الله عليه و سلم قد اذن لكم فاستمتعوا يعني متعة النساء۔

(اسماء رواۃ عربی میں دیکھو) جابر بن عبد اللہ اور سلمہ بن الاکوع کہتے ہیں کہ ایک دن ہماری طرف جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کا منادی آیا اور ندا کی کہ جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے تم کو متعہ زنان کی اجازت دی ہے۔

مسند امام احمد حنبل الجزء الرابع ص ۵۱

حدثنا عبد الله حدثني ابي ثنا عفان ثنا حماد انا حميد عن الحسن عن عمران بن حصين قال تمتعنا على عهد النبي صلى الله عليه وسلم فلم ينهنا عنها ولم ينزل فيها نهي

عمران بن حصین کہتے ہیں کہ ہم زمانہ رسول خدا میں متعہ کیا کرتے تھے۔ جناب رسول خدا نے کبھی منع نہیں کیا اور نہ اس کی منع کرنے والی کوئی آیت نازل ہوئی۔

مسند امام احمد حنبل الجزء الرابع ص ۴۳۹

حدثنا عبد الله حدثني ابي ثنا مؤمل ثنا حماد انا حميد عن الحسن عن عمران بن حصين انه قال تمتعنا مع رسول الله صلى الله عليه وسلم فلم ينهنا رسول الله صلى الله عليه وسلم بعد ذلك عنها ولم

عمران بن حصین کہتے ہیں کہ ہم جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں متعہ کیا کرتے تھے اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے کبھی منع نہیں کیا اور نہ اس کے بعد خداوند تعالے

ولم ینزل من اللہ عزوجل فیہا نھی — نے کوئی آیۃ اس کی ناسخ اُتاری۔

مسند امام احمد حنبل الجزء الرابع ص ۴۳۸۔

حدثنا عبداللہ حدثنی ابی ثنا محمد بن جعفر حدثنا شعبۃ عن زید ابی الحواری قال سمعت ابا الصدیق یحدث عن ابی سعید الخدری قال کنا نتمتع علیٰ عہد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بالثوب۔	ابو سعید خدری سے مروی ہے وہ کہتے ہیں کہ ہم زمانہ رسولخدا صلے اللہ علیہ وسلم میں متعہ کیا کرتے تھے۔ لباس کے عوض میں۔

مسند امام احمد حنبل الجزء الثالث ص ۲۲۔

حدثنا عبداللہ حدثنی ابی ثنا اسحٰق ثنا عبدالملک عن جابر بن عبداللہ قال کنا نتمتع علیٰ عہد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وابی بکر وعمر رضی اللہ عنہم حتی نہانا عمر رضی اللہ عنہ اخیرا یعنی النساء۔	جابر ابن عبداللہ سے مروی ہے وہ کہتے ہیں کہ ہم زمانہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم میں متعہ کیا کرتے تھے اور زمانہٴ ابوبکر و عمر میں بھی متعہ کرتے تھے یہاں تک کہ اپنے آخر زمانہٴ خلافت میں حضرت عمر نے اس سے منع کردیا۔

مسند امام احمد حنبل۔ الجزء الثالث ص ۳۰۱ و ۳۲۵ و ۳۵۶۔

حدثنا عبداللہ حدثنی ابی حدثنا یونس ثنا حماد یعنی ابن سلمہ عن علی بن زید وعاصم الاحول عن ابی نضرۃ عن جابر ابن عبداللہ قال تمتعنا متعتین علی عہد النبی صلی اللہ علیہ وسلم الحج والنساء فنہانا عمر عنہما فانتہینا۔	جابر بن عبداللہ کہتے ہیں کہ زمانہ رسولخدا میں ہم دونوں متعہ کرتے تھے۔ متعۃ النساء اور متعۃ الحج پس عمر نے دونوں سے منع کردیا، اور ہم نے پھر ان کو چھوڑ دیا۔

مسند امام احمد حنبل۔ الجزء الثالث ص ۵۲، ۳۶۳، ۳

حدثنا عبد الله حدثني ابي ثنا
عبد الرزاق انا ابن جريج قال
عطاء حين قدم جابر بن عبد الله
معتمرا فجئناه في منزله فسأله
القوم عن اشياء ثم ذكروا المتعه
فقال نعم استمتعنا على عهد
رسول الله صلى الله عليه
وسلم وابي بكر وعمر حتى اذا
كان في آخر خلافة عمر رضي الله
عنه ۔ مسند احمد حنبل الجزء الثالث ص ۳۰۴

عطا سے مروی ہے وہ کہتا ہے کہ جب جابر
ابن عبد اللہ عمرہ میں آئے تو ہم
ان کے مکان پر آئے، لوگوں نے
بہت سی باتیں ان سے دریافت کیں
پھر متعۃ النساء کا ذکر کیا تو جابر ابن
عبد اللہ نے کہا کہ ہاں ہم زمانہ رسول
خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم اور زمانۂ
ابوبکر و عمر میں متعہ کرتے تھے یہاں تک
کہ اپنی خلافت کے آخر زمانہ میں عمر نے
ہم کو اس سے روکا ۔

حدثنا عبد الله حدثني ابي ثنا
حجاج ثنا شريك عن الاعمش
عن الفضيل بن عمرو قال اراه
عن سعيد بن جبير عن ابن
عباس قال تمتع النبي صلى الله
عليه وسلم فقال عروة بن الزبير
نهى ابو بكر وعمر عن المتعة فقال
ابن عباس ما يقول عرية قال
يقول نهى ابو بكر وعمر عن المتعه
فقال ابن عباس اراهم
سيهلكون اقول قال النبي
صلى الله عليه وسلم ويقول
نهى ابو بكر وعمر ۔ مسند احمد حنبل ۔ الجزء الاول ص ۳۳۷ ۔

ابن عباس کہتے ہیں کہ جناب رسول خدا نے
متعہ کیا تھا۔ پس عروہ بن زبیر نے کہا
ابوبکر و عمر نے متعہ سے لوگوں کو روکا
اس پر ابن عباس نے کہا کہ عروہ کیا
کہتا ہے۔ کہا گیا کہ وہ کہتا ہے
کہ ابوبکر و عمر نے متعہ سے منع کیا
اس پر ابن عباس نے کہا کہ میں
دیکھتا ہوں کہ عنقریب یہ لوگ
ہلاک ہوں گے۔ میں تو کہتا ہوں
کہ جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ
وسلم نے متعہ کا حکم دیا، اور یہ لوگ
کہتے ہیں کہ ابوبکر و عمر نے منع کیا ۔

حدثنا عبد اللہ حدثنی ابی ثنا بہز قال وثنا عفان قالا ثنا ھمام ثنا قتادہ عن ابی نضرۃ قال قلت لجابر بن عبد اللہ ان ابن الزبیر رضی اللہ عنہ ینھی عن المتعہ وان ابن عباس یامر بھا قال فقال لی علی یدی جری الحدیث تمتعنا مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال عفان ومع ابی بکر فلما ولی عمر رضی اللہ عنہ خطب الناس فقال ان القرآن ھو القرآن وان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ھو الرسول وانھما کانتا متعتان علی عھد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم احداھما متعۃ الحج والاخری متعۃ النساء۔	ابی نضرہ کہتے ہیں کہ میں نے جابر ابن عبد اللہ سے کہا کہ ابن زبیر لوگوں کو متعہ سے روکتا ہے اور ابن عباس اس کی اجازت دیتے ہیں پس جابر ابن عبد اللہ نے مجھ سے کہا کہ زمانۂ رسول خدا میں اور نیز زمانہ ابی بکر میں ہم متعہ کیا کرتے تھے پس جب عمر حاکم ہوئے تو انہوں نے خطبہ دیا جس میں فرمایا کہ قرآن ہے تو ہوا کرے اور رسول ہے تو ہوا کرے (اگرچہ) دونوں متعہ جناب رسول خدا کے زمانہ میں جاری تھے یعنی متعہ حج اور متعۃ النساء لیکن میں تم کو ان دونوں سے منع کرتا ہوں۔)

مسند احمد حنبل الجزء الاول ص ۵۲۔

اِس جرأت کو ملاحظہ کیجئے، قرآن ہے تو ہوا کرے رسول ہے تو ہوا کرے۔ ہم ان کے احکام کو نہیں مانتے، انہوں نے دونوں متعہ یعنی متعہ حج ومتعہ نساء جاری کئے لیکن ہم ان سے اختلاف کرتے ہیں اور دونوں سے اپنی رعایا کو روکتے ہیں، یہ ہے وہ ذہنیت جس نے اسلام پر اثر پذیر ہو کر اس کو منع کر دیا۔ علامہ ثعلبی اپنی تفسیر میں درذیل آیہ متعہ یعنی فما استمتعتم بہ منھن اجورھن فریضۃ میں لکھتے ہیں۔

اخبرنا الحسین بن محمد بن الحسین بن عبد اللہ انا موسی بن محمد	اسمائے راویان عربی میں ملاحظہ فرمائیے) عمران بن حصین کہتے ہیں

بن علی بن عبداللہ انا موسی بن ھارون بن عبداللہ الحمال انا محمد بن الصباح انا عبداللہ بن رجاعن عمران بن سلیمان عن ابی رجاء العطاروی عن عمران بن حصین قال نزلت آیۃ المتعہ فی کتاب اللہ تعالیٰ ولم ینزل آیۃ بعدھا تنسخھا فامرنا بھا رسول اللہ وتمتعنا مع رسول اللہ ومات ولم ینھنا عنہ قال رجل برائہ ماشاء قلت فلم یرخص فی نکاح المتعہ الا عمران بن حصین وعبداللہ عن عباس وبعض اصحابہ وطائفۃ من اهل البیت۔

کہ یہ متعہ کتاب اللہ میں نازل ہوئی اور اس کے بعد کوئی آیت نازل نہیں ہوئی جو اس کو منسوخ کرتی، پس جناب رسول خدا نے ہم کو متعہ کا حکم دیا، اور ہم عہد رسول خدا میں متعہ کرتے تھے اور جناب رسول خدا بھی متعہ کرتے تھے یہاں تک کہ آنحضرتؐ نے انتقال کیا اور ہم کو متعہ سے نہ روکا، اسکے بعد ایک آدمی نے حضرت عمر نے) اپنی رائے سے وہ کیا جو اس نے چاہا۔ میں کہتا ہوں کہ نکاح المتعہ کو جائز سمجھا، عمران بن حصین، عبداللہ ابن عباس اور بعض اصحاب رسول نے اور اہل بیت کی ایک جماعت نے۔

حضرت عمر کی اولیات میں شمار ہوتا ہے کہ انہوں نے سب سے پہلے یعنی یہ مخالفت سنت آنحضرت متعہ کو بند کر دیا۔ علامہ جلال الدین سیوطی حضرت عمر کی اولیات میں لکھتے ہیں:۔

اول من حرم المتعہ واول من نھی عن بیع الامھات واول من جمع الناس فی صلواۃ الجنائز علی اربع تکبیرات ..... واول من اخذ زکوٰۃ الخیل۔

حضرت عمر سب سے پہلے شخص ہیں جنھوں نے متعہ کو حرام کیا، امہات اولاد کی بیع سے منع کیا جنازہ پر چار تکبیریں مقرر کیں اور وہ سب سے پہلے ہیں جنھوں نے گھوڑوں پر زکوٰۃ لی۔

جلال الدین سیوطی :۔ تاریخ الخلفاء مطبوعہ مطبع مجتبائی سنہ ۱۹۱۰ ص ۹۷
یہ ثبوت جو ہم نے پیش کیا ہے اس سے مندرجہ ذیل نتائج برآمد ہوتے ہیں۔
(۱) متعۃ النساء کا اجراء احکام قرآنی کی رُو سے ہوا۔
(۲) جناب رسول خدا نے بذریعہ عام منادی متعۃ النساء کی حلیت کا اعلان کرادیا
(۳) جناب رسول خدا نے خود متعہ کیا، آپ کے اصحاب نے کیا۔
(۴) کوئی آیت اس کی ناسخ نہیں ہے۔
(۵) جناب رسولخدا و حضرت ابوبکر کے پورے زمانہ تک اور حضرت عمر کے خلافت کے آخری زمانہ تک متعۃ النساء و متعۃ الحج جاری تھے
(۶) حضرت عمر نے یہ کہہ کر کہ قرآن ہے تو ہوا کرے رسول ہے تو ہوا کرے میں ان دونوں متعہ کو روکتا ہوں ان کو بند کرادیا۔
(۷) آیت متعۃ النساء میں الفاظ الی اجل مسمی (ایک میعاد مقررہ کے لئے) بھی موجود تھے جواب نہیں پائے جاتے۔
(۸) حضرت عمر اُمورِ دین میں مداخلت کرتے ہیں اور نہایت دلیری کے ساتھ کتاب اللہ اور رسولخدا کی نافرمانی فرماتے ہیں، اگرحج بھی رکنِ دین نہیں ہے تو پھر ارکان مذہب اور کیا ہوں گے، اور حضرت عمر اس میں بھی مداخلت فرماتے ہیں۔
امر واقعہ تو اتنا ہی ہے مگر وکلائے اہل حکومت یعنی علمائے اہل سنت وجماعت کا فرض تھا کہ وہ حضرت عمر کی مدد کو آئیں لہٰذا ان کی کج بحثی بھی ملاحظہ ہو، فرماتے ہیں کہ متعۃ النساء صرف جنگ اوطاس میں تین دن کے لئے مباح ہوا تھا۔ پھر ہمیشہ کے لئے ممنوع قرار پایا، چنانچہ آیۃ متعہ کی ناسخ آیت یہ بتاتے ہیں، اس ذیل میں کہ مومنون کون کون ہیں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔
وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حَافِظُوْنَ ۙ اِلَّا عَلٰۤى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ ۚ پارہ ۱۸ سورۃ۔
واقعی محبت و تعصب انسان کو اندھا کر دیتے ہیں، سورۃ مومنون مکیہ ہے جس

میں یہ آیت ناسخ ہے اور سورۃ النساء جس میں یہ آیۂ متعہ منسوخہ ہے ، وہ مدنیہ ہے ، گویا متعہ جاری تو بعد میں ہوا منسوخ پہلے ہی ہو گیا ، اگر ناسخ و منسوخ کا عمل جاری کرتے ہو تو ہم کہیں گے کہ آیت جو سورہ مومنوں میں ہے وہ اثر پذیر ہوتی ہے آیۂ متعہ سے جو اس کی تفصیل کرتی ہے ، علاوہ اس کے یہ کہاں سے نتیجہ نکالا کہ یہ آیت متعہ کو منسوخ کرتی ہے ۔ متعۃ النساء میں بھی تو عورت بمنزلہ زوجہ کے ہوتی ہے ۔ یہاں تو مومنین کی نشانیاں بتائی جا رہی ہیں لہذا مجمل ذکر ازواج کا کر دیا ، اگر یہ آیت ناسخہ تھی تو حضرت عمر کی آخر خلافت تک کیوں متعہ جاری رہا ۔ کیا جناب رسول خدا اور حضرت ابوبکر کو معلوم ہی نہ ہوا ، کہ یہ آیت ناسخۂ متعہ ہے ۔

حلت متعہ کے لئے جہاں تک مسلمانوں کا تعلق ہے اتنا ہی کافی ہے کہ اس کو خدا اور رسول خدا نے جاری فرمایا اور اس کو کبھی منع نہیں کیا ، یہ ایک مثال ہے اس امر کی کہ حضرت عمر بسا اوقات اپنی عقل کو غلط طریقے سے استعمال فرمایا کرتے تھے ۔ صحیح عقلی بحث اب درج کی جاتی ہے ۔

فقہ اسلامی میں نکاح محض ایک معاہدہ ہے ، اس میں اور عام معاہدوں میں صرف اتنا فرق ہے کہ عام معاہدے تو فسخ نہیں ہو سکتے ، جب تک کہ فریقین کی مرضی نہ ہو یا اس میں شرائط ہی ایسی ہوں کہ ان کے واقع ہونے پر وہ معاہدے خود بخود فسخ ہو جائیں لیکن نکاح ایک ایسا معاہدہ ہے کہ جس کو ایک فریق محض اپنی مرضی سے جب جی چاہے فسخ کر سکتا ہے ، لفظ طلقتُ کہا اور معاہدہ فسخ جس کو آپ نکاح دائمی کہتے ہیں وہ در اصل دائمی تو کیا اس میں تو ایک لمحہ کی بھی مدت یقینی نہیں ہے ، بغیر وجہ بتائے ہوئے اور بغیر کسی وجہ کی موجودگی کے خاوند طلاق دے سکتا ہے ۔ متعہ میں عورت کو اتنا تو یقین ہو سکتا ہے کہ زمانہ متعہ تک وہ امن میں ہے ، متعہ تو در اصل مرد کی اس آزادئی طلاق پر ایک قید ہے ، وہ ہی مہر ، وہ ہی عدت ، وہ ہی فرائض و حقوق پرورش اولاد ، صرف تعین مدت و عدم میراث کا فرق ہے سو اتنی آزادی رحمت خداوندی ہے ، جو فریقین کے لئے مفید ہے ، اس میں اتنی خوبیاں ہیں جو شمار

میں نہیں آسکتیں، تھوڑی سی ہم بیان کرتے ہیں۔

افعال ذمیمہ کی بُرائی دو وجہ سے ہوتی ہے ایک بالذات جو اس کی ذات کے ساتھ وابستہ ہے، جیسے اعلام، کفر، ناشکر گذاری، منافقت ظلم اور دوسرے بالنسبت یعنی ان کی بُرائی، ان کے باہر کے صورتِ حالات کی وجہ سے ہے مثلاً زنا، کذب، عریانی وغیرہ۔ کذب کو لو، انسان تنہا بیٹھا ہوا اپنے دل سے باتیں کیا کرے اور اس میں سچ وغلط سب کچھ بیان کرے کوئی مواخذہ نہیں لیکن ہاں اگر اور لوگوں کے سامنے باوجود علم کے عمداً جھوٹ بولے تو بُرا ہے، کیونکہ سننے والے اسکے بیانات پر عمل کرکے نقصان اُٹھائیں گے، کذب سے دوسرے لوگوں کو نقصان ہونا یہی اور صرف یہی کذب کی بُرائی کا سبب ہے جس کذب سے دوسروں کو نقصان نہیں ہوتا اگر وہ بغیر کسی سبب کے بولا گیا ہے تو فعل عبث کہا جاسکتا ہے۔ فعل مضر نہوگا۔ پھر کذب کی دو قسمیں ہیں ایک وہ جو واقعات کے متعلق ہوتا ہے دوسرا وہ جو اپنی دلی حالت وکیفیت کی وجہ سے ہوتا ہے. واقعات کے متعلق جو کذب ہوتا ہے وہ مذموم ہے، دلی حالت کے متعلق جو ہے اس کے متعلق یہ خیال ہو سکتا ہے کہ ممکن ہے کہنے والا خود اپنی دلی کیفیت سے اچھی طرح آگاہ نہیں مثلاً میں دشمنوں میں گھرا ہوا ہوں اور وہ مجھ سے سوال کرتے ہیں کہ تم ہمکو کیسا سمجھتے ہو، اگر میں کہدوں کہ میں تم کو اچھا سمجھتا ہوں تو فعل مذموم نہیں، کیونکہ اس سے کسی کو نقصان نہیں پہونچا اور کسی دکسی صفت میں تو دشمن بھی اچھا ہوگا، اگر میں اچھی صفت کا خیال رکھوں اور زبان سے کہدوں کہ میں تم کو اچھا سمجھتا ہوں تو صدق محض ہوگا اسی طرح فرض کرو کہ میں شیعہ ہوں اور کسی آفریدی ریاست کے خارجیوں میں گرفتار ہو جاتا ہوں جو تلواریں نکال کر مجھ سے پوچھتے ہیں کہ تم شیعہ ہو یا نہیں اور میں کہہ دوں کہ میں شیعہ نہیں ہوں تو کس کا میں نے نقصان کیا، اور اگر میں خیال کروں کہ شیعہ علی ہونا بڑی مشکل بات ہے، مجھ میں اتنی صفات کہاں کہ میں شیعہ علی کہلایا جاسکوں، یہ خیال کرتا ہوا میں کہہ دوں

کہ ہیں شیعہ نہیں ہوں تو یہ خلاف واقعہ بھی نہ ہوگا، اسی طرح اگر وہ پوچھیں کہ شیخین کو تم کیسا سمجھتے ہو اور میں یہ خیال کرکے کہ خلافت کے جھگڑے سے پہلے انہوں نے فلاں کام اچھا کیا تھا یہ کہہ دوں کہ وہ اچھے تھے یعنی اس وقت اچھے تھے تو کیا ہرج ہے بہرصورت یہ جل مضر تو نہیں اور کذب کے اجزائے ضروری ہیں سے ضرر ایک نہایت ضروری جزو ہے لہذا وہ کذب نہ ہوا، اس نکتہ کو نہ سمجھنے کی وجہ سے بہت سے نادان لوگ تقیہ کو کذب کہتے ہیں اور حضرت ابراہیم پر جھوٹ بولنے کا الزام لگاتے ہیں ممکن ہے کہ اعتراض کیا جاوے کہ شروع اسلام میں اصحاب نے اور آنحضرت نے کیوں نہ تقیہ کیا، یہ اعتراض ہمارے اصول موضوعہ کو نظر انداز کرتا ہے، ہم کہتے ہیں کہ اگر اس قول سے جو امر واقعہ کے خلاف ہے نقصان ہو تو وہ قول کذب ہے، اس وقت اصحاب رسول کے انکار رسول سے اسلام کو نقصان وضعف عظیم پہنچتا لہذا نا جائز ہوا۔ اب زنا کو لو، خداوند تعالےٰ نے عورت کی پیدائش کی غرض و غایت ہی یہ رکھی ہے کہ وہ مرد کے لئے باعث تسکین ہو، اس کو تسکین دے کر اسکے خیالات پریشان کو رفع کرکے اس کی صحت و خوشی کے اسباب بہم پہنچا کر اسے اس قابل کرے کہ وہ دنیا کی مکروہات و مصائب و مشکلوں کا مقابلہ کرسکے۔ اور بنی نوع انسان کی آگے کی ترقی کا باعث بنے، بنی نوع انسان کی ترقی منوط و مربوط ہے محض مرد سے اور اس کے اوپر ہی منحصر ہے لیکن عورت بیکار نہیں، وہ مرد کے لئے پیدا کی گئی ہے تاکہ اس کو اس کشمکش عظیم کے لئے تیار کرے ملاحظہ ہو۔

هُوَالَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّجَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا لِيَسْكُنَ اِلَيْهَا - پارہ ۹ سورۃ الاعراف رع ۲۴ یعنی خداوند تعالےٰ نے تم کو ایک جان واحد ہی سے پیدا کیا، اور اس جان واحد ہی میں سے اس کی زوجہ پیدا کی تاکہ وہ (آدم) اس سے تسکین پاوے۔ اس آیت میں ہم ناظرین کی توجہ نَفْسٍ واحِدَةٍ، مِنْهَا، لیسکن کی طرف دلاتے ہیں یعنی تمام بنی نوع انسان کی نسبت محض مرد یعنی آدم کی طرف ہے، بنی نوع انسان کی ترقی مرد پر منحصر ہوئی

منہا۔ یعنی عورت اس ہی نفس واحدہ میں سے پیدا کی گئی آدم کی پٹی نہ ہوتی تو عورت پیدا ہی نہ ہوتی، عورت کی ہستی مرد کے اوپر منحصر رہوئی، مرد کا حق ہوا کہ عورت پر حکومت کرے، اَلرِّجَالُ قَوّٰامُوْنَ عَلَی النِّسَاءِ اور چونکہ عورت کی ہست و بود ہی مرد کی وجہ سے ہے لہٰذا عورت کی زندگی محض مرد کے لئے ہونا چاہئیے، مرد اس سے کیا فائدہ اُٹھاتا ہے لِتَسْکُنُوْا اِلَیْہَا یعنی مرد کو عورت سے تسکین حاصل ہوتی ہے وہ آدمی جس کو تسکین ہی حاصل نہ ہو ہر وقت خیالات پراگندہ و پریشان ہیں وہ دنیا میں کیا کام کر سکتا ہے یا کیا ترقی کر سکتا ہے۔ صحیح تندرستی اور جوانی کی حالت میں مرد کی خواہشات کا جذبہ عورت کی طرف اتنا زیادہ ہوتا ہے کہ وہ دنیا کا کوئی کام اچھی طرح نہیں کر سکتا، جب تک اسے اس کی طرف سے تسکین حاصل نہ ہو، چونکہ اسلام مذہب فطرت ہے، اسی وجہ سے اس نے اس جذبہ کا خاص طور سے خیال رکھا ہے، زوجگان کی تعداد میں ایک حد مقرر کرنی ضروری تھی، وہ بھی چار تک مقرر کی ہے ایک پر انحصار نہیں کیا، اسکے علاوہ لونڈیوں کے طریقے کو جاری رکھا گیا ہے جسکے بعد پھر انسان کو اس کی طرف سے بالکل اطمینان و تسلی ہو جاتی ہے، ازمنہ سابقہ میں جب مسلمانوں کی حکومت تھی مسافروں کی خاطر و مدارات کرنے میں لونڈی کا پیش کرنا بھی تھا تاکہ اگر مسافر کو تسکین حاصل کئے ہوئے عرصہ ہو گیا ہے، اور اسکے خیالات پراگندہ رہنے لگے ہیں، تو وہ یہ راحت بھی اپنے میزبان کے گھر میں حاصل کر لے، تعجب ہے حضرت عمر سے کہ متعہ کو توڑنا سمجھ گئے اور اس لونڈیوں کے استعمال کو کچھ نہ سمجھا، خیر، عورت کی پیدائش کی غرض و غایت ہی جب یہ ہوئی تو اب مرد و عورت کا تعلق تو عین حسب منشاء خداوندی ہو گیا، اس میں برائی کا عنصر یہ ہو سکتا ہے کہ فساد ہو یا رشتہ ایسا قریب ہو کہ ان کا یہ تعلق مکروہ معلوم ہو، لہٰذا اسلام نے چند حدود قائم کیں لیکن بہت کم، فقط اتنی ہی کہ جتنی مناسب ہو سکتی ہیں، محرمات کی تعداد بہت کم ہے، ہندوؤں میں دیکھو وہاں تو ذرا سا بھی خون کے رشتہ کا شائبہ

ہو گا تو عورت حرام ہو جائے گی، اسلام نے اس کو روا نہیں رکھا، زنا اسوقت زنا ہے کہ جب محرمات کے اندر ہو یا اس سے فساد کا اندیشہ ہو، نکاح کی غرض وغایت یہی ہی کہ ان دو امور سے پرہیز کیا جائے اور یہی غرض و غایت متعہ میں بھی مدنظر ہے، نکاح کے علاوہ اس میں خوبیاں بہت ہیں اور کوئی برائی متعہ میں نہیں، جو نکاح میں نہ ہو، سفر میں گئے، یا تو زنا کرو، یا خیالات پریشان سے اپنے تئیں خراب کرو، یا نکاح کر کے طلاق کی ناخوشگواری پیدا کرو، متعہ وہی عورت کرے گی جس کے حالات اسکے مقتضی ہوں گے، مدت پہلے ہی سے معلوم ہے لہذا جدائی بُری نہ معلوم ہوگی، عورت کو اتنے ایام کے لئے فائدہ حاصل ہو گیا، بڑھاپے میں مرد کو عورت کی خواہش زیادہ ہوتی ہی، اور خصوصاً کم عمر عورت کی، لوگ اس بات کا مذاق اُڑاتے ہیں اور اب تو اس کو اتنا معیوب سمجھا گیا ہے کہ اگر کوئی بڈہا کم سن عورت سے نکاح کرنے کا ارادہ کرے تو کانگریس کے والنٹیر دروازے پر آن کر کھڑے ہو جاتے ہیں کہ ہم نکاح نہ کرنے دینگے۔ یہ ضعیف العمر آدمیوں پر ظلم ہوا کیونکہ ان کی یہ خواہش حرص پر محمول نہیں کی جا سکتی بلکہ طبعی اور فطرتی ہوتی ہی، اندر سے ان کا سارا جسم جوان اور طاقتور خون و حرارتِ غریزی سے مل کر اپنے کمزوری کو دور کرنا چاہتا ہے اور از سر نو طاقت حاصل کرنا چاہتا ہے، یہ طبی اصول ہے اس سے کسی کو انکار نہیں ہو سکتا۔ آج کل بہت سی کوششیں کی جا رہی ہیں کہ کس طرح جوانی از سر نو حاصل کی جائے۔ بہت سی دوائیاں نکل آئی ہیں، بندروں کے غدود کی تلاش ہے۔ وہ ساری دوائیاں ایک طرف اور یہ فطری وسہل نسخہ ایک طرف، اگر مرد میں عقل سلیم باقی ہی اور کم سن عورت کا استعمال دوا کے طریقے پر عیش و عشرت کے لئے نہیں، کرنا چاہتا ہے تو یہ نسخہ کبھی خطا نہ کریگا، پہلے زمانہ میں یہ دوا عام تھی چنانچہ بیان کیا جاتا ہے کہ حضرت عمر نے کہ جب ان کی عمر پچپن سال کی تھی حضرت ام کلثوم سے نکاح کیا جن کی عمر زیادہ سے زیادہ نو سال کی تھی لیکن ساتھ

ہی اسکے کانگریس کے خدائی ، وہ بھی کچھ غلط نہیں کہتے ، تم اپنی بڑھاپے کو تو دور کرنا چاہتے ہو لیکن وہ ہی بڑھاپا ایک کم سن لڑکی کے حوالے کرنا چاہتے ہو ، تمہارے لئے تو یہ مفید ہے لیکن عورت کے لئے اگر ہمیشہ جاری رہا تو یہ رشتہ مضر ہوگا ، گویا وہ تو کبھی جوان مرد کی صحبت سے آشنا ہی نہ ہوگی ، تم نے تو اس کو دوا کی طرح استعمال کیا ، اور اس نے جوانی کا لطف ہی نہ اٹھایا ، یہ اس پر ظلم ہے فرمائیے کیا کیا جائے کہ نہ مرد پر ظلم ہو ، اور نہ عورت پر ، مرد کی بھی خواہش پوری ہو جائے اور عورت کی بھی ، کس خوبصورتی سے ، اور کس عقلمندی کے ساتھ اسلام نے اس مشکل مسئلہ کا حل کیا ہے متعہ کر لو ، تھوڑے عرصے کے لئے تم اس دوا کو استعمال کرو ، پھر اس کو چھوڑ دو ، عورت کا یہ فائدہ ہوا کہ وہ متعہ کی قیمت اتنی رکھے گی کہ اسکے لئے عرصہ تک کافی ہو ، پھر جوان مرد سے شادی بھی کر سکتی ہی ، ظلم کسی پر نہ ہوا دونوں کا مطلب حاصل ہو گیا ، اور کانگریس والنیٹرز ہنسی خوشی سے اپنے گھر واپس ہو گئے ، افسوس ہے کہ حضرت عمر نے کیسی غلط جگہ اپنی محدود عقل کا استعمال کیا ہے اس سے اسلام میں بھی اتنا ہی زنا ہو گیا کہ جتنا دیگر ممالک اور مذاہب میں ہے اور اب سینما نکل آئے ہیں جذبات کا ہیجان تو پیدا کر دیتے ہیں اس ہیجان کی تسکین کے لئے عورت نہیں ملتی ، یا تو بیشہ ور سے تعلق پیدا کر کے امراض مول لو ، یا خفیہ زنا کرو ، اصول طب کے ماہر ہمارے اس قول کی تصدیق کریں گے کہ اس طرح ہیجان کا پیدا ہو جانا اور پھر اس کا تسکین نہ پانا جسم انسانی پر ہمیشہ کے لئے نہایت مضر اثر چھوڑ جاتا ہے ، اور اگر بار بار اعادہ ہوتا ہے تو لاعلاج امراض پیدا ہو جاتے ہیں ، عورتیں بھی اب سینما کی بہت شائق نظر آتی ہیں ، اور جب ہی اس ہیجان دائمی کی وجہ سے ہسٹیریا کا مرض عورتوں میں عام ہو گیا ہے ، یورپ کے ممالک کا تو ذکر نہیں ، وہاں زنا زنا ہی نہ رہا وہاں تو نہ نکاح کی ضرورت ہے اور نہ متعہ کی ، عورتیں عام مل جاتی ہیں ، خرابی ہندوستان جیسے ملکوں کی ہے سینما کا پیدا کیا ہوا ہیجان سکول اور کالج کے لڑکوں کو خراب

کررہا ہے، عورتیں ملتی نہیں، لونڈیوں کا رواج نہ رہا، کچھ بازاری عورتوں کے شائق ہو جاتے ہیں، جو شرمیلے ہیں وہ غیر طبعی طریقے سے اخراج مادہ کی کوشش کرتے ہیں، اس غیر تسکین شدہ ہیجان کا اثر دماغ کو مختل کر دیتا ہے، آج کل لوگ یہ کہتے سنائی دیتے ہیں کہ اب لڑکوں میں جنون کا مرض زیادہ ہوتا جاتا ہے، اس کی اصلی وجہ پر غور نہیں کرتے، ساری نسل خراب ہو رہی ہے، قوم مٹ رہی ہے۔ جہاں تک مسلمانوں کا تعلق ہے اس صورت حالات کی ذمہ داری بڑی حد تک اس شخص پر ہے کہ جس نے متعہ کو روک دیا۔

وہ مسلمان جو اسلام کی صداقت کو یورپ کے معیار سے پرکھتے ہیں کہتے ہیں کہ حضرت عمر نے بہت اچھا کیا کہ متعہ کو روک کر اسلام کو یورپ کے اعتراض سے بچا لیا، ان بزرگوں کی رائے میں اسلام ایک محدود وقتی مذہب تھا، خاص زمانہ اور خاص ملک کے لئے نازل ہوا تھا، اس کے اصول معاشرت و قواعد سیاست زمانہ کی ترقی کے دوش بدوش چلنے سے قاصر ہیں ہر ایک صدی کے سر پر ایک مجدد کے آنے کی ضرورت ہے تاکہ اسلام کے پرانے و زائد المیعاد اصول و قواعد چھٹتے رہیں اور ان کی جگہ زمانہ کی فیشن کے مطابق رسم و رواج ایجاد ہوتے رہیں لیکن یہ قطعاً غلط ہے، اسلام نے ایک ایسا مستقل و دائمی طرز معاشرت قائم کر دیا ہے کہ جس کو زمانہ کی تبدیلیاں اور تہذیب کی قلابازیاں مؤثر کرنے سے قاصر ہیں بلکہ جوں جوں زمانہ گذرتا جاتا ہے اور لوگوں کے آنکھوں سے پردے اٹھتے جاتے ہیں سائنس ترقی کرتا جاتا ہے ویسے ہی اسلام کے پرانے اصول و قواعد نئے جوبن دکھاتے ہوئے نظر آتے ہیں اب اس جنگ عظیم کے بعد جب لوگوں کے سامنے مشکل مسائل آئیں گے اسوقت آنکھیں کھلیں گی، یورپ کی آبادی میں عورت کا تناسب مرد سے اس قدر زیادہ ہو جائے گا کہ ممکن ہی ایک امر سارے نظام کو منقلب کرنے کے لئے کافی ہوگا یا تو عورتیں بے کار رہیں گی یا نیم مرد بن کر یا ان سے مردوں کے کام لئے کران کو درجہ تک پہونچائیں گے۔۔۔ لی تو ممکن

ہے کہ ان کو مل جائے مگر مرد نہ ملنے سے جو خرابیاں پیدا ہوں گی وہ ناگفتہ بہ ہوں گی اس وقت کہیں گے کہ اسلام کا تعدد ازدواج و متعہ خدا کی طرف سے رحمت ہے ۔
اس ذہنی غلامی، کورانہ تقلید کے قربان جائیے کہ تہذیب فرنگ کی خرابیاں اپنی آنکھوں سے دیکھنے کے باوجود بھی یہ لوگ اس ہی کو قابل تقلید سمجھتے ہیں کیونکہ ان کی رائے میں یہ تہذیب انسانی تہذیب کی ارتقائی منازل میں سے آخری منزل ہے ۔ اس آخری منزل کے انتہائی عروج کا نمونہ موجودہ جنگ عظیم ہے جس تہذیب میں ایک ہی دین رکھنے والے انسان آپس میں ایک دوسرے کا گلا اس بیرحمی سے کاٹیں کہ بندر اور کتوں کو بھی شرم آئے کروڑہا جو ان جانیں جو اصلی ترقی دنیا کا باعث ہوتیں اس طرح ضائع ہو رہی ہیں اور اس اندھے پن کو دیکھئے کہ ان قوموں کے رہنماؤں اور کارفرماؤں کو یہ نہ معلوم ہو کہ ہم برا کر رہے ہیں، کروڑوں بچے عورتیں بے گناہ بڈھے اندھے بموں کا شکار ہو رہے ہیں جس تہذیب کے بچے اور عورتیں اور بڈھے اپنی جانیں بچانے کے لئے جانوروں کے بھٹ میں گھس رہے ہیں اور وہاں بھی پناہ نہیں ملتی جس تہذیب نے ایسی دنیا پیدا کی ہو کہ اس میں آسمان سے آگ برس رہی ہو، زمین سے شعلے اٹھ رہے ہیں ۔ پانی میں آگ لگ رہی ہے عقل سلیم کہتی ہے کہ اس تہذیب کے وہ اصول و قواعد معاشرت جن کی بناء پر یہ معاشرت قائم ہے سب غلط ہیں کیونکہ نتیجہ غلط ہے احمق محض ہیں وہ لوگ جو رفتار زمانہ ہی میں ترقی کے معنی جانتے ہیں ، زمانہ کوئی چال چلے وہ یہی ان کے لئے بہترین نمونہ ہوگا ۔ وہ ابھی یہی کہے جاتے ہیں کہ باوجود اس تہذیب کے ان ہیبتناک مناظر کے یہی تہذیب قابل تقلید ہے ۔ اب تو پلٹو اور اپنے صحیح اسلام کی معاشرت کی طرف آؤ جو باوجود بگڑنے کے بھی ایسی نہ بگڑی خداوند تعالے نے اسلام پر نکتہ چینی کرنے سے ان فرنگیوں کا منہ کس طرح بند کیا ہے ۔ اب کس منہ سے کہیں گے کہ اسلامی معاشرت غیر مہذب معاشرت ہے ۔ یا اس کے اصول و قواعد تہذیب و ترقی کے منافی ہے ۔ اس جنگ عظیم نے فرنگی

تہذیب کو ہمیشہ کے لئے ختم کر دیا، اب موقعہ ہے مسلمانوں کے لئے کہ اپنے صحیح اسلام کی تہذیب سے دنیا کو آشنا کریں۔

عقل و قیاس جائز کی حدود و شرائط۔ ہم امور دین میں عقل و قیاس کے استعمال کے خلاف نہیں ہیں بلکہ ہم تو کہتے ہیں کہ اپنے دین و مذہب اور اس کے اصول کی پرکھ عقل و قیاس کی کسوٹی پر کرو اور غور کرو کہ حق کدھر ہے اور سقیفہ سازی تمہیں کدھر لے آئی ہے اور جب باب ہفدہم میں ہم عقل کو اپنی بحث کا معیار مقرر کرینگے تو وہاں بھی آپ نہیں ٹھہر سکیں گے اور عقل سے پناہ مانگیں گے عقل انسان کی ہمیشہ سے رہنما رہی ہے اور رہے گی ہمارا ادعا یہ ہے کہ عقل کو ان حدود کے اندر استعمال کرو جو حدود قرآن شریف نے مقرر کر دی ہیں، سچے مذہب، سچے ہادی کی جانچ پڑتال کے لئے عقل کی ضرورت ہوتی ہے لہٰذا کافروں سے ارشاد خداوندی ہوتا ہے کہ اَفَلا تعقلون لیکن جب سچا مذہب معلوم ہو گیا، سچا ہادی مل گیا تو پھر حکم ہوتا ہے۔ یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ۔ بس اب اطاعت لازم ہے اور یہ اطاعت و تسلیم معیار ایمان ان الفاظ میں قرار پائی ہے۔ فَلَا وَرَبِّکَ لَا یُؤْمِنُوْنَ حَتّٰی یُحَکِّمُوْکَ فِیْمَا شَجَرَ بَیْنَھُمْ ثُمَّ لَا یَجِدُوْا فِیْ اَنْفُسِھِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَیْتَ وَیُسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا۔ ترجمہ تمہارے پروردگار کی قسم جب تک یہ لوگ اپنے تنازعات میں تمہیں حاکم نہ بنائیں اور جو فیصلہ تم کرو اس سے اپنے دل میں تنگ نہ ہوں بلکہ اس کو خوشی سے تسلیم کر لیں، تب تک یہ مومن نہ ہوں گے، اطاعت کامل شرط ایمان ہے عقل و قیاس کے استعمال میں مندرجہ ذیل امور کا خیال رکھنا ضروری ہے۔

(۱) ہمارا ایمان و یقین ہے کہ اسلام خداوند تعالیٰ کا مقرر کیا ہوا دین ہے ملہم من اللہ ہے اسکے اصول و قواعد و حدود و فقہ خداوند تعالےٰ کے مقرر کردہ ہیں جو جناب رسولخدا کے ذریعے سے ہم تک پہونچائے گئے ہیں۔ لہٰذا ایسا

اوقات ممکن ہے کہ ہماری عقل ان امور کے مصالح و وجوہ تک نہ پہنچے۔

(۲) عقل انسانی محدود ہے۔

(۳) عقل انسانی بدلتی رہتی ہے، ایک صدی کے مسلمات دوسری صدی کے متروکات ہو جاتے ہیں۔

(۴) عقل انسانی کا معیار قطعی معلوم نہیں ہو سکا ہے۔

(۵) عقل و قیاس انسان کی خواہشات سے بہت جلد اثر پذیر ہو جاتے ہیں

(۶) یہی وجہ ہے کہ ایک ہی امر پر مختلف نقطۂ نگاہ سے بحث ہو کر مختلف اور بسا اوقات متضاد نتیجے اخذ ہوتے ہیں۔

ان اصول کو مدنظر رکھ کر امور دین میں عقل و قیاس کے عمل کیلئے مندرجہ ذیل حدود قائم ہوئیں۔

(ا) جہاں صریح نص خدا و رسول کی طرف سے موجود ہے وہاں عقل و قیاس کی گنجائش نہیں ہے، خواہ اس نص اور حکم و ارشاد کے مصالح و وجوہ ہماری سمجھ میں آئیں اور خواہ نہ آئیں۔

(ب) جو امور دینی یا معاملات دنیاوی سہل یا پیچیدہ پیش آتے رہیں، ان کے حل کرنے کے لئے عقل کامل کا فرض اولیں یہ ہے کہ معلوم نصوص، اصول و قواعد و احکام خدا و رسول کو ان پر حاوی کرے، اگر عقل کامل ہے اور علم وسیع تو پھر اپنے عقل و قیاس کی ضرورت ہی نہ پڑے گی، معلوم نصوص ہی میں سے ضروری قواعد مستنبط ہوتے رہیں گے، یہ آسان بات نہیں، اس کے لئے بڑی خداداد قابلیت کی ضرورت ہے اور جن کے پاس عقل کامل و علم وسیع نہیں ہوتا، وہ ہی اپنے ناموزوں عقل کا پیوند لگاتے رہتے ہیں ہم ایک واقعہ کا ذکر کرتے ہیں جس سے اخذ مسائل کا طریقہ معلوم ہوگا۔

اتی عمر بامرۃ وضعت	حضرت عمر کے پاس ایک عورت لائی گئی۔
لستۃ اشہر فامر برجمہا	جس نے چھ مہینہ میں بچہ جنا تھا ان حضرت

فقال علی علیہ السلام لیس	عمر نے اس کو سنگسار کرنے کا حکم دیا حضرت
علیہا رجم لان اللہ تعالے	علی نے فرمایا کہ نہیں یہ غلط حکم ہے وہ
یقول والوالدات یرضعن	بے گناہ ہے خداوند تعالی کا ارشاد
اَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ	ہے کہ اگر والد چاہتا ہے کہ رضاعت
لمن اراد ان یتم الرضاعة	مکمل ہو تو ماں کو چاہئے کہ بچہ کو پورے
وقال حملہ وفصالہ ثلاثون	دو سال دودھ پلائے اور پھر فرمایا کہ حمل اور
شہرا فستة الحمل وسنتان	رضاعت کی مدت تیس مہینے ہیں پس چھ مہینے حمل
لمن اراد ان یتم الرضاعة	کی مدت ہوئی اور دو سال رضاعت کی مدت
فخلی عنہا وقال اللہم لا تبقنی	ہوئی جو اس کو پورا کرانا چاہتا ہے یہ سنکر حضرت
لمعضلة لیس لہا ابو الحسن	عمر نے اپنا حکم واپس لے لیا عورت کو چھوڑ

دیا اور فرمایا کہ خداوندا مجھے اس مشکل کے لئے زندہ نہ چھوڑنا جس کے حل کرنے کے لئے علی نہوں
سبط ابن الجوزی۔ تذکرۃ خواص الامۃ ص ۸۷۔

دیکھئے اس غلط حکم سے ایک بے گناہ کی جان جاتی۔ اس سے زیادہ ایک اور دلچسپ واقعہ ہے۔ دو عورتیں حضرت علی کے پاس لائی گئیں، جنھوں نے ایک دن بچے جنے تھے۔ ایک لڑکا تھا اور ایک لڑکی، وہ دونوں عورتیں لڑکا اپنا بتاتی تھیں، حضرت علی نے حکم دیا کہ ایک پیمانہ میں دونوں کا دودھ الگ الگ لیا جائے پھر اس دودھ کو تولا گیا، جس کا دودھ بھاری تھا اس کو لڑکا دیا گیا، اور جس کا دودھ ہلکا تھا اس کو لڑکی دی گئی، پھر لڑکی والی نے تسلیم کر لیا کہ میری غلطی تھی، حضرت علی سے پوچھا کہ اس فیصلہ کی کیا وجہ تھی، آپ نے فرمایا کہ خداوند تعالے نے فرمایا ہے کہ مرد کا حصہ عورت کے حصہ سے دوگنا ہوتا ہے۔ لہٰذا لڑکے کی ماں کا دودھ بھاری ہونا چاہئے۔

اگرچہ حضرت عمر نے تو اس ضروری شرط کو قائم نہ رکھا لیکن فقہ حنفی میں ہم یہ پاتے ہیں کہ قیاس محض ان امور شرعی میں جائز ہے جن کے لئے کوئی

نص خدا و رسول سے ثابت نہ ہو، اس ضمن میں دو سوالات پیدا ہوتے ہیں۔

(۱) یہ کون فیصلہ کریگا کہ نص موجود نہیں ہے اب قیاس کی ضرورت ہے

(۲) اگر قیاس کی ضرورت ہے تو کون شخص قیاس کرنے کا مجاز ہے یعنی کون شخص ایسا ہے کہ جس کا قیاس غلط نہیں ہوسکتا، فرمائیے آپ کی عقل سلیم کیا کہتی ہے، ظاہر ہے کہ یہ اس کو فیصلہ کرنا چاہیئے جس نے رسولِ خدا کی جگہ لی ہے یا جو رسول خدا کی جگہ لینے کا مستحق ہو اور یہ وہ ہی فیصلہ کرسکتا ہے کہ جس کو خداوند تعالےٰ نے ہمہ گیر علم عطا فرمایا ہے لہٰذا نتیجہ نکلا کہ جناب رسول خدا کی جگہ کا وہ ہی مستحق ہے جس کو خداوند تعالےٰ نے اپنی طرف سے ہمہ گیر علم عطا فرمایا۔ چونکہ سقیفہ بنی ساعدہ کے کارخانہ کے بنائے ہوئے حکام میں یہ علم نہ تھا لہٰذا ثابت ہوا کہ وہ جائز خلیفۂ رسول نہ تھے۔ حق کی یہ صفت ہے کہ کسی طرف سے بحث کرو حق ثابت ہوجائے گا، مولوی شبلی نے عقل کا یہ پڑا ہمارے کہنا ہے مذاق چلو، جلتے پھرتے ہی حق سے ام کر برلگے

حکام سقیفہ کا مبلغ علم و عقل:۔ اس بات کا ثبوت کہ سقیفہ بنی ساعدہ والے حکام کے پاس یہ علم نہ تھا بہت آسانی سے ملتا ہے، حضرت ابوبکر نے پہلے خطبہ میں یہ تسلیم کرلیا گیا ہے کہ میں تم سے افضل نہیں ہوں مجھ پر شیطان غالب آجاتا ہے، ابھی ابھی یہ ہم نے تذکرہ خواص الامۃ سے واقعہ نقل کیا ہے وہ ثابت کرتا ہے کہ حضرت عمر غلط فیصلہ دیدیا کرتے تھے، حضرت ابوبکر و حضرت عمر نے جو مقدمات کے فیصلہ کرنے کا طریقہ مقرر کیا تھا وہ ان کی بے علمی کی کمی ثابت کرتا ہے، جب کوئی مشکل مقدمہ پیش ہوتا تو حضرت ابوبکر و حضرت عمر اپنی عقل کے مطابق قرآن شریف میں اس کے لئے حکم تلاش کرتے اگر اس میں نہ ملتا تو جناب رسول خدا کا فیصلہ تلاش کرتے، اگر خود نہ پاتے تو صحابہ کو جمع کرکے دریافت کرتے کہ کیا انہیں کوئی رسول خدا کی حدیث ایسی معلوم ہے کہ جس سے یہ مقدمہ فیصلہ ہوسکے اکثر صحابہ بتادیتے کہ ہاں ہم نے سنی ہے تو پھر اس کے مطابق فیصلہ دیدیتے۔ حضرت عمر حضرت ابوبکر کے فتوے کی بھی تلاش کرتے تھے دیکھو طبقات

ابن سعد ج ۲ ق ۲ ص ۱۰۹ تاریخ فقہ اسلامی عبدالسلام ندوی ص ۱۶۹
خود مولوی شبلی ان کے اس عجز کو تسلیم کرتے ہیں۔

"جو مسائل زیادہ مشکل ہوتے ان کو یادداشت کے طور پر لکھ لیتے اور ہمیشہ ان پر غور کیا کرتے وقتاً فوقتاً ان کے متعلق جو رائے قائم ہوتی اس کو قلمبند اور زیادہ غور و فکر سے اس میں محو و اثبات کیا کرتے، پھوپھی کی میراث کی نسبت جو یادداشت لکھی تھی اور آخر اس کو محو کر دیا، اس کا حال امام محمد نے موطا میں لکھا ہے، قسطلانی نے شرح بخاری میں معتمد حوالہ سے نقل کیا ہے کہ دادا کی میراث کے متعلق حضرت عمر نے سو مختلف رائیں قائم کیں بعض بعض مسائل کے متعلق ان کو مرتے دم تک کاوش رہی اور کوئی قطعی رائے نہ قائم کر سکے، مسند دارمی میں ہے کہ دادا کی میراث کے متعلق انہوں نے ایک تحریر لکھی تھی لیکن مرنے کے قریب اس کو منگوا کر مٹا دیا اور کہا کہ آپ لوگ خود اس کا فیصلہ کیجئے گا، اسی کتاب میں یہ روایت بھی ہے کہ جب حضرت عمر زخمی ہوئے تو صحابہ کو بلا کر کہا کہ میں نے دادا کی میراث کی نسبت رائے قائم کی تھی اگر آپ لوگ چاہیں تو اس کو قبول کریں۔ حضرت عثمان نے کہا آپ کی رائے ہم لوگ قبول کریں تب بھی بہتر ہے لیکن ابو بکر کی رائے مانیں تو وہ بڑے صاحب رائے تھے، اکثر کہا کرتے تھے کہ کاش رسول اللہ تین مسئلوں کے متعلق کوئی تحریر قلمبند فرما جاتے، کلالہ، دادا کی میراث، ربا کے بعض اقسام، مسائل فقہیہ کے متعلق ان کو جو کد و کاوش رہتی تھی اس کے اندازہ کرنے کے لئے ذیل کی مثال کافی ہوگی، ورثہ کے بیان میں خدا نے ایک قسم کے وارث کو کلالہ سے تعبیر کیا ہے، لیکن چونکہ قرآن مجید میں اس کی تعریف مفصل مذکور نہیں (مولوی شبلی نے قرآن شریف کو مورد الزام ٹھہرایا۔ حضرت عمر کی جہالت کو نہیں) اس لئے صحابہ میں اختلاف تھا کہ کلالہ میں کون کون ورثہ

داخل ہیں حضرت عمر نے خود آنحضرت سے چند بار دریافت کیا، اس پر تسلی نہیں ہوئی
تو حضرت حفصہ کو ایک یادداشت لکھ کر دی کہ رسول اللہ سے دریافت کرنا۔
پھر اپنی خلافت کے زمانہ میں تمام صحابہ کو جمع کر کے اس مسئلہ کو پیش کیا لیکن
ان تمام باتوں پر ان کو کافی تسلی نہیں ہوئی اور فرمایا کرتے تھے کہ رسول اللہ
صلعم اگر تین چیزوں کی حقیقت بتا جاتے تو مجھ کو دنیا و مافیہا سے زیادہ
عزیز ہوتی، خلافت، کلالہ، رباء، چنانچہ ان تمام واقعات کو محدث
عماد الدین بن کثیر نے صحیح حدیثوں کے حوالے سے اپنی تفسیر قرآن میں لکھا ہے

الفاروق حصہ دوئم ص ۲۳۲، ۲۳۳

حکومت الہٰیہ کے حاکم کے ذہن رسا اور علم لدنی کی کیسی واضح تصویر کھینچی گئی ہے
یا اس شخص کی تصویر ہے جو جماعت اہل حکومت کی رائے میں مدینۂ علم نبی کی شمالی دیوار ہے
اور یہ اس شخص کی حالت ہے جو اپنے اس مجبور عقل اور اس ناقص قیاس پر بھروسہ
کر کے دین الہٰیہ کے فقہ میں مداخلت کیا کرتا تھا، اور اکثر آنحضرت پر اعتراض کیا کرتا
تھا، پروفیسر مولوی شبلی نے تو اس کو حضرت عمر کی تعریف کے سلسلہ میں تحریر کیا ہے،
لیکن معلوم ہوتا ہے کہ اسوقت پروفیسر صاحب کی عقل سلیم رخصت اتفاقیہ پر گئی ہوئی
تھی اور اس کے صلاح و مشورے کے بغیر اسکو تعریف سمجھ کر نقل کیا گیا ہے، اگر
چنگیز خاں یا رائے پتھورا کی ایسی باتیں کرتے تو ہم سمجھتے کہ بیچارے سپاہی تھے ان
کی عقل موٹی ہوتی ہے ان کو سمجھنے کی کوشش ہی کے نمبر دیدو، مولوی شبلی نے یہ امر
واقعہ نظر انداز کر دیا کہ حضرت عمر تو جناب رسول خدا کی جگہ سنبھالے ہوئے تھے، اُن
کے ذمہ تو امت اسلامیہ کی رہنمائی تھی، فرض کرو کہ اگر جناب رسول خدا سے دادا یا پھپھی
کی میراث یا کلالہ کی تشریح پوچھی جاتی اور وہ نہ بتا سکتے تو کیا گمان ہوتا، اب یہی
گمان جناب عمر کی نسبت ہونا چاہئیے، رائے قائم کرلی اور پھر اسکو مٹا دینا، دادا
کی میراث کی نسبت سو رائیں قائم کیں اور ایک نہ درست ہوئی اور امت کو مرنے
کے وقت بلا کر کہہ دیا کہ میری سمجھ میں تو آتا نہیں، تم جیسا جی چاہے کرنا، یہ جانشین

رسول کی مجبوری ملاحظہ ہو، حضرت عثمان کی گفتگو سے معلوم ہوا کہ حضرت ابوبکر نے جو دادا کی میراث کے متعلق رائے قائم کی ان سب سے مختلف تھی گویا ایک سو ایک ویں رائے تھی۔ ع ایں خانہ ہمہ آفتاب ست۔ مولوی شبلی نے تو یہ تحریر حضرت عمر کی مدح میں لکھی ہے، ذم نہیں ہے، طرز تحریر سے صاف عیاں ہے، کہ اتنی رائیں قائم کرنی، اتنے پہلوؤں سے ایک سوال پر غور کرنا، حضرت عمر کے ذہن کی رسائی اور تخئیل کے پرواز کی تعریف ہے لیکن کبھی کی ذم بھی اس میں پنہاں ہے، فقہ اسلامی ایسا ناقص تھا کہ اس پر محض دادا کی میراث کے متعلق سو اعتراض ہو سکتے تھے سو رائیں قائم ہو سکتی تھیں وہ قانون ہی کیا جو ایک قطعی حکم نہ دے جس میں ایک مسئلہ کے سو جواب ہو سکیں قاضی بچارا کیا حکم دے، سو دفعہ مختلف حکم ایک ہی مسئلہ پر دے۔ تم یہ بھی کر سکتے ہو، یہ بھی کر سکتے ہو اس کے مخالف بھی کر سکتے ہو آخر میں کہہ دے کہ میں کچھ بھی نہیں کہہ سکتا، جو تمہارا جی چاہے کرو، خدا کی بھی ایک غلطی پکڑی گئی، کلالہ کا لفظ تو استعمال کر دیا اس کی تشریح نہ کی، بار بار جناب رسولخدا سے پوچھا، اور بار بار انہوں نے بتایا، لیکن حضرت عمر کی سمجھ میں نہ آیا، یا تو سمجھانے والے کے علم کی کوتاہی تھی یا سمجھنے والے کی عقل کا پھیر تھا کہ مضمون نہ سمجھا گیا، چونکہ یہ حضرت عمر کی تعریف کے ضمن میں تحریر ہو رہا ہے لہٰذا اس کی تشریح یہ ہوئی کہ جناب عمر کا ذہن ایسا رسا اور تخئیل ایسا عالی تھا کہ ایک بات میں سو پہلو دیکھتا تھا، اور حضرت عمر آنحضرت سے ان مختلف اعتراضات کے جواب چاہتے تھے جو ان کے دماغ میں پیدا ہوتے تھے، لیکن آنحضرت ان کا جواب دینے سے قاصر رہتے تھے لہٰذا ان کی تسلی نہ ہوتی تھی، حضرت حفصہ کی معرفت فرصت میں جواب منگوایا لیکن وہ بھی ایسا ویسا ہی ہوگا، حضرت عمر کی تسلی نہ ہو سکی، جب آنحضرت سے تسلی نہ ہوئی تو خیال آیا کہ شاید صحابہ میں کوئی شخص آنحضرت سے زیادہ فہم رکھنے والا ہو تو وہ ہی بتا دے لیکن ایسا آدمی کہاں پیدا ہوا تھا جو حضرت عمر کی تسلی کر سکتا، مقطع کا بند اب آتا ہے۔ جناب رسولخدا نے اتنے اہم مسائل اپنی امت کو نہ بتائے اور خلافت و کلالہ و ربا کی حقیقت و ماہیت سے

انہیں آگاہ نہ کیا، قرآن شریف میں حکم ہے کہ ربا نہ کھاؤ، کلالہ کو میراث دو، اب اگر
اِن مسائل پر اُمت غلطی کرے اور ربا کھانے لگے، کلالہ کو میراث سے محروم رکھے، خلافت
کے لئے کشت و خون ہو، تفرقہ پڑے تو الزام جناب رسولِ خدا پر عائد ہوگا، نہ کہ
امت پر، اور محشر میں جناب رسول خدا بھی اپنے تئیں یہ کہہ کر بری الذمہ کرلیں گے
کہ بارالہٰا کیا تونے ان کے معنی زبانی یا قرآن شریف میں بتائے تھے، جو میں امت
کو بتلاتا، اسوقت خدا بھی معاذ اللہ اپنی غلطی محسوس کرلیگا اور دل میں سوچے گا کہ میں
نے تو یہ نبی اور یہ قرآن عرب جیسی موٹی سمجھ رکھنے والے آدمیوں کے لئے تیار کیا تھا
مجھے کیا معلوم تھا کہ ان میں ایک شخص حضرت عمر جیسا ذہن رکھنے والا بھی ہے، مجھے یہ معلوم
ہوتا تو میں اسی کو نہ پیغمبر بنا کر بھیجتا، چلو اب تو یہی ہو سکتا ہے کہ خلافت و کلالہ و ربا کے
متعلق جتنے گناہان امت نے کئے ہیں وہ سب یمحو اللہ ما یشاء یعنی محو کردئے
جائیں، وہاں بھی لوگ دیکھتے کے دیکھتے رہ جائیں گے کہ کیا بازی ماری ہے خاندان
نبوت میں سے حکومت کو بھی نکالا، خود سنبھالا، دوستوں کو دی، اور سب گناہان محو۔
مولوی شبلی صاحب کی تحریر کے ایک تو وہ معنی نکلتے ہیں جو اوپر لکھے گئے،
دوسرے معنی یہ ہو سکتے ہیں کہ حضرت عمر بہت ہی موٹی سمجھ کے آدمی تھے، ایسے
ایسے اہم مسائل نہ سمجھ سکے لہٰذا خلافت کے مستحق نہ تھے، جون سے معنی آپ چاہیں
اختیار کریں، خدا کی شان تو دیکھو، آپس میں کتنی مخالفت تھی اگر جناب رسول خدا کی
تعریف کرو تو حضرت عمر کی ذم نکلتی ہے، اور اگر حضرت عمر کی تعریف کرو تو جناب رسولِ خداؐ
کی ذم نکلتی ہے۔

اسلام ایک مستقل اور دائمی مذہب۔ یہ کبھی نظر انداز نہ کرنا چاہیئے کہ اسلام
ایک مستقل اور دائمی مذہب ہے، خداوند تعالیٰ کا مقرر کیا ہوا اور بھیجا ہوا آخری مذہب
ہے اور صحیح اور قطعی اصول معاشرت کی تعلیم کرتا ہے اسلام نے انسان کے لئے وہ
قطعی و آخری طرز تمدن و معاشرت اور طریقہ حکومت تجویز کردیا ہے جس میں
تبدیلی ممکن نہیں، یہ ایک معلم ہے تمام دنیا کے لئے اور تمام زمانہ کے لئے، یہ ایک

حاکم ہے ہمیشہ کے لئے تمام جہان کے لئے، یہ مذہب ہر ایک انسانی شعبہ میں، ہر ایک انسانی معاملہ میں، ہر ایک مختلف فیہ مسئلہ میں اپنا آخری حکم دیتا ہے اور وہ قطعی حکم ہوتا ہے، ایسے الہامی دین کے اصول و قواعد و فقہ کو معمولی انسان کے عقل کے تابع کرنا اور جس طرح اور جس طرف وہ عقل پھرتی جائے اور متغیر ہوتی جائے، اسی طرح اور اسی طرف دین الہیہ کے رُخ کو بدلنا اور ہر ایک جدید فیشن و تہذیب کے مطابق قرآن شریف کی آیات کی تاویل کرنا حاکم ازلی کو محکوم بنانا ہے۔ لیکن جو طرز عمل حضرت عمر نے اختیار کیا اس کا یہی نتیجہ ہوا، اور ہونا چاہیئے تھا، اگرچہ پہلے انہوں نے عمال کو یہی حکم بھیجا کہ اگر تمہیں سند قرآنی اور احکام نبوی کسی خاص واقعات یا مقدمے کے فیصلہ کرنے کے لئے نہ پہنچے ہوں تو اپنی عقل و قیاس کے مطابق فیصلہ کردیا کرو لیکن اپنے طرز عمل سے حضرت عمر نے صاف ظاہر کردیا کہ نص قرآنی و حکم نبوی کے ہوتے ہوئے بھی اور ان کی مخالفت میں احکام صادر ہوسکتے ہیں اور انہوں نے صادر کئے، متعہ الحج و النساء کو موقوف کیا، رمل کو موقوف کیا، اور یہ کہہ کر کیا کہ قرآن ہے تو ہوا کرے، رسول ہے تو ہوا کرے حکم یہی چلے گا۔ جب عاملوں نے دیکھا تو انہوں نے بھی اپنے عقل و قیاس کو خوب استعمال کیا۔ پھر یہ مرض مفتیوں میں بھی عام ہوگیا، قاضیوں میں بھی چلا گیا، اسلام، دین الہیہ اسلام سینکڑوں مذہبوں میں تقسیم ہوگیا، جس کا ہر ایک فرقہ اپنے دعوے کی بنیاد کتاب اللہ پر رکھتا ہے اور کہتا ہے کہ میری ہی تاویل حق اور صحیح تاویل ہے باقی سب کی غلط، مرکزیت قائم رہ جاتی اور ہر ایک پیچیدہ مسئلہ حل ہوجاتا اگر عقل و قیاس کا استعمال خود بھی ان حدود کے ساتھ کرتے جو ہم نے اوپر لکھی ہیں، اور دیگر عاملوں کو بھی ان شرائط کو مدنظر رکھنے کا حکم دیتے، اور پھر آخری شرط یہ قائم کردیتے کہ جو فیصلہ اپنی عقل و قیاس کی بناء پر کوئی عامل کرے وہ اول دربارِ خلافت میں بغرض منظوری بھیج دے اور یہاں سے منظوری جانے کے بعد اس کا اجرا کرے ہمیشہ کے لئے مرکزیت قائم رہ جاتی لیکن دربار خلافت کا حصر دار علم رکھنے والا ہوتا

تو یہ بات ممکن تھی، یہاں تو یہ صورت تھی کہ خود دیگر صحابہ سے صحیح تاویل قرآن اور سنتِ رسول پوچھنے کے محتاج تھے، حضرت عمر کی عزت قائم رکھنے کے لئے ایک دو گمنام مورخوں نے لکھ مارا کہ حضرت علی بھی ایسا کرتے تھے اور صحابہ سے سنتِ بکری و عمری دریافت کرکے اس پر عمل کیا کرتے تھے، خدا کو دیکھا نہیں عقل سے پہچانا وہ اعلیٰ وارفع شخص جس نے حکومت کو لات ماردی اور سنّت شیخین پر عمل کرنے کی شرط کو منظور نہ کیا، وہ اب صحابہ سے اس سیرت کو دریافت کرکے اس پر عمل کریگا جس نے لوگوں کو ان ہی صحابہ کو صلائے عام دی کہ پوچھ لو، مجھ سے جو تم زمین و آسمان کی باتیں پوچھنا چاہتے ہو جو فقہ قرآن کے متعلق دریافت کرنا چاہتے ہو دریافت کرلو قبل اس کے تم مجھ کو اپنے درمیان میں نہ پاؤ، وہ اب ان ہی لوگوں کے پاس جائے گا اور کہے گا کہ مجھے اس مسئلہ کا علم نہیں ہے بتانا تو سہی ایسے مقدمہ میں حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کیا حکم دیا کرتے تھے۔ ہٹ دھرمی کی کہیں تو حد ہونی چاہیئے۔

حضرت عمر کے طرزِ عمل کے نقائص عقلِ سلیم کہتی ہے کہ اس دینِ الٰہیہ کا والی اور حاکم ایسا علم کامل رکھنے والا انسان ہوتا جو اس دین کے اصول و قواعد کو ہر ایک زمانہ کے آنے والے پیچیدہ سے پیچیدہ مقدمہ پر تطبیق کرسکتا اور اپنے دین کو ہر ایک چلتی ہوا کی طرف نہ کرتا بلکہ ہواؤں کے رُخ کو تبدیل کرکے اپنے دین کے مطابق ان کو چلاتا، اصلی دانائی، بزرگی عظمت اس میں ہے تاکہ دنیا کی تہذیب و تمدّن کا رُخ اپنے اسلام کی طرف رہے، اور اسلام دنیا کی تہذیب و تمدّن پر حکمرانی کرے، یہی بانئ دین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا منشاء تھا اور یہ ہی خداوند تعالیٰ کا وعدہ تھا کہ اَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ اعلیٰ، اوپر، غالب رہنے کے یہی معنی ہیں کہ دنیا پر تمہارے دین تمہارے تمدّن تمہاری تہذیب کی حکمرانی ہوسکتی ہے اگر تم واقعی مومن ہو، دل سے ایمان لائے ہو کہ یہ دین اور اس کا فقہ خدا کی طرف سے ہے۔ اس آیت کا منشا ایسی حکومتِ

دنیاوی سے نہیں ہے جس میں تمہارا دین ہی نہ ہے اور اگر ہے تو مسخ ہو کر رہ ہے، کسی جماعت یا قوم کے غلبہ سے مطلب اس قوم کے دین و تہذیب و تمدن کا غلبہ ہے۔ دنیاوی حکومت و ثروت تو ہرتی پھرتی چھاؤں ہے کبھی قارون کے پاس کبھی فرعون کے پاس بھلا یہ کوئی فخر کی بات ہے کہ اس مجوزہ ہزار داماد پر ہم نے تھوڑے عرصہ کے لئے قبضہ کر لیا، لیکن حضرت عمر کا اصول جس کا تتبع آنے والی نسلوں کے کیا یہ تھا کہ اپنے دین کو زمانہ کی عقل کے مطابق کرتے جاؤ، اور زمانہ کے خیالات و فیشن کے مطابق اس کو ترمیم کرتے جاؤ، آج کل جو مسلمانوں پر مصیبت آئی ہوئی ہے وہ اس ہی تخیل کا نتیجہ ہے۔ جو حضرت عمر نے ایجاد کیا تھا، وہ موجودہ زمانہ کے یورپ کے تخیل کو حق کا آخری لفظ سمجھتے ہیں اول تو ان کی کوشش ہوتی ہے کہ اپنے اسلام کو جہاں تک ہو سکے یورپ کے تخیل کے مطابق ثابت کر کے اس کے لئے سرٹیفکٹ صداقت حاصل کریں، اور جن امور میں وہ ایسا نہیں کر سکتے تو اسلام پر ہنستے ہیں ہر ایک شخص کے عقل و قیاس کو امور دین اور اصول و قواعد فقہ میں مداخلت کرنے کا اجازہ صریحاً یا عملاً دیکر سقیفہ بازان اولین نے اسلام کو مسخ کر دیا، جو کچھ رہا سہا تھا وہ اب ان کے یہ ہونہار سپوت بدل بدلا کر یورپ کے تخیل کے مطابق کرنا چاہتے ہیں یہ جڑ اسی وقت کی لگی ہوئی، درخت رہ رہ کر بارآور ہوتا ہے، آج رمل کی ضرورت نہیں، قصر نماز بے معنی سمجھا جاتا ہے۔ متعۃ النساء و متعۃ الحج مضر خیال کئے جاتے ہیں، کل اتنی دور و دراز مسافت کے رجعاور پانچ وقت کی نماز کی ضرورت نہ رہے گی، کفر کے خیالات اس وقت لوگوں کے دلوں میں تازہ تازہ تھے۔ پانچ وقت کی نماز مقرر کر دی، اب ایک ہی شے کو دن میں اتنی دفعہ دوہرانے سے سوائے تضیع اوقات کے اور کیا حاصل ہوتا ہے حسبنا کتاب اللہ اور اس کتاب میں نماز کے لئے اٹھک و بیٹھک اور اوندھے ہونے کے لئے کہیں حکم نہیں دیا گیا، اگر بدن صاف ہو اور غسل کیا ہو تو پھر اس وضو کی کیا ضرورت ہے، یہ بھلا ناک میں پانی ڈالنے کے کیا معنی

سے کلی کرنا تو سمجھ میں آسکتا ہے، یہ ناک سے کلی کرنا کیسا، کتاب اللہ میں تو کہیں اس کو ضروری نہیں قرار دیا، ماڈرن تہذیب کا اقتضاء ہے کہ بیٹھے بیٹھے نماز پڑھ لیا کریں، قرآن کا حکم بھی پورا ہو گیا، اپنے تئیں تکلیف بھی نہ ہوئی، اور اگر اسی طرح زمانہ و عقل کی ترقی کا اقتداء قائم رہا تو ایک دن کتاب اللہ بھی ایک Obsolete Book (دقیانوسی متروک کتاب) سمجھی جائے گی عقل انسانی کو ذرا آزاد تو چھوڑ دو، دیکھو کہاں سے کہاں لے جاتی ہے، اگر غالب مرحوم کے شعر میں ذرا سی تبدیلی کی اجازت ہو تو عرض کروں ؎

رو میں ہے رخشِ عقل کہاں دیکھئے تھمے نے ہاتھ باگ پر ہے نہ پا ہے رکاب میں

ان بزرگواروں کا دستور العمل ہمیشہ سے یہ رہا ہے کہ اپنا مطلب نکالنے کے لئے ایک اُصول قائم کرتے ہیں بظاہر الفاظ میں وہ اصول خوش نما معلوم ہوتا ہے، اور اس سے اپنا کام نکال لیتے ہیں لیکن اس کے بعد جب اس اصول کی خرابی معلوم ہوتی ہے تو چپکے سے اسے چھوڑ دیتے ہیں لیکن جو کچھ اس کے ماتحت کر چکے ہیں اس کو جائز بھی سمجھتے ہیں۔ ہم تو کہتے ہیں کہ سلیم عقل اور صحیح قیاس صحیح مذہب کی شناخت کے لئے نہایت ضروری ہیں، اور ہم ان پر اپنی بحث کا دارومدار رکھیں گے۔ دیکھو باب ہفتدہم لیکن جماعت اہل حکومت کے وکلاء نے دیکھا کہ جیسا طرز عقل و قیاس حضرت عمر نے قائم کیا ہے وہ تو نہایت ہی مضر ہے اور عقلِ سلیم کے خلاف ہے " انہوں نے پھر عقل کو چھوڑ دیا، اور اس طرح اصول فقہ قائم کیا۔

عقلی اور حسّی تحقیقات کسی حد تک کیوں نہ ہو شکوک و شبہات کی آلائش سے پاک نہیں ہوتی اور جس قدر جھانا جاتا ہے اسی قدر کرکرا ہوتا ہے۔ نیا فلسفہ کیا اطمینان دلا سکتا ہے، کہ آئندہ چل کر اس کے موجودہ مسائل میں غلطی ثابت نہ ہو گی کیا آج سے بیس برس پیشتر جن تحقیقات پر ناز تھا ان میں سے بعض کے اغلاط کا اشتہار نہیں دیا گیا، کمزور اور متاثر اذہان ان ظنی تحقیقات کو یقینی سمجھ کر ان کے ایسے دلدادہ ہو جاتے

ہیں کہ اس کے مقابلہ میں الہامی امور کو (کہ جہاں وہم وخیال کی لغزشوں اور حواس کے اختلال اور عقل واستدلال کے تنزل کو دخل نہیں) کمزور جان کر ترک مذہب یا ترک اسلام کا عار تو نہیں اٹھاتے۔ پر الہامی مسائل کو کھینچ تان کر تاویلات رکیکہ کے ذریعے سے ان بلیغی تحقیقات کے مطابق کرنے میں کوشش کرتے ہیں تاکہ الہامی مسائل فلسفی مسائل کی ٹکر سے چکنا چور نہ ہو جائیں، ایسا کرنے کو وہ اسلام کی حمایت اور جہاد اکبر جان کر مسلمانوں بلکہ ان کے پیغمبر علیہ السلام بلکہ ان کے خدائے پاک پر احسان سمجھتے ہیں کس لئے کہ انہوں نے خدائے تعالےٰ کی بگڑی بات بنادی اور اس کی غلطی کی اصلاح کردی (معاذ اللہ) ...... گو دار مدار تکلیف شرعی عقل پر ہے اور اسی لئے جہاں رسول نہیں آئے وہاں لوگوں پر صرف توحید ہی فرض ہوئی کیونکہ توحید کا حق ہونا عقل سے دریافت ہو سکتا تھا۔ لیکن ہر شخص کی عقل بھی تو صواب پر نہیں ہوتی اور کیونکر ہو سکتی ہے کس لئے کہ عقل نامعلوم چیز کا ادراک چند معلومات سے ترتیب دے کر کرتی ہے، اور وہم جو باعث غلطی ہے بسا اوقات عقل کا مزاحم ہو جاتا ہے پس کبھی ان معلومات کو کہ جو اس مطلوب کے واسطے مبادی نہیں تھے، ان کو مبادی بنالیا اور کبھی خود اس ترتیب میں غلطی ہو جاتی ہے کہ جس کو مقدم کرنا تھا موخر کر دیا یا کسی مقدمہ کی کوئی شرط فوت ہو گئی، علی ہذا القیاس اور یہی وجہ ہے کہ کبھی ایک عاقل کی رائے اس کی دوسری رائے کے مخالف ہو جاتی ہے، پھر کبھی وہ ایک نتیجہ صحیح قرار دیتا ہے، پھر کبھی اسی کو غلط بتاتا ہے .... لہٰذا رائے اس قابل نہیں کہ اس کے اعتماد پر انبیاء علیہم السلام کے اقوال یا قرآن وغیرہ کتب الہیہ میں شک کیا جائے یا ان کے ظاہر معنی کو چھوڑ دیا جائے کیونکہ وحی میں کسی طرح کی غلطی

واقع نہیں ہوتی، جب نبی علیہ السلام کا کوئی قول بسند صحیح ثابت ہو جائے
اس پر یقین لانا چاہیئے اور ہر امر میں قول نبوی علیہ السلام کو کسوٹی
تصور کرنا چاہیئے۔ جس کی رائے اس کے مطابق ہو وہ صحیح ورنہ غلط۔

عبدالحق محدث دہلوی:۔ عقائد الاسلام ص ۴، ۵۔

اس جماعت کے علماء کا طرز عمل آپ نے دیکھا، ایک کچھ کہتا ہے، دوسرا کچھ کہتا ہے، حضرت عمرؓ اور مولوی شبلی عقل غیر محدود اور قیاس غیر مشروط پر اپنے مذہب کی بناء رکھتے ہیں، عبدالحق ایسی عقل اور ایسے قیاس کو شیطان کے ایجنٹ خیال کرتے ہیں اور موقعہ پر دونوں کام نکال لیتے ہیں لیکن یہ حق کی شان نہیں ہے حضرت عمر کے طرز عمل کو عبدالحق صاحب محدث دہلوی نے کیسی اچھی طرح غلط ثابت کر دیا لیکن وہ غلط طرز عمل اپنا کام کر گیا، لوگوں میں یہ غلط عقیدہ پھیلا ہی دیا، اور چونکہ وہ عقیدہ لوگوں کی خواہشات کے مطابق تھا، جو خود امام و رہنما بننا چاہتے تھے اور اپنا علیحدہ فقہ جاری کرنا چاہتے تھے لہٰذا خوب پھیلا، اب تک دیکھ لو مولوی شبلی اس کے طرفدار نکل ہی آئے، حضرت عمر کے اس طرز عمل سے جو اسلام میں خرابی پھیلی وہ ظاہر ہے۔ بہت سے فرقے بن کر خرقۂ اسلام کا ٹکڑے ٹکڑے ہو جانا اس خرابی کا محض ایک جزو ہے، دوسرا جزو اعظم اس برائی کا یہ ہے، کہ ہر کس و ناکس کی عقل و قیاس آزمائی کی وجہ سے اسلام مسخ و متغیر ہو گیا، مولوی شبلی اور ان کے ہم خیال لوگ کہتے ہیں کہ یہ اچھا ہوا کیونکہ اسلام کے بہت سے اصول و قواعد ترقی زمانہ کے دوش بدوش رہنے کے قابل نہ تھے، ہم کہتے ہیں کہ بُرا ہوا، بہرصورت یہ ظاہر ہے کہ وہ اصلی اسلام نہ رہا جو جناب رسولخدا نے تعلیم کیا تھا، اور اکثریت امت میں اور دیگر ممالک مفتوحہ میں وہ اسلام پھیلا جو لوگوں کی عقل آزمائی سے مرتب ہوا تھا، وہ کیسا اسلام تھا، اس کے لئے قوت متخیلہ پر زیادہ زور ڈالنے کی ضرورت نہیں، کیونکہ وہ تمہاری آنکھوں کے سامنے موجود ہے، وہ اسلام ایسا تھا جیسا کہ تم کو اب دنیا میں نظر آ رہا ہے، فطرت انسانی کو سمجھنے والے سمجھ سکتے ہیں کہ اس بے لگام عقل و قیاس کا کیا نتیجہ ہوگا، اگر

ذراسا علم انسان کو آجاتا ہے تو وہ سمجھتا ہے کہ میں اسرار الٰہی کی کُنہ کو پہنچ گیا ہوں اتنا کہ مجھ سے پہلے اور میرے بعد کوئی نہ پہنچا اور نہ پہنچے گا۔ ہر ایک دانائے راز بن جاتا ہے اور کہتا ہے کہ ؎

سر آمد روزگارِ ایں فقیرے دگر دانائی راز آید نہ آید

اسرارِ الٰہی اکثر جام ساقی کے اندر تہہ میں بیٹھے ہوئے نظر آیا کرتے ہیں اور سجادۂ تقوے کی یہ قیمت رہ جاتی ہے۔ ؎

بکوئے مے فروشانش بہ جامی برنمی گیرند نہے سجادۂ تقوے کہ یک ساغر نمی ارزد

حج پر اس کی عقل اس طرح اعتراض کرتی ہے ؎

آنکہ می کرد مرا منع بہ پرستیدنِ بت در حرم رفتہ طوافِ در و دیوار چہ کرد

اور جب دنیا کی وجاہت اور یہاں کا عیش و عشرت اپنے پورے جوبن میں اس کو نظر آتے ہیں تو عالم سرور میں اسلام کے مردہ جسم کو چھوڑ کر اپنی دلی تمناؤں کے سقیفہ کی طرف یہ کہتا ہوا چلا جاتا ہے ؎

مسجد نشیناں رخصتے خواہد بہ دیرم نعتے در دست رنگیں شیشۂ در شیشہ موج کوثرے

(۱۱) مسئلہ جبر و قدر۔ حضرت عمر نے مسئلہ جبر و قدر کو ایسے واضح و غیر محدود الفاظ میں قائم کر کے ہر ایک ظلم صریح و کذب محض کے لئے ایک مضبوط پردہ پیدا کر دیا (صفحات ۵۵۵ الغایت ۱۵۶۰ کتاب ہذا) جس کے پیچھے بقول مولوی شبلی (صفحہ ۱۵۵۹ کتاب ہذا) بنو امیہ و بنو عباس کا ہر ایک ظالم بادشاہ اپنے ظلموں کو چھپاتا تھا اور چھپا سکتا تھا۔

(۱۲) علی کی مخالفت بغیر رسولخدا کے مخالفت کے نہیں ہو سکتی تھی۔ جناب رسالتمآب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی امت کو مطلع کر دیا تھا کہ علی ہمنفس رسول ہے جسنے علی کو چھوڑا اس نے مجھے چھوڑا۔ جس نے علی کی نافرمانی کی اس نے میری نافرمانی کی اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے خدا کی نافرمانی کی۔ یہ ایک ایسا امر واقعہ ہے کہ جس میں کوئی ناصبی خارجی ہی شک کر سکتا ہے اور واقعات سقیفہ نے اس کو اظہر من الشمس اور ابین من الامس کر دیا، باب سیزدہم کے

مطالعے سے آپ کو معلوم ہو گیا ہوگا کہ مدعا تو در اصل علی سے خلافت کے متعلق تنازعہ کرنے کا تھا، اور کوشش یہ تھی کہ کسی طرح علی کی طرف خلافت نہ جانے پائے لیکن یہ کوششیں کارگر نہیں ہو سکتی تھیں اور تجویزیں مکمل ہو کر بارآور نہیں ہو سکتی تھیں جب تک رسول کی بھی معصیت نہ کی جاتی چنانچہ ان اصولوں سے جو حکومت لینے کے لئے اور حکومت کو مستقل و مستحکم بنانے کے لئے مقرر کرنے ضروری سمجھے گئے جناب رسول خدا کی بہت تحقیر و توہین ہوئی، بنوت کے دائرہ کو چھوٹا کیا گیا، گویا جناب رسول خدا کے اختیارات و طاقت کو کم کیا، بنوت کا تجزیہ کیا، آنحضرت کے احکام میں نکتہ چینی کی، حکومت کو علیحدہ نکال لیا وغیرہ وغیرہ اور اس ہی کوشش میں خداوند تعالیٰ کی بھی نافرمانی ہوئی، قرآن شریف کی آیات کو اتنا توڑا مروڑا کہ اصلی معنی خبط ہو گئے، اور جناب رسول خدا کے بتائے ہوئے معانی کو قطعاً چھوڑ دیا، آیۂ مودّۃ، آیہ تطہیر، آیہ مباہلہ، آیۂ اکمال دین و اتمام نعمت و آیہ اولی الامر ان سب کے اصلی و صحیح معانی کو چھوڑنا پڑا، جناب رسولخدا کی بتائی ہوئی تفسیر کو نظر انداز کرنا پڑا، گویا قرآن شریف کی معنوی تحریف کرنی پڑی تب کہیں جا کر علی کی مخالفت اور جناب رسولخدا کے ارشادات کی تشریح مکمل ہوئی، آیہ اولی الامر کے اوپر تفصیل سے بحث ہم کرینگے جب واقعاتِ کربلا کے اسباب و علل کو بیان کریں گے۔

حکامِ سقیفہ کے ہر ایک فعل و سیاسی تجویزات اسلام کی مرکزیت پر ضرب کاری لگتی رہی ہے، در اصل مرکزیت تو اس وقت ہی جاتی رہی جب انہوں نے جناب رسولخدا کے احکام کی مخالفت میں اپنی علیحدہ جماعت بنانی شروع کی، دوسرا تیشۂ کاری مرکزیت کی جڑ پر اسوقت لگا کہ جب انہوں نے اسلام میں یہ نیا اور نہایت مضر عقیدہ جاری کیا کہ حکومت دائرۂ بنوت سے باہر ہے اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اسلام میں دو حاکم پیدا ہو گئے، ایک حاکم ملک، دوسرا حاکم شرع، ان دونوں حاکموں میں تصادم ہونا لازمی تھا، جیسا کہ یورپ میں پوپ اور شہنشاہیت کے درمیان ہوا جس کا تذکرہ ہم نے کتاب اول کے صفحات ۴۳، ۴۴، پر کیا ہے، یورپ میں

مذہب اور حکومت کی جنگ ذرا دیر تک رہی کیونکہ پوپ کو سیاسی اقتدار اور ملکی اختیار بہت زیادہ حاصل تھا لیکن آخر کار وہ بھی مغلوب ہو گئے اور اس کے بعد پوپ کے اکثر احکام طاقتور بادشاہوں کی مرضی کے مطابق ہوا کرتے تھے، یورپ کی تاریخ کے مطالعہ کرنے والے جانتے ہیں کہ Papal dispensations کیا تھے اور ان کا مقصد کیا تھا، مختصر الفاظ میں کہہ سکتے ہیں کہ یہ پوپ کے وہ مذہبی فتوے تھے جو بادشاہوں اور بارسوخ امراء کے ناجائز افعال و ناجائز نکاح کو جوازیت کا جامہ پہنانے کے لئے جاری ہوتے تھے، اور مذہب کے منشا کو اُن افعال کے مطابق کیا جاتا تھا، حکام سقیفہ نے اسلام میں بھی یہی حالت جاری کردی حالانکہ جناب رسولخدا نے جو اسلامی سلطنت قائم کی تھی وہ اس کے بالکل برخلاف تھی ۔ آنحضرتؐ نے حکومت و مذہب کی سرداری ایک ہی شخص میں رکھی تھی، اگر آنحضرت کے جانشین ظاہری بھی آنحضرت کی طرح علم والے ہوتے تو حکومت و مذہب کا سردار ایک ہی شخص ہوتا لیکن سقیفہ سازی کی وجہ سے حکومت اُن لوگوں میں چلی گئی، جو دین کی سرداری کے اہل نہ تھے لہٰذا وہ خود تو مذہب کی سرداری کر نہ سکتے تھے اگر خود مختارانہ فتوے دینے شروع کر دیتے تو اپنے تئیں مضحکۂ عالم بنا لیتے۔ ان سے زیادہ علم رکھنے والے اصحاب رسول میں تھے، ذرا سی غلطی میں نکتہ چینی ہو جاتی، اپنے اس عیب کے ڈھانکنے کے لئے سب سے صلاح و مشورہ کرنے کے بعد کوئی ایک رائے قائم کر سکتے تھے، حکومت میں سقیفہ سازی تھی، امور دین میں بھی اس کی ابتدا کرنے لگے، جناب رسول خدا نے کبھی فیصلہ دینے سے پہلے صلاح و مشورہ نہیں کیا۔ جج کا مقدمات میں لوگوں کی صلاح لینا اس کے کمی علم کی نشانی ہے، اگر یونانی عدالتوں کا تتبع مد نظر تھا تو سرکاری وکیل مقرر کر لیتے۔ بہر صورت جو شخص جانشینیٔ رسول کا دعویٰ کرے اس میں یہ نقص عظیم ہے، اس مضمون میں بھی مولوی شبلی حسب دستور خود جناب رسولخدا کی اہانت اور حضرت عمر کی مدح کئے بغیر آگے نہ چل سکے، وہ بیچارے بھی کیا کریں واقعات ہی ایسے تھے کہ حضرت عمر کی مدح نہیں ہو سکتی تھی۔ جب

تک حضرت رسولخدا کی ذم نہ ہو جاتی چنانچہ فرماتے ہیں۔

"صیغہ عدالت بھی اسلام میں حضرت عمر کی بدولت وجود میں آیا۔ ترقی تمدن کا پہلا دیباچہ یہ ہے کہ صیغہ عدالت انتظامی صیغے سے علٰحدہ قائم کیا جائے، دنیا میں جہاں جہاں حکومت وسلطنت کے سلسلے قائم ہوئے مدتوں کے بعد ان دونوں صیغوں میں تفریق ہوئی۔ لیکن حضرت عمرؓ نے خلافت کے چند ہی روز بعد اس صیغہ کو الگ کر دیا، حضرت ابوبکر کے زمانہ تک خود خلیفۂ وقت اور افسران ملکی قضا کا کام بھی کرتے تھے حضرت عمر نے بھی ابتداء میں یہ رواج قائم رکھا اور ایسا کرنا ضرور تھا، حکومت کا نظم ونسق جب تک کامل نہیں ہو لیتا، ہر صیغہ کا اجرا رعب وداب کا محتاج رہتا ہے اس لئے فصل قضایا کا کام وہ شخص انجام نہیں دے سکتا جس کو فصل قضایا کے سوائے اور کوئی اختیار نہ ہو، یہی وجہ تھی کہ حضرت عمر نے ابو موسی اشعری کو لکھا کہ جو شخص با اثر اور صاحب عظمت نہ ہو قاضی نہ مقرر کیا جائے، بلکہ اسی بنا پر عبداللہ ابن مسعود کو فصل قضایا سے روک دیا، لیکن جب انتظام کا سکہ اچھی طرح جم گیا تو حضرت عمر نے قضا کا صیغہ بالکل الگ کر دیا۔

الفاروق حصہ دوم ص ۵۹، ۶۰

پائے تخت یعنی مدینہ منورہ کے قاضی زید بن ثابت تھے۔ ....
قاضی اگرچہ حاکم صوبہ یا حاکم ضلع کا ماتحت ہوتا تھا، اور ان لوگوں کو قضاۃ کے تقرر کا پورا اختیار حاصل تھا، تاہم حضرت عمر زیادہ احتیاط کے لحاظ سے اکثر خود لوگوں کو انتخاب کر کے بھیجتے تھے۔

الفاروق حصہ دوئم۔ ص ۶۵، ۶۶۔

(قاضیوں کی تنخواہیں بیش قرار مقرر کیں .... قاعدہ مقرر کیا کہ جو شخص دولتمند اور معزز نہ ہو قاضی مقرر نہ ہونے پائے۔

الفاروق حصہ دوئم ص ۶۷

سطیہ نے زبرقان بن بدر کی ہجو میں ایک شعر کہا جس سے صاف طور پر ہجو ظاہر نہیں ہوتی تھی، زبرقان نے حضرت عمر کے ہاں مقدمہ رجوع کیا چونکہ یہ شعر و شاعری کا معاملہ تھا، اور شاعرانہ اصطلاحیں اور طرز ادا عام بول چال سے الگ ہیں، حضرت عمر نے حسان بن ثابت کو جو بہت بڑے شاعر تھے بُلا کر پوچھا اور ان کی رائے کے مطابق فیصلہ کیا "الفاروق حصہ دوئم ص ۶۹"

اب ہم ان اقتباسات پر غور کرتے ہیں بعض عربی داں مولوی صاحبان اگرچہ بظاہر انگریزی تعلیم کو بُرا، اور انگریزی خوانوں کو بے دین کہتے ہیں لیکن در اصل انگریزی تخیل و انگریزی طرزِ تحریر کی پیروی کرنے میں اپنا فخر سمجھتے ہیں۔ مولوی شبلی نے کبھی انگریزی داں پروفیسر کو کہتے ہوئے سُن لیا ہو گا کہ یورپ میں اگزیکٹو (انتظامی) اور جوڈیشل (عدالتی) محکمے علیحدہ علیحدہ ہوتے ہیں اور یہ اچھی بات ہے کیونکہ اس میں (انتظامی حکام انصاف و عدل کے راستہ میں کانٹے) نہیں ڈال سکتے، لہٰذا اب آپ اس کو ترقی تمدن کی شرطِ اولیں سمجھنے لگے۔ ہم ابھی ظاہر کرتے ہیں کہ اس تحریر سے ہمارا یہ دعوے قطعی طور سے ثابت ہو گیا کہ نہ تو حکام سقیفہ اور نہ ان کے مقلدین جن کا بہترین نمونہ مولوی شبلی ہیں یہ سمجھے کہ جنابِ رسولِ خدا بلکہ اسلام کا منشا کس قسم کی حکومتِ الٰہیہ جاری کرنے کا تھا، اور اس حکومتِ الٰہیہ کے لئے کس نظام اور کیسے حکام کی ضرورت تھی لیکن قبل اس کے ہم اس پر بحث کریں ذرا ناظرین کی توجہ جماعت اہل حکومت کی عشق عمری کی طرف دلاتے ہیں جس عشق کا جزو اول مخالفتِ علی اور جزو ثانی توہین رسول ؐ ہے۔

تحریرات بالا میں جو توہین رسول مضمر ہے وہ ملاحظہ ہو۔

(۱) صیغہ عدالت بھی مثل دیگر انعامات و اکرامات کے جو حضرت عمر نے اسلام کو بخشے حضرت عمر کی بدولت وجود میں آیا، لفظ "بھی" دیگر انعامات و اکرامات

کی طرف اشارہ کرتا ہے۔

(۲) جناب رسول خدا چوک گئے وہ تو حاکم بھی تھے اور خود ہی قضا کا کام کرتے تھے، ان کے عمال جو یمن وغیرہ میں گئے وہ بھی باوجود حاکم ہونے کے خود ہی قضا کا کام کرتے تھے۔

(۳) مولوی شبلی سمجھ گئے کہ اس میں توہین نکلتی ہے لیکن توہین رسول کی انہیں پرواہ نہیں، اپنی خلافت کے ابتداء میں جو حضرت عمر نے یہ ہی ناقص رواج جاری رکھا اس کا عذر اس طرح پیش کرتے ہیں کہ جب تک حکومت کا نظم و نسق کامل نہیں ہو لیتا ہر صیغے کا اجرا رعب و داب کا محتاج رہتا ہے اس لئے فصل قضایا کا کام وہ شخص انجام نہیں دے سکتا جس کو فصل قضایا کے سوائے اور کوئی اختیار نہ ہو۔

(۴) نتیجہ نکلا کہ جناب رسول خدا کی حکومت کا نظم و نسق کامل نہ تھا۔ جب ہی تو انہیں خود قضایا کا کام کرنا پڑا، اور نظم و نسق کو حضرت عمر نے کامل کیا اور پھر وہ محکمۂ قضا کو علیحدہ کر سکے۔

(۵) یہ رعب داب کی خوب کہی، کیا محکمۂ قضا میں کچھ رعب و داب ہی نہیں جو شخص ہزاروں بلکہ کروڑوں روپے کی جائداد کا فیصلہ کرے، چوروں کے ہاتھ کٹوائے، زانی کو سنگسار کرائے اور دیگر جرائم کے لئے حدود جاری کرائے اس میں کچھ رعب ہی نہیں ہوتا، اسلامی محکمۂ قضا کی تو مولوی شبلی نے بہت ہی بے رعبی کی، یہ تو پنجاب کے پرانے زمانہ کی منصفی درجہ دوئم ہو گئی کہ جس میں اختیارات پانصد روپے تک محدود تھے، اور لوگ کہا کرتے تھے کہ منصف تو بنئے کا کام کرتے ہیں، ہر وقت بہیات سے سروکار ہے تحصیلدار کو دیکھو کیسا رعب والا عہدہ ہے، یہ ہی فقرہ شاید مولوی شبلی نے سن لیا ہو گا۔ کیسا عامیانہ تخیل ہے۔ جو کسی صاحب علم کے لئے شایاں نہیں، غالبًا مولوی صاحب موصوف کو یہ تو معلوم ہو گا کہ فوجداری مقدمات بھی عدالتی کام کی تعریف میں آتے ہیں، جو شخص غیر محدود

مالیت کی جائداد کا وارا نیارا کر دے، کسی کو حبس دوام کی سزا دے کسی کو پھانسی کا حکم دے۔ وہ تو رعب وداب والا آدمی نہ ہوا، غالباً جو خطابات دے سکے اور جاگیریں عطا کر سکے وہ صاحبِ رعب ہو گا۔

(۶) حکام سقیفہ کے عہد میں فضیلت علم کی کس طرح بے قدری ہوئی ہے۔

مولوی شبلی کی تحریرات سے ہمارا یہ دعوی بھی ثابت ہو گیا کہ قوم میں جاہ و ثروت پرستی کا پھیلانا کارروائی سقیفہ کا براہ راست نتیجہ تھا، سنئے مولوی شبلی کیا کہتے ہیں، حضرت عمر نے حکم جاری کر دیا کہ محکمۂ قضا میں امیر اور صاحب ثروت آدمی رکھے جائیں، غریب صاحب علم والے لوگ نہ رکھے جائیں، عبد اللہ ابن مسعود جیسے جلیل القدر صحابی جن کی ایمانداری مسلّمہ تھی ان کو اس عہدہ سے محض غربت کی وجہ سے دور رکھا گیا، مولوی شبلی نے تو اس کو حضرت عمر کی عقلمندی کے ثبوت میں پیش کیا، حضرت عمر کا خیال تھا کہ امیر آدمی رشوت نہ لیں گے۔ اس کی انہیں ضرورت نہ ہو گی، غریب آدمی رشوت کی طرف مائل ہو جائے گا۔ دولت مندوں کے لئے ایسے اصول مقرر کرنا ہی ثابت کرتا ہے کہ حکام سقیفہ کی نظروں میں دولت کی کتنی بڑی قدر تھی، خیال پیدا ہوا کہ کہیں اپنی غربت کی وجہ سے عبد اللہ ابن مسعود رشوت نہ لینے لگیں، رشوت کی برائی و مذمت قرآن شریف میں کتنی صریح الفاظ میں کی گئی ہے لیکن یہ قرآنی احکام عبد اللہ ابن مسعود کو رشوت لینے سے نہیں روک سکتے تھے، رشوت سے جو چیز روک سکتی تھی وہ محض دولتمندی تھی، یہ کس کے لئے کہا جا رہا ہے؟ اصحاب رسول کے لئے، دولت پرستی تو ایک طرف یہ وقت پرستی خوب تھی، جس بات سے وقت پر کوئی کام نکل گیا وہ بات بنا دی، خواہ صحیح ہو خواہ غلط، جب حضرت علی سے مقابلہ پڑا تو اس حدیث کی ضرورت ہوئی اصحابی کالنجوم فبایّھم اقتدیتم اھتدیتم اور جب حضرت عمر کی تعریف کی ضرورت ہوئی تو صحابی ایسے گرے کہ عبد اللہ ابن مسعود جیسے جلیل القدر صحابی رشوت لینے

کے قابل ہوگئے۔

اب ہم یورپ کے اس نظریہ پر بحث کرتے ہیں جس کی تعریف میں مولوی شبلی رطب اللسان ہیں، امر واقعہ یہ ہے کہ حکام سقیفہ اور ان کی جماعت جناب رسولخداؐ کی حکومت الٰہیہ کے سمجھنے سے بالکل قاصر رہی۔ ہم ذکر کر چکے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے کس طرح حکومت کو مذہب یعنی مذہب سے علیحدہ کرنے کی کوشش کی، اور اس طرح جناب رسولخدا اور اسلام کے تخیل و نظریہ کو چھوڑ کر یورپ کے اس عقیدہ کی پیروی کی کہ حکومت و مذہب کا اجتماع ایک شخص میں مضر اور ناموزوں ہے۔

اس عقیدہ کی خرابیاں اور اس کے خلاف اسلام ہونے پر کتاب اول کے صفحات [illegible] پر ہم نے کافی بحث کی ہے، اس عقیدہ ہی کی یہ بھی ایک شاخ ہے کہ انتظامی اور عدالتی محکموں کے افسران بالکل علیحدہ ہونے چاہئیں تاکہ انتظامی ضرورتیں عدل کے راستہ میں رکاوٹ نہ پیدا کریں، یہ دونوں عقیدے یا اصول، دنیاوی حکومت میں بیجا نہیں معلوم ہوتے، بلکہ مؤخر الذکر عقیدہ تو انسان کے ناجائز میلانات اور ناروا کارروائی کرنے کی ترغیبات کے روکنے میں بہت ممد و معاون ہے لیکن ان دونوں عقیدوں کی گنجائش حکومت الٰہیہ کے اندر نہیں ہے اور جن اصول و مبانی کے اوپر جناب رسولخداؐ نے اپنی حکومت الٰہیہ اور سلطنت اسلامیہ کو قائم کرنا چاہا تھا اور قائم کیا تھا یہ دونوں عقیدے ان کے بالکل مخالف ہیں، یہ دونوں عقیدے تو ایسی سوسائٹی کے لئے موزوں ہیں جہاں حکومت کا دارومدار محض حیوانی طاقت پر مبنی ہو اور جہاں عدل و انصاف حاصل کرنے کے لئے مصنوعی ذرائع استعمال کرنے کی ضرورت پڑتی ہو جہاں لوگوں کے اخلاق و کیرکٹر اتنے گرے ہوئے ہیں کہ ان کے انتظامی افسر خود ظلم کرنا اور دوسرے سے ظلم کرانا جائز سمجھتے ہیں ان کو خدا سے ڈرا کر نہیں، نیکی کی خوبیوں کی معرفت پہنچا کر نہیں بلکہ ان کے پاس سے بدی کرنے کے ذرائع ہٹا کر بدی نہ کرنے پر مجبور کیا جاتا ہے ع مرا بخیر تو امید نیست بد مرساں۔

یہ کس ترقی کی علامت ہے جس پر حضرت شبلی ایسے نازاں ہیں - اگر وہ ایسے ہی اخلاق کے آدمی ہیں تو کہاں تک ایسے ذرائع سے انہیں روکوگے، ایک در بند ستر در کھلے کیا خود انتظامی محکمہ میں ظلم کم ہوسکتا ہے اور کیا وہاں کا ظلم اچھا معلوم ہوتا ہے اگر سوسائٹی ہی ایسی ہے تو اس کی عدالت کے افسر بھی ایسے ہی ہوں گے، جو شخص دوسرے کے کہنے سے اور اس کے زور کے اندر ظلم کرسکتا ہے تو وہ اپنے نفع کے لئے کیوں نہ ظلم کریگا، ہٰذا ان دونوں محکموں کو جدا کرنے سے یہ ہوا کہ پہلے تو دونوں مل کر ظلم کرتے، اب ایک دوسرے سے آزاد ہوکر ظلم کرینگے، دونوں محکموں کو جدا کرنا تو ایک ذریعہ ہے انصاف حاصل کرنے کا، کیا یہ ذریعہ ہمیشہ کامیاب ہوا ہے۔ کیا عدالتی حکام پر انتظامی حکام کسی طرح اور کسی حالت میں زور نہیں ڈال سکتے، دونوں محکمے ایک ہی حکومت کے ملازمین ہیں اور اگر عدالت کے فیصلوں سے انتظام میں کمزوری آنے لگی تو کیا ججوں کو بغیر اثر ڈالے ہوئے چھوڑدیں گے، ہندوستان میں جو صورت حالت ہے اس پر غور کرو، اور ہمارے کہنے کے بغیر قائل ہو جاؤ، یہاں دیوانی عدالتیں علیحدہ ہیں اور انتظامی محکمہ علیحدہ ہے اور دونوں کے افسران جدا جدا ہیں، ایک کو دوسرے سے کچھ تعلق نہیں۔ لیکن کوئی سب جج کسی یورپین ڈپٹی کمشنر کے خلاف ذاتی ہرجانہ کی یا کسی اور قسم کی ڈگری تو دے کر دیکھے، اُسے چھٹی کا کھایا یاد آجائے گا، بات وہی ہے جو ہم بار بار دُہراتے رہتے ہیں، طرز حکومت یا روش انتظام زیادہ فرق نہیں پیدا کرتا، اصلی بات تو یہ ہے کہ قانون کے عامل اور کارکن کیسے ہیں، اگر وہ کامل انسان ہیں تو ظلم نہ ہوگا، اور اگر وہ بُرے ہوئے لوگ ہیں تو ہزاروں جتن کرلو۔ کتے کی دُم تو جب نکلے گی ٹیڑھی ہی نکلے گی، کتابی صورت میں تو ہر ایک ملک کا لکھا ہوا قانون خوش نما نظر آئے گا، کون کہے گا کہ ہمارے قانون میں ظلم روا ہے، قانون کی آنکھ میں تو سب برابر ہوتے ہیں، دیکھنے والی بات یہ ہے کہ قانون کے اجرا کرنے والوں کی آنکھ میں بھی سب برابر ہیں، جوں جوں زمانہ گزرتا جاتا ہے، سائنس ترقی کرتا جاتا ہے اور ظلم

کرنے کے بھی سائنٹفک طریقے ایجاد ہوتے رہتے ہیں، پہلے زمانہ میں حکومت کی صورتیں تھیں بادشاہت آمریت، جمہوریت ۔ سر پھر کر ظلم بھی ہوتا تھا تو ان ہی پرانے طریقوں پر، زمانہ حال میں ایک حکومت کی شکل کو زیادہ رواج ہو گیا ہے، اس کو کہتے ہیں پارٹی گورنمنٹ، اگر اس کو اردو میں ترجمہ کرو گے تو کہو گے کہ حکمرانوں کا خاندان مشترکہ اس خاندان کا ہر ایک ممبر سلطنت کا ایک ایک شعبہ لے لیتا ہے ہر ایک شعبہ میں مقصد حاصل کرنے کے لئے سائنٹفک طریقے نکل آئے ہیں، ان سب میں ایک بہت بڑا سائنٹفک طریقہ ہے جس کا نام ہے پبلک سروس کمیشن۔ دیکھئے محکموں کے علیحدہ کرنے کی دُہائی نے کیا صورت اختیار کی، ملازمت میں منظور کرنے کے لئے بھی ایک محکمہ علیحدہ ہو گیا، ہر ایک محکمہ کے اعلےٰ اور ادنےٰ افسروں اور ملازمین کو یہ جماعت منتخب کرتی ہے، کاغذ پر کیسا خوش نما معلوم ہوتا ہے، جس نے اس جماعت کے ممبروں کو نہ دیکھا ہو وہ سمجھے گا کہ ہر ایک ممبر ہر مضمون میں اعلیٰ قابلیت رکھتا ہوگا، تاکہ اس علم والوں میں سے ایک کو منتخب کرے۔ ہمیں ان بزرگواروں کے دیکھنے کا فخر حاصل ہوتا رہتا تھا، کسی صوبہ کے کسی زمانہ کا ذکر ہے کہ ایک ممبر آٹھویں جماعت پاس تھے دوسرے ممبر صاحب کچھ بھی پاس نہ تھے تیسرے ممبر صاحب نے بہت دفعہ فیل ہو ہو کر بی اے پاس کیا تھا، ان کے اپنے جسم میں ایک چیز بائیں طرف پھڑکتی ہوئی معلوم ہوتی تھی تو انہوں نے قیاس کر لیا ہو کہ انسان کا دل بائیں طرف ہوتا ہے، اس سے زیادہ انہیں جسم انسانی کی ترکیب و ساخت کا علم نہ تھا، اور یہ منتخب کرتے تھے کن کن امیدواروں میں سے، ایم ایس سی، ایم بی بی ایس، ایل ایل ڈی، ایل ایل ایم، پی ایچ ڈی وغیرہ وغیرہ میں سے، اگر یہ افسانہ ہم کسی مہذب ملک میں بیان کریں تو کسی کو بھی یقین نہ آئے لیکن یہ افسانہ امر واقعہ ہے اور بیسویں صدی کا امر واقعہ ہے، کیا نتیجہ نکلا؟ یہ نتیجہ نکلا کہ انتظام کرنے کے جتنے جی چاہے اعلےٰ طریقے ایجاد کر لو جب تک تم کو انسان کامل نہیں ملیگا، تمہارا انتظام درست نہ ہوگا، جناب رسولخدا کے نظام میں حکومت اور حکومت

کہ شعبے کامل انسان کے ماتحت رکھے گئے تھے ان دونوں نظاموں میں یہی فرق ہے۔
غرضکہ اس طرح مصنوعی طریقے سے عدل و انصاف حاصل کرنے کی کوشش کرنے کا نظریہ فرنگی مفکرین اور ان کے غلاموں کا ہے، برخلاف اس کے اسلام کا نظریہ یہ ہے کہ قوم کے ہر فرد کا اخلاق اعلیٰ درجہ کا ہو، اور پھر وہ خواہ کسی عہدہ پر مقرر کر دئے جائیں اپنے فرائض اسلام کے احکام کے مطابق ادا کریں گے حکومت کو اور حکومت کے ہر ایک شعبہ کو مذہب کے ماتحت رہنا چاہیئے اور اس کے اصول و قواعد و احکام کی پیروی کرنا ہر ایک کا فرض اولیں ہے حکومت کیوں انتظامی اور عدالتی محکموں کو علیحدہ کرتی ہے؟ اس وجہ سے کہ اسے نہ اپنے انتظامی افسروں پر بھروسہ ہے اور نہ عدالتی افسران پر، دونوں مل کر ایک دوسرے کو خراب کریں گے، لہٰذا حکم دیا کہ تم دونوں علیحدہ ہو جاؤ، اسلام کیوں ان دونوں محکموں کو ملاتا ہے، اس وجہ سے کہ اس کو بھروسہ ہے کہ میں دونوں کا افسر اعلیٰ ہوں اور کسی کو بگڑنے نہ دوں گا، دراصل اسلام میں تقسیم فرائض نہیں ہے، ہر ایک مسلمان کا فرض ہے کہ پورے قرآن شریف پر عمل کرے، اور پورے قرآن شریف پر عمل کرنے سے وہ سب کچھ بن جاتا ہے، وہ سب اخلاق فلاسفر بھی ہے، کیونکہ قرآن شریف اخلاق حمیدہ کی تعلیم کرتا ہے اور کارخانۂ قدرت پر غور و فکر کرنے کی ہدایت کرتا ہے، وہ بہت اچھا منتظم ہے کیونکہ قرآن شریف کا حکم ہے کہ بزرگوں کی اطاعت کرو اور چھوٹوں پر رحم و شفقت و مہربانی کرو، یہی بہترین انتظام ہے، وہ نہایت عمدہ عادل جج بھی ہے، کیونکہ قرآن شریف کی ہدایت ہے کہ اِعْدِلُوا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰی، وہ نہایت عالم فقیہ ہے، کیونکہ علم فرائض و فقہ سب قرآن شریف میں ہے، وہ نہایت عمدہ دلیر شجاع اپنی جان کو ہتھیلی پر رکھ کر لڑنے والا سپاہی بھی ہے، کیونکہ قرآن شریف میں جہاد کا حکم نہایت سختی کے ساتھ دیا گیا ہے، وہ نہایت ریاضت کرنے والا عابد زاہد عبد خدا ہے، اپنے ہمسایہ اور شہر لوں سے محبت کرنے والا باشندہ ہے، قرآن شریف میں بہت سے علم کی تعلیم ہے، اور وہ ان سب

علوم کو جاننے والا ہے، اسلام انسانی زندگی کے ہر شعبہ کا معلم ہے اور غیروں نے
بھی اس کی اس صفت کا اعتراف کیا ہے، دیکھو ص ۹، کتاب اول۔ غرضکہ ایک مسلمان
اگر ہے تو سب کچھ ہے ورنہ کچھ نہیں، ایسے مسلمان سے کہنا کہ تم منتظم ہو سکتے ہو
لیکن جج نہیں ہو سکتے، تم سپاہی ہو سکتے ہو لیکن فلاسفر و مفکر نہیں ہو سکتے۔
تم فقیہ ہو سکتے ہو لیکن بڑھئی نہیں، تم باغبان ہو سکتے ہو لیکن حاکم نہیں۔ صرف
اس مسلمان ہی کی توہین نہیں ہے اگر وہ کامل مسلمان ہے بلکہ اسلام کی بھی توہین
ہے اس حکومت الہیہ کا جس کو جناب رسولخداؐ نے شروع کیا تھا یہی منشا تھا کہ
ایسے کامل مسلمان پیدا کرے لیکن حکومت سقیفہ کو ان واقعات نے جن کو حکام
سقیفہ نے خود پیدا کیا تھا مجبور کر دیا کہ وہ جناب رسولخدا کے اس مقصد کو اسلام
کے اس نظریہ کو حکومت الہیہ کے اس نظام کو بالکل متغیر اور منقلب کر دیں اور اسلام
میں بھی وہی نظرئے اور عقائد رائج کر دیں جو عیسائیت وکفر والحاد کے اجتماع نے
یورپ میں پیدا کرئے تھے۔ ہم تینوں کا اجتماع اس وجہ سے کہتے ہیں کہ
عیسائیت نے تقریبًا اپنی ساری تہذیب و طرز تخیل رومن تہذیب سے لیا۔
اور یہ رومن تہذیب مرکب تھی قدیم یونانی و قدیم رومن تہذیب سے، اور جہاں کہیں
مذہب عیسوی کی تعلیم و یونانی تہذیب میں اختلاف ہوا وہیں اپنی مذہبی تعلیم کو چھوڑ
کر یونانی و رومن تہذیب کو اختیار کر لیا، اس کی کئی مثالیں ہیں، ایک تو تصویر
پرستی ہے، حضرت مریم و حضرت عیسیٰ کی تصویروں کی پرستش جب حد سے
گزر گئی تب ہی ریفرمیشن آئی، دوسری مثال عیسائیت کا وہ اصول ہے،
کہ اگر کوئی تمہارے گال پر طمانچہ مارے تو تم دوسرا گال اس کے آگے کر دو۔
یہ حلم و ایثار کی تعلیم رومن و یونانی جنگجو تہذیب کے بالکل خلاف تھی، اور ہمارا
یہ کہنا بالکل درست ہوگا کہ یہ تعلیم محض اس ہی جنگجویانہ ذہنیت کو مٹانے کے لئے آئی
تھی جس نے یونانی و رومانوی دنیا کو جانوروں کا وحشی خانہ بنا دیا تھا۔ لیکن
اس عیسائیت نے جو حضرت عیسےٰ کے دعویداروں نے دنیا میں پھیلائی اپنے

مذہب کی اس تعلیم کو نہ مانا اور یونانی و رومانوی بہیمیت کو اختیار کیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ باوجود اس تعلیم کے عیسوی یورپ میں بھی اسی طرح لڑائیاں اور کینہ و حسد کے مظاہرے ہوتے رہے جو اس سے پہلے تھے اور تصویر پرستی نے بُت پرستی کی جگہ لے لی، بعینہٖ یہی حالت اس اسلام کی ہوئی جو سقیفہ بنی ساعدہ کے ظلمت کدہ سے نکلا تھا، حکّامِ سقیفہ نے بھی اپنے اصلی مذہب کے صحیح اصولوں کو اور جناب رسول خدا کے طرزِ عمل کو چھوڑ کر غیر مسلموں کے اصولوں اور تہذیب کو اختیار کر لیا ہے، اگر اس پر تفصیل سے لکھا جائے تو بذاتِ خود ایک ضخیم کتاب بن جائے، کیسی خوبی سے جناب رسول خدا کی وہ مشہور حدیث ثابت ہو گئی کہ تم لوگ میرے بعد اُمم سابقہ کی تقلید ہر ایک جزئی عمل میں کرو گے ایسی تقلید کی کہ جناب رسول خدا کے بنیادی اصول کو چھوڑ دیا، اور کہہ دیا کہ نبوت میں حکومت شامل نہیں ہے اور رہنمائے اسلام یعنی جانشین رسول کے لئے کسی خاص علم و فضل کی ضرورت نہیں ہے جس کو ہم سب رومن ریپبلک کی طرح مان لیں وہ ہی ہمارا بادشاہ۔

خیر یہ جملہ معترضہ تھا۔ اگرچہ ضروری تھا ہم کہہ رہے تھے کہ حکام سقیفہ اپنے خود پیدا کردہ واقعات کی وجہ سے مجبور ہو گئے کہ جناب رسولخدا کے نظام کو چھوڑ کر صنم و صلیب کی پیروی کریں، ان میں وہ عصمت اور وہ علم نہ تھا جو جانشین رسول کے لئے ضروری تھا، اور حکومت حاصل کرنے کے لئے ان کو جنابِ رسول خدا کے وہ احکام ہی نظر انداز کرنے لازمی تھے جن میں جانشین منتخب و مقرر کر لیا گیا تھا لہٰذا وہ مجبور ہو گئے یہ کہنے پر کہ (۱) جناب رسولخدا کی نبوت میں حکومت شامل نہیں ہے (۲) حکومت کو مذہب سے کچھ تعلق نہیں ہے اور (۳) چونکہ ہم میں وہ علم، اہلیت و قابلیت نہیں ہے کہ جو قضا و فتاوی کے لئے ضروری ہے، لہٰذا انتظامی محکموں کو عدالتی محکموں سے علیحدہ ہونا چاہیئے، یہ نہایت عظیم الشان تغیر تھا جس نے اسلام کا رُخ دین کی طرف سے ہٹا کر دنیا کی طرف

کردیا، اسکے بعد جتنے مصائب و آلام اسلام پر آتے ہے ان کا ذمہ دار حکام سقیفہ
کا یہی طرز عمل ہے ان میں وہ خصائل و فضائل نہ تھے جو وہ جانشین رسول
ہونے کا دعوے کر سکتے، وہ خود اس بات کو اچھی طرح جانتے تھے۔ چنانچہ اس
جماعت کے سردار اعلیٰ حضرت عمر نے فوراً اس کو محسوس کیا اور اپنے تئیں خلیفۂ
رسول نہیں بلکہ امیر المومنین کہلایا۔ دیکھئے کس طرح اصلی واقعات کا انکشاف
خود اُن کے طرز عمل سے ہوگیا، ان کی حکومت خلافت نہ تھی بلکہ امارت
تھی، اُن کے معتقدین جو کہتے ہیں کہ وہ خلیفۂ رسول تھے، اور یہ کہ خلافت
راشدہ تیس سال تک جاری کاہی اس کے بعد امارت ہوگئی واقعات پر پردہ
ڈالنے کی کوشش کرتے ہیں اور خود اپنے قول کی تکذیب کرتے ہیں حضرت
عمر صاف طور سے کہتے ہیں کہ یہ خلافت نہیں ہے امارت ہے، ان کا بعد
کا طرز عمل بھی یہی رہا ہے اور وہ ہمیشہ [illegible] تھے،
اپنی دلی کیفیت کو چھپا اور اس پر ظاہر [illegible] یہ حضرت
عمر کی طبیعت ثانیہ تھی، وہ نہایت عمدہ سیاست دان ماہر تھے، ورنہ سب
دنیا وہی کا یہ چلا کرہے، لہذا انہوں نے لقب امیر المومنین اختیار کرنے کی
یہ وجہ بتائی کہ خلیفۂ رسول کہاں تک چلتا، خلیفۂ رسول، خلیفۂ خلیفۂ رسول، خلیفہ
خلیفہ خلیفۂ رسول، علیٰ ہذا القیاس، دیکھی آپنے حضرت عمر کی بات کس طرح
ان بیچاروں کی آنکھ میں خاک ڈالی ہے، اگر یہ سب خلیفۂ رسول ہونے کی قابلیت
رکھتے تھے اور خلیفہ رسول وہ ہی ہوسکتا ہے جو یہ قابلیت رکھے تو پھر ان سب
ہر ایک خلیفۂ رسول تھا، خواہ نمبر ایک ہو یا پانچواں ہو۔ انبیاء کو بھی تو خلیفۃ
اللہ کہتے ہیں ہر ایک ہی نبی خلیفۃ اللہ ہوتا ہے، خلیفۂ خلیفۃ اللہ نہیں ہوتا،
حضرت یوشع اگرچہ جانشین موسیٰ تھے لیکن بذات خود خلیفۃ اللہ تھے جس طرح
حضرت موسیٰ تھے، اقلیدس کا اصول موضوعہ جو معمولی عقل کا کرشمہ ہے یہ ہے
کہ اشیا جو ایک ہی شئے کی مساوی ہیں آپس میں ایک دوسرے کی بھی مساوی ہوتی

ہیں، یہ تو ان کا اقرار تھا، اگر یہ نہ بھی ہوتا تو واقعات نے ثابت کردیا کہ وہ جانشین رسول ہونے کے اہل نہ تھے، نفس علم کی یہ حالت تھی کہ ان کے غلط فیصلوں کی کتاب لکھی جا سکتی ہے ذہن ایسا تھا کہ رسولخدا کے بار بار سمجھانے سے بھی نہیں سمجھے۔ ان کی لاعلمی کی نظائر ہم نے ابھی کچھ پیش کی ہیں دیکھو ص ۱۶۰۲ کتاب ہذا۔ لہذا مجبور ہوگئے کہ محکمہ قضا کسی کے سپرد کریں، محکمہ افتاء کسی کو دیں، قرآن شریف کو خود جمع نہ کر سکیں ایک نوجوان کو اس پر مقرر کریں، قرآن شریف کی تعلیم و صحیح تاویل معلوم کرنے کے لئے رعایا کو ہدایت دیں کہ فلاں شخص کے پاس جاؤ، فرائض کی تعلیم کسی اور کو تفویض کریں، جہاد میں افواج کے افسر بنا کر کسی اور کو بھیجیں، اور اپنے نفس اور کی تابعداری کر لیں، خلیفہ رسول ہونے کے لئے امت کی رہنمائی کا کونسا شعبہ باقی رہا، کچھ نہیں، خود کچھ کام نہ کرنا، اور دوسروں کے کام کا نقص نکالنا، یہ عداری حضرت عمر نے اپنے پاس رکھی تھی، ملاحظہ کیجئے۔ اسلام کے حاکم کو کس طرح محض دنیاوی حاکم بنا دیا۔ تمام مذہبی شعبے دوسروں کو دے دئیے دینی رہنمائی والی اپنی سفاہت کی یہ بین تو ضیح درج ہیں تھی اور جو جنگ سے فرار میں ظاہر ہوتی رہی تھی آخر تک نمایاں ہے جناب رسول خدا کے طرز عمل سے کس طرح مختلف ہے جو خلیفہ اپنے مختلف کے سارے نظام ہی کو بدل دے، وہ کس طرح اس کا خلیفہ کہلایا جا سکتا ہے برخلاف اسکے جناب علی مرتضیٰ علیہ السلام کی شان ملاحظہ ہو۔ جناب رسولخدا کے قدم بقدم چلنے کو اپنا فرض سمجھتے ہیں، صلائے سلونی دیکر قوم کی ہدایت اپنے ذمے لیتے ہیں، محکمۂ قضا کے فرائض خود انجام دیتے ہیں، خود فتوے دیتے ہیں، عدالت کرتے ہیں، تو خود کرتے ہیں، جہاد میں خود سب سے آگے ہیں، انتظام ملکی کریں تو خود کریں، قرآن خود جمع کرتے ہیں تاویل و تفسیر قرآن خود کرتے ہیں وہ جو اول دن اپنے نفس کو خدا کی راہ میں فروخت کر دیا ہے وہی طرز عمل اب تک جاری ہے۔

یہ تھی اصلی وجہ کہ کیوں حضرت عمر نے محکمہ قضا کو محکمۂ عدالت سے علیحدہ

کر دیا، بلکہ ہر ایک محکمہ کو اپنے سے علیحدہ کر دیا، دنیاوی حکومت کے لحاظ سے معمولی بات تھی، بادشاہ ایسا کرتے ہی آئے ہیں لیکن اس طرز عمل نے اسلام کو صحیح راستہ سے بالکل علیحدہ کر دیا۔

اگرچہ محکمہ قضا و عدالت حضرت عمر نے خود نہ رکھے لیکن جانتے تھے کہ ان کا اثر اسلام اور مسلمین پر کتنا ہے، اور اس کے ہی ذریعہ سے مسلمانوں کے دل پر حکومت ہو سکتی ہے، لہذا صوبوں کے قاضی بھی حضرت عمر خود مقرر کرتے تھے قاضی عامل کا ماتحت ہوتا تھا، اور عامل ہی دیگر ملازمین مقرر کرتا تھا لیکن ان کو حضرت عمر خود مقرر کرتے تھے۔ (الفاروق حصہ دوم ص ۶۶)

بعد میں آنے والے حکام یہ نکتہ سمجھ گئے اور بچارے مفتیوں اور قاضیوں کے کندھے پر رکھ کر خوب بندوقیں چلائیں، تاریخ اسلام کا یہ نہایت سیاہ ورق ہے کہ بادشاہوں نے قاضیوں اور مفتیوں سے اپنی مرضی کے مطابق فتوے لے کر لوگوں کو قتل کرایا، ان کا مال و اسباب ضبط کیا اور انکی عورتوں سے زنا کیا ہر ایک فعل کے لئے، ہر ایک زنا کے لئے، ہر ایک ظلم کے لئے فتویٰ پہلے سے موجود ہوتا تھا۔ پھر وہ فعل کیا جاتا تھا یہاں تک کہ یزید نے یا نہمہ بے دینی مفتیوں اور قاضیوں سے امام حسین علیہ السلام کے قتل کے لئے فتوے لے لئے تھے۔ دیکھئے پوپ کے Papal Dispensations اور ان مفتیوں کے یہ احکام ایک ہی قسم کے تھے اور ایک ہی علت کے معلول تھے، مفتیوں کا اس طرح فتویٰ صادر کرنا تاریخی واقعہ ہے جس سے انکار نہیں ہو سکتا، ہم امثال و نظائر دیکر طوالت نہیں کرنا چاہتے، ممکن ہے کہ یہ کہا جائے کہ امام ابو حنیفہ و امام احمد حنبل و بخاری وغیرہ نے اپنے عقائد کے خلاف فتویٰ نہ دیا، یہاں تک کہ بادشاہ وقت نے ان کو قتل کر دیا یا قید کر دیا پھر یہ کیسے کہا جا سکتا ہے کہ مفتیان وقت بادشاہ کی خواہش کے مطابق فتوے دیتے تھے لیکن یہ بحث تو ہمارے نظریہ کی موید ہے، ہم بھی یہی کہتے ہیں کہ شاہان اسلام نے اپنے جبر و استبداد کی وجہ سے ایسی فضا پیدا کر دی تھی کہ جس میں

ایماندار، دیانتدار مفتی و قاضی زندہ ہی نہیں رہ سکتے تھے، جو زندہ رہے وہ وہ تھے جنھوں نے بادشاہ کی خواہش کے مطابق فتوے دئے تھے

یہ امر واقعہ ہے کہ سواد اعظم نے اپنے طرز عمل اور اپنے اعتقادات کی تشکیل اون واقعات کے مطابق کرلی جو ان کے حاکموں نے جناب رسولخدا کی رحلت کے بعد پیدا کئے تھے، اور اس طرح ایک نیا اسلام بنا کر اس میں نئے اصول داخل کرلئے، ایسے کئی اصول عقائد کا ذکر ہم پہلے کر چکے ہیں ان میں سے ایک اجماع امت بھی ہے کہ اس کو انہوں نے اصول دین میں شامل کرلیا، دیکھو عقائد الاسلام شیخ عبدالحق محدث دہلوی ص ۱۰۱ جیسے طرح ان کے بادشاہوں نے قاضیوں اور مفتیوں کو آلہ کار بنایا، اسی طرح انہوں نے جناب رسول خدا سے منسوب کرکے احادیث کو آلہ کار بنایا ہے۔

اس اجماع کے لئے یہ حدیث پیش کی جاتی ہے قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم لن تجتمع امتی علی ضلالۃ یعنی فرمایا جناب رسولخدا نے کہ میری امت کبھی ضلالت پر جمع نہ ہوگی، ہم اس حدیث کو صحیح مان کر بحث کرتے ہیں اور اس کے یہ معنی لیتے ہیں کہ میری ساری امت بغیر استثناء کے کبھی گمراہ نہ ہوگی یعنی کوئی نہ کوئی فرقہ اس کا ضرور صراط مستقیم پر رہے گا، اگر یہ معنی لیتے ہو تو پھر اس حدیث کی مطابقت آنحضرت کی اس مشہور حدیث سے ہو جاتی ہے کہ ان امتی ستفترق علی اثنتین وسبعین فرقۃ فتھلک احدی وسبعین وتخلص فرقۃ۔ مسند امام احمد حنبل الجزء الثالث ص ۱۴۵۔ الجزء الخامس ص ۲۷۹۔ لیکن اس معنی سے آپ کی تسلی نہ ہوگی آپ تو اس اجماع سے خلافت شیخین ثابت کرنا چاہتے ہیں، چونکہ ساری امت کا اجماع خلافت شیخین پر نہ تھا؛ لہٰذا یہ معنی جماعت اہل حکومت کے لئے مفید نہ ہوئے وہ یہ معنی لیتے ہیں کہ فرمایا جناب رسولخدا نے کہ میری امت کی اکثریت ضلالت پر جمع نہ ہوگی، اول تو یہ معنی اس حدیث سے نکلتے نہیں اس میں کل امت کا مفہوم ہے، اکثریت کا ذکر نہیں ہے، دوئم اگر اس کے یہ معنی لوگے تو اس سے بہتر فرقہ والی حدیث جھوٹی ہوتی ہے۔ اس حدیث کے یہ معنی ہیں کہ عنقریب میری امت ۷۲ فرقوں

میں تقسیم ہو جائے گی، ان میں ۷۲ فرقے ضلالت پر ہوں گے اور صرف ایک فرقہ نجات پائے گا، اس حدیث سے صاف پایا جاتا ہے کہ اکثریت امت ضلالت پر ہو گی کیونکہ ۷۲ زیادہ ہے ایک سے، یہ کہیں ثابت نہیں اور نہ عقل میں آتا ہے کہ ۷۲ فرقوں کے افراد مل کر ایک فرقہ کے افراد سے کم ہوں گے۔ اب اگرچہ بہت سے فرقے نیست و نابود ہو گئے یا کم ہو گئے لیکن پہلے زمانہ میں وہ سب مل کر کسی ایک کیا بلکہ کئی فرقوں سے زیادہ تھے ایک فرقہ تو اب بھی تعداد میں باقی فرقوں سے زیادہ نہ ہوگا۔ حنفی کو لو، ہندوستان میں ان کی تعداد زیادہ ہے لیکن دنیا کے مسلمانوں میں سے تناسب نکالنا ہے، اس صورت میں یہ بہت ہی کم رہ جاتے ہیں۔ ہم پہلے ثابت کر چکے ہیں کہ جماعت کے معنی اس جماعت کے ہیں جو جناب رسولخدا کے ساتھ تھی، نہ کہ وہ جماعت جو آنحضرت کے مخالف ہو گئی تھی۔

جس اجماع کو انہوں نے اصول دین قرار دیا ہے وہ بھی عجیب شے ہے۔ اب تک ان میں اس امر پر اتفاق نہیں ہو سکا کہ اجماع کی صحیح تعریف کیا ہے۔ کتنے اور کس قسم کے آدمیوں کا اتفاق ایک مسئلہ پر اجماع کی تعریف میں آئے گا، اگر پھر اتنے اور اس ہی قسم کے آدمی اختلاف کریں تو کیا صورت ہو گی جبکہ ہر ایک شخص کو اجتہاد و رقیاس کی اجازت ہے تو پھر اس اجماع کی کیا صورت رہے گی، ان باتوں پر غور کرنے سے صریحاً معلوم ہوتا ہے کہ محض خلافت شیخین کے جواز کے لئے یہ معمہ تیار کیا گیا تھا۔ ورنہ دراصل کوئی شے نہیں ہے، اگر اس اجماع کی نیرنگیاں معلوم کرنا چاہتے ہو تو کچھ تو تاریخ فقہ اسلامی مؤلفہ عبدالسلام ندوی کے صفحہ ۲۸۰ لغایت ۲۹۲ پر درج ہے، تفریح طبع کے لئے اگر کچھ وقت نکل سکتا ہے تو وہاں ملاحظہ فرمائیے، میرے پاس تو اتنا وقت نہیں ہے کہ اسے یہاں درج کروں۔

اس کے علاوہ اور بہت سے عقائد ہیں جو محض سقیفۂ بنی ساعدہ کی کارروائی کی وجہ سے ا[illegible]م میں پہنچے، یہ ایسی سنت تھی کہ جو رسولخدا کی سنت سے بھی زیادہ اثر رکھتی تھی، ان میں سے چند ہم نیچے درج کرتے ہیں۔

۱۔ چونکہ حکام سقیفہ منصوص من اللہ نہ تھے لہٰذا ان لوگوں نے قرار دیا کہ امامت جزو دین نہیں ہے۔
۲۔ چونکہ حکام سقیفہ سے افضل لوگ امت میں موجود تھے لہٰذا جمہور امت نے قرار دیا کہ افضل یعنی اعلیٰ کی موجودگی میں مفضول یعنی ادنیٰ امام ہو سکتا ہے۔
۳۔ چونکہ خلیفہ کے تقرر کیلئے ان بزرگواروں نے ایک مستقل اصول قرار نہیں دیا بلکہ جو تدبیر کارگر ہو گئی وہ ہی جائز سمجھی گئی لہٰذا جمہور امت نے قرار دیا کہ جائز یا ناجائز طریقہ سے کسی طرح کوئی شخص حکومت حاصل کرلے وہ بھی جائز خلیفہ ہے۔
۴۔ چونکہ حصول حکومت حکام سقیفہ کا مقصد اول و آخر تھا جس کی وجہ سے جسدِ اطہر رسول کو بے غسل و کفن چھوڑ کر چلے گئے لہٰذا جمہور امت نے قرار دیا کہ جو کچھ ہے دنیا کی حکومت و ثروت ہے اور اس کے خاطر اصول دین و اخلاق کو چھوڑ دیا۔
مندرجہ بالا امر بہت زیادہ اہم ہے، اس پر ہم آگے چل کر بحث کرینگے۔

سقیفہ سازی کا اثر عمل پر

اعتقاد اور عمل آپس میں بہت کچھ وابستہ ہیں اور ایک کا اثر دوسرے پر ہوتا رہتا ہے لہٰذا جہاں تک سقیفہ سازی کے اثر کا تعلق ہے، ان دونوں کی تقسیم کوئی اصلی تقسیم نہیں ہے، بہت سی باتیں جو اب ہم بیان کریں گے، عقیدہ کے تحت میں آسکتی ہیں اور بہت سی باتیں جو ہم اوپر لکھ آئے ہیں عمل سے بھی تعلق رکھتی ہیں۔

فتوحاتِ ملکی، حکام سقیفہ کے اعمال میں سب سے زیادہ جس عمل و کارکردگی کی تعریف میں زمین و آسمان کے قلابے ملائے جاتے ہیں وہ یہ ہے کہ انہوں نے اسلام کو فتوحات کے راستہ پر ڈال دیا، جو فتوحات حضرات شیخین کے زمانہ میں حاصل ہوئیں وہ ان کی عظمت و احسان کی کافی دلیل ہیں اَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ لوگ مومن تھے، جب ہی تو سب پر غالب ہو گئے ظاہر بیں آنکھوں کے لئے یہ ایک ایسا خیرہ کن منظر ہے کہ جنھیں

غور کرنے کی عادت نہیں وہ سب کچھ بھول جاتے ہیں، جو یاد رہتا ہے وہ یہ ہے کہ حضرات شیخین آسمان اسلام کے مہر و ماہ تھے، اس موضوع پر ہم نے کتاب اول کے صفحات ۳۸۸ لغایت ۸۸۶ پر اختصار کے ساتھ اظہار خیالات کیا ہے، ناظرین کو چاہیئے کہ وہ صفحات دوبارہ پڑھ لیں تاکہ سلسلۂ کلام قائم ہو جائے، اس بحث کے لئے مندرجۂ ذیل امور غور طلب ہیں۔

۱۔ حکامِ سقیفہ کی اس لشکر کشی کی غرض و غایت کیا تھی۔

۲۔ کیا یہ لشکر کشی بانیٔ مذہب کے منشا کے مطابق تھی یا اس کے خلاف۔

۳۔ کیا صحیح اسلام، اعتقاداً اور عملاً، لوگوں کے اندر راسخ ہو گیا تھا۔ اور صحیح تاویل قرآن کو اس طرح انہوں نے ذہن نشین کر لیا تھا کہ فتوحات ملکی کے جو دو نہایت خطرناک نتائج تھے۔ یعنی (ا) دولت و ثروت اور (ب) غیر مذاہب ملحدانہ تخئیل سے تصادم، ان کا مقابلہ کامیابی کے ساتھ ہو سکتا تھا۔

۴۔ کیا محض فتوحات ملکی عروج مذہب کی علامت ہیں۔

۵۔ کیا بطور امر واقعہ اسلامی سلطنت کی وسعت و عروج کے زمانہ میں مذہب اسلام کو بھی عروج حاصل تھا۔

۶۔ مفتوحہ ممالک میں عرب کس قسم کا اسلام لے کر گئے۔

۷۔ مفتوحہ ممالک میں کون سا عنصر غالب ہو کر رہا؟ فاتح قوم کا مذہب و تمدن یا مفتوحہ قوم کا تخئیل و تہذیب۔

۸۔ کیا ان فتوحات سے دنیاوی وجاہت و ثروت کے علاوہ کوئی دائمی فائدہ مذہب و تمدن کو ہوا۔

۹۔ ان فتوحات کا اثر فاتح قوم کے مذہب و تہذیب پر کیسا ہوا؟

اسباب لشکر کشی:۔ عربوں کو دور دراز ممالک کی فتح کے لئے بھیجنا مذہب کی محبت کی وجہ سے نہ تھا، اور نہ مذہب کی اشاعت اس کی غرض تھی۔ محض دنیاوی اغراض ہی اس کا باعث تھیں جس سرعتِ رفتار کے ساتھ

سقیفہ کے واقعات نے حرکت کی تھی اس نے کسی کے لئے یہ موقعہ نہ چھوڑا کہ رحلتِ رسول کے بعد وہ غور کرے کہ اب کیا کریں اور کیونکر کریں، حضرت عمر نے نہایت تیزی کے ساتھ کر کے دکھا دیا کہ یہ کریں اور لوگ مجبور ہو گئے، حضرت عمر نے اس تیزی کے ساتھ واقعات کو حرکت دی کہ اسوقت کے لئے سب مبہوت ہو گئے، جب وہ حالت گزر گئی تو پھر لوگوں کی آنکھیں کھلنے لگیں کوئی کہنے لگا کہ بنی تیم و بنی عدی کس طرح خلافت کے وارث ہو سکتے ہیں، کسی نے کہا کہ بنو اُمیہ و بنو ہاشم کہاں چلے گئے تھے اور سب کے لئے یہ سوچنا کہ درحقیقت یہ خلافت کس کا حق ہو سکتا ہے بالکل فطری امر تھا، ابوسفیان بھی کچھ ایسی باتیں ہی کہتا پھرتا تھا جو حکام کے لئے خوشگوار نہ تھیں، سرعت واقعات سے کامیابی کو حاصل کرنا تو زیادہ مشکل نہیں ہوتا، اس کو قائم رکھنا بڑا مشکل ہوتا ہے، فرنچ اور انگریزی میں ایسی تجویزوں کو Coup d'etat کہتے ہیں اور حضرت عمر نے خود بعد میں اس کی ضرر رساں پہلو کو دیکھ کر اس کا نام فلتۃ رکھا تھا جن مشکلوں سے حضرت عمر نے اس کامیابی کو مستحکم کیا تھا غالباً ان کو ہی یاد کر کے آپ نے بعد میں لوگوں کو آئندہ ایسا فعل کرنے سے روک دیا، سب سے بڑی ضرورت یہ تھی کہ لوگوں کو اپنی طرف کیا جائے اور ان کو یہ موقعہ نہ دیا جائے کہ وہ اس معاملہ پر زیادہ غور و خوض کریں یا بنو ہاشم سے ملنے کے منصوبے باندھیں، اس مشکل کا حل حضرت عمر نے اس طرح کیا جس طرح دنیا کی تاریخ میں ان سے پہلے اور ان کے بعد مدبران سلطنت ایسے موقعوں پر کرتے رہے ہیں ان سب کو باہر بھیج دیا تاکہ یہ مشغول رہیں اور مال غنیمت جو آئے ان سے سب کا منہ بند ہو جائے، مال غنیمت کی محبت لوگوں کے دلوں میں کس قدر تھی ہم مولوی شبلی کی زبانی بتاتے ہیں:-

> سب سے بڑی مشکل یہ تھی کہ مال غنیمت کے ساتھ لوگوں کو اس قدر شغف تھا کہ لڑائیوں کا بہت بڑا سبب یہی ہوتا تھا، اس کی اصلاح میں نہایت تدریج سے کام لینا پڑا، جاہلیت میں تو غنیمت محبوب ترین چیز

سمجھتے تھے، ابوداؤد میں ہے کہ ایک شخص نے آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم)
سے پوچھا:۔

رجل یرید الجهاد فی سبیل الله	ایک شخص خدا کی راہ میں جہاد کرنا چاہتا ہے لیکن
وهو یبتغی عرضا من اعراض	کچھ دنیاوی فائدہ بھی چاہتا ہے آپنے فرمایا
الدنیا فقال لنبی لا اجر له	اس کو کچھ ثواب نہیں ملیگا یہ امر لوگوں کو بہت
فاعظم ذلک الناس وقالوا	عجیب معلوم ہوا اور لوگوں نے اس شخص سے کہا کہ
للرجل عد لرسول الله فلعلک	پھر جاکر پوچھو غالباً تم نے آنحضرت صلعم کا
لم تفهمه۔ ابوداؤد جلد ا ص ۳۴۸	مطلب نہیں سمجھا۔

بار بار لوگ دریافت کرنے کے لئے بھیجتے تھے اور ان کو یقین نہیں آتا تھا کہ آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) نے ایسا فرمایا ہوگا۔ بالآخر جب آپنے تیسری دفعہ بھی یہی فرمایا کہ لا اجر لہ یعنی اس کو کچھ ثواب نہیں ملیگا، تب لوگوں کو یقین آیا۔

ایک دفعہ آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) نے چند صحابہ کو ایک قبیلہ کے مقابلہ کے لئے بھیجا ان میں سے ایک صاحب صف سے آگے نکلے۔ قبیلے والے روتے ہوئے آئے، انہوں نے کہا کہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کہو تو بچ جاؤ گے ان لوگوں نے اسلام قبول کر لیا اور حملے سے بچ گئے، اس پر ساتھیوں نے ان کو ملامت کی کہ تم نے ہم لوگوں کو غنیمت سے محروم کر دیا۔
ابوداؤد میں صحابی کا قول ان الفاظ میں مذکور ہے۔

فلامنی اصحابی وقالوا حرمتنا الغنیمة ۔ ابوداؤد جلد ۲۔ ص ۳۵۴ یعنی مجھ کو میرے ساتھیوں نے ملامت کہ تم نے ہم لوگوں کو غنیمت سے محروم کر دیا۔

جب لوگوں نے آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) سے آکر انکی شکایت کی تو آپ نے ان کی تحسین کی اور فرمایا کہ تم کو ایک ایک آدمی رجو

چھوڑ دئے گئے) کے بدلہ اتنا اتنا ثواب ملے گا (ابوداؤد) ....

باوجود ان تمام تصریحات اور بار بار کی تاکید کے غزوۂ حنین میں جو شـہ ہجری میں واقع ہوا تھا اس وجہ سے شکست ہوئی کہ لوگ غنیمت کے لوٹنے میں مصروف ہوگئے۔ صحیح بخاری غزوہ حنین کے ذکر میں ہے۔ فاقبل المسلمون علی الغنائم واستقبلونا بالسہام یعنی بس مسلمان غنیمت پر ٹوٹ پڑے اور کافروں نے ہم کو تیروں پر رکھ لیا.........

ابوداؤد میں ایک انصاری سے روایت ہے کہ ایک دفعہ ہم لوگ ایک مہم پر گئے اور غایت تنگ حالی اور مصیبت پیش آئی اتفاق سے بکریوں کا ریوڑ نظر آیا، سب ٹوٹ پڑے، اور بکریاں لوٹ لیں آنحضرت (صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو خبر ہوئی آپ موقعہ پر تشریف لائے تو گوشت پک رہا تھا، اور ہانڈیاں ابالی جا رہی تھیں آپ کے ہاتھ میں کمان تھی، آپنے اس سے ہانڈیاں الٹ دیں، اور سارا گوشت خاک میں مل گیا، پھر فرمایا لوٹ کا مال مردار گوشت کے برابر ہے۔ سیرۃ النبی جلد اول حصہ اول تقطیع کلاں ص ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷۔

وہ لوگ جو دعا کرتے ہیں کہ اسلام نے یک لخت عرب کی ساری فطرت ہی بدل کر ان کو ایسا بنادیا کہ ان میں سے ہر ایک آسمان ہدایت کا ستارہ بن گیا، اس عبارت کو غور سے پڑہیں، غزوۂ حنین آنحضرت کا آخری غزوہ تھا، جنگ احد میں سبق بھی مل گیا، تب بھی غنیمت کی محبت نہ ان لوگوں کے دل سے گئی خواہ مخواہ غیروں کا مال ہی لوٹ لیتے ہیں، آنحضرت کو سب ہانڈیاں الٹنی پڑیں، اسلام کی محبت کا حال تو معلوم ہوگیا، عرصہ تک پچھتاوا رہا کہ غنیمت ہاتھ سے نکل گئی اور اس صحابی کو جس نے دشمن کو مسلمان بنادیا تھا۔ ملامت ہی کرتے

رہئیے، خالد ابن ولید کا قصہ آپ سن ہی چکے ہیں، جناب رسول خدا نے ان کو بنو جذیمہ کی طرف محض تبلیغ اسلام کے لئے بھیجا، اور خاص طور سے ہدایت کر دی کہ لڑنا نہیں بنو جذیمہ مسلمان ہو گئے، ایمان لے آئے کلمہ پڑھنے لگے۔ لیکن مال غنیمت کے لالچ میں حضرت خالد نے ان کو قتل کرا دیا، اور مال غنیمت لوٹ لیا، جب وہ واپس آئے تو جناب رسول خدا ان پر بہت ناراض ہوئے، تین دفعہ آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا کر فرمایا اے خدا خالد نے جو کچھ کیا ہے میں اس سے بری ہوں دیکھو تاریخ طبری الجزء الثالث ص ۱۲۴، سیرۃ النبی مولوی شبلی حصہ اول جلد اول تقطیع کلاں ص ۴۳۸ اور کتاب ہذا ص ۱۱۴۹۔ ان ہی خالد بن ولید کا تذکرہ ہم ابھی کر چکے ہیں کہ کس طرح باوجود مسلمان ہونے کے انہوں نے مالک بن نویرہ کو محض اس کی عورت کی خاطر قتل کیا اور اس کے مسلمان ہونے کا خیال نہ کیا، دیکھو صفحات ۱۳۵۲ لغایت ۱۳۵۶ اور یہ ہی خالد بن ولید حضرت ابوبکر کے حکم سے ملک عراق و شام کو فتح کرنے کے لئے بھیجے گئے تھے، جیسی اسلام کی محبت یہ اپنے دل میں لے کر گئے ہوں گے وہ ان دونوں واقعات سے اچھی طرح عیاں ہے، اور جو ان کی غرض و غایت تھی وہ بھی ظاہر ہے۔

اسلام کا کلیہ ہے:۔ الاعمال بالنیات، حضرات شیخین کے جہاد کی غرض و غایت یہ تھی کہ

(۱) حکام سقیفہ لوگوں کی نکتہ چینی سے محفوظ رہیں۔

(۲) وہ لوگ بنو ہاشم سے نہ ملنے پائیں۔

(۳) حکام سقیفہ لوگوں کی نظروں میں ہردل عزیز ہو جائیں۔

(۴) مال غنیمت سے لوگوں کا منہ بند کر دیں اور دلوں پر مہر لگا دیں۔

تاکہ ان کی سلطنت محفوظ و مستحکم ہو جائے۔

جناب رسولخدا اور احکام سقیفہ کے جہادوں میں فرق

حکام سقیفہ کے اس طرز عمل نے دشمنوں کو موقع دیا کہ وہ اسلام و بانئ اسلام پر نکتہ چینی کریں۔

اور کہیں کہ اسلام تلوار کے زور سے پھیلا اور ملک غنیمت کے لالچ سے فتح ہوا، اور پھر اسلام پر Imperialism کا وہ بدنما داغ لگ سکے، جو ظلم وستم کی بدترین شکل ہے۔ یہ لفظ آج کل فرنگی سیاست میں بہت مشہور ہے اور اس کے معنی ہیں، کمزور ہمسایہ کے ملکوں پر طاقتور ملک کا محض ہوس ملک گیری کی وجہ سے قبضہ کرنا ہمارا یہ ادعا ہے کہ یہاں مذہب یا اسلام کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا، جب فاتح یعنی حضرت عمر نے خود کہہ دیا کہ نبوت اور حکومت علیحدہ علیحدہ شے ہیں اور نبوت میں حکومت شامل نہیں ہے یعنی مذہب اور حکومت جداگانہ شے ہیں، تو پھر اب کسی کو حق حاصل نہیں کہ حکومت کی غلطیوں کو مذہب کے سر تھوپے، جو فتوحات ہوئیں وہ مذہب کے خاطر نہیں ہوئی تھیں اور اسلام کا پھیلانا ان فتوحات کا مدعا نہ تھا، حضرت عمر کے اس اقبال کے بعد کہ حکومت و مذہب جداگانہ شے ہیں، ایک کو دوسرے سے تعلق نہیں، اور ان واقعات کی شہادت کے بعد جو ہم نے اوپر بیان کئے اب بار ثبوت مدعی کے اوپر ہوگا کہ وہ بتائے کہ ان فتوحات میں کون سا کام انہوں نے مذہب کے لئے کیا، یا کون سا ان کا فعل تھا جس سے یہ ظاہر ہووے کہ اس لشکر کشی کا باعث اسلام کا پھیلانا تھا، یہ کہنا کافی نہ ہوگا کہ محض فتوحات ہی نے اسلام پھیلا دیا، اگر محض فتوحات سے اسلام پھیلا تو یہ تو ان فتوحات کا نتیجہ ہوا کسی فعل کے نتیجہ کو اس فعل کا باعث تو نہیں کہہ سکتے، خصوصاً جب کہ فعل کے ارتکاب کے وقت وہ نتیجہ مد نظر نہ تھا، یہ بھی اس کا جواب نہ ہوگا کہ لڑائی سے پہلے حکام شیخین کے لشکر کا جنرل یہ بھی شرط پیش کرتا تھا کہ اگر تم اسلام قبول کر لو تو ہم تم سے صلح کر سکتے ہیں، ایسے حالات کے اندر یہ شرط پیش ہوتی تھی کہ وہ جنرل جانتا تھا کہ یہ منظور نہ ہوگی، یہ تو ایسا ہی تھا کہ چرائی ہوئی بکری کو کلمہ پڑھ کر ذبح کر لو اور سمجھو کہ حلال ہوگئی، جب تم نے لشکر جرار کے ساتھ ایک ایسی سلطنت پر حملہ کر دیا جو عرصہ سے قائم ہے اور اس نے تمہیں روکنے کے لئے ایک لشکر بھی تیار کر لیا تو اب اس سے کہنا کہ مسلمان ہو جاؤ بے معنی ہے اس

کے جذبات حمیت وغیرت وشجاعت کو تو پہلے بھڑکا دیا اور اس کو تم جنگ کے درجۂ حرارت تک پہلے ہی سے لے آئے، تو اب یہ شرط تو محض بے معنی ہو گئی، تمہارا دل گواہی دیتا ہے کہ ان حالات میں کوئی انسان ایسی شرط منظور نہیں کر سکتا وہ تمہارے مذہب سے ناواقف ہے اور تم نے اپنے مذہب کا وہ رُخ بنا کر اس کی طرف پیش کیا ہے کہ تمہارے مذہب کے حق ہونیکا امکان اس کے دل سے پہلے ہی سے نکل گیا، وہ دل میں کہے گا کہ ایسی قوم کا مذہب کیونکر حق ہو سکتا ہے کہ جس نے بغیر کسی وجہ کے بغیر کسی حق کے، بغیر میرے کسی قصور کے میرے ملک کو مجھ سے چھیننے کا تہیّہ کر لیا ہے، تبلیغ کا تو قاعدہ ہے کہ اپنے مذہب کو بہترین لباس میں دکھایا جائے، تم نے اپنے مذہب کو بدترین لباس طمع و آز میں آراستہ کیا ہوا ہے۔

اب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ جناب رسولخدا کے جہادوں کا باعث کیا تھا، اور آنحضرت نے کس طرح اسلام کو پھیلانے کی نظیر قائم کی، ہم نے آنحضرتؐ کی بڑی بڑی لڑائیوں کا ذکر کتاب اول میں کیا ہے، دیکھو صفحات ۴۷۶ لغایت ۵۸۵ ان کے مطالعہ سے معلوم ہو گا کہ آنحضرتؐ کے تمام غزوات وسرایا دفاعی تھے یعنی مجبوراً محض اس وجہ سے ان کو اختیار کیا گیا تھا کہ اگر دشمن کو دفع نہ کیا تو وہ ہم کو نیست ونابود کر دیگا، مولوی شبلی آنحضرت کے غزوات کے متعلق لکھتے ہیں

حقیقت یہ ہے کہ جن واقعات کو مورخین سریہ کہتے ہیں وہ چند قسموں پر منقسم ہیں۔

(۱) محکمۂ تفتیش یعنی دشمنوں کی نقل وحرکت کی خبر رسانی

(۲) دشمنوں کے حملہ کی خبر سن کر مدافعت کے لئے پیش قدمی کرنا۔

(۳) قریش کی تجارت کی روک ٹوک تاکہ وہ مجبور ہو کر مسلمانوں کو حج وغیرہ کی اجازت دیں۔

(۴) امن وامان قائم کرنے کے لئے تعزیری فوجیں بھیجنا۔

(۵) اشاعت اسلام کے لئے لوگ بھیجے گئے اور حفاظت کے خیال سے کچھ فوج ساتھ کر دی گئی۔ اس صورت میں تاکید کر دی جاتی تھی کہ تلوار سے کام نہ لیا جائے۔

غزوہ کی صرف دو صورتیں تھیں

(۱) دشمنوں نے دارالاسلام پر حملہ کیا اور ان کا مقابلہ کیا گیا۔

(۲) یہ معلوم ہوا کہ دشمن مدینہ پر حملہ کی طیاری کر رہے ہیں اور پیشقدمی کی گئی۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں جو لڑائیاں واقع ہوئیں یا اس قسم کے جو واقعات پیش آئے ان ہی مختلف اغراض سے تھے۔ (سیرۃ النبی حصہ اول جلد اول ص ۲۶ہم، ۲۷ہم تقطیع کلاں

لہذا نتیجہ نکلا کہ آنحضرتؐ کے سب جہاد و سریہ حفاظتِ خود اختیاری میں واقع ہوئے، بدر کی لڑائی پر کچھ عیسائی مورخین نے اعتراض کیا ہے۔ لیکن مولوی شبلی نے اچھی طرح ثابت کر دیا ہے کہ وہ بھی دفاعی تھی اور کارروائی تجارت پر حملہ کرنا مقصود نہ تھا دیکھو سیرۃ النبی حصہ اول جلد اول ص ۲۵۰ لغایۃ ۲۶۵۔ دیکھو علاوہ اس کے ایک بات یہ بھی تھی جو مولوی شبلی نے بھی نظر انداز کر دی ہے تب ہی تو سریہ کی وجہ (۳) میں لکھتے ہیں کہ قریش کی تجارت سے روک ٹوک اس وجہ سے کی جاتی تھی کہ وہ مجبور ہو کر مسلمانوں کو حج وعمرہ کی اجازت دیدیں۔ دراصل بات یہ تھی کہ کفارانِ مکہ سے تو حالت جنگ اس وقت ہی سے شروع ہو گئی تھی کہ جب انہوں نے مل کر آنحضرتؐ کو قتل کرنا چاہا اور آنحضرتؐ نے چھپ کر مکہ سے مدینہ ہجرت فرمائی، لہذا اگر آنحضرت تجارت والے کاررواں پر بھی حملہ کرتے تو وہ بھی درست ہوتا۔

باوجود اسکے کہ آنحضرتؐ کی ساری کوششیں اور لڑائیاں دفاعی ہوتی تھیں پھر بھی آپ اپنے دشمن کو یہ موقعہ دیتے تھے کہ اگر وہ اسلام قبول کرتے تو اس کی سابقہ زیادتی نظر انداز کر دی جائے گی ان حالات میں اس شرط کا پیش ہونا

بے معنی رکھتا ہے، تم نے تو ہمارے آدمیوں کو بے وجہ قتل کر دیا ہے، حق ہماری طرف ہے، اور اگر ہم ان کے قصاص میں تم کو قتل کر دیں تو عین انصاف ہوگا. لیکن اس پر بھی ہم موقعہ دیتے ہیں کہ اگر تم ہمارے مذہب کو اختیار کر لو تو ہم تم کو چھوڑ دیں گے، اس کو نہیں کہہ سکتے کہ اسلام کو تلوار کے زور سے پھیلایا،

جہادوں کا اسلام سے اتنا ہی تعلق تھا کہ وہ مذہب کی حفاظت کے لئے تھے، یہ تو ان کی غرض و غایت تھی، اگر ضمناً مسلمانوں کے ساتھ معاملات میں اور معاشرت میں آنے سے غیر مسلموں پر ان کا اثر پڑے اور وہ مسلمان بھی ہو جائیں تو یہ جہادوں کا نتیجہ ہوا، آنحضرتؐ کے اسلام پھیلانے کا طریقہ دوسرا تھا، اس کو ہم ابھی بیان کرتے ہیں، اس میں جبر و اکراہ نہ تھا وہ لَآ اِکْرَاہَ فِی الدِّیْن کے بنیادی اصول پر تجویز کیا گیا تھا، آپ نے اسلام کی دعوت کے لئے ان بادشاہوں اور رؤساء کے پاس وفود بھیجے، جن کی دنیاوی طاقت آپ سے بدرجہا اس وقت زیادہ تھی اور اس پیغام میں یہ نہیں لکھا ہوا تھا کہ اگر تم نے اسلام قبول نہ کیا تو میں یا میرے جانشین تم پر حملہ کریں گے، اگر اسلام کو تلوار سے پھیلانا مقصود ہوتا تو یہ صلح و آشتی کے وفود بے معنی تھے، علامہ طبری لکھتے ہیں:-

قَدْ کَانَ رسول اللہ صلعم	آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے
بعث فیما حول مکۃ السرایا	مکہ کے اطراف میں سرایا بھیجے، دعوتِ
تدعوا الی اللہ عزوجل ولم	اسلام کے لئے اور ان کو لڑائی کا حکم
یامرھم بقتال	نہیں دیا۔

اسی طرح سنہ ہجری میں آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) نے حضرت علی کو جب ۳۰۰ سواروں کے ساتھ یمن بھیجا تو آپ نے فرمایا فاذا نزلت لساحتہم فلا تقاتلہم حتی یقاتلوک (ابن سعد مغازی ص ۱۲۲) یعنی جب تم ان کے ملک میں پہنچو تو تم ان سے جنگ نہ کرنا جب تک وہ ہی نہ تم پر حملہ آور ہوں

اسی سلسلہ میں وہ سرایا بھی داخل ہیں جو فتح مکہ کے بعد بت شکنی کے لئے اطراف ملک میں روانہ کئے گئے، اس کی تفصیل یہ ہے کہ تمام عرب میں مختلف قبیلوں کے الگ الگ بت خانے تھے، فتح مکہ کے بعد جب عام طور سے قبائل نے اسلام قبول کر لیا، تو بتوں کی عظمت وعیاری کا جاہلانہ اور وہم پرستانہ تخیل ابھی تک ان کے دماغ پر مستولی تھا، اگرچہ اب وہ ان کو قابل پرستش نہیں سمجھتے تھے، تاہم یہ وہم تو باقی تھا کہ اگر ان کا ایک ریزہ بھی اپنی جگہ سے ہلا تو یہ شیطان ہم پر مصیبتوں کا طوفان برپا کر دیں گے، لہٰذا ان کی یہ ہمت نہیں ہوتی تھی کہ ان کو خود اپنے ہاتھ سے توڑیں چنانچہ اہل طائف نے بیعت کرتے ہوئے یہ شرط پیش کی تھی کہ ان کا بت خانہ ایک سال تک نہ ڈھایا جائے اور جب یہ شرط منظور نہ ہوئی تو پھر دوسری شرط یہ پیش کی کہ ہم ان کو اپنے ہاتھ سے نہیں توڑیں گے، بعض اور نومسلم قبائل بھی اس ادائے فرض سے جھجکتے تھے، اس بناء پر آنحضرت نے ان کے معاہدہ کے مطابق اور ان کی خوشی سے چند جماعتیں مسلمانوں کی بھیجیں جنھوں نے ان کی طرف سے یہ کام انجام دیا۔

سیرۃ النبی حصہ اول جلد اول ص ۴۳۸، ۴۳۹

جناب رسولخدا نے اپنے اس طرز عمل سے قرآن شریف کی ان دو آیتوں کی تفسیر کر دی جن کے اصلی مفہوم نہ سمجھنے کی وجہ سے بعض مفسرین یہ کہتے ہیں کہ ایک دوسرے کی ناسخ ہیں ان میں سے ایک آیت تو یہ ہے:۔

وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوْهُمْ وَاَخْرِجُوْهُمْ مِّنْ حَيْثُ اَخْرَجُوْكُمْ وَالْفِتْنَةُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ پارہ ۲ سورۃ البقرع ۲۴۔

یعنی قتل کرو تم ان کو جہاں پاؤ اور ان کو ان کے گھروں سے نکال دو جس طرح انہوں نے تم کو نکالا تھا اور فتنہ قتل سے زیادہ برا ہے۔

دوسری آیت یہ ہے:۔

لَاۤ اِكْرَاهَ فِى الدِّيْنِ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ پارہ ۳

سورۃ البقرع ۳۴) یعنی دین کے معاملہ میں جبر و اکراہ نہیں ہے۔ ہدایت ظاہر ہو گئی گمراہی سے (گمراہی سے ممیز ہو گئی) بعض مفسرین کہتے ہیں کہ ان میں سے ایک آیت دوسرے کی ناسخ ہے، جب دین کے معاملہ میں جبر و اکراہ نہیں تو جہاد کیسا۔ یہ ہے ان بزرگواروں کی بحث۔ یہ نہیں جانتے کہ پہلی آیت یعنی آیت جہاد میں یہ کہاں لکھا ہوا ہے کہ تم ان کو اسلام میں مجبور ڈالنے کے لئے ان سے مقاتلہ کرو، آیت صاف بتا رہی ہے کہ یہ مقاتلہ بطور قصاص کے ہے اور کفار قریش کی طرف اشارہ ہے جنھوں نے مسلمانوں کو اور آنحضرت کو مدینہ سے ہجرت کرنے پر مجبور کر دیا، جس طرح انہوں نے تمہیں نکالا، اب تم بھی ان کو نکال دو، اس میں اگر خون ریزی ہو تو کچھ ہرج نہیں، کیونکہ اگر تم ایسا نہ کرو گے تو وہ فتنہ پر فتنہ پیدا کرتے رہیں گے اور فتنہ قتل سے زیادہ بُرا ہوتا ہے، دراصل اُن سے تو اس وقت ہی سے حالت جنگ ہے، جب سے اُنہوں نے آنحضرت کو ہجرت کرنے پر مجبور کیا، ہمارے اس خیال کی موید ہے وہ روایت جو جناب عبداللہ ابن عمر سے صحیح بخاری میں منقول ہے کہ کسی نے اس آیت کے معنے اُن سے پوچھے

وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ

(ان کافروں سے جہاد کرو یہاں تک کہ فتنہ نہ رہے اور مذہب تمام تر خدا کے لئے ہو جائے)، عبداللہ ابن عمر نے فرمایا کہ یہ آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) کے زمانہ میں تھا، جب اسلام کم تھا، آدمی اپنے مذہب کی بنا پر فتنہ میں مبتلا ہو جاتا تھا، لوگ اس کو قتل کر دیتے تھے اب جب اسلام ترقی کر گیا تو کوئی فتنہ نہیں رہا سیرۃ النبی شبلی حصہ اول جلد دوئم ص ۷ تقطیع کلاں۔ تمام قرآن شریف کو پڑھ جاؤ کہیں یہ حکم نہیں ہے کہ غیر ملک کے عیسائیوں اور کافروں پر تم چڑھائی کرو، کیونکہ انہوں نے مسلمانوں پر چڑھائی نہیں کی تھی ان کو قتل نہیں کیا۔ جلا وطن نہیں کیا تھا، رئیس موتہ نے جتنا کیا تھا اس کی اتنی ہی اس کو سزا دیدی گئی تھی نظیر کے طور پر بتا دیا گیا کہ اگر کوئی بلا وجہ تمہارے ملک پر چڑھائی کرے تو پھر تم

بھی اس سے جنگ کرنا، یہ دفاعی جنگ ہوگی جس طرح کفاران قریش کی نسبت ہم نے تم کو حکم دیدیا ہے کہ چونکہ انہوں نے تم کو تمہارے وطن سے نکال کر تم سے جنگ شروع کردی ہے، تم بھی ان کو قتل کرو، یہی جناب رسول خدا کا طرز عمل تھا اور اس ہی معنوں کو مد نظر رکھ کر ان دونوں آیتوں میں کوئی تضاد واقع نہیں ہوتا ایک آیت کفاران قریش سے جہاد کرنے کا حکم دیتی ہے دوسری تبلیغ اسلام کے لئے ہے۔ جو تبلیغ اسلام کے لئے ہے وہ تمام دنیا کے لوگوں کے لئے نفاذ پذیر ہے۔ جو جہاد کے لئے ہے وہ فقط کفاران قریش دعرب کے لئے ہے۔ نہ خدا نے نہ رسول نے اور نہ قرآن شریف نے غیر ملکوں پر بغیر وجہ کے چڑہائی کرنے کا حکم دیا اور نہ اس کا نام جہاد فی سبیل اللہ رکھا، فقط کفاران قریش کے لئے ہے کہ واقتلوا ھم حیث ثقفتموھم جہاں وہ ملیں ان کو قتل کر ڈالو، وجہ ظاہر ہے، کفاران قریش نے آنحضرتؐ سے اس جنگ کا اعلان کر رکھا تھا اور یہ اعلان اس وقت سے تھا کہ جب سے آنحضرت کو ہجرت کرنے پر مجبور کیا تھا، ان کا مارنا اس اعلان جنگ کی وجہ سے بھی جائز تھا، اور نیز بطور قصاص کے بھی جائز تھا، انہوں نے مسلمانوں اور انکے رسول کو نکال دیا تھا مسلمانوں کے خلاف سازشیں کر کے فتنے بپا کرتے رہتے تھے یہ فتنہ قتل سے بھی زیادہ بڑا ہے، دنیا کے ہر ایک کافر کو نہ تو قرآن نے اور نہ رسول نے حربی کا فرقرار دیا، ان سے معاملہ کرنا جائز تھا، اس معاملہ کو قائم رکھنا ضروری تھا، جو معاہدے کفار سے ہوتے تھے وہ پورے کئے جاتے تھے، بغیر وجہ کے انہیں ستایا نہیں جاتا تھا بغیر جائز معاہدے کے ان کا مال نہیں لیا جاتا تھا، اگر مسلمان افراد کفار کا مال بغیر حق کے نہیں لے سکتے تھے، تو ان کی جماعت کا مال بغیر حق کے کیونکر لے سکتے تھے، اور اگر جماعتوں کا مال نہیں لے سکتے تھے تو پوری قوم کا مال کیونکر لے سکتے تھے، اب فرمائیے کہ آپنے ایرانیوں اور رومیوں کے ملکوں پر چڑہائی کر کے ان کا مال کس حق سے لیا، قرآن شریف تو اس کی اجازت نہیں دیتا، جناب رسول خداؐ نے کبھی ایسا نہیں کیا، یہ حکام سقیفہ کی ایجاد ہے۔

اور وہ ہی اس کے ذمہ دار ہیں اور حکام سقیفہ خود بھی اس کو جانتے تھے کہ ان کے اس طرز عمل کی وجہ سے کئی دفعہ ایسے نتائج برآمد ہوئے جن کی نظیر پہلے نہیں ملی مال غنیمت کے متعلق قرآن شریف کا حکم ہے کہ اس کو فوراً تقسیم کر دو اور اس طرح کہ پانچواں حصہ رسول کا اور چار حصہ ان لشکریوں کا جنہوں نے وہ مال غنیمت حاصل کیا ہے، غنیمت فقط اس طرح تقسیم ہوگی کسی اور طرح اس کو تقسیم نہیں کر سکتے۔ امام یا والی کو بھی اختیار نہیں ہے کہ اس کا کوئی اور مصرف پیدا کرے، کولمبیا کے ایک پروفیسر جو شرع محمدی کے اس حصہ میں ماہر ہیں لکھتے ہیں:-

Of the above three classes of revenue which may accrue to the Moslem community or the state, namely, the sadaqah, booty, and fay revenues, the four-fifths of fay revenue is a part of the Public Treasury because its disposition is made according to the personal judgment of the Imam. On the contray, the four-fifths of booty revenue (Ganimah) is not a part of treasury. and on this point th Hanifite and the Malikite views are at one,--- for the beneficiaries of the booty revenue have been prescribed by express revealed provision (nass), and are definite persons, namely, the army who fought the battle, and the Imam may not dispose of the

booty in any other way.

Mohammedan Theories of Finance by Nicolas P. Aghnides, p.426.

ترجمہ :- متذکرۂ بالا آمدنی کی تین قسموں میں سے جو مسلم قوم یا مسلم حکومت کو حاصل ہو سکتی ہیں یعنی صدقہ، غنیمت اور فے، فے کا ۱/۵ حصہ تو بیت المال کا حق ہے کیونکہ اس کی تقسیم امام کی ذاتی رائے سے ہوتی ہے، لیکن برخلاف اس کے غنیمت کا ۱/۵ حصہ بیت المال کا حصہ نہیں ہے، اور اس پر مالکیوں اور حنفیوں کا اجماع ہے، کیونکہ جو لوگ اس کے مستحق ہیں وہ وحی الہٰی (نص قرآن) کے ذریعے سے مقرر ہو چکے ہیں یعنی وہ فوج جس نے یہ لڑائی سے غنیمت حاصل کی اور امام کو بھی اختیار نہیں ہے کہ وہ غنیمت کو کسی اور طرح خرچ کرے۔

یہ بات بالکل مسلّم ہے مولوی حامد الانصاری غازی رفیق ندوۃ المصنفین نے اپنی کتاب "اسلام کا نظام حکومت" میں بیت المال کے مالی وسائل کے عنوان کے نیچے ص ۳۸۵ پر وہ سب ذرائع آمدنی لکھے ہیں جن سے بیت المال میں روپیہ آ سکتا ہے۔ ان میں غنیمت کا ۱/۵ حصہ نہیں لکھا۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ غنیمت میں کیا شامل ہو سکتا ہے، غنیمت میں ہر قسم کا مال منقولہ و غیر منقولہ شامل ہے ہمارا کہنے کا مطلب یہ ہے کہ آراضیات بھی شامل ہیں، جناب رسول خدا کے سوانح حیات سے ہم کو نظیر ملتی ہے کہ ان آراضیات کو کیا کرنا چاہیئے جنگِ خیبر میں بروئے معاہدات کچھ آراضیات بھی حاصل ہوئیں، آنحضرتؐ نے اپنے پانچویں حصہ کو اپنے اور اپنے ذوی القربےٰ کے لئے رکھ لیں اور ۴/۵ حصہ ان مجاہدین کا تمام لشکریوں میں تقسیم کر دیا، قلعہ شق و نطاۃ کی آراضیات ان لشکریوں کے حصہ میں آئیں اور کتیبہ کی آراضیات آنحضرت اور ذوی القربیٰ کا خمس تھا، دیکھو ابن ہشام کی سیرۃ النبی الجزء الثالث ص ۴۰۴

When the Imam conquers a place or a

city by force of arms (anwant) he may divide the property taken, whether lands or chattels, after the dedeuction of the state's share of one-fifth, among the victorious army, since the prophet had done so with respect to Khybar. Or the Imam, if he so chooses, may leave the lands in the hands of their original holders, and impose upon their persons the jizyah, and their lands the Kharaj.

Mohammedan Theories of Finance by N.P. Aghnides, P. 410-

ترجمہ:۔ اگر امام کسی جگہ یا شہر کو فوج کشی سے فتح کرتا ہے تو اسے غنیمت کو خواہ منقولہ ہو خواہ آراضیات بعد اپنا پانچواں حصہ لینے کے فتح کرنے والی لشکریوں میں تقسیم کرنا چاہیئے، جیسا کہ جناب رسولخدا نے خیبر میں کیا تھا، یا امام ان آراضیات کو ان کے پہلے مالکان کے قبضہ میں چھوڑ سکتا ہے، اور ان لوگوں پر جزیہ اور انکی آراضیات پر خراج لگا سکتا ہے:

یہ ظاہر ہے کہ اگر ایسی غنیمت کی آراضیات رقبہ میں کم ہیں تو آسانی سے لشکریوں میں تقسیم ہو سکتی ہیں، کچھ ہرج نہیں لیکن ممالک اور بر اعظم تو اس طرح لشکریوں میں تقسیم نہیں ہو سکتے، اس سے کیا نتیجہ نکلا، اس سے یہ نکلا کہ اسلام میں ایک قوم کا دوسری قوم پر بغیر حق کے حملہ کرکے ان کا ملک چھینا جائز نہیں، اسلام نے یہ ہر ایک قوم یا جماعت کا حق قرار دیا ہے کہ اگر وہ آپس میں زبان وطرز معاشرت وتمدن وتہذیب کی یگانگت کی وجہ سے مل کر ایک جگہ یا ایک ملک میں رہنا چاہیں تو وہ رہ سکتے ہیں، دوسری قوم کا حق نہیں ہے کہ اپنے

طاقت یا دولت کے زعم میں اپنے ہمسایہ پر حملہ کرکے اس کا ملک چھینے، کسی قانون میں کسی خاص مضمون پر احکام و قواعد نہیں ہیں تو یہ نتیجہ نکلے گا کہ اس قانون میں وہ مضمون جائز ہی نہیں رکھا گیا لہٰذا اس کے لئے کوئی قاعدہ ہی نہیں بتایا ہم مثال دیکر سمجھاتے ہیں، اگر کسی ملک کے قانون میں آقا و غلام کا ذکر نہیں اور ان کے آپس کے تعلقات کے لئے قواعد و ضوابط مقرر نہیں ہیں اور غلامی کا ذکر ہی نہیں ہے تو ہم یہ نتیجہ نکالیں گے کہ اس ملک یا قوم میں غلامی کا رواج ہی نہیں ہے۔ اسی طرح جب اسلامی شریعت میں دوسری قوموں پر بغیر وجہ اور بغیر حق کے حملہ کرنے کا ذکر ہی نہیں ہے تو ہم یہ نتیجہ نکالنے میں بالکل حق بجانب ہیں کہ اس شریعت میں اس چیز کو جائز ہی نہیں رکھا ایک اور مثال سنئے، عرب میں سور اور مردار کھایا کرتے تھے اور خون بھی پی جاتے تھے، لہٰذا اسلام کو ضرورت پڑی یہ کہنے کے لئے کہ تمہارے اوپر سور و مردار و خون حرام کر دئے گئے۔ لیکن کتے و بلی کے گوشت کھانے کا رواج عرب میں نہ تھا، اس لئے اُنکے ذکر کرنے کی ضرورت نہ پڑی۔ اب اس سے اگر کوئی عقل کا دھنی یہ نتیجہ نکالے کہ چونکہ کتے و بلی کا گوشت صراحتاً حرام قرار نہیں دیا گیا لہٰذا وہ حلال ہے تو ہم سوائے خاموشی کے اس کو کیا جواب دیں، اُسے کھانے دیں اگر وہ کتے اور بلی کا گوشت اس دلیل کی بنا پر کھانا چاہے۔ اس ساری بحث سے اتنا ثابت ہوا کہ قرآن شریف اور جناب رسول اس بات کی اجازت نہیں دیتے کہ دوسری اقوام کے ملک پر لشکر کشی کی جائے خواہ اس کی غرض اسلام کا پھیلانا ہی کیوں نہ ہو، اسلام کے پھیلانے اور اُس کے وسعت دینے کا طریقہ دوسرا ہے جو ہم نے بیان کیا، وہ لشکر کشی نہیں ہے۔

اِس وقت ناظرین کے دل میں یہ خیال آیا ہوگا کہ آنحضرت صلعم نے جلدی سے انتقال کیا، ابھی توسیع ملک کا وقت نہیں آیا تھا، قرآن شریف نے ساری باتیں تو نہیں بتائیں جن پر خاموشی اختیار کی وہ آئندہ کے مجتہدین کے لئے چھوڑ دیا۔

انہوں نے اپنے اجتہاد سے فتوحات شروع کر دیں۔ پھر کیا ہوا، آنحضرت زندہ رہتے تو وہ بھی ایسا ہی کرتے۔

اس کے جواب میں ہم دو تین سوال آپ سے کرتے ہیں (۱) قرآن شریف تمام آنے والے زمانوں کے لئے تھا یا نہیں (۲) آنحضرتؐ کے وقت میں اسلام مکمل ہوا تھا یا نہیں (۳) آنحضرت کا انتقال ربیع الاول سنہ ۱۱ ہجری میں ہوا۔ اور حضرت ابوبکر نے خالد کو عراق پر حملہ کرنے کا حکم محرم سنہ ۱۲ ہجری میں دیا، چند مہینوں میں زمانہ اتنا بدل گیا تھا کہ آنحضرتؐ کے وقت میں توسیع ملک کا وقت نہیں آیا اور چند مہینوں بعد وہ وقت آگیا (۴) درمیان میں توسیع ملک کو ضروری بنانے کے لئے کیا واقعات ہو گئے، (۵) خداوند تعالیٰ کو اتنی قدرت تھی یا نہیں کہ آنحضرت کی رحلت کو چند مہینے کے لئے اور ملتوی کر دیتا تاکہ اگر اسلام کے مکمل ہونے میں کوئی کونہ باقی رہ گیا تھا تو وہ بھی پورا ہو جاتا، اگر غلطی سے کملت کا لفظ پہلے کہہ دیا تھا تو اسی کی شرم رکھنی چاہیئے تھی، اور اس کمال کو بھی پورا ہو لینے دیتا، ہاں اگر اس میں اتنی قدرت نہیں تھی تو وہ بات دوسری ہے۔

یہ معمولی بات نہ تھی کہ آنے والے مجتہدین کے لئے چھوڑی جاتی مجتہدین کے لئے تو وہ باتیں ہوتی ہیں جو مقررہ اصول میں سے مستنبط ہو سکیں یہ بات تو ایک اہم اصول کی بات تھی وہ یہ کہ حکومتِ الٰہیۃ میں Imperialism (جبری و استبدادی شہنشاہیت) ہونا چاہیئے یا نہیں یہ Imperialism یعنی خواہش و ہوس توسیع سلطنت ہی تو دنیا میں عظیم الشان جنگوں کی باعث ہو کر بنی نوع انسان کے لئے مصیبت کا سرچشمہ ثابت ہوئی ہے، موجودہ محاربہ عظمیٰ بھی اس ہی خواہش کا مظاہرہ ہے۔ یہ شیطانی صفت ابتدائے عالم سے اب تک بنی نوعِ انسان کی دشمن بنی ہوئی ہے۔ اگر یہ نہ ہوتی تو دنیا میں لڑائیاں بالکل ہی نہ ہوتیں۔

یا اگر ہوتیں تو بہت کم ہوتیں، اپنی شہرت و نمود و وجاہت کے خاطر کمزور ہمسایہ قوموں پر حملہ کرنا ناانصافی کی آخری دلیل ہے، اور اگر وہ کسی مذہب کے نام پر کیا جاتا ہے تو اس مذہب کے لئے نہایت بدنما داغ ہے۔

جناب رسول خدا نے اس بنیاد ہی کو اکھاڑ ڈالا جس کے اوپر امپیریلیزم کی دیواریں کھڑی ہوا کرتی ہیں اور جس کے بغیر فوج جمع ہی نہیں ہوسکتی کیا آپ جناب رسولخدا کو ایسا غور و فکر سے عاری سمجھتے ہیں کہ وہ یہ سوچ ہی نہ سکے کہ سلطنت کی توسیع کے لئے ایک خزانۂ عامرہ کی ضرورت ہے، آنحضرت کا اس خزانہ کو قائم نہ کرنا صاف بتا رہا ہے کہ غیر ممالک کی جبری فتوحات آپ کا منشا نہ تھا، حضرت عمر نے فتوحات میں قدم رکھا اور ان کو اس کی ضرورت محسوس ہوئی، لہذا انہوں نے بیت المال قائم کیا جو ان کی اولیات میں شمار کیا جاتا ہے ہم کہتے ہیں کہ Imperialism کے تخیل کو اسلام میں داخل کرنا ان کی اولیات میں سے تھا۔ بیت المال تو ایک ضمنی شے تھی۔

اسلام میں سب سے پہلی ناانصافی جو اس Imperialism کے شوق نے پیدا کی وہ فدک کے مقدمہ میں جناب سیدہ پر ہوئی حضرت ابوبکر فدک واپس کرنے پر آمادہ ہوگئے تھے کہ حضرت عمر نے ان کو یہ کہہ کر روکا کہ اگر اس طرح فیاضیاں کروگے تو پھر فوج کس طرح قائم کرسکوگے گویا فوج کا قیام جو امپیریلزم کا اول زینہ ہے اس ناانصافی کا باعث ہوا۔ تعجب ہے ہمیں اس زمانہ کے لوگوں سے کہ کس طرح طفل تسلیوں کو بنیادی اصول سمجھ لیا کرتے تھے، حضرت ابوبکر نے جناب سیدہ کو تو یہ جواب دیا کہ میں اس طرز عمل سے جو آنحضرت کیا کرتے تھے ایک سر مو تجاوز نہ کرونگا اور اور سننے والوں نے سُن کر انکے حب سنت رسول کی داد دی۔ یہ نہ کسی نے کہا کہ قبلہ عالم اس طرح فوج مہیا کرنا اور اسکے لئے روپیہ جمع کرنا سنت رسول نہ تھی۔ یہ حضور والا کیوں جاری کررہے ہیں

بیت المال کا ذکر آگیا، اب اس کو ہی ختم کئے دیتے ہیں۔ بیت المال محض ان فتوحات کی وجہ سے قائم ہوئی عبارت ذیل سے اچھی طرح ظاہر ہے۔

The lust of booty hadled the Arabs

out to battle, and the spoils belonged to them after deduction of the so-called prophets's fifth. But what was to be done with the enormous landed property which victors in such small numbers had acquried, and who was to receive the tribute paid yearly by the subjected peoples? Payment of this money to the respective conquerors of the individual territories would have been the most logical method of dealing with it, but with the fluctuations in the Arabian population this plan would have caused insuperable difficulties, apart from which it would have been from a stateman's point of view extremely unwise. Omar, therefore, founded a state treasury. The residents of the newly formed military camps received a fixed stipend; the surplus of the receipts flowed to Medina, where it was not indeed capitalised but untilised for state pensions, which the Caliph decreed according to his own judgment to the members of the theocracy,

graduated according to rank and dignity.

The Cambridge Medieval History, Vol.11, P.355

ترجمہ:۔ غنیمت کی بے حد خواہش نے عربوں کو جنگ پر آمادہ کیا اور جناب رسولخدا کا پانچواں حصہ نکالنے کے بعد سارا مال غنیمت ان کا ہی ہو جاتا تھا، لیکن مشکل یہ آپڑی تھی کہ حد سے زیادہ رقبہ آراضیات کے ساتھ کیا کیا جائے جو ان فاتحان نے کہ جو تعداد میں کم تھے، فتح کیا تھا، اور اس کے علاوہ سالانہ خراج جو مفتوحہ قومیں ادا کرتی تھیں کون لے، مال غنیمت کے اصول کے مطابق مفتوحہ آراضیات کا خراج ان کے فتح کرنے والوں کو ملنا چاہیئے تھا، لیکن عرب آبادی کے غیر معین ہونے کی وجہ سے اس تجویز میں بہت زیادہ مشکلیں تھیں اور علاوہ اس کے حکام کے نقطۂ نگاہ سے بھی یہ تجویز عاقلانہ نہ تھی، لہذا حضرت عمر نے حکومت کے خزانہ کی بنیاد ڈالی، انہوں نے جدید فوجی کیمپوں کے رہنے والوں کی تنخواہ مقرر کر دی اور اس کے علاوہ سارا مال مدینہ بھیجدیا جاتا تھا، جہاں اسے تجارت میں تو نہیں لگایا جاتا تھا بلکہ سیاسی پنشن ادا کرنے میں صرف ہوتا تھا، یہ سیاسی پنشنیں خلیفہ خود اپنی مختارانہ مرضی سے ارکین سلطنت کے لئے مقرر کیا کرتا تھا جس کی مقدار ان کے درجہ و وجاہت کے مطابق ہوا کرتی تھی۔

مولوی شبلی امر واقعہ بیان کرتے ہیں کہ بیت المال کا مقرر کرنا جناب رسولخدا کے طرز عمل کے خلاف تھا، اور حضرت علیؑ نے اسوجہ سے اس کی مخالفت کی تھی لیکن اس کو وہ فخر کے ساتھ حضرت عمر کی اولیات میں بیان کرتے ہیں، ان کا بھی یہی خیال ہے جیسا کہ حضرت کا عمر کا تھا، کہ جناب رسولخدا کا اسلام زمانہ کی ترقی کے ساتھ دوش بدوش چلنے کی اہلیت نہیں رکھتا تھا، حضرت

عمرؓ اس کی اگر ترمیم نہ کرتے تو بس یہ تو آنحضرتؐ کے ساتھ ہی دنیا سے رحلت کر جاتا یہ نہیں سمجھتے کہ کن دوررس اصولوں کی بناء پر آنحضرتؐ نے روپیہ جمع کرنا مناسب نہ سمجھا، آپ نے دیکھ لیا تاروپیہ جمع کرکے، خوب عیش و عشرت ہوئی گلچھرے یاروں نے اوڑائے لیکن اسلام کا کیا حشر ہوا۔ مولوی شبلی فرماتے ہیں :-

بیت المال یا خزانہ، یہ صیغہ بھی حضرت عمر کی ذات سے وجود میں آیا۔ آنحضرتؐ کے زمانہ میں جو سب سے اخیر رقم وصول ہوئی، وہ بحرین کا خراج تھا جس کی تعداد آٹھ لاکھ درہم تھی لیکن آنحضرتؐ نے یہ کل رقم ایک ہی جلسہ میں تقسیم کردی، حضرت ابوبکر نے بھی اپنی خلافت میں کوئی خزانہ نہیں قائم کیا بلکہ جو کچھ غنیمت کا مال آیا اسی وقت لوگوں کو بانٹ دیا، چنانچہ پہلے ۱۰، ۱۰ درہم ۱۰ ردوسرے سال ۲۰، ۲۰ درہم ایک ایک شخص کے حصے میں آئے، یہ کتاب الاوائل اور ابن سعد کی روایت ہے، ابن سعد کی ایک دوسری روایت ہے کہ حضرت ابوبکر نے ایک مکان بیت المال کے لئے خاص کرلیا تھا لیکن وہ ہمیشہ بند پڑا رہتا تھا، کیونکہ جو کچھ آتا اسی وقت تقسیم کردیا جاتا تھا اور اس کی نوبت نہیں پہنچتی تھی کہ خزانے میں کچھ داخل کیا جائے۔ وفات کے وقت بیت المال کا جائزہ لیا گیا تو صرف ایک درہم نکلا۔

تقریباً ۱۵ھ ہجری میں حضرت ابوہریرہ کو حضرت عمر نے بحرین کا عامل مقرر کیا وہ سال تمام میں پانچ لاکھ کی رقم اپنے ساتھ لائے حضرت عمر نے مجلس شوریٰ کا اجلاس عام کرکے کہا کہ ایک رقم کثیر بحرین سے آئی ہے، آپ لوگوں کی کیا مرضی ہے، حضرت علی نے رائے دی کہ جو رقم آئے وہ سال کے سال تقسیم کردی جائے اور خزانہ میں جمع نہ رکھی جائے حضرت عثمان نے اس کے خلاف رائے دی، ولید بن ہشام نے کہا

میں نے سلاطین شام کے ہاں دیکھا ہے کہ خزانہ اور دفتر کا جدا جدا محکمہ قائم ہے
آج کل کا زمانہ ہوتا تو غیر مذہب والوں کے نام سے اجتناب کیا
جاتا لیکن حضرت عمر نے اس رائے کو پسند کیا اور بیت المال کی بنیاد
ڈالی۔ الفاروق حصہ دوئم ص ۴۷، ۵۷

دیکھا آپ نے حضرت شبلی کو کتنا فخر ہے کہ بیت المال کے ایجاد کرنے والے حضرت عمر ہیں حضرت علی کا ذکر ان کی ذہن وذکاوت کو کم کر کے دکھانے کی بنا پر ہے، وہ اس نکتہ تک نہ پہونچ سکے جہاں تک حضرت عمر کا دماغ عالی پہونچا تھا، رسولخدا کا طرز عمل ملاحظہ فرمایئے، ان کے زمانہ میں بھی خراج آیا لیکن انہوں نے فوراً ایک ہی جلسہ میں سارا مال ختم کر دیا، حضرت علی کا یہ جرم ہے کہ انہوں نے جناب رسولخدا کے طرز عمل کی پیروی کی صلاح حکم قرآنی کے مطابق دی تھی جو کہتا ہے کہ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللّٰهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ (پارہ ۲۱ سورہ احزاب ع ۳) مقطع کا بند آخر میں آتا ہے، غیر مذہب والوں کی تتبع کرنے میں اور جناب رسولخدا کے سنت کی مخالفت کرنے میں بھی فخر ہے، بغور کیجئے پیروی کس کی کی؟؟ کفار کی، چھوڑ کس کی سنت کو؟ جناب رسولخدا کی۔ معاملہ یہاں ختم نہیں ہوتا، اس پر فخر بھی ہے، جناب رسولخدا کے لائے ہوئے اسلام کو مطلقاً نہ سمجھنے کی نظیر اس سے زیادہ واضح و مکمل ملنی دشوار ہے۔

ہم حیران ہیں کتاب اللہ کے عاشق، لوگوں کو حسبنا کتاب اللہ سنانے والے جب خود کسی مشکل مسئلہ میں پھنس جاتے ہیں تو کیوں کتاب اللہ کی طرف رجوع نہیں کرتے ؎

مشکلے دارم ز دانشمند مجلس باز پرس توبہ فرمایاں چرا خود توبہ کم تر می کنند

مال غنیمت کی فراوانی میں کتاب اللہ کو کیوں پس پشت ڈال دیا، غنیمت کا تذکرہ بھی اس میں ہے۔ اگر قرآن شریف غیر ملکی فتوحات کو جائز رکھتا ہے تو ضرور اس حالت کا تذکرہ اس میں ہوگا کہ اگر غیر ملکوں کی فتوحات ہوں تو وہاں کی اراضیات

کو کیا کرنا چاہئیے، رسول کا حصہ جواب بقول تمہارے حکومت کا حصہ ہوا، اس میں پانچواں ہی لکھا ہے باقی کو فاتح لشکر میں تقسیم کرنے کا حکم ہے، سوچنا چاہئیے تھا کہ اس قسم کی آراضیات کے متعلق اس میں کیا حکم ہے، اگر نہیں ہے تو ہم کیا کریں فتوحات ناجائز ہیں ان کو ہی کیوں نہ چھوڑ دیں لیکن کتاب اللہ کے تمسک کرنے سے اپنی خواہش پر عمل کرنا مشکل ہو جاتا لہذا اسے طاق نسیان پر رکھ دیا، اور کافروں کے احکام کی اطاعت کرنے لگے۔ امپیریلزم کا تخیل بھی ان سے ہی لیا تھا۔ اب بیت المال کا قیام بھی ان کی ہی پیروی میں ہو رہا ہے۔ منطق کی دو شکلیں آن کر پڑتی ہیں۔

(ا) بیرونی فتوحات کا ارادہ رکھنے والے کے لئے خزانہ کا ہونا ضروری ہے

(ب) جناب رسولخدا نے خزانہ نہیں رکھا۔

(ج) جناب رسول خدا نے بیرونی فتوحات کا ارادہ نہیں کیا۔

یا

(ا) جو بیرونی فتوحات کا ارادہ رکھے اور خزانہ نہ رکھے وہ عقلمند، اور، سیاستداں نہیں۔

(ب) جناب رسول خدا نے بیرونی فتوحات کا ارادہ رکھا لیکن خزانہ نہ رکھا

(ج) لہذا جناب رسالت مآب.......

ہم حسبنا کتاب اللہ کہنے والوں سے کہتے ہیں کہ ان دونوں میں سے جونسی شکل کتاب اللہ کے مطابق ہو اس کو اختیار کر لیں۔

اب ہم حکام سقیفہ کی فتوحات کی کنہ معلوم کرنے کی کوشش کرتے ہیں جناب رسولخدا کی رحلت کے بعد اہل مدینہ نے تو طوعاً وکرہاً حضرت ابوبکر کی خلافت کو مان لیا، لیکن باہر مواضعات کے قبائل میں سے اکثر نے حضرت ابوبکر کی حکومت کو ماننے سے انکار کیا، تاہم انہوں نے مدینہ پر چڑھائی کا نہ ارادہ کیا اور نہ کر سکتے تھے، کیونکہ ایک حکومت پر حملہ کرنے کے لئے پہلے سے سوچ بچار کی ضرورت ہے

اور یہ عملہ تنظیم کامل ہی کے بعد ہو سکتا ہے۔ یہ تنظیم ان قبائل میں سے مفقود تھی، ان لوگوں کے پاس طاقت تو تھی نہیں اپنی مخالفت کا اظہار فقط اس وقت ہی کر سکتے تھے کہ جب ان سے شاہی ٹیکس یعنی ذکواۃ طلب کی جاتی، اسوقت انہوں نے کیا یہ کہہ کر ہم ابوبکر کو زکواۃ نہیں دیں گے آنحضرت کے زمانہ اخیر میں دو جھوٹے نبی طلیحہ اور مسلیمہ بھی کھڑے ہو گئے تھے اور انہوں نے کچھ اپنے مقلدین بھی جمع کر لئے تھے آنحضرت نے ان کی سرکوبی کا کافی انتظام فرما دیا تھا، آنحضرت کا انتقال ہو گیا اسوقت اسلام کے مخالفین تو فقط یہ مرتدین ہی تھے اور حضرت ابو بکر کے مخالف مانعین ذکواۃ تھے، حضرت ابوبکر نے سیاسی ترکیب یہ کی کہ مرتدین و مانعین ذکواۃ کو ایک ہی درجہ میں رکھ کر ملا دیا، اور ان سے لڑائی کرنے کو مذہبی جہاد قرار دیا، یہ نہایت چالاک تحریک تھی جو اپنا کام کر گئی، ورنہ ممکن ہے کہ وہ لوگ مانعین ذکواۃ سے لڑنے سے انکار کر دیتے اور کہتے کہ یہ تو مسلمان ہیں، صرف تمہاری حکومت کو نہیں مانتے، اپنے گھروں میں خاموش بیٹھے ہیں تمہارے اوپر حملہ بھی نہیں کرتے، کوئی اور فتنہ بھی نہیں اٹھاتے مسلمانوں کو قتل کر کے ہم جہنم کے مستوجب کیوں بنیں، اور پہلے تو صحابۂ رسول نے اُن کے خلاف لڑنے سے انکار ہی کر دیا تھا، حضرت عمر نے بھی یہی مشورہ دیا تھا کہ ان کو نہ چھیڑو، لیکن حضرت ابو بکر نہ مانے، اتنے میں حضرت عمر کا بھی شرح صدر ہو گیا، بس اب کیا تھا دونوں نے مل کر ان کے خلاف جہاد بول دیا، مالک ابن نویرہ کا قصہ بیان ہو چکا ہے اس کو زیادہ طوالت دینے کی ضرورت نہیں، یورپین مورخین جو اس واقعہ کو بغیر کسی طرفداری کے دیکھ سکتے ہیں اس پر صحیح رائے رکھنے کے قابل ہیں۔ ہم صرف ایک اقتباس پر اکتفا کرتے ہیں۔

The fight against the Ridda was not a fight against apostates, the objection

was not to Islam per se but to the tribute which had to be paid to Medina........

Only a few of the tribes more nearly connected with Medina recognised the supremacy of AbuBakr, the others all seceding.

The Cambridg' Medieval History, P. 335

ترجمہ:- اہل ردۃ کی جو جنگ مشہور ہے وہ دراصل مرتدین کے خلاف نہ تھی کیونکہ انہوں نے اسلام نہیں چھوڑا تھا، بلکہ وہ ابوبکر کو ذکواۃ نہیں دینا چاہتے تھے..............

صرف ان چند قبائل نے جو کسی نہ کسی طرح مدینہ سے تعلق رکھتے تھے ابوبکر کی خلافت کو مانا تھا باقی سب اسکے خلاف تھے۔

حضرت ابوبکر نے ان کو مغلوب تو کرلیا لیکن ان کا بچلا بیٹھنا ناممکن تھا۔ یہ وہ قبائل اندرون عرب کے تھے جو کبھی کسی دینا وی حکومت سے مغلوب ہو کر نہیں رہے تھے، ان کی شرارت سے محفوظ رہنے کا ایک ہی طریقہ تھا اور وہ یہ کہ ان کو عرب کے باہر دوسرے ملکوں کی مہم پر لگا یا جائے تاکہ ان کا شوق غنائم ان کو خوشی کے ساتھ مشغول رکھے اور غنائم کی فراوانی ان کو رفتہ رفتہ حکومت کا دلی طرفدار بنا دے۔

The necessity of keeping their own victorious troops employed as also of reconciling the subjected ones to the new con ditions, irresistibly compelled an extension

of the Islamitic rule beyond the borders of Arabia. Medieval

The cambridge History. P.337.

ترجمہ:۔ عرب کی حدود کے باہر اسلامی سلطنت کی توسیع کی باعث دو ضرورتیں تھیں، ایک تو اپنی فاتح فوجوں کو مشغول رکھنا، دوسرے مفتوحہ قبائل کو حکومت جدید سے مانوس کرنا۔

دو وجوہات تو یہ تھیں اور چار ہم ابھی ابھی اسباب لشکر کشی کے عنوان کے نیچے بیان کر چکے ہیں، قصہ مختصر یہ کہ مذہب کی محبت کی وجہ سے یہ لشکر کشی نہ تھی اُدھر حضرت خالد اہل یمامہ سے جنگ کر کے واپس ہوئے، ابھی راستہ ہی میں تھے کہ حضرت ابوبکر نے ان کو حکم دیا کہ عراق پر فوج کشی کریں، اور اسکے بعد بہت جلد یہ حکم دیدیا کہ ایران سے ہوتے ہوئے شام پر بھی فوج کشی کردو، یہ فوج کشی کا حکم بغیر کسی حق کے تھا، ان دونوں قوموں نے سلطنت اسلامی کو کوئی موقعہ اس فوج کشی کا نہیں دیا تھا، دیکھو کتب تاریخ مثلاً ابن خلدون و طبری، ابوالفدا وغیرہ وغیرہ۔ یہ ایک ایسی مسلمہ بات ہے کہ اس کے لئے کسی خاص حوالے کی ضرورت نہیں، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم مولوی شبلی کے خیالات کا اظہار بھی کر دیں، جنگ خیبر کا ذکر کرتے ہوئے وہ فرماتے ہیں۔

"اسلام کا اصلی مقصد تبلیغ دعوت ہے، اب اگر کوئی قوم اس دعوت کی سدِّ راہ نہ ہو تو اسلام کو نہ تو اس سے جنگ ہے، نہ اس کے رعایا بنانے کی ضرورت ہے، صرف معاہدہ صلح کافی ہے، جس کی بہت سی مثالیں اسلام میں موجود ہیں، لیکن جب کوئی قوم خود اسلام کی مخالفت پر کمر بستہ ہو، اور اس کو مٹا دینا چاہے، تو اسلام کو مدافعت کے لئے تلوار ہاتھ میں لینا پڑتی ہے، اور اس کو اپنے زیر اثر رکھنا پڑتا ہے۔ خیبر اس قاعدہ کے موافق اسلام کا پہلا مفتوحہ ملک تھا

سیرۃ النبی حصہ اول مجلد اول تقطیع کلاں ص ۲۵۲۔

اِس معیار پر بھی عراق وشام کی لشکر کشی پوری نہیں اترتی، ادھر سے ادھر ہی خالد بن ولید کو حکم مل گیا تھا کہ شام پر بھی حملہ کردو، ابھی مانعین زکوٰۃ کی مہم سے فوج واپس ہوئی بھی نہیں تھی کہ عراق جانے کا حکم مل گیا، وہ ابھی مہم بیچ میں ہی تھی کہ شام پر حملہ کرنے کا حکم پہنچ گیا، یہ فوری احکام صاف بتاتے ہیں کہ کسی فوری ضرورت کی وجہ سے تھے۔ ورنہ زیادہ مناسب تو یہ تھا کہ ان ممالک میں صلح وآشتی سے تبلیغی جماعتیں بھیجتے، اگر ان میں کوئی ناجائز رکاوٹ ہوتی تو پھر تلوار سے فیصلہ ہوسکتا تھا، اس جلدی کی وجوہات ضرور تھیں، اور وہ وہی تھیں جو ہم نے اوپر بیان کیں۔

یہاں تک مطالعہ کرنے کے بعد آج کل کے نوجوان ہواخواہان اسلام ہمارے اوپر یہ زبردست اعتراض وارد کریں گے:۔ اس بحث سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ مسلمانوں کو ممالک فتح نہ کرنے چاہیئے تھے، وہ اسلام جو تمام دنیا کے لئے اترا تھا فقط عرب کی بوتل میں بند ہوکر رہ جاتا، پھر اتنی وسیع سلطنت اسلامی جو اب تک مایۂ ناز ہے کہاں سے آتی۔ محض فتوحات کا ہونا ہی توسیع مذہب کا باعث ہوتا ہے اور فاتح قوم کی تہذیب وتمدن بغیر خاص کوشش کے مفتوحہ ممالک میں پھیل جاتے ہیں تم نے شیخ سعدی کا قول ثابت کردیا کہ ؎ گل است سعدی ودر چشم دشمناں خار است۔

حضرت عمر کی فتوحات کی نافعیت اتنی عیاں ہے کہ اب تک شیعہ مورخین ومحققین نے بھی اس سے تو انکار نہیں کیا تھا، وہ بیچارے اتنا ہی کہتے تھے کہ چونکہ (معاذ اللہ خاکم بدہن) حضرت عمر کی حکومت غاصبہ تھی، بغیر حق کے تھی، ناحق تھی، اس لئے وہ کتنی ہی نیکیاں کرلیتی ان نیکیوں کا نفع حضرت عمر کو عائد نہیں ہوتا، یہ ان کو بھی نہیں سوجھی تھی کہ فتوحات ہی بُری ہیں۔ یہ آپ ہی کے دماغ کی اختراع ہے، اور آپ ہی کو مبارک ہو۔ جناب رسول خدا پیشین گوئی کرگئے تھے کہ تم ایران وروم پر فتح پاؤگے، گویا انہوں نے اجازت دیدی۔

یہ غیر متعلق ہے کہ اب تک شیعہ مورخین محققین نے حضرت عمر کی حکومت پر کیا اعتراضات کئے ہیں وہ بھی سو فیصدی صحیح ہیں اور جو میں عرض کر رہا ہوں وہ بھی مطابق واقعہ کے ہے، بچارے پر اعتراض ہی اتنے وارد ہوتے ہیں کہ اعتراض کرنے والے کا قلم تھک جاتا ہے، اعتراضات کا سلسلہ دماغ میں آنے سے نہیں رُکتا، پھر دل یہ کہتا ہے کہ جانے دو، اتنے ہی اعتراض کیا کم ہیں، ان کا ہی جواب مشکل ہے، خدا کے لئے آپ یہ نہ سمجھئے گا کہ جتنے میں نے اعتراض کئے ہیں بس اتنے ہی اعتراض اس حکومت پر اور اسکے طرز و طریقہ حصول پر عائد ہوتے ہیں۔ میں نے تو بہت چھوڑ دئے ہیں، اعتراض کے نئے پُرانے ہونے پر نہ جائیے اس کی اصلیت و واقعیت پر غور کیجئے، رسولخدا کی پیشین گوئی کے متعلق عرض ہے کہ آنحضرت صؐ نے تو یہ بھی پیشین گوئی فرمائی تھی کہ میرے بعد اس قدر فتنے پیدا ہوں گے کہ کسی کو اپنے ایمان وکفر کا یقین نہ رہے گا کہ کب وہ مومن تھا اور کب کافر ہو جائے گا۔ یہ بھی پیشین گوئی فرمائی تھی کہ اسلام میں ۷۳ فرقہ ہوں گے جن میں سے محض ایک صراطِ مستقیم پر ہوگا، باقی ضلالت پر، آپ کی بحث کے مطابق جناب رسولخدا صؐ نے فتنوں کے پیدا کرنے کی بھی اجازت دیدی تھی اور اُمت کو ضلالت کی طرف جانے کی بھی اجازت دیدی تھی، کسی امر واقعہ کی پیشین گوئی کرنا اس امر کے وقوع کی اجازت دینے کے مساوی نہیں ہوتا، ڈاکٹر مریض کی حالت دیکھ کر کہتا ہے کہ یہ شام تک مر جائے گا، اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ڈاکٹر نے مریض کو مارا۔ آنحضرت نے تو بار بار فرمایا ہے کہ میں تمہارے اوپر دولت کی فراوانی سے ڈرتا ہوں اور یہ دولت ان فتوحات ہی کے ذریعے سے حاصل ہوئی تھی۔ آنحضرت کی اس پیشین گوئی کے الفاظ یہ ہیں۔

عن ابی سعید الخدری قال	ابوسعید الخدری کہتے ہیں کہ ایک
جلس رسول اللہ صلے اللہ علیہ	دن جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ
وسلم علے المنبر وجلسنا حولہ	آلہ وسلم منبر پر تشریف رکھتے تھے۔

فقال ان مما اخاف علیکم بعدی ما یفتح علیکم من زھرۃ الدنیا و زینتھا۔ — اور ہم انکے گرد بیٹھے ہوئے تھے جناب رسولخدا نے فرمایا جس چیز سے میں اپنے بعد تمہارے لئے ڈرتا ہوں وہ یہ ہے کہ تمہارے اوپر دنیا کی دولت وجاہت کے دروازے کھل جائیں گے۔

مسند احمد حنبل ۔ الجزء الثالث ص ۹۱، الجزء الخامس ص ۱۷۸ ۔

صحیح بخاری :۔ کتاب الجنائز باب الصلوٰۃ علی الشہید الجزء الاول ص ۱۶۲

صحیح بخاری کے الفاظ ہیں :۔ وَاِنِّیْ واللّٰہِ مَا اخاف علیکم ان تشرکوا بعدی ولکن اخاف علیکم ان تنافسو فیہا۔

ترجمہ :۔ تمہارا میرے بعد مشرک ہونا مجھے اتنا نہیں ڈراتا جتنا کہ یہ امر کہ تم دنیا پر ٹوٹ پڑو گے ، مجھے تمہارے متعلق یہ خوف نہیں کہ تم میرے بعد مشرک ہو جاؤ گے ، البتہ اس بات کا ڈر رہتا ہے کہ میرے بعد تم دنیا پر ٹوٹ پڑو گے۔

دیکھا آنحضرت اس قسم کی دولت سمیٹنے والی فتوحات کو اچھا نہیں سمجھتے تھے ، اسلام کی توسیع آپ کا مقصد ضرور تھا، میں ایک مثال دیتا ہوں ایک شخص کی خواہش ہے اور وہ خدا سے دعا مانگتا رہتا ہے کہ میرا لڑکا لکھ پتی ہو جائے۔ ایک دفعہ وہ لڑکا کسی بوہرہ سیٹھ کی ملاقات کو جاتا ہے، اُس کے یہاں تو ہزاروں اور لاکھوں روپے کے نوٹوں کی گڈیاں ادھر اُدھر پڑی رہتی ہیں، سیٹھ صاحب نے سمجھا کہ شریف آدمی کا لڑکا ہے، قابل اعتبار ہے وہ زیادہ احتیاط نہیں برتے اور لڑکا ایک لاکھ روپے کی گڈی اُٹھا لاتا ہے اور اپنے باپ سے کہتا ہے کہ ابا جان تم کہتے تھے کہ میں لکھ پتی ہو جاؤں، دیکھو تمہاری دعا قبول ہوگئی اور میں لکھ پتی ہو گیا، اب فرمایئے اس کے باپ کی خواہش یا دعا کا قصور ہے یا اس کی اپنی اُلٹی سمجھ کا۔ بعینہٖ یہی حالت ان فتوحات کی تھی۔

جناب رسولخدا کا پروگرام واقعی دنیا میں حکومت الٰہیہ قائم کرنے کا تھا۔ لیکن یہ مدعا نہ تھا کہ عرب قوم ہی ساری دنیا پر حکومت کرے ، اسلام کا حکومت

کرنا مقصد تھا۔ کسی خاص قوم کی حکومت سے غرض نہ تھی، اس کا بھی طریقہ جناب رسول خدا نے بتا دیا تھا، غیر ملکوں میں اسلامی وفد صلح و آشتی کے ساتھ بغرض تبلیغ اسلام بھیجے جاتے، جیسا کہ جناب رسولخدا نے کیا تھا، اس کا ذکر ہم کر چکے ہیں، اس کے ممبران ایسے عمدہ اسلام کے نمونے ہوتے کہ الفاظ سے زیادہ ان کے اعمال لوگوں کے دلوں پر اثر کرتے، قرآن شریف نے بھی تبلیغ اسلام کا یہی طریقہ بتایا ہے۔ وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَ يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ پارۂ ۴ سورۂ آل عمران ع ۱۰۔ یعنی تم میں سے ایک ایسی جماعت ہونی چاہئیے جو لوگوں کو خیر کی طرف بلائے، معروف کا حکم دے منکر سے روکے، جناب رسولخدا ایسی تبلیغی جماعتیں باہر بھیجے تھے، اور ان کو خاص حکم ہوتا تھا کہ تم لڑنا نہیں۔ اس طرح اطراف و جوانب میں اسلام پھیلتا، اور چونکہ وہ لوگ اپنی خوشی سے سوچ سمجھ کر اسکو قبول کرتے ان کے دلوں میں ایسا راسخ ہوتا کہ پھر پرانی جاہلیت کبھی عود نہ کرتی، یہ اسلام کی حکومت مستقل اور دیر پا ہوتی، قوموں کی حکومت بدل جاتی، ملکوں کی حکومت متغیر ہو جاتی، یہ حکومت کبھی نہ بدلتی، وکلائے اہل حکومت یعنی علماء اہل سنت و جماعت فرماتے ہیں کہ بستر مرگ پر آنحضرت ؐ نے وصیت کی کہ جزیرۂ عرب سے یہود و نصاری کو نکال دو کیونکہ ایک ملک میں دو دین ہونے سے فتنہ پیدا ہوتا ہے، اس وصیت پر ذرا غور تو کریں، جہاں تک جسمانی اور دنیاوی حکومت کا تعلق تھا، اس کے لئے آنحضرت ؐ نے عربوں کے واسطے فقط عرب ہی کا ملک انتخاب کیا تھا، یہ نہیں فرمایا کہ ساری دنیا سے یہود و نصاریٰ کو نکال دو، جناب رسول خدا نے اس فطری اصول کو مان لیا تھا، کہ ہر ایک قوم اپنے ملک میں علیحدہ رہ کر خوش رہتی ہے اور کسی دوسری قوم کا حق نہیں ہے کہ بغیر وجہ کے اس سے لڑائی کرے لڑائی کرنے کے تو وطنی و قومی جذبات بھڑک کر مخالفت زیادہ ہو جاتی ہے اور تبلیغ کا مدعا جاتا رہتا ہے، ہاں اگر دوران تبلیغ میں بلا وجہ کوئی قوم ناانصافی

کرتی اور تبلیغ کی راہ میں مزاحم ہوتی تو اس سے لڑائی جائز ہو جاتی اور اس وقت تک اسلام اندرون و بیرون میں مضبوط ہو جاتا اور اس طرح امپیرلزم کی برائیوں اور اسکے الزام سے بھی بچ جاتا، تلوار سے اسلام کو پھیلانے کا اعتراض بھی نہ رہتا، اور باوجود اس کے اسلام ایسا پھیلتا اور مضبوطی کے ساتھ پھیلتا کہ دلوں پر نقش کالحجر ہو جاتا، سرعت فتوحات نے اسلام کو مسلمانوں کے دلوں میں راسخ ہونے کا موقعہ ہی نہ دیا اور وہ نقش برآب ہی رہا۔

ممکن ہے کہ اس پر کوئی صاحب اعتراض کریں اور جنھوں نے سید ابوالاعلیٰ صاحب مودودی کی حقیقت جہاد پڑھی ہے ضرور اعتراض کریں گے کہ دراصل مقصد حکومت حاصل کرنا ہونا چاہیئے، کیونکہ "دنیا میں آپ جتنی خرابیاں دیکھتے ہیں ان سب کی جڑ دراصل حکومت کی خرابی ہے، طاقت اور دولت حکومت کے ہاتھ میں ہوتی ہے، قانون حکومت بناتی ہے، انتظام کے سارے اختیارات حکومت کے قبضہ میں ہوتے ہیں، پولیس اور فوج کا زور حکومت کے پاس ہوتا ہے لہذا جو خرابی بھی لوگوں کی زندگی میں پھیلتی ہے وہ یا تو خود حکومت کی پھیلائی ہوئی ہوتی ہے یا اس کی مدد سے پھیلتی ہے کیونکہ کسی چیز کو پھیلنے کے لئے جس طاقت کی ضرورت ہوتی ہے، وہ تو حکومت کے ہی پاس ہے۔" حقیقت جہاد ص ۶۔ آگے چل کر یہ نہایت زبردست مفکر اسلام کہتا ہے: "اگر آپ چاہیں کہ ظلم مٹے اور انصاف ہو، اگر آپ چاہیں کہ زمین میں فساد نہ ہو، انسان انسان کا خون نہ چوسے نہ بہائے، دبے اور گرے ہوئے انسان اُٹھائے جائیں اور تمام انسانوں کو یکساں، عزت، امن، خوشحالی اور ترقی کے مواقع حاصل ہوں تو محض تبلیغ وتلقین کے زور سے یہ کام نہیں ہو سکتا، البتہ حکومت کا زور آپکے پاس ہو تو یہ سب کچھ ہونا ممکن ہے" حقیقت جہاد ص ۱۲۔

جو آپ کہتے ہیں وہی میں بھی کہہ رہا ہوں تھوڑا سا فرق ہے اور وہ ابھی صاف ہوئے جاتا ہے میں تو شروع سے یہ کہہ رہا ہوں کہ اسلام کا مقصد دنیا میں حکومت

قائم کرنا ہے اور اسی وجہ سے جناب رسولخدا کی نبوت کا حکومت جزو اعظم ہے، اب رہی یہ بات کہ دنیا میں عدل و انصاف کا قیام محض تبلیغ و تلقین کے زور سے نہیں ہوتا، میں بھی مانتا ہوں کہ اسکے لئے حکومت چاہیئے عدل و انصاف کرنا حکومت کا کام ہے، مگر اسلام میں خود نمو و نفوذ کا اتنا زبردست مادہ ہے کہ یہ تبلیغ بہت جلد ملکوں کی آبادی میں پھیل کر بادشاہ تک پہنچ جاتی - اور وہ تبلیغی جماعت جو مدینہ سے آنحضرت کے زمانہ میں چلتی تھی ایسی تو نہیں ہوتی تھی جیسی کہ وہ تبلیغی جماعت جو انبالہ سے نکلا کرتی ہی، اس کے ساتھ زبردست مسلح دستے ہوتے تھے ان کو حکم ہوتا تھا کہ تم ہرگز نہ لڑنا، حکام سقیفہ کو چاہیئے تھا کہ اس امر میں آنحضرت کی پیروی کرتے، اگر وہ ملک جہاں یہ جانے رکاوٹ نہ پیدا کرتے تو یہ اپنا کام کرتے اور اس کا اثر ہوتا، اور جہاں کوئی قوم ظلم و تعدی ان پر کرتی جواب ترکی بترکی دیا جاتا، یہاں یہ کہا جاتا ہی کہ نتیجہ وہی لڑائی ہوتا۔ بہت ممکن ہے کہ ہوتا لیکن اس صورت میں فریق ثانی ظلم پر ہوتا اور مسلمان حق اور انصاف پر، اور یہ بہت بڑی بات ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ لڑائی نہ ہوتی، دیکھو عیسائیت نے چپکے ہی چپکے کونسٹینٹائن پر قبضہ کرکے پوری رومن ایمپائر پر قبضہ کرلیا، اور ایسا قبضہ کیا کہ ابھی تک وہ قائم ہے اور اس کے ذریعے سے تمام دنیا پر قبضہ ہو گیا۔ کیا اسلام اس سے بھی گیا گزرا تھا، کہ اس طرح لوگوں کے دل و دماغ پر اثر نہ کرتا، اور بہرصورت اگر لڑائی بھی ہوتی تو مسلمانوں کو دو فائدے ملتے ایک تو یہ کہ اس وقت تک خود ان میں اسلام کا تخیل راسخ ہو گیا ہوتا اور دوسرے یہ کہ خدا کے سامنے اور انسان کے سامنے یہ حق پر ہوتے، اور فریق مخالف ناحق پر۔ لیکن اس کے لئے کچھ وقت چاہیئے تھا اور حکام سقیفہ کی سیاسی ضرورت اس بات کی مقتضی تھی کہ ان لوگوں کو فوراً مشغول کیا جائے۔ ہم یہ بھی مانتے ہیں کہ اسلام کا مقصد حکومت پر قبضہ کرکے دنیا میں عدل و انصاف رائج کرنا تھا ہم بھی یہ کہہ رہے ہیں کہ اگر صحیح اسلام صحیح طریقے سے دنیا میں پھیلتا تو عدل و انصاف ہی کی حکومت

ہوتی اور اس کا ہی غلبہ ہوتا، اب ہمیں غور کرنا چاہئے کہ جو حکومت حکام سقیفہ نے دنیا میں اپنی ان فتوحات کے ذریعہ سے رائج کی اس میں عدل و انصاف کا غلبہ تھا یا جور وظلم کا، اگر عدل و انصاف تھا تو ہم نتیجہ نکالیں گے کہ انہوں نے صحیح اسلام صحیح طریقے سے پھیلایا، اور ہم نے جو کچھ اب تک کہا ہے سب واپس لے لیں گے اور اگر عدل و انصاف اسی طرح مفقود رہا جس طرح کہ اسلام کے دنیا میں پھیلنے سے پہلے تھا تو ہم نتیجہ نکالیں گے کہ جو اسلام پھیلا وہ غلط اسلام تھا، اور غلط طریقوں سے پھیلایا گیا تھا، جو فتنہ و فساد و جور وظلم کی حالت تھی وہ ہم تو کیا بتائیں، خلفائے بنی امیہ و بنی عباس کے قید خانوں اور ان کے دار ورسن سے پوچھو، حجاج و متوکل کے قصے پڑھو، مکہ و مدینہ کی گلی کوچوں سے پوچھو، جہاں ہفتوں قتل عام و زنا کا بازار گرم رہا، جہاں خانۂ کعبہ پر منجنیقیں چڑہائی گئیں، بغداد و کوفہ سے پوچھو جہاں زندہ آدمی دیواروں میں چنے جاتے تھے، اور حاملہ عورتوں کے رحم میں گرم کر کے سیخیں ڈالی جاتی تھیں، کیا رحمۃ للعالمین اسی اسلام کو پھیلانے کے لئے مبعوث ہوئے تھے، کربلا و فدک کا تو ہم نام نہیں لیتے، کیونکہ ان بزرگواروں کو یہ نام اچھے نہیں معلوم ہوتے، بغداد و کوفہ و مکہ و مدینہ، دمشق و بصرہ ان کی ہی در و دیواریں تمہیں بتا دیں گی کہ تمہارے اسلامی راج میں انہوں نے کیا دیکھا، محض فتوحات کی وسعت و سرعت کو دیکھ کر عش عش کرنے والو! جو سلطنت تم نے پھیلائی ویسی سلطنتیں تو تم سے پہلے اور تمہارے بعد بہت سے فاتح حملہ آوروں نے پھیلائی ہیں لیکن جس سلطنت کو تم نے نہ پھیلنے دیا، اگر اس کی جڑ سقیفۂ بنی ساعدہ میں نہ کٹ جاتی تو تم دیکھتے کہ آج سوا اسلام کے سوا دنیا میں دوسرا مذہب نہ ہوتا، اور حکومت الٰہیہ کے علاوہ دوسری سلطنت نہ ہوتی، جو خرابیاں اسلام اور مسلمانوں میں تم اب دیکھتے ہو ان سب کے بیج سقیفۂ بنی ساعدہ ہی کی زمین میں بوئے گئے تھے۔ عرصے سے وہاں کے بوئے ہوئے درخت بار آور ہو رہے ہیں۔

جہاں تک ہم نے اس امر پر غور کیا ہے ہم تو اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ محض فتوحات کی وسعت و سرعت ان بزرگواروں کی آنکھوں کو خیرہ اور دماغ کو معطل کر دیتی ہے، اور ان کی ایک بحث ہوتی ہے کہ جس خلیفہ کے زمانہ میں اتنی فتوحات ہوئی ہوں وہ اسلام کا محسن سمجھا جانا چاہیئے، لیکن سوچو تو مسلمانوں کے علاوہ دیگر اقوام نے بھی اسی طرح ملکی عروج حاصل کیا ہے، حضرات شیخین تو مدینہ ہی میں بیٹھے رہے اور اس محفوظ مقام سے یا ساریۃ الجبل کی کرامت دکھاتے رہے، کوئی نہ کوئی کرامت ہونی ضروری تھی، ورنہ لشکر سے دور مقام محفوظ میں رہنے کا الزام رہ جاتا، ایسے موقعوں پر حضرت علی کو خوب بیچ میں لے آتے ہیں کہتے ہیں کہ یہ صلاح حضرت علی نے دی تھی کہ تم لشکر کے ساتھ نہ جاؤ، ممکن ہے اس خیال سے دی ہو کہ وہاں بھی اگر احد و حنین کی عادت عود کر آئی تو بہت مشکل ہوگی، ورنہ خود خلیفہ ہو کر حضرت علی لڑنے والے لشکر کے آگے رہتے تھے۔ اپنی حفاظت کا انہیں کبھی خیال نہ آیا، حضرت عمر کی حفاظت کی انہیں بہت ضرورت تھی۔ خیر یہ جملہ معترضہ ہے ہم کہہ رہے تھے کہ دنیا میں ایسے بھی جری و شجاع و دلیر فاتحان ملک گزرے ہیں جو خود اپنے لشکروں کے آگے رہے ہیں اور جن کی تلواروں نے دنیا کا مرقع بدل دیا اور جن کے حقیقی کارنامے اب بھی ہم داستانوں کی طرح سنتے ہیں، قیصر اعظم، سکندر اعظم، نپولین اعظم، ہینی بال۔ شارلمین چنگیز خاں تاتاری اور تیمور ان سب کی فتوحات اتنی عظیم الشان تھیں کہ جب تک دنیا میں دوسروں کے مٹانے کا ہنر خراج تحسین حاصل کیا کریگا اسوقت تک زمانہ ان کی فتوحات پر انگشت حیرت در دہاں رہے گا، قومیں بھی اسی طرح جب اٹھی ہیں تو اپنے اپنے زمانہ میں طوفان برپا کرتی ہیں۔ رومن امپائر، برٹش امپائر، جرمن امپائر، ہسپانوی امپائر وغیرہ وغیرہ اپنے اپنے عروج میں حضرت عمر کی سلطنت سے بدرجہا زیادہ تھے، اور دنیا میں انہوں نے اپنی ہستی کے نہ مٹنے والے نشانات چھوڑے ہیں، عربوں کی سلطنت ان کے آگے کیا تھی،

اگر فتوحات ملکی اور وسعت مذہب ایک ہی شے ہیں، تو ہندوستان و عراق و فلسطین کو بوجہ برٹش امپائر کے ماتحت ہونے کے عیسائی سمجھ لو تو پھر ساری دنیا ہی عیسائیت کی وسعت کے اندر سما گئی، اور اگر مذہب کو علیحدہ لینا ہے تب بھی حضرت عمر کا اسلام عیسائیت سے بہت پیچھا رہے گا، عیسائیت نے جب سے دنیا پر قبضہ کیا ہے اب تک تو اس قبضہ کو چھوڑا نہیں، اور روزافزوں ترقی ہی ہو رہی ہے، اور نہ آئندہ کوئی علامت ہے کہ یہ قبضہ چھوٹ جائے گا مسلمانوں کی سلطنت تو باد صرصر تھی جس تیزی سے آئی وہ واقعی حیرت انگیز تھی لیکن جس سرعت سے وہ ختم ہوئی وہ بھی کم عبرت آموز نہیں، اب اگر فتوحات ملکی ہی کو مذہب کی صداقت کا معیار تصور کیا جاتا ہے تو پھر عیسائیت تو بہترین اور صحیح ترین مذہب ہوا، کفر بھی بہر صورت اسلام سے تو زیادہ ہی رہا، لیکن آپ اس کو نہیں مانیں گے۔
جب کفر و عیسائیت کے لئے اس اصول کو جائز نہیں سمجھتے تو پھر اسلام کے لئے یہ کون سا طرۂ امتیاز ہوا، دنیاوی حکومت تھی آئی چلی گئی اور اپنے بُرے اور اچھے اثر چھوڑ گئی، جن میں بُرے اثر زیادہ ہیں، اور اچھے کم، امر واقعہ ہے کہ ملکی و سیاسی نظریہ سے یہ طریقۂ فتوحات نہایت غلط تھا، اور مذہبی نقطۂ نگاہ سے شدید مضر، اس کا ذکر ہم نے کتاب اول کے صفحات ۸۸۴، ۸۸۵ پر کیا ہے۔ یہ بھی ہوتا ہے کہ بعض دفعہ محض فتوحات ہی فاتح اقوام کے مذہب و تہذیب و تمدن کی توسیع کا باعث ہوتی ہیں، مولوی سید مناظر احسن گیلانی نے اپنی کتاب "ہندوستان میں مسلمانوں کا نظام تعلیم و تربیت" کے صفحہ ۲ پر کہا ہے کہ "تاریخ کی مسلسل شہادتوں کے مطابق جب کوئی قوم کسی ملک کو فتح کرتی اور اس ملک کے باشندوں پر سیاسی غلبہ و استیلا پالیتی ہے تو فاتح قوم کا اثر و نفوذ صرف مفتوح اقوام کے جسموں تک محدود نہیں رہتا بلکہ وہ ان کے دلوں اور دماغوں کو بھی تسخیر کرلیتی ہے، اور اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ مفتوحہ اقوام اپنے قومی خصائص و روایات اور ملی شعائر

وعلامات کو نہ صرف یہ کہ نظر انداز کر دیتی ہیں بلکہ ایک مدت تک عملی تجاذب کے مسلسل جاری رہنے کے باعث آخر کار وہ ان سے نفرت کرنے لگتی ہیں اور آب ان کے لئے فاتح قوم کی نقالی اور کورانہ تقلید ہی سرمایۂ افتخار رہ جاتی ہے۔"
لائق مؤلف نے حوالہ تو تاریخ کی مسلسل شہادتوں کا دیا ہے لیکن امر واقعہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے یہ فقرے ہندوستان کی حالت کو زیر نظر رکھ کر لکھے ہیں، عام قاعدہ تو یہی ہے اور اسی وجہ سے کہا گیا ہے کہ النَّاسُ عَلٰی دِینِ ملوکہم۔ لیکن ساتھ ہی عام قاعدہ یہ بھی ہے کہ قومیں اسی وقت فتح کرنے کو اٹھی ہیں کہ جب وہ ہر طرح سے اپنی جوانی میں تھیں اور انہوں نے اپنے گھر کو درست کر لیا تھا، جب ان کا طرز معاشرت تمدن اور مذہب اپنی پوری طاقت پر تھے، ایسی صورت میں اس عام قاعدہ کا وہی عام نتیجہ ہونا چاہیئے تھا جو فاضل مؤلف نے لکھا ہے، ایسا بہت کم ہوا ہے کہ کوئی قوم دنیا کو فتح کرنے کے لئے اٹھی ہو اور اس کا ابھی بچپن ہی ہو، عرب ابھی پوری طرح سے ایک قوم تو بنی ہی نہ تھی، ملک مختلف قبیلوں میں تقسیم ہوا ہوا تھا، ایک قبیلہ کو دوسرے سے ہمدردی نہ تھی، چنانچہ جب خلیفہ کا انتخاب ہونے لگا اس میں بھی یہ قبیلہ بازی نمایاں ہے مذہب کی وہ حالت تھی جو ہم نے اوپر بیان کی ہے۔ ہر ایک شخص کو خلیفۂ وقت کی طرف سے اپنی عقل و قیاس کی بناء پر مذہب میں مداخلت کرنے کی اجازت مل گئی تھی، جناب رسول خدا جو مذہب کے ہر مشکل مسئلہ کا جواب قطعی طور سے خود دے سکتے تھے ابھی ابھی آنکھوں سے اوجھل ہوئے ہیں مسلمانوں کی سرشت میں وہی جاہلیت کا خمیر باقی تھا جیسا کہ علامہ مشرقی نے اپنی معرکۃ الآرا تصنیف تذکرہ میں لکھا ہے کوئی ہستی ایسی نہ تھی جس کو سب مانیں اور وہ سب مسائل کا صحیح جواب دے سکے۔ حضرت عمر کو لوگ مانتے تھے تو ان میں مسائل شرعیہ کے حل کرنے کی اہلیت نہ تھی، حضرت علی میں یہ اہلیت تھی تو وہ والی امور مسلمین نہ تھے۔ جہاں تک مذہب کا تعلق ہے

یہ ایک بے سری فوج تھی، جس طرح بندر کے ہاتھ میں ایک ناریل آجاتا ہے جس طرح
جی چاہتا ہے اُسے اُچھالتا ہے، اور رکھتا ہے اسی طرح ان کے ہاتھ میں ایک کتاب اللہ
آگئی تھی، جس طرح جی چاہتا تھا اس کی تاویل کرکے اپنا دل خوش کر لیتے تھے، حضرت
عمر نے دو چار مسئلے ایسے رائج کردئے تھے جو ان لوگوں کو اپنی دلی خواہشوں کے
مطابق زندگی گذارنے میں بہت مدد و معاون تھے لیکن وہ اسلام کی فقہ کے اتنے
خلاف تھے کہ فلسفہ کے امتحان کی تاب نہیں لا سکتے تھے۔ ان کی حالت تو یہ تھی
اور ان کی فتوحات کی روان کو لے گئی، ایران و یونان و ہندوستان کی طرف
جہاں کے پرانے فلسفوں نے ان کے نئے اسلام کو وہ چکر دیا کہ اب تک یاد کرتے
ہیں، جب مشرق کی طرف نظر اٹھائی تو ہر ایک چیز میں خدا کو دیکھا بلکہ ہر چیز کو
خدا پایا، جب مغرب کی طرف نظر گئی تو کہیں خدا نظر نہ آیا، عرب کا دماغ جو
ان باتوں کا عادی نہ تھا ہر ایک لہر کے ساتھ بہنے لگا، حضرت عمر نے بھی ان
کے ساتھ اپنا مرتب کیا ہوا اسلامی ضابطہ کر دیا، اس ضابطہ کا ذکر ہم پہلے
کر چکے ہیں، یہاں ہم ناظرین کی سہولت کے لئے اس کو ایک جگہ لکھتے ہیں۔

"صرف کتاب خدا کافی ہے حسبنا کتاب اللہ۔ مذہب میں کسی ہادی کی
ضرورت نہیں جہاں جہاں چاہو اپنی عقل و قیاس سے فقہ اسلامی کی
کمی پوری کرتے جاؤ یہ موجودہ فقہ بنی نوع انسان کی ترقی کے دوش بدوش
چلنے کی اہلیت نہیں رکھتا، جہاں دیکھو کہ اس میں نقص ہے اپنی عقل و رائے
سے اس کی درستی کرلو، ہم جو کچھ کرتے ہیں وہ خدا کے حکم سے ہوتا ہے
خواہ خیر ہو، خواہ شر ہو، ایمان کے لئے عمل صالح کی ضرورت نہیں،
امور معاشرت و حکومت میں مذہب کی ضرورت نہیں ہے، اور نہ
حکومت پر مذہب کا زور ہے۔ حکومت تو ایک علیحدہ شے ہے، اس
ہی وجہ سے تمہارے نبی کی نبوت میں حکومت و امور معاشرت
شامل نہیں ہیں جو کچھ ہے حکومت اور دنیاوی وجاہت ہے۔ یہ سے

توسب کچھ ہے، یہ نہیں تو کچھ نہیں "

اِن مفردات سے جو مرکب تیار ہوگا، وہ کیسا ہوگا، صاحبانِ غور وفکر خود ہی نتیجہ نکال لیں، ہر ایک مفکر اسلام نے تسلیم کیا ہے کہ اسلام کا تصادم جو غیر مذاہب اور ملحدانہ تخیل سے غیر ممالک میں ہوا اس نے لوگوں میں الحاد و زندقہ پھیلا دیا، دیکھو علم الکلام علامہ شبلی حصہ اول ص ۱۳۱۔ ہندوستان اور یونان کے فلسفہ سے جب فقہاء کو مناظرہ کرنا پڑا تو خود ان کے اعتقادات جھوجر ہوگئے یہاں تک کہ لوگ ان کو گردن زدنی سمجھنے لگے۔ علامہ آمدی (ابوالحسن سیف الدین آمدی)، وامام فخرالدین رازی، اور محی الدین عربی کی مثالیں اس ضمن میں بیان کرنا کافی ہے، جناب رسولخدا کے زمانہ میں تو ان لوگوں کی یہ حالت تھی کہ اذارا وُ تجارۃ او لھوا انفضوا الیھا وَ ترکوک قائما۔ (ترجمہ۔ جب یہ لوگ تجارت یا کھیل کود کو دیکھتے ہیں تو اے پیغمبر تجھے کھڑا کا کھڑا چھوڑ کر اس کی طرف چلے جاتے ہیں) یہ تو جناب رسول خدا کی حیات میں حالت تھی، اب کہ وہ موجود نہ تھے، اور ان کے حاکم نے عام صلاء دیدی تھی کہ جو تم کروگے وہ سب خدا کی طرف منسوب کر دیا جائے گا اور تم بری الذمہ ہوگے، تو جوان کی حالت ہوگئی ہوگی، اس کا اچھی طرح سے قیاس ہو سکتا ہے، یہ ساری خرابی سرعت فتوحات کی وجہ سے ہوئی ہر ایک مفکر اسلام نے اس کو تسلیم کیا ہے کہ ظاہرا ملکی عروج اسلام کا عروج نہ تھا۔ بلکہ اس ملکی عروج کے زمانہ میں اسلام کی بہت بری حالت تھی جیسا کہ سید ابوالحسن نے اپنی کتاب سیرۃ احمد شہید کے صفحہ ۲۱ و ۲۲ پر لکھا ہے جو ہم نے کتاب اول کے صفحہ ۸۶ پر نقل کیا ہے غرضکہ اس سرعتِ فتوحات کی وجہ سے مذہب بھی مسخ ہوگیا۔ اور عربوں کی تہذیب بھی خاک میں مل گئی، اور عربی سلطنت بہت جلد ختم ہوگئی، اصلی عربوں کی سلطنت بنو امیہ کے ساتھ رخصت ہوئی، اس کے بعد سلطنت اسلامی میں غیر عربی عنصر روز بروز بڑھنے لگا، یہاں تک کہ حکومت

و دفاتر پر سب جگہ ایران میں ایرانیوں اور ہندوستان میں ہندوستانیوں کا قبضہ ہوگیا۔

فاتح قوم کا مفتوح قوم کے تمدن و تہذیب سے موثر و مغلوب ہوجانا کوئی نئی بات نہیں ہے، رومیوں نے یونان کو تلوار سے تو فتح کر لیا لیکن اس کی تہذیب سے مفتوح ہوگئے، تاتاریوں نے بغداد کو فتح کر لیا، لیکن اس کی تہذیب سے خود مغلوب ہوگئے، اور ایسی بہت سی مثالیں ہیں۔

قصہ مختصر یہ کہ اول تو وہ اسلام جو اسلامی عساکر اپنے ہمراہ لائے تھے۔ وہ اصلی اسلام نہ تھا جس کی تعلیم جناب رسول خدا نے دی تھی، پھر یونانی اور ہندوستانی فلسفہ سے مل کر تو بالکل متغیر ہوگیا، ایسا کہ پہچانا نہیں جاتا ہندؤں سے تو ویدانت کا تخیل آیا جس نے اسلام میں تصوف کی صورت اختیار کر لی، اور اس تصوف اور صوفی شعرا کی جو برائیاں حضرت حکیم الامت سر محمد اقبال نے کی ہیں وہ ہی کافی ہیں ہم کیا اضافہ کریں، ایرانیوں سے اہرمن و یزداں کا عقیدہ لے کر مسلمانوں نے مسئلہ خیر و شر کی خوب دھجیاں اوڑائیں اور یونانی فلسفہ نے رہا سہا جو اسلام کا مایۂ امتیاز تھا یعنی توحید اس کو تو مسلمانوں کے تخیل میں بالکل ہی متغیر کر دیا، خداوند تعالیٰ کی ہستی اور اس کی صفات کے متعلق وہ فلسفیانہ اور منطقیانہ بحثیں ہوئیں کہ جب ان دھواں دار بحثوں کا دھواں بیٹھ گیا اور دیکھا کہ کیا نتیجہ نکلا تو معلوم ہوا کہ نہ خدا ہی رہا اور نہ اس کی صفات۔

وکلائے اہل حکومت یعنی علماء سنت و جماعت بھی اس کو تو مانتے ہیں کہ اسلام مسخ ہو گیا، لیکن چونکہ ان کا عقیدہ و ایمان ہے کہ خلفائے اربعہ جائز خلفائے رسول تھے لہذا وہ اس میں یہ ایک ایزادی کر دیتے ہیں کہ یہ حالت خلافت راشدہ کے بعد ہوئی، ہم اوپر ثابت کر چکے ہیں کہ جن درختوں نے آگے چل کر بار آوری کی وہ دور اول ہی میں لگائے گئے تھے، یہ لوگ فرماتے ہیں کہ خلافت راشدہ کے بعد اسلام اس وجہ سے بگڑا کہ حکومت نااہل لوگوں میں چلی گئی، کیا عمدہ بحث

ہے جو ذرا سے بھی غور و فکر کی متحمل نہیں ہو سکتی، اول تو یہ دیکھو کہ نااہل لوگوں میں وہ حکومت کیوں گئی؟ سنت شیخین کی پیروی میں گئی، حضرت معاویہ حضرت علی کو خلیفہ نہیں دیکھنا چاہتے تھے، کیونکہ شیخین نے حضرت علی کو خلافت سے رد کیا تھا حضرت معاویہ نے حضرت یزید کو کیوں اپنا جانشین بنایا اس لئے کہ حضرت ابوبکر نے حضرت عمر کو اپنا جانشین مقرر فرمایا تھا، وہی اصول کار فرما تھے جو حضراتِ شیخین کے جاری کردہ تھے اور سقیفہ بنی ساعدہ میں بنائے ہوئے تھے۔ اب شکایت کیا ہے، دوسرے یہ کہ نااہل لوگوں میں حکومت اس ہی وقت جاتی ہے کہ جب ساری قوم نااہل ہوتی ہے، قوم ہی میں سے حکام نکلتے ہیں، بلکہ وہ قوم کے بہترین نمونہ ہوتے ہیں، اگر قوم سچی مسلمان حکومتِ الٰہیہ کی اہل ہوتی، تو ایک لمحے کے لئے یہ نااہل حکمران مسندِ حکومت پر نہ ٹھہر سکتے، جب ساری قوم ہی نااہل ہو تب ہی نواسہ رسول شہید ہو سکتا ہے محض ایک یزید ہی کربلا نہیں پیدا کر سکتا تھا۔ اتنی تمہید کے بعد اب ذرا اسلام کی تصویر مفکرین اسلام کی نظروں سے تو دیکھئے۔ سید ابوالحسن علی ندوی سیرت سید احمد شہید میں اس طرح رقمطراز ہیں:۔

"اسلام کے ابتدائی تیس سال تک وہ لوگ مسلمانوں کی زندگی پر حاوی رہے، جنھوں نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے دامن تربیت میں پرورش پائی تھی..... ان کے بعد مسلمانوں کی رہنمائی ان لوگوں کے حصہ میں آئی جن کی ذہنیت اور زندگی میں جاہلیت و اسلام کی یہ غیر فانی کشمکش ختم نہیں ہوئی تھی، اور ان میں غیر اسلامی رجحانات اور اثرات موجود تھے، بعد کے لوگوں میں یہ کشمکش جاہلیت کے غلبہ اور اسلام کی مغلوبیت کی صورت میں ختم ہوئی اور قدیم جاہلیت جدید لباسوں میں ظاہر ہوتی رہی، کبھی ملوکیت کے بھیس میں، کبھی عربی قومیت کے روپ میں کبھی دین و سیاست کی تفریق کی شکل میں

اور کبھی شاہانہ شان وشوکت اور آزادانہ عیش وعشرت کے رنگ میں۔

سیرۃ احمد شہید ص ۱۹، ۲۰

شکر وصد شکر اس احکم الحاکمین کا جو ہمارے دعووں کو غیروں کی بحث سے ثابت کراتا ہے، دیکھا آپ نے ابھی ان لوگوں میں جاہلیت کا اثر بہت باقی تھا کہ یہ لوگ اپنے اس مخلوط اسلام کو لے کر باہر ملکوں میں بھیج دئے گئے اور ملاحظہ کیجئے، کہا اور سچ کہا کہ دین وسیاست کی تفریق جاہلیت کے تخیل کا نتیجہ تھی ہم اوپر ثابت کر چکے ہیں کہ یہ تفریق حضرت عمر نے پیدا کی لہٰذا حضرت عمر میں جاہلیت کا تخیل بہت باقی تھا، آگے چل کر فرماتے ہیں:۔

لیکن جب عشق (اسلام) کی یہ آگ بجھی اور حمیت اسلامی کا یہ چڑھا ہوا دریا اترا تو وہ چیزیں نمودار ہوئیں جو دریا کے اتار کے بعد نمودار ہوتی ہیں، نفسانیت وانانیت، اختلاف وخانہ جنگی، رقابت اور سازشوں نے ہر جگہ گل کھلائے، غفلت اور عیش پرستی کی گرم بازاری ہوئی اور مسلمان ایک بے اصول وبے سیرت عام حاکم قوم بن کر رہ گئے

سیرۃ احمد شہید ص ۲۰

دیکھا۔ وہ عشق اسلام وحمیتِ اسلامی اوپر اوپر سطح ہی پر تیر رہے تھے جب پانی اُتر گیا تو تہ میں جو نفسانیت وانانیت، اختلاف، خانہ جنگی اور سازشیں بیٹھی ہوئی تھیں وہ پھر نمودار ہوگئیں، یہ درست ہے ان سازشوں ہی کا نتیجہ حکام سقیفہ کی حکومت تھی لہٰذا ان کے زمانہ میں تو وہ سازشیں چھپی رہیں ان ہی کے لئے تو ان سازشوں کی ابتدا ہوئی تھی جب وہ حکام چلے گئے تو یہ عادت جو وہ پیدا کر گئے تھے پھر نمودار ہوگئی، آگے چل کر وہ فرماتے ہیں:۔

اس عام زوال کا بڑا سبب خلافت راشدہ کا خاتمہ ہے۔ خلافت دین کی پاسبان سرپرست اور اس کے مقاصد ومصالح کی آلۂ کار تھی، یہ ان لوگوں کے ہاتھ میں آئی جو یا تو اس کے مقاصد ومصالح

سمجھتے نہ تھے یا ان کے پابند رہنا نہیں چاہتے تھے اور مسلمانوں کیلئے
دین میں کوئی بلند نمونہ نہیں تھے، جب تک عہدِ نبوی کا قرب رہا۔
دینی ماحول اور فضا باقی تھی، اس انقلاب کا اثر ظاہر نہیں ہونے پایا
.... رفتہ رفتہ جب لوگ اٹھنے لگے، اہل حکومت کا تسلط بڑھا۔ علماً
و اہل دین کا اقتدار کم ہوا تو دین کا رنگ پھیکا پڑنے لگا، اہل علم و
دین خوف یا امید سے حکومت کے دامن سے وابستہ ہونے لگے۔
احتساب ختم ہو گیا، اسی وقت سے اسلام اپنے گھر میں پردیسی اور
اپنے انتہائی (دنیاوی) شوکت و عروج و حکومت کے زمانہ میں
بے کس ہو گیا، دیندار طبقہ اقلیت میں ہو گیا، اہل حق گوشہ نشین
ہو گئے، اور اپنے اپنے حلقہ میں اپنا فرض انجام دیتے رہے۔ لیکن
ان کی حالت بالکل ذمیوں کی سی ہو گئی تھی۔

سیرۃ سید احمد شہید ص ۲۱

اس تحریر سے ہمارے کئی بڑے بڑے دعوے ثابت ہوتے ہیں۔
(۱) اول تو یہ کہ مفتی و قاضی سب حکومت کے دامن سے وابستہ تھے
یعنی ان کی خواہش کے مطابق فتوے دیتے تھے۔
(۲) اسلام کا دنیاوی انتہائی عروج مذہب کے لحاظ سے قابل فخر
نہیں اور نہ اس کی صداقت کا ثبوت ہو سکتا ہے۔
(۳) اس دنیاوی عروج کے زمانہ میں اہل حق کی حالت ذمیوں کی سی
تھی۔ بالکل بے کس ہو گئے تھے۔
ہندو دھرم سے مل کر جو ہندوستان میں اسلام کی حالت ہوئی اس
کا نقشہ اس طرح کھینچتے ہیں۔
اگر شرک و بت پرستی دنیا میں کوئی چیز ہے اور لغت و عرف و شرع
میں اس کے کچھ معنی ہیں تو وہ صاف صاف مسلمانوں میں کثرت سے

موجود تھی، قبروں اور مردوں کے متعلق ایک مستقل شریعت بن گئی تھی جس کے واجبات اور مستحبات میں ان کا سجدہ کرنا، ان سے دعا مانگنا، بوسہ دینا، نذریں اور چادریں چڑھانا، منتیں ماننا، قربانیاں کرنا، طواف کرنا، گانا بجانا، میلہ لگانا تہوار منانا، چراغاں کرنا عورتوں کا جمع ہونا، اور مختصر اور صحیح الفاظ میں اس کو قبلہ و کعبہ اور ملجاو ماوی سمجھنا تھا، اولیاء اللہ اور بزرگان دین کے متعلق وہ سب عقائد اور خیالات موجود تھے، جن کی وجہ سے نصرانی یہودی اور مشرکین عرب بدنام ہیں۔ ہندوؤں اور شیعوں کی تمام رسوم مسلمانوں کی شریعت کا جزو بن گئی تھیں، اور ان سے کوئی گھر خالی نہ تھا، ان کی پابندی قرآن و حدیث و اسلامی فرائض سے زیادہ کی جاتی تھی، شرک و بدعت اور اسراف و جہالت ان کے اجزاء ترکیبی تھے۔

سنت و شریعت بے معنی الفاظ تھے جو صرف کتابوں میں رہ گئے تھے، بدعت کی تعریف ہی کسی پر صادق نہیں آتی تھی۔ اور ہر بدعت بدعت حسنہ تھی۔ بہت سے حرام حلال ہو گئے تھے اور بہت سے حلال حرام، شعائر اٹھ رہے تھے اور ان کی جگہ ہندوانہ شعائر لے رہے تھے، اور بے تکلف قرآن و حدیث کے بہت سے احکام منسوخ ہو گئے تھے، مثلاً بیوہ کا نکاح، اور تقسیم میراث، شرفائے اسلام کی نئی شریعت میں مستحب فرض سے حرام و متروک ہو گئے تھے۔ ہر مسلمان کو شریعت میں ترمیم اور مستقل تشریع (قانون سازی) کا حق تھا، اور جس کو عام مسلمان اچھا سمجھ لیں، تو وہ مستند شریعت تھی۔

ما راٰہ المومنون حسنا فھو عند اللہ حسن۔

قرآن ایک چیستاں تھی جس کو کوئی سمجھ نہیں سکتا تھا اور نہ اس

میں غور کرنے کی ضرورت تھی، اس لئے کہ اس پر عمل کرنے کا سوال ہی نہ تھا، اور اس کا بہت سا حصہ منسوخ ہو کے بے کار ہو چکا تھا، اور وقت ضرورت کے لئے ادب و احتیاط کے ساتھ محفوظ رہتا تھا، وہ مردوں کے لئے تھا زندوں کے لئے نہیں، وہ عوام کی سمجھ سے باہر تھا، اور اس کو پڑھ کر ان کی گمراہی کا اندیشہ تھا، علماء کو شرعی و ضروری علوم سے اس کی فرصت ہی نہ تھی

سیرۃ سید احمد شہید ص ۲۸، ۲۹۔

یہ اسلام کا مرثیہ تو بہت رقت انگیز ہے، لیکن یہ بھی تو غور کرنا چاہیئے کہ کیوں ایسا ہوا۔ ہندو مفتوح قوم تھے، ان کا مذہب مفتوح تھا، صدیوں کی عقل کا بچوڑ ہے کہ اَلنَّاسُ عَلٰی دِیۡنِ ملوکھم اسلام تو خود خداوند تعالیٰ کا مکمل کیا ہوا مذہب تھا، پھر ایسا کیوں ہوا، بجائے اس کے کہ ہندو دھرم خود کھنچ کر اسلام کی طرف جاتا، وہ اسلام کو کھینچ کر اپنی طرف لے آیا، اس کی وجہ ہونی چاہیئے وجہ اس کی یہ ہے کہ مسلمان عرب سے باہر وہ دین الٰہی، وہ خداوند تعالیٰ کا منتخب و مکمل کیا ہوا دین لے کر باہر نہیں آئے جس کی تعلیم جناب رسول خدا نے کی تھی۔ یہ تو وہ مذہب لے کر آئے تھے جس کو حضرت عمر نے ترتیب دیا تھا، جس کی نسبت حضرت عمر نے لوگوں کو اجازت دیدی تھی کہ اپنے عقل و قیاس سے اس کی ترمیم کرتے جاؤ، اب تو سید ابو الحسن ندوی کو شکایت ہے کہ جس کو عام مسلمان اچھا سمجھ لیں وہ ہی مستند شریعت بن جاتی ہے لیکن یہ قاعدہ کس کا بنایا ہوا ہے، عام مسلمانوں نے رحلت رسول کے بعد یہ مناسب سمجھا کہ ہم رسولخدا کے حکم و خواہش کے خلاف اپنا خود حاکم مقرر کرلیں، انہوں نے کر لیا، وہ ہی شریعت بن گئی، سید ابو الحسن اس کو برا سمجھتے ہیں کہ ہر مسلمان کو شریعت میں ترمیم اور مستقل تشریع کا حق ہے لیکن یہ ہی تو سبق حضرت عمر کا پڑھایا ہوا ہے، اب جب اس کے برے نتیجے نظر کے سامنے آئے تو خبر ہوئی کہ وہ ابتدا نہایت خطرناک تھی جس کی انتہا یہ ہے لیکن حکام سقیفہ کا

نام لیتے ہوئے اب بھی کتراتے ہیں۔ سید صاحب کی شکایت ہے کہ مسلمانوں نے قرآن کے احکام میراث کو چھوڑ کر ہندوانہ طریقۂ میراث اختیار کر لیا جس میں لڑکیوں کو حصّہ نہیں ملتا، لیکن یہ گیند جو یہاں تک لڑکتی ہوئی آئی اس کو پہلی حرکت کس نے دی تھی، دربارِ خلافت میں پہلا مقدمہ جو پیش ہوا، اس میں یہ ہی قرار دیا گیا تھا کہ لڑکی کو میراث نہیں پہنچتی، اور قرآن کا حکم چھوڑ دیا گیا تھا، رسول کی لڑکی کو میراث اپنے باپ کی نہ ملے تو کچھ ہرج نہیں، جب اپنی لڑکیوں کی نوبت آئی تو غل مچانے لگے کہ دیکھو قرآنی حکم میراث کو چھوڑ دیا، یہ تو نظرِ اول ہی کی تقلید ہو رہی ہے قرآن جبستان کیوں نہ بنے، جب لوگ جانتے ہیں کہ ہمارے سقیفہ کے ہادیوں نے ہمیشہ قرآن شریف کو نظر انداز کر دیا، جب قرآن کا حکم ان کی خواہش کے خلاف تھا تو ہم کیوں نہ اس کو اپنی سہولت کے مطابق چھوڑتے جائیں۔

دولت و ثروت کی فراوانی۔ فتوحات کے ساتھ دولت و ثروت کا زیادہ ہونا لازمی ہے جو فتوحات بتدریج آہستہ آہستہ ہوتی ہیں ان کا ایک یہ بھی فائدہ ہے کہ فاتح قوم رفتہ رفتہ اپنے تئیں بدلے ہوئے حالات کے مطابق کر لیتی ہے اور دولت کے جائز استعمال کرنے کی عادت پڑ جاتی ہے، برعکس اس کے اگر فتوحات سرعت کے ساتھ ہوئیں تو دولت و ثروت کی افراط اس ہی نسبت سے ہوگی اور بہت جلد ہوگی، ابھی وہ لوگ جو بالکل نادار تھے آج لکھ پتی ہیں کل تک روٹیوں کو محتاج تھے، آج اتنی دولت آ گئی کہ حیران ہیں کہ اسے کیا کریں دولت کے صحیح استعمال کے طریقے انہیں معلوم نہیں ہوتے، غریبی و مفلسی کی مصیبتیں دیکھی ہوئی ہوتی ہیں، سخاوت و فیاضی جو امیری کا زیور ہے اس سے وہ بالکل ناآشنا ہوتے ہیں ڈرتے ہیں کہ ہم نے اس دولت کو خرچ کر دیا تو پھر پہلے ہی جیسی مصائب سے دوچار ہونا پڑیگا، اب تک تو مصیبتیں اٹھائی ہیں لاؤ اب تو عیش و عشرت کر لیں اس طرح عیش و عشرت میں منہمک ہوتے ہیں کہ دنیا و مافیہا کی خبر نہیں رہتی، جس طرح مسلمان بادشاہوں اور امراء نے عیش و عشرت و شراب خواری کی بدعنوانیا

کی ہیں ان سے تاریخ کے صفحے بھرے پڑے ہیں بہت جلد عربوں میں سے محنت و جفاکشی کی عادت جاتی رہی تب مملکت کے ساتھ مسلمانوں میں دولت و ثروت کا رواج بڑھا اور غربت و مفلسی کو لوگ گری ہوئی نظروں سے دیکھنے لگے۔ اس سے ظاہر ہے کہ حضرت عمر نے حکم دیا تھا کہ غریب و مفلس آدمی قاضی مقرر نہ کئے جائیں چنانچہ عبداللہ ابن مسعود کو محض ان کی غربت کی وجہ سے عہدۂ قضا سے دور رکھا گیا۔ ص ۱۶۱۳ و ۱۶۱۶ کتاب ہذا۔ اس کا یہ جواب کافی نہ ہوگا کہ غریب آدمی کو رشوت لینے کی ترغیب زیادہ ہوتی ہے، حضرت شبلی خود لکھتے ہیں کہ حضرت عمر نے قاضیوں کی تنخواہ بہت زیادہ مقرر کی، آپ فرماتے ہیں: "تنخواہیں (قاضیوں کی) بیش قرار مقرر کیں کہ بالائی رقم کی ضرورت نہ ہو (الفاروق حصہ دوئم ص ۶۷) کیا خیال کیا جاسکتا ہے کہ باوجود اس کے عبداللہ بن مسعود جیسے صحابی پھر بھی رشوت لیتے، آگے چلئے جب خلیفہ کے انتخاب کی ضرورت ہوئی تو حضرت عمر نے چھ آدمی چنے جن میں سے پانچ نہایت دولتمند تھے حضرت علی کو تو شرما شرمی لینا پڑا۔ واقعات ایسے تھے کہ انہیں نظر انداز نہیں کر سکتے تھے۔ باقی پانچ یعنی حضرت عثمان عبدالرحمن بن عوف زبیر بن العوام طلحہ بن عبیداللہ اور سعد بن ابی وقاص سب صاحب دولت و ثروت تھے۔

حضرت عثمان تو مسلمہ طور سے امیرالامراء تھے۔ وہ تو عثمان غنی مشہور ہیں ان کے لئے تو کسی حوالہ کی ضرورت نہیں ہے۔ عبدالرحمن بن عوف کی دولتمندی کے متعلق حافظ ابن عبدالبر الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب میں صفحہ ۴۰۳ جلد دوئم پر لکھتے ہیں:۔

کان تاجراً مجدوداً فی التجارت	عبدالرحمن بہت بڑے تاجر تھے اور بہت
وکسب مالاً کثیراً و خلف الف	سا مال جمع کیا تھا، بوقت وفات ایک ہزار
بعیر و ثلاثہ آلاف شاۃ ومأۃ	اونٹ تین ہزار بکریاں اور ایک صد
فرس ترعی بالبقیع ۔ ۔ ۔ ۔	گھوڑے چھوڑے جو بقیع میں چرتے تھے ۔ ۔

وروی عنہ انہ اعتق فی یوم واحد ثلاثین عبدًا ولما حضرتہ الوفاۃ بکی بکاءً شدیدًا فسئل عن بکائہ فقال ان مصعب بن عمیر کان خیرًا منی توفی علی عہد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ولم یکن لہ ما یکفن فیہ وان حمزۃ بن عبد المطلب کان خیرًا منی لم نجد لہ کفنا	ایک دن میں انہوں نے تیس غلام آزاد کئے اور مرنے لگے تو مرتے وقت بہت روئے لوگوں نے اس رونے کا سبب پوچھا، انہوں نے جواب دیا کہ مصعب بن عمیر مجھ سے بہتر تھے ان کا انتقال زمانہ رسول خدا میں ہوا تھا، اور اتنا بھی نہ چھوڑا کہ ایک کفن کے لئے کافی ہوتا، حمزہ بن عبد المطلب مجھ سے بہتر تھے اور ہم کو ان کے لئے کفن نہیں ملتا تھا

مقابلہ کیا آپ نے جناب رسولخدا کے زمانہ کی غربت کا اور حضرت عمر کے زمانہ کی امیری کا۔

سعد بن ابی وقاص :- انہوں نے بہت سے اعلےٰ محل مدینہ کے قریب بنائے تھے، چنانچہ ایک عقیق کا محل تھا اور اس میں ہی ان کی وفات ہوئی۔ (الاستیعاب ص ۵۶۰ جلد دوم)

طلحہ بن عبید اللہ :- ان کی نسبت حافظ ابن عبد البر لکھتے ہیں :-

کانت غلۃ طلحۃ بن عبید اللہ الفا وافیا کل یوم والوافی وزنہ وزن الدینار۔ الاستیعاب جلد اول ص ۲۱۵۔	طلحہ بن عبید اللہ کی روزانہ آمدنی ایک ہزار دینار تھی۔

زبیر بن العوام۔ کان الزبیر تاجرا مجدودا فی التجارۃ وقیل لہ یوما بما ادرکت فی التجارۃ ما ادرکت فقال انی لم اشتر	زبیر بہت دولت مند تاجر تھا، ایک دن ان سے پوچھا کہ تجارت میں اس قدر مال تمہارے پاس کیونکر جمع ہوا، جواب دیا کہ میں تو نفع نہیں چاہتا تھا لیکن خدا

عینآ ولہ ارد دعا لہ اللہ یبارک لمن	برکت دیتا ہے جس کو چاہتا ہے ......
یشاء ...... کان للزبیر	...... زبیر کے ایک ہزار مملوک تھے
الف مملوک یؤدون الیہ الخراج	جو اس کو خراج ادا کرتے تھے۔

الاستیعاب جلد اول ص ۲۰۸ -

کیسی جلدی اسلام میں سرمایہ داری شروع ہو گئی، اور یہ سرمایہ دار جماعت ایسی بارسوخ تھی کہ حضرت عمر مجبور ہو گئے کہ ان میں ہی سے خلیفہ لیں۔ یہ عذر کہ میں ان کو اس لئے مقرر کرتا ہوں کہ جناب رسول خدا بوقت رحلت ان سے راضی تھے۔ ایک سیاسی عذر تھا، اس میں واقعیت ذرا نہ تھی، کیا تمام امت میں سے آنحضرت صرف ان چھ آدمیوں ہی سے راضی تھے، باقی سب سے ناراض تھے، عمار یاسر، ابوذر، عبداللہ ابن مسعود، عبداللہ ابن عباس، عبداللہ ابن جابر ان سب سے آنحضرت ناراض تھے، ان میں سوائے غریبی کے اور تو کوئی نقص نہ تھا، دراصل تو یہ بات تھی کہ یہ دولتمندوں کی جماعت تھی۔ حضرت عمر جانتے تھے کہ دولت مند لوگ اپنے جیسا ہی دولت مند خلیفہ مقرر کریں گے، علی جیسے غریب آدمی کا وہاں کیا موقعہ ہے، ان ہی لوگوں پر منحصر نہیں ہے، حکومت کے ہر ایک رکن کے پاس اتنی ہی دولت کی فراوانی تھی۔ مغیرہ ابن شعبہ کی نسبت علامہ ابن البر لکھتے ہیں۔

عن ابن نافع قال احصن المغیرۃ	ابن نافع کہتے ہیں کہ مغیرہ ابن شعبہ نے
بن شعبہ ثلاث مائۃ امرأۃ	اسلام میں داخل ہونے کے بعد تین صد
فی الاسلام قال ابن وضاح غیر	عورتوں سے نکاح کیا ابن وضاح کہتا ہے
ابن نافع یقول الف امرأۃ۔	کہ ابن نافع نے کم بیان کیا اس نے ایک
ابن عبد البر۔ الاستیعاب الجزء الاول	ہزار عورتوں سے نکاح کیا۔

ص ۲۵۹ ترجمہ مغیرہ ابن شعبہ۔

اس کی ثروت و دولتمندی و عیش و عشرت کا اچھی طرح اندازہ ہو سکتا ہے جو

ایک ہزار عورتوں سے نکاح کرتا ہی، طلاق دیتا ہے مہر ادا کرتا ہی۔

فتوحات و دولت و ثروت کے یہ نتیجے تھے، اور جب دشمنانِ اسلام بغرض تعریض و نکتہ چینی یہ کہتے ہیں کہ تمہارے اسلام میں امپیریلزم ہے، بے جا ہوسِ ملک گیری ہی تو اس اعتراض کو غلط ثابت کرنے کے لئے جناب رسولِ خدا کے جہادوں کا حوالہ دیتے ہیں کہ وہ محض دفاعی تھے، یہ تو وہی بات ہوئی کہ کوئی کہے کہ تو کانا اور وہ جواب دے کہ نہیں، میرے باپ کی تو دونوں آنکھیں ہیں، بات یہ ہے کہ اگر حضرات شیخین کی جنگوں کا ذکر کرتے تو یہ اعتراض اور قوی ہو جاتا تاہم دعوے سے کہتے ہیں کہ حکام سقیفہ کے معرکوں اور یورشوں سے سوائے امپیریلزم اور ہوس ملک گیری کے اور کچھ ظاہر نہیں ہوتا، ورنہ یہ لوگ بتائیں کہ کس عذر معقول پر حضرت ابوبکر نے خالد ابن ولید کو حکم دیدیا کہ تم اُدھر سے اُدھر ہی ایران پر حملہ کرتے کرتے روم کی طرف چلے جاؤ ابھی مانعین زکوٰۃ کی جنگ سے واپس ہو کر مدینہ بھی نہیں پہنچے تھے کہ یہ حکم ان کو مل گیا، فتوحات و امپیریلزم کا نتیجہ دولت کی فراوانی ہوتا ہے اور جب دولت بڑھ جاتی ہی تو دولت مندوں کا اثر و رسوخ بھی بڑھ جاتا ہی اور وہ حکومت کو اپنے زیر اثر کر لیتے ہیں، چنانچہ دولت کی فراوانی نے علم و زہد کی بے قدری شروع کر دی، اور حضرت عمر پر اس کا اتنا اثر پڑا کہ اصحاب شوریٰ میں سوائے حضرت علی کے سب امیر الامراء ہی تھے، اور حضرت عمر یہ حکم دینے پر مجبور ہو گئے، کہ کوئی غریب آدمی قاضی مقرر نہ کیا جائے۔ باوجود کوشش کے اس ہی وجہ سے عبداللہ ابن مسعود کو یہ عہدہ نہ ملا۔

علامہ جرجی زیدان لکھتے ہیں۔

"کچھ عرصہ کے بعد جب کہ لوگوں کے دلوں سے عہد نبوت کا رعب و جلال گھٹ چلا تو انسانی فطرت نے ان کو مغلوب کر لیا، اور وہی مسلمان جو دولت مندی سے نفرت کرتے تھے مال و زر جمع کرنے کے

شائق بن گئے، اور بعض ان میں بڑے بڑے مالدار ہو گئے......
ایک بار ۲۷ھ ہجری میں اسلامی افواج نے بماتحتی عبداللہ بن سعد کے جو حضرت عثمان کے رضاعی بھائی تھے، افریقہ کا ملک فتح کیا تو دو لاکھ پچاس ہزار دینار مال غنیمت میں حاصل ہوئے، عبداللہ بن سعد نے اس کا خمس بجائے بیت المال میں داخل کرنے کے مروان بن حکم کو بخشدیا اور اپنی لڑکی اس کے عقد میں دیدی، اس کے علاوہ عثمان نے عاملوں سے حساب فہمی کا قاعدہ توڑ دیا، اس لئے اکثر عاملوں کو جو ان کے رشتہ دار بھی تھے دل کھول کر زرومال جمع کرنے کا موقعہ مل گیا، خاص کر معاویہ بن ابی سفیان نے جو ملک شام کے عامل اور بڑے بلند نظر اور عالی حوصلہ شخص تھے بے شمار دولت فراہم کرلی اور سب سے پہلے عمر کے اس قاعدہ کو جو مسلمانوں کو اراضیاں خریدنے اور زراعت کرنے سے باز رکھنے کے بارہ میں تھا انہی نے توڑا......
معاویہ کو ملک شام کی حکومت پر استقرار ہوا تو انہوں نے شان حکومت اور نمائش جاہ و جلال میں رومیوں کی پیروی کی، اپنے حشم و خدم میں بہت سے لوگ بھرتی کئے اور اس قدر سامان ریاست درست کیا کہ ان کی آمدنی صرف کے لئے ناکافی ہو گئی، اور مقرر تنخواہ میں بسر کرنا مشکل پڑ گیا، عثمان کو کمزور حکمران پاکر معاویہ نے ان کو لکھا کہ میری تنخواہ مصارف کے لئے ناکافی ہے...... اس تمہید سے حسن طلب کا موقعہ ثابت کرکے ان اراضیوں کی نسبت جو بیت المال پر وقف تھیں یہ لکھا کہ ان کا کوئی خاص مالک نہیں ہے اور نہ وہ ذمی لوگوں کی ملک ہیں، نہ ان پر کسی قسم کا خراج مقرر ہے، اس قدر تفصیل کے بعد اپنا مدعا یوں لکھا کہ اگر آپ حکم دیں تو میں انہیں اپنی جاگیر میں لے لوں۔

حضرت عمر نے معاویہ کو ملک شام کا عامل مقرر فرمایا تھا اور ان کی تنخواہ سالانہ ہزار دینار قرار دی تھی جو اس وقت کے دوسرے عاملوں کے مقابلہ میں بہت زیادہ تھی، اب حضرت عثمان کے عہد میں انہوں نے موقوفہ آراضیوں کو اپنی جاگیر بنانے کی خواہش کی جسے خلیفہ ممدوح نے منظور کر لیا، اس شرح پر معاویہ نے ان زمینوں پر قبضہ کر کے اپنے کنبہ کے نادار لوگوں کو بلا حق انتقال تقسیم کر دیا، اس بات سے ان کو یہ جرأت بھی پیدا ہو گئی کہ وہ جائداد اور علاقہ خریدیں چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا اور ان کو صرف اپنی ذات تک محدود نہیں رکھا بلکہ خلافت پر مستقل ہونے کے زمانہ میں مسلمانوں کو عام طور پر اس کی اجازت دیدی کہ وہ آزادی کے ساتھ آراضیاں خریدیں۔

امیر معاویہ کی پیروی میں دوسرے صوبجات کے عاملوں نے بھی علاقے خرید کرنے شروع کئے۔ اور تمام صحابہ نے املاکیں اور جائدادیں مول لے لیں جنمیں حضرات طلحہ، زبیر، سعد اور یعلی وغیرہ جیسے اعلےٰ درجہ کے صحابی بھی شامل تھے اور اُن کی دولتمندی روز افزوں ترقی کرتی گئی۔ یہاں تک کہ خود خلیفہ عثمان بن عفان نے بھی بہت بڑا حصہ زمینوں کا خرید فرمایا اور بے شمار مال و زر جمع کیا، چنانچہ ان کی شہادت کے بعد ان کی خزانچی کی تحویل میں ایک لاکھ پچاس ہزار دینار اور دس لاکھ درہم نقد موجود نکلے۔ اور وادی القریٰ اور حنین وغیرہ میں ان کی جو آراضیاں تھیں ان زمینوں کی قیمت ایک لاکھ دینار تک تخمینہ کی گئی، اثاث البیت اور اونٹ گھوڑے اسکے علاوہ تھے، اس بات سے قیاس ہوتا ہے کہ حضرت عثمان چونکہ خود بہت بڑے مالدار شخص تھے۔ لہٰذا

انہوں نے اس بارہ میں مسلمانوں کی کوئی روک تھام نہیں کی اور
اسکے سوا ان کے عزیزوں خاص کر امیر معاویہ بن ابی سفیان نے
انہیں اور بھی دولت کے جمع کرنے پر آمادہ کیا اور اس کے بعد سے
مسلمانوں کے یہاں زمیندار یاں خریدنا معمولی اور رواجی امر ہو گیا
امیر معاویہ کو حصول خلافت کی بڑی تمنا تھی، مگر وہ اس
بات کو جانتے تھے کہ موجودہ حالت میں خلافت کے ایسے دعویدار
موجود ہیں جو قرابت نبوی اور سبقت ایمانی کو اپنے دعوے کی تائید
میں پیش کریں گے، لہذا انہوں نے روپے کی امداد سے اپنے طرفداروں
کی ایک قوی جماعت فراہم کرنے کی سعی کی، اور اس کے لئے انہوں
نے بافراط زر و مال خرچ کرنا اور اس کی فراہمی میں ان کو کئی قسم
کی تدبیروں سے کام لینا پڑا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ مال کی قوت
کے سامنے تمام قوتیں ہیچ ہو جاتی ہیں، ابتدائے آفرینش عالم سے
اس وقت تک دنیا کے تمام بڑے بڑے کاموں کی بنیاد یہی مالی
قوت رہتی آئی ہے اور اسی محور پر تمدن دنیا گردش کرتی رہتی ہے۔
کوئی جنگ یا صلح، مخالفہ یا معاہدہ، اور فتح یا محاصرہ ایسا نہیں ہوتا جس
کی تحریک پیدا کرنے والا "مال" کے علاوہ کوئی دوسرا امر ہو۔ امیر معاویہ
نے بھی اسی قاعدہ پر عمل کیا، اور بے دریغ روپیہ صرف
کر کے عرب کے نامور پولٹیکل لوگوں کی ایک عمدہ
جماعت اپنے قابو میں کر لی، اور ان سے اپنے منشا
کے مطابق کام لیا، ان لوگوں نے اپنی مدبرانہ قوت
اور تلواروں سے معاویہ کی پوری مدد کی، اور جنگ
صفین کے بعد ان کو خلیفہ بنا بھی دیا، گویا بالآخر شہریہ
منصب معاویہ کو اسوقت ملا جبکہ امام علی سنہ ۴۰ ہجری میں شہید

اور ان کے خلف اکبر حضرت امام حسن نے منصب خلافت سے کنارہ کشی کر کے اس بار کو معاویہ کے سپرد کر دیا، اگرچہ یہ سب مرحلے طے ہو گئے۔ لیکن عام مسلمانوں کا خیال یہی رہا کہ معاویہ نے روپے کی طاقت سے خلافت حاصل کی ہے، چنانچہ امام زین العابدین جو امام علی کے پوتے تھے انہوں نے ایک بار صریح لفظوں میں اس بات کو کہا تھا کہ امیر معاویہ علی کے ساتھ روپے کے ذریعے سے لڑتے تھے۔ خاندان بنو امیہ کے دوسرے حکمرانوں نے بھی معاویہ کی پیروی کی اور خاندان بنو ہاشم کے ان لوگوں سے مقابلہ کرنے میں جن کو خلافت کا دعویٰ تھا یا خارجی لوگوں سے جنگ کرنے میں مال و دولت ہی کو اپنا آلہ اور سپر بنایا، اسی لئے ان کو دولت جمع کرنے بلکہ اس کے ہر ایک مناسب اور نامناسب طریقے سے ہاتھ میں لانے کی فکر پیدا ہوئی اور جیسا کہ آئندہ بیان سے معلوم ہوگا، وہ یہی کرتے رہے۔

خلفائے راشدین کے عہد میں مسلمانوں پر دولت جمع کرنا حرام تھا۔ مگر یہ حرمت زیادہ عرصہ تک قائم نہیں رہی اور فی الواقع رہ بھی نہیں سکتی تھی۔ کیونکہ اس قاعدہ کا بقا حضرت عمر بن الخطاب کے وجود کا پابند تھا، یا کسی ایسے شخص کا طالب تھا جو عادات اور اطوار میں ان ہی کا نظیر ہوتا، اسی کے ساتھ یہ بات بھی شرط تھی کہ اہل عرب کی بدوی فطرت بھی برقرار رہتی جو اصولِ عمران کے منافی ہے اسی لئے عرب کا رومیوں اور فارسیوں سے میل جول ہوتا، ان کے دلوں میں دولتمندی اور عیش و عشرت کا تخم بو گیا، اور بنو امیہ کو دولت کے ذریعہ سے اپنی کامیابی کا منہ دیکھنا، ان کے دلوں میں بیشمار دولت فراہم کرنے کی خواہش کا پیش خیمہ بن گیا اور وہ اس خیال سے بہت جلد متاثر ہوئے۔ .... بنو امیہ کے بعض عمال جن کے ظلم و ستم اور پولیٹیکل چالوں کی ایک زمانہ میں دھوم مچی تھی۔ ...در اصل وہ عمر کی پیروی

کے شائق تھے، لیکن ان سے لغزش ہو گئی، اور وہ بجائے عادل وحق شناس بننے کے ظالم و ناخدا ترس ہو گئے، بعض مورخین کی رائے ہے کہ

"زیاد بن ابیہ" نے انتظامی قابلیت، دور اندیشی اور حسن سیاست میں عمر کی اقتدا کرنی چاہی مگر وہ حد سے باہر نکل گیا، اور حجاج بن یوسف نے زیاد کی پیروی کرنے کا قصد کیا، لیکن وہ بھی اعتدال کے دائرہ سے خارج ہو گیا، اور بجائے عادل وحق پسند ہونے کے ظالم و سفاک بن گیا۔

(اردو ترجمہ تمدن اسلام جرجی زیدان حصہ دوم ص ۱۶۰، جس میں ابن خلکان جلد اول ص ۲۴۲ کا حوالہ ہے)

اس تحریر سے مسلمانوں میں دولت کی فراوانی و سرمایہ داری اور ان کے عیوب ثابت ہونے کے علاوہ یہ بھی اچھی طرح ثابت ہو گیا کہ بنوامیہ کے وہ عمال جن کے ظلم و ستم اور پولیٹکل چالوں کی ایک زمانہ میں دھوم مچی ہوئی تھی وہ در اصل حضرت عمر کی پیروی کرتے تھے، زیاد بن ابیہ نے انتظامی قابلیت، دور اندیشی اور حسن سیاست میں عمر کی اقتدا کرنی چاہی مگر وہ حد سے باہر نکل گیا۔ حد سے باہر نکلنے کے یہ معنی ہوئے کہ جو احتیاط سے کام کرنا اور اپنے دل کی حالت کو چھپائے رکھنا حضرت عمر کا خاصہ تھا وہ زیاد ابن ابیہ نہ پیدا کر سکا، حد سے زیادہ نکلنا معنی رکھتا ہے کہ حضرت عمر اور زیاد ابن ابیہ کی سیاست اور دور اندیشی تھی تو ایک ہی قسم کی، ذرا مقدار میں فرق تھا، اپنی دور اندیشی کی وجہ سے حضرت عمر نے بنوہاشم کو ہمیشہ دبائے رکھا، اسی دور اندیشی کی وجہ سے زیاد نے بہت سے شیعیان علی کو جو کوفہ میں تھے چن چن کے نکالا اور مارا، پولیٹکل چالوں کا لفظ خاص طور سے قابل غور ہے، لغزش کیا ہو گئی۔ صرف اتنا فرق تھا کہ حضرت عمر کا زمانہ آنحضرتؐ کے زمانہ کے قریب ہونے کی وجہ سے اس امر کا مقتضی تھا کہ ہر ایک کام احتیاط سے کیا جائے اور پولیٹکل چالوں کے اصل مقصد کو چھپایا جائے بنوامیہ کے جابروں نے خیال کیا کہ ہم بہت مضبوط اور محفوظ ہو گئے ہمیں اس احتیاط کی ضرورت نہیں ہے۔

سرمایہ داری اور اس کا رسوخ کس حد تک بڑھ گیا تھا، اور رغبوں اور

نیک لوگوں کے لئے یہ فضا کیسی خراب ہو چکی تھی ۔حضرت ابوذر کے واقعہ سے ثابت ہے۔یہ بھی ہم علامہ جرجی زیدان کی زبانی سناتے ہیں ۔

"وہ (ابوذر) ملک شام کے دولتمندوں کو کہا کرتے تھے کہ فقراء کی خدمت اور مسکینوں کی امداد کرو..... ابوذر نے اپنے اس خیال کا اس قدر اعلان کیا تھا کہ فقیروں کو ایک سند ہاتھ آگئی اور انہوں نے امراء اور اہل دولت کو امداد دینے پر مجبور بنالیا..... یہاں تک کہ دولت مند لوگوں نے تنگ ہو کر امیر معاویہ سے اس بات کی شکایت کی، امیر معاویہ خود بھی ابی ذر سے بہت ناراض تھے، کیوں کہ وہ ان کو بھی کئی بار مال وزر جمع کرنے کی نسبت لعنت ملامت کر چکے تھے۔چنانچہ جس وقت امیر معاویہ نے شہر دمشق میں قصر خضرا کا شاندار محل بنوایا تو اس کی تیاری کے بعد ابوذر سے بطور داد چاہنے کے دریافت کیا کہ آپ کے خیال میں یہ عمارت کیسی بنی ہے ،جس کے جواب میں ابوذر نے کہا" اگر تم نے اس کو خدا کے مال سے بنوایا ہے تو تم بددیانتی کے مرتکب ہوئے ہو، اور اپنی ذاتی دولت اس پر صرف کی ہے تو فضول خرچی کے مرتکب ہوئے امیر معاویہ ان کی اس ناگوار تعریف سے دل میں بہت رنجیدہ ہوئے، بظاہر تو کچھ نہیں کہا لیکن اندرونی طور پر ان کے قانونی شکنجہ میں لانے کی فکر رکھنے لگے ، اسی لئے انہوں نے ابوذر کے پاس ایک مرتبہ ہزار دینار رات کے وقت اس خیال سے بھیجے کہ وہ اس وقت ان کو صرف نہیں کر سکیں گے اور صبح کو میں انہیں الزام دوں گا، مگر ابی ذر نے اپنی عادت کے موافق وہ سب روپیہ اسی وقت غریبوں اور مستحق لوگوں کو بانٹ دیا، صبح کو امیر معاویہ کے قاصد نے آکر ان سے کہا:" جناب میں غلطی سے وہ دینار آپ کے پاس لے آیا تھا اب امیر معاویہ انہیں واپس مانگتے ہیں"؛ ابی ذر نے جواب دیا "بیٹے تو وہ سب روپیہ اسی وقت تقسیم بھی کر دیا"، قاصد یہ جواب

لے کر پلٹ گیا، اور امیر معاویہ اپنے ارادہ میں ناکام رہنے سے بہت شرمندہ ہوئے اب انہوں نے الزام کا موقعہ نہیں پایا تو ابی ذر پر نقض امن کا الزام قائم کیا اور خلیفہ عثمان بن عفان کو ان کی شکایت میں لکھا کہ "ابی ذر کی وجہ سے تمام ملک شام کے لوگ آپ کے دشمن ہو رہے ہیں" اس شکایت نامہ کو پڑھ کر خلیفہ ممدوح نے فوراً یہ حکم تحریر کیا کہ ابی ذر کو ننگی کاٹھی پر سوار کر کے مدینہ منورہ میں بھیج دو۔ غرضکہ جب وہ اس حالت سے مدینہ پہونچے تو خلیفہ نے ان سے جواب طلب کیا، مگر ابی ذر نے اپنی سچائی کے زعم میں ان کے حکمران ہونے کی کچھ بھی پروا نہیں کی اور صاف صاف لفظوں میں بنو امیہ کے ظلم و ستم اور دائرۂ حق سے خارج ہونے کی حالت بیان کر دی، عثمان نے ان کی باتوں پر بھی خیال نہ کیا، اور انہیں مدینہ سے نکلوا دیا، اور حکم دیا کہ وہ "ربذہ" نامی ایک مقام کو جلاوطن کر دئے جائیں چنانچہ وہ اپنے آخر وقت تک وہیں رہے

جرجی زیدان اردو ترجمہ تاریخ تمدن اسلامی حصہ دوم ص ۱۵

یہ ہے اس حکومت الٰہیہ کا نقشہ جو حکام سقیفہ نے آنحضرت صلعم کے انتقال کے بعد قائم کی تھی، جس میں مکر اور جھوٹ اس طرح رائج تھا جیسا کہ ذکر ہوا۔ اس حکومتِ الٰہیہ میں عدل و فقہ فاروقی کا بہت ذکر آتا ہے وہ بھی ملاحظہ کیجئے۔

عدل و فقۂ فاروقی ابو المختار یزید بن قیس نے ایک قصیدہ کے ذریعے سے حضرت عمر کے عاملوں کی شکایت کی اور کہا کہ آپ ان عاملوں کا نصف نصف مال لے لیں حضرت عمر نے بغیر تحقیقات کئے ہوئے اور عاملوں کا بیان لئے ہوئے:۔

"ان عاملوں کے پاس اپنا اپنا نصف مال بیت المال میں داخل کرنے کا حکم بھیجا، اور ایک ایک جوتا تک بٹوا لیا، انہوں نے صرف عاملوں ہی کی دولت کا حصہ لینے پر اکتفا نہیں کی، بلکہ ان کے بھائیوں کی دولت میں سے بھی حصہ لے لیا جس پر ان لوگوں نے اعتراض کیا اور ایک

شخص نے مرتے ہوئے یہ کہا کہ میں آپ کو کچھ نہیں دوں گا....... آخر اس سے دس ہزار دینار وصول کر ہی لئے۔

حضرت عمر کا یہ طریقہ معاویہ نے بھی اپنے عاملوں کے ساتھ ہوتا۔ جب ان کا کوئی عامل مرجاتا تو وہ اس کے وارثوں سے اس کی نصف دولت لے لیا کرتے اور کہتے "یہ عمر کی سنت ہے کچھ میری ایجاد نہیں"۔ پھر بتدریج وہ رعایا کی دولت پر بھی ہاتھ صاف کرنے لگے۔

(اردو ترجمہ تاریخ تمدن اسلامی جرجی زیدان حصہ دوئم ص ۲۵)

ولم یکن للمسجد الحرام علی عہد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم وابی بکر جدار یحیط بہ فلما استخلف عمر بن الخطاب وکثر الناس وسع المسجد واشتری دورا فھدمھا وزادھا فیہ وھدم علی قوم من جیران المسجد ابوا ان یبیعوا ووضع لھم الاثمان حتی اخذوھا بعد واتخذ للمسجد جدارا قصیرا دون القامۃ فکانت المصابیح توضع علیہ فلما استخلف عثمان بن عفان ابتاع منازل وسع المسجد بھا واخذ منازل اقوام ووضع لھم الاثمان

زمانہ جناب رسولخدا اور ابی بکر میں مسجد حرام کی چاردیواری نہیں تھی جب حضرت عمر خلیفہ ہوئے اور لوگوں کی کثرت ہو گئی، تو انہوں نے مسجد کے نزدیک کے گھر خرید کران کو گرادیا چند لوگ مسجد کے ہمسایہ میں ایسے تھے جنہوں نے اپنے مکانات فروخت کرنے سے انکار کر دیا، اس پر حضرت عمر نے جبراً ان کے مکانات پر قبضہ کر کے انہیں گرادیا، اور ان کی قیمت جو حضرت عمر کے اپنے خیال کے مطابق تھی جمع کر دی یہاں تک کہ عرصہ کے بعد ان لوگوں نے مجبوراً وہ روپیہ لے لیا، علاوہ اس کے انہوں نے مسجد کے گرد ایک نیچی دیوار قدآدم سے بھی نیچی بنوادی اس پر چراغ رکھے جاتے تھے جب حضرت عثمان خلیفہ ہوئے تو انہوں نے بھی چند مکانات خرید کر مسجد کی توسیع کی یعنی بہت سے مالکان مکانات

فضجوابہ عند البیت فقال انما جراء کم علی حلمی عنکم ولیس لکم لقد فعل بکم عمر مثل ھذا فاقررتم ورضیتم ثم امر بہم الی الحبس امام ابو الحسن البلاذری:- فتوح البلدان ص ۵۸- نیز دیکھو The origins of the Islamic state by Philip Khuri Hitti. p. 73-74-

نے جن کے مکانات ان کی مرضی کے خلاف گرائے تھے بہت اعتراض کیا اور خانہ کعبہ کے نزدیک آن کر فریاد کی، حضرت عثمان نے کہا کہ میری نرمی و رحمدلی کی وجہ سے تم کو یہ جرأت ہوئی ورنہ عمر نے بھی ایسا ہی کیا تھا، لیکن اسوقت تم لوگ خاموش رہے اسکے بعد انہوں نے حکم دیا کہ ان سب کو قید کردو چنانچہ وہ قید کردیے گئے

یہ ہیں نمونے اس حکومت الہیّہ کے عدل کے جو آنحضرت ؐ کے بعد قائم ہوئی تھی، اور جو ظلم کرتا ہے وہ حضرت عمر کے طرز عمل کا حوالہ اپنی بریئت کے لئے ضرور دیتا ہے، کیا فرماتے ہیں علمائے دین اور مفتیان شرع مبین اس مسئلہ میں کہ ایسی حالت میں اس توسیع شدہ مسجد کے اندر نماز جائز ہے یا نہیں، حضرت شبلی تو خوشی کے مارے اچھل پڑیں گے کہ دیکھو حضرت عمر کی ذہن رسا اور فکر فلک پیما کی رفعت شان، یورپ سے صدیوں پہلے انہوں نے Land acquisition act کے اصول معلوم کر لئے، ہم تو پہلے ہی قائل ہیں کہ یورپ کی ہوشیاریوں کے حضرت عمر موجد ہیں، ہاں حکومت الہیّہ کے اندر مسجدیں اس طرح نہیں بنا کرتیں۔

خلافت کی امید واقعات سقیفہ اور شوریٰ کا سب سے زیادہ خطرناک نتیجہ یہ ہوا کہ ہر کس و ناکس کے دل میں خلافت حاصل کرنے کی خواہش پیدا ہو گئی۔ جب افضلیت اور انتخاب رسول معیار خلافت نہ رہے، تو باقی ذرائع جن سے اب تک خلافت حاصل کی گئی تھی ہر ایک شخص استعمال کر سکتا تھا، جب ہی تو حضرت عمر کو یہ

تنبیہ کرنے کی ضرورت پڑی کہ دیکھو، خلافت ابی بکر ایک جلدی کا کام شیطان کا تھا جس میں بہت سی برائیاں تھیں لیکن خدا نے ان برائیوں سے ہمیں بچا لیا مگر آئندہ کوئی شخص ایسا طریقہ اختیار کریگا تو اس کو اور اس کے نامزد خلیفہ کو قتل کر دیا جائیگا دیکھا آپ نے سقیفہ میں خلیفہ منتخب کرنے کا جو طریقہ اختیار کیا گیا تھا وہ ایسا بُرا تھا۔ طلحہ وزبیر وامیر معاویہ کے دل میں ان ہی واقعات نے خلافت کی طمع پیدا کر دی تھی جس کا نتیجہ جنگہائے جمل وصفین ہوئے، امیر معاویہ کو جب یزید کے نامزد کرنے پر حضرت عائشہ وغیرہ نے اعتراض کیا تو اس نے جواب دیا وہ ان کو لاجواب کرنے کے لئے کافی تھا، اس نے کہا کہ اگر حضرت ابوبکر اپنا جانشین حضرت عمر کو مقرر کر سکتے ہیں تو میں یزید کو کیوں نہیں مقرر کر سکتا، اس کا یہ جواب تو بہت ناقص ہوگا کہ ابوبکر نے تو ایک غیر کو مقرر کیا تھا، دیکھنا تو یہ ہے کہ خلیفہ مقرر کرنے کا کیا طریقہ استعمال کیا، کس کو خلیفہ مقرر کیا، یہ اور بات ہے۔ موجودہ حکمراں سے رشتہ داری ہونی کسی کے لئے باعث سزا تو نہیں ہو سکتی، خیر حکام سقیفہ کی ناستی ہیں یہ سلسلہ اسی طرح آگے چل پڑا یہاں تک کہ سلطان سلیم نے خلافت کو خرید لیا اور مصطفےٰ کمال پاشا نے ختم کر دیا۔

حکومت اور وجاہت دنیوی کی لاانتہا طمع اور اس کے لئے سب کچھ قربان کر دینا

کارکنان سقیفہ نے اپنے رسول کی آخری خدمت کو ترک کر دیا، وہ خدمت جو ادنیٰ ترین مسلمانوں کے لئے تمام مسلمانوں پر واجب ہے اور اس وجہ سے ترک کیا کہ حکومت ووجاہت دنیوی حاصل کریں۔ یہ کہنا کہ نصب خلیفہ دفن وکفن رسول سے زیادہ اہم وضروری تھا محض لوگوں کی آنکھوں میں خاک ڈالنا ہے، کس حکم قرآنی سے؟ کس حکم رسول سے؟ اور اگر ضروری بھی تھا تو دفن وکفن رسول میں دیر ہی کتنی لگتی۔ اس کو جلدی جلدی سے کر لیتے اور پھر سقیفہ کی طرف چلے جاتے۔ لیکن خرابی یہ تھی کہ پھر تو علی بھی وہاں جانے کے لئے فارغ ہو جاتے، ورنہ اس عجلت

کی کیا ضرورت تھی، سر پر دشمن کی فوج تو کھڑی ہوئی نہیں تھی کہ اُدھر رسول کی آنکھ بند ہوتی اور اُدھر وہ حملہ کر دیتی، اور اگر ایسی کوئی فوج ہوتی بھی تو اس کے حملے کے لئے تو وہ وقت زیادہ مناسب تھا کہ جب آنحضرت قریب المرگ تھے، نہ خود کسی مہم کا انتظام کر سکتے تھے اور نہ کوئی ان کا خلیفہ مقرر ہو سکتا تھا۔
اور مسلمان اس عظیم الشان واقعہ میں مبتلا ہوتے، اس طرز عمل کا یہ عذر بھی قابل پذیرائی نہ ہو گا کہ اگر یہ اصحاب ثلاثہ سقیفہ میں وقت پر نہ پہنچ جاتے تو انصار اپنا خلیفہ مقرر کر سکتے، کیونکہ (۱) اس جگہ ہماری بحث کارکنان سقیفہ کے متعلق ہے۔ اصحاب ثلاثہ ہوں کہ ان کے بھائی انصار اور (۲) اگر فرض کر لیا جائے کہ انصار میں سے کوئی خلیفہ مقرر کر لیا جاتا تو کیا غضب آجاتا۔ جب اہل بیت رسول سے اعراض کرنا ہی مطلوب تھا تو پھر سعد ابن عبادہ اور ابو بکر ابن قحافہ میں کچھ فرق نہ تھا، اب انصار نے صبر کر لیا، تب مہاجرین صبر کر لیتے، یہ طرز عمل اور بھی زیادہ ناموزوں نظر آتا ہے، جب ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت علی و دیگر بنو ہاشم واہلبیت پر اپنے رسول اور محسن کی موت کا وہی غم ہوا جو ہونا چاہئیے تھا، اور انہوں نے خلیفہ سازی کی طرف رُخ نہ کیا، کیا یہ نتیجہ نکالنا مقصود ہے کہ حضرت علی کو اسلام سے اتنی محبت نہ تھی جتنی انصار اور اصحاب ثلاثہ کو، لیکن اس کو کون مانے گا۔
ممکن ہے یہ کہا جائے جو مولوی شبلی نے کہا ہے کہ حضرت علی کو علم تھا کہ یہ لوگ مجھے منتخب نہ کرینگے، لہٰذا وہاں نہ گئے، لیکن یہ بحث بالکل بے جان ہے۔ حضرت علی کو انصار کے ساتھ صرف چند سالوں سے تعلق تھا، اتنے عرصہ میں حضرت علی اور انصار کے مابین دشمنی کے کیا وجوہات پیدا ہو گئے تھے، مولوی شبلی صرف اتنا کہہ سکتے ہیں کہ قریش کے ساتھ حضرت علی کے تعلقات پیچ در پیچ تھے۔ انصار کا ذکر انہوں نے بھی نہ کیا بلکہ اگر حضرت علی بھی ان کی طرح اپنے فرائض کو نظر انداز کر دیتے تو ان سے پہلے سقیفہ پہنچ کر اپنے تئیں خلیفہ بنوا لیتے، کارکنان سقیفہ اور حضرت علی کا طرز عمل ایک دوسرے سے اتنا متضاد ہے کہ اگر ایک صحیح ہے تو

دوسرا غلط ، اور اگر ایک دین کے لئے ہے تو دوسرا دنیا کے لئے۔

کارکنان سقیفہ کے طرز عمل سے جو سبق نکلتا ہے وہ صاف ہے حکومت دنیاوی وجاہت ہی ہی جو کچھ ہے اور اسکے لئے ہر ایک شے قربان کی جاسکتی ہے ، چنانچہ اس سبق سے متاثر ہو کر جماعتِ حکومت کے مفکرین اس ہی نتیجہ پر پہونچے ہیں اور جن کو اپنے اعتقاد کے بموجب حق کہنے سے ڈر نہیں لگتا ، انہوں نے صاف صاف کہہ بھی دیا ہے — علامہ عنایت اللہ مشرقی اپنے تذکرہ میں لکھتے ہیں :-

> خود نبی آخر الزماں علیہ الصلوٰۃ والسلام کا واحد مطمح نظر روئے زمین پر غلبہ حاصل کرنا اور امتِ عرب کو بقا و دوام کے معراج پر پہنچانا تھا یہی ان کے مبعوث ہونے کی واحد اور صحیح غرض تھی - نہیں بلکہ اسی غالب ہو کر رہنے کے علم کو حاصل کر کے اس پر عامل ہو جانا ، عین اسلام اور عین دین بلکہ تمام اسلام اور تمام مذہب تھا -
> سرور کائنات اگر کوئی پیغام بشارت اپنی قوم کے لئے لائے تو یہی یُمَتِّعْكُمْ مَتَاعًا حَسَنًا کا لائے
>
> (تذکرہ : دیباچہ ، ص ۱۷ ، ۲۷)

دیکھا ! آنحضرت ؐ کے مبعوث ہونے کا بس یہی ایک مقصد تھا کہ عرب قوم کو تمام دنیا پر غلبہ دلائیں ، یہی ان کا اسلام تھا ، یہی ان کا مذہب ، امتِ عرب اور روئے زمین پر غلبہ حاصل کرنا یہ دو جملے قابلِ غور ہیں جسمانی غلبہ و قہر عرب قوم کے لئے حاصل کرنا ، آنحضرت کا واحد مطمح نظر تھا - یہ ہے نہایت خراب درجہ کا Imperialism لیکن یہی طرزِ عمل تھا حکام سقیفہ کا جس کو آج علامہ موصوف آنحضرت ؐ کے سر تھوپ رہے ہیں - آگے چل کر فرماتے ہیں :-

> الغرض جہاں کسی قوم میں قوت اور زور ہے امن اور قیام ہے موت

اور ہلاکت میں بہت کچھ ڈھیل ہے، وہیں توحید باقی ہے، وہیں صحیح معنوں میں میری عبادت ہو رہی ہے۔ میرے قانون پر سچا عمل ہے، میرے آئین کا صحیح علم ہے۔ میری منشاء کی سچی درک ہے۔ میری صحیح معرفت ہے، وہیں صراط مستقیم ہے، وہیں اسلام ہے وہیں محمد پر سچا ایمان ہے .... اب محمد کی امت کو ہلاک کرنے میں مجھے کیا شرم ہے یا منہ سے تین خدا کہنے والی لیکن توحید پر عمل کرنے والی امت کو زد و فرد کرنے میں کیا عار ہے۔ ......

اس کشت زار سعی و عمل کے اندر نہ اعتقادی بت پرستی کوئی بت پرستی ہے نہ قولی خدا پرستی کو عبودیت کہہ سکتے ہیں، نہ منہ کی بکواس کر لینے سے اس کی شان کم ہو سکتی ہے، نہ زبان سے خدا خدا کرنے سے اس کی عزت بڑھا سکتے ہیں ...... اب زمین و آسمان کا محکمہ قضا و قدر اقوال سے خدا بے نیاز ہے، وہ آج اسی قوم کی قوت بڑھا رہا ہے جو متحد ہے اسی کو ملک بخش رہا ہے اسی پر یُرۡسِلِ السَّمَآءَ عَلَیۡکُمۡ مِّدۡرَارًا کا محاکمہ عائد ہے نہیں منہ سے خدا پرست اور بے عمل مسلمانوں سے چھین چھین کر دے رہا ہے۔ مسیح کو ابن اللہ کہنے والی با عمل قوم کو دے رہا ہے تینتیس کروڑ دیوتاؤں کو ماننے والوں کو دے رہا ہے، چیخوں اور کراہوں، نوحوں اور مرثیوں کے باوجود دے رہا ہے ......

یہ سب اس لئے کہ قانون پر عمل دراصل ان ہی ابن اللہ والوں کا ہے، حکموں کی تعمیل ان ہی مسیح کو خدا کہنے والوں کی ہے ....

پتھر کے بتوں کو توڑ ڈالا یا ان سے تعلق منقطع کر لینا کوئی بڑی مردانگی نہیں، وہ صرف محمود غزنوی کی توحید ہے، احمد مرسل علیہ الصلوٰۃ والسلام کی توحید قطعاً نہیں ...... لیکن آج اسی فلسفہ کہ اس زمانہ کے خرقہ پوش صوفیا اور اپنے زعم میں اولیاء اللہ خانقاہوں کے

اندر کملیاں اوڑھ اوڑھ کر تسبیحوں کے منکوں کو چٹخا چٹخا کر اور اونچے منہ غوں غوں کر کے دنیا کی اس نعمت عظمیٰ پر وہ بے دردی سے لات مار رہے ہیں کہ اس منعم لم یزل نے بھی ایک چپہ بھر زمین مسلمانوں کے پاس باقی نہیں رکھی، .... ان مسلمانوں کے گھروں کو اجاڑ رہا ہے ان کے مرکزوں کو تباہ کر رہا ہے ...... ہاں یہ سب کچھ ان سے چھین چھین کر علی رغم انف ان لوگوں کو دے رہا ہے جنھوں نے ماں باپ، بیٹا، روح القدس الغرض خدا کا ایک پورا کنبہ بنا رکھا ہے، جنھوں نے آج تک ایک کلمہ شہادت نہیں پڑھا، ایک مسجد نہیں دیکھی ایک رکعت بھولے سے ادا نہیں کی، ایک روزہ نہیں رکھا، ایک پیسہ زکوٰۃ میں نہ دیا، بھول کر مکہ اور مدینہ یا نبی آخر الزماں اور قرآن کا نام تک نہیں سنا، ہاں .... فاطر زمین و آسمان کی نگاہ میں وہی قوم ظالم ہے جس نے اپنے افراد میں تفرقہ ڈالا، متقی وہی ہے جو امت واحدہ بن کر رہی، مومن وہی ہے جس نے سب کو بچھاڑ دیا، کافر وہی ہے جو سب سے پچھڑ گئی، فاسق وہی ہے جس نے اپنی حفاظت نہ کی، عابد وہی ہے جو وارث زمین بنی۔ صالح وہی ہے جو بے خوف و خطر ہو گئی۔

اقتباسات از تذکرہ (دیباچہ) ص ۱۰۹ لغایت ۱۲۸۔

ہم نے بہت ڈرتے ہوئے یہ عبارتیں نقل کی ہیں لیکن اصلی اور صحیح تعلیم حکام سقیفہ کی یہی ہے جو علامہ مشرقی نے سمجھی ہے، ان بزرگواروں کی اصطلاحات یہ ہیں۔

مذہب اسلام = دنیاوی غلبہ

عبادت الٰہی = زبانی بکواس

عمل صالح = دنیاوی غلبہ حاصل کرنے کی کوشش کرنا۔

اصلی مسلمان = جس کو دنیا میں غلبہ حاصل ہو اگرچہ اعتقاداً وہ عیسائی و یہودی

لا مذہب ہی کیوں نہ ہو۔

اصلی کافر۔ جس کو دنیا میں غلبہ حاصل نہیں، اگرچہ موحد خدا کا عبادت کرنے والا ہو۔

عبادت:۔ دنیاوی وجاہت اور غلبہ حاصل کرنے کی کوشش کرنا۔

سچا عمل: ایضاً

محمد و خدا پر ایمان:۔ ایضاً

توحید: ایضاً

صراط مستقیم:۔ ایضاً

قولی خدا پرستی:۔ بت پرستی

قولی بت پرستی:۔ خدا پرستی

لعما را لہیتہ:۔ عالی شان مکانات، خوب صورت عورتیں، اس دنیا کی راحت و آرام کے سامان۔ دیکھو۔ دیباچہ تذکرہ ص ۱۲۱

مومن: جس نے سب کو پچھاڑ دیا۔

کافر: جو سب سے پچھڑ گیا۔

علامہ مشرقی میں اپنے اعتقادات کو بے خوف و خطر بیان کر دینے کی بڑی جرأت ہے جس کی سب کو عزت کرنی چاہیئے، میرے دل میں ان کی عزت اس ہی وجہ سے ہے۔ امر واقعہ یہ ہے کہ یہ خیالات ہر اس شخص کے پاس ہونے چاہئیں جو حکام سقیفہ کی پیروی کرنا چاہتا ہے، کیونکہ ان کے طرز عمل سے یہی اور صرف یہی ایک سبق حاصل ہوتا ہے، سارا مذہب، کل مقصد اسلام بس یہی ہے کہ دنیاوی غلبہ حاصل ہو جائے جس جائز و ناجائز طریقے سے ہو سکے دنیاوی وجاہت مل جائے، سقیفہ سے صفین اور پھر دمشق تک کے مکتبوں کو دیکھ لو یہی سبق ملیگا۔

یہی سلطنت و حکومت اگر اس طریقے سے حاصل کی جاتی جو جناب رسولخدا نے بتایا تھا تو آج کو دنیا کا نقشہ ہی بدلا ہوا ہوتا، اصلاح و تبلیغ کے ذریعے سے ساری قوم کو اسلام کی صحیح تعلیم دے کر سچا مسلمان بنانا۔ اس صورت میں حکومت

تو اس قوم ہی کی رہتی لیکن وہ قوم مسلمان ہو گئی ہوتی، اس طرح اسلام کی حکومت تو دنیا پر قائم ہو جاتی لیکن یہ ضرور ہے کہ وہ عرب کی حکومت نہ ہوتی، اگرچہ عرب کی تہذیب ساری قوموں میں سرایت کر گئی ہوتی، لیکن ان فاتحان سقیفہ نے ہر ایک قوم کے قومی و تمدنی و معاشرتی تعصب کے جذبات کو بھڑکا کر اپنے خلاف کر لیا تلوار سے ملکوں پر قبضہ تو ہو گیا، لیکن دلوں پر قبضہ نہ ہوا، آج تک رونا ہی کا تو ہے کہ غیر ملکوں میں جا کر اسلام مسخ ہو گیا، مغلوب اقوام نے اسلام کا بھیس بدل کر مسلمانوں کے دین و تہذیب کو نقصان عظیم پہنچایا اور اس طرح اپنی شکست کا بدلہ لیا۔

اس بیجا اور بے موقعہ اور شدید حرص و تمنائے دنیا کا نتیجہ یہ ہوا کہ لوگوں نے دولت و ثروت کے عوض اپنا دین و ایمان فروخت کر دیا، جو لوگ تلوار و لشکر سے دنیاوی وجاہت حاصل نہیں کر سکتے تھے، انہوں نے آسان طریقہ تاویل قرآن و فقہ کا نکال لیا، ان دونوں میں اپنا علیحدہ راستہ نکال کر الگ مصلّے بچھا لیا اور امام بن گئے، مقتدیوں کی جماعت ملنی کوئی مشکل تھی۔ مفت کی امامت و سرداری مل گئی، اسلام میں تو تفرقہ پھیلا۔ لیکن اُن کا تو مقصد حاصل ہو گیا، اور تو اور ان چاروں بڑے اماموں کو تو دیکھو ایک کی کتابیں پڑھو تو باقی سب کافر نظر آئیں گے ان کے مقلدین نہایت آزادی کے ساتھ ایک دوسرے کی تکفیر کرتے ہیں معلوم ہوا کہ حق کسی کے پاس نہیں، سچی فقط ایک ہی تاویل ہو سکتی ہے اگر وہ سچی ہے تو دوسرے کو قائل کر دیگی۔ گر یہ قائل نہیں ہونا چاہتے، کیونکہ امامت میں فرق آتا ہے، دنیا کی عدالتوں کے پاس ایک نہیں سینکڑوں ایکٹ ہیں جن کی تاویلیں کرنی پڑتی ہیں، ان میں اختلاف ہوتا ہے لیکن بہت کم اور جب پریوی کونسل ایک فیصلہ کر دیتی ہے تو سارے اختلافات مٹ جاتے ہیں، ہمارے ان اماموں کی کوئی پریوی کونسل ہی نہیں، کوئی شخص نہیں جس کی یہ سب اطاعت کریں، یہاں تک کہ کہنے کو تو کہہ دیا کہ حَسْبُنَا كِتَابُ اللهِ لیکن اپنے اختلافات

کو مٹانے کے لئے اس کی طرف بھی رجوع نہیں کی، اختلافات مٹ جاتے تو علیحدہ سرداری و امامت کہاں سے باقی رہتی۔

حدیث نجوم کی خرابیاں | اس حدیث سے لوگوں نے اپنے افعال ذمیمہ کو اپنے ضمیر کے آگے خوش نما بنانے میں خوب مدد لی، ہر ایک فعل مذموم کے لئے اصحاب رسول میں سے نمونہ مل جاتا تھا، اور پھر لوگ اس کام کو شرم و گناہ کے علم کے شا نہیں۔ بلکہ صحابی رسول کی تاسی کے فخر سے کرتے تھے تفصیل کی ضرورت نہیں، بات بہت عیاں ہے۔

اب ہم ایک نقشہ پیش کرتے ہیں جس پر ایک نظر ڈالنے سے اچھی طرح معلوم ہو جائے گا کہ حکومت سقیفہ کے حاصل کرنے اور اس کو مستحکم کرنے کی کوشش سے اسلام کے لئے کتنے بُرے نتیجے پیدا ہو گئے، اور آخر کار اب جو اسلام نظر آتا ہے اس کی خرابیاں اور بدحالیاں حکومت سقیفہ کا براہ راست نتیجہ ہیں۔

ملاحظہ ہو صفحہ ۱۶۹۵ -

سانحۂ کربلا

واقعاتِ سقیفہ کا قدرتی نتیجہ تھا

سانحۂ کربلا کو واقعاتِ سقیفہ سے وہ ہی نسبت ہے جو لڑکی کو اپنی حقیقی والدہ سے اور رات کو سورج کے غروب ہونے سے ہوتی ہے اور اگر کوئی اس سے انکار کرتا ہے تو دو میں سے ایک بات ہے یا تو وہ واقعاتِ سقیفہ کا حامی ہے اور انہیں بدنام نہیں کرنا چاہتا یا اسے تاریخ کے مطالعہ کا شعور ہی نہیں ہے۔

سانحہ تو عظیم تھا ایسا کہ تاریخ عالم میں نہ اس سے پہلے کبھی ہوا اور نہ آئندہ کبھی ہوگا، اس سے پہلے بھی بہت سے نبیوں کی تحقیر کی گئی، توہین کی گئی، تکذیب کی گئی، انہیں قتل کیا گیا، اذیتیں طرح طرح کی پہنچائی گئیں لیکن یہ جو کچھ کیا کافروں نے کیا، مخالف مذہب والوں نے کیا، ایسا کبھی نہیں ہوا کہ خود اس رسولؐ کے ماننے والوں نے اس کے پیرووں نے اس کی توہین و تحقیر کی ہو، اور اس کی اولاد کو اس کی آنکھ بند ہوتے ہی اتنا ستایا ہو اور آخر کار اس کی نسل ہی قطع کرنے کی کوشش کی ہو جتنا اور جس طرح امتِ اسلامیہ نے اپنے رسولؐ کی توہین و تحقیر کی اور اس کی نسل کو قطع کرنے کی کوشش کی۔ یہ معمولی بات نہیں ہے بہت غور طلب ہے، وہ لوگ اپنے تئیں مسلمان کہتے تھے کہتے ہی نہیں تھے۔ بلکہ دل سے سمجھتے بھی تھے، قاری قرآن تھے ایسے کہ حمائلیں گردن میں لٹکی ہی تھیں اور ہاتھ اپنے رسول کی اولاد کی طرف تیر چلا رہے تھے کہہ رہے تھے کہ جلدی سے حسین کی گردن اتارو تاکہ نماز ظہر اپنے صحیح وقت پر پڑھی جائے۔ پانچوں وقت کی نمازوں میں اقرار کیا کرتے تھے کہ محمد رسول اللہ

ہے، وہ فقط رسولؐ ہی نہ تھا، اپنی قوم کا محسن بھی تھا، عرب کیا تھے، ایک وحشی بدون کی جماعت جن کا گزارہ قتل وغارت پر تھا، ان کو ایک منظم قوم بنا دیا، ملک گیری کا سلیقہ سکھا دیا، یہی نہیں کہ اسی حسینؑ کا نانا جو ان کے سامنے زخمی کھڑا ہوا پانی کا جرعۂ آب اُن سے طلب کر رہا تھا اور وہ نہیں دیتے تھے، ان کا محسن تھا بلکہ وہ حکومت جس پر آج ان کو ناز تھا، اور جس کی طاقت حسینؑ کو کچلنا چاہتی تھی اس ہی بےکس حسینؑ کے نانا کی پیدا کردہ تھی، ایسی احسان فراموشی، ناشکرگذاری محسن کشی کی نظیر تاریخ عالم نہیں دکھا سکتی، یہ یا تو قصور تھا اس قرآن شریف کا جو ان کے گلے میں لٹک رہا تھا یا اس سبق کا جو یہ اب تک پڑھتے آئے تھے۔ آلِ رسول پر ظلم وستم کرنے کی رسم کا یہ پہلا دن نہ تھا، اور حسینؑ پہلے شہید نہ تھے، اس خاندان کی پہلی مظلومہ، پہلی مقتولہ، پہلی شہیدہ یہ فریاد کرتی ہوئی دنیا سے اُٹھی کہ تم دونوں نے مجھ پر بہت ظلم وستم کیا ہے اور جب میں اپنے باپ سے ملوں گی تو تمہاری شکایت کروں گی، وہ اس ہی حسینؑ کی والدہ معظمہ تھیں، اور اس ہی حسینؑ کے والد قبرِ رسول پر اس طرح فریاد کرتے ہیں کہ اے میرے بھائی قوم نے میری بہت تحقیر کی اور قریب تھا کہ مجھے قتل کر ڈالتے خاموش۔ واقعات اپنے میں بہت بلیغ شہادت مضمر رکھتے ہیں، کیا یہ امر واقعہ کہ مرنے کے بعد ان سب کی قبریں بھی ایک جگہ امت نے نہ بننے دیں، کچھ کم بلیغ ہے، سوچنے والا دماغ اور بصیرت والا دل چاہیئے، جس پیاری دختر کے لئے رسول کہیں کہ فاطمہ میرے جگر کا ٹکڑا ہے، جس نے اسے ایذا دی اس نے مجھے ایذا دی، وہ رات کو عام مسلمانوں کے قبرستان میں دفن ہو، اور اپنے باپ کے پاس جگہ نہ پائے، وہ بھائی وہ داماد جس کو رسول کمک کمی و دنگ دمی کہیں وہ نجف میں ایسی جگہ دفن ہو کہ قبر کا پتہ بھی بہت عرصہ کے بعد ملے، پیارا نواسہ حسنؑ باوجود اپنی وصیت کے اپنے نانا کی پہلو میں جگہ نہ پائے، دوسرا نواسہ جس کو رسول کہا کرتے تھے اَلْحُسَیْنُ مِنِّیْ وَاَنَا مِنَ الْحُسَیْنِ اس طرح دفن ہو کہ اب تک پتہ نہ چلا کہ سرِ اقدس کہاں

دفن ہے۔ رسول کے پہلو میں کون جگہ پائیں، وہ جنھوں نے خلافت پر بھی قبضہ کر لیا تھا،
روحِ رسول کیا خوش ہوتی ہوگی کہ میرے پہلو میں میرے پیارے کون پیارے۔
خسر دفن ہیں جن کی سعادتمند لڑکیوں نے میری زندگی اس طرح تلخ کی تھی کہ قرآن
شریف میں خدا کو اونہیں تنبیہ کرنے کی ضرورت ہوئی، رُوح رسول اپنے اِن
سسروں کو اپنے پہلو میں دیکھ کر بہت خوش ہوتی ہوگی، خصوصًا جب کہ اسے
خیال آتا ہوگا کہ ان ہی کی سیاست کا نتیجہ ہے کہ میرے عزیز نواسے، میری لڑکی،
میرا بھائی ان میں سے کوئی میرے پاس دفن نہیں ہے۔ کیا یہ سب واقعات ایک
دوسرے سے وابستہ نہیں ہیں؟

ان عظیم الشان اور عجیب واقعات کے اسباب و علل تلاش کرنا ہر ایک
مورخ کا فرض ہے قبل اس کے کہ ہم بتائیں کہ اِس صورت حالت کے اسباب و
علل کی جڑ سقیفہ بنی ساعدہ میں ملتی ہے، یہ بتانا ضروری ہے کہ ان کے علاوہ اور
کوئی اسباب اس واقعہ فاجعہ کے ہو ہی نہیں سکتے، وہ لوگ جو سقیفہ کے حامی
ہیں اور وہ لوگ کہ جن پر فرنگستانی تخیل اور لامذہبیت مستولی ہوگئی ہے واقعہ
کربلا کو مندرجہ ذیل اسباب کا نتیجہ بتاتے ہیں یا بتا سکتے ہیں کیونکہ ان کے علاوہ
ان کی ذہنیت رکھنے والے اشخاص کے لئے کوئی اور سبب ہیں ہو سکتا۔

(۱) بنو ہاشم و بنو امیہ میں پُرانی دشمنی چلی آتی تھی، یزید نے اپنے باپ و دادا
کی شکستوں کا بدلہ لینا چاہا اور لیا۔

(۲) امام حسینؑ نے یزید کے خلاف خروج کیا اور اس کے حسن انتظام کی وجہ
سے شکست کھائی۔

وہ لوگ کہتے ہیں کہ بات تو فقط اتنی ہی ہے، اس کو مذہبیت کا رنگ دیکر
خواہ مخواہ تیرہ صدیوں سے مسلمانوں کو غم و غصہ میں مبتلا کر رکھا ہے۔ ہم ان
دونوں واقعات پر غور کرتے ہیں، اور اگر یہ صحیح ہے تو ہم بھی کہیں گے کہ تیرہ
صدیوں کے بعد حق کو معلوم کر لینے کا سہرا ان فرنگی مورخوں ہی کے سر رہا جو ہر

ایک نئی چیز اور نئی تھیوری کے عاشق ہوتے ہیں۔

ان دونوں وجوہات پر ہم ابھی بحث کرتے ہیں لیکن ان کو اسباب قرار دینے سے کئی سوال بغیر حل کے رہ جاتے ہیں، اگر یہ دو ہی وجوہات تھیں تو گرچہ یزید کا امام حسینؑ کے مخالف ہونا تو معقول ہو گیا، اور ان کی وجوہات مل گئیں لیکن یہ ذاتی وجوہات تھیں، یزید کا ساتھ اس طرح اس وقت کی تمام امت اسلامیہ نے کیوں دیا، اور اگر اجماع کوئی شے ہے تو ہم کہیں گے کہ قتل حسینؑ پر یہ اجماع کیوں ہوا؟ حسینؑ کوئی غیر معروف شخص نہ تھے۔ اس امت کے حقیقی رسول کے حقیقی نواسے تھے، رسول کو جو عشق حسینؑ سے تھا وہ بھی ان کو معلوم تھا، حسینؑ نے کوئی بات خلاف اسلام نہ کی تھی، ہزارہا مسلمان کیوں نواسہ رسولؐ کے خلاف ہوں اور یزید کے حامی ہوں، وہ یزید جس کا بے دین ہونا ظاہر تھا، وہ یزید جو دشمنانِ رسول کے خاندان سے تھا، وہ یزید جس کو کسی صورت سے حکومت کا حق نہیں پہنچتا تھا، یہ تو حضرات شیخین فیصلہ کر گئے تھے کہ یہ حکومت کسی کا ورثہ نہیں ہے، باپ سے بیٹے کو نہیں ملتی۔ اور علاوہ اسکے معاویہ نے جو عہد نامہ امام حسن علیہ السلام کے ساتھ کیا تھا، اور جس شرط کی بنا پر امام حسنؑ نے حکومت اس کو سپرد کی تھی وہ یہ تھی کہ معاویہ کے بعد خلافت امام حسن علیہ السلام کو ملے گی، اور اگر وہ نہ ہوئے تو جناب امام حسینؑ وارث ہوں گے،

لاخلاف بین العلماء ان الحسن انما سلم الخلافۃ لمعاویۃ حیاتہ لا غیر ثم یکون لہ من بعدہ۔	تمام علماء اس امر پر متفق ہیں کہ حسن نے معاویہ کو حکومت اس شرط پر سپرد کی تھی کہ فقط تا حیات اسکے پاس رہے اور معاویہ کی موت کے بعد خلافت امام حسن کو پہونچے۔

ابن عبد البر۔ الاستیعاب الجزء اول ص ۱۴۴۔ ترجمہ حسن بن علی۔

حافظ ابن عبد البر نے اس کو دو جگہ اور دُہرایا ہے: — واشترط علیہ

الحسن ان یکون لہ الامر من بعدہ ص ۳۴۴ یعنی امام حسن کی معاویہ کے ساتھ شرط یہ ہوئی تھی کہ معاویہ کے بعد خلافت پھر حسنؑ کی طرف عود کریگی۔
ایک اور جگہ کہتے ہیں:۔ وبایع معاویہ علی ان یجعل العہد للحسن من بعدہ ص ۳۴۴۔ یعنی امام حسن نے معاویہ سے اس شرط پر عہد کیا کہ معاویہ کے بعد خلافت حسن کو پہنچے گی۔

فاسلم معہ علی ان لمعاویہ	امام حسن نے معاویہ سے اس پر صلح کی کہ
الامامۃ ماکان حیا فاذا مات	جب تک معاویہ زندہ ہے تو حکومت اس کے
فالامر للحسن	پاس رہے اس کے مرنے کے بعد حکومت حسنؑ کو ملے

ابو محمد عبداللہ بن مسلم ابن قتیبہ:۔ کتاب الامامۃ والسیاسۃ الجزء الاول ص ۱۴۶۔

فکتب الی معاویہ یخبرانہ	امام حسن نے معاویہ کو لکھا کہ اس شرط
یصیرالامر الیہ علی ان تکون	پر خلافت تم کو دیدی جائے گی کہ تمہارے
لہ الخلافۃ من بعدہ	بعد خلافت مجھے ملے اور ....
فاجابہ معاویہ الی ما طلب	معاویہ نے ان شرائط کو مان لیا۔

ابن حجر مکی: صواعق محرقہ الباب العاشر فی خلافۃ الحسن ص ۸۱۔

معاویہ با امیرالمومنین حسن رضی اللہ عنہ مصالحہ کرد و عہد بست برآنکہ اگر ویرا حادثہ پیش آید خلیفہ امیرالمومنین حسن باشد رضی اللہ عنہ:۔ جامی:۔ شواہد النبوۃ رکن سادس ص ۱۷۲ مطبوعہ مطبع نولکشور۔ یعنی معاویہ نے امام حسن سے اس شرط پر صلح کی اور عہد و پیمان کر لیا کہ اسکے مرنے کے بعد خلیفہ امام حسن ہوں۔

علی کی وفات پر ان کے بڑے بیٹے امام حسن خلیفہ منتخب ہوئے۔ لیکن انہوں نے اس قرارداد پر عہدۂ خلافت سے استعفٰی دیدیا کہ بعد وفات معاویہ کے امام حسن پھر اس کے جانشین ہوں۔
مولوی حسن میاں۔ شہادت حسین۔
مصباح الدین احمد:۔ الہارون۔ ص ۳۸۔

حسین دیار بکری :- تاریخ الخمیس الجزء الثانی ص ۳۲۳

نیز ملاحظہ ہو Wolloston :- Mohammed and his work

PP 13-14-

حسینؑ حق پر بھی تھے، نواسۂ رسول بھی تھے۔ خلاف اسلام کبھی کوئی کام نہیں کیا۔ قتل عثمان میں عثمان کے مددگار تھے، ان کو پانی کی مشکیں خود لے جاکر پہنچائی تھیں مسلمانوں کے خلاف نہیں تھے۔ پھر اتنے مسلمان جن میں صحابۂ رسول بھی تھے قتل حسین پر کیوں اجماع کر لیں، اس کا یہ جواب کافی نہ ہوگا کہ وہ یزید کے تنخواہ دار تھے، لہٰذا اس کا ساتھ دیا، اس کے تنخواہ دار تو جب ہی بنے کہ جب انہوں نے قتل حسین پر آمادگی ظاہر کی، ہر ایک صحابی ستارۂ ہدایت ہے، قاری قرآن تھے، سب مسلمان تھے۔ جانتے تھے کہ وَمَن یَقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ۔ جناب امام حسین نے اس عالم بے کسی میں اپنے پیہم استغاثوں سے بتا دیا تھا کہ وہ کون ہیں، یہاں کیوں نہ قرآن کو حکم بنایا، تاریخ عالم ایسی بہت سی مثالیں بتاتی ہے کہ اگر لشکر کی کوئی اپنی خاص مرضی ہو تو بادشاہ کیسا ہی جبار ہو اسکے خلاف نہیں کر سکتا۔ لشکر کو اپنی طاقت کا علم ہوتا ہے جس کو چاہا انہوں نے تخت سے اتار دیا جس کو چاہا تخت پر بٹھا دیا۔ صفین میں دیکھو، لشکر خلاف ہو گیا تو حضرت علی کچھ نہ کر سکے، اور فتح شکست میں مبدل ہو گئی، اور اگر ان کو یزید سے بہت محبت تھی، تو عمر ابن سعد اور حسین دونوں کو یزید کے روبرو لے جاتے، اس طرح بچے بچے کو قتل کرنا، ۷۲ آدمیوں کا تیس ہزار سے مقابلہ ہی کیا، اس پر بھی پانی بند کر دینا، خیام اہل بیت کو تاراج کرنا، بچوں اور عورتوں کو اسیر کر کے اس بے رحمی سے تشہیر کرنا۔ یہ محض حفاظت سلطنت کی غرض سے نہ تھا، اس زمانہ میں لشکر کے جمع کرنے کا یہ طریقہ تھا کہ ایک منادی شہروں میں ندا کرتا تھا کہ فلاں مہم پر جانا ہے۔ جو چاہتا ہے حاضر ہو جائے، چنانچہ ابن زیاد نے حر ابن یزید ریاحی کے خط سے خبر

ورود امام حسین بکربلا معلوم کر کے کوفہ و بصرہ میں منادی کرادی کہ حسینؑ کے قتل کرنے کا جو ارادہ رکھتا ہے وہ آن کر جمع ہو جائے۔ ضیاء العین فی مقتل الحسین۔ اردو ترجمہ نور العین فی مقتل الحسین۔ تالیف ابو اسحٰق ابراہیم بن محمد بن ابراہیم اسفرائینی ص ۷۹۔

اگر یزید مسلمان تھا تو پھر جناب رسول خدا کی مذہبی جنگوں کا بدلہ کیسا۔ بلکہ ان کی فتح کا غم کیوں۔ در اصل جنگ تو ان کے خلاف حضرت یزید کے دادا ہی نے شروع کی تھی اور بنو ہاشم و بنو امیہ کی دشمنی کیسی۔ اصلی مؤمنین کے لئے تو اسلام کے بعد قبیلوں کی سابقہ دوستیاں و دشمنیاں اخوت اسلامی میں مبدل ہو گئی تھیں، اور اگر وہ دل سے کافر تھا تو ایسا کیوں ہوا کہ اسلام کی حکومت ایک کافر کے ہاتھ میں چلی گئی، اور اگر اس کا کفر پنہاں تھا تو اس خاندان کی عداوت رسول تو عیاں تھی، دشمنان اسلام و مسلمین کے خاندان میں کیوں حکومت دی گئی، غرضیکہ ان دو مفروضہ اسباب کو صحیح سمجھ کر اتنے سوالات حل طلب رہ جاتے ہیں اور وہ تھیوری کبھی قابل قبول نہیں ہوتی جس میں ایک بھی امر ایسا ہو جو اس کو صحیح سمجھنے سے حل نہ ہو، اور جس کا جواب اس تھیوری سے نہ نکل سکے اب ہم ان دونوں مفروضہ اسباب پر غور کرتے ہیں۔

بنو امیہ اور بنو ہاشم کی عداوت بنو امیہ اور بنو ہاشم کی عداوت کو ایک سبب واقعہ کربلا بنانا عمداً اصلی صورت حالات پر ایسا پردہ ڈالنا ہے کہ جس کے آرپار سب کچھ نظر آتا ہے، یہ پردہ ایسا ہے کہ یہ کسی شے کو نہیں چھپا سکتا، بلکہ پردہ ڈالنے والے کی دلی حب خاندان معاویہ کو عیاں کر دیتا ہے، یہ سبب تو ایک ذرا سے غور کا بھی متحمل نہیں ہو سکتا، یہ عداوت اگرچہ پرانی تھی لیکن قطعی اور آخری فتح اسلام نے خاندان بنی امیہ کو بالکل مغلوب کر دیا، یہ خاندان آخر تک آنحضرت سے لڑا کیا اور اسوقت تک ہتھیار نہ رکھے جب تک بالکل ہی مغلوب نہ ہو گیا۔ جب مغلوب ہوا تو اس میں کچھ طاقت نہ تھی۔

اور عداوت رسول کا کلنگ کا ٹیکہ ایسا ماتھے پر لگا تھا کہ آئندہ کے لئے بھی کچھ امید نہ تھی، جناب رسولخدا کی رحلت کے وقت اس خاندان کی کس مپرسی کی یہ حالت تھی کہ خلافت و حکومت گمنام قبیلوں میں چلی گئی، اور کسی نے ان کو پوچھا بھی نہیں، اور ابو سفیان کو جب یہ معلوم ہوا تو آن کر حضرت علی کو بھڑکانا چاہا۔ خود پھر بھی اتنی جرأت نہ ہوئی کہ اپنے نام پر خلافت کا حق دار بن کر کھڑا ہو جاتا اگر حکام سقیفہ کی سیاست اس خاندان کو آگے نہ بڑھاتی اور اس مردہ میں جان نہ ڈالتی تو خلافت رسول تک پہنچنا تو بڑی بات ہے، اسلام میں اس کا کچھ اثر ہی نہ رہتا۔ ہم ایک مثال دیکر سمجھاتے ہیں۔ میں ایک نہایت زہریلا سانپ جنگل سے لاکر اپنے دشمن کے بستر کے نیچے رکھ دیتا ہوں اور سانپ اس کو کاٹ لیتا ہے وہ مر جاتا ہے، جو شخص اصلی حالات سے واقف ہے وہ اس کی موت کا سبب مجھ کو سمجھے گا یا سانپ کو، اپنے موقعوں پر اپنے دشمن سے دشمنوں ہی سے کام لیتے ہیں، اگر مجھے کسی کو قتل کرانا ہے تو اس کے قتل کی سازش اس کے باپ سے تو نہیں کروں گا۔ اسکے دشمن ہی سے کروں گا، بنو امیہ کی عداوت تو تھی، لیکن اس عداوت کو طاقت کس نے دی، اس عداوت کو ضرر پہنچانے کے ہتھیار کس نے مہیا کئے، دراصل یہ ایک سبب نہ تھا، یہ تو معلول تھا، کسی اور علت کا، یہ تو ہم ماننے کے لئے تیار ہیں کہ جو کام یزید نے کیا وہ دشمن ہی کر سکتا تھا، اور ایسا ہی دشمن اس خوبی سے کر سکتا تھا جس خوبی سے یزید نے کیا، لیکن یہ تو سوچئے کہ اس کو اپنا کینہ نکالنے کے لئے اسباب کس نے مہیا کئے، یہ وہی حکام سقیفہ تھے گویا یہ تو ایک سبب ہو گیا اس کا سبب وہ ہی حکام سقیفہ کا طرز عمل رہا۔ اس مضمون کا باقی حصہ آگے چل کر زیر عنوان عقدہ سوئم دیکھو۔

جناب امام حسین کا خروج اس میں چند امور پر غور کرنا ہوگا، اور وہ یہ ہیں:-

(۱) پہل کس نے کی؟ حسین نے یا یزید نے؟ کیونکہ اگر حسین نے پہل کی تو

حسین کا طرزعمل خروج کہلائے گا، اگر یزید نے پہل کی تو امام حسین علیہ السلام کا طرزعمل دفاعی صورت رکھے گا،

(۲) امام حسینؑ کا اب تک کا تجربہ کیا وہ ایسا تھا کہ حسین علیہ السلام یزید سے حکومت چھین لینے کی امید کر سکتے تھے۔

(۳) امام حسینؑ کا رویہ امام حسن کی خلع خلافت کے بعد سے وفات معاویہ تک ایک پرانی سلطنت پر حملہ کا خیال یکایک ہی پیدا ہو کر معرض عمل میں نہیں لایا جا سکتا۔ اس کے لئے عرصہ کی تیاری چاہیئے۔

(۴) امام حسین کے حالات تخت نشینی یزید سے مدینہ سے روانگی تک۔

(۵) مکہ کے حالات، کوفیوں کے خطوط۔

(۶) مسلم کا کوفہ کو بھیجنا۔

(۷) کس ساز و سامان سے امام حسینؑ نے "خروج" کیا۔

(۸) امام حسینؑ کے اقوال بوقت خروج۔

(۹) کوفہ کی طرف آپ نے کیوں رُخ کیا؟

(۱۰) امام حسین کی شہادت کی پیشین گوئیاں۔ (۱۱) امام حسین کا طرزعمل راستہ میں

(۱۲) امام حسین کا طرزعمل کربلا میں۔

(۱۳) امام حسین نے کیوں بیعت یزید نہ کی۔

امر اول۔ کس نے پہل کی۔

اہل بیت رسالت سے بدظن رہنا حکام سقیفہ کا پہلا اصول تھا اور یہ ان سیاسی اصولوں میں سے ایک تھا جو ان کے بعد کے آنے والی حکومتوں نے اختیار کیا، امیر معاویہ اور یزید دونوں نے اس اصول پر سختی سے عمل کیا۔ ہم تاریخ کامل میں سے ایک واقعہ درج کرتے ہیں، عبارت اس کے اردو ترجمہ سے نقل کی گئی ہے

جب اہل عراق اور اہل شام (یزید کی) بیعت کر چکے تو امیر معاویہ

ایک ہزار سوار ہمراہ لے کر حجاز کی طرف روانہ ہوئے، جب وہ مدینہ کے قریب پہنچے تو راستہ میں سب سے پہلے امام حسین ابن علی رضی اللہ عنہما ملے۔ معاویہ نے ان کو دیکھتے ہی کہا کہ میں ایسے شتر قربانی کو مرحبا اور خوش آمدید نہ کہوں گا جس کا خون بہنے والا ہو، اور خدا ہی اسے بہا دیگا، انہوں نے کہا کہ سنبھل کے بولو، قسم بخدا ایسی باتیں میری شان کے خلاف ہیں، امیر معاویہ نے کہا کہ ہاں ضرور ہو۔ بلکہ اس سے بھی بدتر کے لائق ہو۔

اردو ترجمہ تاریخ کامل ابن اثیر۔ خلافت بنو امیہ۔ حصہ اول ص ۱۰۵

ظاہر ہے کہ ان لوگوں نے پہلے ہی سے یہ ارادہ کر لیا تھا کہ امام حسینؑ کو ضرور قتل کریں گے، وقت اور بہانہ کے منتظر تھے، اپنے بستر مرگ پر امیر معاویہ نے یزید کو یہ وصیت کی۔

ان معاویہ لما مرض مرضتہ التی هلك فیها دعا یزید ابنہ فقال یا بنی انی قد کفیتك الرحلة والترحال و وطأت لك الاشیاء وذللت لك الاعداء واخضعت لك اعناق العرب وجمعت لك من جمع واحد و انی لا اخوف ان ینازعك هذا الامر الذی استتب لك الا اربعة نفر من قریش لحسین بن علی عبد الله بن عمر وعبد الله بن الزبیر وعبد الرحمن بن ابی بکر

معاویہ نے اپنے مرض الموت کے دوران میں یزید کو بلا کر کہا کہ اے بیٹے میں نے تجھ کو ساری تکلیفوں اور تردد سے بچالیا ہے ہر ایک چیز کو کچل ڈالا ہے اور دشمنوں کو تیرے لئے مغلوب کر دیا ہے اور مغرور عربوں کی گردنیں تیرے سامنے جھکوادی ہیں اور ہر ایک امر کو تیرے لئے جمع کر دیا ہے: مجھے ڈر نہیں ہے کہ اس حکومت میں تجھ سے کوئی تنازعہ کرے، صرف چار آدمیوں کے سوا، یعنی حسین ابن علی، عبد اللہ بن عمر، عبد اللہ بن زبیر اور عبد الرحمن بن ابی بکر۔

تاریخ طبری :۔ الجزء السادس ص ۱۷۹
ابن کثیر شامی :۔ البدایۃ والنہایۃ فی التاریخ الجزء الثامن ص ۱۱۵۔
اردو ترجمہ تاریخ ابن خلدون ۔ جلد پنجم ص ۵۵
حسین علیہ السّلام ان لوگوں کی آنکھوں میں پہلے ہی سے کھٹکتے تھے۔ کیوں؟
اس وجہ سے کہ وہ نواسۂ رسول تھے، اور حکومت کے حق دار تھے۔ حسینؑ
نے خود کوئی ایسا کام نہیں کیا تھا، جو کسی قسم کا شبہ پیدا کرتا، امیر معاویہ کو بھی ان
سے کوئی خاص ڈر نہیں ہی، بلکہ وہ تو اپنی سلطنت کی مضبوطی و استحکام کا ذکر کر رہا
ہر ایک مخالف عنصر دب چکا تھا، ہر ایک شخص مغلوب ہو چکا تھا، چونکہ بروئے معاہدہ
بھی حسین ہی حقدار خلافت تھے۔ اور یزید کو اس معاہدہ کی خلاف ورزی میں ولیعہد
مقرر کیا تھا حسینؑ کی طرف سے اسے فکر تھا، ذرا سے شبہ کے امکان کو بھی امیر معاویہ
دور کرنا چاہتے تھے، ورنہ عبداللہ ابن عمر اور عبدالرحمٰن ابن ابی بکر وہ ہی تو ہیں
جو صفین میں ان کے ساتھ ہو کر حضرت علی سے لڑتے تھے عبداللہ بن زبیر وہ تھے جنھوں نے
جنگ جمل کھڑی کر کے انکی موقعہ پر مدد کی تھی۔ چونکہ یزید بہت ہی نااہل تھا امیر معاویہ کو ڈر پیدا ہوا کہ شاید کبھی
کسی وقت چل کر یہ لوگ تکلیف دیں انکی طرف سے چوکنا رہنے کو کہا تھا۔ ہاں حسین کو چلنا انکے استادوں کی سیاست کا جزو اعظم تھا
یزید نے تخت حکومت پر متمکن ہوتے ہی سب سے پہلا جو کام کیا وہ یہ تھا
کہ مدینہ کے گورنر ولید بن عتبہ بن ابی سفیان کو خط لکھا کہ حسینؑ سے بیعت
لو، اگر وہ بیعت نہ کریں تو ان کا سر میرے پاس بھیج دو۔ تاریخ حبیب
السیر میں ہے۔

"چوں حاکم شام بعالم آخرت شتافت ویزید در دمشق بر مسند
حکومت متمکن گردید، نامہ بولید بن عتبہ بن ابی سفیان کہ دراں
زمان والی مدینہ بود، نوشت مضموں آں کہ بیعت من از حسین
ابن علیؑ وعبداللہ بن عمر وعبداللہ بن زبیر بستان واگر لبقدم
قبول پیش نیایند سرہائے ایشاں رابشام فرست۔

ترجمہ:- جب حاکمِ شام مرگیا تو یزید تخت حکومت پر مقام دمشق متمکن ہوا، اور فوراً ایک خط ولید بن عتبہ بن ابی سفیان والی مدینہ کے نام اس مضمون کا بھیجا، کہ میری بیعت حسینؑ ابن علیؑ، عبداللہ بن عمر اور عبداللہ بن زبیر سے فوراً لے، اور اگر کوئی اس میں سے انکار کرے تو اس کا سر قلم کر کے میرے پاس بھیج دے۔
تاریخ حبیب السیر جز و اول جلد دوئم ص ۲۲ - نیز ملاحظہ ہو۔
تاریخ طبری:- الجزء السادس ص ۱۸۸۔
ابن کثیر شامی:- البدایۃ والنہایۃ فی التاریخ الجزء الثامن ص ۱۴۷۔
اردو ترجمہ تاریخ ابن خلدون۔ جلد پنجم ص ۶۷۔
اردو ترجمہ الکامل ابن الاثیر:- خلافت بنی امیہ حصۂ اول ص ۱۳۱۔

ولید ابن عتبہ نے وہ خط پڑھ کر مروان ابن الحکم کو بغرض مشورہ بلایا پھر جو کچھ ہوا وہ اردو ترجمہ تاریخ ابن خلدون سے نقل کرتے ہیں، اور یہی واقعات تمام کتب تواریخ میں درج ہیں۔

"مروان بن الحکم نے خط کو کھولا، امیر معاویہ کی خبر موت دیکھ کر اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ کہا، ولید نے ان لوگوں سے بیعت لینے کی بابت اس سے مشورہ طلب کیا، مروان نے رائے دی کہ اسی وقت وہ لوگ بلائے جائیں، اگر یزید کی بیعت کر لیں تو بہتر ہے، ورنہ اس سے پیشتر کہ وہ امیر معاویہ کے انتقال سے واقف ہوں قتل کر ڈالے جائیں...... چنانچہ ولید نے اسی وقت عبداللہ بن عمرو بن عثمان ایک نوعمر لونڈے کو ان لوگوں کو بلانے کو بھیجا پس حسینؑ و ابن الزبیر کے پاس مسجد میں یہ اسوقت پہنچا جس وقت کہ ولید اجلاسِ عام نہ کرتا تھا، اور ان بزرگواروں سے کہا کہ چلئے آپ کو امیر طلب کر رہے ہیں حسینؑ و عبداللہ بن الزبیر نے کہا کہ تم جاؤ ہم آتے ہیں، عبداللہ بن عمرو کے چلے جانے کے بعد دونوں

بزرگ بے وقت طلب کرنے پر باتیں کرنے لگے لیکن کوئی عقدہ حل نہ ہوا، بالآخر حسینؓ نے اپنے خادموں اور خاندان کے کل ممبروں کو جمع کیا، اور ان کو اپنے ہمراہ لے جاکر ولید کے دروازہ پر بٹھایا اور یہ سمجھا دیا کہ اگر میں تم کو بلاؤں یا آواز بلند سے گفتگو کروں تو فوراً سب لوگ اندر چلے آنا، بعدازاں اندر تشریف لے گئے، مروان بھی بیٹھا ہوا تھا۔ صاحب سلامت ہوئی، آپ نے ولید و مروان کا بعد قطع مراسم دوبارہ راہ و رسم اتحاد پیدا کرنے پر شکریہ کا اظہار کرتے ہوئے ارشاد کیا، صلح فساد سے بہرحال بہتر ہے۔ ولید نے یزید کا خط دیا آپ نے پڑھا امیر معاویہ کی خبر موت دیکھ کر اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیہِ رَاجِعُون کہہ کر فرمایا کہ خدا مغفرت کرے، باقی رہی بیعت، اس کی بابت میرے نزدیک یہ مناسب نہیں ہے کہ مجھ جیسا شخص خفیہ طور سے بیعت کرلے، اور یہ کچھ موزوں و کافی بھی نہ ہوگا۔ بلکہ جب میں یہاں سے اُٹھ کر لوگوں میں جاؤں اور تم ان سبھوں کو بیعت کے لئے بلاؤ گے اور میں بھی ان لوگوں میں ہوں گا تو سب کے پہلے میں ہی جواب دینے والا ہوں گا، چونکہ ولید کے مزاج میں صلح جوئی تھی اس نے اس کو پسند کرکے کہا بہتر ہے۔ تشریف لے جائیے۔ مروان بولا کہ اِن کو بغیر بیعت کئے ہوئے نہ جانے دو، ورنہ ان جیسے شخص سے بیعت نہ لے سکو گے، جب تک تم میں اور ان میں خون کا دریا نہ رواں ہوگا، اور اگر تم ایسا نہ کروگے تو میں لپک کر ان کی گردن اڑا دوں گا، اس فقرہ کے تمام ہوتے ہی حسینؓ بن علیؓ نے ڈانٹ کر کہا تو یا وہ مجھے قتل کریگا؟ واللہ تو جھوٹا ہے، مروان یہ سُن کر دب گیا، آپ لوٹ کر اپنے مکان پر تشریف لائے، مروان ولید کو ملامت کرنے لگا، ولید نے کہا کہ اے مروان واللہ مجھے یہ گوارا نہ تھا کہ میں

حسینؑ کو فقط یہ کہنے پر قتل کرتا کہ میں بیعت یزید نہیں کرتا گو مجھے تمام عالم کا مال مل جاتا یا میں اس کا مالک بن بیٹھتا؟

اردو ترجمہ تاریخ ابن خلدون :- جلد پنجم ص ۶۷، ۶۸۔
تاریخ ابن کثیر شامی الجزء الثامن ص ۱۴۷۔
تاریخ طبری :- الجزء السادس ص ۱۸۹
اردو ترجمہ تاریخ کامل ابن الاثیر :- خلافت بنی امیہ حصہ اول ص ۱۳۲، ۱۳۴۔

عبداللہ ابن زبیر کو بھی ولید نے بُلایا تھا۔ لیکن وہ تو اس کے پاس نہ گئے، اور مکہ کو روانہ ہو گئے حسین علیہ السلام کے ساتھ جو ہوا وہ پھر ہم ابن خلدون کی زبانی بتاتے ہیں :-

"تمام دن یہ لوگ امام حسین کو تنگ کرتے رہے، ولید بار بار آپ کو بُلا بھیجتا تھا، اور آپ نہ جاتے تھے، پھر آپ نے آخر میں یہ کہلا بھیجا کہ رات کا وقت ہے اسوقت تم صبر کرو، صبح ہونے دو دیکھا جائے گا۔ ولید خاموش ہو گیا۔

جوں ہی رات ہوئی، آپ معہ اپنے لڑکوں، بھائیوں بھتیجوں کے ابن الزبیر کی روانگی کے دوسری شب میں مدینہ سے نکل کھڑے ہوئے، صرف محمد بن الحنفیہ باقی رہ گئے، کیونکہ انہوں نے یہ رائے دی تھی کہ تم یزید کی بیعت سے اعراض کر کے کسی دوسرے شہر میں چلے جاؤ اور وہاں سے اپنے دعاۃ کو اطراف و جوانب بلاد اسلامیہ میں روانہ کرو، اگر وہ لوگ تمہاری بیعت منظور کر لیں، تو اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا اور اگر تمہارے سوا انہوں نے متفق ہو کر کسی دوسرے کو امیر بنا لیا تو تم کو اس سے کوئی نقصان نہ ہوگا، نہ تمہارے دین کو مضرت پہونچے گی اور نہ تمہاری عقل کو، نہ اس میں تمہاری آبرو ریزی ہوگی، مجھے اندیشہ اس کا ہے کہ کہیں تم ایسے شہر یا ایسی قوم میں نہ چلے جاؤ جس میں سے کچھ لوگ

تمہارے ساتھ اور کچھ لوگ تمہارے مخالف ہوں، امام حسینؑ نے دریافت کیا اچھا ہم کہاں جائیں؟ جواب دیا مکہ جاؤ، اگر تم کو وہاں اطمینان کے ساتھ یہ باتیں حاصل ہو جائیں تو فبہا ورنہ ریگستان اور پہاڑوں کی گھاٹیوں میں چلے جانا اور ایک شہر سے دوسرے شہر کا رُخ کرنا یہاں تک کہ کوئی امر لوگوں کے اجتماع و اتفاق سے طے ہو جائے۔ امام حسین نے اس رائے کو پسند کیا، بھائی سے رخصت ہو کر نہایت سریع السیری کے ساتھ مکہ پہنچے۔"

(اردو ترجمہ تاریخ ابن خلدون جلد پنجم ص ۷۰)

عبارت ذیل ہم اردو ترجمہ اعثم کوفی سے نقل کرتے ہیں :-

(مکہ روانہ ہونے سے پہلے) ایک رات کو امام حسینؑ اپنے مکان سے نکل کر اپنے نانا محمد مصطفےٰ ؐ کے روضۂ اقدس پر تشریف لائے اور کہا اَلسلامُ علیک یا رسول اللہ میں آپ کی فاطمہؑ کا بیٹا اور تمہارا فرزند ہوں جس کو دنیا سے رحلت فرماتے وقت آپ نے امت کے حوالے کیا اور ان کو میری عزت و حرمت کرتے رہنے کے لئے وصیت فرمائی تھی، واضح ہو کہ انہوں نے آپ کی وصیت کو بھلا دیا، مجھے تنہا چھوڑ دیا، آج کی رات آپ سے آپ کی امت کی شکایت کرتا ہوں اور جب آپ کے پاس آکر ملوں گا تو درد دل کا مفصل حال عرض کرونگا .... دوسری رات بھی اسی طرح حضرت رسول خدا کی تربت مقدس پر آئے، چند رکعت نماز ادا کر کے اللہ تعالیٰ کی جناب میں مناجات کی کہ اے خدا یہ تیرے پیغمبر محمد کی خاک ہے۔ اور میں اس کی بیٹی کا بیٹا ہوں مجھے ایسا کچھ معاملہ درپیش ہے جس سے تو ہی آگاہ ہے اور میرے حالات اور دلی کیفیتوں سے بخوبی واقف ہے کہ میں نیکی کو عزیز رکھتا ہوں اور برائی سے بیزار ہوں، اے ذوالجلال والاکرام اس خاک

کے طفیل اور اس شخص کے واسطے جو اس تربت میں مدفون ہے مجھے اپنی اور اپنے رسول کی رضامندی کرامت فرما، اس کے بعد آپ بہت روئے اور قبر مطہر پر سر رکھ کر سو رہے، خواب میں اپنے نانا محمد مصطفےٰ کو دیکھا کہ بہت سے فرشتوں کے ساتھ جو آپکے دائیں بائیں اور آگے پیچھے موجود ہیں تشریف لائے، امام حسین کو اپنے سینے سے لگا لیا، پھر پیشانی پر بوسہ دیکر فرمایا، کہ تو عنقریب ایسے شخصوں کے ہاتھ سے جو اسلام کا دعوے کرتے ہوں گے، زمین کربلا میں شہید ہوگا، اسوقت تو پیاسا ہوگا، اور وہ تجھے ایک قطرہ پانی نہ دیں گے...... اب امام حسینؑ نیند سے بیدار ہو کر بہت پریشان خاطر ہوئے اپنے اہل بیت سے یہ خواب بیان کیا اور اس قدر غمگین تھے، کہ اس دن آپ کے اہل بیت میں سے کوئی اور اتنا غمناک نہ تھا، پھر آپنے مکّہ جانے کا قصد کیا۔

اردو ترجمہ تاریخ اعثم کوفی ص ۳۵۰، ۳۵۱

اس طرح غمگین اور ناامید ہونا اور اپنی موت کے یقین کو ہر وقت اپنے ساتھ رکھنا، اور اس کا اظہار کرتے رہنا اس شخص کے طرز عمل کے ارکان نہیں ہو سکتے جو ایک مستحکم اور قوی سلطنت کے خلاف اس کو تہ وبالا کرنے کے ارادہ سے اٹھا ہے، اس کا دل امید اور ارمانوں سے پُر ہوتا ہے، اور تمام دنیا کو بھی وہ اپنی کامیابی کا یقین دلاتا رہتا ہے۔

اِس طرح امام حسین علیہ السلام اپنے گھر سے نکالے گئے، کن کن کو اپنے ساتھ لے گئے؟ صرف اپنے ان رشتہ داروں کو جنھوں نے بوجہ محبت کے آپ کے ساتھ رہنا پسند کیا، کیا اسکو کوئی خروج کہے گا، یہ تھا وہ لشکر اور یہ تھا وہ خروج جس کو حقیقت کے چھپانے والے بڑے بڑے الفاظ میں بیان کرکے آج کل کے دنیاداروں کی تصدیق حاصل کرنا چاہتے ہیں اس سارے معاملہ کی تحریک اور اس کی پہل یزید کی طرف سے ہوئی، امام حسین نے مجبوراً مدینہ چھوڑا، ابھی تک خط

بھی نہیں آئے تھے اور نہ کوفہ کا خیال تھا۔

امر دوئم۔ امام حسینؑ کا تجربہ سابقہ انسان کے مستقبل کے ارادوں کی تشکیل کرنے والے ماضی کے تجربات اور حال کے امکانات ہوتے ہیں، یہ تو ناممکن ہے کہ ایک دن صبح میں سوتا ہوا اُٹھوں اور ارادہ کرلوں کہ گورنر پنجاب سے ملک چھیننا چاہئیے اور اس خیال کی تکمیل کے لئے اپنے بال بچوں کو لے کر لاہور کی طرف روانہ ہو جاؤں، جو لوگ امام حسینؑ کی طرف یزید سے ملک چھیننے کے ارادے کو نسبت دیتے ہیں وہ بعینہٖ ایسا کہتے ہیں جیسا کوئی میرے لاہور مع بال بچوں کے جانے کو کہہ دے کہ یہ تو ملک چھیننے چلا ہے، کیا امام حسین اس بات سے غافل تھے کہ ان کے والد بزرگوار باوجود ملک ولشکر کے ہونے کے معاویہ سے ملک شام نہ چھین سکے اور ان کے برادر معظم باوجود سامان کے مجبور ہو گئے کہ حکومت معاویہ کو دیدیں، کیا ان دونوں میں سے کسی نے لڑائی میں غلطی کی تھی جو امام حسینؑ سمجھتے کہ وہ غلطی اب میں نہیں کروں گا، اب تک تو امام حسین حکومت وسیاست ولشکر وامارت سے علیحدہ زندگی گزار رہے تھے، ادھر خیال بھی نہیں کرتے تھے کیا یکایک معاویہ کے مرتے ہی ان کے پاس کوئی ایسا طلسم کا بٹن آگیا تھا کہ اس کو دبا دیتے اور ایک عظیم الشان جنات کا لشکر معہ سازوسامان کے آن کر مہیا ہو جاتا، ہم مختصر الفاظ میں حضرت علیؑ وامام حسنؑ کے آخری حالات جنگ کا ذکر کرتے ہیں تاکہ معلوم ہو سکے کہ امام حسنؑ نے عیش وعشرت کی زندگی گزارنے کے خیال سے حکومت کی الجھنوں سے کنارہ نہیں کیا تھا بلکہ حالات ہی ایسے ہو گئے تھے تاریخ ابی الفداء سے ہم نقل کرتے ہیں۔

لما رجع علیؑ الی الکوفۃ حض	جب حضرت علی کوفہ کی طرف (بعد معاملہ تحکیم)
الناس علی المسیر الی قتال معاویۃ	واپس ہوئے تو لوگوں کو معاویہ سے جنگ
فتقاعدوا وقالوا انستریح ونصلح	کرنے کے لئے تاکید کی لیکن انہوں نے حکم
عدتنا فاحتاج لذلک علی ان	نہ مانا اور جنگ پر نہ گئے اور عذر کر دیا کہ ہم

بدخل الكوفة ثم دخلت سنة
ثمان وثلاثين، فيها جهز
معاوية عمرو بن العاص بعسكر
الى مصر وكتب محمد بن ابى بكر
يستنجد عليا فارسل اليه
الاشتر فلما وصل الاشتر الى
القلزم سقاه رجل عسلا مسموما
فمات منه فقال معاوية ان
لله جندا من عسل وسار عمرو
حتى وصل الى مصر وقاتله
اصحاب محمد بن ابى بكر فهزمهم
عمرو وتفرق عن محمد اصحابه و
اقبل محمد يمشي حتى انتهى
الى خربة فقبض عليه واتوا به
الى معاوية بن حديج فقتله ثم
القاه في جيفة حمار واحرقه
بالنار ودخل عمرو مصر وبايع
اهلها لمعاوية ولما بلغ عائشة
قتل اخيها محمد جزعت عليه
وقنتت في دبر كل صلاة تدعو
على معاوية وعمرو بن العاص
وضمت عيال اخيها محمد اليها
ولما بلغ عليا مقتله جزع

آرام کرلیں اور اپنے معاملات کو درست کرلیں
اس بات نے حضرت علی کو کوفہ میں داخل ہونے
پر مجبور کیا، پھر ۳۸ہجری آ گیا، اس سنہ میں
معاویہ نے عمرو بن العاص کو لشکر دیکر مصر پر
حملہ کرنے کی غرض سے بھیجا، محمد ابن ابی بکر نے
حضرت علی سے مدد مانگی اور انہوں نے مالک اشتر
کو ان کی طرف بھیجا، جب مالک اشتر سمندر تک
پہنچے تو ایک شخص نے شہد میں ان کو زہر کھلا دیا
اور وہ مر گئے معاویہ کو خبر ہوئی تو اس نے
کہا کہ شہد میں بھی خدا کا لشکر ہے، اور عمرو
مصر میں پہنچ گئے، محمد بن ابی بکر کے لشکر سے
لڑائی ہوئی لیکن عمرو بن العاص نے ان کو
شکست دی اور محمد ابن ابی بکر کا لشکر متفرق
ہو گیا اور محمد ابن ابی بکر اکیلے جاتے تھے ۔
یہاں تک کہ ایک گرے ہوئے مکان میں پناہ لی
اور وہاں ان کو گرفتار کرلیا گیا اور انکو معاویہ بن
خدیج کے پاس لیگئے جنہوں نے ان کو قتل کر ڈالا
اور گدھے کی کھال میں بند کر کے جلا دیا، عمرو
مصر میں داخل ہوئے اور مصر کے لوگوں نے معاویہ
کی بیعت کرلی اور جب حضرت عائشہ کو اپنے بھائی
محمد بن ابی بکر کی شہادت کی خبر ملی تو وہ قنوت میں
ہر نماز کے بعد معاویہ بن ابی سفیان و عمرو بن
العاص کو کوستی تھیں اور انہوں نے اپنے بھائی

عليه وقال عند الله نحتسبه و
كان ذلك في هذه السنة اعني
سنة ثمان وثلاثين ثم بعث معاوية
سراياه بالغارات على اعمال
علي فبعث النعمان بن بشير
الانصاري الى عين التمر فنهب
وهزم كل من كان بها من اصحاب
علي وبعث سفيان بن عوف
الى هيت والانبار والمدائن
فنهب وحمل كل ما كان بالانبار
من الاموال ورجع بها الى
معاوية وسير عبد الله بن
مسعدة الفزاري الى الحجاز
فجهز اليه علي خيلا فالتقوا بتيماء
وانهزم اصحاب معاوية ولحقوا بالشام
وتتابعت الغارات على بلاد
علي رضي الله عنه وهو في ذلك
يخطب الناس الخطب البليغة
ويحثهم ويحضهم على الخروج
الى قتال معاوية فيتقاعد عنه
عسكره ثم دخلت سنة
تسع وثلاثين والامر على ذلك
وفيها سير عبد الله بن عباس

محمد بن ابی بکر کے اہل و عیال کو اپنے پاس
بلا لیا اور جب حضرت علی کو محمد بن ابی بکر کی
شہادت کی خبر ملی تو آپ بہت روئے اور فرمایا
کہ اس کا حساب خدا کے یہاں ہوگا اور یہ سب
کچھ سنہ ۳۸ ہجری میں ہوا، پھر معاویہ نے قتل
و غارت کے لشکر کے دستے حضرت علی کے عمال
کی طرف بھیجے، چنانچہ نعمان بن بشیر انصاری
کو عین التمر بھیجا اس نے اسکو لوٹ لیا اور حضرت
علی کے سب آدمی وہاں سے بھاگ گئے اور
عثمان بن عوف کو ہیت و انبار و مدائن
پر بھیجا بس اس نے وہاں لوٹ مار کی اور
ان مقامات کا سب مال و متاع لے کر معاویہ
کے پاس پہنچا اور معاویہ نے عبد اللہ بن مسعدہ
الفزاری کو حجاز کی طرف بھیجا اور حضرت
علی نے بھی ادھر ایک دستہ بھیجا آپس میں لڑائی
ہوئی اور معاویہ کے لشکر کو شکست ہوئی
اور وہ بھاگ گئے اور شام کو واپس چلے
گئے۔ بس اسی طرح معاویہ لگاتار حضرت علی کے
شہروں کی طرف قتل و غارت کے لئے لشکر
بھیجتا رہا، اور حضرت علی اپنے آدمیوں کو فصیح
و بلیغ خطبوں سے معاویہ کی جنگ پر ابھارتے
تھے لیکن لشکر نے نافرمانی کی اور گھر بیٹھ رہے
پھر سنہ ۳۹ ہجری داخل ہوا، اور حالات

وکان عامل البصرة زیاد الی فارس وکان قد اضطربت لما حصل من قتال علی ومعاویہ فوصل الیہا زیاد وضبطہا احسن ضبط حتی قالت الفرس ما رأینا مثل سیاسة انوشروان الا سیاسة ھذا العربی........	اسی طرح تھے - پھر سنہ ہجری داخل ہوا، علی عراق میں تھے، اور معاویہ شام میں اور اس کے پاس مصر کا ملک بھی تھا .... اور اس ہی سنہ میں معاویہ نے
وفی ھذہ السنة سیر معاویہ بشر بن ارطاة فی عسکر الی الحجاز فاتی المدینة وبہا ابو ایوب الانصاری عاملا لعلی فھرب ولحق بعلی ودخل بشر المدینة وسفک فیہا الدماء واستکرہ الناس علی البیعة لمعاویہ ثم سار الی الیمن وقتل الوفا من الناس فھرب منہ عبید اللہ بن العباس عامل علی بالیمن فوجد لعبید اللہ ابنین صبیین فذبحہما واتی فی ذلک بعظیمة -	بسر بن ارطاة کو ایک لشکر کے ساتھ حجاز کی طرف بھیجا وہ مدینہ آیا اور وہاں حضرت علی کی طرف سے ابو ایوب الانصاری کی عامل تھے لیکن وہ بھاگ کر علی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور بسر بن ارطاة مدینہ میں داخل ہوا، وہاں اس نے بہت کشت وخون کیا اور لوگوں کو معاویہ کی بیعت پر مجبور کیا پھر اس کے بعد وہ یمن میں چلا گیا اور وہاں ہزارہا آدمیوں کو قتل کیا، یمن پر عبید اللہ ابن عباس، حضرت علی کی طرف سے عامل تھے وہ یمن سے بھاگ گئے، ان کے دو چھوٹے چھوٹے لڑکے یمن میں رہ گئے بسر بن ارطاة نے ان معصوم بچوں کو ذبح کر ڈالا - یہ نہایت سخت مصیبت تھی

تاریخ ابو الفداء الجزء الاول ص ۱۷۹ -

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ یا علیہ السلام جو کچھ بھی کہو ایک رکن عظیم تھے ارکان حکومت سقیفہ میں سے یہ تھا اس اسلام کا نمونہ جو انہوں نے خاص مسلمانوں کے خلاف استعمال کر کے دنیا میں پھیلا دیا، کافروں کے بچوں کو بھی اس طرح ذبح نہیں کرتے. اس بے رحمی کو ملاحظہ کیجئے، عبید اللہ ابن عباس کے دونوں کمسن بچوں کو ان کی ماں کی گود میں ذبح کیا، اور وہ روتی رہی پھڑکتی رہی اور جب تک زندہ رہی اپنے

بچوں کا نوحہ کرتی رہی دیکھو الاستیعاب ابن عبدالبر جلد اول ص ۴ ۶- اس پر عالم وجد میں کہتے ہیں سبحان اللہ کیا اسلام پھیلا ہے۔ یہ اسلام تھا۔۔۔ جو پھیلا تھا۔ اور مسلمانی شمہ در میں قتل و لوٹ کیسا، اور جبراً تلوار کے زور سے بیعت لینی کیسی۔ مالک اشتر کو زہر بھی امیر معاویہ کے حکم سے دیا گیا تھا جبیب السیر سے ہم ذیل کی عبارت نقل کرتے ہیں۔ چوں ایں خبر(روانگی مالک اشتر جانب مصر) بگوش معاویہ رسید دود حیرت بکاخ دماغ او تصاعد نمود چہ بیقیں می دانست کہ ہرگاہ شاہ ولایت پناہ از طرف کوفہ و مالک از جانب مصر متوجہ او گردند در دمشق مجال اقامتش نماند لاجرم بازور گرد مکر و تذویر گشتہ بد ہقانے کہ بر سر راہ مصر توطن داشت وخود را از جملہ محبانِ او می شمرد نامہ نوشت مضمون آں کہ مالک اشتر متوجہ ولایت مصر است۔ و بے شبہ گزر او بر منزل تو خواہد افتاد باید کہ او را استقبال نمودہ ضیافت نمائی و طعامی مسموم بوئی دہی و دہقان ایں سخن را قبول کردہ چوں مالک بدانجا رسید۔ بموجب فرمودۂ معاویہ بتقدیم رسانید و مالک سفر آخرت اختیار نمودہ از شیوع ایں خبر معاویہ فرحناک و مستبشر شد۔ حبیب السیر:- جزو چہارم جلد اول ص ۷۲۔

ترجمہ:- جب معاویہ کو مالک اشتر کی روانگی مصر کی خبر پہونچی تو بہت گھبرایا، کیونکہ وہ جانتا تھا کہ جب حضرت علی کوفہ کی طرف سے اور مالک اشتر مصر کی طرف سے اس کی طرف بڑھیں گے تو اس کا دمشق میں رہنا دشوار ہو جائیگا لہذا پھر مکر و فریب کی طرف توجہ کی اور ایک زمیندار کو لکھا جس کی رہائش مصر کی راہ پر تھی اور جو اپنے تئیں معاویہ کے دوستوں میں شمار کرتا تھا، کہ مالکِ اشتر مصر کی طرف جا رہا ہے، لاجرم اس کا گزر تیرے مکان پر سے ہوگا تجھے چاہیئے کہ مالک اشتر کا استقبال کرے اور اس کی مہمانی کرے اور زہر آلود غذا کھلائے، زمیندار نے اس بات کو قبول کر لیا، جب مالک وہاں پہونچے تو معاویہ کے حکم کے مطابق اس زمیندار نے مالک اشتر کو کھانے میں زہر دیدیا، اور انہوں نے انتقال کیا۔"

جناب علی مرتضیٰ نے بہت کوشش کی کہ لوگ معاویہ کی جنگ کے لئے تیار ہو جائیں

لیکن کسی نے اجابت نہ کی اور اپنے گھر بیٹھے رہے، جناب امیر علیہ السلام کے بہت سے خطبے، نہج البلاغۃ میں درج ہیں جن میں ان لوگوں کو معاویہ سے جنگ کرنے کا حکم فرمایا ہے اور لوگوں نے نافرمانی کی۔ مولوی سعید احمد ایم۔ اے اپنی کتاب **مسلمانوں کا عروج اور زوال** کے صفحہ ۳۳ پہ لکھتے ہیں:۔

"عراق کے جو لوگ حضرت علی کی اطاعت کا دم بھرتے تھے حقیقت یہ ہے کہ وہ بھی سچے دل سے حضرت علی کے ساتھی اور ان کے مددگار نہیں تھے، چنانچہ ایک مرتبہ آپ نے خطبہ میں اپنی جماعت کو خطاب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:۔

"میں جب تم سے موسم سرما میں کہتا ہوں کہ شام والوں سے جنگ کرو تو تم کہتے ہو کہ یہ تو بڑا سخت موسم ہے کڑاکے کا جاڑا پڑ رہا ہے۔ مگر جب موسم گرما میں کہتا ہوں کہ اچھا اب ان لوگوں سے لڑو، تو تم کہنے لگتے ہو کہ آج کل تو بڑی ہی سخت گرمی ہو رہی ہے، گرم ہواؤں کی آندھیاں چل رہی ہیں لوگ کہتے ہیں کہ علی کو سیاست ہی نہیں آتی۔ ہاں ٹھیک ہے جس شخص کی اطاعت نہیں کی جاتی اس کو سیاست بھی نہیں آتی"۔

مولوی سعید احمد صاحب کو تو تیرہ صدیوں کے فاصلہ پر معلوم ہو گیا کہ عراق کے لوگ دل سے حضرت علی کے دوست نہ تھے۔ لیکن جناب امام حسین کو اس زمانہ میں ہوتے ہوئے ان لوگوں کے طرزِ عمل کو دیکھتے ہوئے یہ نہ معلوم ہوا کہ کوفی کیسے ہیں۔ **علامہ جرجی زیدان** سچ کہتے ہیں کہ معاویہ نے بے دریغ روپیہ لوگوں میں تقسیم کر کے اپنی حکومت قائم کی، اور روپے سے لوگوں کو خریدا، وہ کہتے ہیں کہ خاندان بنو امیہ کے دوسرے حکمرانوں نے معاویہ کی پیروی کی اور خاندان بنو ہاشم کے ان لوگوں سے مقابلہ کرنے میں جن کو خلافت کا دعویٰ تھا، مال و دولت ہی کو اپنا آلہ اور سپر بنایا۔ اردو ترجمہ تاریخ تمدن اسلامی حصہ دوم ص ۱۶! روپیہ کی رشوت دے کر لوگوں کو اپنی طرف کر کے اپنی حکومت کو مستحکم کرنے کی پالیسی امیر معاویہ نے خلفائے اولین سے سیکھی تھی انہوں نے بھی ایسا ہی کیا تھا۔ دیکھو کتاب

ہذا ص ۷، ۱۰۴تا۱۰۹ - اور اب جو ہمارے لیڈر و رہنما و بیوں میں فروخت ہو جاتے ہیں یہ بھی اس ہی سبق کی یاد میں ہے، معاویہ کی سیاست کو لوگ نہایت کامیاب بتاتے ہیں، اس سیاست کے ارکان، رشوت، فریب، مکر، دغا اور زہر تھے۔ حضرت علی کی سیاست ناکامیاب تھی کیونکہ وہ ان اجزا سے مرکب نہیں تھی۔

یہ سب کچھ جناب امام حسین علیہ السلام نے دیکھا، یہ بھی دیکھا کہ بنو امیہ اور ان کے افسران کتنے بے رحم، بے دین ہیں جو کسی ظلم سے دریغ نہیں کرتے، اسلام کے ارکان کو بھلا دیا ہے، بے حد دولتمند ہیں، اپنی دولت سے سب کو خرید لیا ہے باوجود بے انتہا کوششوں کے حضرت علی ان کو جنگ کے لئے آمادہ نہ کر سکے۔ یہ بھی امام حسین علیہ السلام نے دیکھا کہ ان کے برادر معظم نے جب اپنے لشکر کو معاویہ سے جنگ کرنے کا حکم دیا تو انہوں نے الٹا اپنے سردار کا خیمہ لوٹ لیا اور مجبور ہو کر امام حسن علیہ السلام نے حکومت ظاہری معاویہ کے سپرد کر دی۔ باوجود اس تجربے کے امام حسین علیہ السلام اس سلطنت کو درہم و برہم کرنے کے لئے نکلتے ہیں کس لشکر کے ساتھ صرف اپنی عورتوں بچوں اور قریب ترین رشتہ داروں کے ساتھ، اب ہم دیکھتے ہیں کہ اس بیس برس کے عرصہ میں امام حسینؑ نے اس مضبوط سلطنت پر یورش کرنے کے خیال سے کیا تیاری کی تھی، اور اس دوران میں اس سلطنت کی طاقت بڑھی یا گھٹی۔

امر سوئم۔ ۴۰ھ سے ۶۰ھ تک کا بیس برس کا وقفہ

موافق و مخالف تاریخ کی کتابوں کو دیکھ ڈالو، یہ امر واقعہ ہر ایک میں عیاں ہے کہ امام حسین علیہ السلام کی اس زمانہ کی زندگی بالکل خاموشی اور گوشہ نشینی کی زندگی ہے۔ کسی باہر کی جماعت سے نہ خط و کتابت اور نہ سیاسی منصوبے، جو شخص ایک حکومت کو الٹنا چاہتا ہے، وہ عرصہ سے اسکے لئے تیاری کرتا ہے۔ جماعت بناتا ہے۔ ہم خیال لوگ پیدا کرتا ہے، اور جب دیکھ لیتا ہے کہ میری طاقت ٹکر لینے کے لئے کافی ہے، اسوقت اٹھتا ہے، امام حسین کا طرز عمل صاف بتا رہا ہے کہ انہیں ادھر کا

خیال ہی نہیں، برخلاف اسکے امیر معاویہ کی خلافت اس بیس برس کے عرصہ میں کہیں سے کہیں پہنچ گئی

امر چہارم۔ امام حسین کے حالات تخت نشینیٔ یزید سے آپ کی روانگیٔ مکہ تک

امیر معاویہ کی فوتیدگی تک آپ کی زندگی ایسی ہی گوشہ نشینی کی تھی اور اس کے مرنے پر جو واقعات درپیش آئے وہ ہم امر اول کے نیچے لکھ چکے ہیں، آپ کو مدینہ سے نکالا گیا اور حرم میں محض اپنی حفاظت کے لئے تشریف لے گئے۔

امر پنجم۔ مکہ کے حالات کوفیوں کے خطوط

عبداللہ ابن زبیر جناب امام حسین علیہ السلام سے پہلے مکہ پہنچ چکے تھے اور وہاں پہنچتے ہی اپنی حکومت کی تیاریاں شروع کر دی تھیں، جب جناب امام حسین علیہ السلام وہاں پہنچے تو عبداللہ ابن زبیر کو بہت برا معلوم ہوا، کیونکہ لوگ جناب امام حسینؑ کی طرف زیادہ جھکتے تھے۔ اور اگر جناب امام حسین علیہ السلام چاہتے تو اپنی بیعت ان سے لینی شروع کر دیتے، لیکن آپنے ایسا نہ کیا، صاحب حبیب السیر لکھتے ہیں۔

"اما حقیقۃ ابن زبیر رضی اللہ عنہ بر بودن امام زمن در مکہ راضی نبود زیرا کہ داعیۂ خروج وطلب خلافت داشت و می دانست کہ تا آنحضرت در حریم حرم باشد کسی متابعتش نخواہد نمود۔

حبیب السیر جلد دوئم جزو اول ص ۲۳

مولوی سید اولاد حیدر صاحب فوق بلگرامی اپنی کتاب ذبح عظیم میں تاریخ طبری کی عبارت اس طرح نقل کرتے ہیں :۔

اور تاریخ طبری میں ہے وکان الحسین علیہ السلام اثقل خلق اللہ علی ابن الزبیر قد عرف ان اھل الحجاز لا یبایعونہ ولا یبایعونہ ابدا ما دام الحسین بالبلد وان حسینا اعظم فی اعینہم وانفسہم منہ اطوع فی الناس منہ

امام حسین علیہ السلام تمام مخلوق سے زیادہ عبداللہ ابن زبیر پر گراں تھے، کیونکہ عبداللہ جانتے تھے کہ جب تک حسین ابن علی علیہ السلام یہاں مکہ میں موجود ہیں اہل حجاز کبھی میرے ہاتھ پر بیعت نہیں کریں گے لوگ بے شک حسین علیہ السلام کی عظمت اہل حجاز کی نگاہوں میں اور دلوں میں عبداللہ ابن زبیر سے زیادہ تھی اور یہ لوگ ان کی اطاعت کے لئے زیادہ مستعد تھے۔

ذبح عظیم مطبوعہ مقبول پریس دہلی۔ بار دوئم۔ ص ۲۰۲

نیز ملاحظہ ہو:۔

مروج الذہب مسعودی۔ الجزء الثالث ص ۵۔

تاریخ ابن کثیر شامی الجزء الثامن ص ۱۵۱۔

ایک طرف تو عبداللہ ابن زبیر آپ کا رہنا وہاں نہیں چاہتے تھے، دوسری طرف یزید کے بھیجے ہوئے آدمیوں نے آپ کی زندگی خوف زدہ بنادی تھی حاجیوں کے بھیس میں بہت سے یزیدی ایجنٹ اس کام پر مامور ہو کر آئے تھے کہ وہاں حسین کو جس حالت میں بھی ہوں قتل کردیں، اور امام حسین کو ان باتوں کا علم تھا شیخ سلیمان القندوزی البلخی مفتی اعظم قسطنطنیہ نے اپنی کتاب ینابیع المودۃ کے باب حادی ستون میں ابو مخنف کی کتاب مقتل سے واقعات لے کر لکھے ہیں وہ کہتے ہیں:۔

وکان فیہ خروج الحسین رضی	(جس دن مسلم کوفہ میں قتل ہوئے) اسی دن
اللہ عنہ من مکہ الی العراق	امام حسین مکہ سے عراق کی طرف طواف خانہ کعبہ
بعد ان طاف وسعی واحل	وسعی اور تحصیل تحلیل احرام وغیرہ فرما کر اپنے حج
من احرامہ وجعل حجہ عمرۃ	کو عمرہ مفردہ سے تبدیل کرنے کے بعد روانہ
مفردۃ لانہ لم یتمکن من	ہوگئے، کیونکہ اتمام حج تک آپ کا وہاں
اتمام الحج مخافۃ ان یبطش بہ	رہنا ممکن نہ تھا بوجہ اسکے کہ آپکو خوف لگا ہوا

ویقع الفنا فی الموسم فی مکہ لان یزید ارسل مع الحجاج ثلاثین رجلا من شیاطین بنی امیہ وامرھم بقتل الحسین علی کل حال	تھا کہ آپ پر اس سے بھی زیادہ سختی کی جائیگی جس کے باعث مکہ معظمہ میں خصوصاً موسم حج کے زمانہ میں فساد واقع ہوگا کیونکہ یہ امر واقعہ ہے کہ یزید نے شیاطین بنی امیہ میں سے تیس آدمیوں کو قافلہ حجاج کیساتھ صرف اس ہی امر کیواسطے روانہ کردیا تھا کہ وہ امام حسین کو جس حال میں پائیں قتل کردیں۔

جناب امام حسین علیہ السلام کو اس بات کا علم تھا، چنانچہ جب لوگوں نے آپ کو عراق جانے سے منع کیا بطور ظاہرداری کے یا دل سے تو آپنے فرمایا۔

ثم قال الحسین واللہ لان اقتل خارجاً منہا بشبر احب الی من ان اقتل داخلاً منہا بشبر و ایم اللہ لو کنت فی حجر ھامۃ من ھذہ الھوام لاستخرجونی حتی یقضوا فی حاجتہم و واللہ لیعتدن علی کما اعتدت الیہود فی السبت	پھر امام حسین نے کہا کہ قسم بخدا اگر میں ایک بالشت بھر مکہ کے باہر قتل کیا جاؤں تو وہ میرے نزدیک محبوب تر ہے بہ نسبت اسکے کہ ایک بالشت اس کے اندر قتل کیا جاؤں قسم بخدا اگر میں سوراخ موذی میں چلا جاؤنگا تب بھی مجھ کو یہ لوگ وہاں سے نکال کر اپنی خواہش قتل پوری کرینگے قسم بخدا میرے معاملہ میں یہ لوگ اسی طرح حدود خداوند تعالیٰ سے باہر ہو جائیں گے جس طرح یہودی سبت کے معاملہ میں ہوئے تھے۔

تاریخ طبری:۔ الجزء السادس۔ صفحہ ۲۱۷، ۲۳۳۔

جو خیالات عبداللہ ابن زبیر کے امام کے متعلق تھے ان کا علم سب کو تھا جب عبداللہ ابن عباس حضرت امام حسین کے پاس سے ان کو سفر عراق کو ترک کر دینے کا مشورہ دیکر عبداللہ ابن زبیر کے پاس آئے تو یہ فرمایا کیونکہ امام حسینؑ نے اس مشورہ کو قبول نہیں کیا تھا۔

ثم خرج ابن عباس من عندہ	پھر ابن عباس جناب امام حسین کے پاس سے آئے

فمر بعبد الله بن الزبیر فقال قرت عینك یا ابن الزبیر ثم قال

اور ان کا گزر عبداللہ ابن زبیر کی طرف ہوا تو ابن عباس نے کہا کہ اے ابن الزبیر تمہاری آنکھیں ٹھنڈی ہوئیں پھر یہ شعر پڑھے جن کا ترجمہ یہ ہے۔

یالك من قبرة بمعمر
خلالك الجو فبیضی واصفری
ونقری ماشئت ان تنقری
هذا حسین یخرج الی العراق
وعلیك بالحجاز۔

چنڈال چڑیا اب تو خوب عیش کر کہ تیرے لئے ساری فضا خالی ہو گئی خوب انڈے دے اور بچے نکال اور خوب راگ گائے جا۔ یہ حسین عراق کو جاتے ہیں اور تم حجاز کو سنبھالو۔

تاریخ طبری۔ الجزء السادس ص ۲۱۷۔
مروج الذہب مسعودی۔ ص ۵۔
تاریخ ابن کثیر شامی۔ الجزء الثامن ص ۱۶۰، ۱۶۵۔

جناب امام حسین علیہ السلام جانتے تھے کہ عبداللہ بن زبیر کے اس شوق حصول خلافت کا کیا نتیجہ ہوگا: چنانچہ جب عبداللہ ابن زبیر نے ظاہر داری کے لئے ہچکچاتے ہوئے آپ کو صلاح دی کہ عراق نہ جائیں تو جناب امام حسین علیہ السلام نے فرمایا۔

فقال له الحسین ان ابی حدثنی ان بها كبشا یستحل حرمتها فما احب ان اكون انا ذلك الكبش۔

ابن زبیر سے حسین نے کہا کہ میرے والد بزرگوار نے فرمایا تھا کہ مکہ میں ایک مینڈھا ذبح ہوگا جس سے مکہ کی حرمت جائے گی۔ میں نہیں چاہتا کہ وہ مینڈھا میں بنوں۔

تاریخ طبری :۔ الجزء السادس ص ۲۱۷۔
تاریخ ابن کثیر شامی۔ الجزء الثامن ص ۱۶۲۔

ایک اور واقعہ علامہ طبری نے لکھا ہے جس سے عبداللہ بن زبیر کی دلی حالت خوب اچھی طرح معلوم ہوتی ہے۔

اتاه ابن الزبير فحدثه ساعة ثم قال ما ادري ما تركنا هؤلاء القوم وكففنا عنهم و نحن ابناء المهاجرين وولاة هذا الامر دونهم خبرني ما تريد ان تصنع فقال الحسين والله لقد حدثت نفسي باتيان الكوفة ولقد كتب الي شيعتي بها واشراف اهلها واستخير الله فقال له ابن الزبير اما لو كان لي بها مثل شيعتك ما عدلت بها قال ثم انه خشي ان يتهمه فقال اما انك لو اقمت بالحجاز

جناب امام حسین کی خدمت میں ابن زبیر آئے اور کہا کہ میں نہیں جانتا کہ یہ لوگ ہماری مخالف کیوں ہیں۔ ہم مہاجرین کی اولاد ہیں اور امر خلافت کے حقدار ہیں، مجھے آپ بتائیں کہ آپ کا کیا ارادہ ہے، امام حسین نے جواب دیا کہ میرا ارادہ ہے کہ میں کوفہ جاؤں وہاں سے میرے دوستوں نے بلانے کیلئے بہت سے خطوط بھیجے ہیں اور میں خدا سے اس معاملہ میں نیکی چاہتا ہوں۔ ابن الزبیر نے کہا کہ اگر میرے اتنے دوست وہاں ہوتے تو میں اس کے باہر کبھی نہ رہتا۔ راوی کہتا ہے کہ پھر ابن الزبیر کو خیال آیا کہ ممکن ہے مجھ پر کوئی تہمت نہ لگائی جائے اسلئے یہ بھی کہہ دیا کہ اگر آپ حجاز میں ٹھہر جائیں تو بھی اچھا ہے۔

تاریخ طبری :۔ الجزء السادس ص ۲۱۶ ۔

نیز ملاحظہ ہو :۔

مروج الذہب مسعودی الجزء الثالث ص ۵ ۔

تاریخ ابن کثیر شامی ۔ الجزء الثامن ص ۱۶۰ ۔

اردو ترجمہ "تاریخ ابن کامل ۔ خلافت بنو امیہ حصہ اول ص ۱۳۸ ۔

یہ عبد اللہ ابن زبیر وہی بزرگوار ہیں جو جنگ جمل کی روح رواں تھے، اور جنھوں نے حضرت عائشہ کے سامنے چشمۂ حواب کی متعلق حلف دروغی خود کی تھی، اور لوگوں سے جھوٹی گواہی دلوائی تھی، ان کی نسبت جناب امیر فرمایا کرتے تھے کہ زبیر بن العوام ہم میں سے تھے حب تک کہ ان کا لڑکا عبد اللہ جوان نہیں ہوا تھا

اور جب وہ جوان ہو گیا تو اس نے زبیر کو ہمارے مخالف کر دیا، ابن خانہ تمام آفتاب است باپ زبیر، ایسے تھے کہ جیسا ہمیں معلوم ہے، عبداللہ ابن زبیر ایسے تھے کہ جیسا ذکر ہوا، ان کے بھائی عمرو بن زبیر دنیا کی ہوا و ہوس میں ایسے گھرے ہوئے تھے کہ یزید کی طرف سے ہو کر خود اپنے بھائی پر فوج کشی کی۔

یہ تھی وہ حالت اور یہ تھے وہ لوگ جن کے درمیان میں امام حسین علیہ السلام نے اپنے تئیں مکہ میں پایا، یہ امر قابل ذکر ہے کہ کوفیوں کے خطوط اس وقت آپ کے پاس آنے شروع ہوئے کہ جب آپ مدینہ سے مکہ میں تشریف لے آ چکے تھے۔ یعنی یہ معاملہ یزید نے بہت پہلے سے شروع کر دیا تھا۔ دیکھو:-

اردو ترجمہ تاریخ ابن خلدون جلد پنجم ص ۳۰

تاریخ طبری:- الجزء السادس ص ۱۹۴۔

اردو ترجمہ تاریخ الکامل۔ خلافت بنو امیہ حصہ اول ص ۱۳۸۔

تاریخ ابن کثیر شامی۔ الجزء الثامن ۱۵۱۔

لہذا یہ نہیں کہا جا سکتا کہ کوفیوں کے خطوط اس معاملہ کے محرک ہیں امر واقعہ یہ ہے کہ مکہ میں کوفیوں کے سینکڑوں خطوط آئے اور آنجناب نے ان کی طرف توجہ نہ کی، آخری خط کا مضمون ایسا تھا کہ جس نے آپ کو بے قرار کر دیا، اور آپ رفع حجۃ کے لئے ان کو ہدایت کرنے کے لئے کھڑے ہو گئے درآنحالیکہ آپ جانتے تھے کہ کوفی وفا نہ کریں گے، وہ خط علامہ ابو اسحاق ابراہیم بن محمد بن ابراہیم اسفرائنی امام محدثین اہل سنت وجماعت نے اپنی کتاب نور العین فی مقتل الحسین میں نقل کیا ہے اس کے اردو ترجمہ ضیاء العین فی مقتل الحسین سے ہم ذیل کی عبارت نقل کرتے ہیں جناب امام حسین علیہ السلام کے مخالفین کے ہاتھ میں یہ کوفیوں کے خطوں کا معاملہ ایسا ہے کہ جس کو وہ ہر طرح سے اچھالتے پھرتے ہیں۔ لہذا اس کی ماہیت معلوم کرنی ضروری ہے، علامہ اسفرائنی لکھتے ہیں (عبارت اردو ترجمہ کی ہے)

اس رائے پر سب کا اتفاق ہوا، اور ایک خط حضرت کو لکھا گیا، جس کا مضمون

یہ تھا یا ابا عبداللہ آپ کو معلوم ہو کہ یزید ہم پر اور تمام ملک پر ظالم و جابر ہو کر حکومت کرتا ہے
اور اس کا ظلم و جور ایسا عام ہو گیا ہے کہ کوئی شخص ظلم سے نہیں بچا، اس
نے اپنے لشکر میں سے ایک ایسے شخص کو مقرر کیا ہے جو اس سے بھی زیادہ
جابر و طاغی ہے اس کا نام عبیداللہ ابن زیاد ہے اور خلافت یزید اور اس
کے باپ کا حق نہیں ہے بلکہ وہ آپ کا اور آپ کے باپ دادا کا حق ہے۔ ہم چاہتے
ہیں کہ جس وقت یہ خط پہنچے آپ یہاں تشریف لائیے اور خلافت کو لیجئے،
اور ہم پر حکمرانی کیجئے ہم آپ کے ساتھ رہیں گے، اور آپکی ہر طرح مدد کرینگے
آپ اس کے مستحق ہیں اور یزید سے عادل تر ہیں بے شک آپ عادل
ہیں اور آپ پر لازم ہے کہ یہاں پہنچنے میں صرف بقدر مسافت راہ کے
دیر ہو زیادہ توقف نہونے پائے، راوی کہتا ہے کہ اس خط کو ملفوف
کیا اور اہل کوفہ میں سے ایک کو معین کرکے بھیجا وہ روانہ ہوا، اور بعد
قطع منازل کے مکۂ مشرفہ میں داخل ہوا، اور حضرت کے مکان پر پہونچا
آپ اس وقت گھر میں موجود تھے اس نے گھر میں داخل ہونے کی اجازت
چاہی، بعد حصول اجازت حاضر خدمت ہوا اور سلام کرکے دونوں ہاتھوں
کو بوسہ دیا، اور خط نکال کر حضرت کو دیا، آپ نے اس خط کو لے کر پڑھا
اور اس کے مضمون کو سمجھا، جب آپ نے اس مضمون کو ملاحظہ فرمایا تو خط
کو ہاتھ سے پھینک دیا، اور قاصد کو گھر سے نکال دیا، اور کچھ جواب نہ
دیا، بلکہ اس سے بالکل بات نہ کی یہ حال دیکھ کر قاصد ناامید اور مایوس
ہو کر چلا آیا، اور کوفہ کو روانہ ہوا، اور جو کچھ اس نے دیکھا تھا بیان کیا
کہ آپ نے اسکے خط پر التفات نہ کیا، اور نہ کچھ جواب دیا، اور نہ کچھ باتیں
کیں، پھر اہل کوفہ نے دوسرا خط بھیجا، اور تیسرا خط بھیجا، اور چوتھی مرتبہ
بھیجا، حضرت اس پر کچھ التفات نہ کرتے تھے بلکہ آپ تمام دن حرم کعبہ
کو نہ چھوڑتے تھے دن کو حرم کعبہ میں رہتے تھے اور روزہ رکھتے تھے۔

اور رات کو تمام شب نماز پڑھتے تھے اور عبادت الٰہی میں معتکف رہتے تھے
اسی طرح ہمیشہ حرم میں نماز پڑھتے رہتے تھے، اور خانہ کعبہ کا طواف کیا
کرتے تھے اور اس حال میں اہل کوفہ برابر خط بھیجے جاتے تھے، اور
یہی مضمون ان کا ہوتا تھا، کہ تشریف لائیے اور خلیفہ بن جائیے، اسی
حال پر ایک سال گزر گیا، کہ اہل مکہ کے برابر خطوط چلے آتے تھے یہاں
تک کہ اہل عراق اور کوفہ کے ہزار خط کے قریب آپ کے پاس جمع ہو گئے، اور
ہر ایک کا یہ مضمون تھا کہ یا ابا عبداللہ آپ یہاں تشریف لائیے، ہم آپکی
مدد کرینگے، اور خلافت آپ کا اور آپکے دادا کا حق ہے آپ کچھ التفات نہ کرتے
تھے بلکہ یہ فرماتے تھے کہ میں مکہ سے ہرگز باہر نہ جاؤں گا، اور جب تک کہ
موت آئے ہرگز نہ ہٹوں گا، اور یہیں مروں گا اور نہ بندگان خدا
پر ظلم کرنے کی خواہش ہے اور خدا مجھ کو ظلم سے دور رکھے اسواسطے کہ
اللہ ظالم نہیں وہ محض عدل اور صلاح ہے، راوی کہتا ہے کہ اسی عرصہ
میں ایک روز حسینؑ اپنے گھر میں بیٹھے تھے کہ ایک کوفہ کا سوار آیا اور اس
نے دروازہ پر دستک دی آپ نے اندر سے آواز دی کہ دروازہ پر کون
ہے اس نے جواب دیا، رسول اللہ! - اے حسین آپنے اس کو اندر آنے
کی اجازت دی وہ اندر آگیا، اور آپکے دونوں ہاتھ چومے اور خط نکال
کر دیا، آپنے اسکو پڑھا اور اس کے مضمون کو سمجھا کہ وہ اہل کوفہ کی طرف
سے ہے وہ اس میں تحریر کرتے ہیں کہ اے حسین اے فرزند دختر رسول
تم جانتے ہو کہ یزید بن معاویہ نے ہم پر بہت ظلم کیا ہے، مردوں کو قتل
کیا، اور مال کو لوٹا اور خدا سے سرکشی کی اور تمرد کیا اور ہمارے اوپر ایسے
شخص کو حکمران کیا ہے کہ اس کا نام عبداللہ بن مرجانہ ہے اور وہ ظالم
عیار اور سرکش غدار ہے اور عموماً سب پر ظلم کرتا ہے برے کاموں کا حکم
دیتا ہے اچھے کاموں کو منع کرتا ہے شراب ہمارے روبرو پیتا ہے اور

خدا سے نہیں ڈرتا، اس نے بدکاریوں کو پھیلا دیا ہے بندگانِ خدا
میں ظلم اور جور ظاہر کر دیا ہے، کسی کام میں خدا کا خوف نہیں رکھتا ہے
اور عدل کو رعایا سے پوشیدہ اور ظلم کو علے الاعلان ظاہر کر دیا ہے۔
یا ابا عبداللہ ہم نے قبل ازیں آپکے پاس قریب ہزار خطوط کے بھیجے،
اور ہر ایک خط میں یہ مضمون ہے کہ آپ تشریف لائیے اور ہم یزید کے
خلاف آپ کی مدد کرینگے، اور آپ اپنے باپ دادا کی خلافت کو لیجئے
ہمارے اوپر حکومت کیجئے یا اپنے اقربا سے کسی کو ہم پر حاکم مقرر کر دیجئے
ہم آپکے نانا محمد مصطفٰے کا واسطہ دلاتے ہیں کہ آپ یہاں تشریف لائیے
ہم آپکی مدد بمقابلہ یزید کریں گے، اور آپ خلافت لیویں اور اگر
آپ تشریف نہ لائیں گے تو کل روز قیامت خدا کے حضور میں ہم
آپ کی فریاد کرینگے، اور آپ پر دعوٰی کریں گے اور عرض کریں گے،
حق تعالےٰ سے کہ اے پروردگار ہم پر حسین نے ظلم کیا اور ہمارے اوپر
ظلم ہونے سے وہ راضی ہوئے اور تمام خلائق بھی فریاد کریگی کہ اے
پروردگار ہمارے حق کو حسین سے دلا، اسوقت آپ کیا کہیں گے اور
کیا جواب دیں گے حق تعالےٰ آپ سے کہے گا کہ تم ان کا حق ادا کرو،
راوی کہتا ہے کہ جب اس خط کو حسین نے پڑھا تو آپ کے رونگٹے خوف
الٰہی سے کھڑے ہوگئے اور جسم مبارک تھرا گیا، اور قلب کانپ اٹھا،
اسواسطے کہ آپنے معلوم کیا کہ وہ لوگ اس قسم کی فریاد کرتے ہیں،
کہ ہم پر ظلم ہوتا ہے اور نانا کی قسمیں دلاتے ہیں پس اسی وقت آپ اٹھ
بیٹھے اور آپ کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے، اور آپنے کاغذ اور
دوات قلم تانبے کا منگایا اور اہل کوفہ و عراق کو یہ خط لکھا بسم اللہ
الرحمٰن الرحیم یہ نامہ ہے جناب حسین ابن علی ابن طالب بنام اہل کوفہ
و عراق آگاہ ہو کہ تم نے میرے پاس ہزار خط بھیجے میں کچھ التفات

نہ کرتا تھا کیونکہ میری مراد اور تمنا محض یہ ہے کہ جوار کعبہ میں رہوں
یہاں تک کہ مر جاؤں اور اب تمہاری طرف سے شکایت ظلم یزید وغیرہ
کی بہت ظاہر ہوئی، اس سبب سے میں عنقریب تمہارے پاس پہنچوں گا،
اور اس خط کے ہمراہ مسلم ابن عقیل کو بھیجتا ہوں"
اس سے بھی ظاہر ہے کہ امام حسین علیہ السلام جانتے تھے کہ کوفی دغا کرینگے اور
اس کے بعد آپ کو ہر ایک مخلص دوست نے یہ ہی صلاح دی کہ کوفہ کی طرف نہ جائیے
اور جہاں آپ کا جی چاہے چلے جائیں، کتب تاریخ میں ان کے نام اور ان کی
نصیحتیں درج ہیں چند ان میں سے یہ تھے۔ (۱) عمر بن عبد الرحمٰن بن الحارث
بن ہشام المخزومی (۲) عبد اللہ ابن عباس (۳) فرزدق شاعر (۴) عبد اللہ
بن جعفر بن ابی طالب (۵) عمرو بن سعید وغیرہ، ان میں سے عبد اللہ ابن
عباس بار بار جناب امام حسین علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے، اور
کوفہ کی طرف جانے سے منع کرتے تھے۔ فرزدق شاعر مکہ میں بھی آپ سے ملا تھا،
اور جب آپ باہر نکل چکے تھے پھر بھی ملا، عبد اللہ ابن جعفر بن ابی طالب کا خط
آیا تھا، ان تمام لوگوں کی نصیحت ایک ہی تھی اور وہ یہ کہ کوفہ والوں پر اعتبار نہیں
ہو سکتا، آپ کے باپ و بھائی کے ساتھ انہوں نے کیا کیا جو آپ کے ساتھ کریں گے۔
ان کی زبانیں آپ کے ساتھ ہیں اور ان کی تلواریں بنو امیہ کے ساتھ ہیں، اگر
آپ جاتے ہیں تو اہل و عیال کو نہ لے جائیں۔ یقین کامل ہے کہ آپ وہاں قتل
ہو جائیں گے، امام حسین یہی ایک جواب دیتے تھے کہ جہاں میں جاؤں گا، وہاں یہ
مجھے قتل تو ضرور کرینگے، اب تو میں نے کوفہ جانے کا ارادہ مصمم کر لیا ہے۔ یہ بھی آپ کو
صلاح دی جاتی تھی کہ موسم حج ہے یہاں رہ کر لوگوں میں اپنے ارادہ کی تبلیغ
و اشاعت کریں اور کوفیوں کو لکھ دیں کہ جب تم اپنے امیر کو وہاں سے نکال دو گے،
تب ہم آئیں گے چونکہ اس صلاح پر عمل کرنے سے آپ کا مقصد فوت ہوتا تھا، انکار کر دیا
ورنہ سیاسی حالت کو مدنظر رکھ اگر امام حسین کا ارادہ خروج کا ہوتا تو بہترین صلاح تھی۔

دیکھو:-

تاریخ طبری:- الجزء السادس ص ۲۱۶ لغایت ۲۱۹۔

مروج الذہب مسعودی، الجزء الثالث ص ۵

تاریخ ابن کثیر شامی۔ الجزء الثامن ص ۵۹ الغایت ۱۶۱، ۱۶۲ الغایت ۱۶۴۔

امر ششم۔ سفارت مسلم ابن عقیل | کیا لوگ جناب رسول خدا کے طرز عمل کو اتنا بھول گئے، کہ جناب امام حسین کے ایک فعل کو بھی نہیں سمجھ سکتے، کیا آپ نے تاریخ میں یہ نہیں پڑھا کہ اکثر ایسا ہوا ہے کہ کسی قبیلہ نے آنحضرت سے درخواست کی ہے کہ ہماری بستی کی ہدایت و تبلیغ اسلام کے لئے اپنا معتبر آدمی جو علم دین سے واقف ہو بھیج دیں اور آنحضرت بھیجدیا کرتے تھے، ان کو لڑائی کا حکم نہیں ہوتا تھا، کبھی ایسا بھی ہو جاتا تھا کہ مکر و فریب کے ساتھ ان معلمین اسلام کو لے جاتے تھے اور قتل کر دیتے تھے، اس کا بدلہ لینا آنحضرت پر واجب ہو جاتا تھا مسلم ابن عقیل کو جناب امام حسین نے بھیجا، لیکن تنہا بھیجا، لشکر دے کر نہیں بھیجا، کیا غنیم کے ملک پر اس طرح حملہ ہوا کرتا ہے، کیا معاذ اللہ آپ امام حسین کو عقل و فراست سے ایسا معرا سمجھتے ہیں کہ انہوں نے ہزار خطوط کو ہزار آدمی سمجھ لیا، یہ بھی یقین کر لیا کہ خواہ کچھ ہو جائے وہ اپنی اس تحریر پر قائم رہیں گے، یہ بھی نہ تحقیقات کی کہ ایک ہی آدمی یا ایک ہی جماعت نے تو یہ سب خطوط نہیں لکھے، کتب تواریخ سے تو اتنا ہی ظاہر ہوتا ہے وہ ایک ہی جماعت تھی جو بار بار خط لکھ رہی تھی، اور چونکہ مکہ و مدینہ میں جائے امن و قیام نہیں ملتی تھی۔

آپ نے یہ ایزاد کر دیا کہ اگر تم مسلم سے حسن سلوک پیش آؤ گے تو ہم بھی آ جائیں گے، مدینہ سے مکہ کو آپ تشریف لائے تو وہ تو یزید کے خلاف خروج نہ سمجھا گیا۔ اگر مکہ سے کوفہ کی طرف چلے تو وہ کیوں خروج سمجھا جائے، ایک شخص رعایا سے ادھر سے ادھر جا رہا ہے، اس کی آمد و رفت پر کیوں روک ٹوک ہو اور اس کو کیوں یورش، خروج یا حملہ سمجھا جائے کبھی امام حسین نے اعلان جنگ

یا بغاوت کیا؟ لوگوں کو حکومت کے خلاف اپنی طرف بلایا؟ ان سب باتوں کو جانے دو، کس ساز و سامان کے ساتھ آپ مکہ سے نکلے؟ اگر لشکر کو تیار کر کے نکلے تو خروج تھا، اگر عورتوں و بچوں کے ساتھ نکلے تو تلاش امن و قیام کی ایک کوشش تھی لوگوں کی ہدایت اس کا منشاء تھا۔

امر ہشتم کس ساز و سامان کے ساتھ امام حسین ؑ نے "خروج" کیا

ہر زمانہ کی سیاست ملکی بلکہ معمولی عقل انسانی آپ کو بتادیگی کہ جو شخص ایک مستقل مستحکم اور مضبوط سلطنت کے خلاف اُٹھتا ہے تو وہ کیا تیاریاں کرتا ہے، اور کس سامان کے ساتھ اُٹھتا ہے، بیان کیا جاتا ہے کہ امام حسین سلطنت بنی اُمیہ کا تختہ الٹنے کے لئے مکہ سے نکلے کس ساز و سامان کے ساتھ، صرف اپنی عورتوں، بچوں اور نہایت قریبی رشتہ داروں کے ساتھ، بہت سے رشتہ داروں کو بھی چھوڑ دیا تھا جنہوں نے خود ہی ہمراہ چلنے کا ارادہ نہیں کیا۔ مثلاً محمد حنفیہ، عبداللہ ابن عباس عبداللہ ابن جعفر، وغیرہم صرف ان کو اپنے ہمراہ چلنے کی اجازت دی، جنھوں نے کسی حال میں حسین کو چھوڑنا نہ چاہا، علامہ طبری اپنی تاریخ میں لکھتے ہیں:۔

اقبل الحسین بن علی باھلہ من مکۃ۔ الجزء السادس ص ۲۲۳ — یعنی امام حسین مکہ سے عراق کی طرف صرف اپنے اہل و عیال کو لے کر نکلے۔

دوسری جگہ کہتے ہیں:۔

فاقبل الحسین بالصبیان والنسأ معہ لا یلوی علی شئ الجزء السادس ص ۲۲۴ — یعنی امام حسین مکہ سے بچوں اور عورتوں کو ساتھ لے کر نکلے۔

اردو ترجمہ تاریخ ابن خلدون جلد پنجم میں ہے: حسین ابن علی دسویں ذیحجہ سنہ ۶۰ ہجری کو مع اپنے اہل بیت کے مکہ سے کوفہ کو روانہ ہوئے جس میں بچے، عورتیں مرد بھی تھے۔ ص ۹۲۔ بچے عورتیں مل کر سب نوے انسان تھے۔ کتاب الامامت والسیاست ابن قتیبہ الجزء الاول ص ۱۸۶۔ راستے میں لوگ ملتے رہے، جدا ہوتے رہے، یہاں تک کہ جب کربلا میں پہنچے تو سب مل ملا کر صرف

۵۰ آدمی سوار تھے اور ایک صد پیادے تھے۔ تاریخ طبری الجزء السادس ص ۲۲

امر ہشتم۔ اقوال امام حسین بوقتِ خروج

جناب امام حسینؑ کے اقوال بوقتِ خروج از مکہ اوپر بیان کئے گئے ہیں یہ اقوال اس شخص کے ہیں جو جانتا ہے کہ میں مقتل کی طرف جارہا ہوں، یہ ناامیدی سے بھرے ہوئے موت کا یقین لئے ہوئے الفاظ اس کے نہیں ہوسکتے جو ایک مستقل و مستحکم سلطنت پر حملہ کرکے قبضہ کرنا چاہتا ہے۔

امر نہم۔ کوفہ کی طرف آپ نے کیوں رُخ کیا

جب ہم ان تمام امور کو مدنظر رکھ کر ایک آخری بحث کریں گے تو اس میں اس کا بھی ذکر کریں گے۔

امر دہم۔ امام حسین کی شہادت کی پیشینگوئیاں

امام حسین علیہ السلام اپنے جدامجد جناب محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو واقعی نبی برحق مانتے تھے، جانتے تھے اور اس کا یقین رکھتے تھے اور تمام کتب تاریخ و احادیث فریقین کی اس امر پر متفق ہیں کہ جناب رسولخداؐ نے امام حسین علیہ السلام کی شہادت کی پیشین گوئی کئی دفعہ کی تھی اور اس پیشین گوئی کو جناب علی مرتضیٰ نے بار بار امام حسین علیہ السلام سے نصیحت کرتے وقت دوہرایا تھا، حضرت عائشہ فرمایا کرتی تھیں کہ

سمعت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم یقول یقتل الحسین بارض بابل۔ تاریخ ابن کثیر شامی الجزء الثامن ص ۱۶۳۔

یعنی سنا میں نے جناب رسولخدا کو یہ کہتے ہوئے کہ حسین ارض بابل میں قتل کیا جائیگا۔

شیخ سلیمان القندوزی البلخی مفتی اعظم قسطنطنیہ نے اپنی کتاب ینابیع المودۃ میں ساٹھواں باب فقط ان صحیح احادیث کے لئے قائم کیا ہے۔ جو آنحضرت سے شہادت حسین علیہ السلام کے متعلق مروی ہیں اور جن میں آنحضرتؐ نے اس شہادت کی پیشین گوئی کی ہے اس باب میں انہوں نے یہ احادیث بہت سی کتب

ص ۱۰ ابن کثیر شامی لکھتا ہے کہ صرف ۳۲ سوار اور چالیس پیادے تھے۔ البدایہ والنہایہ الجزء الثامن ص ۱۷۰

احادیث مثلاً مشکوٰۃ، سنن بیہقی، مسند احمد حنبل، الاصابہ، جمع الفوائد، مسند ابی داؤد، مستدرک حاکم، معجم بغوی، طبقات ابن سعد وغیرہم، سے نقل کی ہیں۔ یہ امر ایسا مسلم ہے کہ اس کے لئے زیادہ حوالجات کی ضرورت نہیں۔

امر یازدہم۔ امام حسین کا طرز عمل راستہ میں

امر دوازدہم۔ امام حسین کا طرز عمل کربلا میں

امام حسینؑ کے جملہ منازل سفر کا بیان ہمارے مضمون سے باہر ہے۔ لیکن مکہ سے عراق تک کا یہ سفر ایسی عظیم الشان تاریخی و مذہبی حیثیت رکھتا ہے کہ مجھے سخت تعجب ہے کہ ہمارے مورخین و علمائے اس کی طرف وہ توجہ نہیں کی جو کرنی چاہئے تھی، اگر یہ مضمون یوروپین مورخین کے لئے بھی اتنی دلچسپی رکھتا ہوتا کہ جتنی وہ ہمارے لئے رکھتا ہے تو متعدد نقشے اس سفر کے بن جاتے، اور ہر ایک مورخ و سیاح موقعہ پر جاکر خود پیدل سفر کرکے ان نقشوں کو مرتب کرتا، جن میں ہر ایک منزل صحیح طور سے دکھائی جاتی، اس کے پرانے حالات اور موجودہ مقامات سب درج ہوتے۔ نہایت صحیح فاصلہ دکھایا جاتا، جن جن تاریخوں میں امام علیہ السلام اُن منازل میں اُترے، ان کی تحقیقات ہوکر نہایت صحت کے ساتھ معہ وقت کے درج ہوتیں، کتنے عرصہ ہر ایک منزل پر ٹھہرے، کس وقت وہاں سے روانہ ہوئے، منزل پر کون کون ملا، راستہ میں کون ملا، منزل سے کس فاصلہ پر ملا کیا گفتگو ہوئی، موسم کیسا تھا؟ ان منازل کی اب موجودہ حالت کیا ہے۔ پہلے کیا حالت تھی، پانی کہاں کہاں ملتا تھا، کہاں نہیں ملتا تھا، طوفان باد و ریگ کی کیا حالت تھی، ہر ایک منزل کے پاس کون کون سے مواضعات آباد تھے۔ کتنے کتنے فاصلہ پر کہاں تک آبادی پائی جاتی تھی، کتنی دور جاکر انسان آبادی سے باہر ہو جاتا تھا۔ ہمارے ہزاروں علماء علم حاصل کرنے جاتے ہیں سینکڑوں زائرین بغرض حصول ثواب زیارت کو جاتے ہیں۔ حج کو جاتے ہیں، کاش خداوند تعالےٰ اپنے کسی بندہ کو ہدایت دے جو اس طرف توجہ کرے اور ذرا ہمت کرکے مکہ سے کربلا تک پیدل سفر کر جائے، دوران سفر میں تحقیقات کرتا جائے انشاء اللہ کامیاب ہوگا

آج کل لوگوں کو جدید انکشافات اور جدید تھیوری کا بڑا شوق ہے جانتے ہیں کہ اگر وہ صحیح ثابت ہوئیں تو علم میں اضافہ ہوا اگر غلط ہوئیں تب بھی شہرت میں تو ضرور اضافہ ہو ہی جائیگا، لہٰذا اس طرف مشغول ہیں۔ ہم ان کو صلاح دیتے ہیں کہ اس نہایت اہم تاریخی و مذہبی سفر کی تحقیق کی طرف توجہ کریں تاکہ دونوں حاصل ہوں، ہم اس سفر کے حالات نہایت اختصار کے ساتھ تاریخ طبری، تاریخ کامل ابن اثیر، اور تاریخ ابن کثیر شامی سے لے کر بیان کرتے ہیں۔

پہلی منزل تنعیم۔ امام حسین کوفے آٹھویں ماہ ذی الحجہ ۶۰ھ ہجری کو روانہ ہوئے یہ پہلی منزل تھی۔

دوسری منزل صفاح۔ یہاں فرزدق شاعر ملا جو حج کو جا رہا تھا، اس سے کوفہ کے حالات پوچھے، اس نے بتایا کہ لوگوں کے دل آپکی طرف ہوں تو ہوں لیکن تلواریں بنو امیہ کے ساتھ ہیں۔ آپ اُدھر نہ جائیں ورنہ آپ قتل کر دئے جائیں گے۔

آپ وہاں سے چلے تو راستہ میں عبداللہ ابن جعفر کا خط لے کر ان کے دونوں پسران عون و محمد حاضر ہوئے، خط میں لکھا تھا کہ آپ ہرگز ہرگز کوفہ میں نہ جائیے، لوگ غدار ہیں، خط کے پیچھے میں بھی آتا ہوں، اور وہاں انہوں نے والی مدینہ عمرو بن سعید کے پاس جا کر امام حسین کے لئے امان حاصل کر لی، اس نے امان نامہ لکھ کر اپنے بھائی یحییٰ بن سعید اور عبداللہ ابن جعفر کے ہاتھ آپ کے پاس بھجوایا، یہ دونوں حضرات امام حسین کو راستہ میں ملے، آپنے واپس ہونے سے انکار کر دیا، اور فرمایا کہ میں نے خواب میں اپنے نانا کو دیکھا ہے اور انہوں نے مجھے چند ہدایات کی ہیں بس اب واپس نہ جاؤں گا۔

تیسری منزل۔ حاجر من بطن ذی الرمتہ۔ یہاں سے جناب امام حسین علیہ السلام نے قیس بن مسہر الصیداوی کو اپنا قاصد بنا کر کوفیوں کی طرف بھیجا اور

انہیں اپنے آنے کی اطلاع دی۔

چوتھی منزل زرود۔ یہاں زہیر ابن القین جناب امام حسین سے ملے۔

پانچویں منزل ثعلبیہ۔ یہاں جناب امام حسین علیہ السلام کو شہادت مسلم بن عقیل کی خبر ملی۔

چھٹی منزل زبالہ یہاں جناب امام حسین علیہ السلام کو اپنے برادر رضاعی عبداللہ بن یقطر کے قتل کی خبر ملی، جب جناب مسلم کی خبر کچھ عرصہ تک نہ آئی تو آپ نے عبداللہ بن یقطر کو ان کے تفحص حال کے لئے بھیجا تھا راستہ میں حصین ابن نمیر نے پکڑ کر ان کو عبیداللہ بن زیاد کے پاس بھیج دیا، اس نے ان کو حکم دیا کہ تم ممبر پر جا کر امام حسین اور ان کے والد حضرت علی کو سب وشتم کرو یہ ممبر پر گئے اور جا کر عبداللہ ابن زیاد اور یزید ابن معاویہ پر لعنت کی اس نے ان کو محل پر سے گروا کر شہید کر دیا، یہاں امام علیہ السلام نے ایک ایسا فعل کیا، جو ہمارے بیان پر بہت اچھی روشنی ڈالتا ہے اس کو ہم تاریخ طبری سے لکھتے ہیں، آپ نے لوگوں کو جمع کیا اور یہ خطبہ ادا فرمایا۔

فانہ قد اتانا خبر فظیعٌ قتل مسلم بن عقیل وھانی بن عروۃ وعبداللہ بن یقطر وقد خذلتنا شیعتنا فمن احب منکم الانصراف فلینصرف لیس علیہ منا ذمامٌ ۔ قال فتفرق الناس عنہ تفرقاً فاخذوا یمیناً وشمالاً حتی بقی فی اصحابہ الذین جاؤا معہ من المدینۃ وانما فعل ذلک لانہ ظن انما اتبعہ الاعراب لانہم ظنوا انہ یاتی بلداً قد استقامت لہ طاعۃ اھلہ فکرہ ان یسیروا معہ الا وھم یعلمون علٰی ما یقدمون وقد علم انہم اذا بین لھم لم یصحبہ الا من یرید مواساتہ والموت معہ

تاریخ طبری۔ الجزء السادس ص ۲۲۶

ترجمہ :- تحقیق کہ ہم کو شہادت مسلم بن عقیل و ہانی بن عروہ اور عبداللہ بن یقطر کی خبر ملی ہے۔ ہمارے دوستوں نے ہم کو چھوڑ دیا ہے لہذا تم میں سے جو چاہتا ہے وہ چلا جائے، اس کے اوپر کچھ ذمہ داری نہیں ہے۔
راوی کہتا ہے کہ یہ سن کر لوگ ادہر اُدہر ہو گئے، اور چلے گئے صرف وہی لوگ باقی رہ گئے جو مدینہ سے آپ کے ساتھ آئے تھے۔ جناب امام حسینؑ نے یہ بات اس لئے کی کہ آپ جانتے تھے کہ بہت سے لوگ صرف اس خیال سے ساتھ ہو گئے ہیں کہ ہم شہر میں جائیں گے اور وہاں ہماری اطاعت ہو گی امام حسین نے ناپسند کیا کہ وہ لوگ آپ کے ساتھ اس خیال کو لے کر چلیں، آپ جانتے تھے کہ جب آپ یہ کہہ دیں گے تو صرف وہی آپ کے ساتھ رہ جائے گا جس کو آپ سے محبت ہے اور وہ آپ کے ساتھ مرنا چاہتا ہے۔
یہی عبارت تاریخ کامل ابن الاثیر کی ہے دیکھو اردو ترجمہ تاریخ کامل خلافت بنوامیہ حصہ اول ص ۱۶۵۔ یہ واقعہ اسی طرح ابن کثیر دمشقی نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے لیکن اس نے اس کو منزل زرود کا واقعہ بیان کیا ہے۔ بہرصورت واقعہ یہی ہے۔ دیکھو البدایتہ والنہایتہ فی التاریخ الجزء الثامن ص ۱۶۹

ساتویں منزل بطن العقبہ
سنہ ۶۱ ہجری

آٹھویں منزل شراف :- اس منزل سے آپ چلے تھے کہ راستہ میں حر ابن یزید کی فوج دور سے دکھائی دی۔
مقام ذو حسم :- یہاں آپ سے حر بن یزید مل گئے اور انہوں نے آپ کو کوفہ کی طرف نہ جانے دیا، اب رخ کربلا کی طرف ہو گیا، حر اور ان کی فوج پیاسی تھی، گھوڑے اور اونٹ پیاس کے مارے بے تاب تھے۔ جناب امام حسینؑ

علیہ السلام نے سب کو پانی بلوایا، یہاں بھی آپ نے لوگوں کو دوبارہ مطلع کیا کہ میں موت کی طرف جا رہا ہوں، زہیر بن قین اور دیگر ہمراہیوں نے اپنی وفاداری کا اظہار کیا، اور عرض کی کہ ہم آپ کے ساتھ مرنے کو اپنی حیات سمجھتے ہیں۔ دیکھو تاریخ طبری الجزء السادس ص ۲۲۹۔ ذوحسم کوئی منزل نہ تھی۔ بلکہ راستہ میں منزل شراف سے آگے جب حُر مل گئے تو امام علیہ السلام ٹھہر گئے، انہیں اور ان کے لشکر کو پانی بلوایا اور خطبہ دیا۔

نویں منزل عذیب الہجانات:- چار سوار کوفہ کی طرف سے آتے ہوئے نظر آئے جن سے امام علیہ السلام نے ملاقات کی، انہوں نے آپ کو بتایا کہ کوفہ میں آپ کے قتل کی تیاریاں ہو رہی ہیں، آپ کے قاصد قیس بن مسہر الصیداوی کو حصین بن نمیر نے راستہ میں ہی سے پکڑ کر ابن زیاد کے پاس بھجوا دیا جس نے انہیں حکم دیا کہ ممبر پر جا کر امام حسین و علی علیہما السلام پر لعنت کرو، وہ ممبر پر گئے اور ابن زیاد و یزید پر لعنت شروع کر دی، ابن زیاد نے محل کے اوپر سے نیچے گرا دیا، اور وہ شہید ہو گئے، یہیں طرماح بن عدی ملے جنہوں نے صلاح دی کہ آپ ہمارے پہاڑوں میں چلے چلیں، وہاں ابن زیاد و عمر سعد کی پہنچ نہیں ہوگی، حر ابن یزید نے بھی اس تجویز کی مخالفت نہ کی لیکن امام علیہ السلام نے نہ مانا۔

دسویں منزل قصر بنی مقاتل

نینویٰ ۔ کربلا - دو تاریخ ماہ محرم ۶۱ھ ہجری کو بروز جمعرات جناب امام حسین علیہ السلام کربلا میں وارد ہوئے، عمر ابن سعد سے کئی ملاقاتیں ہوئیں صلح کی کوشش بھی کی گئی، امام حسین علیہ السلام نے صرف دو شرطیں پیش کی تھیں ایک تو یہ کہ میں وہیں واپس چلا جاؤں جہاں سے آیا ہوں۔ یا تم مجھ کو اس وسیع زمین میں کہیں کو چلے جانے دو، انہوں نے کبھی نہیں کہا کہ مجھے یزید کے پاس لے چلو تاکہ میں اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ میں رکھ دوں، یا ثغور مسلمین کی طرف جانے دو چنانچہ ہم تاریخ الکامل ابن الاثیر کے اردو ترجمہ سے یہ عبارت نقل کرتے ہیں۔

عقبہ ابن سمعان کا بیان ہے کہ میں مدینہ سے مکہ اور مکہ سے عراق تک امام حسین کے ہمراہ رہا اور ان کی شہادت کے وقت تک ان سے جدا نہ ہوا۔ میں نے ان کی وہ تمام تقاریر سنی ہیں جو انہوں نے اپنی شہادت کے دن تک لوگوں کے سامنے کیں، خدا کی قسم انہوں نے کبھی لوگوں سے یہ نہیں کہا کہ میں اپنا ہاتھ یزید کے ہاتھ میں رکھ دوں گا۔ یا یہ کہ تم مجھے مسلمانوں کی سرحد کی طرف لے چلو۔ بلکہ انہوں نے یہ فرمایا تھا کہ یا تو مجھے وہیں جانے دو جہاں سے آیا ہوں یا نہیں تو مجھے اس وسیع اور عریض زمین میں کہیں چلا جانے دو تا آں کہ ہم دیکھ لیں کہ لوگوں کے اس امر کا آخری انجام کیا ہوتا ہے۔ مگر ان لوگوں نے نہیں مانا"

اردو ترجمہ تاریخ الکامل (خلافت بنو امیہ) حصہ اول ص ۱۷۸

بعینہ یہی مفہوم تاریخ طبری اور تاریخ ابن کثیر شامی کا ہے دیکھو تاریخ طبری الجزء السادس ص ۲۳۵ البدایتہ والنہایتہ فی التاریخ الجزء الثامن ص ۱۷۵ لہذا جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ امام حسین نے یہ بھی کہا تھا کہ مجھے یزید کے پاس لے چلو میں اپنا ہاتھ اسکے ہاتھ میں ڈال دوں گا، جو وہ میرے لئے حکم مناسب سمجھے گا دیگا محض دروغ کہتے ہیں۔ عقبہ بن سمعان جو اول سے آخر تک آپ کے ساتھ رہا ہے اس کی شہادت سے بہتر کسی اور کی روایت نہیں ہو سکتی۔

آخر کار جب ان لوگوں نے کسی اور بات کو نہ مانا اور لڑائی یقینی ہو گئی، تو پھر امام حسین علیہ السلام نے خطبہ دیا، اور لوگوں کو اجازت دی کہ رات کے اندھیرے میں جہاں چاہیں چلے جائیں، رات کا وقت یوں مناسب تھا کہ جانے والوں کو شرم نہ آئے لیکن ان میں سے کسی نے نہ مانا، سب نے یک زبان ہو کر کہا کہ تف ہے اس ہماری زندگی پر جو آپ کے بعد ہو، امام حسین کی یہ اجازت عین قتل کی رات کو اور ان کے اصحاب کا انکار اور موت کے لئے اصرار فطرت انسانی کے ارتفاع اور ارتفاع کی انتہائی منزل کا نمونہ ہے، جو دیکھنا چاہتے ہیں کہ اسلام نے کیا

سکھایا، آئیں اور کربلا کے میدان میں دیکھیں، یہ نمونہ سقیفہ بنی ساعدہ میں نظر نہیں آئے گا بشکروں کو فتح کر لینا آسان ہے، دوسروں کے ملکوں کے چھیننے کی شعبدہ بازی بہت سے حریفوں نے کر دکھائی ہے لیکن موت کو فتح کرنا حسین اور ان کے اصحاب کے لئے باقی رہ گیا تھا، اس اجازت اور اس انکار کے لئے دیکھو تاریخ طبری الجزء السادس ص ۲۳۸ و ۲۳۹۔
البدایہ والنہایہ فی التاریخ لابن کثیر شامی الجزء الثامن ص ۱۷۶
اردو ترجمہ تاریخ الکامل خلافت بنوامیہ حصہ اول ص ۱۸۲۔

یزیدیوں نے امام حسین علیہ السلام کو آخر وقت تک موقعہ دیا کہ یزید کی بیعت کر لیں تو اسی وقت ساری تکالیف و مصائب رفع ہو جائیں گے اور وہ آزادیوں کے جہاں جی چاہے رہیں لیکن امام حسینؑ نے نہ مانا۔
تاریخ ابن کثیر شامی الجزء الثامن ص ۱۷۹۔
تاریخ طبری الجزء السادس ص ۲۳۴۔

امر سیزدہم۔ امام حسین نے کیوں بیعت یزید نہ کی | یہ ہم ابھی ابھی محاکمہ قطعی میں بتاتے ہیں۔

محاکمۂ قطعی

سوال زیر بحث یہ ہے کہ کیا واقعۂ کربلا ایک معمولی ملکی لڑائی تھی جس کو جناب امام حسین نے یزید کے صوبہ کوفہ پر چڑھائی کر کے شروع کیا، اس کے بعد جو کچھ ہوا وہ ملکی لڑائیوں میں ہوا ہی کرتا ہے۔ جماعت اہل حکومت کے مورخین نے اس معاملہ پر دو متضاد نتیجے اخذ کئے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ امام حسینؑ نے یزید کی سلطنت پر خروج کرنے میں غلطی کی لیکن یزید امام حسینؑ کو اس طرح قتل کرنے میں حق بجانب نہ تھا، اور اس نے ظلم کیا، دیکھو مقدمہ علامہ ابن خلدون ص ۲۱۶ فصل ثلثون۔ البدایہ والنہایہ ابن کثیر

دمشقی الجزء الثامن ص ۱۶۳، ۲۲۳ ۔
ہم نے متضاد اس وجہ سے کہا ہے کہ اگر امام حسین نے پہل کر کے یزید کی سلطنت پر حملہ کیا، اور وہ اس حملہ کرنے میں غلطی پر بھی تھے تو اگر یزید سے مدافعانہ کوششوں کے سلسلہ میں امام حسین قتل ہو گئے تو یزید پر الزام محض نہیں رہ جاتا ہے۔ غالباً اس منطق کی کمزوریوں کو دیکھ کر ہی اکثر یورپین مورخ اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ چونکہ امام حسین نواسۂ رسول تھے اور یہ مورخ مسلمان ہیں لہٰذا وہ حسین کی طرفداری میں بات کو چبا جاتے ہیں، ان یورپین مورخین کے نزدیک اصلی بات یہ ہے کہ امام حسین نے چڑھائی کی، اس میں وہ حق بجانب نہ تھے قتل ہو گئے، یزید پر الزام عائد نہیں ہوتا دیکھو:- Studies: Indian and Islamic. pp. 72 to 74.
ہم مانتے ہیں کہ واقعی ان مسلمان مورخین کا یہ منطق کمزور ہے اور یہ بھی صحیح ہے کہ وہ بات ادھوری کہہ رہے ہیں اور اس ہی وجہ سے ان کی بحث میں جان نہیں ہے لیکن جو بات چھپا رہے ہیں وہ کچھ اور ہے وہ سانحۂ کربلا کے اصلی اور صحیح اسباب وعلل تو بتانا نہیں چاہتے مصنوعی اور اوپری اسباب وعلل جو وہ اپنی بحث سے پیدا کرنا چاہتے ہیں ان میں جان نہیں پڑتی، یورپ کے مورخین کسی حد تک معذور ہیں، تاریخ اسلام ان کی اپنی چیز نہیں، اس کے ہر پہلو پر گہری نظر ڈالنے کے بغیر بسا اوقات وہ مسلمان مورخین ہی کے نتائج کو قبول کر لیتے ہیں اس معاملہ میں چند امور ایسے ہیں جو خصوصیت کے ساتھ نمایاں نظر آتے ہیں، لہٰذا ان پر ہی صحیح غور وفکر کرنے سے یہ معمہ آسانی کے ساتھ حل ہو سکتا ہے۔

(۱) نوعیت وماہیت بیعت اور اس کا مفہوم۔

(۲) امام حسین کا ہر ایک مصیبت ورنج والم برداشت کرنے کے لئے مستعد ہو جانا لیکن بیعت ہی نہ کرنا۔

(۳) یزید کا محض امام حسین علیہ السلام کے پیچھے پڑ جانا۔

(۴) امام حسین کا کوفہ کی طرف رُخ کرنا۔

(۵) تفحص حال کے لئے حضرت مسلم ابن عقیل کو کوفہ بھیجنا۔

(۶) حضرت امام حسین علیہ السلام کا محض عورتوں، بچوں اور قریب ترین رشتہ داروں کو لے کر نکلنا۔

عقدۂ اول۔ بیعت کا مفہوم

منتہی الارب میں بیعت کے معنی عہد و پیمان لکھے ہیں۔ دراصل یہ لفظ مصدر ہے لفظ باع کا جس کے معنی ہیں فروخت کردیا، اس کا مادہ ب ی ع ہے چونکہ فروخت کرنے میں دو فریقوں میں عہد و پیمان ہوتا ہے لہذا بیعت کے معنی عہد و پیمان کے ہوگئے، عہد و پیمان کی روح اور اصلیت یہ ہے کہ دونوں فریق اپنی اپنی طرف سے اقرار کرتے ہیں اور ایک کا اقرار دوسرے کی شرط ہوتا ہے محض ایک فریق کا اقرار کوئی عہد و پیمان کی صورت اختیار نہیں کرسکتا۔ مثلاً میں آپ کو اپنا مکان فروخت کروں تو یہ نہیں ہوسکتا کہ میں تو مکان دیدوں اور آپ روپیہ نہ دیں، معاہدہ کی اول شرط جوازیت یہ ہے کہ فریقین کی طرف سے اقرار ہو۔ ایک کا اقرار دوسرے کی وجہ اقرار ہو جس کو قانونی زبان میں بدل کہتے ہیں، کوئی معاہدہ بغیر بدل کے جائز نہیں اور جس معاہدہ بیع کی بناء پر بیعت کو قائم کیا گیا ہے اس میں بھی یہی شرط ہوتی ہے۔ معاملہ بیع قرآن شریف میں بھی ہے مِنَ النَّاسِ مَنْ يَشْرِي نَفْسَهُ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللّٰه اس بیع و شریٰ میں دونوں طرف سے حصول بدل ہے۔ ایک فریق نے تو اپنا نفس بیع کیا، دوسرے نے اپنی رضامندی اس کے عوض میں عنایت کی۔ یہ تو خدا و بندہ کے درمیان معاملہ ہے۔ اگر بادشاہ اور رعایا کے درمیان بھی ہو تو عین مطابق اصول مذہب و قانون ہوگا۔ دوسری بات یہ ہے کہ فریقین کے عہد و پیمان کی جوازیت کے لئے یہ ضروری ہے کہ ان دونوں کی آزاد رائے ہو، اگر

جبر و اکراہ آ گیا تو پھر اقرار و عہد پیمان کی نوعیت و ماہیت بدل جاتی ہے۔ مذہب اسلام میں بیعت کو خاص اہمیت دی گئی ہے، اسلام میں سب سے پہلے بیعت بیعت عقبہ تھی یوں تو ہر ایک شخص اسلام لاتے وقت آنحضرت سے بیعت کرتا تھا۔ بیعت عقبہ اولین انصار نے جناب رسول خدا سے کی تھی، اس بیعت کے الفاظ یہ تھے۔

ہم نے بیعت کی اس اقرار پر کہ خدا کے ساتھ کسی کو شریک نہ بنائیں گے، چوری نہیں کریں گے، زنا نہ کریں گے، اپنی اولاد کو (بیٹیوں کو) قتل نہ کریں گے، اور کسی پر بہتان نہ باندھیں گے، نہ کسی امر معروف میں نافرمانی کریں گے، یا رسول اللہ ہم لوگ آپ کو پناہ دہی سے اس وقت تک بے تعلق ہیں جب تک کہ آپ ہمارے گھر کو تشریف نہ لے چلیں، لہذا جب آپ ہمارے وطن میں پہنچ جائیں گے تو ہماری پناہ میں آ جائیں گے، اس وقت جن باتوں سے ہم خود اپنا اور اپنے بال بچوں کا بچاؤ کرتے ہیں آپ کو بھی ان باتوں سے محفوظ رکھیں گے۔

اردو ترجمہ تاریخ تمدن اسلام جرجی زیدان حصہ اول ص ۱۲۴ و ۱۲۵

جس زمانہ سے ابو مسلم خراسانی نے بنی عباس کے لئے بیعت طلب کرنی شروع کی تو اس کی عبارت یہ ہوتی تھی، میں تم سے کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ اور اہل بیت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی رضامندی کے لئے ان کی اطاعت کرنے پر بیعت لیتا ہوں اور تم پر اس قول کے نباہنے کے لئے خداوند پاک کا عہد اور اس کا میثاق ہے، تم روزینہ کا مطالبہ نہ کرو گے، اور نہ کسی قسم کا لالچ کرو گے۔ جب تک کہ تمہارے حکام از خود تمہیں روزینہ دینا شروع نہ کریں، اگر تم اس کے خلاف کرو تو تمہاری عورتوں پر طلاق غلام کا آزاد کرنا اور پا پیادہ کعبۃ اللہ کا سفر کرنا لازم ہوگا۔

ایضاً ص ۱۲۵۔

آگے چل کر علامہ موصوف فرماتے ہیں۔

بیعت کی عبارت اور جشن جلوس خلافت کی کیفیت میں تغیر حکومت کے ساتھ ساتھ اختلاف پیدا ہوتا رہا لیکن نتیجہ اور اصول سب کا ایک تھا، مدعائے اصلی یہ ہوتا تھا کہ کتاب وسنت کے حکم کے مطابق عمل کرنے پر خلیفہ اور اس کی رعیت کے مابین باہمی عہد وپیمان لیا جائے،

ایضاً ص ۱۲۶

بیعت چونکہ فریقین کے درمیان ایک عہد وپیمان تھا لہٰذا فقہائے اسلام نے اس بات پر زور دیا کہ بیعت کرنے والے کی آزاد رائے ہونا چاہیئے، جبر واکراہ کا دخل نہ ہونا چاہیئے چنانچہ علامہ ابن خلدون کہتے ہیں:۔

ومنہ ایمان البیعت کان الخلفاء یستحلفون علی العہد ویستوعبون الایمان کلہا لذلک فسمی ھذا الاستیعاب ایمان البیعۃ کان الاکراہ فیہا اکثر واغلب ولہذا لما افتی مالک رضی اللہ عنہ بسقوط یمین الاکراہ انکرھا الولاۃ علیہ وراؤھا قادحۃ فی ایمان البیعۃ ووقع ما وقع من محنۃ الامام رضی اللہ عنہ

مقدمۃ العلامۃ ابن خلدون۔
الفصل التاسع والعشرون ص ۲۰۹

ایک قسم ایمان البیعت کی ہے خلفاء کا دستور تھا کہ بیعت کے وقت لوگوں سے ان کے عہد وپیمان پر حلف لیتے اور قسموں سے اس کی توثیق وتکمیل کرتے تھے۔ امام مالک نے اکراہی قسم کو بیعت سے ساقط کرنے کا حکم دیا۔ چونکہ ایمان بیعت میں اس فتوے سے نقص وفتور آتا تھا والیانِ مملکت نے اس فتویٰ سے انکار کیا، اور امام ملک کو سخت محن ومصائب کا سامنا کرنا پڑا۔

اردو ترجمہ ابن خلدون۔
حصۂ دوئم ص ۹۷

بیعت کی نوعیت سے مندرجہ ذیل نتائج برآمد ہوتے ہیں۔

۱:- بیعت محض عہد و پیمان تھا جس میں فریقین کی آزاد رائے اور رضامندی کی ضرورت تھی۔

۲:- اسلام میں یہ محض ایک مذہبی عہد و پیمان تھا، جو بیعت کرتا تھا وہ خدا کی وحدانیت، رسول کی رسالت اور اخلاق حسنیٰ کی متابعت کا اقرار کیا کرتا تھا۔

۳:- چنانچہ اب تک پیر و مرشد بیعت لیا کرتے ہیں۔

۴:- جناب امام حسین نے جو حضرت مسلم کو کوفیوں سے بیعت لینے کے لئے کہا تھا وہ یہ ہی مذہبی بیعت تھی کہ وہ فسق و فجور نہ کریں گے، اور ان کے اطوار و اقوال و افعال مطابق کتاب اللہ و سنتِ رسول ہوا کریں گے۔ اور امام حسین ان کی ہدایت کریں گے اور کوئی حکم خلاف قرآن و سنتِ رسول نہیں دیں گے، اس بیعت میں کیا خرابی ہے۔

۵۔ جب یہ بیعت رسول یا نائب رسول سے بحیات رسول اللہ کی جاتی تھی تو ایک فریق کے تو وہ فرائض تھے جو بیان ہوئے، دوسرے فریق یعنی رسول و نائب رسول سے یہ مفہوم ہوتا تھا کہ وہ ان کو ہدایت کریں گے اور صراط مستقیم دکھائیں گے، اور یہ عہد تھا کہ جناب محمد مصطفےٰ واقعی رسول خدا ہیں، اگر کسی وقت میں معاذ اللہ یہ ثابت ہو جاتا کہ وہ رسول اللہ نہیں ہیں تو وہ بیعت خود بخود ناقابل پابندی ہو جاتی۔

(۶)۔ بیعت مذہب سے شروع ہوئی اور اس نے ہمیشہ اپنی مذہبی نوعیت کو قائم رکھا۔

۷:- چونکہ اسلام میں حکومت و مذہب جدا نہیں لہٰذا حکومت میں بیعت کا استعمال ہونا شروع ہو گیا۔

۸۔ جب بیعت کا استعمال حکومت کے لئے شروع ہوا تب بھی اس کی مذہبی نوعیت نہ گئی چنانچہ ابو مسلم خراسانی نے نکث بیعت کی سزا شرعی مقرر کی، سیاسی سزا مقرر نہ کی، یعنی پا پیادہ حج کرنا، غلام آزاد کرنا، اور بادشاہ کی طرف سے یہ

اقرار تھا کہ میں احکام خدا و سنت رسول اللہ کے مطابق حکومت کروں گا بیعت کی حقیقت وہی تھی جو علامہ جرجی زیدان نے لکھی ہے یعنی کتاب و سنت کے حکم کے مطابق عمل کرنے پر خلیفہ اور اس کی رعیت کے مابین باہمی عہد و پیمان لیا جاتا تھا، بیعت کی اس نوعیت کو ہمیشہ مدنظر رکھنا چاہیئے، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اسلام میں حکومت کا نظریہ کیا تھا اور باقی دنیا حکومت کو کیا سمجھتی تھی، اس کی بحث آگے آتی ہے۔

۹۔ اس باہمی عہد و پیمان کا بین ثبوت یہ ہے کہ کفار رعایا سے بیعت نہیں لی جاتی تھی۔

۱۰۔ جب یہ صورت ہے تو وہ حاکم بیعت لینے کا مجاز ہی نہیں، جو مطابق احکام خدا و رسول عمل کرنے کا خود پہلے وعدہ نہیں کرتا، چونکہ یزید نے کبھی یہ وعدہ نہیں کیا لہذا وہ حسین سے بیعت طلب کرنے کا مجاز نہ تھا۔

۱۱۔ جب حاکم کے افعال و اقوال ظاہراً و علانیہ خلاف شریعت ہوں وہ نہ بیعت طلب کر سکتا ہے اور نہ اس کے لئے بیعت لینی جائز ہے، جب تک وہ توبہ نہ کرلے یزید نے اپنے افعال سے کبھی توبہ نہیں کی۔

۱۲:۔ دوران حکومت میں اگر حاکم سے خلاف شرع و سنت عمداً افعال و احکام صادر ہوں تو بیعت خود بخود فسخ ہو جاتی ہے کیونکہ ایک فریق کی طرف سے شرط ساقط ہو گئی لہٰذا معاہدہ باقی نہ رہا۔ اب ہر ایک مسلمان کا حق ہی نہیں بلکہ فرض ہے کہ ایسے بادشاہ کی حکومت کو منقطع کرنے کی کوشش کرے۔ چنانچہ ایام حضرت عثمان میں بہت سے صحابہ نے افعال سے اور بہت سے صحابۂ رسول نے خاموشی سے حضرت عثمان کی مدد نہ کرکے ان کی حکومت کو منقطع کرنے کی کوشش کی۔

۱۳۔ محض بیعت سے انکار کرنا بغاوت کے مرادف نہ تھا۔ چنانچہ حضرت ابوبکر و حضرت علی سے کئی آدمیوں نے بیعت نہیں کی، ان کو باغی نہ سمجھا گیا اور نہ اُن

کے خلاف کوئی سیاسی کارروائی نہ کی، بیعت نہ کرنے سے سیاسی حیثیت سے رعایا کے زمرے سے نہیں نکل جاتے تھے، کفار وغیرہ بھی تو بیعت نہیں کرتے تھے۔ لیکن رعایا رہتے تھے، اور باغی نہیں سمجھے جاتے تھے۔

بیعت کی اصلی نوعیت وماہیت معلوم کرنے سے ایک اور نہایت عظیم الشان نکتہ حل ہوتا ہے، اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اسلام میں حکومت بنی ہے، اس عہد وپیمان کے اوپر جو رعایا اور حاکم کے درمیان ہوتا ہے، حاکم وعدہ کرتا ہے کہ میں تمہارے اوپر شرع وسنت رسول کی مطابق حکومت کروں گا، رعایا اقرار کرتی ہے کہ اگر تم نے احکام خدا ورسول کی مطابق حکومت کی تو ہم تمہارے ہر ایک حکم کی اطاعت کریں گے، گویا یہ اطاعت مشروط ہوئی بادشاہ کے اسلامی طرز عمل کے اوپر حکومت کا یہ وہ تخیل ہے جو اسلام کے علاوہ کسی اور مذہب یا قانون میں نہیں پایا جاتا، دیگر قوانین میں حکومت کی بناء طاقت وجبر کے اوپر ہے۔ اسلام میں حکومت کی بناء مذہب الہیہ پر ہے، فرانسیسی فلاسفر ومدبر Rouseau کہتا ہے کہ حکومت ملک کی طاقت کا اعلیٰ مظہر ہے انگریزی مشہور قانون دان James Bryce اپنی کتاب Modern Democracy میں کہتا ہے کہ حکومت ایک ایسی سیاسی طاقت ہے جو شخص یا جماعت اس سیاسی طاقت کو استعمال کرتی ہے وہ حکمران ہے۔ اگر ایک شخص اس سیاسی طاقت کو استعمال کرتا ہے تو حکومت شخصی ہوگی، اگر یہ سیاسی طاقت عوام کے ہاتھ میں ہے تو حکومت جمہوری ہوگی، رومن مدبر وفلاسفر Cicero سلطنت کو انسانی طاقت کی اعلیٰ پیداوار قرار دیتا ہے افلاطون اپنی کتاب Republic میں حکومت کو انسان کی نیک اور روحانی طاقتوں کا مظہر قرار دیتا ہے اور اگر کبھی کسی جمہوریت کے فلاسفر نے یہ کہہ بھی دیا کہ دراصل حکومت عوام الناس کی ہوتی ہے وہ اپنی مرضی سے حکمران کو سپرد کر دیتے ہیں تو اس کا مطلب کسی دو طرفہ معاہدہ سے نہیں ہوتا بلکہ اس کہنے کا مقصد یہ ہے کہ:- حکومت کی قوت وجبر کے استعمال کرنے کا حق دراصل رعایا کا ہوتا ہے، وہ اپنے

اختیارات بادشاہ کو سپرد کر دیتا ہے۔ حکومت کی نوعیت تو وہی طاقت و جبر کی رہی۔ وہ کس کا حق ہے، یہ دوسری بات ہے، غرضکہ اسلام کے علاوہ ہر ایک ملک و مذہب و قانون کے نزدیک حکومت ظلم و جبر کی ایک قسم ہے جس کی لاٹھی اس کی ہی بھینس، جس کی طاقت اس کی حکومت، جو قہر و غلبہ سے تسلط حاصل کرے وہ ہی سلطنت کا مالک ہے، اس نظریہ کے ماتحت قوت ہی حق کی دلیل ہے، ایک فلاسفر نے بہت اچھا کہا ہے کہ تمام قوانین میں سب سے زیادہ قدیم تر قانون وہ ہے جو قوی کو کمزور پر حکمران بناتا ہے، چونکہ دنیا میں حکومتیں قہر و غلبہ و طاقت ہی سے حاصل ہوتی رہی ہیں لہٰذا دنیا والے اس کے علاوہ اور کوئی تعریف حکومت کی جانتے ہی نہ تھے، اسلام کا نظریہ کہ حکومت باہمی عہد و پیمان پر مبنی ہے کسی کے تخیل میں نہیں آیا تھا کیونکہ اس کا انہیں تجربہ ہی نہیں ہوا تھا، یہ ایک نبی امی کے لئے خدائے حکیم و دانا نے مقرر کر دیا تھا کہ وہ ایسا دنیا میں انقلاب پیدا کرنے والا الٰہی نظام قائم کرے جس میں حکومت کی بناء عہد و پیمان پر مبنی ہو یہ بالکل نیا تخیل ہے، اس کی عظمت و رفعت اس سے ظاہر ہے کہ Sir Henry Maine اپنی کتاب Ancient Law میں لکھتے ہیں:-

The Progress of Humanity is from Status to Contract,

یعنی بنی نوع انسان کی ترقی بتدریج معاہدہ کی طرف ہو رہی ہے اور اس کی ترقی کی انتہا یہ ہے کہ اس کی معاشرت معاہدہ پر مبنی ہو، جو نظام آنحضرت نے اب سے چودہ صدیوں پیشتر جاری کر دیا تھا اس کی حقانیت یورپ کے حکماء کو اب رفتہ رفتہ معلوم ہو رہی ہے، آنحضرتؐ نے شادی کی بناء بھی معاہدہ پر رکھی، اسلامی نکاح محض ایک معاہدہ ہے نکاح Status کی بین مثال ہے آپ نے اس کو معاہدہ پر مبنی کیا، آنحضرتؐ نے حکومت کو بھی معاہدہ پر مبنی

کر کے ظاہر کر دیا کہ اسلامی نظام بنی نوع انسان کے عروج کی آخری منزل ہے۔ لیکن بوجوہات چند در چند جس کا ذکر ہم کریں گے مسلمانوں کی اکثریت کے علماء نے بھی اسلام کے اس نظریہ کو نظر انداز کرنا ہی مناسب سمجھا، چنانچہ علامہ ابن خلدون فرماتے ہیں

الفصل الثانی عشر	الفصل دوازدہم
فی ان الرّیاسة علی اهل العصبیة لا تکون فی غیر نسبهم	اس بیان میں کہ سلطنت و حکومت قومی عصبیت کے بغیر قائم نہیں رہ سکتی
وذالك ان الرئاسة لا تکون الا بالغلب والغلب انما یکون بالعصبیة کما قدمناه فلابد فی الرئاسة علی القوم ان تکون من عصبیة غالبة لعصبیاتهم واحدة واحدة۔	اور یہ اس وجہ سے ہے کہ حکومت بغیر غلبہ کے حاصل نہیں ہوسکتی اور غلبہ قومی عصبیت کے بغیر نہیں ہوسکتا جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں لہٰذا حکومت کے لئے ضروری ہے کہ وہ غالب عصبیت قومی پر قائم ہوتا کہ افراد قوم باہمی نصرت پر آمادہ ہوں۔

مقدمة العلامة ابن خلدون مطبوعہ مطبعة الادبیه فی بیروت۔ طبعت ثالثه سنہ ۱۹۰۰ء ص ۱۳۲۔

اس سے صاف عیاں ہے کہ اکثریت کے علماء نے جناب رسولخدا کے مفہوم حکومت کو یا تو سمجھا ہی نہیں یا عمداً اس کو نظر انداز کر دیا، جو پچھلے لوگوں نے حکومت کا نظریہ قائم کیا تھا، اس پر ہی یہ لوگ چل پڑے اور یہ نہ دیکھا کہ جناب رسولخدا کا نظریۂ حکومت کیا ہے، غضب خدا کا کس طرح جناب رسول خدا کی تعلیم کی مخالفت کی جاتی ہے اس بات کو مانتے ہیں کہ اسلام میں عصبیت بری چیز ہے، اور رسول خدا نے اس کی مذمت کی ہے لیکن پھر یہ بھی دیکھتے ہیں کہ ہمارے بزرگوں نے جو حکومت سقیفہ میں قائم کی تھی وہ عصبیت قبائلی پر منحصر تھی، لہٰذا یہ کہنے پر مجبور ہو جاتے ہیں کہ حکومت کی بنا عصبیت ہے، معلوم ہوا کہ یہ حکومت جو سقیفہ سے نکلی تھی۔

جناب رسول خداؐ کے قائم کردہ نظریۂ حکومت کے خلاف تھی، عصبیت کی برائی جو آنحضرتؐ نے کی ہے وہ ابن خلدون بھی جانتے ہیں اور مانتے ہیں چنانچہ کہتے ہیں۔

ثم وجدنا الشارع قد ذم العصبیۃ وندب الی اطراحہا وترکہا فقال ان اللہ اذھب عنکم عُبّیۃ الجاھلیۃ وفخرھا بالآباء انتم بنو آدم وآدم من تراب وقال تعالیٰ ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم ووجدناہ ایضاً قد ذم الملک واھلہ ونعی علی اھلہ احوالھم من الاستمتاع بالخلاق والاسراف فی غیر القصد والتنکب عن صراط اللہ وانما حض علی الالفۃ فی الدین وحذر من الخلاف والفرقۃ۔ مقدمہ العلامہ ابن خلدون فصل الثامن والعشرون ص ۲۰۲	اگرچہ ہم جانتے ہیں کہ شارع علیہ السلام نے عصبیت کی مذمت کی ہے اور اسکے ترک کرنیکا تاکیدی حکم دیا ہے چنانچہ آپ نے فرمایا کہ خداوند تعالیٰ نے تم سے غرور وفخر عصبیت جاہلیہ کو اور اپنے باپ دادا پر فخر کرنے کو دور کردیا ہے تم سب بنو آدم ہو اور آدم مٹی سے بنے تھے اور خداوند تعالیٰ بھی فرماتا ہے کہ خدا کے نزدیک تم سب میں وہ زیادہ مکرم ہے جو زیادہ تقویٰ رکھتا ہے اور ہمکو یہ بھی معلوم ہے کہ آنحضرتؐ نے اور قرآن نے حکومت و اہل حکومت کی بھی مذمت کی ہے۔ جا بجا اس کی برائیاں موجود ہیں، اور اتباع دنیا و اسراف ناجائز کی ملامت کی ہے اور بیان کیا گیا ہے کہ یہ لوگ خدا کے سیدھے راستہ سے منحرف ہیں اور صرف ہی الفت دینی کا اور خلاف و افتراق سے بچنے کا حکم دیا ہے۔

دیکھئے حکام سقیفہ کی حمایت نے کن مشکلوں میں ڈال دیا۔ ہمیشہ ان کی حمایت اور مخالفتِ رسول ایک دوسرے کے ساتھ لازم و ملزوم ہیں۔ نتیجہ نکلا کہ جو حکومت غلبہ و استیلا سے حاصل ہو، اس کا حکم جناب رسول خدا نے نہیں دیا تھا، غلبہ کو درمیان میں اس وجہ سے لاتے ہیں کہ حکام سقیفہ نے حکومت اسی طرح حاصل کی تھی، سقیفہ میں حضرت ابوبکر نے اقرار نہیں کیا کہ میں حکومت کتاب خدا و سنت رسول کے مطابق کروں گا۔ بیعت وہاں شروع

ہو گئی تھی، ہاں جب مسجد رسول میں آئے، بیعت ختم ہو گئی، تب فرمایا کہ اگر میں کتابِ خدا وسنت رسول کے خلاف کروں تو میری اطاعت تمہاری گردن سے نکل جائے گی، اس سے ہمارے دونوں مطلب حاصل ہو گئے، حضرت ابوبکر کی حکومت شروع تو دھینگامشتی سے ہو گئی۔ لیکن چونکہ ابھی ابھی آنحضرت کا انتقال ہوا تھا بیعت کا اصلی تخیل لوگوں کے اندر تازہ تھا۔ لہذا مجبوراً حضرت ابوبکر کو اس کا اقبال کرنا پڑا۔

حکومت کی طاقت کو اس مذہبی شرط پر مبنی رکھنے سے کئی فائدے مقصود تھے۔ جمہوریت میں بھی حاکم کے اوپر ایک ڈر ہوتا ہے، لیکن وہ ڈر لوگوں کا ہوتا ہے، جن کی رائے سے اسے حکومت ملی تھی، لہذا اس میں یہ نقصان ہو جاتا ہے کہ موجودہ حاکم اپنے رائے دہندگان کی بارسوخ جماعت کو کسی نہ کسی طرح خوش کر کے اپنا مقصد حاصل کرتا ہے، اور اس کو ان کے جائز اور ناجائز مطالبات سب ماننے پڑتے ہیں اور آخر کار یہ جمہوری حکومت ظلم عظیم پر منتہی ہوتی ہے لیکن جناب رسولخدا کے اس نظام میں حکام کو ڈر صرف خدا کا ہوگا، ان کی کوشش یہ ہوگی کہ ان کے احکام مطابق قرآن وسنت رسول کے ہوں، اگر وہ اپنے خود غرضانہ مقصد کو مدنظر رکھ کر بھی ایسا کریں گے، تو رعایا کا مطلب تو حاصل ہو گیا، قرآن وسنتِ رسول کے مطابق حکومت ہو، خواہ ان کا مقصد یہ ہی کیوں نہ ہو کہ اس طرح ہماری حکومت کو استقلال حاصل ہوگا۔

بغاوت کا نظریہ ہی بالکل بدل گیا، عام حکومتوں میں اگر رعایا بادشاہ کے خلاف اُٹھے گی تو اس کو بغاوت ہی کہیں گے، خواہ رعایا حق پر ہی کیوں نہ ہو، لیکن اسلامی نظریہ حکومت کے ماتحت رعایا کی لڑائی بادشاہ سے دو قسم پر مبنی ہو گئی، ایک تو وہ صورت ہے کہ بادشاہ مطابق حکم خدا ورسول حکومت کر رہا ہے لیکن رعایا اس کے انصاف وعدل سے خوش نہیں، اس کے بارسوخ افراد چاہتے ہیں کہ ہمیں ناجائز فائدے حاصل ہوں اور رعایا بادشاہ کے خلاف اٹھتی ہے

تو اس کو بغاوت کہیں گے، لیکن اگر بادشاہ کی حکومت خلاف قرآن و سنت رسول ہے اور اسوجہ سے رعایا اسکے خلاف ہو جاتی ہے، تو وہ حق بجانب ہے۔ کیونکہ معاہدہ ہی یہ تھا کہ ہم اطاعت اسوقت تک کریں گے کہ جب تک تم مطابق خدا و رسول حکومت کروگے، چونکہ تم نے وہ شرط پوری نہیں کی ہماری شرطِ اطاعت خود بخود فسخ ہو گئی۔

ممکن ہے کہ یہاں یہ سوال پیدا کیا جائے کہ اس طرح فتنہ و فساد کا دروازہ کھل جائے گا، بادشاہ کہے گا کہ میرے احکام مطابق خدا و رسول ہیں، رعایا کہے گی کہ نہیں تو پھر فیصلہ قطعی کون کریگا، اس کا جواب بہت سادہ اور صاف ہے مسائل شرعیۃ دو قسم کے ہوتے ہیں، ایک تو وہ جو صریح احکام قرآن و سنت ہیں۔ اور دوسرے وہ جو ان سے اجتہاد صحیح کے ساتھ بذریعہ استنباط اخذ کئے جاتے ہیں قسم دوئم رعایا کو کوئی حق بیعت توڑنے کا نہیں دیگی۔ کیونکہ اس میں سچے اختلاف کا امکان ہے لیکن جو صریح احکام خداوندی ہیں، مثلاً روزہ، نماز، زکواۃ، اجتناب از خمر و زنا، ہیسرہ ان میں کسی اختلاف رائے کی گنجائش ہی نہیں لہٰذا جو حاکم مرتکبِ عصیان خدا کرتا ہے، اس کی بیعت رعایا کی گردنوں سے اٹھ جاتی ہے، یزید بہت سے امور میں عصیان خدا کیا کرتا تھا، لہٰذا ہر ایک مسلمان کا فرض تھا کہ اس کی حکومت کو درہم و برہم کر دیتا خواہ اس نے بیعت کی ہوئی ہوتی خواہ ابھی بیعت نہ کی ہوتی حسینؑ اس سے بیعت نہ کرنے میں حق بجانب تھے۔ اور نامردوں اور بدکاروں کے مل جانے پر اگر اس کو حکومت سے برطرف کرنے میں کوشش کرتے تو بھی حق بجانب ہوتے۔

یزید کی تصویر ہر ایک تاریخ کی کتاب میں نہایت اچھی طرح کھینچی گئی ہے ہمیں یہاں اس کو طوالت سے بیان کرنے کی ضرورت نہیں۔ مورخ ابن کثیر دمشقی نہایت متعصب مورخ ہے اور ان لوگوں میں سے ہے جو یہ کہتے ہیں کہ حسین علیہ السلام یزید سے لڑنے کے لئے گئے تھے وہ بھی یہ کہنے پر مجبور رہے کہ:-

وقد روی ان یزید کان قد	یزید شراب پیتے ہیں اور رقص وسرود
اشتھر بالمعازف وشرب الخمر	ونسکار میں منہمک رہنے میں بہت مشہور
والغنا والصید واتخاذ الغلمان	ہوگیا تھا، لونڈوں اور غلاموں کی
والقیان والکلاب والنطاح	صحبت پسند کرتا تھا، کتوں اور بندروں
بین الکباش والدباب والقرود	سے کھیلتا تھا، مینڈھوں اور مرغوں
وما من یوم الا یصبح فیہ	کی لڑائی کا شائق تھا، کوئی صبح ایسی
مخموراً وکان یشد القرد علی	نہیں ہوتی تھی کہ وہ شراب سے مخمور نہ
فرس مسرجۃ بحبال ویسوق	اُٹھے بندر کو علماؤں کے کپڑے پہنا کر
بہ ویلبس القرد قلانس	گھوڑے پر بٹھا کر بازاروں میں پھراتا
الذھب وکذلک الغلمان و	تھا۔ بندروں کو سونے اور چاندی کی
کان یساق بین الخیل وکان	ہار پہناتا تھا، اور جب کوئی بندر مرتا
اذا مات القرد حزن علیہ۔	تھا تو رنج وغم کرتا تھا۔

ابن کثیر شامی:۔ البدایۃ والنہایۃ فی التاریخ الجزء الثامن ص ۲۳۵۔

مورخ مسعودی لکھتا ہے۔

ولیزید وغیرہ اخبار عجیبۃ	یزید کی بہت عجیب باتیں اور گناہان
ومثالب کثیرۃ من شرب الخمر	کبیرہ ہیں مثلاً شراب پینا، علی پر لعنت
وقتل ابن الرسول ولعن الوصی	کرنا، ابن الرسول کو قتل کرنا، خانہ کعبہ
وھدم البیت واحراقہ وسفک	کو منہدم کرانا، لوگوں کا خون بہانا
الدماء والفسق والفجور وغیر	فسق وفجور کرنا۔ بہت سی ایسی
ذلک مما قد ورد فیہ بالیاس	باتیں ہیں جس سے اس کی بخشش
من غفرانہ کورودہ فیمن	نہیں ہوسکتی بمثل خدا کی توحید کا انکار کرنا
جحد توحیدہ وخالف رسلہ	اسکے رسولوں کی مخالفت کرنی اور بہت
وقد اتینا علی الغرر من ذلک	سی ایسی باتیں جن کو ہم نے تفصیل کیساتھ

فیما سلف من کتبنا اپنی دوسری کتابوں میں لکھا ہے۔

تاریخ مسعودی (مروج الذہب ومعادن الجوہر) الجزء الثالث ص ۱۹۔

علامہ ابن خلدون نے یزید کو جابجا فاسق وفاجر لکھا ہے اس کا فسق وفجور اتنا عیاں تھا کہ زیادہ بیان کرنے کی ضرورت نہیں دیکھو اردو ترجمہ مقدمہ ابن خلدون حصہ دوئم ص ۹۰، ۹۱۔

مسٹر خدابخش بانکی پور کے بیرسٹر یزید کے حامیوں میں سے تھے۔ چنانچہ انہوں نے اپنی کتاب موسومہ Studies: Indian And Islamic میں گیارہواں مقالہ اس مضمون پر لکھا ہے کہ یزید پر امام حسین ع نے خروج کیا اور یزید نے جو کیا وہ کرنے میں حق بجانب تھا۔ میں نے اس مقالہ کا جواب انگریزی میں لکھا ہے یہ مسٹر خدابخش بھی بنو امیہ کی سلطنت کی نسبت الفاظ ذیل لکھنے پر مجبور ہو گئے جو انہوں نے اس ہی کتاب کے پانچویں مقالہ The Arab Kingdom and its Fall میں لکھتے ہیں:-

I confess to a strange predilection for the Omayyads. Truetinged with paganism, unorthodox, fond of pleasure, lovers of wine, women and sports, of life and fun. they sought to live up to the gay old traditions of Arab Heathenism, untrammelled by religion, undeterred by threats of hell. All this and more, if you please. Studies: Indian and Islamic, page 41

ترجمہ:- میں اقبال کرتا ہوں کہ میرا میلان بنو امیہ کی طرف ہے - یہ

بالکل صحیح ہے کہ ان میں کفر تھا، سچے مسلمان نہ تھے، عیش و آرام کے طالب تھے، شراب اور عورتوں اور لہو ولعب سے عشق رکھتے تھے، زندگی ونذاق سے بھرے ہوئے تھے، انہوں نے زمانۂ جاہلیت کی کا زمانہ زندگی گزارنے کی کوشش کی جس میں مذہب کی قیود اور دوزخ کا ڈر نہ تھا، یہ باتیں اور اس سے زیادہ بھی تھیں جو آپ گنوا سکتے ہیں اگر آپ چاہیں"

اس کے بعد انہوں نے اپنے امیہ دوستی کی وجوہات لکھی ہیں یعنی ان کی سلطنت کا خالص عرب ہونا، اس کی توسیع ان کے زمانہ میں، وغیرہ وغیرہ سب دنیاوی وجوہات ہیں۔

یہ تھا وہ یزید جس کے ہاتھ اپنے تئیں فروخت کرنے کو امام حسین علیہ السلام سے کہا جا رہا تھا، اسلام میں ایسے حاکم کی بیعت کرنا جائز نہیں بلکہ اگر کسی نے غلطی سے بیعت کر بھی لی ہے تو وہ اس کے اوپر قابل پابندی نہیں۔

علاوہ اس کے جیسا ہم ص ۱۶۹۹، ۱۷۰۰ پر بیان کر چکے ہیں بروئے معاہدہ صلح حکومت یزید کو نہیں پہنچتی تھی، امام حسن نے معاویہ کو صرف اس کی حیات تک کے لئے حکومت سپرد کی تھی، اس کے بعد صاف اقرار تھا کہ حسن علیہ السلام کو حکومت ملے گی۔

وقد کان معاویہ لما صالح الحسن عھد للحسن بالامر من بعدہ فلما مات الحسن قوی امر یزید عند معاویہ ورائ انہ لذلک اھلا وذاک من شدۃ محبۃ الوالد لولدہ	معاویہ نے حسن سے صلح میں یہ شرط کی تھی کہ معاویہ کی موت کے بعد خلافت امام حسن کو ملے گی پس جب حسن علیہ السلام کی رحلت ہوئی تو یزید کا امر معاویہ کے نزدیک قوی ہوگیا اور اس کے خیال میں یزید اس کا اہل بھی تھا لیکن یہ سب اس کی پدری محبت کی زیادتی کی وجہ سے تھا۔
ابن کثیر شامی، البدایہ والنہایہ	

فی التاریخ الجزء الثامن ص ۸۰ -

نیز ملاحظہ ہو :-

الاستیعاب لابن عبدالبر ترجمہ حسن بن علی ص ۱۴۴،۱۴۳ -

ابو محمد عبداللہ بن مسلم ابن قتیبہ :- کتاب الامامۃ والسیاسۃ الجزء الاول ص ۱۳۶

ابن حجر مکی :- صواعق محرقہ الباب العاشر فی خلافۃ الحسن ص ۸۱ -

جامی - شواہد النبوۃ رکن سادس ص ۱۷۲ -

مصباح الدین احمد - الہارون ص ۸۳ -

حسین دیار بکری :- تاریخ الخمیس الجزء الثانی ص ۳۲۳ -

امیر معاویہ نے امام حسن علیہ السلام کو زہر سے قتل کر کے اپنی رائے میں اس معاہدہ کی شرط سے چھٹکارا حاصل کرنا چاہا، لیکن یہ غلط ہے۔ چنانچہ خود ابن کثیر شامی لکھتے ہیں کہ صرف معاویہ کے نزدیک امر یزید قوی ہو گیا اور اس نے یہ خیال صرف محبت پدری کی وجہ سے کیا۔ صحیح خیال نہ تھا۔ غالباً یہ امر تو مسلمہ ہی سمجھا جاویگا کہ امام حسن کو امیر معاویہ کے حکم و سازش سے زہر دیا تھا ہر ایک تاریخ کی کتاب میں یہی درج ہے۔

ان امرأت جعدہ بنت اشعث	امام حسن کی زوجہ جعدہ بنت اشعث
بن قیس الکندی سقت	بن قیس نے امام حسن کو معاویہ کے حکم سے
السم وقد کان معاویہ دس	زہر دیا کیونکہ معاویہ نے اس سے کہا تھا
الیہا انک ان احتلت فی قتل	کہ اگر تو امام حسن کو اس حیلہ سے قتل کر دیگی تو
الحسن وجہت الیک بمائۃ	میں تجھ کو ایک لاکھ درہم دونگا اور یزید سے
الف درھم و زوجتک یزید	تیرا نکاح کر دوں گا جب یہ عہد و پیمان ہو گیا
فکان ذلک الذی بعثہا علی	تو معاویہ نے جعدہ کے پاس زہر بھیجا اور جب
سمہ فلما مات وفی لہا معاویہ	امام حسن کی رحلت ہو گئی تو معاویہ نے مال کی
بالمال وارسل الیہا انا نحب	شرط تو پوری کر دی اور یہ کہلا بھیجا کہ ہمیں

حیاۃ یزید ولولا ذلک لوفینا | یزید کی حیات پیاری ہے ورنہ ہم تیرا نکاح
لک بتزویجہ | اس سے کر دیتے۔

مروج الذہب للمسعودی الجزء الثانی ص ۳۰۳۔

نیز ملاحظہ ہو:۔

تاریخ ابوالفداء:۔ الجزء الاول ص ۱۸۳۔

ابن عبد البر:۔ الاستیعاب ترجمہ حسن بن علی الجزء الاول ص ۱۴۴۔

ابن کثیر دمشقی:۔ البدایۃ والنہایۃ فی التاریخ الجزء الثامن ص ۴۳۔

تاریخ حبیب السیر:۔ جلد دوئم جزو اول ص ۱۸۔

شواہد النبوۃ جامی۔ رکن سادس ص ۱۷۳۔

سبط ابن الجوزی۔ تذکرۃ خواص الامت الباب الثامن فی ذکر الحسن ص ۱۲۱

اس کے ساتھ ہی ان کتابوں میں یہ لکھا ہوا ہے کہ صلح کے بعد دو دفعہ اس سے پہلے بھی زہر دیا گیا تھا۔ جو کارگر نہ ہوا، یہ تیسری دفعہ کا مہلک ثابت ہوا۔

ممکن ہے کہ کہا جائے کہ بروئے معاہدہ معاویہ کے بعد امام حسن کو حکومت ملنی تھی لیکن چونکہ وہ معاویہ کی حیات ہی میں انتقال فرما گئے، لہٰذا اب حکومت وہیں رہے گی جہاں تھی۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اول تو کئی جگہ یہ لکھا ہوا ہے کہ اگر حسن اس وقت زندہ نہ ہوں تو حکومت حسین کو ملے گی، اگر فرض کرو کہ یہ نہیں شرط تھی تب بھی چونکہ معاویہ نے خود امام حسن کو قتل کرایا تھا، لہٰذا قاتل مقتول کی موت سے فائدہ نہیں اُٹھا سکتا۔ یہ شرع محمدی کا صاف قاعدہ ہے کہ اگر قاتل مقتول کا وارث بھی ہے تو بوجہ قتل کے ورثہ سے محروم ہو جائیگا، اگر زید اپنے باپ کو قتل کرتا ہے تو اس کو باپ کا ورثہ نہیں ملے گا۔ اس صورت میں حکومت امام حسن کے وارث اکبر کو ملے گی، اور وہ امام حسین تھے، علاوہ ان سب باتوں کے یہ معاہدہ کی صاف شرط تھی کہ معاویہ کسی کو اپنا جانشین مقرر نہیں کریگا، بہر صورت یزید کسی طرح حکومت کا حقدار نہ تھا۔

حق کی صفت یہ ہے کہ جس پہلو سے بحث کرو وہ ثابت ہو جاتا ہے۔ ہم بیان کر آئے ہیں کہ سب سے بڑی نعمت مسلمانوں کے لئے جو اسلام نے مقرر کی تھی وہ ان معصوم حکام کا سلسلہ تھا جو عدل کامل دنیا میں رائج کر دیتے۔ اب ہم بیعت اسلامی کا ذکر کر رہے ہیں اس سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ اسلام میں بیعت فقط وہی لے سکتا ہے جو معصوم ہو، کیونکہ بیعت اس بات کا عہد و پیمان ہوتا ہے کہ رعایا حاکم کے ہر ایک فعل یا ایک حکم کی متابعت و اطاعت کریگی، اور بادشاہ کوئی ایسا فعل نہ کریگا اور نہ ایسا حکم دیگا جو شریعت اسلامی کے اور قرآن شریف کی صحیح تاویل کے خلاف ہو اور یہ شان صرف معصوم ہی کی ہو سکتی ہے، نتیجہ نکلا کہ اسلام میں بیعت محض معصوم کے لئے ہے، لہذا اسلام میں حاکم محض معصوم ہونا چاہیئے اور معصوم حاکم ہی عدل کامل کر سکتا ہے۔

عقدۂ دوئم۔ امام حسین نے بیعت سے کیوں انکار کیا؟

جب ہم نے بیعت کی نوعیت، اسلامی حکومت کی ماہیت، یزید کی ہیئت اور اس کے استحقاق کی کیفیت معلوم کر لی، تو اب یہ معلوم کرنا بہت آسان ہو گیا کہ امام حسینؑ نے کیوں بیعت نہیں کی۔ اسلام میں وہ شخص حاکم نہیں ہو سکتا۔ جو شرع اسلامی کی علانیہ ہتک کرتا ہو اور اس کے ان اوامر و نواہی کی بھی تعمیل نہیں کرتا جن میں نہ تاویل کا کوئی موقعہ اور نہ شبہ کی کوئی جگہ ہے، یزید نے اپنی طرف سے کوئی عہد و پیمان نہیں کیا تھا کہ وہ بموجب اوامر و نواہی اسلام حکومت کریگا، وہ بیعت طلب ہی کرنے کا مجاز نہ تھا، کجا کہ کوئی اس کی بیعت کرتا، یک طرفہ عہد و پیمان نہیں ہوا کرتا اس کو مطلقاً حکومت کا حق نہیں پہنچتا تھا، اگر بوجوہات چند در چند حسینؑ نے کوئی اقدام اس سے حکومت چھیننے کا نہیں کیا۔ تاہم وہ اپنے منہ سے کیوں اقبال کرتے کہ تم حکومت الہیہ کے جائز حکمراں ہو

اس میں کچھ شک نہیں کہ امام حسین علیہ السلام نے بیعت یزید سے نہایت سختی کے ساتھ انکار کیا۔ امام حسین علیہ السلام جانتے تھے اور آخر وقت تک جانتے تھے کہ اگر

وہ بیعت کرلیں تو پھر تمام مصائب یک لخت دور ہو جاتے ہیں اور پھر ان کے لخت جگر عزیز و اقارب اور احباب قتل سے بچ جاتے ہیں، حرم تشہیر و رسوائی سے بچ جاتے ہیں، نہ پیاس رہتی ہے، نہ بھوک رہتی ہے لیکن آپؑ نے یہ بات بظاہر آسان سی بات نہ کی، آپ کی شہادت کی ساری عظمت کا دارومدار اس انکار پر ہے، یہ انکار بغاوت کا ہم معنی نہ تھا، جیسا ہم ثابت کر چکے ہیں، چنانچہ ولید حاکم مدینہ نے مروان کی ملامت پر کہا کہ کیا تو چاہتا ہے کہ میں حسینؑ کو صرف اس وجہ سے قتل کردوں کہ وہ بیعت نہیں کرتے۔

یہ امر واقعہ ہے کہ اگر حسین علیہ السلام یزید کی بیعت کر لیتے تو پھر اسلام دنیا میں نہ رہتا، یزید امت محمدیہ کو پھر صنم خانوں کی طرف لے چلا تھا۔ یزید کی حکومت دراصل اس کے آبائی کفر کی حکومت تھی، وہ ان منہیات و لغویات کو اسلام میں رائج کرنا چاہتا تھا جو کفر کی جان اور اسلام کی موت تھے۔ فقہ اسلامی کا مضحکہ بندر کو فقہاء کا لباس پہنا کر کیا جاتا تھا، اگرچہ حکومت خاندان رسالت میں سے نکال لی گئی تھی لیکن اپنے پرائے سب اس بات کے قائل تھے کہ آنحضرت کے علوم کے وارث یہی لوگ تھے جن کو آنحضرتؐ نے بار بار اپنا وارث و وصی فرمایا تھا، اگر امام حسین علیہ السلام یزید کی بیعت کر لیتے اور اس کے ہر ایک حکم کی اطاعت کا عہد و پیمان اپنی گردن میں ڈال لیتے تو پھر فوراً کفر اسلام کی جگہ لے لیتا۔ اور جناب رسالت مآب کی ساری عمر کا کام برباد ہو جاتا، اس بیعت کا یہ مطلب ہوتا کہ واقعی فقہ اسلامی اس ہی مضحکہ کا سزاوار ہے۔ جو یزید اس سے روا رکھتا ہے۔ محرمات سے نکاح کرنا جائز، حدود اللہ کو نظر انداز کرنا اور آخر کار اسلام کو چھوڑ دینا معمولی رواج ہو جاتا، لوگ کہتے کہ جب وارث علم رسول نے یزید کے ان احکام کو قابل اطاعت سمجھ لیا تو واقعی اسلام ایک دھوکہ ہی تھا، یہ تھی وہ مصیبت، یہ تھی وہ آفت جس سے اسلام کو بچانے کے لئے امام حسین علیہ السلام نے اتنی عظیم الشان قربانی کی۔ میدان کربلا امت اسلامیہ

کی وہ عظیم الشان درسگاہ ہے جس میں سبق پڑھانے والے معلم چھ مہینے کے بچوں سے لگاکر اسی برس کے بڈھوں تک پائے جاتے ہیں، اور جس میں زندگی انسانی کے ہر ایک پہلو پر ایک سبق دیا گیا ہے۔ اگر امت اسلامیہ ان پر عمل کرتی تو اسلام کو یہ برا دن دیکھنا نصیب نہ ہوتا جو آج اسکے سامنے ہے، حق کو کسی قیمت پر نہ بیچنا، ناحق کو کسی کی خاطر نہ خریدنا، دنیاوی وجاہت و آرام و راحت کو ہیچ سمجھنا، اپنی محبت و نفرت کو خدا کی رضامندی کے مطابق کرنا یہ وہ چند سبق ہیں ان بے شمار سبقوں میں سے جو حسین علیہ السلام امت اسلامیہ کو دس ماہ محرم ۶۱ھ ہجری کے چند گھنٹوں میں سکھا گئے۔ صاحب فہم و ذکا ہیں وہ لوگ جنھوں نے یہ سبق یاد رکھے۔ کم بخت ازلی ہیں وہ لوگ جو ان کو بھول گئے، یہ مشکل سبق تھے۔ اکثریت امت کو نہ یاد رہے۔ سقیفہ بنی ساعدہ کے آسان سبق تھے۔ سب فر فر یاد ہیں، کتنا فرق ہے۔ ایک جگہ جانیں ضایع ہوئیں، گھر لٹے، بھوک و پیاس کی تکلیف اٹھانی پڑی۔ آخرکار گردنیں کٹانی پڑیں، دوسری جگہ حکومت ملی، شہرت ملی، وجاہت ملی۔ دولت ملی۔ کتنا فرق ہے۔ کربلا و سقیفہ میں لیکن باوجود اس فرق عظیم کے کتنا ایک دوسرے کا چولی دامن کا ساتھ ہے، کربلا کہاں ہوتی اگر سقیفہ نہ ہوتا۔

عقدۂ سوم۔ یزید کا بغض حسین علیہ السلام کے پیچھے پڑنا۔

یزید کی تخت نشینی کے وقت مدینہ میں کئی سربرآوردہ لوگ تھے، عبداللہ ابن عمر، عبدالرحمن بن ابی بکر، عبداللہ ابن عباس۔ عبداللہ ابن زبیر اور حسین بن علی، ان میں سے عبداللہ ابن عباس اور ان کے بھائیوں نے تو معاویہ کے زمانہ ہی میں یزید کی ولی عہدی پر بیعت کرلی تھی، اور یزید کی خلافت سے راضی ہوگئے، باقی چار صرف وہ لوگ تھے جنھوں نے بیعت نہیں کی، جب معاویہ حضرت عائشہ سے ملے تو یہ فرمایا کہ ان سب کے علاوہ باقی سب نے یزید کی بیعت کرلی ہے۔ اردو ترجمہ تاریخ کامل خلافت

بنوامیہ حصہ اول ص ۱۰۶ مرتے وقت بھی امیر معاویہ نے صرف ان چار اشخاص ہی کا نام لیا تھا۔ کہ جنہوں نے بیعت نہیں کی تھی، یزید کی طرف سے عبداللہ ابن عباس اور ان کے بھائیوں کو کچھ خوف نہ تھا۔ چنانچہ نہ وہ مدینہ سے نکلے اور نہ ان میں ان کو کوئی خطرہ تھا، انہوں نے امام حسین کا ساتھ بھی نہیں دیا، لہٰذا مخالفین کا یہ کہنا کہ واقعہ کربلا بنوہاشم وبنوامیہ کی باہمی رقابت کا مظاہرہ تھا، محض شہادت امام حسین علیہ السلام کی عظمت کو کم کرنا ہے۔ بنوہاشم میں بنوعباس کی کافی وقعت اور کافی تعداد تھی، اور جب وہ یزید کی طرف ہوگئے تو یہ نہیں کہہ سکتے کہ باہمی رقابت باقی تھی، ہم ابھی ثابت کرتے ہیں کہ یزید کا ارادہ قتل حسین اس ہی سیاست جاریہ کا ایک مظہر تھا جس کا مخرج سقیفہ کے اندر تھا، اگر یزید مسلمان تھا تو خاندانی بغض و عناد تو اسلام لانے کے بعد ہی ختم ہوگیا، کیونکہ آنحضرت صلعم کے سب جہاد مذہبی جہاد تھے۔ اور کوئی مسلمان ان جہادوں کی کامیابی کی وجہ سے دل تنگ نہیں ہوسکتا، اور اگر یزید دل سے کافر تھا تب بھی وہ بغض و عناد اس وقت ختم ہوگیا جب معاویہ نے بنوہاشم کو دنیاوی حکومت میں مغلوب کرلیا، کینہ اور پرانا بغض ہمیشہ مغلوب و کمزور دل میں باقی رہ جاتا ہے، جب فتح حاصل کرکے غالب ہوگئے تو پرانا بدلہ تو اسی وقت لے لیا گیا اب باقی کیا رہ گیا جس کا بدلہ لیا جاتا، ہاں اگر کبھی بنوہاشم نے بنوامیہ کے کسی شخص کو اس طرح بھوکا پیاسا محصور کرکے مع اسکے معصوم بچوں کے قتل کردیا ہوتا تو پھر کہہ سکتے تھے کہ یہ بدلا اس خاص واقعہ کا تھا، لیکن ایسا کبھی نہیں ہوا، ان بزرگواروں کی منشیٔن بینی ملکہ الہامی اس سے ہی تو ظاہر ہوتا ہے کہ جناب رسول خدا یا حضرت علیؑ نے کبھی ایسا موقعہ آیا بھی تو اس کو استعمال نہ کیا، معاویہ کی لڑائیوں میں ایک دفعہ معاویہ کی افواج نے حضرت علیؑ کے لشکر کو ہٹاکر پانی پر قبضہ کرلیا اور ان پر پانی بند کردیا، پھر حضرت علیؑ کے لشکر نے جوابی حملہ

کرکے اس پانی پر قبضہ کرلیا، اور جناب امیر سے اجازت چاہی کہ معاویہ کے لشکر کا پانی بند کر دیں لیکن آپ نے اس کی اجازت نہ دی۔ بلکہ معاویہ کے لشکریوں کو عام آزادی دیدی کہ پانی تک پہنچ جائیں اور پانی لے لیں۔ حضرت علی کو کربلا کے واقعہ کی خبر تھی اگر اس دن پانی روک دیتے تو یزیدی لشکر کہتا کہ آج ہم نے اس کے عوض میں تم پر پانی بند کیا ہے، بنوہاشم کی پچھلی فتح اور گذشتہ کامیابیوں کا بدلہ تو پوری طرح سے اسوقت لے لیا گیا جب امیر معاویہ نے ان فتوحات اور کامیابیوں سے حاصل کی ہوئی سلطنت پر بنوہاشم کو شکست دیکر قبضہ کرلیا بغض و عناد سابقہ کے بھی کہاتے میں اب اور کوئی مد باقی نہیں تھی جس کا بدلا لیا جاتا، لہذا یہ کہا کہ واقعہ کربلا بنوہاشم و بنوامیہ کی پرانی خاندانی رقابتوں کا نتیجہ ہے۔ حق کو چھپانے کی ناکامیاب کوشش کرنی ہے، یہ پردہ ایسا باریک ہے کہ اس سے حق تو نہیں چھپے گا ہاں یہ معلوم ہو جائے گا جو کہ امر واقعہ ہے کہ حسین علیہ السلام پر ستم کرنے کا سلسلہ ان کے اس دنیا سے گزرنیکے بعد بھی جاری ہے، ان بزرگواروں پر جو ظلم ہوئے ہیں ان کی ایک صنعت یہ بھی ہے کہ موت نے ان کو ختم نہیں کیا، عرصہ ہوا کہ جناب امیر سے خلافت چھیننے والوں نے خلافت چھین لی لیکن اب بھی یہ کہنے والے موجود ہیں کہ خلافت حضرت علی کا تو حق ہی نہ تھا، کوئی یہ بنوہاشم کی جاگیر تھی، ان میں یہ سیاسی قابلیت ہی نہ تھی کہ اس کامیابی کے ساتھ اسلام کو پھیلاتے جس کامیابی سے حضرت عمر نے پھیلایا، اگر یہ سلسلہ ظلم جاری نہ رہتا تو جناب رسول خدا کی وہ مشہور دعا اللھم انصر من نصرہ ایک محاورہ اور وقتی خواہش بن کر تبدیل ہو کر رہ جاتی لیکن وہ رحمۃ للعالمین ہیں قیامت تک ان کی رحمت باقی رہے گی، لہذا کارکنان قضا و قدر نے فیصلہ کیا کہ ان پر جو ظلم کرنے والے ہیں وہ بھی قیامت تک باقی رہیں تاکہ اس دعائے مصطفوی کی ردائے عاطفت قیامت تک پھیلی رہے جو چاہے اس کے اندر پناہ لے۔

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ خاندانی رقابت اس کی وجہ نہ تھی تو پھر کیا تھا کہ یزید نے صرف حسین ہی کو ایذا دینی شروع کی اور ان کے ہی قتل کا درپے رہا۔ اس کا جواب ہم پہلے دے چکے ہیں، دیکھو ص ۱۷۰۲، ۱۷۰۳ کتاب ہذا۔ اور سلسلۂ بیان قائم رکھنے کے لئے کچھ اب بتے ہیں۔ یہ مضمون اتنا اہم ہے کہ اس کو ذہن نشین کرانا ضروری ہے خواہ دوہرانا ہی پڑے۔

جس حکومت کا یزید وارث تھا، اس کی وجہ ہست و بود ہی بغض علی اور اولاد علی پر مبنی تھی، یہ حکومت خاندان علی میں ہوتی اگر وہ سیاست کا منیا نہ ہو جاتی جس سیاست کا آخری پھل حکومت بنی امیہ تھی یزید جانتا تھا کہ خاندان رسالت اس حکومت کا حق دار بنتی ہی، اور بہت عرصہ تک دعویدار بھی رہا ہے بڑی مشکلوں سے بہت پیچیدہ حکمت عملیوں سے اس حکومت کو خاندان رسالت میں سے نکالا گیا ہے اس کا پہلا اور سب سے بڑا معرکہ سقیفہ کا تھا۔ حکام سقیفہ کا زمانہ ختم ہونے کو آیا، اور ابھی دعویدار خاندان رسالت باقی ہے اگر اسوقت کچھ نہ کیا تو پھر حکومت واپس خاندان رسالت میں چلی جائیگی، اور سارا کام کیا کرایا خاک میں مل جائیگا، لہذا نہایت عمدہ ترکیب شوریٰ کی نکالی گئی۔ اس میں ایک صریح اشارہ بھی کر دیا گیا کہ اس دعویدار کا کام ہی ختم کر دیا جائے، لیکن افسوس ہے کہ جن لوگوں کو یہ کام کرنا تھا وہ ایسے جرأت والے نہ تھے جیسے کہ وہ لوگ تھے جنھوں نے اس طرف اشارہ کیا تھا، یا یوں کہو کہ واقعات نے مساعدت نہ کی اور وہ تجویز زیر عمل نہ آسکی، یہ کھٹکا باقی ہی رہے گا جب تک اس خاندان کا دعویدار باقی ہے، یزید نے سوچا کہ میرے لئے موقعہ ہے، کیوں نہ میں اس تجویز کو زیر عمل لاؤں جس کی طرف اس سے پہلے فقط اشارہ ہی ہوسکا ہے، اور اس طرح اپنے سابق جانشینوں کی روح کو خوش کر لوں اور اپنی سلطنت کے کانٹے کو ہمیشہ کے لئے نکال دوں اگر حسین خاموش بھی ہے اور میں نے ان کو چھوڑ دیا، اور وہ مجھ سے پہلے انتقال بھی

اکر گئے تو میرے مرتے تک ان کا بیٹا جوان ہو کر میرے بیٹے کو ستائے گا، اصلی اور عمدہ سیاست وہ ہی تھی جس کی تجویز شوری میں کی گئی تھی، یہ تھے یزید کے خیالات اور اسکے خواہشات جنھوں نے اس کو قتل حسین پر آمادہ کیا۔

تاریخ اسلام کو ابتدائے حکومت سقیفہ سے آخر حکومت بنی عباس تک دیکھ ڈالو ان سب میں ایک جزو مشترک پاؤ گے اور وہ بغض علی اور اولاد علی ہے۔ یہ تو ہم پہلے ثابت کر چکے ہیں کہ حکومت سقیفہ، حکومت بنی امیہ اور حکومت بن عباس کی بناء بغض علی پر تھی، اور ان پر ہی کیا منحصر ہے جو شخص جناب رسالت مآب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیدا کی ہوئی حکومت پر قابض ہوا، وہ اس یقین کے ساتھ قابض ہوا کہ اس حکومت کا اصلی حق دار میں نہیں ہوں بلکہ علی اور اولادِ علی اس کے حق دار ہیں چونکہ وہ اصلی حق دار تھے لہٰذا خواہ وہ کچھ کریں یا نہ کریں اس کے دل میں اُن کی طرف سے بغض پیدا ہو جاتا تھا اور یہ تاریخ عالم کے مشاہدات میں سے ایک مشاہدہ ہے کہ غاصبان حکومت ہمیشہ اصلی حق دار اور اس کے خاندان کے خلاف رہتے ہیں، یہ سنت شیخین تھی اور اس کی پیروی ہر ایک آنے والی حکومت نے کی اور تو اور عبداللہ بن زبیر کو دیکھو، اس چار دن کی چاندنی ہی میں خوب گُل کھلائے، ابھی پوری طرح سے اپنی حکومت میں مستقل نہیں ہوئے تھے کہ وہی سنت شیخین شروع کر دی۔ مورخ مسعودی کہتا ہے۔

وحبس عبد اللہ بن الزبیر الحسن بن محمد بن الحنفیہ فی الحبس المعروف بحبس عازم وھو حبس موحش مظلم واراد قتلہ۔۔۔۔۔۔	عبداللہ بن زبیر نے حسن بن محمد بن حنفیہ کو قید خانہ عازم میں قید کر دیا، یہ قید خانہ نہایت ڈراؤنا تنگ و تاریک تھا۔ اس نے ارادہ اس کے قتل کا کیا۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔
ایذاء ابن الزبیر لبنی ھاشم	ابن الزبیر کا بنو ہاشم کو ایذا پہنچانا۔

وقد کان ابن الزبیر حمد الیٰ من بمکہ من بنی ھاشم فحصرھم فی الشعب جمع لھم حطبا عظیما لو وقعت فیہ شرارۃ من نار لم یسلم من الموت احد وفی القوم محمد بن الحنفیہ	ابن الزبیر نے مکہ میں جتنے بھی بنو ہاشم تھے ان سب کو گرفتار کرکے ایک کوٹھری میں قید کر دیا، اور ان کے گرداگرد بڑا انبار لکڑیوں کا جمع کر دیا تاکہ ایک چنگاری بھی پڑے تو سب کو جلا کر خاکستر کر دے اور ان قیدیوں میں محمد بن حنفیہ بھی تھے۔

دیکھا آپ نے جو حکومت آتی ہے خاندان رسالت پر پہلے ہاتھ صاف کرتی ہے وجہ وہ ہی ایک ہے کہ اس حکومت کی ہستی کا مدار ہی خاندان رسالت کے بغض پر ہوتا ہے، امیر معاویہ محض یزید کی بیعت نہ کرنے سے ان چاروں آدمیوں سے ناراض تھے۔ لیکن قتل کی دھمکی دی تو صرف امام حسین علیہ السلام کو دیکھو ص ۷۰۵ الکتاب ہذا اور اردو ترجمہ تاریخ کامل خلافت بنو امیہ حصہ اول ص ۱۰۶ ۔ امر واقعہ تو یہ ہے کہ یہ آگ لگائی حکام سقیفہ نے، دھونکنی دی عروج بنوامیہ نے جس کو حکام سقیفہ نے قائم کیا تھا، اگر دو چار پھونکیں خاندانی عداوت نے بھی ماردیں تو یہ عین سلسلۂ واقعات کے مطابق تھا۔

عقدۂ چہارم و پنجم۔ کوفہ کی طرف رُخ اور سفارت مسلم ابن عقیل ؑ ان دونوں سوالوں پر صحیح طریقہ سے بحث کرنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ اول ہم جناب امام حسین کا مطالعہ بہت اچھی طرح کریں کیونکہ کسی شخص کے افعال کا صحیح محرک یا سبب نہیں معلوم ہوسکتا۔ جب تک ہم یہ نہ معلوم کرلیں کہ وہ شخص کیسا ہے ایک ہی فعل کے کئی محرک یا اسباب ہو سکتے ہیں اور اپنے اپنے موقعہ پر ہر ایک درست ہوں گے۔ سچ بتائیے دل سے۔ کسی کا ڈر نہیں ہے، آپ جناب سید الشہدا کو سچا جانتے ہیں یا نہیں۔ آپ

کرتے ہیں۔

(۱) معاویہ اپنی زندگی میں قتل حسین کی ارادے کرتا رہا۔

(۲) یزید نے تخت سلطنت پر بیٹھتے ہی پہلا حکم جو صادر کیا وہ یہ تھا کہ حسینؑ سے بیعت لو، اگر بیعت نہ کریں تو ان کا سر میرے پاس بھیج دو۔

(۵) امام حسین صرف اپنے بچوں عورتوں اور قریب ترین رشتہ داروں کو لے کر مدینے سے نکلے اور یہ کہتے ہوئے نکلے۔

فلمّا سار الحسین نحو مکۃ قال فخرج منہا خائفاً یترقب قال ربّ نجنی من القوم الظّالمین فلمّا دخل مکۃ قال فلمّا توجّہ تلقاء مدین قال عسیٰ ربّی ان یھدینی سواء السبیل تاریخ طبری الجزء السادس ص ۱۹۱۔

ترجمہ:- امام حسین نے مکہ کی طرف چلتے ہوئے یہ آیت پڑھی (جس کا ترجمہ ہے کہ موسیٰ اپنے شہر سے وہاں کے امراء کے خوف سے نکلے، پیچھے دیکھتے جاتے اور کہتے جاتے تھے کہ خداوندا مجھے ظالموں کی قوم سے نجات دے) اور جب امام حسین مکہ میں داخل ہوئے تو اس کی باقی آیت پڑھی (جس کا ترجمہ یہ ہے کہ جب موسیٰ نے مدین کی طرف رُخ کیا تو کہا کہ شاید میرا خداوند صراطِ مستقیم کی طرف لے جائے) بہرصورت یہ حالتِ خوف کا اظہار ہے۔

(۶) مکہ سے بھی آٹھویں ذی الحجہ کو حج سے دو دن پہلے آپ کوفہ کی طرف چل دئے۔ دو دن کا بھی انتظار نہ فرمایا، اور حج کو عمرہ میں تبدیل کر دیا، اس سے مکہ کی خطرناک حالت کا اندازہ ہوتا ہے اگر کوفہ کی حکومت کو منقلب کرنا منظور ہوتا تو حج کا انتظار فرماتے۔ موسم حج میں لوگوں کو یزید کے مظالم سنا کر اپنی طرف کرتے اور وہاں سے ایک مجمع کو لے کر کوفہ کی طرف بڑھتے۔

(۷) مکہ سے بھی وہی بچوں اور عورتوں اور قریب ترین رشتہ داروں

کی جماعت کو ہمراہ لیا۔

(۸) راستہ میں لوگوں کو بتا دیا کہ میں تو مقتل کی طرف جا رہا ہوں مالِ غنیمت اور سلطنت کے لالچ میں نہیں جا رہا تم کو میں عام اجازت دیتا ہوں کہ تم چلے جاؤ، یہ سن کر بہت سے لوگ جو راستہ میں مالِ غنیمت کے لالچ سے ہمراہ ہو گئے تھے۔ جدا ہو گئے۔ یہ حملہ کرنے والوں کا طرزِ عمل ہے؟

(۹) تیسری تاریخ سے دسویں تاریخ تک کربلا میں محصور رہے، موت سامنے نظر آ رہی تھی، پھر بھی ارادہ وہی رکھا جو پہلے تھا یعنی بیعت سے انکار۔

(۳) امام حسین اپنے نانا کو سچا نبی جانتے تھے اور ان کے نانا نے پیشین گوئی بار بار کی تھی کہ حسین مقام کربلا میں میری امت کے ہاتھوں بھوکا اور پیاسا قتل کیا جائے گا۔

(۴) خود آپ نے مدینہ سے چلتے وقت خواب بھی یہی دیکھا تھا کہ نانا کہہ رہے ہیں کہ عنقریب تم اے حسین مجھ سے آن کر ملو گے۔ اس زمانہ میں خواب پر بہت اعتبار کیا جاتا تھا، خواب پر اعتبار کر کے ہی حضرت ابراہیم اپنے بیٹے کے ذبح کرنے پر مستعد ہو گئے۔

(۱۰) دنیادار حملہ آور کے لئے کیسا اچھا موقعہ تھا۔ جب حر تھوڑی سی جمعیت کے ساتھ آپ کا راستہ روکنے آیا، اور وہ اور اس کا سارا لشکر معہ جانوروں کے پیاس کے مارے مر رہے تھے، حملہ کر کے ایک ایک کا صفایا کر دیتے، اور پھر طرماح ابن عدی کی صلاح پر عمل کر کے پہاڑوں میں چلے جاتے۔

(۱۱) اگر حکومت مطلوب تھی تو کوفہ والوں کو کہتے کہ پہلے تم اپنے حاکم کو شہر سے نکال دو تو میں آؤں گا۔ ایک شہر میں دو حکومتیں نہیں ہو سکتیں چونکہ آپ کو محض ہدایت مطلوب تھی حکومت سے تعرض نہیں کیا۔

(۱۲) مسلم کو بھی یہی ہدایت فرما دی تھی کہ تم پہل نہ کرنا۔ چنانچہ جب شریک ابن اعور نے مسلم کو اپنے مکان کے حصّہ میں چھپا کر ہدایت کی کہ عبیداللہ ابن زیاد

میری عیادت کو آنے والا ہے جب آجائے تو تم پیچھے سے نکل آنا اور اس کو قتل کر دینا۔ کیسی عمدہ تدبیر تھی، ایسا واقعہ ہوا مسلم پردے میں تو چھپ گئے۔ پھر امام کی ہدایت یاد آگئی، نہ نکلے۔ عبید اللہ ابن زیاد آیا بھی اور چلا بھی گیا۔ اس کے جانے کے بعد شریک نے مسلم سے کہا کہ تم نے بہت اچھا موقعہ کھو دیا، امر واقعہ یہ ہے کہ اگر مسلم اس دن عبید اللہ ابن زیاد کو قتل کر دیتے تو کوفہ تو ان کا اپنا ہو جاتا اور پھر سارا نقشہ ہی بدل جاتا لیکن امام تو اپنے قول و فعل سے ظاہر کر رہے تھے کہ میں حکومت کے لئے نہیں لڑنا چاہتا اگر عبید اللہ ابن زیاد قتل ہو جاتا تو پھر تو یزید اور اس کے حامیوں کو امام حسین کے قتل کرنے کا اچھا بہانہ مل جاتا۔ ان واقعات کے لئے دیکھو:-

تاریخ طبری:- الجزء السادس ص ۲۰۲۔

البدایتہ والنہایتہ فی التاریخ لابن کثیر شامی الجزء الثامن ص ۱۵۳

اس واقعہ سے یہ بھی کیسی عمدگی سے ظاہر ہو گیا کہ حضرت مسلم نے جو کوفیوں سے بیعت لی تھی وہ محض ہدایت کے لئے تھی کہ ان کی ہدایت کو قبول کریں گے ملکی حملہ کے ارادہ کی بیعت ہوتی تو مسلم کی ایک تلوار وہ کام کر جاتی جو کوفہ کی ساری آبادی نہ کر سکتی۔

(۱۳) امام حسین علیہ السلام نے اس مفروضہ حملہ کرنے کے لئے کبھی کوئی لشکر جمع نہیں کیا۔

(۱۴) امام حسین نے کبھی کسی سے نہیں کہا کہ چلو ہماری مدد کرو ہم یزید سے حکومت چھیننے کے لئے جا رہے ہیں۔

ان واقعات کو دیکھتے ہوئے بھی اگر کوئی یہی اصرار کرتا ہے کہ امام حسین علیہ السلام ارمانوں اور آرزؤں سے بھرے ہوئے دل اور حکومت کے لالچ اور دولت کی امید سے پر دماغ لے کر مملکت یزید کی سلطنت پر بمقام کوفہ حملہ کرنے چلے تو اس کو سوائے اس کے میں کیا کہوں۔

جو اس پر بھی نہ وہ سمجھے تو اس بت سے خدا سمجھے

سانحہ کربلا کے صحیح اسباب و علل جب یہ معلوم ہوگیا کہ امام حسین علیہ السلام کی شہادت کے یہ اسباب نہیں تھے جو ان کے دشمن اور حکام سقیفہ کے حامی بیان کرتے ہیں، تو وہ ہمارے ناظرین جنھوں نے ہماری کتاب کو پہلے صفحہ سے یہاں تک پڑھ لیا ہے، اب ہماری طرف سے بغیر کسی مزید بحث کے خود بخود واقف ہوگئے ہوں گے کہ امام حسین علیہ السلام کی شہادت کے صحیح اسباب و علل کیا تھے۔ سلسلۂ بیان قائم رکھنے کے لئے جو ہم اب بحث کریں گے وہ پہلے کہی ہوئی باتوں کو دہرانا ہی ہوگا۔ تاریخ عالم کا مطالعہ کرنے والے اچھی طرح جانتے ہیں کہ بڑے بڑے تاریخی واقعات وانقلابات وقتی اور فوری جوش یا خیال کا نتیجہ نہیں ہوا کرتے بلکہ سالہا سال کی بحث و بیز، متفرق و مختلف واقعات و خیالات کا تصادم اور اجتماع اور ان کے نتائج پھر آپس میں باہم مل کر متفرق صورت حالات پیدا کرتے رہتے ہیں تا آں کہ ایک بڑا واقعہ ظہور پذیر ہو جاتا ہے، اگر کوئی یہ کہے کہ کارتھیج و روم کی لڑائیاں، ترکوں کا قسطنطنیہ کو فتح کرنا، ہندوستان میں سلطنت مغلیہ کی ابتداء، عیسائیت میں ریفارمیشن کا آنا، نپولین و ہٹلر کی لڑائیاں محض ہنی بال سلطان محمد ثانی، شہنشاہ بابر، لیوتھر، نپولین اور ہٹلر ہی کی خواہش و کارناموں کے نتیجے تھے تو یہی نہیں کہ یہ غلط محض ہوگا بلکہ اس اٹل قانون کی تکذیب ہوگی جس نے ابد کی انتہا کو ازل کی ابتداء پر منحصر کر دیا ہے، عالم تکوین کی ابد تک کی نیرنگیاں نتیجہ ہیں اس پہلی ازلی حرکت کا جو خلاق زمین و زمان کے ارادۂ کن سے پیدا ہوئی ہزارہا سال کی گردش لیل و نہار اپنے امر، کام میں مشغول ہے۔
مختلف خاصیتیں رکھنے والی مٹیوں کو ان کے اس آخری انجام پر پہنچائے جس کی مقتضی ان میں سے ہر ایک کی خاصیت ہے، کوئی محض چٹان بن کر رہ جائے گی، کوئی عقیق، کوئی لعل، کوئی زمرد، کوئی ہیرا، کوئی سونا، کوئی چاندی، بنے گی اور یہ خاصیت ودیعت کی ہوئی ہے اسی روز ازل کی، یہ قانون صرف خاک کو کیمیا بنانے ہی میں منحصر نہیں ہے بلکہ انسانوں کی زندگی پر بھی حاوی ہے

جب قسام ازل نے ہر ایک شخص کے پیمانۂ رنج و راحت کا اندازہ کیا تو پھر جو حالات و واقعات اس شخص کے متعلق وابستہ تھے ان کو اس طرح گردش دی اور ان کی رفتار اور ان کے اجماع کو اس طرح مقرر کیا کہ ان کا نتیجہ اس شخص کے لئے سوائے اس قسمتِ رنج و راحت کے کہ جو اس کے لئے روز ازل مقرر کر دی گئی ہے کچھ اور نہ ہو سکے، اس کو ہم مثال دے کر سمجھاتے ہیں۔ جہاں تک ظاہری دنیاوی اسباب کا تعلق ہے انسان کے حصہ کی رنج و راحت اس کے مستقل و خصائل حمیدہ و رذیلہ کے تناسب سے ہوتی ہے۔ اور اس سے متعلق جو واقعات ہیں ان کا سلسلہ روز ازل تک پہنچتا ہے۔ اس کی عقل و خصائل حمیدہ و رذیلہ کی موجودگی [illegible] و مقدار بہت سے پیدائشی و راثتی و معاشرتی واقعات و حالات پیدا ہوتی ہے جن کا سلسلہ روز ازل تک پہنچتا ہے۔ روز ازل ہی سے ان واقعات و حالات کی ترکیب و ساخت و رفتار اس طرح مقرر کر دی گئی تھی کہ [illegible] ہر انسان میں اتنی ہی مقدار عقل و فکر [illegible] پیدا کرتے ہیں کہ جتنی کہ اس کے مقررشدہ پیمانہ رنج و راحت کے لئے ضرورت ہو۔ معلوم ہوا کہ جو پیمانہ رنج و راحت ہمارے لئے روز ازل مقرر کیا گیا تھا، اس پیمانہ کو حد مقررہ تک پر کرنے والے واقعات و اسباب بھی اسی دن سے متحرک کر دئے گئے تھے۔ فلسفۂ الٰہیات کا یہ بھی ایک انوکھا مضمون ہے جس پر اس طرح کم فلاسفروں نے نظر ڈالی ہوگی۔ اس نظریہ کی بناء پر بہت سے مشکل مسائل حل ہو جاتے ہیں، جو کہتے ہیں کہ کوشش کرنی بے فائدہ ہے جو مقدر میں ہے مل جائے گا۔ ان کی بھی غلطی ظاہر ہو گئی اور جو کہتے ہیں کہ قسمت کچھ نہیں ہے جو کچھ ہے ہماری کوشش ہے، ان کو بھی جواب مل جاتا ہے۔ تم اتنی کم و زیادہ کوشش ہی نہیں کر سکتے جس اندازہ سے تمہاری قسمت رنج و راحت کے مطابق تمہیں کوشش کرنے کا ارادہ و اس کی طاقت دی گئی ہے۔ کیسی عمدہ تفسیر ہے لیس للانسان الا ما سعیٰ کی۔ انسان کی قسمت اس کی کوشش کے

اندازہ کے مطابق ہے اور کوشش کے لئے جتنی طاقتیں دی گئی ہیں وہ ایک حد تک محدود ہیں، کسی میں کم کسی میں زیادہ، علیٰ قدر مراتب، یہ نہایت دلچسپ مضمون ہے لیکن اگر میں اس کو آگے بڑھاتا ہوں تو میرے اوپر الزام طوالت غیر متعلقہ عائد ہوتا ہے، لہذا میں ناظرین کو ان نئے خیالات میں ملتان و بیجاں چھوڑ کر پھر تاریخی واقعات کی طرف مڑتا ہوں۔ ہاں تو میں کہہ رہا تھا کہ ہر تاریخی واقعہ نتیجہ ہوتا ہے اپنے پہلے بہت سے گزرے ہوئے واقعات کا۔ ایک آدمی کبھی دنیا کو ہلا دینے والے واقعات پیدا نہیں کرسکتا، ہاں دیگر واقعات کے ساتھ مل کر ممد و معاون ہوسکتا ہے، آج ایک نہیں ہزاروں بابر ہندوستان میں آجائیں کہیں سلطنت مغلیہ قائم ہوگی؟ اسی طرح اگر یزید کی دل سے یہ خواہش بھی ہوتی کہ امام حسین کو قتل کردیا جائے تو سوچنے والی یہ بات ہے کہ اس وقت کی تقریباً ساری امت سلامیہ نے کیوں امام حسین کے قتل پر ایک طرح کا اجماع کرلیا وہ لوگ مسلمان تھے۔ دل سے مسلمان تھے، روزہ و نماز کے پابند تھے، باوجود اس کے اپنے رسول کے نواسے کے قتل پر بھی تُلے ہوئے تھے۔ اس معمہ کو حل کیجئے کہ یہ کیوں ایسا ہوا؟ اور تو اور حضرت عبداللہ ابن عباس کو دیکھو، عبداللہ ابن عمرو عائشہ نے تو کچھ ذرا تامل بھی کیا، یزید کی بیعت کرنے ت، لیکن انہوں نے فوراً معاویہ کی زندگی ہی میں یزید کی بیعت کر ڈالی۔ اتنا توضرور کیا کہ یزیدی افواج میں شامل نہیں ہوئے اور قتل حسین کو ایک واقعہ عظیم سمجھتے رہے، سوال یہ ہے کہ کیا انہوں نے اپنا وہ فرض ادا کیا جو اس موقعہ پر ان کے مرتبے کے صحابی رسول اور ممتاز فرد خاندان بنوہاشم کو کرنا چاہیئے تھا ان کو اچھی طرح علم تھا کہ حسین اپنے مقتل کی طرف جارہے ہیں، ان کو علم تھا کہ یہ فتنہ بڑھے گا، کیا ایسے موقعہ پر ان کو عورتوں کی طرح گھر میں ہی بیٹھنا چاہیئے تھا، عرب کی حمیت کیا ہوئی؟ ہاشمی شجاعت کو نظر لگ گئی؟ کنبہ داری و رشتہ داری کی محبت کو کیا ہوگیا، اور تو اور رہنے

نہیں ملتی تھی، اگر اتنی تکلیف اٹھاتے تو کوئی بڑی بات نہ تھی، بڑے بڑے صحابی ابھی موجود تھے۔ یہی نہیں کہ وہ خاموش بیٹھے رہے، اور حسین کی مدد نہیں کی ان میں سے کوئی بیچ میں بھی نہ پڑا کہ یزید کو اس کے ارادے سے باز رکھتا اور نیچ اونچ سمجھاتا، ان سب میں ہم کو عبداللہ ابن عباس سے زیادہ امید تھی اور وہی ایسے نکلے، یہ کیوں ایسا ہوا یہ بھی ایک معمہ ہے کہ نہیں، اس معمہ کے حل کے لئے بھی ہم مولوی شبلی ہی کی مدد لیتے ہیں، اپنے الفاروق حصہ دوم کے صفحہ ۲۲۸ لغایت ۲۳۳ حاشیہ کے عنوان فقہ کے تمام سلسلوں کے مرجع حضرت عمر ہیں کے تحت میں لکھتے ہیں۔

ان میں (حضرت علی کے سوا) اکثر بزرگ حضرت عمر ہی کی صحبت سے مستفید ہوتے تھے اور خاص کر عبداللہ ابن عباس، عبداللہ بن عمر و عبداللہ ابن مسعود تو ان کے ساختہ و پرداختہ تھے عبداللہ ابن مسعود کا قول ہے کہ عمر کے ساتھ ایک ساعت بیٹھنا میں سال بھر کی عبادت سے بہتر جانتا ہوں، عبداللہ ابن عباس کو حضرت عمر نے گویا اپنے دامن تربیت میں پالا تھا، یہاں تک لوگوں کو اس پر رشک ہوتا تھا، صحیح بخاری میں خود حضرت عبداللہ ابن عباس سے روایت ہے کہ حضرت عمر مجھ کو شیوخ بدر کے ساتھ بٹھایا کرتے تھے، اس پر بعض بزرگوں نے کہا کہ آپ اس نوعمر کو ہمارے ساتھ کیوں شریک کرتے ہیں اور ہمارے لڑکوں کو جوان کے ہمسر ہیں کیوں یہ موقعہ نہیں دیتے، حضرت عمر نے فرمایا، یہ وہ شخص ہے جس کی قابلیت تم کو بھی معلوم ہے۔

محدث عبدالبر نے استیعاب میں لکھا ہے کان عمر یحب ابن عبّاس ویقرّبہ یعنی حضرت عمر ابن عباس کو محبوب رکھتے تھے اور ان کو تقرب دیتے تھے، اکثر ایسا ہوتا کہ حضرت عمر کی

مجلس میں کوئی مسئلہ پیش ہوتا، عبداللہ ابن عباس اس کا جواب دینا چاہتے۔ لیکن کم سنی کی وجہ سے جھجکتے۔ حضرت عمر ان کی ہمت بندھاتے اور فرماتے کہ علم سن کی کمی اور زیادتی پر موقوف نہیں ہے (خدا کا شکر ہے کہ یہ معلوم ہو گیا، حضرت علی کو تو کم سنی ہی کی وجہ سے رد کیا گیا تھا۔ مؤلف) کوئی شخص اگر عبداللہ ابن عباس کے مجتہدات کو حضرت عمر کے مسائل سے ملائے تو صاف نظر آئیگا کہ دونوں میں استاد اور شاگرد کا تناسب ہے (دیکھا کس سیاسی تدبیر سے بنوہاشم میں سے بزرگترین فرد کو توڑ کر اپنی طرف کر لیا (مؤلف)

محدثین کا عام بیان ہے کہ رسول اللہؐ کے اصحاب میں چھ شخص تھے جن پر علم فقہ کا مدار تھا، عمر، علی، عبداللہ ابن مسعود ابی بن کعب، زید ابن ثابت ابو موسیٰ اشعری .... ان کی کیفیت یہ ہے کہ حضرت علی کے ہم صحبت اکثر وہ لوگ تھے جو فن حدیث و روایت میں بلند پایہ نہ تھے۔ صحیح مسلم کے مقدمہ میں ہے کہ عبداللہ بن مسعود کے ساتھیوں کے سوا حضرت علی سے جن لوگوں نے روایتیں کیں ان پر اعتبار نہیں کیا جاتا تھا ...... عبداللہ بن مسعود اور ابو موسیٰ اشعری کو حضرت عمر اکثر تحریر کے ذریعے سے حدیث و فقہ کے مسائل تعلیم کرتے رہتے تھے۔ زید ابن ثابت بھی دراصل حضرت عمر کے مقلد تھے ..... ان واقعات سے معلوم ہوگا کہ صحابہ میں جن لوگوں کی فقہ کا رواج ہوا وہ سب حضرت عمر کے تربیت یافتہ تھے"۔

اب آپ کو معلوم ہوا کہ کیوں حضرت عبداللہ ابن عباس اور دیگر صحابۂ رسول خاموش بیٹھے رہے اور امام حسین قتل ہوا گئے۔ عبداللہ ابن عباس اور دیگر صحابہ رسول اچھی طرح جانتے تھے کہ حسینؑ اپنے مقتل کی طرف جا رہے ہیں جیسا کہ ان کی نصائح سے ظاہر ہوتا ہے اور پھر ان کے بچانے کے لئے ایک انگلی

نہیں اٹھائی، یہ کیوں؟ یہ اسلئے کہ " وہ سب حضرت عمر کے تربیت یافتہ تھے اور ان میں اس فقہ کا رواج تھا جو حضرت عمر نے جاری کیا تھا۔

حضرت عمر کی صحبت و تعلیم نے حضرت عبداللہ ابن عباس کو کیسا بنا دیا تھا یہ معلوم کرنے کے لئے فقط وہ خط پڑھ لینا کافی ہوگا جو حضرت امیرالمومنین نے ان کو اپنی زمانۂ حکومت ظاہری میں تحریر فرمایا تھا، وہ خط ہم نے کتاب اول کے صفحہ ۸۶۳ لغایت ۸۶۶ پر نقل کیا ہے۔

ہم پہلے بھی بیان کر چکے ہیں اور اب پھر ان اصولوں کو دہراتے ہیں جو حضرت عمر نے اپنے معتقدین کے لئے مرتب کئے تھے اور وہ ہیں:-

(۱) ہماری ہدایت اور ہمارے مذہب کے لئے محض قرآن شریف کافی ہے، جناب رسول خدا جو تمسک اہلبیت کی شرط لگاتے ہیں وہ اسلام کے لئے مضر ہے اور ہمارے لئے قابل قبول نہیں ہے۔

(۲) قرآن ہی وہ قرآن ہمارے لئے کافی ہے جس کی ہم نے اپنی عقل وسمجھ کے موافق تاویل کی ہے۔ اس کی تعلیم کے لئے بھی ہم کو اہل بیت رسول کی کچھ ضرورت نہیں۔

(۳) سلطنت اسلامیہ کے جائز حکمران وہ ہیں جن کو ہم مقرر کرتے ہیں اور کرینگے، یہ ہمارا حق ہے۔ رسول خدا نے حضرت علی کو اپنا خلیفہ مقرر کرنے میں غلطی کی۔ جناب رسول خدا کا یہ ارادہ اگر پورا ہو جاتا اور حضرت عمر اس میں مخل نہ ہوتے تو اسلام کے لئے بہت مضر ہوتا۔

(۴) ہمارے لئے یہ ضروری نہیں ہے کہ انتخاب حکمراں کے لئے کوئی خاص اصول و قواعد مقرر کریں۔ موجودہ حکمراں کے دماغ میں جو بھی ترکیب آ گئی اور اس نے اس پر عمل کر دیا وہی جائز طریقۂ انتخاب ہو گیا، اور اس کا مقرر کیا ہوا خلیفہ جائز خلیفہ ہوگا۔

(۵) ہر ایک شخص کو حق حاصل ہے کہ اپنی عقل و قیاس کے مطابق قرآن

شریف کی تاویل کرے۔

(۶) علی و اولادِ علی غرضکہ اہل بیت رسالت کو ہمارے اوپر کوئی خاص فوقیت حاصل نہیں ہے وہ اس ہی سلوک کے بلکہ اس سے بدتر سلوک کے مستحق ہیں جو عام مسلمانوں کے ساتھ کیا جا سکتا ہے۔ دیکھو جناب فاطمہ کو ہم نے دربار عام میں آنے پر مجبور کر ہی دیا۔ اور پھر بھی ان کی بات نہ مانی۔ بلکہ ان کو جھوٹا قرار دینے میں بھی ہم نے مضائقہ نہیں کیا۔ قرآن کے معانی سمجھانے کے لئے تعلیم فقہ سنت کے لئے فلاں فلاں آدمی موجود ہیں، علی کی کیا ضرورت، رسولِ خدا نے تو خاندانی محبت کے جوش میں کہہ دیا کہ اَنَا مَدِیْنَۃُ الْعِلْمِ وَعَلِیٌّ بَابُھَا۔ من اراد العلم فلیات علیاً ..... بھلا کہیں یہ صحیح ہو سکتا ہے کہ ساری امت میں علی ہی کو قرآن کا علم کامل ہو اور ان کے علاوہ سب ان سے سیکھنے کے محتاج ہوں۔ جتنا یہ اصول جمہوریت کے خلاف ہے اتنا ہی قبائلی خودداری کے منافی ہے۔ ہم علی کو کسی امر میں اور کسی حالت میں ترجیح دینے کے لئے تیار نہیں۔ رسول خدا سے رشتہ داری ان کو کچھ فوقیت نہیں بخشتی (دیکھو کتاب ہذا ص ۱۹۷۲) ان کی موجودگی میں ہم دوسروں کو قاضی و مفتی مقرر کرتے ہیں تعلیم قرآن کے لئے جس پر ان کو اتنا ناز ہے۔ ہم ان کی طرف دیکھتے بھی نہیں۔ قرآن شریف ایک نوعمر لڑکے سے جمع کرا کے ان کی خاص طور سے توہین کرتے ہیں، ساری امت کو ہمارے اس طرز عمل سے معلوم ہو جانا چاہئیے کہ علی اور اولادِ علی ان میں سے ہر شخص ایک معمولی آدمی کے برابر ہے۔ علی کی ذاتی نسبی اور مذہبی فوقیت کو نہ تسلیم کرنا ہی جمہوریتی مساوات ہے اور خلافت کے متعلق تو ہم ان کو خاص طور سے گرائیں گے۔ اگر ابو عبیدہ بن الجراح، خالد بن ولید یا معاذ یہاں تک کہ اگر آج کو حذیفہ کے غلام سالم بھی موجود ہوتے تو ہم سب بے دھڑک ان کو اپنے اختیار سے خلیفہ مقرر کر دیتے۔ لیکن اب علی و عثمان باقی ہیں، ان میں بھی ہم شوریٰ اس

طرح مقرر کرتے ہیں کہ علی خلیفہ نہ ہوں، ان کے مقابلہ کے لئے شام میں ہم نے اموی اقتدار تو قائم کرہی دیا، اب عثمان بھی جب خلیفہ ہو جائیں گے تو اموی خاندان کا اقتدار ایسا قائم ہو جائیگا کہ علی کے لئے کچھ گنجائش ہی نہیں رہے گی، علی و اہل بیت علیہم السلام کو گرانے کی پالیسی کا ثبوت اس سے زیادہ اور کیا مل سکتا ہے کہ دیگر صحابۂ رسول تو جو آن کر دعویٰ کریں وہ دعویٰ بغیر ان سے حلف و شہادت لئے ہوئے قبول کرلیا جاتا ہے لیکن اگر دختر رسول آن کر دعوے کرے تو شہادت طلب کی جاتی ہے اور حضرت فاطمہ و علی و حسنین ام ایمن سب کی گواہیوں کو رد کیا جاتا ہے۔ یہ توہین اہل بیت کی آخری حد ہے اس کے آگے بس پھر کربلا ہی کا درجہ ہو سکتا ہے۔

(۷) جو امر کہ واقع ہو گیا سمجھو کہ خدا اس کا فاعل ہے، ہم کو خلافت مل گئی، گویا خدا نے دی، علی کو خلافت نہیں ملی۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ خدا چاہتا تھا کہ علی کو خلافت نہ ملے۔

(۸) تمہارا عمل کچھ ہی ہو۔ ایمان سے اس کا تعلق نہیں ہے، اسلام پر اعتقاد کافی ہے، عمل جو جی چاہے کرو۔

یہ وہ تعلیم تھی جو نہایت کوشش سے امت کو دی گئی تھی اور اپنے طرز عمل سے ذہن نشین کرائی گئی تھی، اس تعلیم کی تفصیل اور اس کا ثبوت پہلے گزار چکے ہیں، اس تعلیم کی موجودگی میں شہادت حسین علیہ السلام اپنے سے پہلے گزرے ہوئے واقعات کا قدرتی نتیجہ نظر آتا ہے، یزیدی افواج نے اور امت اسلامیہ کی اس جماعت نے جو حکام سقیفہ کی تعلیم کے زیر اثر تھی اور بقول مولوی شبلی اس کی اکثریت تھی، یہ سوچا کہ یزید ہمارا جائز خلیفہ ان اصول کے مطابق ہے، جو سقیفہ بنی ساعدہ کے حکام نے مقرر کئے ہیں بمعنوائے آیت قرآن یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ ہمارا فرض ہے کہ ہم اس کے ہر ایک حکم کی اطاعت کریں، وہ کہتا ہے کہ حسین

نے اس پر خروج کیا ہے، اور ہمیں حکم دیتا ہے کہ حسین کو قتل کریں کیوں نہ ہم اس کے کہنے کو درست تسلیم کریں اور اس کے حکم کو مانیں، اس خاندان کی تو یہ عادت ہی ہے، رسولخدا کے انتقال پر بھی جھگڑا ہوا تھا۔ خدا حضرت عمر کا بھلا کرے کہ انہوں نے خاندان رسالت میں خلافت کو نہ جانے دیا، اگر بنی تیم و بنی عدی و بنو امیہ کے مقابلہ میں علی کو خلافت نہ ملے، اور ان لوگوں کی طرف چلی جائے تو یہ یزید بھی تو بنو امیہ ہی کے خاندان کا ایک فرد ہے۔ پہلی نظائر کی موجودگی میں ہم سوائے حسین کی مخالفت کے اور کچھ نہیں کر سکتے، نواسۂ رسول ہیں ہوا کریں، یہ مسلمہ قائم ہو چکا ہے کہ خاندانی امتیاز کوئی شے نہیں ہے، اور رسول خدا کی رشتہ داری خدا کے یہاں کچھ فائدہ نہیں پہنچائے گی، اور نہ اس سے ان کو ہمارے اوپر کچھ فوقیت حاصل ہے (معاذ اللہ) حسین کے افعال و اعمال ہی کا نتیجہ ہے کہ اس طرح بے بس ہمارے درمیان میں گھرے ہوئے کھڑے ہیں، خدا چاہتا ہے کہ حسین قتل ہوں، جب ہی تو ہم کو غلبہ دے رکھا ہے، ہم خدا کے ارادہ کی تکمیل میں حسین کو قتل کر رہے ہیں، جو ہوتا ہے خدا کی طرف سے ہوتا ہے، ان کی والدہ نے بھی (معاذ اللہ) جھوٹا دعویٰ کیا تھا، ان کے والد نے بھی گواہی دی، خود انہوں نے بھی گواہی دی تھی، خدا حضرت عمر کا بھلا کرے، انہوں نے ایک نہ سُنی اور فوراً دعویٰ خارج کر کے بتا دیا کہ تم سب (معاذ اللہ) جھوٹے ہو ہم تو (معاذ اللہ) کذاب کے خلاف لڑ رہے ہیں۔

اوپر کی عبارت کے بعض لفظ ممکن ہے ہمارے ناظرین کو ثقیل معلوم ہوں اور ان کی رائے ہو کہ یہ الفاظ ایک سنجیدہ تحریر کے منافی ہیں تو ہم با ادب گذارش کرتے ہیں کہ یہ الفاظ ان لوگوں کے خیالات کی تصویر کھینچ رہے ہیں۔ جو قتل حسین کو جائز سمجھتے تھے۔ بہر صورت کتنے ہی ثقیل ہوں قتل سے تو ورے ورے ہی ہیں اس فقہ کو مدّنظر رکھتے ہوئے جس کا ذکر ہم نے اوپر کیا اور جو حکام سقیفہ کا مذہب تھا، یزیدی افواج کی یہ بحث خلاف منطق نہیں کہی جا سکتی۔

ان پر کیا منحصر ہے، جماعت اہل حکومت کے وکلاء یعنی علماء اہل سنت و جماعت یزید کو جائز خلیفہ رسول جانتے ہیں دیکھو تاریخ الخلفا جلال الدین السیوطی مطبوعہ مطبع مجتبائی ص ۱۱، ۱۲-۱ اور بہت سے ان میں سے قتل حسین و اصحاب حسین کو بھی جائز سمجھتے ہیں دیکھو قاضی ابوبکر بن العربی کی کتاب العواصم و القواصم جس کا حوالہ علامہ ابن خلدون نے اپنے مقدمہ میں دیا ہے۔ دیکھو مقدمۃ العلامہ ابن خلدون ص ۲۱۷ حضرت عمر کے تیار کردہ اسلام کی غلطی اور کمزوری کیسی عیاں ہو گئی، جس فقہ کی منطق کے مطابق قتل امام معصوم اس طرح جائز ثابت ہو سکے، اس فقہ کی اصلیت معلوم، یہ مسخ شدہ اسلامی فقہ ہمیشہ ایسے مسائل میں ناکامیاب ثابت رہتا ہے، علامہ ابن خلدون اپنے مقدمہ میں شہادت حسین پر بحث کرتے ہوئے یہ نتائج نکالتے ہیں۔

یزید فاسق و فاجر تھا، امام حسین نے بنو ہاشم کی طاقت پر بھروسہ کر کے اسکے خلاف خروج کیا، امام علیہ السلام نے یزید پر خروج کرنے میں غلطی کی۔ لیکن یزید ان کو قتل کرنے میں حق بجانب نہ تھا، صحابہ رسول میں سے جابر ابن عبداللہ، ابوسعید خدری، انس بن مالک، سہل بن سعد اور زید بن ارقم یزید کے پاس تھے، انہوں نے امام حسین کی مدد نہ کی اور وہ مدد نہ کرنے پر راستی پر تھے۔ یزید کے خلاف انہوں نے لڑنا جائز نہ سمجھا اور وہ اس امر میں حق پر تھے، کیونکہ لڑنے میں خون ریزی ہوتی اور پھر غالباً یزید ہی کامیاب ہوتا حضرت امام حسین سے خروج کرنے میں غلطی ہوئی، لیکن آپ کا قتل کیا جانا قرین صواب نہ تھا۔ آپ نے اجتہادی غلطی کی، آپکے قتل کی مثال ایسی ہے کہ جیسے کوئی شافعی یا مالکی کسی حنفی کو نبیذ پینے پر سزا دے، کیونکہ نبیذ تو حنفی کے اجتہاد سے جائز ہے، اس پر سزا کیسی۔ ان صحابہ کے نزدیک نہ تو حضرت امام حسین کو یزید سے لڑنا چاہئے تھا، اور نہ یزید کو آپ پر فوج کشی کرنی چاہئے تھی۔ دیکھو مقدمہ العلامہ ابن خلدون ص ۲۱۷، اردو ترجمہ مقدمہ حصہ دوئم ص

۹۰ و ۹۱

اس منطق کی کمزوری کیسی نمایاں ہے، ظاہر ہے کہ صحیح و حق بات نہیں کہنا چاہیئے
یہ ہے وہ فقہ جس پر اپنے اسلام کا دارومدار رکھا ہے، اگر حسین نے غلطی کی تو یزید
نے ان کو دفع کرنے میں اور قتل کرنے میں وہ کیا جو اس کی جگہ ہر ایک حاکم ملک
کرتا، اور اگر یزید نے امام حسین کو قتل کرنے میں غلطی کی تو حسین حق پر تھے لیکن صاف
بات نہ اِدھر کہیں گئے اُدھر، نبیذ کی مثال خوب ہے اگر حنفی پی لے تو اس کے لئے
کوئی سزا نہیں، اور اگر مالکی و شافعی پی لے تو اس کے لئے حد ہے، اس اسلام
کو آپ نے دیکھا نبیذ تو شے ایک ہی ہے، اگر حنفی پیتا ہے تو پی لے، کچھ مواخذہ
نہیں بچشم ما روشن دل ما شاد۔ اگر شافعی اور مالکی پی لے تو اسے سزا ملنی چاہیئے
یہ کوئی ان بزرگواروں سے نہیں کہتا کہ بھئی حق بھی کوئی چیز ہے، اگر نبیذ پینا
جائز ہے تو سب کے لئے جائز ہے۔ حضرت عمر نے چونکہ نبیذ پی تھی اُسے جائز سمجھتے
ہیں۔ رسول خدا نے نبیذ کو حرام بتایا، ان کی پروا نہیں کرتے۔ ابن زبیر اور
عبدالملک کے معاملہ میں بھی ان کی فقہ ان کو خوب چکر دیتی ہے، ابن خلدون
کہتے ہیں :۔

ابن زبیر نے بھی خروج کرنے میں وہی غلطی کی جو امام حسین کر چکے تھے،
اور انہوں نے بھی اپنے قبیلے کی شوکت و طاقت کے اندازہ میں دھوکہ کھایا۔
کیونکہ بنی اسد کبھی بنو امیہ سے طاقت میں زیادہ نہ تھے، عبدالملک کی خلافت
پر اجماع ہو چکا تھا، وہ بڑا عادل تھا، ابن عباس و ابن عمر نے عبداللہ بن
زبیر کو چھوڑ کر عبدالملک سے بیعت کی، بہرصورت اپنے اپنے اجتہاد پر دونوں حق
پر تھے تعیین حق دونوں میں سے ایک کی طرف نہیں کیا جا سکتا یعنی یہ نہیں
کہہ سکتے کہ کون حق پر تھا اور کون ناحق پر اور جو کچھ قتل و ہلاک ہوا وہ قواعد
فقیہہ کے مطابق ہوا۔ مقدمہ علامہ ابن خلدون ص ۲۱۷، ۲۱۸
اردو ترجمہ مقدمہ علامہ ابن خلدون حصہ دوئم ص ۹۲۔

جو صحابہ امام عادل یعنی امام حسین کی مدد بہ خلاف یزید طائی کے نہیں کرتے وہ بھی حق پر ہیں کیونکہ مدد کرنے سے جنگ ہوتی اور جنگ سے قتل و فساد ہوتا۔ جو لوگ ایک امام عادل یعنی عبدالملک کی مدد دوسرا امام عادل یعنی ابن الزبیر کے خلاف کرتے ہیں اور قتل و فساد میں حصہ لیتے ہیں وہ بھی حق پر ہیں۔

یہ ہے مسخ شدہ فقۂ اسلام جس کو مرتب کرنے کے لئے حکام سقیفہ مجبور ہوئے۔ خود علامہ ابن خلدون کہتے ہیں کہ ہمیں اس طرح کہنا چاہیئے کہ دونوں حق پر تھے ان کے الفاظ ہیں۔

هذا هو الذی ینبغی ان تحمل علیہ افعال السلف من الصحابۃ و التابعین فہم خیار الامۃ واذا جعلناہم عرضۃ للقدح فمن الذی یختص بالعدالۃ ص ۲۱۸	یعنی یہ اس وجہ سے کہ ہم کو چاہیئے کہ ہم صحابہ و تابعین کے افعال کو حق پر ہی سمجھیں کیونکہ وہ امت کے نیک لوگوں میں سے ہیں اور اگر ہم ان کی ہی نکتہ چینی کرنے لگیں گے تو پھر کس کو عادل مانیں۔

سارا بھانڈا پھوٹ گیا۔ یہ خلاف عقل و منطق بحث اس وجہ سے کی جاتی ہے کہ صحابہ و تابعین میں کسی کی نکتہ چینی نہ کرنی چاہیئے۔ خواہ وہ کچھ ہی کریں احکام رسول کو مانیں، نہ مانیں جس کو جی چاہے، خلافت دیں، حق دار کو حق نہ دیں تو کچھ حرج نہیں، یہ اصول فقہ کیوں مرتب ہوا۔ وہ ہی سقیفہ بنی ساعدہ اس کا موجب ہے، حکام سقیفہ کے اعمال و افعال کی پردہ پوشی کے لئے یہ مرتب ہوئے، دوسرے مذہبی لوگوں کے لئے ایک مضحکہ خیز صورت حالات پیدا کر دی، دو خلفاء آپس میں لڑ رہے ہیں، ہزاروں کا کشت و خون ہو رہا ہے لیکن لوگوں کا منہ بند ہے۔ یہ نہ کہو کہ کون حق پر ہے، کون ناحق پر ہے۔ جس کا جدھر جی چاہے اُدھر شامل ہو جائے، قتل ہوگا فساد ہوگا، اور دونوں کو اس کا ثواب ملے گا، حق کی کیا مٹی پلید کی گئی ہے، یہ ہے وہ فقہ اسلام

جس کو سقیفہ سازی نے پیدا کیا۔

بحث مندرجۂ بالا سے قتل حسین علیہ السلام کی مندرجہ ذیل وجوہات معلوم ہوئیں۔

(۱) ایک وجہ تو وہ غلط فقۂ اسلام و تاویل قرآن تھی جو حکام سقیفہ کی کرداروں پر پردہ ڈالنے کی غرض سے ایجاد کئے گئے تھے۔ اور حکومت سقیفہ کا براہ راست نتیجہ تھے۔

(۲) دوسری وجہ یہ تھی کہ حکام سقیفہ اپنی طاقت و حکومت قائم رکھنے کے لئے اور اپنی خلافت کی جوازیت لوگوں میں ظاہر کرنے کی غرض سے اس بات پر مجبور تھے کہ حضرت علی بلکہ کل اہل بیت رسالت کو جہاں تک ہوسکے لوگوں کی نظروں سے گرائیں اور لوگوں کو ان سے الفت کرنے سے روکیں اس اصول کی بناء پر یزید کے وقت تک وہ لوگوں کی نظروں میں اس حد تک گر چکے تھے کہ ان میں اور عام لوگوں میں کچھ فرق نہ تھا۔

(۳) یزید کے ہاتھ میں امام حسین کو قتل کرنے کے لئے تلوار کس نے دی تھی، یہ ہم پہلے ثابت کر چکے ہیں اب اس کو دوہرانے کی ضرورت نہیں کہ یزید کی حکومت حکام سقیفہ کی پالیسی کا براہ راست نتیجہ تھی، خاندان یزید کو اس وجہ سے ہی بڑھایا گیا کہ بنی ہاشم دبے ہوئے رہیں ہر ایک شخص نے اپنی طاقت کے مطابق ان کو دبایا، یزید میں جتنی طاقت و ہمت تھی اس نے اس کے مطابق دبا کر سانحہ کربلا پیدا کیا۔

(۴) حضرت عمر نے شوریٰ کی تجویز کرتے وقت اشارہ کیا بلکہ حکم دیا کہ اگر ان مدعیان خلافت کو قتل کر دیا جائے، تو ہمیشہ کے لئے کانٹا نکل جائیگا۔ یزید نے کچھ نہیں کیا، صرف اس حکم کی پیروی کی، حضرت عمر نے کہا کہ جو اکثریت خلافت کے خلاف ہو اس کو قتل کر دیا جائے، دیکھو حالات شوریٰ۔ یزید نے بھی یہی کہا کہ میری خلافت پر اکثریت راضی ہو گئی ہے۔ لہٰذا جو اس کو نہ مانے اسے قتل کر دو۔ امام حسینؑ نے نہ مانا انہیں قتل کر دیا۔

(۵) حکومت سقیفہ اور اس کے بعد آنے والی ہر ایک حکومت نے حضرت علی اور اولاد علی کی موجودگی کو اپنے لئے باعث خطرہ خیال کیا، اسی تاسی میں یزید نے حسین کو خطرناک سمجھا۔

(۶) حکومت سقیفہ نے لوگوں کو حضرت علی کے زیر اثر آنے سے حتی المقدور روکا، ان کو نہ کوئی بڑا منصب وعہدہ دیا۔ اور نہ ان کے ماتحت کوئی فوج کی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ جب یزید نے ان سے زور آزمائی کا ارادہ کیا تو یہ بالکل بے طاقت اور نہتے تھے۔

جو کچھ ہم نے کہا ہے اس کی تصدیق اس خط سے ہوتی ہے جو معاویہ نے محمد بن ابی بکر کو ان کے خط کے جواب میں لکھا ہے معاویہ کے اس خط کو بہت سے مورخین نے بیان کیا ہے ہم اس کو مروج الذہب مسعودی سے نقل کرتے ہیں۔

من معاویہ بن صخر الی الزاری	معاویہ ابن صخر کی جانب سے اپنے باپ
علیٰ ابیہ محمد بن ابی بکر	کو رسوا کرنے والے محمد بن ابی بکر کی طرف
اما بعد فقد اتانی کتابک	اما بعد مجھے تمہارا خط ملا جس میں تم
تذکر فیہ ما اللہ اھلہ فی	نے خدا کی عظمت وقدرت وسلطنت
عظمتہ وقدرتہ وسلطانہ	کا ذکر کیا ہے جس کا وہ اہل ہے اور
وما اصطفٰی بہ رسول اللہ	محمد مصطفٰے کی (صلوات وسلام ہو ان پر اور
صلی اللہ علیہ وسلم وعلٰی	ان کی آل پر) وہ صفات بیان کی
آلہ مع کلام کثیر لک فیہ	ہیں جن کی وجہ سے خدا نے ان کو برگزیدہ
تضعیف ولابیک فیہ تعنیف	کیا ہے ساتھ ہی اس کے وہ کلام بھی ہے
ذکرت فیہ فضل ابن ابی طالب	جس میں تمہاری تضعیف اور تمہارے باپ
وقدیم سوابقہ وقرابتہ	کی رسوائی ہے اس خط میں تم نے علی ابن
الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ	ابی طالب کے فضائل وسوابقات وقرابت

وسلم ومواساته اياه في كل
هول وخوف فكان احتجاجك
عليّ وعيبك لي بفضل غيرك
لا بفضلك فاحمد ربا صرف هذا
الفضل عنك وجعله لغيرك
فقد كنا وابوك فينا نعرف
فضل بن ابي طالب وحقه لازما
لنا مبرورا علينا فلما اختار الله
لنبيه عليه الصلاة والسلام
ما عنده واتم له ما وعده
واظهر دعوته وابلج حجته
وقبضه الله اليه صلوات الله
عليه كان ابوك وفاروقه
اول من ابتزه حقه وخالفه
على امره وعلى ذلك اتفقا
واتسقا ثم انهما دعواه الى بيعتهما
فابطاء عنهما وتلكاء عليهما
فهما به الهموم واراد به العظيم
ثم انه بايع لهما وسلم لهما و
اقاما لا يشركانه في امرهما
ولا يطلعانه على سرهما حتى
قبضهما الله ثم قام ثالثهما
عثمان فهدى بهديهما وسار

رسول اللہ کا ذکر کیا ہے اور نیز بیان کیا
ہے کہ علی ابن ابی طالب نے رسول خدا
کے ساتھ ہر خطرہ وجنگ میں مواسات
کی پس تم میرے خلاف احتجاج کرتے ہو
اور میرے عیب بیان کرتے ہو لیکن اپنے
فضائل کی وجہ سے نہیں بلکہ ان فضائل
کے مقابلہ میں جو تمہارے سوائے دوسرے
میں یعنی علی ابن ابی طالب میں ہیں پس میں
خدا کا شکر کرتا ہوں کہ یہ فضائل اس نے
تمکو نہیں دئے اور تمہارے دوسرے یعنی
علی کو دئے ہیں، تمہارے باپ اور ہم
سب علی بن ابی طالب کے فضائل سے واقف
تھے پس جب خداوند تعالےٰ نے اپنے
نبی کو وہ انعامات واکرامات دئے جن کا
اس نے وعدہ کیا تھا اور اس کے نبی کی
دعوت ظاہر و مکمل ہوئی اور پھر ان کی وفات
ہو گئی تو تمہارا باپ اور ان کا دوست
فاروق یہ سب سے پہلے تھے جنہوں علی ابن ابی
طالب کا حق غصب کر لیا اور ان دونوں نے ہی کی
مخالفت اس خلافت کے بارے میں کی ان
دونوں نے مل کر خلافت علی سے چھین لی اور
اس میں وہ دونوں آپس میں متفق تھے اور پھر
ان دونوں نے علی کو اپنی بیعت کی طرف بلایا

بسیرهما فعبته انت و
صاحبك حتی طمع فیه
الاقاصی من اهل المعاصی
فطلبتما له الغوائل واظهرتما
عداوتکما حتی بلغتما فیه
مناکما، فخذ حذرك یا ابن
ابی بکر و قس شبرك بفترك
یقصر عن ان توازی او تساوی
من یزن الجبال بحلمه، لا
یلین عن قسر قناته ولا
یدرك ذو مقال اناته مهد
مهاده، و بنی لملکه وشاده
فان یك ما نحن فیه صوابا
فابوك استبد به و نحن شرکاؤه
ولولا ما فعل ابوك من ما
خالفنا ابن ابی طالب ولسلمنا
الیه ولکنا رأینا اباك فعل
ذلك به من قبلنا فاخذنا
بمثله فعب اباك بما بدا لك
اودع ذلك والسلام علی من
اناب -

مروج الذهب مسعودی:-
الجزء الثانی ص ۳۱۵، ۳۱۶ -

لیکن علی نے ان دونوں کی بیعت سے انکار
کیا تو ان دونوں نے علی پر بہت ظلم و زیادتیاں
کیں اور اون کے خلاف بڑی سازش تیار کی
آخر کار مجبور ہو کر علی نے ان کی بیعت کر لی
اور ان کی حکومت کو ان کیلئے تسلیم کر لیا۔
لیکن اس پر بھی وہ دونوں علی کو اپنے کام میں شریک
نہیں کرتے تھے اور اپنے بھیدوں سے علی کو مطلع نہیں
کرتے تھے یہاں تک کہ وہ مر گئے، پھر انکی ہی جماعت کا تیسرا
عثمان کھڑا ہوا، اور وہ بھی ان دونوں
کے طریقے پر چلا اور ان دونوں کے طرز
عمل کی پیروی کی لیکن تم نے اور تمہارے
ساتھی نے ان میں عیب نکالنا شروع کیا،
یہاں تک کہ دور دور کے گناہگاروں نے
اسکے زمانہ حکومت میں لالچ کیا اور ناجائز
فائدہ اٹھانے کی فکر میں لگ گئے پس تم دونوں
نے اسکے لئے اپنے دل میں کینہ کو راہ دی اور
اس سے اپنی عداوت کو ظاہر کیا یہاں تک
کہ اس امر میں تم نے اپنا مقصد حاصل کر لیا
پس اے ابوبکر کے بیٹے دل میں ڈر اور قیاس
کر اپنے بالشت کو اپنے انگوٹھے اور انگشت
شہادت کے درمیانی فاصلہ پر، تمہارا
بالشت قاصر ہے اس بات سے کہ وہ برابری
کر سکے اس شخص کی جو اپنے حلم میں پہاڑوں

کے وزن کو تول دیتا ہے نہیں نرم بنا سکے گا، اس کے نیزہ کو جبر و قہر سے
اور نہیں پا سکتا ہے کوئی بہت بولنے والا اس کے وقار اور حلم کو بس
اگر ہماری بحث درست ہے تو تمہارے باپ نے علی کے اوپر بہت ظلم
کیا اور ہم تمہارے باپ کے اس میں شریک ہیں اور اگر اس
سے پہلے تمہارا باپ وہ نہ کرتا جو اس نے کیا تو ہم بھی علی بن ابی
طالب کی مخالفت نہ کرتے اور خلافت ان کے سپرد کر دیتے۔ پس چونکہ
ہم نے تمہارے باپ کو ان کے ساتھ ایسا سلوک کرتے ہوئے
دیکھا۔ لہذا ہم نے بھی ویسا ہی کیا، بس اب جو کچھ ہوا اس پر اپنے
باپ ہی کو ملامت کرو اور الزام دو یا چپ ہو کر بیٹھ جاؤ سلام
ہو اس پر جو حق کی طرف رجوع ہوا۔

امیر معاویہ کا یہ خط صاحبان غور و فکر کے لئے بہت اہم ہے، اس
سے رازہائے سربستہ کا انکشاف ہوتا ہے، اور ثابت ہوتا ہے کہ بنو امیہ کا طرز
عمل سوائے اس کے کہ حضرت عمر کے طرز عمل کی تقلید میں تھا اور کچھ نہ تھا، اموی
سلطنت کا مقصد سیاست وہی تھا جو حضرت عمر کا تھا حضرات شیخین نے حضرت
علی کے خلاف ایک بڑی اسکیم تیار کر لی تھی اور وہ اپنے رازوں کو حضرت علی سے
پوشیدہ رکھتے تھے حضرت عثمان بھی ان کی ہی ایک جماعت کے ایک فرد تھے۔

غرضکہ کارروائی سقیفہ کے بڑے بڑے نتائج یہ تھے۔

۱۔ حکومتِ الٰہیہ کا قیام جناب رسالت مآب کے بعد نہ ہو سکا۔
۲۔ تحقیر و توہین رسول و آل رسول
۳۔ آل رسول پر مظالم کے سلسلہ کی ابتدا و انتہا۔
۴۔ جناب رسول خدا کے اسلام کو ترمیم و تنسیخ کرنا۔
۵۔ اس کے بدلہ جناب عمر رضی اللہ عنہ کا بنایا ہوا اسلام رائج کرنا۔
۶۔ امت کی اکثریت کی نظروں میں جناب رسول خدا کی جگہ حضرت

عمر نے لے لی۔

۷۔ دین کو چھوڑ کر دنیا کی طرف رجوع کرنا۔

۸۔ لوگوں میں دولت و ثروت کی ساری خرابیاں پھیلنا

۹۔ دنیاوی وجاہت کے لئے دین کو فروخت کرنا۔

۱۰۔ عصیاں و نافرمانیٔ رسول۔

۱۱۔ سانحہ کربلا۔

وغیرہ وغیرہ۔

حضرت علیؑ، حضرت امام حسنؑ اور حضرت امام حسینؑ کے طرزِ عمل پر تبصرہ

جو لوگ کہ ان حضرات کے طرز عمل کو سمجھنے کی کوشش نہیں کرتے یا عمداً سمجھنا نہیں چاہتے وہ اکثر یہ اعتراض کرتے ہیں کہ ان تینوں بزرگواروں کے طرز عمل آپس میں متضاد تھے اور ایک اصول پر مبنی نہ تھے، حضرت علی نے بیعت نہ کی اور پھر بیعت کرلی، حضرت امام حسنؑ نے بیعت نہ کی اور پھر بیعت کرلی۔ حضرت امام حسینؑ نے بیعت نہ کی، یہاں تک کہ جان دیدی، وہ اس سے یہ بھی نتیجہ نکالنا چاہتے ہیں کہ حضرت علی اور امام حسن اپنے اپنے مخالفین یا رقیبوں کو بیعت کے قابل اور حق بجانب سمجھتے تھے تب ہی تو بیعت کرلی یزید واقعی فاسق و فاجر تھا لہٰذا

امام حسین نے بیعت نہ کی، اس کے ساتھ ہی وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ اگر تقیہ جائز ہوتا تو امام حسین ضرور تقیہ کے طور پر بیعت کر لیتے، کیسی کم فہمی کی بحث ہے اگر ذرا بھی غور کرتے تو اس طرح نہ کہتے۔

ان تینوں حضرات کے طرز عمل پر غور کرنے میں ایک اصول کو ہمیشہ مدنظر رکھنا چاہیئے، وہ یہ کہ ان سب کا مقصد حیات اسلام کو فائدہ پہونچانا اور اس کو ضرر سے بچانا تھا، یہ ان کو پرواہ نہ تھی کہ ہم تلوار اٹھائیں تاکہ لوگ ہمکو شجاع سمجھیں یا ہم تلوار نہ اٹھائیں تاکہ ہماری جان بچ جائے، جب تلوار اُٹھانا اسلام کے لئے مفید ہوگا تو تلوار اٹھائیں گے، جب خاموش رہنا اسلام کے لئے مفید ہوگا، تو خاموش رہیں گے، چونکہ اسلام کا مفاد ان تینوں بزرگوں کے زمانہ میں مختلف صورت حالات کا مقتضی تھا۔ لہٰذا آپ ان کے طرز عمل میں یہ ظاہرا اختلاف پاتے ہیں، در اصل یہ بھی اختلاف نہیں ہے۔

سب سے پہلے دیکھنے والی بات تو یہ ہے کہ حضرت علیؑ و امام حسنؑ نے بھی شروع شروع میں تو بیعت نہ کی۔ ہم تو یہ کہتے ہیں کہ انہوں نے کبھی بیعت کی ہی نہیں، وکلائے اہل حکومت یعنی مورخین اہل سنت وجماعت کہتے ہیں کہ چھ مہینے کے بعد جب جناب فاطمہ کا انتقال ہو گیا۔ تو حضرت علیؑ نے یہ دیکھ کر کہ لوگوں کا رُخ ان کی طرف سے پھر گیا ہے، حضرت ابو بکر کی بیعت کر لی گویا یہ تو ان کے کہنے سے ثابت ہو گیا کہ حضرات شیخین کو حقدار بیعت سمجھ کر بیعت نہیں کی، لوگوں کے رخ اپنی طرف سے پھرتے ہوئے دیکھ کر بیعت کی ہم کہتے ہیں کہ یہ جو سبب بیعت بنایا ہے یہ ہی غلط ہے، لوگوں کے چہرے آپ کی طرف سے پہلے ہی کون سے خوش نما تھے، جو اب جناب فاطمہؑ کی وفات کے بعد وہ بدنما ہو گئے۔ جناب فاطمہؑ کے دوران حیات ہی میں ان کی کونسی عزت کی گئی تھی، گھر کو ان کے جلانے کی دھمکی دی، دربار خلافت میں جا کر فدک مانگنے پر ان کو مجبور کیا، اور آخر کار جھوٹا ٹھہرا کر نامراد واپس کر دیا، اب کس حسن

سلوک کی ان سے امید ہو سکتی تھی کہ اسکے لئے بیعت کر لیتے، باب سیزدہم میں
حالاتِ سقیفہ کے تحت میں ہم نے ثابت کیا ہے کہ حضرت علیؑ نے خدا کی قسم کھا کر کہا تھا
کہ میں تم سے بیعت نہ کروں گا، حضرت عمرؓ کے فقہ میں تو عقل کو بڑا دخل ہے۔
کیا آپ کی عقل کہتی ہے کہ حضرت امیر المومنین اپنی قسم کو جھوٹا کر دیں گے، صرف
اسلئے کہ لوگ آپ سے بے رُخی کرنے لگے ہیں ظاہر ہے کہ جب چھ مہینہ تک بیعت
نہ کرنے والے حالات چلے آئے اور اب کوئی نئی بات جانبین کے حقوق میں
واقع نہیں ہوئی جو بیعت کی مقتضی ہوتی لہذا نتیجہ یہی نکلا کہ وہ ہی بیعت
نہ کرنے والی حالت قائم رہی، جب علت ہی نہیں تو معلول کیونکر پیدا ہوگا۔
یہ تو حضرت ابوبکر کے زمانہ کا ذکر ہے۔ جناب عمر کے حالات میں کہیں نہیں
پایا جاتا کہ حضرت علی سے بیعت طلب کی اور انہوں نے بیعت کر لی۔ حضرت
عثمان سے تو بیعت کا نہ ہونا ظاہر ہے، جب حضرت عثمان سے بیعت
ہونے لگی تو بغیر بیعت کئے ہوئے آپ یہ کہتے ہوئے باہر چلے آئے کہ یہ
پہلا ہی دن نہیں ہے کہ تم نے ہمارے اوپر ناجائز غلبہ کر لیا، خدا ہی اس کا
فیصلہ کریگا، غرضکہ حضرت علی کا بیعت کرنا ثابت نہیں اسی طرح امام حسن نے
بذریعہ خط و کتابت معاویہ کو حکومت سپرد کی، اسوقت وہ دونوں ایک جگہ
تھے ہی نہیں جو بیعت کا سوال اٹھتا، جب معاویہ کوفہ میں آیا اور عمرو بن
العاص کی انگیخت سے امام حسن کو خطبہ کے لئے کہا تو اس خطبہ میں آپنے
حق ظاہر کیا کہ معاویہ ڈر گیا اور ان کو ممبر سے اتار لیا، بیعت کا ذکر اس وقت
آیا ہی نہیں،

بہر صورت یہ تو جماعتِ اہل حکومت کے علماء و مورخین بھی مانتے ہیں
کہ شروع میں حضرت علیؑ و امام حسنؑ نے بیعت نہیں کی۔ بعد میں حالات
سے مجبور ہو کر، نہ کہ ان لوگوں کو حقدار بیعت سمجھ کر بیعت کر لی، جب بیعت
میں جبر و اکراہ کا شائبہ آگیا تو بیعت ناجائز ہو گئی ایسی بیعت کس کام کی

نہ بیعت کرنے کے برابر ہے، گویا بیعت نہ کرنا تینوں حضرات کے حالات میں جزو مشترک ہے۔

وکلائے اہل حکومت یعنی علماء اہل سنت وجماعت کے قول کو بغرض بحث صحیح فرض کر لینے کی صورت میں ہم کہتے ہیں کہ اگر حضرت علی و امام حسن آخر تک لڑتے رہتے تو اس کا نتیجہ تو وہی ہوتا جو کربلا میں ہوا۔ بلکہ اس سے بھی بدتر۔ اس وقت امام زین العابدین تو بچ رہے، اب تو لیک بھی نہ بچتا، اور ان دونوں بزرگواروں کی بہادری چتوڑ کے ان راجپوتوں سے زیادہ نہ سمجھی جاتی جنھوں نے جب لڑائی کا رُخ بدلتے ہوئے دیکھا تو عورتوں اور بچوں کو چتا پر جلا کر خود تلواریں لے کر اکبر کے لشکر پر ٹوٹ پڑے، بہتیروں کو مار کر مر گئے۔ یہ سمجھا جاتا کہ حکومت کی خاطر جان دیدی، اسلام کے لئے جو فائدہ امام حسین کی شہادت سے ہوا وہ نہ ہوتا، امام حسینؑ کے حالات کا فرق یہ ہے کہ نہ ان کے پاس حکومت تھی نہ وہ طالب حکومت تھے محض بیعت کا اصرار تھا، امام حسین کی شہادت کا مابہ الامتیاز یہی یہ ہے کہ انھوں نے محض حق کے لئے، یزید کو فاسق و فاجر ظاہر کرنے کے لئے یزید کے طور و طریق کو خلاف اسلام ظاہر کرنے کے لئے جان دی۔ حضرت علیؑ و امام حسن کی شہادت میں کسی کا خیال اس طرف نہ جاتا بلکہ یہی کہا جاتا کہ حکومت کی خاطر لڑتے لڑتے مر گئے، اتنی بڑی قربانی فقط اس بات کے لئے کرنی جس سے اسلام کو کچھ فائدہ نہ ہوتا صریحاً مضر تھی لہذا نہ کی گئی۔ حضرت علی اگر تلوار اُٹھاتے تو بہت ہی شدید خطرہ تھا، قلت انصار تو تھا ہی ہی، فتح ظاہری ناممکن تھی، علانیہ عداوت کا نتیجہ یہ ہوتا کہ فریق مخالف حضرت علی کے حق سے قطعاً انکاری ہو جاتا اور مشرکین سے مل کر صاف صاف کہنے لگتے کہ جناب رسالت مآب نے تو حکومت حاصل کرنے کے لئے یہ کھیل کھیلا تھا، دیکھو بنو ہاشم نے جو اپنے یہاں سے اس چیز کو نکلتے ہوئے دیکھا جو اُن کی

محمدؐ کا مقصد حیات تھا تو نہ رہا گیا اور اس کے لئے اپنی جان تک دیدی، اگر واقعی اسلام کی تبلیغ کے لئے محمدؐ اور علیؑ کفار سے لڑے تھے تو اسلام تو موجود ہے کیوں حکومت کے لئے خود بھی جان دی اور بچوں کو بھی قتل کروایا، اب جو تم ان لوگوں کی کتابوں میں فضائل علیؑ و آل علیؑ پاتے ہو وہ نہ ملتے اور امت ان کو بھول گئی ہوتی جو اقوال و پند و نصائح حضرت علیؑ کے ہیں وہ بھی نہ شایع ہوتے، غرضکہ جس طرح اہل شام نے امام حسینؑ کو باوجود ان کی اس حالت کے معاذاللہ باغی خلیفہ رسول کا دشمن گردن زنی سمجھا تمام حکومت سقیفہ اور ان کے حالی موالی سب حضرت علیؑ کو ایسا ہی سمجھتے، اور اسلام اس طرح مٹتا کہ کوئی جانتا بھی نہیں کہ کبھی تھا حضرت علیؑ نے اپنے کئی خطوں میں وجوہات بتائی ہیں کہ آپ نے کیوں اپنا حق لینے کے لئے تلوار نہیں اٹھائی قلت انصار، اور ضرر اسلام یہ دو وجوہات آپ نے بتائی ہیں اور امر واقعہ ہے کہ یہی دو اصلی وجوہات تھیں کہ کیوں آپ نے اپنا حق بزور شمشیر نہیں لیا۔

اب رہا تقیہ۔ تو تقیہ کا اصول تو ان لوگوں نے نہ کبھی سمجھا ہے اور نہ سمجھنے کی کوشش کی ہے، تقیہ کے لئے دو شرائط ہیں۔ ایک تو یہ کہ اپنی جان کسی اور ذریعے سے بچتی ہی نہ ہو، اور دوسرے یہ کہ ہمارے تقیہ سے کسی دوسرے کا ناحق نقصان نہ ہوتا ہو، اگر امام حسینؑ تقیہ کر لیتے تو اسلام کو ضرر عظیم پہنچتا، وہ تقیہ جائز کہاں ہوتا، اور تقیہ تو نہ حضرت علیؑ نے کیا اور نہ امام حسنؑ نے کیا۔ ہمیشہ اپنا حق جتاتے رہے۔ جنھوں نے ان کا حق لیا تھا اس کو ظاہر کرتے رہے، جو کیا وہ صرف اتنا تھا کہ قلت ناصرین کی وجہ سے اپنا حق بزور شمشیر نہ لیا، اگر شمشیر اس حالت میں اٹھاتے تو حق تو نہ ملتا، اسلام کو نقصان پہنچتا سو الگ۔ اتنی سی بات کو کتنا زیادہ بنالیا ہے۔

تقیہ کا ذکر نکل آیا تو کہنا پڑا، اہل سنت وجماعت تو ایک طرف شیعہ حضرات

بھی اس کا مفہوم نہیں سمجھے ہیں۔ اور اپنے عمل سے واقعی تقیہ کو ایک مضحکہ خیز چیز بنا دیا ہے۔ اگر کوئی افسر سُنّی ہو گا یا دوستوں کا مجمع سُنّیوں کا ہو گا تو کوشش کریں گے کہ اپنے تئیں سُنّی ظاہر کریں شیعوں کی مساجد میں نہیں جائیں گے۔ مجالس میں شرکت نہیں کریں گے اپنے شیعہ بھائی کو فائدہ پہنچاتے ہوئے ڈریں گے۔ یہ تقیہ نہیں ہے۔ یہ تو بزدلی ہے۔ آج کل ہندوستان میں اپنا مذہب ظاہر کرنے سے نقصانِ جان کا اندیشہ نہیں ہے اور نہ ان عام حالتوں میں نقصانِ جان ہوتا ہے۔ نقصانِ جان تو ایک طرف نقصانِ مال بھی ایسا نہیں ہوتا کہ اس کی تلافی نہ ہو سکے۔ اور اس بے جا تقیہ سے اپنی جماعت کمزور نظر آتی ہے۔ مخالفین کو پتہ تو چل جاتا ہے کہ یہ شیعہ ہیں سمجھتے ہیں کہ جماعت بڑی کمزور ہے۔ دلیر بن کر نقصان پہنچانے کی کوشش کرتے ہیں۔ جب جماعت کو نقصان پہنچا اور اپنا فائدہ نہ ہوا تو۔ یہ تقیہ کب جائز ہو سکتا ہے۔ اس معاملہ میں احمدی حضرات سے سبق حاصل کرو۔ جماعت کی تنظیم کے متعلق اُن کا طرزِ عمل ایسا صحیح و مضبوط ہے کہ معمولی لوگ دل سے سمجھنے لگتے ہیں کہ واقعی یہ مذہب درست ہے جب ہی تو ان کے افراد میں ایک دوسرے سے بڑی ہمدردی ہے۔ اور بغیر تحقیقاتِ مذہب کے اُن کی جماعت میں ایزادی ہوتی رہتی ہے۔ ان کی جماعت کے ایک نہایت اعلیٰ افسر سے میری عرصہ سے واقفیت ہے۔ اپنی جماعت کے چپراسی سے لگا کر اعلیٰ ترین افسر کی مدد اس طرح کرتے ہیں جس طرح کوئی اپنے بچے کی مدد کرتا ہے۔ محض اُن کی اس صفت سے میرے دل میں اُن کی بہت زیادہ عزت ہے۔ اُن کے اس طرزِ عمل سے اُنکی جماعت میں ترقی ہو رہی ہے۔ شیعہ جماعت میں ترقی ہو تو تحقیقاتِ مذہب ہی کی وجہ سے ہو سکتی ہے۔ اور اتنی اہلیت خدا کسی کسی کو دیتا ہے۔ عوام الناس تو ظاہر کی باتوں پہ جاتے ہیں۔ اور اُن عوام الناس پر اس جماعت کا کیا اثر ہو گا جس کے افراد اپنے شیعہ ہونے سے شرماتے ہوئے نظر آئیں، اپنے مذہب کو ظاہر بھی نہ کریں اور اُن کے اوپر اکثریت کا رُعب غالب ہو اور اپنی

ڈر اور کمزوری پر تقیہ کا پردہ ڈال کر اپنے دل کو تسلی دے لیں۔ یہ لوگ تقیہ پر عمل کرنے والے کیا ہوئے۔ بلکہ تقیہ کو بدنام کرنے والے ہوئے۔

باب ہفدہم

آخری حجت

قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْا إِلَىٰ كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ

يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لِمَ تَلْبِسُونَ الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُونَ الْحَقَّ وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ ۝

پارہ ۳ سورہ آل عمران ع ۷

کہہ دے اے رسول کہ اے اہل کتاب آؤ اور اس امر پر مجتمع ہو جاؤ جو ہمارے اور تمہارے درمیان مشترک ہے۔۔۔۔ اے اہل کتاب تم کیوں حق پر باطل کا پردہ ڈالتے ہو اور حق چھپاتے ہو درآنحالیکہ تم جانتے ہو (کہ حق کدھر ہے)

میں کہہ چکا جتنا کہا گیا۔ اگرچہ دل میں اب بھی بہت کچھ کہنے کی حسرت باقی ہے لیکن جتنا میں نے کہا ہے وہ بھی حق کو ظاہر کرنے کے لئے کافی ہے۔ ناظرین جنہوں نے یہ کتاب پہلے صفحہ سے یہاں تک پڑھ لی ہے اچھی طرح واقف ہو گئے ہوں گے کہ امر واقعہ کیا ہے۔ جو انقلاب کہ جناب رسول خدا کے نظام کو درہم و برہم کرنے کے لئے اٹھا تھا کامیاب تو ہو گیا۔ لیکن اس کی کامیابی میں اسلام کے لئے صدہا خرابیاں مضمر تھیں۔ اس نے حکومت الہیہ کے قیام کے امکان کو کھو دیا اور جیسا ہم نے اوپر بیان کیا ہے حضرت عمر نے اپنے عقل و قیاس کے ماتحت

لاکر اسلام کو بالکل مسخ کر دیا۔ اور ان صریح احکام شرعی کو اپنے عقل و قیاس کے ذریعہ سے متغیر کیا ہے کہ جن کی صراحت کی وجہ سے رسول خدا کے بعد کسی بشر کے لئے جائز نہ تھا کہ ایسا کرے۔ بہت سے ایسے امور کا تذکرہ ہم باب پنجدہم میں کر چکے ہیں۔ اور حضرت عمر کا قیاس تو بہت ہی عامیانہ تھا۔ اور ان امور میں اُن کی عقل بھی محدود تھی۔ احکام شرعی کی کُنہ تک نہیں پہنچتے تھے اور چونکہ ان احکام کی کُنہ اُن کی سمجھ میں نہیں آتی تھی جھٹ اُن صریح احکام شرعی کو بدل ڈالتے تھے۔ بہت سے ایسے امور کا تذکرہ ہم باب پنجدہم میں کر چکے ہیں۔ ان میں سے ایک متعہ ہے اگرچہ اس پر بھی ہم بحث وہاں کر چکے ہیں۔ لیکن چند امور رہ گئے تھے۔ تھوڑی سی بحث جو اُس کے متعلق وہاں نہ ہو سکی۔ اب ہم کرتے ہیں کیونکہ یہ بہت ہی اہم مسئلہ ہے اور حضرت عمر نے اس کو منسوخ کر کے اپنے ذمّہ بہت گناہ مول لیا۔

جتنا ہم متعہ کے مسئلہ پر غور کرتے ہیں اُتنا ہی عیاں ہوتا جاتا ہے، کہ حضرت عمر خلیفۂ رسولؐ ہونے کی اہلیت نہیں رکھتے تھے۔ مسئلہ متعہ صاف طور سے ثابت کرتا ہے کہ اسلام ایک وقتی اور ملکی مذہب نہیں ہے۔ بلکہ یہ عالمگیر مذہب ہے اور ہر زمانہ کے لئے ہے۔ اس میں ہر ممکن انسانی تخئیل اور تدبیر پر حاوی ہونے کی اہلیت ہے۔ متعہ اُس زمانہ کے تخئیل سے کچھ آگے تھا لہٰذا حضرت عمر اُس کے فلسفہ کو مطلقاً نہ سمجھ سکے۔ آج کل کے زمانہ میں عورت و مرد کے تعلقات کا حل اُس سے بہتر نہیں ہو سکتا۔ زمانۂ حال میں آزادی و مساوات کی ہوا کچھ اس طرح چلی ہے کہ سوسائٹی کا کوئی طبقہ اُس سے مُوثر ہوئے بغیر نہیں رہا۔ بہت سے مرد اور عورتیں ہیں جو نکاح کی دائمی قیود کو پسند نہیں کرتے چاہتے ہیں کہ اپنی وقتی خواہش پوری کرلیں اور بس آزاد رہیں۔ عورتیں خود روزی کمانے لگی ہیں۔ مرد کے زیرِ حکومت نہیں رہنا چاہتیں۔ بہت سے مرد بھی ایسے ہیں جو اس جنجال سے گھبراتے ہیں۔ اول تو اپنی فطرت و طبیعت کے

خلاف وہ نکاح دائمی کریں گے نہیں۔ اور اگر اُنھیں نکاح دائمی کے لئے مجبور کر بھی لیا تو اُن کی ساری عمر تلخی سے گزرے گی۔ اسلام میں جو فطرت کا مذہب ہے نکاح میں جبر کو روا نہیں رکھا۔ وہ مجبور ہیں کہ زنا کریں اور حمل کے خلاف تدابیر اختیار کر کے مرد کے بہترین جوہر کو ضائع کریں۔

ملا ہوا اس سے ایک دوسرا تخیّل ہے اور وہ روس کے سوشلزم کا ہے اُن کا خیال ہے کہ سب بچے سٹیٹ یعنی ملک کی ملکیت ہونے چاہئیں۔ اگرچہ ملکیت کا لفظ یہاں بالکل موزوں نہیں ہے بہرصورت اُن کا فلسفہ ہے کہ فرد ملک کے لئے ہے۔ اور تمام ملک کے باشندگان کو اپنے خیال کے مطابق پرورش کرنا اور انکو اپنے لئے مفید بنانا ملک کا فرض ہے۔ لہٰذا وہ چاہتے ہیں کہ سب بچوں کو شروع ہی سے ملکی سلطنت پرورش کیا کرے۔ یہ تخیّل ہمارے لئے ناقابلِ قبول اس وجہ سے ہے کہ بچوں کے پالنے اور تربیت دینے میں یہ ہی نہیں کہ بچوں کی پرورش ہوتی ہے۔ بلکہ یہ نہایت عمدہ طریقۂ تعلیم والدین کے لئے بھی ہے جس سے اُن کے اخلاقیات پر اثر پڑتا ہے۔ اور اُن کے اعلیٰ جذبات مثلاً محبّت، ہمدردی، ایثار، نفس کشی، کی تہذیب ہوتی ہے۔ اور اُن میں اپنے اوپر اور دوسروں کے اوپر قابو پالینے کی اہلیت پیدا ہو جاتی ہے۔ آپ نے نہایت بیّن فرق دیکھا ہوگا اُن والدین میں جن کے کبھی کوئی اولاد پیدا ہی نہیں ہوئی اور ان میں جن کے یہاں اولاد پیدا ہوئی۔ کچھ پروان چڑھی، کچھ ضائع ہو گئی۔ خدا کسی کی اولاد ضائع نہ کرے۔ لیکن مقدر میں کس کو چارہ ہے۔ اس اولاد کے ضائع ہونے میں بھی ایک طویل اور دنیا کی درس گاہ کی اعلیٰ جماعتوں کا ایک مفید سبق مضمر ہے۔ میرا خیال ہے کہ آدمی انسان بن ہی نہیں سکتا جب تک غم کی تلخی نہ چکھے۔ غم انسان کی طبیعت و فطرت پر وہ ہی اثر رکھتا ہے جو بھٹی کی آگ لوہے یا سونے پر رکھتی ہے۔ بغیر اس کے انسانی فطرت کا جوہر عیاں ہی نہیں ہو سکتا۔ اور یہ آنچ

سب سے تیز و تند اولاد کے غم میں پائی جاتی ہے۔ بقول غالب ؎

ترے سے تیر نیمکش کو کوئی میرے دل سے پوچھے ؛ یہ خلش کہاں سے ہوتی جو جگر کے پار ہوتا

اگر جگر کے پار ہوگیا تو اندمال شروع ہو جاتا ہے۔ لیکن یہ غم پار ہوتا ہی نہیں۔ اندر ہی رہتا ہے۔ اور امتداد زمانہ جس سے بہتر کوئی مرہم نہیں ہے اس زخم تک پہنچ ہی نہیں سکتا۔ لیکن ساتھ ہی اس کے یہ بھی خیال رکھنا چاہیئے کہ انسانی حالتیں بہت مختلف ہوتی ہیں۔ جو اصول ایک جماعت پر حاوی ہو وہ دوسری جماعت کے لئے ناموزوں ہوتا ہے۔ اور بہترین قانون وہ ہے جو تمام رعایا کے مطابق حال ہو سکے۔ بہت ایسے غریب نادار بھی ہوتے ہیں جو باوجود اپنی تمام طاقتوں کے اولاد کی پرورش نہیں کر سکتے۔ اور والدین کی ساری عمر ایک مصیبت کا دائمی سلسلہ بن جاتا ہے۔ غالباً ایسے ہی مناظر دیکھ کر اُستاد ذوق نے کہا ہے۔ ؎

توڑا کمر شاخ کو کثرت نے ثمر کی ؛ دُنیا میں گرانباریٔ اولاد غضب ہے

اگر کسی طرح گر مر کر پرورش کر بھی لیا تو اولاد جانوروں سے زیادہ درجہ کی نہیں ہوتی۔ تعلیم کچھ ہوتی نہیں۔ صحبت نہایت بُری ملتی ہے۔ یہ قوم اور ملک کے افراد جو بنتے ہیں وہ کسی کے لئے مفید نہیں ہوتے اور سب کو نقصان پہنچاتے ہیں۔ ان میں سے کوئی اصلی چور ڈاکو ہوتے ہیں۔ کوئی سفید پوش ڈاکو ہوتے ہیں۔ بدمعاشی ان کا پیشہ ہوتا ہے۔ فریب دغابازی سے رزق پیدا کرنا اپنا فرض سمجھتے ہیں۔ ماں باپ کو مارتے ہیں۔ اُن سے لڑتے ہیں۔ خود گھر سے نکل جاتے ہیں یا اُن کو نکال دیتے ہیں۔ ایسی اولاد کس کام کی ہوئی۔ معاشریات کا یہ نہایت مشکل مسئلہ ہے اس کو آسانی سے حل نہیں کر سکتے۔ اگر اس کو حل کیا ہے۔ اور کامیابی سے حل کیا ہے تو ایک نبیٔ امی عربی نے متعہ کو جاری کر کے کیا ہے۔ والدین بوجھ سے بچ گئے۔ ہنسی خوشی سے اپنی اولاد سٹیٹ یعنی ملک کو دیدینگے وہاں پرورش بھی اچھی ہو گی۔ اور بوجھ کسی پر نہیں پڑے گا۔ کیسا عمدہ حل ہے اولاد کے متعلق متعہ کے وقت ہر ایک قسم کا معاہدہ فریقین میں ہو سکتا ہے۔

باپ رکھے، ماں رکھے یا ملک کے پرورش گاہ میں داخل کردیں۔ ممکن ہے یہ اعتراض کیا جاوے کہ آنحضرتؐ نے کوئی بچوں کی ملکی پرورشگاہ نہیں بنائی تھی۔ اور نہ یہ حکم دیا کہ متعہ کے بچے ایک ملکی پرورش گاہ میں داخل کئے جاویں۔ یہی تو میری ساری بحث ہے کہ اسلام دنیا کا مذہب ہمیشہ کے لئے مقرر کیا ہے۔ جو جدید خیالات اس کے بنیادی اصول کے خلاف نہ ہوں گے اُن سب پر حاوی ہوسکتا ہی۔ اس وقت سوسائٹی کی یہ حالت نہ تھی کہ ایسا حکم دیا جاتا۔ اب دنیا اس روش پر چل رہی ہے۔ ملکی پرورش گاہ میں بچوں کا پرورش پانا اسلام کے کسی دائمی و بنیادی اصول کے خلاف نہیں ہے۔ یہ یاد رہے کہ ہم یہ بحث اسلامی سلطنت کو مدنظر رکھ کر کر رہے ہیں۔ اور اگر غیر اسلامی ملک میں بھی کوئی ایسی پرورش گاہ ہوگی تو اس کا پہلا اصول یہ ہوگا اور ہونا چاہیئے کہ بچہ والدین کے مذہب پر اٹھایا جائے گا۔ اور اگر کوئی ملک یہ خیال نہیں رکھتا تو وہ ظلم صریح کا مرتکب ہوتا ہے۔ اور ظلم صریح کے لئے تو کوئی قانون ہی نہیں مقرر ہوسکتا۔ دیکھئے متعہ نے کیسا عمدہ حل پیدا کیا۔ وہ مرد و عورت جو آزاد رہنا چاہتے ہیں اپنی فطرت کے مطابق زندگی بسر کریں اور اپنی خواہش نفسانی بھی پوری کریں۔ اور اگر اس تھوڑے عرصہ کے تجربے سے انہیں ازدواجی زندگی پسند آئے اور اس کے عادی ہوجائیں تو یہ بھی کرسکتے ہیں۔ اور یہ نہایت عمدہ نتیجہ ہوا متعہ کا۔ اگر ماں باپ میں سے کوئی اولاد کی پرورش کرسکتا ہے تو وہ کرے۔ اور اگر دونوں غریب ہیں تو اولاد ملک یا سلطنت کے حوالہ کردیں۔ بالشوزم پر جو جبر کا اعتراض عائد ہوتا ہے وہ بھی رفع ہوجاتا ہے۔ بجائے اس کے کہ حضرت عمر شکر کرتے وہ اس کی کنہ کو نہ پہنچے اور اسے بند ہی کردیا۔ جس کی وجہ سے زنا عام ہوگیا۔ ان بزرگوار نے اسلام کو اس طرح مسخ کیا ہے۔

میرا پہلے خیال تھا کہ جو کچھ شہادت گزرچکی ہے اس کی بناء پر ایک فیصلہ آخری اس امر تنقیح طلب پر لکھوں کہ کیا جناب رسول خدا نے اپنا کوئی خلیفہ مقرر

نہیں کیا۔ لیکن پھر میں نے سوچا کہ اس طرح تقریباً اُس ہر ایک بات کو دُہرانا پڑیگا جو میں پہلے کہہ چکا ہوں۔ اگر زندگی باقی ہے تو ایک رسالہ انگریزی میں اِس مضمون پر لکھ کر انگلستان میں چھپوا کر شائع کروں گا۔ معلوم نہیں یہ میری قسمت میں ہے یا نہیں ہے۔ بہرصورت جتنا کام مجھ سے لینا خداوند تعالیٰ کی مشیت میں تھا وہ لیا گیا۔ اور جتنا کام اور لینا مقصود ہے اس کو اپنی زندگی کے آخری لمحہ تک خوشی سے کئے جاؤں گا۔ اب میں نے یہ ارادہ کیا ہے کہ اس آخری باب میں وہ آخری حجت پوری کردوں جو خداوند تعالیٰ نے منکرین رسول سے ان الفاظ میں بیان فرمائی تھی :۔

قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْا إِلَىٰ كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ۔

(پارہ ۳ سورۃ آل عمران ع ۷)

اَے اہلِ کتاب آؤ اُس امر کی طرف جو ہمارے اور تمہارے درمیان میں مشترک ہے۔

خداوند تعالیٰ اور رسولان سلف کو تو تم بھی مانتے ہو اور ہم بھی مانتے ہیں۔ اس معیار پر ہی اس رسول کی صداقت کا امتحان کرلو۔ اسی طرح سے میں اپنے بھائیوں سے کہتا ہوں کہ آؤ محمد مصطفٰےؐ کو تم بھی سچا رسول اور نبی مانتے ہو اور ہم بھی سچا جانتے ہیں۔ اس کے علاوہ اور بھی کئی ہمارے اور تمہارے درمیان میں امور مشترک ہیں اُن کی ہی بنا پر اس امر متنازعہ کا فیصلہ کرلو کہ آیا جناب رسول خدا نے اپنا خلیفہ کسی کو مقرر کیا یا نہیں۔ اور اگر کیا تو کس کو کیا۔ اب دیکھتے ہیں کہ ہمارے اور آپ کے درمیان اس سوال زیر بحث کے متعلق کون کون سے امور مشترک ہیں۔ یہ بحث ٹھنڈے دل سے سُنئے۔ تعصب سے کچھ فائدہ نہیں۔ سب کو مرنا ہے اور اپنے اعتقادات کا حساب بھی خدا کے یہاں دینا ہے۔ وہاں تعصب جو کہ محض ایام جاہلیت کا بقایا ہے کچھ کام نہیں کرے گا۔ لقد وجدنا علیہ آباءنا جاھلیت ہی کا فقرہ ہے۔ وہ امور جو مشترک ہیں یہ ہیں :۔

(۱) جناب محمد مصطفیٰؐ سچے رسول و نبی تھے جن کو خداوند تعالیٰ نے مقرر کر کے دُنیا کی ہدایت کے لئے بھیجا تھا۔

(۲) خدا و جناب رسول خدا میں رابطۂ وحی قائم تھا۔ اور خداوند تعالیٰ اکثر امور مہمہ میں جناب رسول خدا کو بذریعہ وحی ہدایت بھیجتا تھا۔ چنانچہ جب حضرت عائشہ کے معاملہ میں آنحضرتؐ متردد ہوئے تو اُس خاص الزام سے حضرت عائشہ کو بری کرنے کے لئے وحی آئی۔ قیدیان بدر و نماز برجنازۂ منافق پر بھی اسی طرح وحی آئی۔ اور بہت سے امور میں جن کا ذکر قرآن شریف میں نہیں ہے اور اُن سے بذریعہ وحی جناب رسول خدا کو مطلع کیا گیا شب معراج میں فَاَوْحٰیٓ اِلٰی عَبْدِہٖ مَآ اَوْحٰی کے الفاظ اپنے اندر ایک داستانِ طویل مضمر رکھتے ہیں۔ امام حسینؑ کی شہادت سے بھی بذریعہ وحی آنحضرتؐ کو مطلع کیا گیا جس کا ذکر ہر ایک حدیث کی کتاب میں ہے۔

(۳) خلافت یعنی جانشینیٔ رسول امور مہمہ میں سے ہے۔ جس پر آنے والی نسلوں کی ہدایت کا سلسلہ مبنی ہے۔ یہ ایسا اہم مسئلہ ہے کہ حضرات شیخین جسد اطہر رسول کو بے غسل و کفن چھوڑ کر اُس کے فیصلے کیلئے چلے گئے۔

(۴) ہر ایک خلیفہ نے اپنا جانشین مقرر کرنا اپنا فرض اہم سمجھا جیسا کہ الفاروق میں حضرت عمر کی نسبت لکھا ہے۔

(۵) ہر ایک خلیفہ کو احساس تھا کہ مرنے کے بعد مجھ سے پوچھا جائے گا کہ اُمتِ محمدؐ کی ہدایت کے لئے کیا انتظام کر کے آئے ہو۔ اور اس پر کس کو والی و حاکم مقرر کیا ہے۔

(۶) جناب رسول خدا نے فرمایا۔ مَنْ مَاتَ وَلَمْ یَعْرِفْ اِمَامَ زَمَانِہٖ فَقَدْ مَاتَ مِیْتَۃً جَاھِلِیَّۃً۔

(۷) محبتِ آل رسول اُمت پر فرض کی گئی ہے۔ بلکہ اجرِ رسالت یہی مقرر ہوا ہے۔

(۸) نصرانیوں سے آخری حجت ومباہلہ کے لئے اپنی مدد کے واسطے اپنی آل ہی کو آنحضرت لیکر نکلے تھے۔

(۹) ہر ایک نبی نے اپنے بعد کے آنے والے ہادی کو مقرر کیا ہے یا اُس کی پیشین گوئی کی ہے۔

(۱۰) آیہ تطہیر میں حضرت علی و فاطمہ اور حسنین علیہم السلام شامل ہیں اور حضرت ابوبکر و عمر و عثمان شامل نہیں ہیں۔ یہ امر تو مسلمہ ہے۔ ازواج کے متعلق آپ تنازعہ کرتے ہیں۔ اُس امر کی اس بحث میں ضرورت نہیں۔

(۱۱) حضرت علی نے کبھی کفر نہیں کیا۔ اور نہ اصنام کے آگے سجدہ کیا۔ برعکس اس کے حضرات شیخین کی صنم پرستی اور کفر دوستی مسلمہ ہے۔

(۱۲) بچپن سے حضرت علی زیر نگرانی رسول رہے۔ اور اُن سے براہ راست تعلیم و تربیت حاصل کی۔

(۱۳) ائمہ اثنا عشر والی حدیث۔

(۱۴) عقل سلیم جس کی طرف قرآن میں اشارہ کیا گیا ہے۔

ان میں سے امور ۱ لغایت ۱۲ پر ہم پہلے بہت لکھ چکے ہیں۔ اب حدیث ائمہ اثنا عشر کو بیان کرتے ہیں:-

حدثنا عبد اللہ حدثنی ابی ثنا حماد بن اسامہ ثنا مجالد عن عامر عن جابر بن سمرۃ السوائی قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول فی حجۃ الوداع ان ھذا الدین لم یزل ظاھرا علی من ناواہ لا یضرہ مخالف ولا مفارق حتی یمضی من امتی	(اسماء رواۃ عربی میں دیکھو) جابر بن سمرۃ کہتے ہیں۔ کہ حجۃ الوداع میں میں نے جناب رسول خدا کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ یہ دین اسلام اپنے بدخواہوں پر غالب رہے گا اس کو مخالف اور مرتد کوئی نقصان نہ پہنچا سکے گا۔ یہاں تک کہ اُس میں میری امت سے بارہ خلیفہ نہ ہو چکے ہوں۔ جابر کہتے ہیں کہ

اثنا عشر خلیفۃ قال ثم تکلم بشیٔ لم افہمہ فقلت لابی ما قال قال کلھم من قریش

کہ پھر کچھ آنحضرتؐ نے کہا جو میں نہ سمجھا میں نے اپنے والد سے پوچھا کہ آنحضرتؐ نے کیا کہا انہوں نے جواب دیا کہ آپؐ نے کہا کہ وہ سب قریش میں سے ہوں گے۔

مسند امام احمد حنبل الجزء الخامس صفحہ ۸۶، ۸۸، ۸۹، ۹۰، ۹۲ تا ۱۰۱

یہ حدیث ہر ایک مستند حدیث کی کتاب میں موجود ہے دیکھو

صحیح مسلم مطبوعہ بمیدان الازھر بمصر الجزء السادس ص۳

صحیح بخاری مطبوعہ مصر الجزء الرابع ص۱۶۵ کتاب الاحکام باب الاستخلاف

مشکوٰۃ باب مناقب قریش۔

اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ شاہ عبد الحق محدث دہلوی الجزء الرابع ص۶۱۹

مسند ابی داؤد الطیالسی مطبوعہ دائرۃ المعارف حیدر آباد دکن الجزء الثالث صفحہ ۱۰۵ حدیث ۷۶۷۔

مستدرک علی الصحیحین للحاکم الجزء الثالث کتاب معرفۃ الصحابہ ذکر جابر بن سمرۃ السوائی ص۶۱۷ مطبوعہ دائرۃ المعارف حیدر آباد دکن

ارجح المطالب عبید اللہ امرتسری ایڈیشن چہارم ص۴۳۲، ۴۳۳۔

کنز العمال علی المتقی الجزء السادس ص۱۹۸

فتح الباری شرح صحیح بخاری پارہ ۲۹۰ ص۶۲۹

عمدۃ القاری جلد ۱۱ ص۴۳۹

روضۃ الاحباب جلد ۳ ص۲۷

تاریخ الخلفاء جلال الدین سیوطی مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ص۱۱

ینابیع المودۃ۔

مودۃ القربیٰ۔

جامع ترمذی۔

کلھم من قریش کے فقرہ کے اوپر ہم البلاغ المبین ص۶۶۵، ۶۶۶،
۶۶۷ پر بحث کر چکے ہیں کہ دراصل یہ فقرہ کلھم من عترتی تھا۔ بہر صورت
یہاں اُس بحث کی ضرورت نہیں ہے۔ کیونکہ یہاں تو ہم اُتنے کے اوپر ہی بحث
کریں گے جتنا یہ لوگ مانتے ہیں۔ لیکن ایک روایت وہاں نقل ہونے سے
رہ گئی جس کو ہم یہاں نقل کرتے ہیں۔ اُس سے ہمارے دعوی کی تقویت ہوتی ہے۔

حدثنا عبد اللہ حدثنی ابو الربیع الزہرانی سلیمان بن داؤد و عبید اللہ بن عمر القواریری و محمد بن ابی بکر المقدمی قالوا ثنا حماد بن زید ثنا مجالد بن سعید عن الشعبی عن جابر بن سمرۃ قال خطبنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بعرفات وقال المقدمی فی حدیثہ سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یخطب بمنی وھذا لفظ حدیث ابی الربیع فسمعتہ یقول لن یزال ھذا الامر عزیزاً ظاھراً حتی یملک اثنا عشر کلھم ثم لغط القوم وتکلموا فلم افھم قولہ بعد کلھم فقلت لابی یا ابتاہ ما بعد کلھم قال کلھم من قریش۔

مسند امام حنبل الجزء الخامس ص ۹۹

(اسمائی رواۃ عربی میں دیکھو) جابر بن سمرۃ کہتے ہیں کہ جناب رسول خدا نے عرفات پر خطبہ دیا اور ہم نے سُنا کہ آپ فرماتے تھے کہ یہ دین قوی اور مضبوط رہیگا جبتک کہ اس کے بارہ خلیفہ نہ ہو جائیں۔ جابر بن سمرۃ کہتے ہیں کہ لفظ کلھم کے بعد لوگوں نے بیہودہ بکنا شروع کر دیا اور میں نہ سن سکا۔ کہ کلھم کے بعد کیا فرمایا۔ میں نے اپنے باپ سے پوچھا کہ اے اباجان کلھم کے بعد کیا فرمایا۔ انہوں نے کہا کہ کلھم کے بعد جناب رسول خدا نے فرمایا کہ من قریش۔ یعنی وہ سب قریش میں سے ہوں گے۔ مقدمی کی روایت میں ہے کہ یہ خطبہ بمقام منیٰ دیا گیا تھا۔

اپنے آخر ایام میں جب جناب رسول خدا اہلبیت کے متعلق کچھ فرمایا کرتے تھے تو یہ لوگ غل غپاڑہ اور بیہودہ کلامی ہی شروع کر دیا کرتے تھے چنانچہ قضیۂ قرطاس کے وقت بھی ایسا ہی ہوا تھا۔ اس شور و شغب سے بھی یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ کلھم من عترتی فرمایا ہو گا کہ غل شور شروع کر دیا خود من قریش من قریش کرنے لگے۔ بہر صورت یہاں تو یہ فقط جملہ معترضہ ہی تھا۔ کلھم من عترتی کی بناء پر ہم بحث نہیں کریں گے۔

البلاغ المبین کے صـ۶۶۶ پر ہم نے عبد اللہ ابن مسعود سے ایک روایت نقل کی ہے جو اس حدیث کی موید ہے۔ اس کا ماحصل یہ ہے کہ عبد اللہ ابن مسعود کہتے ہیں کہ ہم نے جناب رسول خدا سے دریافت کیا کہ اس امت میں کتنے خلیفہ ہوں گے تو آنحضرتؐ نے فرمایا کہ نقباء بنی اسرائیل کی تعداد کے موافق بارہ ہوں گے۔

دیکھو۔ مسند احمد حنبل الجزء الاول صـ۳۹۸، ۴۰۶

یہ امر توجہ کے قابل ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ دین اسلام قوی و مضبوط رہے گا۔ حکومت اسلام کو نہیں فرمایا۔ یعنی ان بارہ خلفاء کے زمانہ میں دین اسلام قوی و مضبوط ہو گا۔ حکومتیں تو اسلام میں بڑی بڑی ہوئیں لیکن جتنی سلطنت و حکومت زیادہ طاقتور ہوتی تھی اتنا ہی دین زیادہ کمزور ہوتا تھا۔ اس کی شہادت میں سید ابو الحسن ندوی کو پیش کرتے ہیں۔

یہ حقیقت کہ خلافت امویہ یا عباسیہ کے عروج کا زمانہ اور ولید عبد الملک، ہارون، مامون اور عبد الرحمٰن الناصر کا عہد اصولی حیثیت سے معیار اور مستند نہیں ہے۔ ان لوگوں کے لئے نئی ہو گی جو اسلام کے معنی "اسلامی تمدن" سمجھتے ہیں۔ اور اسلامی تمدن سے ان کی مراد بغداد و قرطبہ۔ دمشق و غرناطہ کا تمدن ہوتا ہے۔ وہ اسلام کی

ترقی کو میناروں کی بلندی، فن تعمیر کی ترقی اور فنون لطیفہ کی سرپرستی سے ناپتے ہیں۔ لیکن جو سمجھتے ہیں کہ اسلام ایک عملی، روحانی اخلاقی اور معاشرتی مذہب ہے ان کو اس کی ترقی بغداد و قرطبہ کے عالیشان دارالخلافہ اور سربفلک مسجدوں کے بجائے مدینہ کے جھونپڑوں میں نظر آئے گی۔

سیرۃ سید احمد شہید، سکنڈ اڈیشن ص ۲۱، ۲۲

اب تو معلوم ہو گیا کہ اسلام کی طاقت و عروج کے کیا معنی ہیں۔ اور آنحضرتؐ کی حدیث صحیح کا بھی علم ہو گیا۔ لیجئے ہم آپ ہی پر چھوڑتے ہیں تاریخ اسلام میں سے لیکر اُن بارہ خلفاء کا نام ہمیں بتا دیں۔ اگر آپ کے علماء کا اتفاق ان بارہ پر ہو گیا تو ہم سمجھیں گے کہ آپ کا دین صحیح ہے اور اگر نہ ہو سکا تو پھر آپ ہمارے ہاتھ پر دین حقہ کے لئے بیعت کریں۔
شیخ الاسلام ابن حجر عسقلانی فتح الباری شرح صحیح بخاری میں مندرجہ ذیل بارہ خلفاء اسلام شمار کرتے ہیں۔ ابوبکر، عمر، عثمان، علی، معاویہ، یزید، عبدالملک بن مروان بعد قتل ابن الزبیر، ولید، سلیمان، یزید، ہشام، عمر بن عبدالعزیز اور ولید بن یزید بن عبدالملک، انہوں نے سلیمان و یزید کے درمیان میں شک کیا ہے لہٰذا اُن دو کو ایک گنا گیا ہے۔
جلال الدین سیوطی اس طرح گنتے ہیں:۔ ابوبکر، عمر، عثمان، علی، حسن، معاویہ، ابن الزبیر، عمر بن عبدالعزیز، مہتدی عباسی، مہدی عباسی، ان کے علاوہ منتظر ہیں۔ یعنی آنے والے ہیں۔ اُن میں سے ایک تو محمد مہدی اہلبیت رسولؐ میں سے ہوں گے اور ایک کوئی اور۔

دیکھو تاریخ الخلفاء مطبع مجتبائی ص ۱۱، ۱۲

جو اصول انہوں نے ان خلفاء کے شمار کرنے میں اختیار کیا ہے وہ یہ ہے کہ جس خلیفہ کو تمام دنیائے اسلام نے خلیفہ مان لیا وہ تو اس

فہرست میں آ گیا جس پر تمام دنیائے اسلام کا اتفاق نہ ہوا وہ اس فہرست میں نہیں آئیگا خواہ کتنا ہی نیک اور عادل اور باحشمت کیوں نہ ہو۔ اسی وجہ سے مامون وہارون عباسی اس میں نہیں آئے ہیں اور یزید جیسے خلیفہ آ گئے محض یہ ہی بات اس تنازعہ کو فیصلہ کرنے کے لئے کافی ہے کہ وکلائی حکومت سقیفہ بارہ خلفاء نہیں گنوا سکتے اور اگر گنوائیں گے تو یزید و ولید جیسے زانی وفاسق و فاجر آ جائیں گے۔ یزید کے کارنامے سب جانتے ہیں۔ ولید وہ صاحب ہیں جو شراب میں مخمور رہا کرتے تھے اور دایہ کے سامنے اپنی جوان لڑکی سے زنا کر کے فخر کرتے تھے۔ یہ ہیں اس حکومت الہٰیہ کے خلفائے الہٰیہ جس کو دنیا میں قائم کرنے کے لئے جناب رسالتمآبؐ مبعوث ہوئے تھے۔ کسی شے یا شخص کا عشق انسان کو اندھا کر دیتا ہے اور محبوب کے عیوبؒ نقائص کو آنکھوں سے اوجھل کر دیتا ہے۔ اگر یہ حکومت الہیہ کے خلفاء ہیں تو حکومت فرعونیہ کے خلفاء کیسے ہوں گے۔ چونکہ حکومت سقیفہ کا مقصد سیاست اور خلفاء کے قائم کرنے کے وہ اصول و قواعد جو حکومت سقیفہ نے مقرر کئے تھے ایسے ہی حکام پیدا کر سکتے تھے لہٰذا پیروانِ حکومت سقیفہ ان حکام کو جائز خلیفہ ماننے پر مجبور ہو گئے۔ صورتِ حالت یہ پیدا ہوئی کہ یزید کو فاسق و فاجر اور قاتل امام معصوم بھی کہتے جائیں گے اور اُسے خلفائے الہٰیہ کی فہرست میں بھی جگہ دینے پر مجبور ہوں گے۔ شراب و زنا کو بُرا سمجھیں گے لیکن زانی و شرابی حاکم کو جائز خلیفۃ اللہ مانیں گے۔ آخر اس عقل سلیم کو کیا ہو گیا۔ یہ کیوں اس مشکل میں پھنسے۔ وجہ ظاہر ہے جناب رسول خدا نے جس طرح اپنے جانشین مقرر کر دئے تھے اُن کو تو انھوں نے مانا نہیں۔ اپنے پاس کوئی مقررہ اصول نہیں تھا جس کی رو سے خلیفۂ رسول مقرر کر دیتے۔ لہٰذا جس کی لاٹھی اُسی کی بھینس کا اصول رائج ہو گیا۔ اور چونکہ اس اصول کے بنائے ہوئے پہلے خلیفہ جائز تھے لہٰذا جو بعد میں آئے سب

جائز سمجھے گئے۔ برعکس اس کے کسی اثنا عشری بچہ سے پوچھ لو راہ چلتے ہوئے کہ جناب رسول خدا کے بارہ خلفاء کون ہیں۔ فوراً فرفر آپ کو بتا دے گا اور آپ کے بڑے بڑے علماء کا بھی اتفاق اس امر پر نہیں ہے۔

اب آؤ دیکھیں کہ جو امور ہمارے اور تمہارے درمیان مشترک ہیں ان پر غور کرنے سے کیا نتیجہ نکلتا ہے۔

جناب رسول خدا سچے نبی تھے۔ خداوند تعالیٰ نے تمام انسانوں میں سے اُن کو منتخب کر کے بھیجا تھا۔ خداوند تعالیٰ ہیں اور اُن میں رابطۂ وحی قائم تھا۔ آنحضرتؐ کے بعد کوئی اور نبی آنے والا نہ تھا۔ دنیا کو آپ کے بعد صدیوں قائم رہنا تھا۔ اس سے پہلے تمام انبیاء مرسلین نے اپنے جانشین خود بحکم خداوندی مقرر کئے تھے۔ اپنی امت کو اپنے بعد کے آنے والے ہادی کا پتہ اچھی طرح بتا دیا تھا۔ جانشینیٔ ختم المرسلین کا مسئلہ بہت اہم تھا۔ اتنا اہم تھا کہ صحابہ کرام ماسوائے بنوہاشم کے جسد اطہر رسولخدا کو بے غسل و کفن چھوڑ کر اُس کی تجویز کے لئے سقیفہ بنی ساعدہ چلے گئے۔ آنحضرتؐ کے بعد کے ہر ایک خلیفہ کو اس کا احساس تھا اور اپنا جانشین خود مقرر کرتا تھا۔ یا اس کے لئے ایسی قیود و حدود والی شرائط لگا دیتا تھا کہ گویا اس نے خود ہی مقرر کیا ہے۔ وہ خلیفہ یہ بھی جانتے تھے کہ اُن کے مرنے کے بعد خدا اُن سے پوچھے گا کہ تم نے امتِ محمدیہ پر اپنے پیچھے کس کو حاکم و والی مقرر کیا۔ حضرت عائشہ نے سب سے پہلے حضرت عمر سے یہ کہا کہ اپنا جانشین مقرر کرتے جاؤ تاکہ فساد نہ ہو۔ ان تمام امور کی موجودگی میں آپ کا یہ عقیدہ کہ جناب رسول خدا نے کسی کو اپنا خلیفہ مقرر نہیں فرمایا اور اپنے بعد کے آنے والے ہادی کا نشان نہیں دیا کہاں تک قابل قبول ہوسکتا ہے۔ سب کو آپ کی جانشینی کی اہمیت کا احساس تھا۔ لیکن خود جناب رسول کو اس کا احساس نہ تھا۔ حَسْبُنَا کِتٰبُ اللّٰہ حضرت عمر کا قول ہے۔

کتاب خدا تمام اُمت کیلئے ہمیشہ کے لئے کافی ہے۔ لیکن وہ کیا کافی ہوئی کہ جس میں جانشینیٔ رسول کا ہی تذکرہ نہیں۔ حالانکہ یہ وہ مسئلہ ہے کہ اسلام میں تلوار محض اس ہی مسئلہ پر کھنچی۔ اگر یہ مسئلہ نہ ہوتا تو مسلمان آپس میں نہ لڑتے۔ لیکن آپ کے مولویوں کے عقیدہ کے مطابق خدا سے بھی فروگذاشت ہو گئی اور جناب رسول خدا سے بھی۔ کیا آپ اس کا یقین کرتے ہیں۔ عقل سلیم یہی کہتی ہے کہ ضرور جناب رسول خدا کو بھی اس کا احساس تھا۔ اور سنت ماضیہ کے مطابق خداوند تعالیٰ نے آپ کے بعد کے ہادی کو مقرر کر کے اس کے اعلان کرنے کا حکم آپ کو دیا ہوگا یہ امر مسلمہ ہے کہ آپ نے فرمایا کہ من مات ولم یعرف امام زمانہ فقد مات میتۃ جاھلیۃ۔ ہر ایک زمانہ میں ایک امام ہونے کا خیال آپ کے دل میں گزرا تھا۔ امت کو اتنی تاکید شدید اس امام کی معرفت کی کی۔ کیا یہ خیال میں آتا ہے کہ آپ نے اپنے بعد کے امام کو نہ بتایا۔

اب دوسرا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کس کو اپنا جانشین مقرر فرمایا۔ جب آپ کا عقیدہ عدم استخلاف کا غلط ثابت ہوا تو آپ تو نہیں کہہ سکتے کہ آپ کے حکام میں سے کسی کو اپنا جانشین مقرر کیا۔ کیونکہ اگر کیا ہوتا۔ تو آپ اپنے اس امام کو کہتے کہ جناب رسول خدا نے جانشین مقرر کیا۔ پھر یہ کہتے کہ کسی کو مقرر نہیں فرمایا۔ اور نہ پھر سقیفہ بنی ساعدہ کی ضرورت رہتی فرمائیے علی کے سوا کوئی اور ہو سکتا تھا۔ جب نبوت کی شہادت و تصدیق کی ضرورت ہوئی تو آپ حضرت علی کو لے گئے تھے۔ دعوت ذی العشیرہ میں کہہ چکے تھے کہ علی میرا وزیر اور خلیفہ ہے۔ اور بہت سی باتیں ہیں کس کس کو بیان کریں۔ صرف آیہ تطہیر ہی کو لو۔ یقیناً اس میں حضرت ابوبکر و عمر شامل نہیں تھے اور حضرت علی شامل ہیں۔ حضرات شیخین کافر رہ چکے تھے۔ کفر ظلم عظیم ہے۔ جو اس کا مرتکب ہو چکا ہو۔ وہ معصوم تو نہیں رہتا خواہ اس کا گناہ خدا بخش دے۔ یہ آیہ تطہیر ناقابل تردید ثبوت ہے اس بات کا کہ حضرت علی

ایک ظلم بھی نہیں کر سکتے تھے۔ ان کی حکومت عدل کامل کا نمونہ ہوتی۔ ایک غلط فقہ کا حکم بھی نہیں دے سکتے۔ ایک غلط تاویل قرآن شریف کی نہیں بتا سکتے تھے۔ ان سے بہتر کون ہادیٔ دین ہو سکتا۔ اگر غور کرو تو آیہ تطہیر ہی سب کچھ فیصلہ کر دیتی ہے۔ آنحضرتؐ کو خلیفہ بھی مقرر کرنا تھا۔ اُس تقرر کی اہمیت کا احساس بھی تھا تو فرمایئے کہ علی کو چھوڑ کر کہاں تلاش کرتے۔ آپ کا انصاف کیا کہتا ہے۔ آیہ مودہ بھی تو قرآن شریف میں ہے۔ امت پر ان کی محبت فرض ہے۔ یہ اتنا بڑا فرض ہے کہ اجر رسالت کی ادائیگی اس میں مضمر ہے۔ یہ کوئی مجازی محبت تو نہیں ہے۔ حُبِ خدا و حُبِ رسول کا جو مطلب ہے وہی اس کا مطلب ہے حُبِ خدا و حُبِ رسول کا رکن اعظم اطاعت ہے۔ اگر آپ اُن کے احکام کی اطاعت ہی نہ کریں گے تو محبت کیسی۔ بلکہ محبت خالص و حقیقی ہوتے ہی اطاعت کا مادہ پیدا ہو جاتا ہے۔ اور اس سے حُبِ مجازی بھی مستثنیٰ نہیں۔ آپ خدا کے احکام کی اطاعت نہ کریں۔ نہ نماز پڑھیں۔ نہ روزہ رکھیں۔ نہ اُس کا ذکر کریں۔ غرضکہ جو جو احکام اس نے دئے ہیں اُس کی خلاف ورزی کریں۔ حدود اللہ کی اطاعت نہ کریں۔ محرمات شرعی سے نکاح شروع کر دیں۔ خوب زنا کریں۔ شراب پیا کریں۔ کیا پھر بھی آپ حُبِ خدا کا دعویٰ کریں گے۔ کیا کوئی شخص یہ کہنے والا پیدا ہو جائے گا کہ آپ کو خدا کی محبت ہے۔ عشق مجازی ہی کو لو۔ کیا آپ اپنے محبوب کی خواہشوں کے خلاف کچھ کر سکتے ہیں۔ اگر کر سکتے ہیں تو عاشق صادق نہیں۔ یہ بھی کوئی محبت ہے کہ فدک مانگا تو وہ نہ دیا۔ ہزارہا کوششیں کر کے مسند حکومت چھین لی۔ شوریٰ میں ایسا حکم دیدیا کہ قتل ہی ہو جائے تو بہت اچھا۔ اس جوش محبت میں خانۂ فاطمہ کو جلانے چلے۔ حضرت علی کو قتل کی دھمکی۔ انہوں نے قبر رسول پر فریاد کی کہ اے بھائی مجھے ان لوگوں نے بہت ذلیل کیا اور قریب تھا کہ قتل کر ڈالتے۔ جناب فاطمہ فریاد کر رہی ہیں کہ میں تم دونوں کی

شکایت اپنے بابا سے کروں گی۔ تم نے مجھے بہت اذیت دی ہے مرتے دم تک
اُن سے گفتگو نہ کی۔ اور جنازے سے بھی اخراج کا حکم دیا کیا اچھے محبت کے مظاہرے
جانبین سے ہو رہے ہیں۔ غور تو کرو کس طرح آلِ رسول کو اذیت دی گئی کس طرح
اُن کی تحقیر کی گئی۔ کس طرح اُن کے حقوق چھینے گئے۔ اور پھر محبت کا دعویٰ
دعویٰ کرنے والے کیوں نہ دعویٰ کریں جب اُن کو عقل کے پورے اُس دعوی
کے ماننے والے مل جائیں۔ لیکن عقل پر اُن کی ماتم کیا جائے جو کہتے ہیں کہ
واقعی حضرات شیخین عاشقانِ آلِ رسول تھے۔ سب کچھ تو حضرات شیخین
کی محبت میں بدل دیا۔ اب عشق کی تعریف بھی بدل ڈالو۔ چونکہ انہوں نے
مودّۃ قربیٰ نہیں کی اس لئے اجر رسالت ادا نہیں کیا۔ اجر رسالت ادا نہیں
کیا تو وہ مسلمان کیونکر ہو سکتے ہیں تا کہ جانشین رسول اور حقدار حکومت
سمجھے جائیں۔

اچھا اپنے اصول جانشینیٔ رسول۔ قواعد اہل سنت کے مطابق بتایئے کہ
وہ بارہ حکام حکومت الٰہیہ و خلفاء اثنا عشر کون ہیں جن کی پیشین گوئی
آنحضرتؐ نے کی۔ آپ کے اُن اصول کے مطابق بارہ کی تعداد ہی نہیں
بنتی۔ خواہ ادھر سے گنو۔ خواہ اُدھر سے گنو۔ حضرت معاویہ و حضرت یزید اور
حضرت ولید ضرور شامل ہوں گے۔ اور آپ کے دو عالم بارہ کی ایک جماعت
پر متفق نہ ہوں گے۔ کیا آپ کی حکومتِ الٰہیہ کے حکام ایسے ہوتے ہیں۔ اگر
آپ نہیں بنا سکتے تو ہم اپنے ان اٹل اصول کے ماتحت آپکو بارہ خلفاء
ایسے گنا دیں گے کہ آپ ان میں بات بھی نہ پا سکیں گے کسی کا حق
نہیں لیا کسی پر ظلم نہیں کیا۔ ہمیشہ عبادت الٰہی میں زندگی گزاری اور
ہمارے سارے فرقے میں سے ایک بچہ ایک جاہل ایک عالم بھی ایسا نہ
ہوگا کہ جو ان بارہ کی جماعت کے علاوہ کسی اور کو ان میں داخل کرے
یا ان میں سے کسی کو نکالے۔ یہ حق کی صفت ہے کہ اٹل ہو۔ بیٹے ٹوٹیاں

مارنا کہ یہ بھی ہو سکتا ہے۔ وہ نہیں ہو سکتا۔ دوسرا کہتا ہے کہ دونوں نہیں ہو سکتے۔ یہ حق کی صفت نہیں ہے یہ تو کذب محض ہے۔

کچھ بارہ ائمہ والی حدیث پر ہی منحصر نہیں ہے۔ یہاں تو یہ حالت ہے کہ اونٹ رے اونٹ تیری کونسی کل سیدھی۔ ان بزرگوں کے مذہب اور طریقہ عمل کے لئے کوئی اصول ہی مقرر نہیں ہے۔ حکومت حاصل کرنے میں، جو تدبیر موقع اور وقت پر کارگر معلوم ہوئی فوراً اُس کے مطابق ایک اصول مقرر کر کے اس کو استعمال کر لیا۔ پھر کوئی ایسا موقع آیا کہ ایسی تدبیر کی ضرورت ہوئی کہ اس میں پہلے اصول کے مخالف چلنا پڑتا ہے تو فوراً اُس اصول کو نظر انداز کر کے اس تدبیر پر عمل کر لیا۔ یہ نہ دیکھا کہ یہ تدبیر ہمارے پہلے اصول کے خلاف ہے۔ اگر یہ دیکھتے تو موقع نکل جاتا۔ دنیاوی حکومت تو اس طرح حاصل ہوگئی۔ لیکن یہ حکومت الٰہیہ اور مذہب حقہ کی شان نہیں ہے۔ حق اٹل ہوتا ہے۔ اُس کے اصول و مبانی تغیر و تضاد سے بالاتر ہوتے ہیں۔ وہاں کے اصول تو ایسے ہوتے ہیں کہ پھر ان میں تضاد ناممکن ہے ایک اصول قائم ہوگیا کہ حکومتِ الٰہیہ کے لئے حاکم و ہادی موجودہ والی خدا کے حکم سے منتخب کرتا ہے۔ بس دیکھ لو مذہب حقہ میں کبھی اسکے خلاف نہ پاؤ گے۔ ایسا کبھی نہ ہوگا کہ ایک امام و ہادی کو تو موجودہ ہادی نے منتخب کیا اور دوسرے کا انتخاب لوگوں کی رایوں پر چھوڑ گیا۔ اصول قائم ہوگیا کہ قرآن شریف کی صحیح تاویل صرف ہادیان و وارثانِ علم لدُنی ہی جانتے ہیں۔ اب ایسا کبھی نہ ہوگا کہ ہم صحیح تاویلِ قرآن کے لئے ان کے سوا کسی اور کی طرف رجوع کریں۔ یا وہ ہادیِ دین خود ہی کہے کہ علم قرآن سیکھنا ہے تو فلاں صحابی کے پاس جاؤ۔ علمِ فقہ سیکھنا ہے تو فلاں کے پاس جاؤ۔ اور اپنے پاس کسی کو نہ بُلائے۔ مذہبِ حقہ کا ہادی اپنے زمانہ میں سب سے زیادہ علم رکھنے والا ہوتا ہے۔ نہ اُس کے اوپر کبھی شیطان چڑھے اور نہ

وہ کبھی غصہ سے ایسا مغلوب ہو جائے کہ لوگوں سے کہے کہ جب میری یہ حالت ہو تو تم میرے پاس نہ آیا کرو۔ بھلا غور تو کرو۔ خدا نے عقل کس دن کیلئے دی ہے وہ ہادی ہی کیا جس پر شیطان چڑھ بیٹھے۔ مذہب حقہ میں کوئی حاکم، ہادی، یا امام کتنا ہی بڑا کیوں نہ ہو، خواہ وہ علی ابن ابی طالب ابوالائمہ ہی کیوں نہ ہوں یہ نہیں کہے گا کہ محمد مصطفےٰ نبی برحق کے فلاں احکام قابلِ اطاعت ہیں اور فلاں احکام ہم ماننے کے لئے تیار نہیں۔ وہ اس کہنے کو کفر کے مرادف سمجھے گا کہ رسول خدا نے فلاں حکم اپنی خواہشِ نفسانی کی پیروی میں دیا تھا۔ چونکہ میں اُن سے زیادہ ہمدرد اسلام تھا۔ اسلام کی محبت و ہمدردی کی وجہ سے وہ حکم چلنے نہیں دیا۔ علیؑ ابن ابی طالب اُس دن اپنی موت کو اپنی زندگی پر ہزار بار ترجیح دیتے۔ اگر کبھی بھولے سے بھی جناب رسول خدا کے متعلق ان کے منہ سے نکل جاتا کہ یہ شخص تو بیماری سے مغلوب ہو کر بکواس بک رہا ہے۔ دین حقہ کے اصول کے مطابق نبیِ برحق جب بولتا ہے اور جو کچھ بولتا ہے وہ حق ہوتا ہے اور خدا کی مرضی کے مطابق ہوتا ہے۔ وحی ہوتا ہے۔

برخلاف اس کے حکومت سقیفہ والوں کے مذہب کو ملاحظہ فرمائیے جب جناب رسول خدا نے حضرت علی کے حق میں وصیتِ خلافت تحریر کرنے کے لئے بستر بیماری پر قلم، دوات طلب فرمایا تو یہ کہہ کر مانع ہوئے کہ یہ شخص تو بیماری کی وجہ سے اپنے ہوش میں نہیں ہے۔ بکواس بک رہا ہے اور اگر غشی کی حالت میں آنحضرتؐ نے کچھ اشارہ کیا۔ یا بات کہی۔ اور جناب عائشہ نے سمجھا کہ حضرت ابوبکر کو امامت نماز کے لئے حکم دیا ہے تو یہ اشارہ ایسا وحی من اللہ سمجھا گیا کہ سقیفہ کے دنگل میں حضرت ابوبکر اُس کی وجہ سے مستحق خلافت ہو گئے۔ کبھی تو جناب رسول خدا کی ہدایت سے ایسے مستغنی ہو گئے کہ فرمایا ہمیں اس کی ضرورت نہیں۔ حسبنا کتاب اللہ۔ وجہ یہ ہے کہ

اس وقت آنحضرتؐ اپنے بعد کے ہادی کا پتہ دے رہے تھے اور اسکی ضرورت حضرت عمر کو نہ تھی۔ جب جناب فاطمہ نے وراثت کی بناء پر فدک طلب کیا تو اب کتاب اللہ غائب۔ کیونکہ اُس میں ورثہ کے اصول و قواعد درج ہیں، وہ حضرت فاطمہ کے حق میں جاتے۔ اب جناب رسول خدا کی لاوارث حدیث یاد آگئی۔ یاد تو کیا آگئی۔ بنائی گئی۔ کوئی نہیں پوچھتا کہ حسبنا کتاب اللہ والا اصول کہاں گیا۔ حضرت عمر کے خیال میں جناب رسولِ خدا نے خلافت کے متعلق کچھ حکم نہیں دیا تھا۔ اور نہ کلالہ کے معنی بتائے تھے۔ یہ بھی نہیں بتایا تھا کہ خلافت میں انصار کا حق ہے یا نہیں۔ آپ فرماتے ہیں کیا اچھا ہوتا جو آنحضرت انکے متعلق کچھ ارشاد فرما جاتے۔ آنحضرت نے خلافت کے متعلق بتایا تو بار بار تھا بہرصورت جب اُس کے متعلق وصیت تحریر کرنا چاہتے تھے تب تو حسبنا کتاب اللہ کہکر روک دیا۔ اب کتاب اللہ کی طرف کیوں نہیں رجوع کی جاتی۔ کیا وہ کتاب ناکافی ہے۔ اُس میں ان اہم امور کے متعلق احکام درج نہیں ہیں۔ اگر کافی ہے تو سقیفہ بنی ساعدہ کی کشمکش میں کیوں نہ اُس کو پیش کیا۔ اُس کا تو ذکر بھی نہیں آیا۔ غار میں محفوظ رہنے میں تو اتنی اہمیت۔ جہاد میں ساتھ دیکر رسولِ خدا کی حفاظت کرنے والے کا ذکر نہیں۔ کفار کے نرغہ میں بستر رسول پر سونے والے کا ذکر نہیں۔ انصار کے مقابلہ میں رشتہ دارِیٔ رسول تو باعث ترجیح۔ لیکن نزدیک ترین رشتہ دار کا نام بھی نہیں لیتے۔

حکومتِ الٰہیہ کے لئے والی و حاکم مقرر کرنے کے انتظام کو لو۔ یہ تو بہت بڑی بات ہے۔ اس پر تو ساری اُمت کا مستقبل منحصر ہوتا ہے۔ یہ تو ایک ہی اٹل طریقہ ہونا چاہیئے۔ اگر نامزدگی اچھی چیز ہے تو وہ سہی۔ رایوں سے انتخاب ہو کر بہترین حاکم مل سکتا ہے تو وہ سہی۔ اگر کوئی اور طریقہ سب سے خیال کیا جاتا ہے تو وہ سہی۔ غرضکہ ایک اٹل طریقہ ہونا چاہیئے جو حق کی شان ہے لیکن نہیں۔ یہاں تو اپنی خواہش نفسانی ہے جو سب کچھ کراتی ہے۔ اگر موقع

ایسا ہے کہ انتخاب سے اپنا آدمی مقرر ہو سکتا ہے تو وہ کریں گے۔ اگر نامزدگی کے چل جانے کی امید ہے تو اسے کیوں چھوڑیں اور اگر محدود جماعت سے اپنا مطلب پورا ہوتا ہے تو وہ ہی سہی۔ کیا آپ نے کبھی اپنے مذہب کی اس تلون مزاجی پر غور نہیں کیا۔ خلیفہ مقرر کرنے کے لئے کوئی ایک طریقہ ہی نہیں ملتا۔ اور پھر اس پر ستم ظریفی یہ ہے کہ اس بات کا بھی اقبال کرتے ہیں کہ جو طریقہ ہم نے خلیفہ کے انتخاب کا اختیار کیا تھا وہ نہایت ہی ناموزوں اور نامعقول تھا۔ خبردار۔ آئندہ کوئی ایسا بُرا طریقہ اختیار نہ کرے اگر کریگا تو وہ اور اس کا منتخب شدہ خلیفہ دونوں قتل کردئے جائیں گے۔ اگر حضرت عمر کا یہ آخری تجربہ صحیح ہے تو پھر وہ اور حضرت ابوبکر دونوں قابل مواخذہ ہوئے گردن زدنی تو ہم کیونکر کہیں۔ یہ بھی کوئی انصاف ہے بےمعقولیت ہے کہ ہم جو کچھ کرلیں تو وہ درست۔ کوئی اور وہ ہی بات کرے تو گردن زدنی۔ حکام سقیفہ میں سے کسی ایک نے یہ نہ بتایا کہ خلیفہ مقرر کرنے کا بہترین طریقہ کونسا ہے۔ اور آئندہ کس طرح خلیفہ مقرر ہونا چاہیئے۔ خود اپنا مطلب حاصل کرگئے اب آئندہ کی کیا پرواہ۔ کوئی طریقہ انہوں نے مطابق عقل ونقل کے اختیار کیا ہوتا تو وہ بتاتے۔ اور دل کی بات کہہ نہیں سکتے تھے۔ وہ یہ تھی کہ کوئی طریقہ ہو جس سے بنو ہاشم حکومت نہ پاسکیں۔ وہ ہی بہترین طریقہ ہے ڈر لگا کہ کہیں علی کے خیر خواہ ایک جماعت پیدا کرکے علی کو نہ خلیفہ کرادیں لہٰذا کہنا پڑا کہ ہم نے تو جماعت بازی سے اپنا مقصد حاصل کرلیا۔ آئندہ جو ایسا کرے گا وہ گردن زدنی ہوگا۔

نماز کو لیجئے۔ امام مالک ہاتھ کھول کر نماز پڑھنے کا حکم دیتے ہیں دیکھو ملا محمد معین کی دراسات اللبیب صفحہ ۲۴۰، امام شافعی نے پہلے تو ہاتھ باندھ کر نماز پڑھنے کا حکم دیا۔ پھر اس حکم کی ترمیم کرکے کہا کہ اگر ہاتھ کھول کر بھی پڑھیں تو کچھ حرج نہیں۔ دیکھو عبدالوہاب شعرانی کی میزان الکبریٰ ص ۱۴۶

عبداللہ ابن زبیر نے ہاتھ کھول کر نماز پڑھی۔ دیکھو ملا محمد معین کی دراسات اللبیب صنہ۳۴۔ امام ابو حنیفہ و امام احمد حنبل نے سب کے ہاتھ بندھوا دیئے۔ غرض انکی ہر ایک بات میں اختلاف ہے۔ ایک اصول کہیں مقرر نہیں۔ صرف اس ہی ایک بات سے ظاہر ہوتا ہے کہ حق ان کے پاس نہیں ہے۔ قرآن شریف نے یہ کلیہ قائم کر دیا ہے کہ اختلاف علامت کذب و زور ہے۔ لَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا۔ اور ان کی تو ماشاء اللہ ہر ایک بات ہی میں اختلاف ہے۔

یہ بھی آپ نے غور کیا۔ اب تو کتب احادیث میں ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت ابوبکر و عمر کے لئے بنو امیہ نے بہت سی فضیلت کی احادیث پیدا کروا دیں۔ اگر یہ واقعی صحیح تھیں تو کیوں ان کو سقیفہ بنی ساعدہ کے ہنگامہ میں نہ بیان کیا گیا۔ ان کے لئے وہ بہترین موقع تھا۔ یہ تو کہہ نہیں سکتے کہ اتنی بے شمار احادیث میں سے حضرت ابوبکر و عمر و ابو عبیدہ بن الجراح کو ایک بھی یاد نہ رہی۔ یہی نتیجہ نکلے گا کہ چونکہ بہترین و موزوں ترین ضرورت کے وقت یہ حربہ استعمال نہیں ہوا۔ لہٰذا اس کی ہستی ہی اُس وقت نہ تھی۔

آپ کے علماء و واعظان و لیکچراران فخر کرتے ہیں کہ اسلام میں قومی اور قبائلی ترجیح نہیں ہے۔ بلکہ سب برابر ہیں۔ اُن کے خیالات کی ترجمانی ان اشعار میں کی گئی ہے۔

مذہب او قاطع ملک و نسب — از قریش و منکر از فضلِ عرب

در نگاہِ او یکے بالا و پست — با غلام خویش بریک خواں نشست

قدر احرارِ عرب نشناختہ — با کلفتان حبش در ساختہ

احمران با اسوداں آمیختند

آبروئے دودمانی ریختند

منقول از مسئلہ قومیت تالیف سید ابوالاعلیٰ مودودی صـ۱۷

اچھا۔ بجا۔ درست۔ مان لیا۔ فرمائیے حضرت ابوبکر و حضرت عمر نے ہنگامۂ سقیفہ میں کیوں انصار سے یہ کہہ کر خلافت لی کہ بقول آنحضرت خلافت قریش کا حق ہے۔ یہ قبائلی امتیاز کیسا۔ معلوم ہوا کہ حکامِ سقیفہ کی خلافت کی بنیاد اسلام کے اصول و مبانی کی مخالفت پر مبنی ہے لہٰذا نا جائز ہے۔ اور ان بزرگواروں نے آنحضرت کی طرف غلط قول منسوب کیا۔ حضرت عمر تمام عمر کہتے رہے کہ خلافت میں انصار کا حق نہیں ہے۔ تجویز شوریٰ کے وقت بھی آپ نے یہی گراں قدر الفاظ فرمائے تھے۔ یہ کیوں؟ یہ بات بنیادی اصولِ اسلام کے خلاف تھی یا نہیں؟ اُن تین دنوں کے لئے کہ اصحاب شوریٰ اپنے صلاح و مشورہ میں رہیں اور کوئی خلیفہ مقرر نہ ہو۔ صہیب کو حکم دیا گیا کہ وہ امامتِ نماز کریں۔ اُس کی وجہ بھی بتائی گئی۔ وہ یہ تھی کہ چونکہ صہیب غلام ہے وہ امر خلافت کا دعویدار نہیں ہو سکے گا۔ البلاغ المبین ص ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۲۔

یہ تفریقِ غلام و آزاد کیسی۔ وہ اشعار پھر تو پڑھیئے۔ ؎

در نگاہِ او یکے بالا و پست   با غلامِ خویش بریک خواں نشست

حضرت عمر کا طرزِ عمل بالکل اس کے خلاف ہے لہٰذا غیر اسلامی ہے۔ آخر کوئی اصول تو قائم کرو۔ کہیں تو جمو۔ یہ بے اصولا پن کب تک اور کہاں تک۔

آپ جو حکام سقیفہ پر شیفتہ ہیں اس کی وجہ کیا ہے۔ آبائی عقیدہ کے علاوہ اور تو کوئی وجہ نظر نہیں آتی۔ انہوں نے اسلام کے لئے کوئی فائدہ کی بات نہیں کی۔ جو کچھ کیا وہ اسلام کے لئے مضر ہی ثابت ہوا۔ حکومت کا نمونہ حکومت کے اصول ایسے قائم کئے جنہوں نے اسلام کا نقشہ ہی بدل دیا۔ انہوں نے ایسی حکومتوں کی بنیاد رکھی جو امت محمدیہ کو اسلام سے کفر کی طرف لے گئیں۔ جس شخص میں تاریخ دانی اور تاریخ فہمی کی ذرا سی بھی صلاحیت ہے وہ فوراً ہی معلوم کرے گا کہ حکومتِ بنو امیّہ کی بنیاد حضرت عمر نے رکھی تھی اور یہ سلطنت حضرت عمر کی کوششوں کا نتیجہ تھی۔ اس امر کو ہم بارہا

جنا چکے ہیں۔ اور بنو عباس کے مورث اعلیٰ عبد اللہ ابن عباس حضرت عمر کے خاص مقتدیوں میں سے تھے۔ عمر ابن عبد العزیز کا ذکر کرتے ہوئے سید ابوالاعلیٰ مودودی زمانۂ حال کے بہترین سیاسی مفکرِ اسلام کہتے ہیں:۔

"پھر انہوں نے سیاسی اقتدار سے کام لیکر لوگوں کی ذہنی، اخلاقی اور معاشرتی زندگی سے جاہلیت کے ان اثرات کو نکالنا شروع کیا جو نصف صدی کی جاہلی حکومت کے سبب سے اجتماعی زندگی میں پھیل گئے تھے۔.......

اسلام کے اس مجدد اول کو صرف ڈھائی سال کام کرنے کا موقع ملا۔ اور اس مختصر سی مدت میں اس نے یہ انقلاب عظیم برپا کر کے دکھا دیا۔ بنی اُمیّہ کا پورا خاندان اس بندۂ خدا کا دشمن ہوگیا تھا۔ اسلام کی زندگی میں ان لوگوں کی موت تھی وہ اس تجدید کے کام کو کس طرح برداشت کر سکتے تھے۔ آخر کار انہوں نے سازش کرکے زہر دیدیا۔"

تجدید و احیائے دین صفحہ ۳۱، ۳۲

دیکھا آپنے؟ بنو امیّہ کی سلطنت جاہلیت یعنی کفر کی حکومت تھی۔ اور اسلام کی زندگی میں بنو امیّہ کی موت تھی۔ یہ تھی وہ حکومت جس کو حضرت عمر نے بہت کوشش کرکے قائم کیا تھا۔

اس کے بعد کیا ہوا؟ یہی زبردست سیاسی مفکرِ اسلام لکھتا ہے:۔

"عمر بن عبد العزیز کے بعد سیاست و حکومت کی باگیں مستقل طور پر جاہلیت کے ہاتھوں میں چلی گئیں اور بنی اُمیہ، بنی عباس اور پھر ترکی النسل بادشاہوں کا اقتدار قائم ہوا۔ ان حکومتوں نے جو خدمات انجام دیں ان کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک طرف یونان، روم اور عجم کے جاہلی فلسفوں کو جوں کا توں لے کر

مسلمانوں میں پھیلادیا اور دوسری طرف علوم و فنون اور تمدن و معاشرت میں جاہلیت اولیٰ کی تمام گمراہیوں کو اپنی دولت اور طاقت کے زور سے شائع و ذائع کیا........ پانچویں صدی تک پہنچتے پہنچتے یہ حال ہوگیا کہ یونانی فلسفے کی اشاعت سے عقائد کی بنیادیں ہل گئیں۔ محدثین و فقہاء علوم عقلیہ سے ناواقف تھے اس لئے نظام دین کو مقتضائے زمانہ کے مطابق معقولی انداز سے سمجھا نہ سکتے تھے اور زجر و توبیخ سے اعتقادی گمراہیوں کو دبانے کی کوشش کرتے تھے۔ علوم عقلیہ میں جن لوگوں کے کمال کا شہرہ تھا وہ نہ صرف یہ کہ علوم دینیہ میں کوئی بصیرت نہ رکھتے تھے بلکہ فلاسفۂ یونان کے بالکل غلام تھے اور ان میں کوئی ایسا بالغ النظر آدمی نہ تھا جو تنقید کی نگاہ سے اس یونانی لٹریچر کا جائزہ لیتا۔ متکلمین کا جو گروہ اسلام کی "حمایت" کے لئے اٹھا اس نے وحی یونانی کو تو اٹل سمجھکر جوں کا توں تسلیم کرلیا اور وحی آسمانی کو توڑنا اور مروڑنا شروع کیا تاکہ اس کے مطابق ڈھل جائے۔ ان حالات کا عام مسلمانوں پر یہ اثر ہوا کہ وہ دین کو ایک غیر معقول چیز سمجھنے لگے۔ اس کی ہر چیز انہیں مشکوک نظر آنے لگی...... امام ابوالحسن اشعری اور ان کے متبعین نے اس رو کو بدلنے کی کوشش کی، مگر یہ گروہ متکلمین کے علوم سے تو واقف تھا لیکن معقولات کے گھر کا بھیدی نہ تھا... بلکہ معتزلہ کی ضد میں اس نے بعض ایسی باتوں کا التزام کیا جو فی الواقع عقائد دین میں سے نہ تھیں...... مشرق سے مغرب تک مسلم ممالک میں ہر طرف اخلاقی انحطاط رونما ہوگیا۔ جس کے اثر سے کوئی طبقہ خالی نہ رہا..... علماء، امراء، عوام سب بھول گئے کہ خدا کی

کتاب اور رسولؐ کی سُنت بھی کوئی چیز ہے۔ جس کی طرف ہدایت ورہنمائی کے لئے کبھی رجوع کرنا چاہیئے۔ شاہی درباروں، خاندانوں اور حکمران طبقوں کی عیاشانہ زندگی اور خود غرضانہ لڑائیوں کی وجہ سے عموماً رعایا تباہ حال ہو رہی تھی۔

تجدید و احیائے دین ص ۳۴، ۳۵

ان عبارتوں پر غور کرنا ضروری ہے۔ ہمارے بہت سے دعوے اس شہادت سے ثابت ہوتے ہیں۔ بنوامیہ و بنوعباس کی حکومتیں جن کے مادی عروج کو حضرت عمر کی مدح میں پیش کیا جاتا ہے۔ محض جاہلیت یعنی کفر کی حکومتیں تھیں۔ یہی رائے ہر ایک مفکر کی رہی ہے۔ سید ابوالحسن ندوی کی عبارت ہم پہلے نقل کر چکے ہیں۔ یہ ہے سقیفہ کی کارکردگی۔ کیونکہ حکومتِ سقیفہ ہی نے بنوامیہ کی سلطنت قائم کی اور یہ جانتے ہوئے قائم کی کہ یہ لوگ آخر تک اسلام اور رسول اسلام کے بدترین مخالف رہے ہیں۔ جب بالکل شکست ہو گئی تو ناچار بددلی سے کلمۂ لا الہ الا اللہ پڑھ دیا۔ دل سے ہمیشہ اپنے سابقہ کفر پر اڑے رہے۔ یہی بیان ہے مسٹر خدا بخش متوطن بانکے پور کا جن کی عبارت ہم پہلے نقل کر چکے ہیں۔ حکومتِ سقیفہ نے کوئی ایک قاعدہ اور اصول خلیفہ کے مقرر کرنے کا قائم نہیں کیا تھا۔ بلکہ جس کی لاٹھی اُس ہی کی بھینس کے کلّیہ کو رائج کیا تھا۔ یہ ہی کلیہ بعد کی تمام آنے والی حکومتوں نے اختیار کیا اور اسلام کی وہ حالت ہو گئی جس کا رونا اب تک رو یا جا رہا ہے۔

لے دے کے اب صرف دائرے کو یہاں تک محدود کر لائے ہیں کہ خلافت راشدہ کا تیس سال کا زمانہ تو اصلی اسلامی حکومت کا زمانہ تھا۔ خلافتِ الٰہیہ کا زمانہ تھا۔ اس کے بعد جو لوگ آئے انہوں نے اسلام کو خراب کر دیا۔ اسکے لئے بیچارے حضرت عمر کا کیا قصور۔ بجا فرمایا۔ جو فرمایا وہ سر آنکھوں پر لیکن بعد کے آنے والوں کے لئے دروازہ کس نے کھولا۔ خاندانِ رسالت و معدنِ نبوت

میں سے حکومت کو نکال کر گلی کوچوں میں کس نے اُچھالا۔ جو لوگ اسلامیوں کو اسلامی راہ پر چلانے کی اہلیت رکھتے تھے ان کو کس نے حکومت سے محروم رکھا۔ اسلام کے دشمنوں کو کس نے خوش آمدید کہی۔ جب یہ سب کچھ کرلیا تو اس کے نتیجوں سے گریز کرنے کے کیا معنی۔ اور اس خلافتِ راشدہ کا حال بھی سُنئے۔ سید ابوالاعلیٰ مودودی فرماتے ہیں :۔

خاتم النبیین سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سارا کام ۲۳ سال کی مدت میں تکمیل کو پہنچا دیا۔ آپ کے بعد ابو بکر صدیق اور عمر فاروق رضی اللہ عنہما دو ایسے کامل لیڈر اسلام کو میسر آئے جنہوں نے اسی جامعیت کے ساتھ آپ کے کام کو جاری رکھا۔ پھر زمام قیادت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف منتقل ہوئی اور ابتدا ٔ چند سال تک وہ پورا نقشہ بدستور جما رہا جو نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے قائم کیا تھا۔

جاہلیت کا حملہ | مگر ایک طرف حکومتِ اسلامی کی تیز رفتار وسعت کی وجہ سے کام روز بروز زیادہ سخت ہوتا جارہا تھا۔ اور دوسری طرف حضرت عثمان جن پر اس کارِ عظیم کا بار رکھا گیا تھا اُن تمام خصوصیات کے حامل نہ تھے جو اُنکے جلیل القدر پیش روؤں کو عطا ہوئی تھیں۔ اس لئے جاہلیت کو اسلامی نظام اجتماعی کے اندر گھس آنے کا راستہ مل گیا۔ حضرت عثمان نے اپنا سر دے کر اس خطرے کا راستہ روکنے کی کوشش کی مگر وہ نہ رُکا۔ ان کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ آگے بڑھے اور انہوں نے اسلام کے سیاسی اقتدار کو جاہلیت کے تسلّط سے بچانے کی انتہائی کوشش کی مگر ان کی جان کی قربانی بھی اس انقلاب معکوس (Counter Revolution) کو

نہ روک سکی۔ آخرِ کار خلافت علی منہاج النبوۃ کا دور ختم ہو گیا.....
اور اس طرح حکومت کی اساس اسلام کے بجائے پھر جاہلیت پر قائم ہو گئی۔
حکومت پر قبضہ کرنے کے بعد جاہلیت نے غرض سرطان کی طرح اجتماعی زندگی میں اپنے ریشے بتدریج پھیلانے شروع کر دیئے کیونکہ اقتدار کی کنجی اب اسلام کے بجائے اس کے ہاتھ میں تھی۔ اور اسلام زورِ حکومت سے محروم ہونے کے بعد اس کے نفوذ و اثر کو بڑھنے سے نہ روک سکتا تھا۔ سب سے بڑی مشکل یہ تھی۔ کہ جاہلیت بے نقاب ہو کر سامنے نہ آئی تھی بلکہ "مسلمان" بن کر آئی تھی۔ کھلے دہریئے یا مشرکین و کفار سامنے ہوتے تو شاید مقابلہ آسان ہوتا۔ مگر وہاں تو آگے آگے توحید کا اقرار، رسالت کا اقرار، صوم و صلوٰۃ پر عمل قرآن و حدیث سے استشہاد تھا اور اس کے پیچھے جاہلیت اپنا کام کر رہی تھی۔ ایک ہی وجود میں اسلام اور جاہلیت کا اجتماع ایسی سخت پیچیدگی پیدا کر دیتا ہے کہ اس سے عہدہ برآ ہونا ہمیشہ جاہلیتِ صریحہ کے مقابلہ کی بہ نسبت ہزاروں گنا زیادہ مشکل ثابت ہوا ہے۔ عریاں جاہلیت سے لڑیئے تو لاکھوں مجاہدین سر ہتھیلیوں پر لئے آپ کے ساتھ ہو جائیں گے اور کوئی مسلمان اسکی حمایت علانیہ نہ کر سکے گا۔ مگر اس مرکب جاہلیت سے لڑنے جایئے تو منافقین ہی نہیں بہت سے اصلی مسلمان بھی اس کی حمایت پر کمربستہ ہو جائیں گے اور الٹا آپ کو موردِ الزام بنا ڈالیں گے۔ جاہلی امارت کی مسند اور جاہلی سیاست کی رہنمائی پر "مسلمان" کا جلوہ افروز ہونا جاہلی تعلیم کے مدرسے میں "مسلمان" کا معلم ہونا جاہلیت کے سجادہ پر

"مسلمان" کا مرشد بن کر بیٹھنا وہ زبردست دھوکا ہے جس کے فریب میں آنے سے کم ہی لوگ بچ سکتے ہیں۔

اس معکوس انقلاب کا سب سے زیادہ خطرناک پہلو یہی تھا کہ اسلام کا نقاب اوڑھ کر تینوں قسم کی جاہلیتوں نے اپنی جڑیں پھیلانی شروع کر دیں اور ان کے اثرات روز بروز زیادہ پھیلتے چلے گئے۔

جاہلیت خالصہ نے حکومت اور دولت پر تسلط جمایا نام خلافت کا تھا اور اصل میں وہ ہی بادشاہی تھی جس کو مٹانے کے لئے اسلام آیا تھا۔

تجدید و احیائے دین صفحہ ۱۷، ۱۸، ۱۹

اب آپ ان عبارات پر غور کریں۔ دیکھئے وہ تیس سالہ خلافتِ راشدہ گھٹ کر اب صرف بارہ سال کی عمر کی رہ گئی۔ صرف حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ نے آنحضرتؐ کے کام کو اُسی طرح چلایا۔ اُن کے بعد حضرت عثمان اُن کے جیسے خصائلِ حمیدہ کے حامل نہ تھے۔ جاہلیت یعنی کفر کا سیلاب بڑھنے لگا۔ حضرت علیؑ نے اُس سیلاب کے روکنے کی بڑی کوشش کی لیکن نہ رُکا گویا کفر کا تسلط حضرت عثمان کے زمانہ سے تو شروع ہو گیا۔ خلافتِ راشدہ خالی از کفر تو صرف حضرت ابوبکر و حضرت عمر کے زمانہ میں رہی۔ اور وہ تقریباً بارہ سال کا عرصہ تھا۔ اب دیکھئے ہم میں اور آپ میں کتنا ذرا سا فرق رہ گیا۔ ہم کہتے ہیں کہ آنحضرتؐ کی رحلت کے بعد ہی جاہلیت یعنی کُفر نے امتِ محمدیہ پر تسلط کرنا شروع کر دیا۔ آپ کہتے ہیں کہ نہیں۔ کُفر نے آنحضرتؐ کی امت پر تسلط تو ضرور کیا لیکن آنحضرت صلعم کے انتقال کے بارہ برس بعد کیا۔

ہم ابھی اس دوازدہ سالہ کی بھی کیفیت اور ماہیت پر بحث کرتے ہیں

ذرا یہاں ایک نکتہ حل کرتے چلیں۔ شیعہ اقلیت پر الزام لگایا جاتا ہے۔ اقلیت ہمیشہ مورد الزام ہی رہا کرتی ہے۔ کہ دیکھو یہ خدا کے بندے جناب رسولِ خدا کی کس طرح توہین کرتے ہیں یہ کہہ کر کہ آنحضرتؐ کے انتقال کے بعد ہی امت اسلامیہ کی اکثریت نے کفر کی طرف رجعت کی۔ کیا جناب رسولِ خدا کی تعلیم و صحبت ایسی غیر مستقل، کمزور، بے اثر، بے تاثیر، بے جان بے روح تھی کہ اِدھر آپ کا انتقال ہوا اُدھر اس تعلیم کا اثر جاتا رہا۔ لیکن غور تو کیجئے کہ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔ کہیں آپ بھی تو وہی نہیں کہہ رہے ہیں جو شیعہ کہتے ہیں۔ آپ فرماتے ہیں کہ آنحضرتؐ کے رحلت کرتے ہی نہیں بلکہ رحلت کے بارہ سال بعد امتِ اسلامیہ پر کفر مستولی ہو گیا۔ لیکن وہ بارہ سال کس طرح سنبھلے۔ حضرت ابوبکر و حضرت عمر کی زبردست شخصیت نے سنبھالا۔ یہ دونوں مہر و ماہِ اسلام نظامِ محمدی کو اسی طرح چلاتے رہتے جس طرح کہ وہ پہلے چل رہا تھا۔ اگر یہ دونوں نہ ہوتے۔ یا ان کی شخصیت ایسی زبردست نہ ہوتی تو یہ بارہ سال بھی نہ گزرتے۔ اور آنحضرتؐ کے انتقال کرتے ہی وہ سب کچھ ہو جاتا جو بارہ سال کے بعد ہوا۔ امتِ اسلامیہ میں تو کفر کی طرف رجعت کرنے کی اہلیت شروع ہی سے تھی۔ ان بزرگواروں نے اس کو تھامے رکھا۔ یہ تو ان دونوں بزرگواروں کی مدح ہے۔ جناب رسول خدا کی تعلیم یا نظام کی تو تعریف نہیں ہے۔ وہ تعلیم تو بودی، کمزور، بے روح، بے جان ہی تھی ایسی کہ اگر یہ دونوں بزرگوار نہ ہوتے تو آنحضرتؐ کے انتقال ہی پر سارا شیرازہ بکھر جاتا۔ یہ تو وہی ہے جو آپ شیعوں کی طرف منسوب کرتے ہیں بلکہ شیعہ تو اس طرح کہتے بھی نہیں۔ وہ تو کہتے ہیں کہ آنحضرت کی تعلیم تو کامل تھی۔ جس زمین میں وہ تخم بویا گیا تھا وہ زمین شور تھی۔ جو اچھی زمین تھی وہ دیکھو کیسے ہرے بھرے پھل پھول لائی۔ کربلا کے گلستان کی طرف دیکھو۔

کربلا کو محمدؐ پر اور محمدؐ کو کربلا پر ناز ہے۔ آنحضرتؐ کی تعلیم توحید تو ایسی مستقل اور دائمی اثر رکھنے والی تھی کہ آخرکار اب ساری دنیا اسی طرف جا رہی ہے۔ ہر ایک فرقہ اپنے تئیں موحد کہنے پر فخر کرتا ہے۔ آریہ۔ سکھ۔ عیسائی اب سب یہی کہنے لگے ہیں کہ خدا ایک ہے۔ تعلیم تو یہ تھی۔ اگر عرب کی فطرت نے دنیا کی وجاہت و ثروت سے مرعوب ہو کر خالص دین کو چھوڑ دیا تو ایسا تو ہوا ہی کرتا ہے۔ کہیں فطرت بھی بدلی ہے۔ خبر نہیں کب سے ابلیس حضورِ خداوندی میں تھا۔ لیکن فطرت نہ بدلی۔ کان من الجن۔ لہٰذا نافرمانی کی اور عذابِ ابدی میں مبتلا ہوا۔

اب ہم اُس دوازدہ سالہ خلافتِ راشدہ پر غور کرتے ہیں۔ اس کی ابتدا کو لیجئے۔ کیا اس کو خدا و رسول خدا نے مقرر کیا تھا۔ آپ کو اپنے عقیدہ کے مطابق جواب دینا پڑے گا کہ نہیں۔ اس کو کس نے مقرر کیا تھا؟ تین مہاجرین و چند انصار نے۔ بقول حضرت عمر انصار کا حق خلافت میں نہیں تھا۔ پھر ان کا خلیفہ مقرر کرنا ناجائز ہوا۔ جس کا اپنا حق کسی عہدہ میں نہ ہو وہ عہدہ کے لئے کسی کو منتخب نہیں کر سکتا۔ اگر میں خود میونسپل کمشنر مقرر ہونے کی شرائط اپنے میں رکھتا ہوں تب کسی کے لئے میونسپل کمشنری کی رائے دے سکوں گا۔ ورنہ نہیں۔ اب رہے تین مہاجر۔ ان تین کو کیا حق تھا کہ ساری امت اسلامیہ کا حاکم مقرر کریں۔ یہ خلافت مبنی تھی تفرقہ امت پر۔ ساری بحث یہ تھی کہ خلیفہ کس فرقہ یا قبیلہ میں سے ہو۔ امت اسلامیہ کو ایک جسم مقرر کر کے تو خلیفہ منتخب نہ کیا۔ بلکہ اس کو فرقوں پر تقسیم کر دیا۔ ایسی جگہ مقرر کی جہاں مشورہ ہائے باطل ہوا کرتے تھے۔ اور بہت سی باتیں ہیں کس کس کا ذکر کیا جائے۔ اس دوازدہ سالہ کی کارکردگی ملاحظہ ہو۔ اس کا ایک کارنمایاں تھا وہ یہ کہ بنوامیہ کی جڑ مضبوط کر دی۔ ممکن ہے کہ کہا جائے کہ دیکھو فتوحاتِ ملکی اسی دوازدہ سالہ کے عشرہ

وناز کا نتیجہ ہیں تو اس سرعت فتوحات کی خرابیاں ہم بیان کر چکے ہیں۔ اور مودودی صاحب بھی ہمارے ہم رائے ہیں۔ لیکن بہت نرم الفاظ میں فرماتے ہیں۔ جہاں جاہلیت کے حملہ کا ذکر ہے وہاں کہتے ہیں کہ حکومت اسلامی کی تیز رفتار وسعت کی وجہ سے کام روز بروز سخت ہوتا جارہا تھا۔ یعنی یہ بُری بات تھی جو کام میں مشکلات پیدا کردے وہ بُراہی ہوتا ہے۔ مودودی صاحب یہ بھی فرماتے ہیں کہ مسلمانوں نے یونان کے فلسفہ کو جوں کا توں لے لیا اور اس سے مرعوب ہوگئے اس فلسفہ نے اسلام کو خراب کر دیا۔ یہ وہ ہی بات ہے جو ہم کہہ رہے تھے۔ ایسا کیوں ہوا۔ اس وجہ سے کہ مسلمانوں کے پاس اپنے مذہب کا صحیح علم نہ تھا۔ ابھی صحیح تاویل قرآن و صحیح عمل لوگوں میں رائج و راسخ نہ ہوئے تھے۔ کہ باہر فتوحات پر بھیجدئے گئے۔ وہاں یونان و ہندوستان و ایران کے فلسفوں سے مقابلہ ہوا تو میدان چھوڑ کر بھاگ گئے۔

حکومتِ بنو امیہ کیا تھی؟ جاہلیت خالصہ یعنی کفرِ محض۔ علامہ مودودی نے بنو اُمیہ و بنو عباس کا نہایت عمدہ و صحیح نقشہ کھینچا ہے جب فرمایا ہے کہ دراصل یہ کفرِ محض تھے۔ اسلام کا اوپر سے ظاہری پردہ ڈال لیا تھا۔ اس سے بہتر و صحیح کیفیت بنو امیہ و بنو عباس کی بیان نہیں ہوسکتی۔ علامہ موصوف نے اُن بزرگواروں کا بھی ذکر کیا ہے۔ جنہوں نے بنو امیہ کے کفر کے بڑھتے ہوئے سیلاب کا مقابلہ کیا۔ اور دین کے احیاء کو اُن کی کوششوں کا مرہونِ منت ٹھہرایا ہے۔ لیکن افسوس و صد افسوس حکومت سقیفہ کی تعلیم کا اثر اب تک لوگوں کے دلوں سے نہ نکلا سب کا تو ذکر کیا۔ حسینؑ کا ذکر نہ کیا جس نے سب سے پہلے اس بڑھتے ہوئے کفر کے سیلاب کو روکا اور اس بہادری سے روکا کہ جس کی مثال نہیں ملتی۔ اخفائے فضائل اہلبیت کا جو حکم دربارِ حکومتِ سقیفہ سے صادر ہو چکا ہے اس کی تعمیل اب تک ہو رہی ہے

اور اہلبیت علیہم السلام پر جو مظالم کا سلسلہ شروع ہوا تھا وہ اب تک جاری ہے

ہمیں ان بزرگواروں کے بے اصولے پن کا بار بار ذکر کرتے ہوئے شرم آتی ہے لیکن کیا کریں واقعات نظر کے سامنے آئے جاتے ہیں۔ جب حضرت عمر نے اصحاب شوریٰ مقرر کئے تو ہر ایک کی برائی بیان کی اور اس کو تسلیم کیا کہ اگر علی خلیفہ ہو گئے تو امت کو صراط مستقیم پر چلائیں گے۔ اس کا ذکر ہم کر چکے ہیں۔ حضرت عبدالرحمٰن ابن عوف کو فرعونِ امت کا لقب دیا تھا۔ واقعی۔ نسبت درست خوب سمجھے۔ لیکن حضور پھر اُن ہی کو آپ اس اہم مسئلہ کے حل کے لئے ثالث مقرر کرتے ہیں اور اپنے بیٹے عبداللہ سے اتنی تاکید کہ جس طرف عبدالرحمٰن بن عوف ہوں اُدھر ہی تم ہونا۔ فرعون بھی اور یہ عظمت بھی۔ کیا آپ حکومتِ فرعونیہ کے لئے خلیفہ مقرر کر رہے ہیں۔ ہم تو سمجھتے تھے کہ حکومت الٰہیہ کے لئے خلیفہ مقرر کیا جا رہا ہے۔ کبھی تو ایک اصول، ایک بات پر قائم رہنا چاہیئے۔

حکومتِ سقیفہ کی محبت میں ان بزرگواروں نے نبوت اور حامل نبوت کو کس قدر گرایا ہے۔ پہلے تو نبوت میں سے حکومت نکال لی۔ چونکہ حکومت کا حاکم خود انہوں نے اپنے صلاح و مشورہ سے مقرر کیا تھا۔ لہٰذا انہیں کہنا پڑا کہ نبوت میں حکومت شامل نہیں ہے۔ اس ہی وجہ سے حضرت عمر آنحضرتؐ کے احکام میں مداخلت فرمایا کرتے تھے۔ آخر کار مولوی شبلی نے ایک گُر قائم کیا کہ اگر حضرت عمر اُن امور میں مداخلت کرتے جو نبوت کے اندر ہیں تو ہم اُن کو مسلمان بھی نہ سمجھتے۔ ہم نے ثابت کر دیا اور وہ بھی مولوی شبلی کی زبانی کہ نبوت کا کوئی حصہ نہ تھا جس میں حضرت عمر نے مداخلت نہ کی ہو۔ حج، روزہ، نماز۔ کلمہ طیبہ، اذان وغیرہ سب میں مداخلت فرمایا کرتے تھے۔ نوبت بایں جا رسید کہ تمام فقہ اسلامی پر حضرت عمر کا قبضہ ہو گیا اور اپنے عقل و قیاس کی بناء پر سارے اسلام کو ترمیم و تنسیخ کر ڈالا مولوی شبلی

کہتے ہیں کہ آنحضرتؐ کا قائم کردہ فقہ زمانہ کی ترقی و عروج کے دوش بدوش چلنے کی اہلیت نہیں رکھتا تھا۔ لہٰذا حضرت عمر نے اس کو ترمیم کر ڈالا۔ اور ایسے اصول قائم کئے جو آج تک سب امور پر حاوی ہیں۔ یہ توہین رسولؐ و رسالت کی آخری حد ہے

اب ہم اپنے بھائیوں کی توجہ ان کے عقیدہ کی طرف مبذول کراتے ہیں اگر آپ کے عقائد کو ایک جگہ جمع کیا جائے تو آپ کا مذہب یہ ہے:۔

ہم حضرت عمر کے اس اصول کی پیروی کرتے ہیں حسبنا کتاب اللہ۔ کتاب اللہ ہماری ساری ضرورتوں کے لئے کافی ہے۔ اس میں ہمارے لئے دین و دنیا کے مسائل درج ہیں۔ جہاں وہ سمجھ میں نہیں آئے گی اس کی تاویل ہم اپنی عقل و قیاس سے کریں گے۔ کسی ہادی کی ضرورت نہیں ہے لیکن اس کتاب اللہ میں جانشینیٔ رسول کا تذکرہ نہیں ہے۔ نہ اس کے لئے کوئی ہدایت ہے۔ اور نہ ہی بذریعہ وحی خداوند تعالیٰ نے اپنے رسول کو ان کے جانشین کی خبر دی اور نہ امت کو اس ہادی کی شناخت بتائی۔ ہاں یہ ضرور کہہ دیا۔ کہ جس نے اپنے زمانہ کے امام کو شناخت نہ کیا اور اسی حالت میں مر گیا، تو وہ جاہلیت کی موت مرا۔ آپ سے پہلے تمام انبیاء اپنے بعد کے ہادی کو خود مقرر کرتے رہے ہیں اور اس کی نشانیاں بتاتے رہے ہیں۔ لیکن رسولِ خدا کے لئے یہ ممنوع قرار دیا گیا۔ اگرچہ جانشینیٔ رسول نہایت اہم امر ہے۔ ایسا اہم کہ حضرات شیخین غسل و کفنِ رسول کو چھوڑ کر اس کی طرف متوجہ ہو گئے اور حضرت عمر ہمیشہ اس ہی فکر میں غلطاں و پیچاں رہتے تھے کہ کس کو اپنا جانشین مقرر کریں اور ہر ایک خلیفہ نے اپنا جانشین مقرر کیا۔ لیکن نہ تو خدا ہی کو اس کا خیال آیا اور نہ رسول خدا نے اس کی طرف توجہ کی۔ نہ تو اپنا جانشین خود مقرر کیا۔ اور نہ کوئی مجلس شوریٰ اس کے انتخاب کے لئے قائم کی اور آپ کو یہ بھی خیال نہ آیا کہ خداوند تعالیٰ جو مجھ سے سوال کریگا کہ اپنی امت پر کس کو والی و نگراں مقرر کر کے آئے ہو تو میں کیا جواب دوں گا۔ حالانکہ حضرت

ابوبکر و حضرت عمر کو تو یہ ہی خیال مارے ڈالتا تھا۔ رعایا کا تو یہ حق تھا نہیں کیونکہ اگر رعایا کا حق ہوتا تو حضرت ابوبکر کیوں اپنا جانشین مقرر کرتے اور حضرت عمر کیوں قواعد و شرائط سے جکڑی ہوئی صرف چھ آدمیوں کی مجلس شوریٰ مقرر کرتے۔ کوئی وجہ نہیں بتائی جا سکتی کہ جناب رسول خدا نے اس اہم امر کی طرف سے کیوں بے توجہی کی۔ محبت آل رسول ہم پر فرض ضرور ہے لیکن فدک و خلافت چھیننا اس محبت کے منافی نہیں۔ ہم اپنی محبتِ پدری کی وجہ سے تو اپنی اولاد کو ورثہ ضرور دیں گے لیکن محبت رسول و آلِ رسول کوئی ایسی شے نہیں کہ ہم اس سے متاثر ہو کر رسول کا ترکہ اس کی بیٹی کو دیں۔ اگرچہ حسبنا کتاب اللہ۔ لیکن ہم اس امر وراثت کے فیصلے کے لئے اس کی طرف بھی توجہ نہیں کرنا چاہتے۔ یوں عام طور سے تو ہم کو ہدایت رسول کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ حسبنا کتاب اللہ۔ لیکن اس موقع پر یہی بہتر ہے کہ رسول کے منہ سے ایک حدیث لا نورث بیان کر کے اس جھگڑے کو توسطے کر دیں۔ پھر دیکھا جائے گا۔ رسول خدا نے یہ فرما دیا کہ جس نے اپنے زمانہ کے امام کو نہ پہچانا اور وہ مر گیا تو وہ جاہلیت کی موت مرا۔ اور یہ بھی فرما دیا کہ اس امت میں میرے بارہ خلفاء انبیاء بنی اسرائیل کی طرح ہوں گے۔ لیکن یہ نہ بتایا کہ ہر زمانہ کے امام کون ہوں گے اور وہ بارہ خلفاء کون ہوں گے۔ لہذا اب امت ٹپے ٹوئیاں مارنے پر مجبور ہے۔ کوئی یزید و ولید ہی کو حکومت الٰہیہ میں شامل کرنے پر مجبور ہے۔ امت نے آخر کار یہ فارمولا قائم کیا کہ جس کو سب نے مانا وہ ایک خلیفہ ہوا۔ ہارون و مامون بڑے عظیم الشان بادشاہ تھے لیکن چونکہ اندلس ان کے زیر نگین نہ تھا لہذا وہ خلیفہ رسول نہ تھے گو یا بنی امیہ۔ یا یوں کہو کہ عمر ابن عبدالعزیز کے بعد دنیا خلفاء رسول سے خالی ہو گئی اور پھر بھی قیامت نہ آئی۔ ہارون و مامون کے زمانہ میں کوئی خلیفۂ رسول نہ تھا۔ اور یہ ان کے

بعد کوئی خلیفۂ رسول ہوا۔ اُن کے زمانہ میں جتنے مسلمان مرے وہ جاہلیت کی موت یعنی کافر مرے۔ کیونکہ ان کے زمانہ میں کوئی امام تو تھا ہی نہیں۔ وہ شناخت کیا کرتے۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ یہ امر عقل سلیم اور صحیح منطق اور انصاف کے خلاف ہے۔ لیکن حکومتِ سقیفہ کے افعال حدودِ عقل و منطق و انصاف سے ہمیشہ آزاد رہے۔ چنانچہ یہ جانتے ہوئے کہ علی معصوم ہیں۔ آیۂ تطہیر میں داخل ہیں۔ کبھی کفر نہیں کیا۔ حکومتِ الہٰیہ کو چلانے کے لئے ہم سب سے زیادہ موزوں ہیں، یہ سب جانتے ہوئے اُن کو نظر انداز کر دیا۔ اور خود حکومتِ الہٰیہ پر قبضہ کر بیٹھے۔ قرآن شریف کو اتنا تو پڑھا تھا کہ جب ابراہیمؑ نے امر امامت کی دُعا اپنی ذرّیت کے لئے کی تو خداوند تعالیٰ نے فرمایا کہ لاینال عہدی الظالمین۔ یہ میرا امرِ امامت ظالموں کو نہیں پہنچتا اور کفر قرآن شریف میں سب سے بڑا ظلم شمار کیا گیا ہے۔ چالیس برس تک کُفر کرتے رہے۔ بتوں کو خدا سمجھتے رہے۔ اتنے بڑے ظلم کے مُرتکب ہوئے اور پھر امامتِ الہٰیہ پر قبضہ کر بیٹھے۔

یہ ہے وہ عقیدہ جو آپ کو اپنے آبا و اجداد سے ملا ہے۔

لیکن جس عقیدہ کی طرف ہم آپ کو بُلانا چاہتے ہیں وہ یہ ہے:۔

جناب رسول خدا کو سب سے زیادہ اسلام کی بہتری کا خیال تھا۔ بحکم خداوندی آپ نے حضرت علیؑ کو اپنا جانشین منتخب کیا اور اسی خیال سے شروع سے اپنے زیر نگرانی رکھا اور خود تعلیم دی۔ دعوتِ ذی العشیرہ پر اور دیگر موقعوں پر آپ اس کا اعلان بھی کرتے رہے۔ اور پھر خداوند تعالےٰ کے خاص حکم یَا اَیُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَا اُنْزِلَ اِلَیْكَ مِنْ رَّبِّكَ۔ الآیۃ کے ماتحت آپ نے تمام امت کے سامنے اس کا اعلان کر دیا۔ یہ امر دعائے ابراہیمی کے بالکل مطابق تھا اور

بوجہ معصوم ہونے کے اور سب سے زیادہ علم رکھنے کے حضرت علیؑ اس امرِ خلافت کے اہل بھی تھے۔ کبھی کفر نہیں کیا تھا۔ کبھی بتوں کے آگے سجدہ نہیں کیا۔ کسی جنگ میں خوفِ جان سے رسولِ خدا کو میدانِ جنگ میں اکیلا چھوڑ کر نہیں بھاگے ہر ایک لڑائی علی نے فتح کی۔ خود خطروں میں پڑ کر پیغمبرِ اسلام اور اسلام کی حفاظت ہر طرح کی۔ جب یہ حکومت علی کی تلوار نے حاصل کر لی تو اب کیسے ہو سکتا ہے کہ آنحضرتؐ اس حکومت کو اُن لوگوں کے حوالہ کر دیتے جو اپنی عمر کے چالیس سال کفر کے ظلم و گندگی میں رہے۔ قرآن شریف میں علی کی جابجا تعریف ہے۔ علی نے اپنی جان راہِ الٰہی میں بیچ کر خداوند تعالیٰ کی رضامندی حاصل کی تھی۔ لہٰذا حکومتِ الٰہیہ کے سب سے پہلے مستحق تھے حکومتِ الٰہیہ کے حکام کا انتخاب لوگوں کی رایوں پر نہیں چھوڑا جا سکتا۔ جس طرح کہ پیغمبر کا انتخاب عوام الناس کی رایوں سے بالاتر ہے۔

آپ کی عقلِ سلیم کیا کہتی ہے۔ ان دونوں میں سے جونسا عقیدہ بہتر نظر آئے وہ ہی اختیار کر لیں۔ آگے آپ کی مرضی۔ ؎

مانو نہ مانو جانِ جہاں اختیار ہے
ہم نیک و بد حضور کو سمجھائے جاتے ہیں

یہ مجھکو ماننا پڑے گا کہ اس باب میں مجھے بہت سی باتیں دوہرا کر کہنی پڑیں جو میں پہلے کہہ چکا تھا۔ تکرار کی بڑی وجہ تو یہ ہوتی ہے کہ ایک ہی مضمون یا واقعہ کئی عنوانوں کے تحت میں آتا ہے۔ اور سلسلہ بیان اور اثر قائم رکھنے کے لئے ہر عنوان کے نیچے اسے ذکر کرنا پڑتا ہے۔ دوسرے یہ بھی ہے کہ مضمون کی اہمیت کی وجہ سے اُسے کئی طریقوں سے کہنا پڑتا ہے تاکہ

اچھی طرح ذہن نشین ہو جائے۔ نظیر تو بہت عظیم الشان ہے۔ کیا عرض کروں چھوٹا منہ بڑی بات ہے۔ مولوی محمد حفظ الرحمن کے قصص القرآن حصہ اول کے پیش لفظ سے ذیل کی عبارت نقل کرنے پر اکتفا کرتا ہوں۔ گزشتہ قوموں کے واقعات کی تکرار جو قرآن شریف میں ہے اس کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں :-

اسی لئے قرآن عزیز میں ان کی تکرار پائی جاتی ہے تاکہ سامعین کے دل میں وہ گھر کر سکیں اور فطری و طبعی رجحانات کو ان حقائق کی جانب متوجہ کیا جا سکے اور یہ جب ہی ممکن ہے کہ ایک بات کو مختلف پیرایۂ بیان اور مناسب حال اسلوب نگارش سے بار بار دُہرایا جائے اور خوابیدہ قوائے فکریہ کو پے بہ پے بیدار کیا جائے۔

وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْھُدٰی

ختم شد

البلاغ المبین حصہ اول کتاب دوم

شب درمیانی ۱۹/۲۰ جون ۱۹۴۵ء مطابق ۹/۱۰ رجب ۱۳۶۴ھ

بوقت ۱۱ بجکر ۳۰ منٹ بروئے حساب جدید

مدح یا قدح؟

الفاروق کو ختم کرتے وقت مولوی شبلی نے خاتمہ میں دعویٰ کیا ہے کہ حضرت عمر کے سوانح اور حالات جس تفصیل و صحت سے الفاروق میں لکھے گئے ہیں وہ تفصیل و صحت کی آخری حد ہے۔ اس دعوے پر یہاں گفتگو کرنے کی مجھے ضرورت نہیں۔ "البلاغ المبین" کے صفحوں کے مطالعہ سے ناظرین کو ظاہر ہو گیا ہو گا کہ الفاروق کو کس رنگ کی عینک لگا کر لکھا گیا ہے۔ بہترین مدح جو حضرت عمر کی ہو سکتی ہے وہ مولوی شبلی کی رائے میں شاہ ولی اللہ دہلوی کی فارسی کی عبارت میں کی گئی ہے۔ جس پر پروفیسر صاحب ممدوح نے الفاروق کو ختم کیا ہے۔ کیونکہ اُس سے بہتر کوئی اور عبارت حضرت عمر کی جامعیت کمالات کے اظہار میں نہیں لکھی جا سکتی۔ وہ عبارت یہ ہے :۔

سینۂ فاروق اعظم را بمنزلہ خانہ تصور کن کہ درہائے مختلف دارد۔ و در ہر درے صاحب کمالے نشستہ در یک در مثلاً سکندر ذوالقرنین باآنہمہ سلیقۂ ملک گیری و جہاں ستانی و جمع جیوش و برہم زدن اعداء و در در دیگر نوشیروانے باآں ہمہ رفق ولین و رعیت پروری و داد گستری (اگرچہ ذکر نوشیرواں در مبحث فضائل حضرت فاروق سوءِ ادب ست) و در در دیگر ابو حنیفہ یا امام مالکے باآں ہمہ قیام بعلم و فتویٰ و احکام و در در دیگر مرشدے مثل سیدی عبدالقادر جیلانی یا خواجہ بہاؤالدین و در در دیگر محدثے بروزن ابوہریرۃ و ابن عمر، و در در دیگر حکیمے مانند مولانا جلال الدین رومی یا شیخ فرید الدین عطار، و مردمان گرداگرد ایں خانہ ایستادہ اند۔ و ہر محتاجے حاجت خود را از صاحب فن درخواست می نماید و کامیاب می گردد۔

ہمارا شروع سے دعویٰ رہا ہے کہ حکام سقیفہ میں وہ صفات نہیں تھیں جو حکومت الٰہیہ اسلامیہ کے حکام میں لازمی ہیں اور یہ جو غایت درجہ کی اُن کی مدح ہے وہ ہمارے دعوے کی دلیل ہے۔

یہ ظاہر ہے کہ جب کسی صفت میں کسی کے ساتھ تشبیہ دی جاتی ہے تو مشبہ بہ اُس صفت کا بہترین مظہر اور حامل سمجھا جاتا ہے۔ اور جس کو تشبیہ دیتے ہیں۔ اُس کا اتنا ہی کمال کافی ہے کہ اُس صفت میں اُس کے لگ بھگ ہے اور زیادہ سے زیادہ اس کے برابر ہے۔ یہ کبھی نہیں ہوتا کہ مشبہ بہ کو مشبہ سے اُس صفت میں کمتر خیال کیا جائے۔ اگر مشبہ بہ کو اُس سے کمتر جانتے، تو پھر تشبیہ ہی کیوں دیتے۔

پہلے ہم سکندر اعظم کو لیتے ہیں۔ اس نے ان چار صفات میں تشبیہ دی ہے۔ ملک گیری۔ جہان ستانی۔ جمع جیوش اور برہم زدنِ اعداء۔ اِن چاروں صفات کے حالات سنیئے۔ سکندر کی عمر بیس سال کی تھی۔ اُسکے باپ فلپ کی سینتالیس سال کی۔ عمر طبعی تک اگر فلپ زندہ رہتا تو سکندر کا شوق اور ہوسِ ملک گیری بڈھے ہو جاتے جب کہیں سلطنت ملتی۔ سکندر اور اُس کی ماں نے آزاد پایا کہ فلپ سکندر کو تخت سے محروم کرنا چاہتا ہے اور آخر کار فلپ کو قتل کرا دیا۔ یہ تو ملک گیری ہوئی۔ اب جہاں ستانی اور برہم زدنِ اعداء کی سُنیئے۔ جب شہر صور کو فتح کیا تو نہتے شہریوں کے قتل عام کا حکم دے دیا۔ صرف اس وجہ سے کہ صور کی فوج کی بہادری کی وجہ سے صور کے فتح ہونے میں تاخیر ہو گئی تھی۔ ایک ہزار شہریوں کے سر شہر پناہ کی دیوار پر لٹکا دئے۔ اور اس کے علاوہ تیس ہزار باشندوں کو لونڈی و غلام بنا کر فروخت کر دیا جو لوگ آزادی پسند تھے ان کو قتل کرا دیا۔ جب شہر Thebes کو فتح کیا تو تمام شہر کا قتل عام کرا دیا۔ تیس ہزار لونڈی غلام بنا لئے۔ اور شہر کو برباد کرا دیا، کہ نشان

تک باقی نہ رہا۔ باقی شہروں نے ڈر کر پناہ مانگی اتھنز میں مخالفین کو اپنی طرف کرنے کے لئے رشوت بھی دی چنانچہ سب سے بڑے خطیب Phocion کے پاس کافی رشوت بھیجی۔ لیکن اس نے واپس کر دی۔ دیکھو۔

Sir William Smith's History of Greece, P. 529 & 537

یہ حکومتِ الٰہیہ ہے یا حکومتِ فرعونیہ جس کے حکمرانوں کی عزت ایسے آدمیوں سے مقابلہ کرکے بڑھتی ہے۔ اس قسم کی جہاں ستانی، جمع جیوش، برہم زدنِ اعداء ہمت عمر ہی کے لئے باعثِ فخر ہو سکتی ہے۔ اندھوں میں کانے بادشاہ۔ نوشیرواں کے انصاف پر فخر ہوتا ہے۔ سب سے بڑا ظلم تو کفر ہے۔ نوشیرواں اس کا مرتکب تھا تو ایک مسلمہ ظالم کا انصاف کیا۔ اور حکومت الٰہیہ کے سردار کے لئے وہ کیونکر باعثِ فخر ہو سکتا ہے۔ اب رہے ابو حنیفہ، امام مالک۔ جلال الدین رومی ابن عمر و عطار وغیرہ۔ زیادہ ہمت کی تو امت کے چند علماء کے ساتھ برابری کا فخر حاصل ہو سکا۔ ان سے مقابلہ ہی کیا جانا باعث ننگ ہے۔ اگر برابر بھی ہو گئے تو کونسی بڑی بات ہے۔ باپ کو یہ فخر ہے کہ اپنے بیٹے کی برابر سمجھا جاتا ہے۔ جانشینِ رسول، حاکم حکومتِ الٰہیہ کو یہ فخر ہے کہ امت کے چند علماء کے برابر وہ ہو سکتا ہے۔ اور یہ بھی اس کی موجودگی میں جس کی نسبت خود جلال الدین رومی فرمائیں کہ:۔ ع افتخارِ ہر نبی و ہر ولی۔ جسکی ایک اولاد کی نسبت ابو حنیفہ یہ کہیں کہ لولا السنتان لہلک النعمان، جسکی نسبت خود حضرت عمر کہیں کہ لولا علیؑ لہلک عمر۔ اور جو خود تمام امت کو ہدایت حاصل کرنے کی "سلونی قبل ان تفقدونی" کی صلاءِ عام دے۔ اصل بات تو یہ ہے کہ یہ بزرگوار سمجھے ہی نہیں کہ جناب رسول خدا کی نبوت کا جزو اور ان کے فرائض میں سے ایک فرض دین کے اوپر حکومتِ الٰہیہ کا قائم کرنا تھا۔ پھر وہ حکومت الٰہیہ کی ماہیت اور اصل غرض و غایت کو کیا سمجھتے۔ انہوں نے تو اس کو ایک معمولی دنیاوی حکومت

سمجھا۔ اور جس طرح دنیاوی بادشاہوں کی تعریف کی جاتی ہے اُس طرح اپنے حکام کی تعریف کر کے خوش ہوتے ہیں۔ ان کے دماغ ہی میں نہیں آتا، کہ حکومتِ الٰہیہ کے حکام کا درجہ سلاطینِ عالم سے کہیں بالاتر ہے۔ سلاطینِ عالم اگر محض عدل کرنے کی کوشش کریں اور بسا اوقات عدل کریں بھی، لیکن کئی جگہ ظلم اور زیادتیاں کر جائیں، تو وہ نہایت اچھے بادشاہوں میں گنے جائیں گے اور پچاس سال کی سلطنت میں دس بارہ ظلم کی مثالیں محض نظر انداز کرنے کے قابل ہوں گی۔ حکومتِ الٰہیہ کا حاکم اگر اپنی صد سالہ حکومت میں ایک ظلم بھی کر جائے تو وہ اپنے درجہ سے گر جائیگا۔ دیکھو سکندر کی سرعت فتوحات نے ان بزرگواروں کی آنکھیں خیرہ کر دیں اُس نے جو چند ظلم کئے تھے وہ نظر انداز کر دئے۔ فقہ میں بھی حاکم حکومتِ الٰہیہ ایک غلطی بھی کر جائے یا ایک سوال کا بھی جواب نہ دے سکے تو نتیجہ نکالا جائیگا کہ وہ حکومتِ الٰہیہ کا حاکم نہیں ہے۔ دیکھو یاد رکھو بادشاہ کے ایک اس ظلم کا سلسلہ بہت دور تک نسلاً بعد نسلٍ چلتا ہے۔ راہنما کی ایک غلطی ہزاروں کو گمراہ کرتی ہے۔ یہ نہ سمجھو کہ کیا ہوا ایک ظلم ہو گیا ایک غلطی ہو گئی جنسے مقابلہ کر کے حضرت عمر کے لئے فخر کی جگہ پیدا کر رہے ہو۔ یعنی ابوحنیفہ۔ ابن عمر۔ مالک۔ وغیرہ ان کی تو فقہ میں سینکڑوں غلطیاں تھیں اگر ان کے برابر آپ کی سلطنت کا حاکم آگیا تو کونسی جائے فخر ہے۔ شاہ ولی اللہ دہلوی کی یہ عبارت تو حاکم حکومتِ الٰہیہ کیلئے مدح نہیں ہے بلکہ قدح ہے۔ دیکھو مشابہت یہ ہے اور حاکم حکومتِ الٰہیہ ایسا ہوتا ہے:۔

قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اللہ تعالیٰ جعل لاخی علی بن ابیطالب فضائل لاتحصی کثرۃ فمن ذکر فضیلۃ مقراً بھا	جناب رسول خدا نے فرمایا کہ خداوند تعالیٰ نے میرے بھائی علی کو اتنے فضائل عطا کئے ہیں کہ جن کی کثرت کا شمار نہیں ہو سکتا جس شخص نے ان میں سے ایک فضائل کا

غفر اللہ ما تقدم من ذنبہ وما تاخر .... ومن اراد ان ینظر الیٰ اٰدم فی علمہ و نوح فی فہمہ وابراہیم فی خلقہ وموسیٰ فی مناجاتہ وعیسیٰ فی سننہ ومحمد فی ہدیہ وحلمہ فلینظر الیٰ علی بن ابیطالب۔

قائل ہو کر ذکر کیا۔ خداوند تعالیٰ اس کے گناہان ماضی و آئندہ بخش دیتا ہے.... جو چاہتا ہے کہ آدم کو ان کے علم میں نوح کو اُن کے فہم و ذکا میں۔ ابراہیم کو انکے خلق میں، موسیٰ کو صفت کلیمی میں عیسیٰ کو ان کی سنن میں۔ محمد کو ہدایت کرنے کی اہلیت میں اور حلم میں دیکھے اس کو چاہیئے کہ علی بن ابی طالب کو دیکھے۔

(البلاغ المبین صفحہ ۴۱۰ تا ۴۱۸)

حکومتِ الٰہیہ کے حکام ایسے ہوتے ہیں
ببیں تفاوتِ رہ از کجاست تا بکجا۔

شکریہ

جس فراخدلی خلوص نیت اور محبت سے قوم نے البلاغ المبین حصہ اول کتاب اول کو شرفِ قبولیت بخشا ہے اور جس جوش اور شوق سے اُس کا خیر مقدم کیا ہے اُس کا شکریہ ادا کرنا میری طاقت سے باہر ہے۔ ہندوستان کے دور و دراز کونوں سے سیلون و بنگلور و آسام و سندھ سے بلکہ افریقہ کے ریگستانوں سے میرے پاس میرے ان محسنوں کے خطوط آئے ہیں جن سے مجھ کو شرفِ تعارف بھی حاصل نہ تھا۔ انہوں نے محض محبت و جوشِ ایمانی کے جذبات سے متاثر ہو کر میرے لئے اور میری کتاب کے لئے اپنے ایسے گراں قدر خیالات کا اظہار ایسے مبالغہ آمیز الفاظ میں فرمایا ہے کہ ان کو پڑھ کر جذبات سے بھرا ہوا دل زبان تک صرف اسی قدر پیغام بھجوا سکا کہ "کیا اچھا ہوتا کہ میں ایسا ہوتا"۔ نومبر ۱۹۴۲ء کے آخر میں دفتری نے جلدیں مکمل کر کے میرے پاس

بھیجیں۔ اور مارچ ۱۹۴۵ء کے آخر تک سب فروخت ہوگئیں۔ صرف بیس جلدیں
میں نے اپنے پاس اس خیال سے روک لیں کہ شاید کسی حق کے طالب کو کہیں اور سے
نہ ملے تو میں بھجوا دوں۔ اور وہ بھی اب تو ختم ہوگئیں۔ چار مہینوں میں پانچ صد کتابوں کا
اس سُرعت کے ساتھ فروخت ہو جانا اور وہ بھی ان ایام میں میں اپنے مولا کا ایک معجزہ
سمجھتا ہوں۔ اور یہ حُسنِ قبول بہترین افضالِ الٰہی میں سے ایک فضل ہے۔ میں اپنی قوم
کی اس ہمّت افزائی کو امراء کے انعامات و اکرامات سے کہیں زیادہ قابلِ قدر سمجھتا
ہوں۔ اور میرے لئے یہ اطمینان کہ میری محنت اور جانفشانی کو میری قوم نے پسند کیا ہزارہا
تمغہ ہائے نقرئی و طلائی سے بہتر اور خوش آیند ہے۔

اُس ہی اطمینان اور خوشی کے ساتھ اب میں البلاغ المبین حصّہ اوّل کی
کتاب دوم کو قوم کی خدمت میں پیش کرتا ہوں۔

ابھی سر میں یہ سودا باقی ہے۔ البلاغ المبین حصّہ دوم زیرِ تحریر ہے اُس میں
اسناد و تراجم ہوں گے اُن راویوں اور اُن مؤلفین و مصنفین و مورخین و محدثینِ
اہلِ سنّت و جماعت کے جن کی روایتوں اور جن کی کتابوں کے حوالے البلاغ المبین
میں دئے گئے ہیں۔ کیونکہ وکلائے اہلِ حکومت کی عادت ہے کہ جب انکی ہی کتابوں سے
قائل کیا جاتا ہے اور ایسی شہ مات کشت آکے پڑتی ہے کہ کوئی اور صاحب شرم و
حیا ہو تو مان جائے۔ یہ بزرگوار کہنے لگتے ہیں کہ ہم تو اس مصنف یا راوی کو نہیں مانتے
یہ نہیں والی ادائے دلربا یا نہ اُن کی ایسی عادت مستمرہ ہوگئی ہے کہ اس کا بھی پہلے
ہی سے انتظام کر لینا چاہیئے۔ اس کے بعد اگر زندگی نے وفا کی، ہوش و حواس نے ساتھ
دیا، اور توفیقِ الٰہی اسی طرح شاملِ حال رہی تو انشاء اللہ جانشینیٔ پیغمبرِ اسلام پر
ایک کتاب انگریزی میں لکھ کر انگلستان میں طبع کراؤں گا۔ غرضکہ جب تک یہ سر ہے
یہی سودا رہے گا۔

حکیم الملت قبلہ وکعبہ جناب حکیم مولوی سید ظفر مہدی صاحب مدظلہ العالی

وہ اگر یاد کریں ہم کو تو بھولیں کس کو
ہم اگر ان کو بھلا دیں تو کسے یاد کریں

جب کسی قوم میں قحط الرجال ہوتا ہے اور خداوند تعالیٰ چاہتا ہے کہ وہ قوم باقی رہے تو اُس قوم میں چند ایسی برگزیدہ ہستیاں پیدا کر دیتا ہے جو قوم کے امراض کی تشخیص کر کے مداوا کر سکیں۔ آج کل ہندوستان میں جو ملتِ شیعہ کی حالت ہے وہ محتاجِ بیان نہیں۔ خدا رکھے اب بھی اس قوم میں بہت سے عالم موجود ہیں۔ با عمل بھی ہیں ایسے کہ جن کی خاکِ پا اکسیر کا حکم رکھتی ہے۔ لیکن پھر بھی قوم پستی کی طرف جا رہی ہے۔ تفرقہ پڑا ہوا ہے۔ نفسی نفسی ہے۔ نتیجہ نکلا کہ کسی چیز کی تو راہنماؤں میں کمی ہے جو رہنمائی نہیں کر سکتے۔ اور یہ میرا اعتقاد ہے کہ عالمِ دین کے سوا کوئی اور راہنمائی حقیقی نہیں کر سکتا۔ ملتِ حقہ کے لیڈروں میں ان صفات کا اجتماع ضروری ہے۔

(۱) علمِ دین سے واقف ہو۔

(۲) فریق بندی سے بالاتر ہو۔

(۳) تمام لوگ اُس کی عزت کریں اور وہ اُن سے اپنی بات منوا سکے۔

(۴) نفس کشی کی عادت ہو۔

(۵) نفس پروری جس میں غرور و خود غرضی شامل ہیں اُس میں نہ ہو۔

(۶) ملت کا دردِ صحیح اُس کے دل میں ہو۔

(۷) حکام میں رسوخ رکھتا ہو۔

(۸) زمانہ کا نبض شناس ہو۔ اور موجودہ زمانے کی ضروریات سے واقف ہو۔

(۹) لوگوں کے عیوب اُن کے مُنہ پر بیان کرنے سے نہ ڈرے۔
اور اس انصاف وحقیقت کے ساتھ وہ عیوب بیان کرے کہ لوگوں
کے دلوں سے پھر بھی اس کی عزت کم نہ ہو۔
(۱۰) بات کو چبا کر کہنا۔ کچھ دل میں رکھنا، کچھ زبان پر لانا۔ اس
سے کچھ کہنا، اُس سے کچھ کہنا یہ عادتیں اُس میں نہ ہوں۔
(۱۱) ہمیشہ عبا، قبا، جبہ، عمامہ ہی کی دنیا میں نہ رہے اور اُس کا
علم وزہد وتمکنت اُسے لوگوں سے متنفر نہ رکھے۔
(۱۲) اس بات کا اُس کو ایسا ہی یقین ہو جیسا کہ اُس کو اپنی موجودگی
کا ہے کہ لتحملن ذنوب سفہائکم علیٰ علمائکم۔ یعنی تمہارے
جاہلوں کے گناہوں کا بوجھ تمہارے علماء اٹھائیں گے۔
قبلہ وکعبہ جناب حکیم مولوی سید ظفر مہدی سبزواری ثم جائسی ثم
لاہوری اُن بزرگواروں میں سے ہیں جن میں یہ صفات پائی جاتی ہیں
مجھے سنہ ۱۹۲۹ء سے حضور والا کی قدمبوسی کا شرف حاصل ہے اور اتنے عرصہ
میں میرے دل میں حضور کی عقیدت بڑھتی ہی گئی۔ ملّت کا درد، بے لوث
خدمت خلق، ائمہ علیہم السلام کی محبّت، لوگوں کے عیوب اُن کے منہ پر بخوف و
خطر بیان کر دینے، سوائے خدا کے کسی سے نہ ڈرنا۔ آپکی یہ چند صفات منجملہ
دیگر صفات حمیدہ کے ہیں کہ جن کا تجربہ ہر ایک شخص کو حاصل ہے جو آپ کی
خدمت میں رہتا ہے۔ عزم ایسا مصمم ہوتا ہے کہ جس کام کا ارادہ کر لیتے ہیں
اس کو کر کے رہتے ہیں۔ لاہور میں سینکڑوں انسانوں کی زندگیاں بنا دیں
بہتیروں کو راہ راست دکھا دی، ہر ایک کو نماز پڑھنی سکھا دی۔ علماء میں
ایسا ہی رسوخ جیسا جُہلا میں۔ اراکین سلطنت اُتنی ہی عزت کرتے ہیں کہ
جتنی اُن کے معتقدین کرتے ہیں۔ بات بعض دفعہ نہایت کڑوی کہتے ہیں۔
لیکن چونکہ محبت بھرے دل سے نکلی ہوئی ہوتی ہے اُس میں اتنی شیرینی

ہوتی ہے کہ اُس کی کڑواہٹ بھی شیرینی میں مبدل ہو جاتی ہے۔ دوسروں کے دُکھوں کو اپنا دُکھ سمجھتے ہیں۔ میں نے دیکھا ہے کہ کڑکتے جاڑوں میں دوسروں کے کاموں کے لئے اِدھر سے اُدھر اس طرح پھرتے تھے کہ جس طرح کوئی اپنے کام کے لئے بھی نہ ایسے جاڑے میں پھرے گا۔ غرضکہ خدمتِ خلق میں موسم گرما کی گرمی اور بادِ سموم اور موسم سرما کی سردی، بادِ زمہریر آپ پر کچھ اثر نہیں رکھتی ہیں۔ ایک کیا سینکڑوں اور ایسی صفات ہیں کہ ان کا ذکر ہی ایک علیحدہ کتاب چاہتا ہے۔ اگر تمثیل کی گستاخی معاف کردی جائے تو عرض کروں ؎

خوبی ہمیں کرشمۂ و ناز و خرام نیست
بسیار شیوہاست بتاں را کہ نام نیست

جہاں آپ گئے وہاں تھوڑے ہی عرصہ میں اپنے ملنے والوں کی جماعت کو اُن کی پہلی حالت سے کئی درجہ بلند کردیا۔ جو آپ کے پاکپٹن اور لاہور کے جہادوں سے واقف ہیں وہ آپ کی قدر و منزلت کا اندازہ اچھا لگا سکتے ہیں۔ ایسے بزرگوار ہیں جو قوم کی رہنمائی اور لیڈری ایسے نازک وقت میں بہت اچھی طرح کرسکتے ہیں۔ جو عشق و عقیدت مجھے حضور سے ہے اس نے مجھے مجبور کیا کہ اپنے ناظرین کو حضرت حکیم الملّت ممدوح کا تعارف بھی کرادوں۔ یا بالفاظِ دیگر اپنی عقیدت کا اظہار کردوں۔ کیونکہ میرے ناظرین میں سے بہت کم ایسے ہوں گے جن کو پہلے سے آپکا تعارف نہ ہو۔

تا حدیثِ تو کنم بزم سخن می سازم
ورنہ در خلوتِ ما انجمنے نیست کہ نیست

انتساب

خداوند تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ میری مسافت کی دوسری منزل ختم ہوئی۔ قاعدہ ہے کہ مصنف اپنے حلقۂ واقفیت میں سے عظیم ترین ہستی کی طرف اُس کی اجازت سے اپنی کتاب کو نسبت دیتا ہے تاکہ اُس کی عظمت کا پرتو کتاب پر پڑ کر اُسے روشن کردے۔ میں نے اس جستجو میں اپنے والد بزرگوار آغا محمد سجاد مرزا صاحب مرحوم سے بہتر اور بزرگ تر کسی اور انسان کو نہ پایا۔ اگر اُنکی ساری صفات کو بیان کرنے لگوں تو ایک کتاب بن جائے۔ اُس شخص سے کون بہتر ہو سکتا ہے جس نے اپنی ساری عمر میں ایک مرتبہ جھوٹ نہیں بولا، ایک دفعہ کسی غیر عورت پر نگاہ نہ ڈالی۔ کوئی وعدہ نہیں کیا جس کو وفا نہ کیا ہو۔ کسی کا حق نہیں لیا کسی کی غیبت نہیں کی۔ لیکن ہر ایک کا عیب اُس کے منہ پر بیان کر دیا تاکہ وہ اصلاح کرلے حُبِّ محمد و آلِ محمد میں مستغرق، خدا کی عبادت میں محو۔ حق پر ہوتے ہوئے نہ اپنے افسروں سے ڈرے اور نہ سوسائٹی کا خوف کیا۔ اپنے اعلیٰ سرکاری عُہدہ [illegible] صرف اس وجہ سے مستعفی ہوگئے کہ اُن کے ڈائرکٹر پبلک انسٹرکشن نے اُن سے کہا کہ اپنے ضلع کے کلکٹر صاحب بہادر سے زبانی ہی معافی مانگ لو۔ چونکہ یہ اپنے تئیں حق پر سمجھتے تھے اور اُس خاص تنازعہ میں جو محض بورڈنگ ہاؤس میں جنگلی کبوتروں کے شکار کھیلنے کے متعلق تھا کلکٹر صاحب کو غلطی پر جانتے تھے معافی نہ مانگی۔ ڈائرکٹر صاحب بہادر نے ان کے ضلع مُرادآباد کا دُورہ محض اس غرض سے رکھا کہ ان کو استعفٰی واپس لینے پر مجبور کریں۔ ڈائرکٹر صاحب تشریف لائے اور بہت اُنہوں نے سمجھایا لیکن انہوں نے استعفاء واپس نہ لیا اب وہ ایسی جگہ ہیں کہ میں اُن سے انتساب کی اجازت تو نہیں لے سکتا۔ لیکن اس امر کا یقین کرتے ہوئے کہ اُن کی روح میری اس محنت سے بہت خوش ہو گی نہایت خوشی و فخر کے ساتھ اُن کی طرف اس ناچیز تالیف کو منسوب کرتا ہوں۔

محمد سلطان مرزا

۱۶ [illegible] ۱۹۴۵ء [illegible] رجب ۱۳۶۴ ہجری

[illegible] نمبر ۵۵ [illegible] مدید تاکم

فہرست مضامین

ضروری نوٹ: بنمبر صفحات پہلی کتاب کے سلسلے سے رواں ہیں۔ کتاب دوم صفحہ ۹۱۳ سے شروع ہوتی ہے۔